اردو
تقریر بخاری شریف
حصہ اوّل، دوم، سوم
من افادات
العلامة المحدث الکبیر برکة العصر ریحانة الهند صاحب الفضیلة الشیخ
مولانا محمد زکریا الکاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث بالجامعہ مظاہر العلوم سہارنفور الہند
الجمع والترتیب
فضیلة الشیخ مولانا محمد شاہد السہارنفوری حفظہ اللہ
الناشر
مکتبة الشیخ
٤٤٥/٣ بهادر آباد، کراتشي ٥
الهاتف: ٠٢١-٣٤٩٣٥٤٩٣

قال اللہ تبارک وتعالیٰ

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

تقریر بخاری شریف اردو

﴿ حصہ اول ﴾

العلامة المحدث الكبير بركة العصر ريحانة الهند صاحب الفضيلة الشيخ

مولانا **محمد زكريا** الكاندهلوي رحمه الله تعالى

شيخ الحديث بالجامعة مظاهر العلوم سهارنفور الهند

فضيلة الشيخ مولانا **محمدشاهد** السهارنفوري حفظه الله

مكتبة الشيخ

٣/٤٤٥بهادر آباد كراتشي ٥

0213-4935493

0321-2277910

نام کتاب : تقریر بخاری شریف اردو (حصہ اول)
افادات : حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ
جمع وترتیب : حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ العالی
ناشر : مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵ بہادر آباد کراچی ۵

ضروری وضاحت: کتاب ہذا کی کمپوزنگ وتصحیح کا خوب اہتمام کیا گیا ہے لیکن پھر بھی غلطی سے مبرا ہونے کا کون دعویٰ کرسکتا ہے؟ اساتذہ کرام وطلبہ جس غلطی پر بھی مطلع ہوں ازراہ عنایت اطلاع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ ادارہ

فہرست مضامین حصہ اول

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

کلمات دعائیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اس ناکارہ کی بخاری شریف کی تقریر کا حصہ اول عزیز شاہد سلمہ نے دوسال قبل طبع کیا تھا۔ جس کی تفصیل میں اس کی تمہید میں لکھ چکا ہوں۔ اس وقت مدینہ منورہ میں معلوم ہوا کہ میرے مخلص دوست مولانا الحاج محمد یحیٰ صاحب مدنی (مدیر مکتبة الشیخ بہادرآباد کراچی پاکستان) اس کو دوبارہ طبع کرا رہے ہیں۔ اور مجھ سے چند کلمات دعائیہ لکھوانے کی فرمائش کی ہے۔ یہ ناکارہ اپنی نااہلیت کے باوجود بالخصوص حدیث پاک کی خدمت کو تو بہت اہم سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے موصوف کو ان کی مساعی جمیلہ کا دونوں جہاں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور کتاب کے فوائد سے لوگوں کو زائد سے زائد متمتع فرمائے اور جو خطاء ولغزش اس سیہ کار سے یا ناقلین سے ہوئی اس کو اپنے فضل سے معاف فرمائے اور لوگوں کو اس سے محفوظ فرمائے۔ فقط۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا الحاج) **محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ**

مدینہ منورہ

۸ شوال المکرم ۱۳۹۲ھ

کلمات طیبات

از حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا الحاج محمد زکریا صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ثم مہاجر مدنی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہوا جن کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل
وہی گل ہوائے خزاں کھا رہے ہیں

یہ ناکارہ ۴۴ھ میں دوسری مرتبہ اپنے حضرت مرشدی ومرشد عالم مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کی ہمرکابی میں حجاز مقدس حاضر ہوا تھا اور شروع ۴۶ھ میں وہاں سے واپسی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے حقیقتاً تو اپنی گندگیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اور ظاہراً مدرسہ کے تدریسی وانتظامی مشاغل کے علاوہ اپنے تالیفی مشاغل کی وجہ سے (جس کا چسکہ بذل المجہود کی تالیف کے سلسلہ میں پڑ گیا تھا) حاضری میسر نہ ہوئی۔ میرے مخدوم، مخدوم العالم شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہ نے بھی دومرتبہ بہت ہی شدید اصرار اس نابکار کی ہمرکابی پر کیا۔ اور قدوۃ التواضع والمراحم حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے آخری سفر میں اس سیہ کار کی ہمرکابی پر بہت ہی اصرار فرمایا۔ بلکہ حضرت رائے پوری قدس سرہ کا یہ آخری سفر اس سیہ کار کے حج کرانے کے لئے ہی ہوا تھا۔ جیسا کہ غالباً آپ بیتی میں کسی جگہ لکھوا بھی چکا ہوں۔ تجویز ہوائی جہاز سے جانے کی تھی جس کو حکومت مصر نے عین وقت پر اپنی سرحد سے پرواز کرنے کی ممانعت کردی اور یہ نابکار اپنی جوانی میں بھی یعنی ۳۸ھ میں جب کہ میرا پہلا سفر حج ہوا تھا اور اس وقت میری عمر ۲۲، ۲۳ سال کی تھی بحری جہاز کی ہواؤں اور بدبوؤں کا تحمل نہ کرسکا تھا کہ ہر وقت دوران سر کی وجہ سے پڑا رہتا تھا۔

اس لئے اس موقعہ پر ہمرکابی کی ہمت نہ کرسکا۔ اور چونکہ حضرت رائے پوری کے عزم وارادہ کی وجہ سے بہت سے خدام نے اپنے حج فرض کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر میں ارادہ ملتوی کرتا ہوں تو ان سب کا حج فرض ملتوی ہوجائے گا۔ اس لئے باوجود ضعف وپیری کے حضرت نے بحری جہاز سے سفر فرمایا اور یہ محروم محروم ہی رہا۔ لیکن ۸۳ھ میں عزیز گرامی قدر ومنزلت قرۃ العین وفلذۃ الکبد مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ہمرکابی میں ہوائی جہاز سے لے جانے پر اتنا شدید اصرار کیا کہ میرا کوئی عذر قبول نہیں کیا۔ اس کی تفصیل بھی غالباً میں آپ بیتی میں سفر حج کے سلسلہ میں لکھوا چکا ہوں۔ مرحوم اپنی غایت محبت کی وجہ سے اہل حجاز اور اہل مطہرہ سے یہ وعدہ بھی کرآئے کہ ہر تیسرے سال میں بھی آؤں گا اور شیخ الحدیث کو بھی ساتھ لایا کروں گا۔ وہ مرحوم تو وعدہ کرکے دارالبقاء تشریف لے گئے اور ان کے دراثر سے اس سیہ کار کے سفر حجاز کا راستہ کھل گیا۔

اس کے بعد کئی مرتبہ حاضری ہوئی اور بعض مرتبہ طویل قیام کی بھی نوبت آئی جس کی تفصیل اگر مقدر میں ہوئی اور آپ بیتی کا کوئی حصہ بعد میں لکھا گیا تو اس میں آجائے گی۔ کہ یہاں تو مضمون دوسرا ہے۔ وہ یہ کہ میں اپنے طویل قیام میں اس کتب خانہ کی کنجی جس کو میں نے اپنی زندگی اور حیات میں کسی کو بھی نہیں دی بلکہ اپنی غیبت میں اپنے کتب خانہ میں کسی کا قدم رکھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ وہاں میری عمر بھر کی کمائی، علمی خطوط، سلوکی خطوط، اکابر کے خطوط کا ذخیرہ پلندوں میں بندھا ہوا رکھا ہے۔ میری غیبت میں میرے اس فقرے سے فائدہ اٹھا کر کہ بارش وغیرہ میں کمرے کو دیکھتے رہیو، میرے دامادوں بالخصوص میرے نواسہ عزیز شاہد سلمہ نے بہت بری طرح اس پر قبضہ کیا میں حجاز میں بھی سنتا رہا اور واپسی پر بھی معلوم ہوا کہ میرے اہم خطوط اور علمی خزانے عزیز شاہد نے سارے ہی چھان ڈالے۔

میں نے حجاز کے قیام میں عزیز شاہد کو لکھا کہ یہ ساری چیزیں غیر مربوط مسودے ہیں۔ اتنے اس پر کسی معتمد کی نظر ثانی نہ ہو ہرگز طبع نہ کرائیں۔ اور میں اب اس قابل نہیں رہا کہ ان پر نظر ثانی کر سکوں۔ اور غور کر سکوں۔ لہذا جب تک مفتی محمود صاحب گنگوہی عزیزان مولوی عاقل و مولوی سلمان میں سے کوئی غور سے نظر ثانی نہ کرے اتنے کوئی چیز طبع نہ کی جائے مگر عزیز موصوف کی نوعمری کا زور اور میرے بعض دوستوں کا حسن ظن کہ انہوں نے بغیر نظر ثانی کی ضرورت کے اس کو طبع کرنے کی اجازت دیدی جس کا مجھے قلق ہے مگر چونکہ کئی چیزوں کی کتابت بھی ہو چکی۔ اور اختلاف الائمہ کا ایک نہایت مختصر اور ابتدائی حصہ طبع بھی ہو چکا جس کے متعلق میرے دوستوں نے کہا کہ جتنا بھی ہو جائے بہت کارآمد ہے طبع کرالیا جائے میرے تعجب کی انتہاء نہ رہی۔ جب لندن، افریقہ، حجاز، ہندوپاک سے اس ناقص حصہ کے بہت زیادہ مفید ہونے کے میرے پاس خطوط پہنچے اور ہندوپاک کے بعض احباب نے دوبارہ مجھ سے اس کی طباعت کی اجازت منگائی میں نے ان کو ضابطہ کا تو یہ جواب دیدیا کہ میری اردو عربی کی ہر کتاب کے طبع کرنے کی شوق سے اجازت ہے۔ مگر عزیز شاہد نے چونکہ اس کو طبع کرایا ہے۔ اس لئے ضابطہ کی اجازت اس سے لیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو دارین میں بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس نے اجازت دینے میں کس کو بخل سے کام نہیں لیا۔

اسی سلسلہ میں اس ناکارہ نے ۱۳۹۰ھ میں یہ خبر سنی کہ عزیز موصوف نے میری بخاری شریف کی تین تقاریر سب سے اول میرے مخلص دوست الحاج مولوی احسان الحق لائل پوری حال مدرس مدرسہ عربی رائے ونڈ ضلع لاہور جنہوں نے ۷۹ھ میں اس سیہ کار سے بخاری شریف پڑھی۔ اور بہت اہتمام سے اس کی تقریر لکھی۔ اور دوسری تقریر میرے مخلص مولوی محمد یونس صاحب جونپوری حال شیخ الحدیث مظاہر علوم جنہوں نے مسلسل ۸۰ء و ۸۱ء میں دو سال اس سیہ کار سے بخاری شریف پڑھی اور سب سے آخری میرے خواہرزادے اور داماد عزیزم مولوی حافظ محمد سلیمان سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم کی تقریر جنہوں نے ۸۶ھ میں مجھ سے ہی بخاری پڑھی۔ ان سب تقریروں کو سامنے رکھ کر عزیزم مولوی شاہد سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم نے ایک مکمل اور مسلسل تقریر جمع کرنی شروع کی اور فرط شوق میں اس کا اشتہار بھی قبل از وقت دے دیا اور اپنے اعتماد پر میری نظر ثانی کی اطلاعات بھی

اشتہار میں شائع کردیں۔آں عزیز کو یقین تھا کہ جب میں اصرار کروں گا تو وہ رد نہیں کرے گا اور یہ خیال صحیح بھی تھا لیکن امراض کی کثرت،ضعف دماغ،اور معذوری کی وجہ سے میں نے اپنے سننے سے تو معذوری ظاہر کردی لیکن یہ ضروری سمجھا کہ اس منتخب مجموعہ کو عزیزم مولوی یونس سلمہ ضرور ملاحظہ کرکے اس کی تصحیح کردیں۔مولانا موصوف نے اس کو قبول بھی فرمالیا لیکن وہ اپنے امراض کی کثرت کی وجہ سے نیز مدرسہ کے اسباق کی وجہ سے بہت ہی تاخیر سے نظر ثانی فرماسکے حتی کہ دوسال میں اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اس کو تقریر کا حصہ اول قرار دیا جائے۔ادھر عزیز شاہد کے قبل از وقت اشتہار دیدینے کی وجہ سے مجھ پر اور خود اس پر فرمائشوں کی بھرمار شروع ہوگئی۔اس لئے اب میں نے یہ تجویز کیا کہ جتنا بھی ہوچکا گو مختصر ہے اسے حصہ اول قرار دے کر شائع کردیا جائے۔اور اس کے بعد حصہ ثانی سے مولوی محمد یونس صاحب اپنی دونوں تقریروں پر نظر ثانی فرماکر حذف واضافہ کے ساتھ عزیز شاہد کے حوالہ کرتے رہیں تاکہ آں عزیز اس کو اصل قرار دے اور اگر مولوی احسان الحق صاحب یا عزیز مولوی سلیمان کی تقریر میں کوئی اضافہ ملے تو اس کا حاشیہ میں اضافہ کردیا جائے اور ان حواشی کی نظر ثانی عزیزان مولوی اظہار الحسن کاندھلوی مدرس حدیث مدرسہ کاشف العلوم دہلی اور عزیزم مولوی محمد عاقل سلمہ صدر المدرسین مظاہر علوم اور عزیز مولوی سلیمان سلمہ مدرس مدرسہ میں سے کوئی کرتا رہے تاکہ سب تقریروں پر نظر ثانی کا انتساب مولوی یونس صاحب کی طرف نہ ہو اور تاخیر بھی نہ ہو۔اس لئے آئندہ جلد ثانی سے یہی ترتیب تجویز ہوگی جو لکھی گئی۔اللہ تعالیٰ عزیز شاہد سلمہ کی مساعی جمیلہ کو مثمر ثمرات بنائے۔اور اس کو ان مساعی جمیلہ کا دونوں جہان میں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے کہ بہت مبارک جذبہ ہے اگرچہ عجلت میں ناتجربہ کاری ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ میری اور میرے ان سب معاونین اور دوستوں کی اور عزیز شاہد سلمہ کی لغزشوں سے درگزر فرماکر ان سب دوستوں کو ان کی مساعی کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے ان دوستوں کو جو مجھ ناپاک سے مالک کی ستاری کی وجہ سے حسن ظن ہے اس کی لاج رکھتے ہوئے ارشاد عالی **انا عند ظن عبدی بی** کے مطابق ان سب کے ساتھ ان کے حسن ظن کے موافق معاملہ فرمائے۔

واللہ الموفق لما یحب ویرضی واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(حضرت مولانا الحاج) محمد زکریا نوراللہ مرقدہ

۱۸ صفر ۱۳۹۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

ازمولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری شیخ الحدیث (سابق) فلاح دارین گجرات

علم حدیث درحقیقت نبی کریم کی مبارک زندگی کی نہایت مستند و معتمد تاریخ ہے۔ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر ﷺ کی ذات گرامی سے جو عشق و محبت کا تعلق ہے۔ دیگر امتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسی لئے انہوں نے آپ ﷺ کی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر خد و خال کو کمال دیانت و احتیاط سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے آج اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی پوری تصویر اور کامل زندگی کا نقشہ دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے احادیث کی کتابیں کافی ہیں۔ اپنے اس غیر معمولی تعلق کی بناء پر مسلمانوں نے الہامی طور پر علم حدیث کی حفاظت و صیانت کے لئے جو محیر العقول کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں۔ انہوں نے اس علم کی حفاظت و تدوین، نقل و اشاعت اور جمع و ترتیب، ضبط و اتقان اور ان تمام علوم پر خصوصی توجہ صرف کی جس کا اس علم سے کوئی تعلق یا رشتہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی عنایت خاصہ جو اس علم کی حفاظت و صیانت کے ساتھ رہی ہے اس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب ایک غیبی نظام کے تحت چل رہا ہے۔ اس امت میں ایسے غیر معمولی ذکی و ذہین افراد کا ایک سیلاب نظر آتا ہے جو اس علم کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی طلب میں براعظموں و سمندروں کو پار کر لینا، مصائب کو برداشت کر لینا اور دشوار گزار راستوں کو طے کر لینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات بن گئی۔ انہوں نے علم کی خدمت و اشاعت کا ایسا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا کہ گزشتہ امتوں اور سابق تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ وہ اپنے شغف اور عشق و بلند ہمتی اور خدمت علم اور اپنے ایثار و قربانی میں بے نظیر تھے۔

یہ محض امر اتفاقی نہیں بلکہ قدرت الٰہی کا ایک بڑا معجزہ اور ظاہر بین مادہ پرست انسانوں کے لئے ایک بڑا سبق اور انسانی تاریخ کی پیشانی پر ایک روشن علامت استفہام ہے کہ ایسا کیونکر ہوا؟ درحقیقت اسرار الٰہی میں سے ایک سر اور ایک روشن دلیل ہے کہ یہ رسالت آخری ہے۔ اور اس شریعت کے تا قیامت بقاء و دوام کا فیصلہ ہے۔

یہی غیبی انتظام اس امت کے لئے علم حدیث کی حفاظت اور مسائل کے استنباط و استخراج اور تمام علوم اسلامیہ اور اس کے متعلقات کی تدوین اور تالیف و تصنیف اور قیام مدارس کا سبب بنا۔ تمام بلاد اسلامیہ جہاں جہاں مسلمان فاتحین و مجاہدین، صوفیا و مبلغین، اساتذہ و مدرسین، فقہاء اور محدثین کے قدم پہنچے وہ اپنے ساتھ اپنے قرآن اور علم حدیث اور دیگر علوم کو لے گئے اور ان کی نشر و اشاعت کی۔

اسلام کی کرنیں سرزمین ہند میں قرن اول میں پہنچ چکی تھیں ان میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی تھے۔ تاریخ میں خصوصیت سے ربیع بن صبیح سعدی بصری رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ملتا ہے جو تبع تابعی بھی ہیں جو اس ملک میں تشریف لائے جن کے بارے علامہ چلپی کشف الظنون میں لکھتے ہیں۔ **ھو اول من صنف فی الاسلام** اسلام کے پہلے مصنفین میں ان کا شمار ہے گجرات کے ضلع بھروچ کے مقام بہاڑ بھوت میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

اگرچہ پہلی صدیوں میں اس ملک میں علم حدیث کا چرچا نہیں ہوا تھا جو بتدریج بعد کی صدیوں میں ترقی کر کے آگے بڑھتا رہا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ ملک محدثین کے وجود اور ان کے حلقہائے درس سے خالی تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا سلسلہ

مضامین ''ہندوستان میں علم حدیث''۔

خصوصیت کے ساتھ نویں و دسویں صدی میں خاصی تعداد اس ملک میں محدثین کرام کی وارد ہوئی۔ اور شاہان گجرات کی علم کی قدر دانی کی بناء پر اکثر کا قیام احمد آباد میں رہا اور وہیں مدفون ہوئے۔ اللہ کی توفیق سے بہت سے علماء حرمین شریفین اس کے مرکز میں سفر کر کے حاضر ہوئے اور علم حدیث کو حاصل کیا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور شیخ حسام الدین علی متقی صاحب کنز العمال م ۹۷۵ھ اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد بن طاہر پٹنی صاحب مجمع بحار الانوار م ۹۸۶ھ ہیں۔ ان حضرات کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ کا دور آیا۔ انہوں نے علماء حجاز سے اس علم کو حاصل کیا اور ہندوستان میں دلی کو اس کی نشر و اشاعت کا مرکز بنایا۔ انہوں نے اور ان کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ اور اولاد و احفاد نے تعلیم و تدریس شرح و تعلیق کے ذریعہ ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا کہ اس ملک میں اس علم کا عام چرچا ہو گیا۔

ان کے بعد مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب م ۱۱۷۶ھ کا دور آیا۔ انہوں نے یہاں سے حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ بالخصوص شیخ ابو طاہر مدنی کی خدمت میں چودہ مہینے قیام کر کے اس علم کو حاصل کیا۔

واپسی پر ہمہ تن علم حدیث کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو گئے اور ان کے بعد اس علم میں ہندوستان کو وہ مقام حاصل ہوا کہ کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا اور اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس اور دورۂ حدیث کا رواج ہوا حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ ایک بڑی جماعت ان سے فیضیاب ہوئی ان میں سے سب سے زیادہ مشہور و ممتاز حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی م ۱۲۶۲ھ کی ذات بابرکت ہے جو آپ کے نواسے بھی ہیں جن کی ذات گرامی اپنے دور میں علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ روئے زمین کے اطراف و اکناف سے تشنگان علم ان کے در پر حاضر ہوتے اور فیضیاب ہوتے اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں بھی ان کی نظیر اس دور میں شاید نہ مل سکے۔

ان کے ممتاز تلامذہ میں جن کے اسمائے گرامی سر فہرست لکھے جا سکتے ہیں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی م ۱۲۹۶ھ مہاجر مدنی ہیں۔ ان کے درس حدیث سے ہندوستان اور حرمین شریفین کے علماء کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی۔ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو اس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ان مخلصین کے درس و تدریس تصنیف و تالیف کی برکت سے ہندوستان اس علم کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

ان کے ارشد تلامذہ میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی م ۱۲۹۷ھ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی م ۱۳۲۳ھ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح اور درس و تدریس و افتاء کا مرکز بنایا حضرت قطب الارشاد کے محبوب شاگرد حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب متوفی ۱۳۳۴ھ ہیں جن کے سبب سے حضرت کے آخری دور کے دورۂ حدیث کی بہار دنیا نے دیکھی۔ حضرت اقدس تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اپنے درس میں ضبط و اتقان اور نادر تحقیقات کے موتی بکھیرتے تھے حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب نے حضرت کے درس کے افادات کو عربی زبان میں قلمبند فرمایا تھا۔ جو درحقیقت حضرت کے عمیق و وسیع مطالعہ اور طویل عرصہ کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب مرشدنا و استاذنا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم العالیہ کے والد بزرگوار ہیں

حضرت شیخ نے مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ (سوائے ابن ماجہ کے) ان سب کتابوں کو اپنے والد صاحب سے بحث وتحقیق سے پڑھا۔ نیز حضرت والد صاحب کے علاوہ حضرت شیخ نے اپنے استاذ ومرشد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری م۱۳۴۶ھ سے دوبارہ ان سب کتابوں کو سوائے ابن ماجہ کے کہ اس کا ابتدائی حصہ پڑھ کر اجازت لی تھی) پورے انہاک اور غیر معمولی دلچسپی سے پڑھا۔ اس کے علاوہ حضرت سہارنپوری کی معرکۃ الاراء شرح ''بذل المجھود فی حل ابی داود'' میں شریک رہے اور حضرت کے دست راست کی حیثیت سے کام کیا حضرت سہارنپوری کو اپنے لائق وسعید شاگرد پر غیر معمولی اعتماد تھا۔ مقدمۂ بذل المجھود میں حضرت سہارنپوری نے قرۃ عینی وقلبی کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔ بلکہ حضرت نے مسودہ میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا۔ ''ھو جدیر بان ینسب ھذا التعلیق الیہ'' کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت ان ہی کی جانب کی جائے۔ مگر حضرت شیخ فرماتے تھے کہ اس عبارت کو دبا میں نے حذف کردیا۔

حضرت شیخ اسی طرح اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارنپوری ان دونوں بزرگوں کے علوم وکمالات اور روحانیت کے سچے وارث وجانشین ہیں حضرت شیخ کی جس نورانی ودینی ماحول میں تعلیم وتربیت ہوئی اور جس روحانی وعملی فضا میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور اس کے بعد آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا آغاز فرمایا جس کی تفصیل خودنوشت سوانح ''آپ بیتی'' سے معلوم ہوسکتی ہے حضرت کے حالات زندگی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے اس دور میں امت اسلامیہ کی رہنمائی، اصلاح وتربیت اور علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کی عظیم الشان خدمت واشاعت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت خاصہ جو آپ کے ساتھ ہے اس کی بنا پر جو علمی کارنامے آپ نے انجام دیئے اور تاہنوز اس کا سلسلہ روز افزوں ہے بلامبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ قرون متاخرہ میں اس کی بہت ہی شاذ ونادر مثالیں ملیں گی۔ بالخصوص علم حدیث کی جو بیش بہا محدثانہ ومحققانہ خدمت انجام دیں وہ اہل علم واہل نظر کے سامنے ہے جس کا شمار اس دور کے نوادر میں سے ہے۔ قطع نظر ان مخطوطات کے جو ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آسکے۔ کتب فضائل کے علاوہ جو کتابیں مطبوع ہوچکی ہیں ان میں مؤطا مالک کی ضخیم شرح ''اوجز المسالک'' اور مقدمہ لامع الدراری اور لامع اور الکوکب الدری (۱) کے حواشی اور جزء حجۃ الوداع، الابواب والتراجم اور حاشیہ بذل المجھود، یہ وہ کتابیں ہیں جو اسلامی کتب خانہ کی زینت اور اہل علم ومدرسین کے لئے زادراہ ہیں۔

---

(۱) حضرت اقدس رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا اور ان کے علمی اور تالیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے وہ دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے۔ اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا میرے پاس آدمی پہنچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا۔ ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا۔ لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فورا حاضر ہوا۔ مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ ومعانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا۔ اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے۔ جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے ترمذی پڑھانے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ انتھی بلفظہ جہاں تک یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہوکر 1:35 بجے آئے تھے چھ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔

ہمارے اس ملک کے تقریباً تمام اعلیٰ مدارس میں دورۂ حدیث کے پڑھانے کا رواج ہے جبکہ مصر وشام کے بڑے بڑے جامعات میں حدیث کے صرف منتخبات پڑھائے جاتے ہیں۔ حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ نے تقریباً پینتیس سال تک مدرسہ مظاہر علوم میں ابوداؤد شریف کا درس دیا ہے اور بخاری شریف تقریباً نصف صدی تک حضرت والا کے زیر درس رہی۔ ان تمام خصوصیات کی بناء پر حضرت اقدس کا درس اس دور کا ممتاز ترین درس تھا۔ افسوس آنکھوں میں نزول ماء کی شکایت کی بنا پر ۱۳۸۸ھ سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر تصنیف وتالیف کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ بہت سے وہ حضرات جنہیں حضرت اقدس کے درس حدیث میں شرکت کا موقع نہیں ملا وہ کف افسوس ملتے ہیں اور آرزومند ہیں کہ کاش! حضرت کے درس بخاری کی تقریر طبع ہو جاتی تو شاید اس سے تسکین کا موقعہ ملتا بہت سے علماء وفضلاء اور اہل تعلق کا شدید اصرار وتقاضہ اس کی طباعت پر تھا۔ عزیز گرامی مولوی محمد شاہد سلمہ علمی حلقے کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں جنہیں حضرت اقدس کی کتابوں کی نشر واشاعت سے عشق ہے۔ انہوں نے اس پر مستقل محنت شروع کر رکھی ہے اور بخاری شریف کی متعدد تقاریر بالخصوص برادر محترم مولانا محمد یونس صاحب مدفیوضہم اور عزیز گرامی مولانا سلمان صاحب سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم اور برادر محترم مولانا احسان الحق لاہوری مدفیوضہم ان تینوں حضرات نے حضرت کی تقاریر کو مبسوط قلم بند کیا تھا۔ اس لئے ان سب کو سامنے رکھ کر وہ ترتیب دے رہے ہیں۔ اور مسودہ پر محترم مولانا محمد یونس صاحب نظر ثانی فرما رہے ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ تقاریر ہر طرح قابل اعتماد ہوگیا۔ حضرت اقدس جس انہماک، دلسوزی، نشاط وسرگرمی، تیاری وپابندی سے درس دیتے تھے اب اس کی صحیح تصویر کشی مشکل ہے ایک مرتبہ موسلا دھار بارش ہورہی تھی ساری سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا۔ یہ ناکارہ مدرسہ قدیم میں کتاب لئے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کم ہو تو سبق میں حاضر ہوں مگر بارش اسی زور وشور سے ہورہی تھی۔ حضرت مولانا اسعد اللہ مدظلہ (ناظم مدرسہ مظاہر علوم) اس وقت مدرسہ قدیم میں تشریف رکھتے تھے میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت اقدس آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے انہوں نے فرمایا کہ بظاہر تو مشکل معلوم ہوتا ہے باہر معلوم کرلو میں مدرسہ کے دروازہ پر آیا وہاں فروٹ بیچنے والے سائبان میں بیٹھے ہوئے تھے ان سے جب میں نے دریافت کیا تو ان لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے یہ بے بضاعت جلدی جلدی دارالحدیث میں حاضر ہوا وہاں بجلی بھی غائب تھی دارالحدیث میں اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا یہ ناکارہ چپکے سے جا کر بیٹھ گیا کہ مبادا نظر نہ پڑے۔ مگر حضرت نے دیکھ لیا فرمایا جانتے ہو کیسے آیا ہوں؟ اپنے مکان سے چلا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے اصرار سے مجھے بٹھایا اور یہاں لا کر میرے پیروں کو اور پائجامہ کے نیچے کا حصہ دھویا اور دارالحدیث پہنچا گیا۔ یہ ناکارہ یہ سن کر پانی پانی ہوگیا۔ حضرت اقدس کا درس گرمی، سردی، صحت، بیماری ان تمام حالات میں اسی نشاط وتازگی، سرگرمی وپابندی سے ہوتا تھا۔ حضرت کے دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی پورا دارالحدیث عطر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا۔ ادب ووقار وسکینت کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی کہ ایسا معلوم ہوتا کہ نبی کریم ﷺ مجلس میں تشریف رکھتے ہیں جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا وہ محسوس کرتا۔

باد صبا آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پر کھلی زلف یار ہے

اب میں مختصراً حضرت اقدس کے درس بخاری کی چند خصوصیات کی طرف مختصراً اشارہ کرتا ہوں ناظرین کرام اس تقریر کے مطالعہ کرنے سے بیشتر ان باتوں کو پیش نظر رکھیں:

(۱) حضرت اقدس کا درس عشق نبوی وحب رسول ﷺ کا نمونہ ہوتا تھا جس کیف وسوز وگداز سے پڑھاتے تھے وہ ناقابل

بیان ہے۔

زبان پہ بار خدایا یہ کس کانام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے میری زباں کے لئے

اس کا اثر پورے مجمع پر غیر معمولی ہوتا تھا۔ کبھی آہ و بکاہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

خصوصا مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تو تھوڑی دیر کے لئے ایسا محسوس ہوتا کہ آج ہی سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے۔ حضرت اقدس پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی اور طلبہ و سامعین پر آہ و بکا کا عالم ہوتا تھا۔

الٰہی دردوغم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

(۲) حضرت اقدس کے درس میں جملہ ائمہ سلف اور ائمہ مجتہدین و محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے اور حافظ صاحب کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انہوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور حنفیہ کی دلیل سے آنکھ بچا کر اس طرح نکل جاتے ہیں گویا انہیں اس کی کچھ خبر ہی نہیں۔ حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذہب کی تائید میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے مگر اس کے باوجود حافظ صاحب کا ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں۔ امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہل علم سے دشوار ہو جاتا ہے مگر حضرت اقدس اس موقع پر عام طور سے امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ان کی عظمت شان وجلالت قدر میں کسی طرح کمی واقع نہ ہو۔ خصوصا **کتاب الحیل و کتاب الاکراہ** میں حضرت اقدس کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا اردو میں ترجمہ دشوار ہے۔ اردو زبان کا دامن عربی کے مقابلے میں تنگ ہے اس لئے ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے حضرت اقدس ان الفاظ کا خصوصیت سے اردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوئی ہے اور شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ وتشریح کے بعد بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت سے دور فرماتے تھے ان تمام تحقیقات کو اگر جمع کیا جائے تو مستقل ایک کتاب بن جائے گی۔ مثال کے طور پر باب القسامہ بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۱۸ میں **فقرنت یدہ بیدہ** میں ضمیر کے مرجع اور اس کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی تک سے وہم واقع ہوا ہے حضرت اقدس اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل سے بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع وعبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ لامع الدراری ۳/۳۹۱

(۵) اگر کتاب میں مولف سے یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے تھے اور اس راوی و روایت کی اصل حیثیت کو واضح فرماتے تھے حافظ ابن حجر عسقلانی کی معرکۃ الآراء کتاب "**تہذیب التہذیب**" پر حضرت اقدس کا مبسوط ذیل ہے کاش وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا بالخصوص احناف پر احسان عظیم ہوتا۔

(۶) ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اوران کے دلائل خصوصا احناف کے مسلک کے دلائل کوتفصیل سے بیان فرماتے اگر روایت حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) اکثر اہم مسائل بطور خلاصہ کے بیان فرمادیتے کہ اس میں ۵ یا ۷ یا ۱۰ ابحاث ہیں اوران کی قدرے تفصیل فرماتے ان میں سے جن مسائل سے امام بخاری تعرض فرماتے ان کی مزید تشریح فرماتے تھے۔ رفع یدین، آمین بالجہر، کسوف وغیرہ میں اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔

(۸) شراح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ کے نہایت دلنشین انداز میں بیان فرماتے۔ پوری تقریر مغز ہی مغز ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر کو ملا کر دیکھے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی ہے۔ اور بعض مواقع میں وہ اس کو بھی جانے گا کہ دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصا سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات کبھی کبھی موقع کی مناسبت سے سناتے تھے یہ واقعات اصلاح وتربیت کے لئے بہت موثر ہوتے تاکہ طالب اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھے۔

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

(۱۰) حضرت امام بخاری کے تراجم ابواب ہر دور میں مشکل تر سمجھے گئے ہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ بخاری شریف کی شرح اس امت پر قرض ہے لیکن حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ میرے شیخ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری لکھ کر امت سے اس قرض کو ادا فرمادیا۔ مگر حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمے باقی ہے۔ چنانچہ حضرت نے تراجم ابواب پر ایک مختصر سا رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا مگر افسوس مکمل نہ ہوسکا۔ اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اسی طرح مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ حضرت اقدس مدفیوضہم نے ان دونوں رسالوں کو اور شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے تراجم کے سلسلے کی تحقیقات، ان سب کو یکجا جمع فرمایا ہے۔ غور وفکر کر کے اپنی ذاتی تحقیق وتنقیح کے بعد ان اصول کی تعداد الابواب والتراجم للبخاری میں ستر تک بیان فرمائی۔ اوران اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب وکتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے تحریر فرمایا ہے اس طرح تراجم ابواب کی شرح کا قرض اس امت سے ادا فرمادیا۔

حضرت اقدس اپنے درس بخاری میں بھی خصوصیت سے تراجم کی شرح اور بخاری کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ بعض تراجم پر سارے شراح خاموش ہیں۔ مگر حضرت اقدس فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر وباریک بینی سے خالی نہیں مثلا امام موصوف کا ترجمہ ہے باب الصلوة الی الحربة، یہاں سارے شراح ساکت ہیں مگر حضرت اقدس کی نگاہ دوررس نے یہاں بھی بخاری کی شایان شان ایک دقیق بات نکال لی اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل وتحقیق لامع اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے وہ یہ کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں واوزاروں کی پرستش ہوتی تھی۔ اس لئے اس ترجمہ سے امام موصوف دفع وہم فرمارہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حل تراجم کے سلسلہ میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس میں امام بخاری نے کسی امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام کی رائے کو پسند فرمایا۔ یا اپنی رائے میں منفرد ہیں تو اس کو مع امام بخاری کے استدلال کے بیان فرماتے اوراس کے بعد جمہور

کی طرف سے روایت کا مطلب بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مدلل جواب دیتے تھے۔

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں اگر چہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقت نظر اس کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیش نظر ہے چنانچہ حضرت اقدس اس پر طلبہ کو خصوصیت سے تنبیہ فرماتے اور ایسی دلنشین تقریر کرتے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ضروری معلوم ہوتے اور تکرار مرتفع ہو جاتا مثلاً صفحہ چھپن (۵۶) پر جلد اول پر دو باب، باب من لم یتم السجود و باب یبدی ضبعیه و یجافی جنبیه یہ دونوں ترجے دوبارہ صفحہ گیارہ سو تیرہ (۱۱۱۳) پر انہیں الفاظ کے ساتھ آ رہے ہیں مگر ان کے تکرار کو اس طرح دفع فرمایا ہے کہ دونوں جگہوں پر یہ تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری۔

(۱۳) حضرت امام بخاری کو حدیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی عشق ہے اور عاشق صادق جب محبوب کے جمال پر بار بار نگاہ ڈالتا ہے تو ہر مرتبہ اس کو ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے امام موصوف کا بھی یہی حال ہے بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں۔ مثلاً حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیس مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے۔ اس پر حضرت خصوصیت سے طلبہ کو متوجہ فرماتے تھے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض ایسے جملے ہیں کہ ان کا مطلب لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے بھی فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے حضرت ان الفاظ و جمل کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت کی ضرورت ہوتی وہاں اس کی عملی صورت بھی عمل کر کے دکھاتے مثلاً بخاری جلد اول صفحہ انہتر (۶۹) پر ووضع خده الایمن علی ظهر کفه الیسری و شبک بین اصابعه بغیر صورت مثالی بتائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آ سکتا۔ اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف و اضطراب کی بناء پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس اس اختلاف و اضطراب کو اس طرح دفع فرماتے تھے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ ملاحظہ ہو۔ لامع جلد ثانی ص ۶۸

یہ میں نے حضرت اقدس کے درس بخاری کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ اس کی تفصیل لامع الدراری اور الابواب والتراجم للبخاری اور زیر طبع اردو تقریر بخاری میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ سے دعا ہے کہ اس کے سلسلۂ اشاعت کی تکمیل فرمائے اور مرتب و معاونین کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور حدیث پاک بالخصوص بخاری شریف کی عظمت اور اتباع سنت سے قارئین کو سرفراز فرمائے اور حضرت اقدس مدفیوضہم کے سایۂ عاطفت کو صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر امت کے سر پر باقی و قائم رکھے۔ اور قدر دانی و فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تقی الدین ندوی مظاہری
مقیم حال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
(یوم جمعہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ)

مقدمہ تقریر بخاری

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ رب العالمین سورۃ الحمد کے اندر ارشاد فرماتے ہیں الحمدللہ رب العالمین. رب کے معنی پرورش کرنے والا، پالنے والا ہے۔اور تم اس آیت کو بار بار روزانہ پڑھتے ہو۔اور پرورش کسی کی یہ ہوتی ہے کہ اس کی ساری ضروریات کی کفالت کی جائے۔ جیسے ماں بچے کی پرورش کرتی ہے، کھانا پینا، سونا، اٹھنا بیٹھنا صحت و مرض کے اسباب غرض کہ ہر چیز کا خیال رکھتی ہے تو جب کہ اس ادنیٰ درجہ کے مربی کا حال یہ ہے تو جو سارے عالم کا مربی اور رب الارباب ہے اس کی شان تربیت کیسی کچھ ہوگی؟ من جملہ اسی شان تربیت کے یہ بھی ہے کہ جیسا جیسا زمانہ آتا گیا اسی قسم کے اسباب مہیا فرماتے رہے انہیں میں سے یہ ہے کہ پہلے یہ مروجہ طریق تعلیم نہیں تھا، بلکہ شیخ محدث احادیث بیان کرتا تھا اور طلبہ اس کو یاد کرلیا کرتے تھے اس کے بعد جب قویٰ کچھ کمزور ہو گئے اور ان کے اندر ضعف آگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سبیل پیدا فرمائی کہ یہ علوم کتابی شکل میں آگئے۔اللہ نے متعدد کتب اور ان کی شروح پیدا فرمائیں۔ ہمارے زمانے یعنی ۱۳۳۲ھ میں جب کہ میں نے دورہ پڑھا ہے۔حدیث پاک کے واسطے تین گھنٹے تھے اول میں ترمذی اس کے اختتام کے بعد بخاری شریف اور دوسرے میں ابوداؤد پھر مسلم شریف پھر نسائی ہوا کرتی تھی اور ابن ماجہ ششماہی امتحان کے بعد صبح کو ہوتی تھی۔اس کے بعد جب انحطاط شروع ہوا تو حدیث شریف کے لئے چار گھنٹے کردیئے گئے۔لیکن جب یوما فیوما انحطاط بڑھتا ہی رہا تو اب پورے چھ گھنٹے دورۂ حدیث کے اسباق کے لئے کردیئے گئے نیز ہمارے زمانے میں دورہ کے صرف دو استاذ تھے۔ ہر استاذ کے پاس کئی کئی اسباق ہوتے تھے۔جب ایک استاذ ایک مسئلہ پر کسی کتاب میں بحث کرلیتا تو پھر دوسری جگہ اس پر کلام نہیں کرتا تھا۔چونکہ میرے پاس بخاری شریف اور ابوداؤد شریف دونوں ہوتی تھیں تو اگر بخاری کے اندر کوئی مسئلہ گزر جاتا تو پھر اس مسئلہ پر ابوداؤد میں کلام کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔اس کے بعد میری تجویز اور اصرار پر تین مدرس مستقل ہو گئے تاکہ ہر مضمون مکرر ہوتا رہے۔میرے پیارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ آسانی کی صورتیں بہم پہنچائی ہیں۔اگر تم قدر نہ کروگے تو ناشکری ہوگی اور اگر اس کی قدر کروگے تو شکر ہوگا۔اور یہ تم کو بھی معلوم ہے کہ شکر کا اللہ کے یہاں کیا مرتبہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيْدٌ

تقریر اسباق میں اکابر کا عمل:

میرے اکابر کے یہاں ہمیشہ یہ دستور رہا اور یہ بہت مبارک ہے وہ یہ کہ ان حضرات کے یہاں لمبی چوڑی تقریروں کا رواج نہیں تھا اور نہ وہ لوگ اس کو پسند فرماتے تھے۔میرے والد صاحب رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ حضرت مدنی رحمہ اللہ وغیرہ کے یہاں بھی یہی دستور تھا۔آخر میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے بھی لمبی چوڑی تقریریں شروع فرمادی تھیں لیکن حضرت کو اس میں بڑی کلفت ہوتی تھی۔اس سے قبل ہمیشہ ان حضرات کے یہاں نہایت مختصر لیکن نہایت جامع اور پر مغز تقریریں ہوا کرتی تھیں حقیقت یہ ہے کہ یہی تقاریر مفید اور کارآمد بھی ہیں، لمبی تقریر کا ضبط کرنا ہی بہت مشکل ہے۔لمبی چوڑی تقریروں کی ابتداء حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب سے ہوئی اس سے پہلے یہ کسی کا معمول نہیں تھا میں نے حضرت اقدس مدنی کی متعدد تقریریں جو چھپی ہیں دیکھیں تو ان میں بہت سے غلطیاں

کاتبوں کی طرف سے پائی گئیں۔ لہٰذا اگر تقریر مختصر و جامع ہو تو بہت کارآمد اور نافع ہو۔

اکابر کا طرز عمل اور مقدمۂ علم:

کتابوں کے شروع میں میرے اکابر ہمیشہ صرف تین ہی باتیں مختصر بتایا کرتے تھے ایک اس علم کا موضوع دوسرے اس علم کی تعریف تیسرے مصنف کے مختصر حالات۔ وجہ اس اختصار کی یہ تھی کہ پہلے جو استاذ بیان کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ طلبہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ مگر چونکہ اب توانی وتساہل بہت بڑھ گیا ہے اور جو باتیں اساتذہ بتاتے ہیں وہ بھی ذہن میں نہیں رہتیں اس لئے ضرورۃ ان تین میں چند کا اور اضافہ کرنا پڑا۔

چنانچہ میں نے بھی ابتداء میں چند ابحاث بیان کرنی شروع کر دی ہیں۔ اور تسہیل حفظ اور ذہن میں محفوظ رکھنے کے واسطے ان تمام ابحاث کو بیان کرنے سے قبل یہ اجمالا بتا دیا کرتا ہوں کہ مجھے کیا کیا کہنا ہے؟ یہ صورت اوقع فی النفس بھی ہوتی ہے اور مفید بھی بہر حال یہاں پر بیس ابحاث ہیں۔ ان میں سے نو تو علم کے متعلق ہیں اور سات کتاب کے متعلق اور چار متفرقات میں سے ہیں۔ اب ان کی تفصیل سنو علم کے متعلق جو نو ابحاث ہیں وہ یہ ہیں: اول علم کی تعریف، دوم موضوع، سوم غرض وغایت، چہارم سمۃ (وجہ تسمیہ)، پنجم مؤلف، ششم اجناس، ہفتم مرتبہ، ہشتم قسمۃ وتبویب، یہ آٹھ امور تو ہر علم سے متعلق ہو سکتے ہیں اور انہیں کا نام مناطقہ وحکماء کے یہاں رؤس ثمانیہ ہے لیکن نواں امر ہم مسلمانوں کے یہاں ایک اور ہے وہ یہ کہ اس علم کا شرعی حکم کیا ہے اور شریعت کے اعتبار سے اس کا کیا مرتبہ ہے؟ آیا سنت ہے یا واجب، حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز وغیرہ۔ مثلاً علم سحر حرام ہے اور علم قرآن وحدیث واجب ہے ان نو علوم میں سے اول دو یعنی تعریف وموضوع کو نکال کر باقی جو سات امور رہ گئے ہیں ان کا تعلق جس طرح علم سے ہے اسی طرح کتاب سے بھی لہٰذا یہ امور کل سولہ ہو گئے اب چار اور بیان کرتا ہوں بڑے کام کے ہیں یہ مت سوچنا کہ شروحات میں سے تلاش کر لیں گے۔ یہ تو مدتوں کی کمائی اور برسوں کا ذخیرہ ہے ان چار میں سے ایک اختلاف نسخ ہے۔ مؤطا امام مالک کے سولہ نسخے مشہور ہیں۔ بخاری کے بھی بہت سے نسخے ہیں۔ ان پر آگے چل کر کلام کروں گا۔ دوسری چیز مراتب کتب حدیث ہیں، تیسری چیز سند ہے، یہ بھی اہل اسلام کے لئے ایک مایہ ناز قابل صد افتخار شے ہے کیونکہ کسی اور نبی کے اقوال کو اس طرح جمع نہیں کیا گیا کہ اس کے سارے رواۃ اور سارے طرق کی تحقیق وتفتیش ہوئی ہو۔ اب رہی بیسویں بحث اس کو خواہ آداب طالب علم کا عنوان دیدو یا خصوصیات مدرس سمجھ لو یا آداب علم سمجھو۔ اب یہ تمام ابحاث تفصیل سے سنو۔

بحث اول "علم حدیث کی تعریف میں":

پہلے زمانے میں محدثین کا طریقہ ودستور یہ تھا کہ احادیث کیف ما اتفق اور بلا کسی خاص ترتیب کے لکھا کرتے تھے بہت سے بہت یہ کر لیا کرتے تھے کہ اگر کوئی لفظ محتاج تفسیر وقابل تشریح ہوتا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کر دیا کرتے تھے اس کے بعد جب متاخرین کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اس کو مہذب بنایا۔ رواۃ کی چھان بین فرمائی ضعیف رواۃ کو ثقہ رواۃ سے ممتاز فرمایا اسی وجہ سے علم حدیث کی تعریف میں فرق واختلاف ہو گیا۔ چنانچہ متقدمین میں سے بعض نے کہا کہ علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جن سے جناب نبی کریم ﷺ کے اقوال واحوال وافعال کی صحت وسقم معلوم ہو۔ لیکن یہ تعریف اب مطلق علم حدیث کی نہیں رہی بلکہ اب یہ تعریف بھی ایک مستقل علم کی

تعریف ہوگئی اور ایک مستقل اصطلاح بن گئی جس کا نام اصول حدیث ہے۔ دوسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ فن ہے جس سے روایت کا درجہ معلوم ہوجائے لیکن اب یہ تعریف بھی علم حدیث کی تعریف نہیں کہلائے گی بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے جس کو علم علل حدیث کہا جاتا ہے۔ تیسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے جناب نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال واحوال کی شرح معلوم ہوجائے لیکن اب یہ تعریف درایت حدیث کی کہلاتی ہے مطلق حدیث کی نہیں۔ چونکہ فن حدیث کی ساٹھ انواع ہوچکی ہیں اس لئے ہرایک کی تعریف الگ الگ ہوگی۔ روایت حدیث اور ہے درایت حدیث اور، اسی طرح اصول حدیث اور ہے علل حدیث اور، اسی طرح اس کے علاوہ بھی، اور یہ جو تم پڑھو گے وہ علم حدیث کی ساری انواع نہیں ہیں بلکہ یہ صرف علم روایت الحدیث ہے۔ جس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ وہ علم ہے جس سے حضور اکرم ﷺ کے اقوال، افعال، احوال معلوم ہوجائیں۔ اب تمہیں یہاں یہ اعتراض کرنا چاہئے کہ اقوال وافعال صحابہ وتابعین پر بھی تو علم حدیث کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں سارے صحابہ وتابعین ہی کے اقوال وافعال وغیرہ ہیں احادیث مرفوعہ تو بس شاذ ونادر ہی ہیں باوجود اس کے ان کتب کو بھی احادیث کے ذخیرہ میں شامل کیا جاتا ہے بعض محدثین نے اس کا جواب یہ دیا کہ صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے یا غیر مدرک بالقیاس۔ اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو وہ احادیث مرفوعہ کے ہی حکم میں ہیں۔ اور جو حیثیت اور جو مرتبہ آپ ﷺ کے اقوال کو ہے وہی ان کو بھی ہوگا۔ اور اگر وہ مدرک بالقیاس ہوں تو ان کو احادیث مرفوعہ اور اقوال شریفہ پر پرکھا جائے گا۔ اور بعض حضرات نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ صحابہ وتابعین کے جو اقوال وغیرہ احادیث کے موجودہ ذخائر میں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ حضور پاک ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں تو گویا حضور ﷺ کے صحابی ہونے کی وجہ سے تبعاً ان کے اقوال مذکور ہیں ہاں جن کتابوں میں احادیث مرفوعہ کم ہیں اور زیادہ تر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال شامل ہیں تو اس کا نام علم حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اس کا نام محدثین کے نزدیک علم الآثار ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے سرے سے تعریف ہی بدل دی اور اس طرح تعریف کی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے حضور پاک ﷺ کے اقوال وافعال واحوال اور صحابہ وتابعین کے اقوال، افعال واحوال معلوم ہوں۔

بحث ثانی "موضوع":

عام طور پر تمام علما نے حدیث کا موضوع آپ ﷺ کی ذات پاک کو لکھا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ذات بابرکت سے ہی اس فن میں بحث کی جاتی ہے کہ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا یہ سب امور کیسے اور کس طریقے سے ہوتے تھے، لیکن ایک جلیل القدر محقق علامہ محی الدین کافیجی کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ آدمی کی ذات تو علم طب کا موضوع ہے لہٰذا حدیث کے موضوع کے ساتھ طب کا موضوع کیسے خلط ہوگیا؟ یہ اعتراض اگر چہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا لیکن علماء نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں حیثیت کی قید محذوف ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع ہے اس حیثیت سے کہ جناب نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس توجیہ سے دونوں علوم کے موضوع میں تمایز ہوگیا۔ اس مقام پر ایک دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح حدیث کی تعریف میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال شامل ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے۔ ایسے ہی موضوع کے اندر بھی یہ اقوال وافعال شامل ہونے چاہئیں۔ بعض محدثین نے اس اعتراض کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال کو بھی موضوع میں شامل کرلیا اور بعض دوسرے محدثین نے یہ

جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال سے جو بحث کی جاتی ہے وہ صرف آنحضرت ﷺ کے صحابی ہونے کی نسبت سے کی جاتی ہے تو گویا اس نسبت نبوی کی وجہ سے ان حضرات کے اقوال بھی آنحضرت ﷺ کے فرمودات شریفہ اور متعلقات مبارکہ میں سے ہوگئے۔ اسی قسم کا اعتراض پہلی بحث میں تعریف پر بھی آچکا ہے بس اتنا فرق ہے کہ جو محدثین موضوع کی تبدیلی کے قائل ہیں ان کی تعداد کم ہے اور وہاں جن محدثین نے اعتراض سے بچنے کے لئے تعریف میں ردوبدل کردیا ان کی جمعیت زیادہ ہے۔

بحث ثالث ''غرض وغایت'':

غرض کہتے ہیں اس قصد اور نتیجہ کو کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی فعل کیا جائے مثلاً بازار جاکر کوئی چیز خریدنا اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہو لہٰذا بازار کسی شے کے خریدنے کے لئے جانا تو غرض ہے اور اس شے کا خریدنا غایت ہے تو غرض وغایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں۔ صرف ابتداء اور انتہاء کا فرق ہے۔ چنانچہ عقلاء اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک غرض وغایت ایک ہی ہے کیونکہ ان کے یہاں اکثر غرض پر غایت مرتب ہو ہی جاتی ہے۔ مثلاً اسٹیشن جانا یہ تمہاری غرض ہے تو اگر تم ہوشیار ہو تو اسی سڑک سے جاؤ گے جو اسٹیشن کو جاتی ہے۔ اس صورت میں یقیناً پہنچ جاؤ گے اور اگر بیوقوفی کی وجہ سے بجائے اسٹیشن کی سڑک اختیار کرنے کے قبرستان حاجی شاہ[1] کی طرف نکل پڑے تو غرض (یعنی اسٹیشن جانا) تو موجود ہے۔ لیکن راستہ انجان اختیار کرنے کی وجہ سے غایت مرتب نہ ہوگی۔

پہلی غرض :

اب علم حدیث کی غرض وغایت کیا ہے؟ علماء اہل فن فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی غرض وہ دعائیں اور فضیلت حاصل کرنا ہے جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں مثلاً حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: نضر الله امرأ سمع مقالتی فوعاها واداها او کماقال صلی الله علیه وسلم اس قسم کی اور سینکڑوں دعائیں مذکور ہیں لیکن اس جملہ کے اندر علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے یا خبریہ؟ کوئی بھی ہو دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اگر دعائیہ ہے تو پھر آپ ﷺ کی دعا کا کیا پوچھنا، سرتاپا خیر ہے۔ اور اگر جملہ خبریہ ہے تو اس پر اشکال ہوگا کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ پژمردہ اور غمزدہ رہتے ہیں لہٰذا یہ خبر ان پر کہاں صادق آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر بین ہیں۔ اور آخرت سے بے بہرہ ہیں ان کے نزدیک تو فقر وفاقہ بربادی اور مشکلات کا سبب ہے لیکن فقر وفاقہ حقیقت میں بربادی کا سبب نہیں ورنہ جناب نبی کریم ﷺ فقر وفاقہ کو اپنے ارادہ سے کیوں اختیار فرماتے؟ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں، وہی اس کی لذت جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں ایک حدیث میں ہے: اللهم ارحم خلفائی قیل ومن خلفائک یارسول الله! قال الذین یروون اح ادیثی او کما قال علیہ السلام۔ اس حدیث پاک میں علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا۔ غور تو کرو اگر کسی چھوٹے سے شیخ کی خلافت کسی کو مل جائے تو کتنی خوشی اور کتنا شور ہوتا ہے اور کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے اور یہاں تو سید الکونین ﷺ کی خلافت مل رہی ہے اس کے علاوہ اور بہت سی روایات تم مشکوٰۃ میں پڑھ چکے ہو اور بہت سی ابواب العلم کے

(۱) شہر سہارنپور کا ایک مشہور قبرستان جو مدرسہ مظاہر علوم سے بجانب شمال تین فرلانگ پر واقع ہے اور چونکہ حاجی کمال شاہ نامی بزرگ یہاں مدفون ہیں اس لئے قبرستان ''حاجی شاہ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

اندر اپنے مقام پر آئیں گی جس کو امام بخاری باب فضل العلم اور باب فضل فلاں وغیرہ کے ذیل میں بیان کریں گے۔

دوسری غرض :

علماء نے علم حدیث کی یہ بیان فرمائی کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبیین اور توضیح کی ضرورت ہے اور وہ احادیث ہی سے ہوسکتی ہے قرآن پاک میں نماز، زکوۃ کا ذکر تو ہے لیکن ان کی رکعات اور تعداد وغیرہ کچھ مذکور نہیں یہ سب احادیث سے ثابت ہیں اس لئے یہ غرض بھی سب سے اہم ہے کیونکہ قرآن پاک اصل دین اور مدار شریعت ہے اور اس کی شرح حدیث پاک ہے تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟ اس اعتبار سے حدیث کا پڑھنا اہم ہوگیا۔

تیسری غرض :

میرے نزدیک علم حدیث کی ایک جداگانہ غرض ہے اس سے پہلے کہ میں اپنی غرض بتلاؤں ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر سن لو وہ یہ کہ میں کہیں بسا اوقات درس بخاری میں بڑے زور سے یہ کہوں گا کہ یہاں ایک چکی کا پاٹ ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ جو بات میں نے نہ تو اپنے بڑوں سے سنی ہو اور نہ ہی کسی کتاب میں دیکھی ہو بلکہ اپنی ذاتی رائے ہو اس کو میں چکی کا پاٹ سے تعبیر کرتا ہوں۔

میری اپنی ذاتی آراء کے بارے میں ایک اصطلاح :

اور دراصل یہ ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ ایک جاہل آدمی کو چند لوگوں نے اپنا پیر بنالیا اور ہر بات اس سے دریافت کرتے اور پوچھتے کہ حضرت یہ کیا چیز ہے؟ ایک دن کا واقعہ ہے کہ لوگ ان کے پاس بھڑوں کا ایک بڑا سا چھتہ لے کر آئے اور عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ انہوں نے بہت غور وفکر کے بعد فرمایا! اوہو سمجھ میں آگئی بات۔ چاند کو ایک مرتبہ گھن لگ گیا تھا تو صاف کر کے اس کو پھینک دیا یہ وہ گھن ہے۔

دوسرا قصہ اسی ضمن میں یہ سن لو کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا اور اگر کہیں سے آبھی جاتا ہے تو ایک تماشہ بن جاتا ہے حتی کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت امام مالک کے سبق میں دو سو شاگرد تھے ان کو علم ہوا کہ شہر میں کہیں سے ہاتھی آگیا تو سب لوگ سبق چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے سوائے یحیٰ اندلسی کے کہ وہ تنہا رہ گئے اتنے میں امام مالک درس کے لئے تشریف لے آئے اور درسگاہ خالی دیکھ کر فرمایا لڑکے کہاں چلے گئے۔ یحیٰ اندلسی نے کہا ہاتھی دیکھنے گئے ہیں اس پر امام مالک نے فرمایا تم کیوں نہیں گئے؟ یحیٰ نے جواب دیا کہ میں اندلس سے ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا بلکہ میں تو آپ کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ اس پر امام مالک نے فرمایا انت اعقل الاندلس یہ دوسرا قصہ تو میں نے اپنے مضمون کی مناسبت سے سنا دیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا ایک مرتبہ کہیں سے آگیا اور کسی جنگل میں ریت پر گزرا جس کی وجہ سے اس کے پیر کے بڑے بڑے نشانات ریت پر جم گئے۔ ان پیر صاحب کے چیلوں کو وہ نشان نظر پڑا ان کے لئے تو وہ ایک عجیب چیز تھی فوراً اپنے گرو کے پاس آئے اور عرض کیا حضرت ایک چیز ہے اس کو بتلا دیجئے۔ انہوں نے پہلے تو جانے کے لئے عذر کیا مگر مریدوں کے اصرار پر چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر خوب غور سے اس کو دیکھا۔ اس کے بعد پہلے تو روئے پھر ہنسے۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت پہلے تو ایک بات قابل دریافت تھی اب تین باتیں قابل اشکال ہیں اول یہ کہ آپ ہنسے، کیوں دوسرے یہ کہ پھر

روئے کیوں؟ تیسرے یہ کہ یہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رونا مجھے اس پر آیا کہ ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں جب مر جاؤں گا تو ان اہم اشیاء کا پتہ تم کو کون دے گا؟ میرے بعد تو کوئی ایسا ہے نہیں، اور ہنسا اس پر کہ مجھے خود بھی اس کا علم نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ اتنی تواضع نہ فرمایئے آپ کو تو ضرور معلوم ہوگا پیر صاحب نے بہت غور کے بعد فرمایا! اب میری سمجھ میں آ گیا یہ چکی کا پاٹ ہے اور واقعہ اس کا یہ ہوا ہوگا کہ کوئی عورت چکی کا پاٹ بھول گئی ہوگی وہ یہاں پڑا تھا ایک ہرن ادھر سے بھاگتا ہوا گزرا اس کا پیر اس میں پھنس گیا وہ اس کو لے کر بھاگا جس کے یہ سب نشانات ہیں۔ بہر حال جہاں میں یہ کہوں کہ یہاں چکی کا پاٹ ہے تو سمجھ لو کہ وہ میری اپنی رائے ہے اور بھائی تواضع سے نہیں کہتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میری تحقیقات ایسی ہی ہیں میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے ایک باپ تھا علامہ میرے جیسا اور ایک لونڈا تھا نالائق تیرے جیسا۔

بہر حال بحث ثالث غرض وغایت کے متعلق چل رہی ہے اور دو غرضیں جو علمائے سلف سے منقول ہیں وہ اوپر گزر چکیں اب یہاں چکی کا پاٹ یہ ہے کہ اگر علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی بھی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی ثواب بھی نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا کلام ہے۔ ہم محب رسول ہیں اور آپ ﷺ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں لہٰذا آپ ﷺ کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت حلاوت و رغبت پیدا ہوگی جیسے اگر کوئی عشق میں پھنسا ہوا ہو اور اس کے معشوق کا خط آجائے تو اگر وہ حدیث پاک کے سبق میں بھی ہوگا تو بھی اسی کو پہلے پڑھے گا اور اگر کھانے کے درمیان آئے تو کھانا بند کر دے گا اور نماز کے اوقات میں جیب پر ہی نظر جائے گی تو جب اس ناپاک کے خط کو پڑھنے کا اتنا شوق اور ذوق ہے تو پھر حضور پاک ﷺ کا کلام تو اس سے بدرجہا قابل صد اہتمام ہے۔ یہاں تک تم کو تین بحثیں معلوم ہو گئیں یعنی علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور علم حدیث کی غرض جس کا خلاصہ لذت ہے۔ تو جب تم حدیث پاک کو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھو گے تو اس پر غایت مرتب ہوگی اور اگر التفات سے نہ پڑھو گے تو محرومی ہے۔

بحث رابع ''وجہ تسمیہ'':

اس فن کا نام حدیث ہے اور اس کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں: اول یہ کہ حدیث حادث کے معنی میں ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اس علم کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں ایک قدیم وہ تو قرآن ہے اور اللہ کا کلام ہے جو اس کی صفت ہے اور جب ذات باری قدیم ہے تو اس کی صفت بھی قدیم ہوگی۔ دوسری قسم حضور ﷺ کا کلام ہے۔ لامحالہ یہ حادث ہوگا اس لئے کہ حضور پاک ﷺ کا کلام خود حضور کی صفت ہے اور آپ ﷺ حادث ہیں لہٰذا آپ کی صفت بھی حادث ہوگی ان کے ماسوا اور کوئی علم ہے ہی نہیں۔

اب تم کو اشکال ہو رہا ہوگا کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ کو بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم (یعنی قرآن وحدیث) سے بالکل الگ تھلگ ہے تو سنو میں کٹر حنفی ہوں جیسے کہ حافظ ابن حجر کٹر شافعی ہیں فقہ قرآن وحدیث سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ درایت الحدیث ہے کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ میں سے کوئی حدیث لے کر اس کی سند حذف کر کے یہ لکھ دیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہئے دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہا بنا دیا تو درحقیقت فقہ و قرآن وحدیث کوئی الگ الگ چیز نہیں ہوئی۔ جو لوگ احناف پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ برتتے ہیں میری رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ علم فقہ قرآن وحدیث

کے معارض ومنافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے کہ فقہاء نے غور وفکر کر کے قرآن وحدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کر دیا جس کا نام "علم فقہ" ہو گیا اور فقہاء نے یہ سب کچھ اس وجہ سے کیا کہ ایک عالم کو تو حدیث سے مسئلہ مل جائے گا مگر عامی شخص کو نہیں ملے گا جیسے حدیث میں بحالت صیام اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت بھی ہے اور ممانعت بھی۔ یہاں عامی کیا کر سکتا ہے اس کے سامنے تو مسائل کی شکل وہ ہونا چاہئے جس پر وہ عمل کر سکے۔ چنانچہ مجتہدین نے غور وفکر کر کے بتلایا کہ حدیث نہی جوان کے لئے ہے اور حدیث اباحت بوڑھے کے لئے کیونکہ جوان بے قابو ہو سکتا ہے مگر بوڑھا نہیں ہوگا۔ (۱)

یہی حال علم تفسیر کا ہے کہ وہ بھی صرف قرآن پاک کی شرح ہے۔ اسی طرح اصول فقہ مستقل کوئی فن نہیں بلکہ اس کے اندر فقہ کے دلائل اور مسائل مزبورہ فی کتب الفقہ مذکور ہیں و اللہ اعلم۔

دوسری وجہ تسمیہ یہ بتلائی گئی ہے کہ حدیث کے معنی بات کے ہیں اور چونکہ یہ جناب نبی کریم ﷺ کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ احادیث میں صرف حضور ﷺ کی باتیں کہاں ہیں بلکہ آپ ﷺ کے افعال اور احوال بھی مذکور ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے احوال وافعال کو تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

حدیث وخبر :

اب یہاں پر ایک علمی گفتگو ہے وہ یہ کہ حدیث کے معنی کلام اور بات کے ہیں اور خبر کے معنی بھی بات کے ہیں تو آیا اب اس علم حدیث کو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس کو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے جیسے کہ علم الحدیث بھی اس کا نام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خبر وحدیث میں کیا نسبت ہے؟ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ دونوں مساوی ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے وہ اس طرح پر کہ حدیث تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ ﷺ اور دوسرے اخبار ملوک پر بھی ہوتا ہے چنانچہ اخبار ملوک کو اخبار ہی کہہ سکتے ہیں حدیث نہیں کہہ سکتے۔

اور خبر کے عموم ہی کی وجہ سے یہ اخبارات جو شائع ہوتے ہیں ان کو اخبار کہا جاتا ہے اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ اگر حضور ﷺ کی احادیث پر لفظ خبر کے اطلاق کا مآخذ اس کا معنی لغوی ہے (یعنی وہ بات کے معنی میں ہے) تو کلام بھی تو بات کے معنی میں ہے لہٰذا حدیث کو کلام کیوں نہیں کہتے؟ جواباً ہم کہیں گے کہ کلام تو خبر وحدیث دونوں سے عام ہے مگر چونکہ عرف نے لفظ کلام کو ایک خاص فن وعلم یعنی عقائد کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس لئے کلام کا اطلاق بخوف التباس حدیث پر نہیں کیا جاتا ہے۔ یہی میرے نزدیک بھی راجح ہے کہ ان دونوں میں عام وخاص کی نسبت ہے۔

بحث خامس "مؤلف کے بارے میں":

مؤلف دو ہوتے ہیں: ایک مؤلفِ فن دوسرے مؤلفِ کتاب۔ یہاں مؤلفِ فن اور اس کے موجد اور بانی کو ذکر کرنا ہے اس لئے کہ یہ مقدمۃ العلم ہے اور مؤلفِ کتاب کا ذکر آگے آرہا ہے عام طور سے مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور ﷺ کے انتقال کے ایک سو برس بعد ہوئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث کی تالیف اس زمانے میں ہوئی بلکہ اس کی تالیف اور یادداشت وغیرہ تو خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تھی۔ چنانچہ سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو

---

(۱) ھکذا فی التقریرین وقد وقع تصریح الشیخ والشاب فی نفس الحدیث ۔ کماھو فی ابی داؤد وغیرہ

انہوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا۔ اس مجموعہ کی چھ احادیث حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور جہاں کہیں بھی اس مجموعے کی کوئی حدیث ابوداؤد میں آتی ہے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ ہوتے ہیں **اما بعد فان رسول الله صلی الله علیه وسلم** یا **اما بعد قال** وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور اسی مجموعے کی سو کے قریب احادیث مسند بزار میں ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے مجموعے تھے جو خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے طور پر قلمبند کر رکھے تھے ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے خطوط کی شکل میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام لکھے ہوئے موجود ہیں۔ لہٰذا حدیث کی کتابت اور جمع تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ ہاں البتہ کتابی شکل میں اور تصنیف کی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل کیا گیا۔ یہ بحث کوئی مہتم بالشان بحث نہیں تھی۔ مگر حمقاء زمانہ نے اس کو مہتم بالشان بنا دیا اور تم کو یہاں تو نہیں البتہ باہر جا کر اس کی سخت ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ عام طور سے فرقہ قرآنیہ اور آوارہ قسم کے روشن خیال حضرات خاص طور سے یہ اچھالتے ہیں کہ بھلا ایسی حدیث کا کیا اعتبار جو ایک سو برس بعد لکھی گئی لیکن یہ لوگ بکواس محض کرتے ہیں ورنہ میں اوپر بتلا ہی چکا ہوں کہ جمع و کتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہو چکی تھی البتہ تصنیف و تبویب بعد میں ہوئی۔

علم حدیث تاریخی حیثیت سے :

یہ ایک تاریخی اور مسلم مسئلہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جو خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں اور پہلی صدی کے مجدد ہیں انہوں نے امرائے اجناد کو لکھا کہ میں علم حدیث کے اندراس اور ذہاب علم کا خوف کرتا ہوں لہٰذا اپنے اپنے بلاد کے علماء کو حکم کریں کہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں ان کو جمع کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ وہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں مدینہ منورہ کے حاکم (گورنر) ہوئے اس کے بعد ۹۹ھ میں خلیفہ وقت (سلیمان بن عبدالملک) کا انتقال ہوا اس کے جانشین کی حیثیت سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے ۱۰۱ھ میں انتقال فرمایا گویا کل مدت خلافت دو سال ہے۔ یہی مدت کم و بیش حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی بھی ہے چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا اگرچہ مؤرخین تو جانبین کے کسر کو حذف کر کے انتالیس سال ہی بتلاتے ہیں۔ منکرین حدیث یہاں یہ اشکال کرتے ہیں کہ حدیث کی تدوین و ترتیب خود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیوں نہیں کی؟ پہلا جواب اس کا یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سینکڑوں دھندے تھے۔ جہاد کی مشغولیت، مسائل سیکھنا سکھانا، اور پھر حسب ضرورت کسب معیشت وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سینکڑوں مشاغل کے دوران جن میں فتنہ ارتداد وغیرہ بھی شامل ہے۔ احکام فرعیہ کی تدوین کا موقعہ نہیں ملا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس کی تدوین ہوئی دوسرا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم شریف (۱) کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تم صرف قرآن پاک کو لکھا کرو۔ میری احادیث مت لکھو اور جو کچھ تم نے احادیث لکھ لی ہیں ان کو مٹا دو۔

---

(۱) مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں: **عن ابی سعید الخدری قال کنا قعودا نکتب ما نسمع من النبی صلی الله علیه وسلم فخرج علینا فقال ماهذا یکتبون؟ فقلنا مانسمع منک. فقال اکتاب مع کتاب الله امحضوا کتاب الله واخلصوه قال فجمعنا ما کتبناه فی صعید واحد ثم احرقناه.** (مسلم) شاہد غفرلہ

تو چونکہ اس حدیث سے ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس لئے علماء سلف میں کتابت حدیث کے متعلق تین مذاہب ہو گئے۔ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ جب اباحت اور ممانعت میں تعارض ہو جائے تو ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ چونکہ بعض دوسری احادیث سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے اس وجہ سے حدیث کا لکھنا لکھانا جائز ہے۔مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صحابی حضرت ابو شاہ یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: اکتبوا لابی شاہ [(۱)] اس خطبہ کے اندر کیا تھا؟ احادیث ہی تو تھیں۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (کمافی ابن ابی شیبہ) فرماتے ہیں کہ میری عادت یہ تھی کہ حضور ﷺ کی تمام باتیں حتی کہ حرکات وسکنات لکھ لیا کرتا تھا۔لوگوں نے منع کیا کہ حضور ﷺ بشر ہیں اور بشریت کے مقتضی کی بناء پر بعض مرتبہ غلط بات یا غیر مناسب جملہ بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکل سکتا ہے لہٰذا ہر بات مت لکھا کرو۔انہوں نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا کہ مجھے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام باتیں لکھنے سے منع کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس زبان [(۲)] سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔اگر میں یوں کہوں کہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں کتابت کا حکم دیا ہے تو بے جا نہ ہوگا ورنہ کم از کم اجازت تو ضرور ہے ایسے ہی ایک مرتبہ [(۳)] حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بعض حضرات نے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ احکامات ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے لکھ کر دیئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس صحیفہ کے علاوہ اور اس فہم کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور کوئی شے نہیں۔اور اس صحیفہ میں حضور ﷺ نے زکوٰۃ، دیات، قصاص، امان وغیرہ کے احکامات لکھے تھے۔اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس قسم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دی ہے۔اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف شاگردوں نے صحائف لکھے انہی میں سے ایک صحیفہ ہمام ابن منبہ ہے جس سے حضرت امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں ھذا ما حدثنا ابو ھریرہ کر کے روایت نقل فرماتے ہیں۔انہی مذکورہ احادیث سے اس دوسری جماعت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث کی کتابت جائز ہے۔تیسری جماعت نے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک تیسرا مذہب یہ بیان کیا کہ یاد کرنے کے لئے لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے۔لیکن اب جمہور سلف اور خلف کا اجماعی اور متفق علیہ فیصلہ یہ ہے کہ حدیث پاک کا لکھنا جائز ہے۔چنانچہ خود امام بخاری رحمہ اللہ باب کتابة العلم کے ذیل میں کتابت کا جواز ثابت فرمائیں گے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں روایات کے محفوظ رکھنے کا اہتمام بہت زیادہ تھا لکھنے کا اہتمام اتنا نہیں تھا۔ان لوگوں کے حافظے نہایت قوی تھے۔ہزاروں لاکھوں حدیثیں وہ لوگ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔امام

---

(۱) یہ ایک طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کتابة العلم کے ذیل میں بیان فرمایا ہے۔

(۲) حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں: عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت اکتب کل شی اسمعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم ارید حفظه فنهتنی قریش وقالوا تکتب کل شی تسمعه ورسول الله صلی الله علیه وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت عن الکتاب فذکرت ذلک الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فاومی باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده مایخرج الاّحق. اخرجه ابوداؤد فی کتابة العلم.

(۳) بخاری شریف (باب کتابة العلم) میں یہ حدیث اس طرح مذکور ہے: عن ابی جحیفة قال قلت لعلی هل عندکم کتاب قال لا الا کتاب الله اوفهم اعطیه رجل مسلم او مافی هذه الصحیفة قال قلت وما فی هذه الصحیفة قال العقل وفکاک الاسیر ولایقتل مسلم بکافر (مرتب)

ترمذی کا واقعہ تم نے سنا ہوگا کہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے ایک جگہ پر خود ہی جھک گئے ۔شاگردوں نے عرض کیا حضور! کیوں جھکے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ یہاں کوئی کیکر کا درخت نہیں ہے؟ تلامذہ نے عرض کیا کہ کہیں نہیں ہے۔امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اتنا کمزور ہے تو میرا احادیث نقل کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے لیکن جب تحقیق کی گئی تو گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے بتلایا کہ یہاں بہت مدت پہلے ایک کیکر کا درخت تھا جواب نہیں رہا۔امام ترمذی اخیر زمانے میں نابینا ہو گئے تھے۔بینائی کے زمانہ میں کبھی اس جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے کو ہو کر گزرے ہوں گے جوان کو اب تک یاد رہا۔تو جب اللہ نے ان کو اتنے زبردست حافظے دیئے تھے۔تو ان کو جمع کر کے تصنیف وتالیف کرنے سے کیا فائدہ ہوتا؟ بلکہ ان کا سینہ خود ایک علم کا گھر تھا۔اب ہم اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں وہ یہ کہ سب سے پہلے کس نے اس فن کو مدون اور مبوب کیا۔عامہ محدثین اور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حدیث کے مدون امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے اور بعض محدثین ومحققین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدون محمد بن ابی بکر حزم رحمہ اللہ ہیں اور ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے۔جو لوگ ان کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے باب کیف یقبض العلم کے ذیل میں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خط نقل کیا ہے ان میں انہی کا نام مذکور ہے۔اور مؤطا امام مالک بروایۃ محمد میں یہ ہے کہ ان کو حکم فرمایا گیا۔لیکن میرے نزدیک ان دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے امرائے اجناد کو خط لکھ کر جمع حدیث کا حکم فرمایا تھا تو بہت ممکن ہے کہ ایک امیر نے ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو حکم دیا ہو زمانہ دونوں کا تقریبا ایک ہی ہے۔بہر حال یہ دونوں نام تو علی العموم ملتے ہیں لیکن تاریخ میں اس کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ اول مدون ہیں۔مثلاً حضرت امام مالک، معمر، ابن جریج، ابن المبارک، ہشیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ان سب کے تراجم میں تم کو بھی ملے گا کہ یہ لوگ اول مدون ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں تار برقی، ڈاک وغیرہ کا یہ سلسلہ تو تھا نہیں جواب ہے ایسے ہی نہ ریل تھی نہ ہوائی جہاز، نہ موٹریں وغیرہ بلکہ دستور یہ تھا کہ اگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا کوئی حال معلوم کرنا ہوتا یا سلام وخیریت کہلانی ہوتی تو جو قافلہ کسی غرض سے اس طرف جاتا یا کوئی ملنے کے واسطے آیا ہوتا اور وہ واپس جاتا یا حج کر کے لوگ واپس جاتے تو ان کے ہاتھ ایک پرچہ دیدیا کرتے جب کبھی وہ اس مقام پر پہنچتا تو تلاش کر کرا کر دیدیا کرتا۔اس میں بسا اوقات ایک دو سال بھی لگ جایا کرتے تھے غرض کہ ایک کو اپنے سے دور رہنے والے کا حال چونکہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے جب کبھی کوئی کتاب کسی طرح دوسری جگہ حدیث کی پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہی شخص اول مدون ہوگا اس لئے ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوا کرتی تھی کہ اس سے پہلے بھی ایک کتاب اور تصنیف کی جا چکی ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے تو کتابی شکل میں جمع کیا اور پھر جوں جوں زمانہ گزرا تہذیب وتنقیح وتبویب ہوتی چلی گئی اور اس فن کے اندر جلا پیدا ہوتا گیا۔اور دوسرے محدثین نے ہر باب کی احادیث الگ الگ جمع کر دیں مثلاً زکوٰۃ کی کتاب الزکوۃ میں اور نماز کے متعلق روایات کتاب الصلوٰۃ میں وغیرہ وغیرہ۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ایک الفیہ لکھا ہے جو الفیہ سیوطی کے نام سے مشہور ہے اور ایک الفیہ حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ عراقی کا ہے جو الفیہ عراقی کے ساتھ مشہور ہے بہت سخت ہے اور بہت مشکل۔یہ الفیہ میرے والد صاحب کے زمانہ میں داخل درس تھا جس کو وہ حفظ سنا کرتے تھے۔یہ دونوں حدیث کے اندر ہیں اور ایک تیسری الفیہ نحو کے اندر ہے جو ابن مالک کی ہے۔انکو الفیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر ایک کے اندر ایک ایک ہزار اشعار ہیں۔بہر حال علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے جو الفیہ لکھا ہے اس کے اندر ان حضرات

کے اسمائے گرامی بیان فرمائے ہیں جن کو اول مدون کہا گیا ہے۔ اور چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی اول جامع کہا جاتا ہے اس وجہ سے ان کا نام بھی مذکور ہے وہ اشعار یہ ہیں ؎

اول جامع الحديث والاثر	ابن شهاب آمر لـه عمر
واول الجامع للابواب	جماعة في العصر ذو اقتراب
كابن جريج وهشيم مالك	ومعمر وولد المبارك
واول الجامع باقتصار	على الصحيح فقط البخارى
ومسلم بعده والاول	على الصحيح فى الصحيح افضل

عمر سے مراد عمر بن العزیز رحمہ اللہ ہیں۔ ان اشعار میں سیوطی رحمہ اللہ نے اول مدون ابن شہاب کو بتلایا ہے۔ اب چونکہ یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ زہری رحمہ اللہ کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کو بھی تو اول مدون کہا گیا ہے تو علامہ ان دونوں میں جمع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں **واول الجامع** الخ یعنی امام مالک وغیرہ پر جو اول جامع کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے کہ ان حضرات نے سب سے پہلے ابواب پر احادیث کو مرتب کیا۔ جمہور کا بھی یہی جواب ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: **واول الجامع باقتصار على الصحيح فقط البخارى** چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ پر بھی اول جامع کا اطلاق ہے اس لئے سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام پر اول مدون کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے احادیث صحیحہ مجردہ کو سب سے پہلے جمع کیا۔ تیسری وجہ اس تعارض کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ارشاد فرمائی ہے حافظ کٹر متعصب شافعی ہیں ان کے تعصب کی حد یہ ہے کہ اگر کوئی راوی حنفیہ کے مستدل میں آجائے تو اس کی ساری تجریحات ان کو یاد آجاتی ہیں لیکن اگر اسی نوع کا راوی ان کے مستدل میں آجاتا ہے تو بالکل اس طرح خاموش چلے جاتے ہیں کہ خبر بھی نہیں ہوتی اسی بناء پر احناف ان سے ناراض ہیں مگر کچھ بھی ہو سارے حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر ان کے احسانات ہیں اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے آج رجال کی جتنی کتابیں ہیں وہ سب حافظ کی ہیں سوائے دو چار کے۔ اسی وجہ سے جہاں کوئی حافظ کی بات آجاتی ہے میں خاموش ہو جاتا ہوں اور مجھے ان کے کلام کو رد کرنے میں بڑی جھینپ ہوتی ہے۔ بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس تعارض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مدینہ طیبہ کے اندر امام مالک رحمہ اللہ بصرہ کے اندر ابن جریج رحمہ اللہ اور رے (ایران) میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ یمن میں معمر بن راشد رحمہ اللہ سب سے اول احادیث کو جمع کرنے والے ہیں۔

بحث سادس ''اجناس کے بارے میں'':

اس میں کلام مختصر ہے علوم کی اجناس مقرر ہیں اور مقرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی تقسیم مختلف حیثیات واحوال کے ساتھ کی گئی ہے مثلاً ایک تقسیم علم کی باعتبار عقلیات ونقلیات کے ہے کہ آیا یہ عقلی ہے جیسے منطق وفلسفہ یا نقلی ہے جیسے جغرافیہ وغیرہ اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس کی تقسیم الگ الگ ہے ایک باعتبار علوم عقلیہ ونقلیہ ہونے کے۔ چنانچہ علم حدیث نقلی ہے۔ ایک تقسیم باعتبار فرعیات

واصلیات کے ہے اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس اصلی ہے۔ ایک تقسیم علم حدیث کی شرعی وغیر شرعی ہونے کے اعتبار سے ہے اس نوعیت سے علم حدیث کی جنس شرعی ہوئی تو اب خلاصہ یہ نکلا کہ علم حدیث کی جنس اصلی نقلی شرعی ہوئی۔

علماء نے اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً کشف الظنون اس میں اصل تذکرہ تو کتابوں کا ہے مگر تبعاً اجناس پر بھی بحث کی گئی ہے اور جیسے نواب صدیق حسن خاں امام اہل حدیث کی ابجد العلوم اور مولانا محمد اعلیٰ صاحب تھانوی محدث کی کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون وغیرہ'' اس فن میں سے زیادہ جامع یہی کشاف ہے۔ اوجز کے مقدمہ کے اندر میں نے اس سے بہت مدد لی ہے۔ یہ کتاب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے کتب خانہ میں تھی جب مجھے ضرورت پڑتی میں وہیں جاکر دیکھ آتا۔ یہاں اس وجہ سے نہیں لاسکتا تھا کہ خود حضرت کو بھی اس کی ضرورت رہتی تھی۔ تقسیم پاکستان کے بعد جب حضرت کا کتب خانہ پاکستان منتقل ہوا تو یہ کتاب بھی چلی گئی۔

بحث سابع ''مرتبۂ حدیث'':

علم حدیث کا مرتبہ دو اعتبار سے ہے: ایک باعتبار فضیلت کے، دوسرا باعتبار تعلیم کے۔ فضیلت کے اعتبار سے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے کیونکہ اول نمبر پر قرآن پاک اور تعلیمی حیثیت سے اس کا مرتبہ سب علوم سے آخر میں ہے جیسا کہ تم بھی دیکھتے ہو کہ ہر درس نظامی میں دورۂ حدیث شریف کو جملہ کتب کے آخر میں رکھا گیا ہے سب سے پہلے صرف، نحو اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اور آلہ مقدم ہوا کرتا ہے اور اصل مقصد مؤخر۔

بحث ثامن ''قسمت وتبویب'':

جس طرح کتابوں کے اندر تقسیم وتبویب ہوتی ہے جیسے کہ آئندہ مقدمۃ الکتاب میں آرہا ہے ایسے ہی علم کی بھی تقسیم وتبویب ہوتی ہے چنانچہ حدیث پاک کے آٹھ ابواب ہیں یعنی ہر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھوں ابواب میں سے کسی ایک میں داخل ہو وہ آٹھ یہ ہیں: عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، رقاق، آداب، مناقب، فتن۔ جو کتاب ان آٹھ ابواب کو مجتمع ومشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں۔ بخاری شریف جامع ہے نیز ان اقسام ثمانیہ کے اندر مستقل الگ الگ تصانیف بھی ہیں مثلاً امام بیہقی کی کتاب ''الاسماء والصفات'' اس میں بیہقی نے احادیث عقائد کو جمع کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ترمذی کے اندر اختلاف ہے کہ وہ کونسی قسم میں داخل ہے اس کے اندر اگرچہ ابواب ثمانیہ موجود تو ہیں مگر اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو کتاب الطہارۃ سے شروع فرمایا نہ کہ کتاب الایمان سے۔

جن لوگوں نے آٹھوں ابواب کا خیال کیا انہوں نے تو اس کو جامع بتلا دیا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اس کی تالیف بر طریق سنن ہے اس کو ''سنن ترمذی'' بتلایا۔

بحث تاسع ''حکم شرعی'':

علم حدیث کا شرعی حکم یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو وہاں حدیث کا پڑھنا فرض عین ہے اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے یہی حکم علم فقہ کا ہے کیونکہ احادیث کی تفصیل تبیین فقہ پر ہی موقوف ہے۔ یہ نو بحثیں تو ختم ہوئیں جن کا عنوان تھا ''مقدمۃ العلم''۔

مقدمۃ الکتاب

(اس میں گیارہ بحثیں ہیں)

بحث اول :

جیسا کہ علم حدیث کی ایک غرض وغایت ہوتی ہے ایسے ہی کتاب کی بھی ایک غرض وغایت ہوتی ہے جو خصوصیات مصنف میں شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری کی بھی ایک غرض اس کتاب سے ہے وہ یہ کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ایک خواب بچپن میں دیکھا کہ جناب نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور میں ان کو اڑا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے استاذ اسحاق بن راہویہ کو سنایا۔ انہوں نے یہ تعبیر دی کہ انت تذب الکذب عن احادیث رسول الله صلی الله علیه وسلم یعنی تم کسی وقت میں انشاء اللہ حضور اکرم ﷺ کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو نکالو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ان کے استاد نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم ایک کتاب لکھو جس میں صحیح احادیث ہوں ان کو بھی ولولہ اور شوق ہوا تو حدیث کے اقسام ثمانیہ کو انتقاء کر کے احادیث صحیحہ بخاری کے اندر جمع فرمائیں۔ یہ تو غرض اصلی ہے اور اولین داعیہ۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت جو امام بخاری کی ساری کمائی قرار دی جاسکتی ہے وہ ان کے تراجم ہیں۔ یعنی احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا ورنہ نفس احادیث تو تم مشکوٰۃ میں پڑھ چکے ہو۔ اسی وجہ سے حضرات علماء نے باقاعدہ اس میں تصنیفات فرمائی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ''تراجم بخاری'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ایسے ہی ایک رسالہ اردو میں حضرت شیخ الہند نے الابواب و التراجم کے نام سے لکھا ہے۔ ایسے ہی میرے اساتذہ اور مشائخ کے یہاں بھی اسی بات کا اہتمام رہا کہ اصل مقصد ترجمۃ الباب ہے۔ علماء نے بخاری شریف کی بہت سی فضیلتیں اپنے تجربات کے بعد لکھی ہیں مثلا یہ کہ جس جہاز میں بخاری شریف کا کوئی نسخہ ہو وہ جہاز سمندر میں نہیں ڈوبے گا اور مثلا یہ کہ کسی مشکل کے واسطے بخاری شریف کا ختم بہت مجرب ہے۔ کسی مریض کے لئے اس کا پڑھنا بہت نافع ہے۔ بارہا ہم نے تجربہ کیا ہے کہ مریض کے واسطہ بخاری شریف کا ختم ہوا تو وہ شفایاب ہو گیا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ ابوزید مروزی (ایک بڑے فقیہ) نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمارہے ہیں کہ شافعی کی کتابیں کب تک دیکھتے رہو گے میری کتاب کیوں نہیں دیکھتے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی کونسی کتاب ہے؟ فرمایا بخاری شریف۔

بحث ثانی سمہ :

یعنی کتاب کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ پہلے یہ سنو کہ اس کا نام الجامع المسند الصحیح من حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم وسننه وایامه ہے۔ جامع تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر آٹھوں ابواب مذکور موجود ہیں اور مسند اس وجہ سے کہ جتنی روایات ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے بالرفع منقول ہیں اور آثار وغیرہ جو ذکر فرمائے ہیں وہ بالتبع آگئے۔ اور صحیح اس وجہ سے فرمایا کہ اس کے اندر احادیث صحیحہ کا ہی ذخیرہ مذکور ہے اور کوئی راوی اس کے اندر ضعیف نہیں ہے۔ اور من حدیث رسول الله ﷺ کی قید کو تو تم جانتے ہی ہو کہ ساری اس کے اندر احادیث ہیں اور سننہ اس لئے بڑھایا کہ تاکہ حضور اکرم ﷺ کی تقریرات بھی اس

میں داخل ہو جائیں۔اور ایامہ سے مراد وہ وقائع اور حالات ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے مقدس زمانے میں پیش آئے۔ بہت سی احادیث امام نے ایسی ذکر فرمائی ہیں جو نہ تو قولی ہیں نہ فعلی اور نہ تقریری۔ وہاں بہت سے شراح کو اشکال ہو رہا ہے بعض جگہ میں وہ اشکالات بتلا بھی دوں گا لیکن اگر وہ لوگ بخاری شریف کا پورا نام ذہن میں رکھتے تو ان کو یہ اشکال نہ پیش آتا۔

بحث ثالث مؤلف کتاب :

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ایک فن کا مؤلف ہوتا ہے دوسرے کتاب کا مؤلف۔ اول کا ذکر تو آچکا، اب مؤلف کتاب کا تذکرہ سنو۔اس کتاب کے مؤلف امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری ہیں۔ان کا سلسلۂ نسب محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔ جعفی نسبت ہے جعف کی طرف اور عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

بردزبہ بباء مفتوحة بعده راثم دال مكسورہ بعده ها یہ فارسی کی لغت ہے اور فارسی بھی ملک بخارا کی۔ بردزبہ فارسی زبان میں کاشتکار کو کہتے ہیں یہ کھیتی کرتے تھے اور مجوسی تھے حالت کفر میں ہی انتقال ہوا۔ان کے صاحبزادے مغیرہ ہیں یہ مسلمان ہیں اور یمان جعفی جو اس وقت کابل و بخارا اور سمرقند کے حاکم اور عرب کے باشندے تھے یہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یہ تمام علاقے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مفتوح ہو چکے تھے۔عرب کے اندر جس طرح ولاء معاقدہ اور ولاء موالات کی نسبت ہوتی ہے اسی طرح موالات اسلام کی بھی نسبت ہوتی ہے اسی اعتبار سے ان کو مغیرہ جعفی کہتے ہیں۔ ابراہیم، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا اور یاد رکھو میں تو خاص طور سے ان لوگوں میں ہوں کہ جس چیز کے متعلق حافظ ہتھیار ڈال دیں اور لاعلمی کا اظہار کریں تو وہاں میری تتبع اور تلاش کی ہمت نہیں ہوتی اگر چہ بہت سی چیزیں مل بھی گئیں ہیں۔ اسماعیل یہ حضرت امام بخاری کے والد ماجد ہیں اور امام مالک کے تلامذہ میں سے ہیں ان کا ذکر کتب تواریخ ورجال میں ملتا ہے۔

احوال امام بخاری :

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ تیرہ شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے یہی قول مشہور ہے۔اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شب جمعہ میں پیدا ہوئے مگر راجح اول ہی ہے۔امام بخاری کی بصارت بچپن ہی میں جاتی رہی تھی۔ان کی والدہ نے خوب دعائیں کیں، خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی، فرمایا: اللہ نے تیرے بچے کی آنکھیں درست کر دیں۔ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ حضرت امام بخاری بالکل تندرست ہیں۔امام بخاری نے بمقام خرتنگ جو سمرقند کے مضافات میں ایک گاؤں ہے، شنبہ کی رات میں جو کہ عید الفطر کی بھی شب تھی۔ ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔تنگ آکر رمضان شریف میں دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی کل عمر باسٹھ سال ہوئی۔ یاد رکھو کہ جمعہ کے بعد اس دار فانی میں تشریف لائے اور شنبہ کی رات میں انتقال ہو گیا یہ دنیا کی کل مدت ہے، جس میں باسٹھ سال کی عمر آ گئی، یہ بچے کے کان میں ولادت کے بعد جو اذان ہوتی ہے اور نماز جنازہ بلا اذان ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ وہ اذان اس نماز کی ہوتی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ مدت عمر اذان سے لے کر نماز تک ہے۔ غنیمت سمجھو اور جو کچھ کرنا ہو اس مدت میں کر لو۔

محدث داخلی کی مجلس اور امام بخاری:

حضرت امام بخاری کے والد ماجد (اسماعیل) کا انتقال اسی وقت ہو چکا تھا جب کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بالکل بچے تھے والد نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ میرے مال میں ایک پیسہ بھی مشتبہ نہیں ہے۔ اسی مال سے امام بخاری رحمہ اللہ کی پرورش اور تربیت ہوئی اور باقاعدہ جیسا کہ شرفاء کا دستور ہوتا ہے حضرت امام کو مکتب میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ مکتب میں جانے لگے اور امام داخلی محدث کی ''مجلس تحدیث'' جو اس وقت ہوا کرتی تھی اس میں بھی شرکت کرنے لگے۔ یہ مجلس خوب وسیع ہوتی تھی بڑے بڑے علماء اس میں شرکت کرتے تھے۔ یہ بیچارے بھی ایک کونے میں بیٹھ جاتے۔ رفتہ رفتہ ایک شوق اور ولولہ پیدا ہوا۔ ایک بات بطور جملہ معترضہ کے سنو وہ یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس درس میں شریک ہونے کے لئے ایک شرط حافظ ہونا بھی تھی ایک مرتبہ امام محمد رحمہ اللہ کو مجلس درس سے اس وجہ سے نکال دیا تھا کہ وہ حافظ (قرآن) نہیں تھے، بہرحال ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت استاد داخلی رحمہ اللہ نے کسی حدیث کی سند اس طرح پڑھی عن سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم الخ امام بخاری رحمہ اللہ دور ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے وہیں سے فرمایا عن ابی الزبیر صحیح نہیں ہے داخلی رحمہ اللہ نے دریافت کیا ''بچے کیا غلطی ہوئی؟'' حضرت امام نے رحمہ اللہ فرمایا کہ ابوزبیر کا لقاء (ملاقات) ابراہیم سے ثابت نہیں بلکہ یہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہ سن کر محدث داخلی رحمہ اللہ مکان میں تشریف لے گئے۔ کتاب دیکھی تو فی الحقیقت اس میں عن ابی الزبیر کے بجائے عن الزبیر تھا۔ استاد نے فرمایا تم نے صحیح کہا اور پھر اسی دن سے امام بخاری رحمہ اللہ اپنے استاد (داخلی رحمہ اللہ) کی نظر میں مقبول اور وقیع بن گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک واقعہ اور پیش آیا وہ یہ کہ امام بخاری ایک دوسری مجلس میں بھی جایا کرتے تھے۔ وہاں دوسرے علماء بھی احادیث قلم بند کیا کرتے تھے مگر امام صاحب نہیں لکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ تم خالی ہاتھ آکر بیٹھ جاتے ہو اس بیکار بیٹھنے اور وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ اول اول تو بخاری خاموش رہے لیکن جب لوگوں نے خوب برا بھلا کہنا شروع کیا اور تنگ کرنے لگے تو حضرت امام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنی احادیث لاؤ ان کو امام بخاری نے ایک طرف سے سنانا شروع کیا۔ جن کی تعداد ۱۵۰۰۰ پندرہ ہزار تھی، یہ سن کر سب منہ دیکھتے رہ گئے۔

سفر حجاز:

۲۱۰ھ میں جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عمر سولہ برس کی ہوئی تو اپنے والد ماجد کی پاک کمائی سے اپنی والدہ اور بڑے بھائی احمد کے ہمراہ حج کو تشریف لے گئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا سفر اس وقت ہوا جب کہ ان کی عمر سولہ برس کی تھی اور اساتذۂ حجاز سے حدیث کے حاصل کرنے میں تاخیر واقع ہوئی۔ حج کرنے کے بعد ان کی والدہ محترمہ اور بڑے بھائی صاحب تو واپس آگئے۔ اور حضرت امام رحمہ اللہ بغرض تعلیم وہیں رہ گئے۔ اس قیام کی مدت بقول بخاری چھ سال ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مدت قیام اتنی ہی ہو، ممکن ہے ایک دو سال کسی اور جگہ تشریف لے گئے ہوں۔ جس وقت امام بخاری رحمہ اللہ اٹھارہ سال کے تھے تو ایک کتاب ''قضایا صحابہ وتابعین'' کے نام سے مدینہ پاک میں لکھی۔ یہ کتاب اب کہیں نہیں ملتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت عبداللہ بن مبارک جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور وکیع کی تمام کتابیں حفظ یاد ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر لکھی۔ یہ ان کی دوسری تالیف ہے فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں روشنی وغیرہ کا تو انتظام تھا نہیں اس لئے میں نے اس کتاب کو چاند کی روشنی میں لکھا ہے۔ یہ سارے واقعات اٹھارہ سال کی عمر کے لگ بھگ اور ۲۱۲ھ کے قریب کے ہیں۔

تاریخ کبیر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر سے نہیں گزری البتہ کافی مدت ہوئی حیدر آباد مرحوم میں طبع ہو چکی ۔ میں نے مرحوم اس وجہ سے کہا کہ اب حیدر آباد پہلے جیسا حیدر آباد نہیں رہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی قوت یادداشت :

حضرت امام رحمہ اللہ کی قوت حفظ ضرب المثل ہے۔ تم کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ دس سال کی عمر میں اپنے استاذ (داخلی رحمہ اللہ) کو لقمہ دیا جس کا یہ حال بچپن میں ہو تو بڑا ہو کر جب کہ اس کو اس میں توغل بھی ہو جائے کیا حال ہوگا اور جب کسی کو کسی شئے میں توغل ہوتا ہے تو اچھی طرح سے اس کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے اور قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی خاص چیز میں مشہور ہو جاتا ہے تو پھر اس کا امتحان بھی لیا جاتا ہے چنانچہ دو واقعے ایک سمرقند، دوسرا بغداد کا امام کے امتحان کا پیش آیا۔ بغداد کا قصہ زیادہ مشہور ہے کہ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان کی شہرت بہت ہے آج ان کا امتحان لیں۔ چنانچہ دس علماء نے مل کر سو احادیث تلاش کیں اور ہر ایک نے دس دس احادیث اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیں اور ان کی سند اور متن (مضمون حدیث) کو ایک دوسری کی جگہ ردو بدل کر دیا جب امام صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو ہر ایک نے بڑی عقیدت کا اظہار کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھانپ لیا کہ کچھ دال میں کالا ہے اصل میں ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی اطراء کرتا ہے تو حقیقت خود بخود کھل جاتی ہے۔ بہر حال ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کچھ احادیث حضرت کو سنانا چاہتے ہیں امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا سنا دو۔ اس پر ہر ایک نے نمبر وار احادیث سنا کر دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ امام بخاری ہر ایک کے جواب میں لا ادری فرماتے رہے۔ یعنی مجھے معلوم نہیں جب سب سنا دیں تو اب ان لوگوں نے اشارے شروع کر دیئے کہ یہی ہیں وہ جن کا بڑا شہرہ ہے بس جی پیراں نمی پرند مریداں می پرانند والا قصہ ہے۔ جب سب معاملہ نمٹ گیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اول سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے حدیث اس طرح پڑھی ہے یہ غلط ہے صحیح یہ ہے اور پھر ہر ایک کو نمبر وار اس کی غلط حدیث اور اپنی صحیح حدیث سنائی یہاں کمال یہ نہیں کہ پوری سو احادیث مع سند کے سنا دیں بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ ان کی اسانید و احادیث منقلبہ کو صحیح کر کے نمبر وار سنا دیا۔

مسئلہ خلق قرآن اور امام بخاری رحمہ اللہ :

جس طرح آج کل ہم لوگوں سے کسی معاصر کی رفعت نہیں سنی جاتی اسی طرح پہلے زمانے میں بھی یہی دستور تھا چنانچہ امام بخاری کے معاصرین کو بھی امام صاحب رحمہ اللہ سے حسد پیدا ہوا اور جہاں جہاں ان کا شاندار استقبال ہوتا وہیں کچھ حاسدین اس کا ردعمل بھی کرتے چنانچہ بہت سی جگہ سے مار پیٹ کر نکالے گئے۔ بہت سے لوگوں نے گالیاں دیں۔ اس زمانہ میں ایک مسئلہ خلق قرآن کریم کا بہت زور شور سے چل رہا تھا اور ہر خواص و عوام کی زبانوں پر جاری و ساری تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ چونکہ دونوں ایک مرتبے کے ہیں اس لئے دونوں ہی کو اس مسئلہ میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سی مرتبہ جیل میں گئے اور بھی بہت سے علماء نے اس مسئلہ میں کوڑے کھائے تکلیفیں اٹھائیں مگر جمے رہے۔

اب چکی کا پاٹ یہ ہے کہ بہت سے جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی ایذاء رسانی اور تکلیفوں کا مبنی ایک ہی تھا حالانکہ ایسا نہیں دراصل بات یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں اس لئے ان

کا زمانہ پہلے کا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا بعد کا ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے زمانے میں معتزلہ کا بہت زور تھا اور سلاطین وقت بھی انہی کے ساتھ تھے۔ معتزلہ کا کہنا تھا کہ یہ قرآن حادث ہے مخلوق ہے۔ لفظ کـــــن سے پیدا کیا گیا ہے ان پر رد کرنے کے واسطے حنابلہ حضرات کو میدان میں آنا پڑا اور ان لوگوں نے کھل کر معتزلہ کا رد کیا اور کہا کہ قرآن پاک قدیم ہے، اور یہ قاعدہ تم کو معلوم ہی ہے کہ جیسا کہ آج کل کا بھی دستور ہے کہ جب کوئی مقتدا کسی چیز کے متعلق رد کرتا ہے تو بہت ہی زور وشور اور مبالغہ کے ساتھ تردید کرتا ہے اور جو لوگ اسکی پارٹی کے خدام اور مرید ہوتے ہیں وہ اپنے لیڈر اور بڑے کی بات کو خوب زور وشور سے اچھال کر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ امام کے معتقدین اور متعلقین نے ایک قدم اس سلسلہ میں اور بڑھایا وہ یہ کہ قرآن جو موجود ہے یہ بھی قدیم ہے اور اس کے الفاظ بھی قدیم ہیں اور یہ دُفَّتَيْنِ (گتہ) اور کاغذ بھی قدیم ہے۔ ان مبالغہ آرائیوں کو اور ان نقوش کو جب امام بخاری رحمہ اللہ نے دیکھا تو بڑی شدت سے حنابلہ کا رد کیا اور فرمایا لـفـظـی بـالقـرآن مخلوق یعنی جو الفاظ قرآن پاک کے میں اپنی زبان سے بول رہا ہوں یہ مخلوق اور حادث ہیں اور جو اس کے خلاف کہے وہ کافر ہے۔ اس سلسلہ میں حنابلہ اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا اتنا اختلاف ہوا کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کو دیکھا جائے تو اس سے امام احمد رحمہ اللہ کی تکفیر لازم آتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالتصریح ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہوں بلکہ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے تو معتزلہ کے مقابلہ میں تشدد فرمایا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حنابلہ کے مقابلہ میں اس پر حنابلہ نے امام بخاری کی خبر لی۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ جہاں جاتے ابتلاء میں پھنس جاتے حتی کہ آخر میں سب جگہ سے مایوس ہو کر اپنے وطن مالوف بخارا واپس تشریف لے گئے۔

واقعہ امیر خالد اور حادثۂ فاجعہ :

اس وقت وہاں کا امیر خالد نامی ایک شخص تھا۔ وہاں پہنچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بعض لوگوں نے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اگر بکری کا دودھ دو بچے پی لیں تو ان میں رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بعض حاسدین نے اس کا خوب شور مچایا۔ ابو حفص کبیر حنفی رحمہ اللہ نے ان سے کہلا بھیجا کہ تم حدیث پر رہو فقہ دانی نہ کرو۔ فقہ اور اس کے مسائل ہم لوگوں کے لئے رہنے دو۔ تم صرف اپنے حدیث کے مشغلے میں منہمک رہو۔ اس کے بعد وہاں کے امیر خالد نے امام صاحب کو کہلا بھیجا کہ میرے لڑکے آپ سے حدیث پڑھنا چاہتے ہیں کسی وقت آ کر ان کو پڑھا دیا کیجئے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے جواباً کہلا بھیجا کہ مجھے حدیث پاک کو ذلیل نہیں کرنا جسے پڑھنا ہو میرے پاس آ کر پڑھے۔ امیر نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ میں بچوں کے ہمراہ ضرور حاضر ہوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت دوسرے لوگ وہاں تعلیم کے لئے موجود نہ ہوں صرف میرے لڑکے تعلیم حاصل کریں گے۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا اور کہا سب بچے پڑھنے میں برابر ہیں۔ امیر کو اس بات پر غصہ آ گیا اور اس نے امام صاحب رحمہ اللہ کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نکل گئے اور نکلتے وقت دعا کی کہ اے اللہ! جس طرح اس امیر نے مجھ کو نکالا تو بھی اس کو ذلیل کر کے یہاں سے نکال دے۔ چنانچہ ایک ماہ سے پہلے ہی اس امیر سے کوئی حاکم اعلیٰ کسی غلطی کی بنا پر ناراض ہو گیا اور حکم دیا کہ اس معزول امیر کو کالا منہ کر کے گدھے پر سوار کرا کر پورے شہر میں چکر کراؤ۔ بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے وہاں سے سمرقند کا قصد فرمایا۔ راستہ میں خرتنگ مقام پر کچھ رشتہ دار تھے۔ رمضان کی آمد کی وجہ سے وہاں قیام

فرمایا۔ اسی دوران سمرقند سے اطلاع آئی کہ یہاں فضا تمہارے موافق نہیں ہے۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے جب یہ سنا تو بہت رنج وغم ہوا اور یہ دعا فرمائی اللهم ضاقت علی الارض فمارحبت فاقبضنی الیک یہ دعا آپ نے اخیر عشرہ میں فرمائی اور یہ قبول ہوگئی چنانچہ عید کی رات میں وفات ہوئی اور عید الفطر یوم شنبہ ۲۵۶ھ کو بعد نماز ظہر اس مجسمۂ نور کو اسی مقام خرتنگ میں دفن کر دیا گیا دفن کے بعد سنا ہے کہ مدتوں آپ کی قبر مبارک سے نہایت زوردار خوشبو مہکتی رہی۔

اب اشکال یہ ہوگا کہ حضرت امام رحمہ اللہ نے اپنی موت کی تمنا کیوں فرمائی جب کہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اپنے دین پر فتنہ کے خوف سے دعا فرمائی اور چکی کا پاٹ یہ ہے کہ اپنے اوپر نہیں بلکہ حاسدین پر رحم کھاتے ہوئے فرمائی، کیونکہ وہاں جا کر اگر لوگ تنگ کرتے تو ان حاسدین کا بیڑا غرق ہو جاتا تو گویا امت پر رحم کھاتے ہوئے آپ نے موت کی دعا فرمائی۔ رضی الله عنه وجعل الجنة مثواه.

امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات یاد رکھنے کے لئے میرے نزدیک آسان طریقہ یہ ہے کہ یہ جملہ یاد کر لیا جائے صدق حمید نور یہ مادہ تو پہلے سے موجود تھا مگر اس کو جملہ کی شکل میں نے دیدی اور لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ سچ کہا حمید نے کہ وہ نور تھے یعنی مجسمۂ نور تھے۔ ان تین لفظوں میں سے اول کے بحساب ابجد ایک سو چورانوے نمبر جو نکلتے ہیں وہ تو سن پیدائش ہے اور دوسرے لفظ کے جو باسٹھ نمبر نکلتے ہیں وہ ان کی کل عمر ہے اور نور کے کل نمبرات دو سو چھپن ہیں یہ حضرت امام کا سن وفات ہے۔

مذاہب ائمہ ستہ :

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اہل حدیث اور ائمہ محدثین مقلد تھے یا غیر مقلد؟ پھر مقلد ہونے کی صورت میں کس کی تقلید کرتے تھے؟ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جو آدمی بڑا ہوتا ہے اس کو ہر شخص چاہتا ہے کہ ہماری پارٹی میں شامل ہو جائے کیونکہ اس میں تجاذب اور کشش بہت ہوتی ہے اور ہر ایک اپنی طرف کھینچتا ہے چنانچہ امام بخاری کے متعلق غیر مقلدین تو کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین ان کو مقلد مانتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے شوافع نے اپنے طبقات میں ان کو شافعی تحریر کیا ہے چکی کا پاٹ یہ ہے کہ امام بخاری پختہ طور پر مجتہد تھے۔ اگرچہ فقہائے شافعیہ نے ان کو طبقات شافعیہ میں اور غیر مقلدین نے اپنا کہا ہے لیکن چونکہ امام بخاری احناف سے زیادہ ناراض ہیں اس لئے نمایاں طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شافعی ہیں حالانکہ امام بخاری جتنے احناف سے ناراض ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے کچھ زیادہ شافعیہ کے خلاف ہیں۔

چنانچہ وضو من القبلة اور قنوت فجر کا باب انہوں نے اپنی کتاب میں نہیں باندھا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ امام بخاری کے پاس روایت موجود نہیں بلکہ قنوت فجر اور درود شریف کی احادیث موجود ہیں۔ ایسے ہی قلتین اور درود شریف کا بھی باب نہیں باندھا حالانکہ درود فی الصلوۃ شافعیہ کے یہاں واجب ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ اور اگر امام صاحب رحمہ اللہ کو مقلد مان ہی لیا جائے تو یہ ہمارے جیسے مقلد نہیں کہلائے جائیں گے کہ بس جو امام نے کہہ دیا اسی پر عمل کر لیا بلکہ چونکہ ان کے پاس ایسے ذرائع تھے جن سے وہ اقوال ائمہ کو دلائل کی روشنی میں پرکھ سکتے تھے تو انہوں نے مقابلہ کر کے امام کے قول کو جہاں احادیث کے خلاف پایا ترک کر دیا۔ خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے کہ جب تک تم کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں نے کہاں سے بیان کیا ہے اس

وقت تک میری بات قبول نہ کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے بہت سی جگہ ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے لیکن ہم جو تقلید کو ضروری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں جو ان لوگوں کے پاس تھے۔ اب رہ گئے حضرت امام مسلم رحمہ اللہ ان کو بعض شافعی اور اکثرین نے مالکی قرار دیا ہے امام ابوداؤد کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ وہ پکے حنبلی ہیں چنانچہ حنابلہ نے ان کو طبقات حنابلہ میں شمار بھی کیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں البول قائما کا باب منعقد فرما کر اس کا جواز ثابت فرمایا ہے جو کہ حنابلہ کا مذہب ہے حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں مکروہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا اس کی تصدیق مت کرنا۔ ایسے ہی وضو مما مسته النار سب کے نزدیک منسوخ ہے سوائے حنابلہ کے۔ اسی وجہ سے امام ابوداؤد نے ترک وضو کے باب کو مقدم کر کے پھر اس باب کو ذکر کیا ہے اور آگے چل کر التشديد في ذالک کے عنوان سے مزید تاکید فرمائی ہے۔ اور وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں من مامسته النار سے وضو کو ترک کر دیا تھا اس کی تاویل امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے یہ فرمائی ہے کہ وہ ایک خاص واقعے کے متعلق ہے۔ نسائی اور امام ترمذی کے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ شافعی ہیں اور میری بھی یہی رائے ہیں البتہ امام طحاوی رحمہ اللہ پکے حنفی ہیں۔

کتاب بخاری شریف

سن تالیف :

بخاری شریف کے متعلق مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ اس کو سولہ سال میں لکھا گیا۔خود امام صاحب رحمہ اللہ سے بھی یہی مدت نقل کی گئی ہے۔اب یہ کہ بخاری شریف کب تصنیف فرمائی اور کب ختم ہوئی،اس کے متعلق مجھے تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ۲۱۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اس وقت امام بخاری رحمہ اللہ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور ۲۳۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔یہ میرا اپنا استنباط ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب کو لکھ کر اپنے اساتذہ کے سامنے پیش کیا اور ان اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، یحی بن معین، علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالی کے نام نامی بھی تحریر فرمائے ہیں۔اور یحی بن معین رحمہ اللہ کی وفات ۲۳۳ھ میں ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ۲۴۱ھ میں اور علی بن المدینی رحمہ اللہ کی ۲۳۴ھ میں۔بہر حال ہمیں یحی بن معین رحمہ اللہ کی وفات کے سن سے استدلال کرنا ہے تو جب ان کے سامنے پیش کی گئی تو یقیناً ۲۱۷ھ میں لکھنی شروع کر دی ہوگی اسی حساب سے سولہ سال پورے ہوتے ہیں واللہ اعلم۔

سبب تالیف :

بخاری شریف کی تالیف کی وجہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں حضور اکرم ﷺ کے بدن پر سے مکھیاں اڑا رہا ہوں ان کے استاد ابو اسحاق بن راہویہ نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تم کسی وقت میں حضور پاک ﷺ کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو علیحدہ کرو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں چنانچہ اس خواب کے بعد امام بخاری نے اپنی یہ کتاب بخاری شریف تالیف فرمائی۔

اپنی تالیف میں امام بخاری کا اہتمام :

عام طور سے بخاری شریف کے متعلق دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔اول یہ کہ امام نے اس کو روضة من ریاض الجنة میں غسل کر کے لکھا۔دوسری روایت یہ ہے کہ حطیم میں لکھی۔اب اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مدت قیام سولہ سال نہیں ہے بلکہ زائد سے زائد تین چار سال ہیں لہٰذا ان دونوں میں جمع کس طرح سے ہوگا۔میری رائے تو یہ ہے کہ سولہ برس تو ساری کتاب کے لکھنے کے ہیں اور تراجم سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ میں بیٹھ کر لکھے۔اس کے بعد جتنی جتنی احادیث ملتی رہیں ان کو چھانٹ چھانٹ کر لکھتے رہے۔اس کی تائید خود حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے اس مقولہ سے ہوتی ہے کہ میں نے ایک حدیث مدینہ میں سنی اور اس کو بصرہ میں لکھا،اور ایک حدیث بصرہ میں سنی تو اس کو شام میں لکھا اور ایک حدیث شام میں سنی تو اس کو کوفہ میں لکھا۔رہا یہ سوال کہ حطیم، کعبہ اور روضہ مطہرہ میں تو کافی فاصلہ ہے یہاں کس طرح جمع کریں گے؟ تو اس کے جمع کا طریقہ یہ ہے کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف تین بار تصنیف کی۔اور یہ مصنفین کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی تصنیف مہتم بالشان ہو تو بار بار اس میں نظر ثانی ہوتی ہے تبییض کی تسوید کی جاتی ہے تو بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے تسوید حطیم میں کی ہو اور تبییض روضہ اطہر علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں کی ہو یا اس کے برعکس ہو۔اگر ان اقوال میں جمع کی یہ صورت اختیار کی جائے جو میں نے بیان کی تو پھر اختلاف نسخ کی

ایک بڑی وجہ معلوم ہوجائے گی کہ یہ جو نسخوں میں اختلاف ملتا ہے کہ کہیں باب ہے لیکن روایت نہیں اور اس کے شراح متعدد جوابات میں سے ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ روایت شرط کے مطابق نہیں ملی۔ اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ تراجم سارے کے سارے ایک مرتبہ لکھے پھر روایات تلاش کر کے لکھیں۔

تعداد روایات بخاری :

امام بخاری رحمہ اللہ نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے بخاری لکھی۔ اب ان روایات کی تعداد میں اختلاف ہے جن کا انتخاب کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل احادیث مکررات کو شمار کر کے ساڑھے سات ہزار ہیں اور بغیر مکررات کے ساڑھے تین ہزار، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل احادیث نو ہزار ہیں اور مکررات کو حذف کر کے صرف ڈھائی ہزار باقی رہ جاتی ہیں۔ گویا چھ لاکھ احادیث سے صرف ڈھائی ہزار کا انتخاب ہوا۔ لیکن یاد رکھو کہ بخاری کی احادیث کے صحیح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ بقیہ کتابوں میں جو احادیث ہیں وہ غلط ہیں بلکہ وہ بھی صحیح ہیں۔ فرق صرف شرائط کا ہے۔ اس پر کلام میں آگے چل کر بھی کروں گا۔ البتہ یہاں اتنا ضرور سن لو کہ ہر حدیث کے صحیح ہونے اور بخاری شریف میں ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ حدیث تعارض سے سالم بھی ہو۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو قباء کی مسجد میں چوبیس روز قیام فرمایا لیکن خود بخاری میں دوسری روایت ہے کہ چودہ دن قیام فرمایا تو ظاہر ہے کہ مطابق للواقع ایک ہی حدیث ہوگی لیکن صحیح باعتبار سند و قواعد کے دونوں ہیں یہ عدم مطابقت للواقع تعارض کی ہی ایک فرع ہے اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

اخذ روایات میں شیخین کی شرائط :

تم اکثر جگہ سنتے ہو گے کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور فلاں حدیث نہیں۔ ان شرائط کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ کیا شرائط ہیں؟ خود ائمہ حدیث اور مصنفین حضرات نے اپنی کتابوں کی کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی بلکہ ان کے بعد کے علماء نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا اور تتبع و تلاش کے بعد اس کی شرائط انہی کی کتابوں سے بیان فرمائی ہیں اور اس کے اندر مستقل تصانیف کی گئی ہیں۔ آج کل دو رسالے ملتے ہیں ایک حازمی کا جو بہت مشہور ہے دوسرا رسالہ ایک اور ہے۔ امام بخاری نے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے وہ مسلم کی شرائط سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ ہر روایت کے درمیان دو چیزیں ہوا کرتی ہیں ایک راوی کی اپنی حیثیت اور اس کا ذاتی جوہر یعنی اس کا عادل ہونا ثقہ ہونا وغیرہ اور دوسری چیز یہ کہ اس کا تعلق اس کے استاد سے ہو تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں شرطیں ہیں۔ یعنی وہ راوی عادل، حافظ، ثقہ ہو اور دوسرے یہ کہ اپنے استاد کے ساتھ اس کا لقاء (ملاقات) بھی ثابت ہو اور اس کے ساتھ سفر و حضر میں رہا ہو ورنہ کم از کم حضر میں تو ملازمت رہی ہو کیونکہ جو آدمی سفر و حضر کا ساتھی ہوگا اس سے غلطی کا امکان بہت کم ہے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ بھی پہلی شرط میں تو امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں یعنی عادل اور ثقہ ہونا البتہ دوسری شرط یعنی لقاء ان کے یہاں ضروری نہیں بلکہ صرف امکان لقاء کافی ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

اکثر مصنفین و محدثین حضرات جابجا یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور وہ لوگ اس کے لئے یہ کافی

سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں مثلاً کوئی حدیث اس سند کے ساتھ بیان کی جائے عن الحمیدی عن مسدد بن مسرھد تو اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ علی شرط البخاری ہے کافی نہیں بلکہ اس حدیث کا علی شرط البخاری ہونا اس وقت ہوگا جب کہ بخاری میں بھی کوئی روایت اسی سند کے ساتھ مذکور ہو مقصد کہنے کا یہ ہے کہ اگر وہ دونوں راوی کسی حدیث کی ایک ہی سند میں ہیں تو وہ علی شرط البخاری ہوگی، کیونکہ دونوں رواۃ کے یکجا ہونے سے معلوم ہوگیا کہ دونوں راوی ثقہ ہیں اور لقاء بھی ایک دوسرے سے ثابت ہے لیکن اگر وہ دونوں رواۃ بخاری میں ہوں لیکن ایک کسی سند میں اور دوسرا کسی اور حدیث کی سند میں ہو تو یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا لقاء ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ دونوں کا ثقہ ہونا ثابت ہو جائے گا اب رہے امام ابوداؤد اور نسائی دونوں امام بخاری کی صرف شرط ثانی میں شریک ہیں اور شرط اول (یعنی عادل ہونا) کا ان دونوں کے یہاں کوئی اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل شرط یہی ہے کہ اس لئے یہ دونوں مسلم سے نیچے ہیں اور ترمذی شریف میں دونوں شرطیں مفقود ہیں اس لئے وہ ان دونوں سے بھی نیچے ہے اور ابن ماجہ میں چونکہ احادیث ہی گڈمڈ ہیں اس لئے وہ بیچاری سب سے آخری درجہ کی ہے۔

ثلاثیات بخاری :

بخاری شریف میں بائیس ثلاثیات ہیں اور یہ ثلاثیات ان ستائیس انواع کتب حدیث سے ہیں جو لامع میں مذکور ہیں۔ ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری اور حضور پاک ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں ایک تبع تابعی دوسرا تابعی اور تیسرا صحابی کا اور یہ حدیث کی بہت اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام کے تمام عادل ہیں اور تابعین اور تبع تابعین یہ سب خیر القرون کے حضرات ہیں۔ علماء نے ثلاثیات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور مستقل شروحات اور تراجم لکھے۔ خود تمہاری بخاری شریف کے حاشیہ پر بھی جابجا اول الثلاثیات، ثانی الثلاثیات موٹے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ تو اب مجھے کہنا یہ ہے کہ جب ثلاثیات اتنی مہتم ہیں کہ ان کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئیں اور ان کو اعلیٰ نوع میں شمار کیا گیا ہے تو فقہ حنفی تو اس سے بھی مہتم بالشان ہے کیونکہ وہ تو ثنائی ہے یعنی اس میں ایک واسطہ تابعی کا ہے دوسرا صحابی کا۔ کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ احناف کے نزدیک روایۃ بھی تابعی ہیں اور رویۃ بھی، البتہ غیر حنفیوں کے یہاں اگر روایۃ تابعی نہیں ہیں تو رویۃ تابعی ہونا ان کو بھی تسلیم ہے اور پھر ان دو واسطوں کے بعد حضور پاک ﷺ ہیں ہی۔ ایک بات یہاں یہ بھی سن لو کہ کہیں کہیں تم کو امام صاحب رحمہ اللہ اور حضور پاک ﷺ کے درمیان چار، چار، پانچ، پانچ واسطے بھی ملیں گے مگر وہ جزوی طور پر آجاتے ہیں ورنہ کلی طور پر ثنائی ہیں جیسے کہ میں تم کو اربعینہ میں بتلا چکا ہوں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اربعینہ ایسا لکھا ہے کہ جس میں امام مسلم رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ پر فائق ہیں وہ اس طرح سے کہ امام مسلم رحمہ اللہ اور حضور ﷺ کے درمیان چار واسطے ہیں اور امام بخاری اور حضور اقدس ﷺ کے درمیان پانچ واسطے ہیں لیکن اس سے امام مسلم کی بخاری پر فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ یہ فضیلت جزئی ہے۔ دوسری بات یہاں یہ بھی سن لو کہ بخاری کی جو ثلاثیات ہیں اس میں بیس کے تو استاد حنفی ہیں اور دو کے متعلق میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ حنفی ہیں یا کوئی اور۔ انشاء اللہ حنفی ہی ہوں گے۔ مجھے کتب رجال میں ان دو کے متعلق کچھ معلومات نہیں مل سکیں۔

بحث رابع "انواع کتب حدیث":

علم کی اجناس ہوتی ہیں اور کتاب کی انواع بیان کی جاتی ہیں۔ اب اسی کا نمبر ہے۔ انواع کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

محدثین کرام نے نہایت جانفشانی سے اپنی کتابوں کے لکھنے میں جو ایک خاص اسلوب اور جدت اختیار کی ہے اور طرح طرح کی گلکاریاں کی ہیں اور مختلف طریقوں سے احادیث جمع کی ہیں وہ کس طرح سے ہیں اور کیسی ہیں اس کے متعلق میرے اکابر مختصر کلام فرمایا کرتے تھے اور کل تین قسمیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع، سنن، مسند یہی تم حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اور دوسرے اکابر کے کلام میں پاؤ گے لیکن مسند الکل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عجالہ نافعہ میں چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں جس میں انہوں نے جوامع اور سنن کو ایک شمار فرما کر اس طرح تقسیم فرمائی ہے جوامع، مسانید، معجم، اجزاء رسائل، اربعینات، جب میں نے ابتدائے تدریس حدیث کے وقت مشکوٰۃ شریف پڑھائی تو تلاش وتتبع شدید کے بعد معلوم ہوا کہ بارہ کے قریب ہیں۔ اس کے بعد مزید تلاش کرنے سے پندرہ سولہ معلوم ہوئیں۔ لیکن جب لامع کا مقدمہ لکھا تو ستائیس کے قریب یہ انواع ہوگئیں۔ اب یہاں میں مشہور مشہور انواع کو شمار کراتا ہوں وہ یہ ہیں: جامع، سنن، مسند، معجم، اطراف، علل، مستدرک، مستخرج، اربعینہ، اجزاء، مشیخہ، تراجم، غرائب، تخاریج، تعالیق زوائد، چونکہ تم لوگوں کو حاشیہ وشروحات میں اس کی ضرورت محسوس ہوگی اس لئے ان کی تشریح بھی کئے دیتا ہوں۔

جامع :

اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابواب ثمانیہ کو جامع ہو یعنی عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، آداب، رقاق، مناقب، فتن، بخاری اور ترمذی جامع ہیں۔ کیونکہ اس میں یہ آٹھوں ابواب موجود ہیں لیکن ترمذی شریف کو سنن ترمذی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے۔ البتہ مسلم شریف میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جامع ہے یا نہیں کیونکہ باب التفسیر اس میں بہت مختصر ہے جن لوگوں نے اس کو بھی جامع کہا ہے تو وہ صرف اس بنا پر کہ مختصر التفسیر کا باب موجود تو ہے اور دوسرے لوگوں نے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ میرے نزدیک مسلم شریف جامع ہے کیونکہ باب تفسیر گو مختصر ہے لیکن موجود تو ہے۔

سنن :

اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طریقے سے ہوں یعنی جیسے فقہ کی کتابوں میں ابواب فقہیہ ہوتے ہیں ایسے ہی اس میں بھی ہوں جیسے سنن نسائی، ترمذی کو بعض لوگوں نے سنن میں داخل کیا ہے کیونکہ اس میں ابواب فقہیہ کا خاص لحاظ اور اسی کو اصل قرار دیا گیا ہے۔

مسند :

پہلے زمانے میں مسانید لکھنے کا بہت دستور تھا اور اکثر اکابر نے مسانید لکھی ہیں۔ مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات ہوں اور ہر صحابی کی ہر روایت کو ایک جگہ ذکر کیا جائے خواہ وہ کسی مسئلہ سے متعلق ہو لیکن اس کی ترتیب مختلف طرح سے ہوتی ہے۔ بعض تو افضل کو مقدم کرتے ہیں۔ اس صورت میں اولاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات ہوں گی اور بعض حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کرتے ہیں اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرف العین میں آئیں گے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند اقبال حرف الالف میں ہوں گے اور بعض تقدم اسلام کے لحاظ سے جمع کرتے ہیں یعنی جو متقدم فی الاسلام ہو اس کی مرویات کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں خواہ وہ مرتبہ میں کم ہو یا زیادہ۔ مگر مسند کی یہ قسم ثالث مقصود ہے اور بعض محدثین نے مراتب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعتبار سے مسانید لکھی ہیں ان میں سب سے پہلے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے بعد اہل بدر پھر بیعت الرضوان کے شرکاء اس کے بعد فتح مکہ والوں

کے نام سے احادیث بیان کیں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کے اکثر اساتذہ نے مسانید لکھیں ہیں جیسے مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابی داود طیالسی، مسند ابن ابی شیبہ وغیرہ۔ ہمارے یہاں دو مسندیں ملتی ہیں ایک مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ جو مراتب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعتبار سے ہے اور دوسری مسند ابوداؤد طیالسی یہ ابھی کچھ دن پہلے طبع ہوئی ہے۔

معجم (۱):

وہ کتاب ہے جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کو ذکر کیا جائے اور میرے نزدیک معجم وہ ہے جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے روایات مذکور ہوں خواہ علی ترتیب الصحابہ ہوں یا علی ترتیب الشیوخ ان میں ہمارے یہاں معجم طبرانی ہے۔

اطراف :

اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ٹکڑا ذکر کر کے اس کی وہ تمام سندیں جو کتابوں میں مروی ہیں جمع کر دی جائیں۔ مثلاً انہوں نے عنوان باندھا انما الاعمال بالنیات (الحدیث) اب یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے سب کو جمع کر دیا جائے اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کہ کہاں کہاں ہے اور غلطی بھی جلدی معلوم ہو جاتی ہے۔

علل :

یہ بہت مشکل فن ہے۔ اس کے اندر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یہ علت ہے۔ علل اور اطراف میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ اطراف میں تو حدیث کی ساری اسانید کو یکجا کر دیا جاتا ہے خواہ وہ ضعیف ہوں یا صحیح اور علل میں اسانید ضعیفہ کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے نقائص پر تنبیہ کی جاتی ہے۔

مستدرک :

یہ کسی کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف کو سامنے رکھ کر اس پر ایک کتاب مستدرک لکھی جائے۔ مستدرک کہتے ہیں کہ کسی کتاب کے شرط کے مطابق کوئی روایت ہو۔ اور اس کو اس کتاب کے مصنف نے ذکر نہ کیا ہو خواہ عمداً یا سہواً۔ جیسے مستدرک حاکم یہ بخاری اور مسلم دونوں پر ہے اور جیسے مشکوٰۃ شریف کہ یہ علامہ بغوی کی مصابیح پر تخریج ہے اور فصل ثالث اس پر استدراک ہے اس کے بالمقابل ایک نوع اور ہے وہ ہے مستخرج یعنی کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کرنا بشرطیکہ مصنف اصل حائل نہ ہو۔

اور فائدہ اس کا تقویت ہے کیونکہ جو حدیث کسی سند کے ساتھ اصل کتاب میں ہے تو مستخرج والا اپنی مستخرج میں وہ حدیث دوسری سند سے ذکر کرے گا۔ جیسے مستخرج ابوعوانہ یہ مسلم شریف پر ہے۔

اربعینہ :

جس کو ہمارے یہاں "چہل حدیث" کہتے ہیں۔ اس کے متعلق علماء نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ

---

(۱) وفی تقریر اخر للشیخ والمعجم ما جمعت الروایات فیه علی ترتیب حروف التهجی وله ثلاثة اقسام فبعضهم یرتبه علی ترتیب الاساتذة مثلا یقدم روایة اکابر مشائخه علی صغارهم وبعضهم یرتب علی ترتیب الصحابة باعتبار التهجی. والثالث معجم الاحادیث وهو الذی جمعت الاحادیث فیه علی ترتیب حروف التهجی فی اوائل الاحادیث. کالجامع الصغیر للسیوطی.

کاارشاد ہے جو شخص میری امت کے لئے چالیس حدیثوں کو محفوظ کرلے وہ قیامت کے دن علماء کے زمرے میں ہوگا۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن علمائے حدیث قاطبۃ کہتے ہیں کہ کوئی محدث ایسا نہیں جس نے چالیس احادیث نہ لکھی ہوں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے جو بہت مختصر ہے اور میرے والد صاحب کے یہاں وہ مفید الطالبین کی بجائے داخل درس تھی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حدیث دو جملوں پر مشتمل ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے اور اس میں یہ جدت پیدا کی ہے کہ تمام احادیث مسلم شریف کی اس طرح ذکر فرمائی ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ کو سند میں امام بخاری رحمہ اللہ سے اوپر رکھا ہے وہ اس طرح پر کہ مثلا امام مسلم رحمہ اللہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار واسطے (استاد) ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ واسطے ہیں۔

اجزاء ورسائل :

اجزاء تو وہ ہیں جن میں کسی خاص استاد کی مرویات ذکر کردی جائیں جیسے کسی نے جزء امام مالک لکھ دیا۔ اور رسائل وہ ہیں جن میں کسی خاص مسئلہ پر روایات کو جمع کردیا گیا ہو۔ ان (اجزاء ورسائل) کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے الگ الگ دو قسمیں شمار کی ہیں مگر میرے نزدیک دونوں ایک ہیں متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے تھے متاخرین نے اس کو رسائل سے تعبیر کردیا۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ بکثرت اجزاء پر رسالہ کا اطلاق کرتے ہیں اور میرے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا جزء رفع الیدین مشہور ہے۔ حالانکہ وہ ایک مسئلے سے متعلق ہے لیکن شاہ صاحب کے قول کے موافق اس کو رسالہ کہنا چاہئے۔

مشیخه :

کسی استاد یا شیخ کی روایات کو یکجا جمع کردینا خواہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہو۔

تراجم :

یہ ہے کہ کسی خاص سند کو لے کر اس سند کی روایات مرویہ کو جمع کردیا جائے جیسے شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

افراد وغرائب :

یہ دونوں ایک ہی ہیں بعض لوگوں نے فرق بھی کیا ہے، غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی جگہ پر رواۃ میں صرف ایک راوی رہ جائے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط میں یہ بات ہے کہ حدیث کی سند غریب نہ ہو بلکہ عزیز ہو لیکن محققین محدثین نے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے اس لئے کہ بخاری کی پہلی ہی روایت اس کی تغلیط کرتی ہے کیونکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یحی بن سعید الانصاری تک تفرد واقع ہوا ہے اور جو بعض علماء اس کی کچھ متابعات ذکر کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ غریب کے لئے ضعیف ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا جب تم ھدایہ میں جا بجا بلکہ ہر حدیث کے نیچے یہ لکھا ہوا دیکھو قلت غریب تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں اور اللہ کے فضل سے بخاری شریف کی پہلی ہی حدیث

انماالاعمال بالنیات اور آخری حدیث کلمتان حبیبتان دونوں غریب ہیں۔

تخاریج :

اس کا اطلاق ان کتابوں پر کیا جاتا ہے، جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اصل کتاب میں بلا سند کے مذکور ہوں۔

تعالیق :

یہ متقدمین کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ روایات کو سند کے ساتھ ذکر کیا جائے خواہ صحابی مذکور ہو یا نہ ہو۔

زوائد :

یہ مستدرک کے ہی قریب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب کی روایات پر زوائد روایات کا اضافہ کر دیا جائے جو اس پہلی کتاب میں نہ ہوں جیسے زوائد ابن حبان علی الصحیحین حافظ مغلطایہ کی تصنیف۔

بحث خامس ''مرتبہ کتب حدیث'' :

کتب حدیث کا مرتبہ دو حیثیت سے ہے ایک فضیلت کے اعتبار سے دوسرے تعلیم کے اعتبار سے۔ تعلیمی اعتبار سے جو درجہ ہے وہ میرا خود گھڑا ہوا ہے لیکن اب اس دور میں وہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے ہمارے اکابر کے یہاں دورہ عام طور سے ایک ہی استاد کے یہاں ہوتا تھا لیکن آج صحاح کی ہر کتاب الگ الگ استاد کے پاس ہوتی ہے حالانکہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ۱۳۰۱ھ سے لے کر ۱۳۰۹ھ کے اختتام تک تمام دورہ خود ہی پڑھایا۔ اسی طرح انکے استاد حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ اور ان کے بھی استاد حضرت مولانا شاہ اسحاق رحمہ اللہ نے دورہ کی تمام کتب تن تنہا پڑھائیں ہیں۔ اس لیے ان حضرات کے یہاں ایک ترتیب تھی وہ اس طرح کہ سب سے پہلے ترمذی پھر ابوداؤد پھر بخاری شریف پھر مسلم اس کے بعد نسائی اور پھر ابن ماجہ۔ اس ترتیب کا بنی ان کتابوں کی تصنیف کے اغراض پر ہے کیونکہ ہر مصنف کا تالیف وتصنیف کے وقت ایک خاص مطمح نظر ہوتا ہے۔ اگر چہ وہ اپنی تصنیف کے اندر اور بہت سے امور کا لحاظ رکھتا ہے۔ مگر خاص منشا ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

اغراض مصنفین صحاح ستہ :

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے پیش نظر اختلاف ائمہ کو بتلانا ہے اسی لئے وہ ہر باب میں ائمہ کا اختلاف نقل کرتے ہیں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا وظیفہ مستدلات ائمہ کو بتلانا ہے چنانچہ جتنے مستدلات ابوداؤد میں ملتے ہیں اتنے کسی اور کتاب میں نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی قرآن مجید اور ابوداؤد کو حفظ کر لے گا تو مجتہد ہو جائے گا۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اور غرض تالیف استنباط ہے اور یہ بتلانا ہے کہ احادیث سے مسائل کیسے مستنبط ہوتے ہیں اور مسلم شریف کا وظیفہ صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے اسی وجہ سے امام مسلم ایک باب میں متعدد احادیث لاتے ہیں تاکہ جو امام بھی اس حدیث سے مسئلہ مستنبط کرے تو اس کی دلیل کی تقویت کسی حدیث سے ہو جائے۔ بخلاف امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے کہ وہ ہر باب میں صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو لکھا ہے اور مصر میں طبع ہوا ہے تحریر فرمایا ہے کہ ''میں نے ہر باب میں ایک حدیث ذکر کی ہے اور اگر میں کسی باب میں دو حدیثیں لاؤں تو وہ کسی مصلحت کے تحت ہوتا ہے۔'' اور امام نسائی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ احادیث کی علل خفیہ پر ھذا خطا کہہ کر متنبہ

کریں۔اور ابن ماجہ کے اندر تمام احادیث گڈمڈ ہیں کہ آدمی صحیح اور سقیم کا اس سے انتخاب کرے۔جب تم کو ان چھ کتابوں کے اغراض کی یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو اب سنو کہ ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے یہ بات ترمذی سے معلوم ہوگی اس کے بعد جب مذہب معلوم ہوگیا تو اب ضرورت ہے کہ اس کی دلیل معلوم ہو وہ وظیفہ ابوداود کا ہے اس کے بعد اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا۔یہ وظیفہ بخاری کا ہے کہ وہ استنباط مسائل کا طریقہ دکھلاتے اور بتلاتے ہیں اس کے بعد جب احادیث سے مسائل مستنبط ہوگئے اور دلائل سامنے آگئے تو ان دلائل کی تقویت کے لئے اسی مضمون کی دوسری حدیث بھی ضروری ہوتی ہے۔یہ کمی امام مسلم رحمہ اللہ پوری کرتے ہیں۔اب آدمی مولوی ہوجاتا ہے اب اس کے بعد اس کو محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے اس کے اندر کوئی علت تو نہیں اس کا تعلق نسائی سے ہے۔اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہوجاتی ہے اب اس کو چاہئے کہ وہ احادیث پر غور کرے اور خود دیکھے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت تو نہیں کیونکہ نسائی شریف کے اندر تو خود امام نسائی رحمہ اللہ ساتھ دے رہے تھے اور بتلاتے جاتے تھے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کئے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کو تلاش کرے اس کے اندر معین ابن ماجہ ہے کیونکہ اس میں احادیث گڈمڈ ہیں اور کسی کے متعلق یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ انہی اغراض کے پیش نظر ہمارے اکابر نے مذکورہ بالا ترتیب قائم فرمائی تھی۔اب رہ گئی صحیحین میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب تو یہ ترتیب علماء سے منقول ہے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سب سے مقدم بخاری ہے بلکہ تقریبا سارے ہی مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔البتہ مغاربہ اس کے اندر اختلاف کرتے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلم شریف سب سے اصح ہے، افضل ہے لیکن چونکہ یہ قول شاذ ہے اس لئے علماء نے اس کی تاویل یہ کی کہ ان کے افضل اور اصح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ترتیب کی جودت اور حسن سلیقہ کے لحاظ سے اَقْدَم ہے اس صورت میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ بخاری کے اندر اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث بخاری کے اندر اگر تلاش کرنا چاہیں تو اپنے موقع پر نہیں ملے گی الا قلیلا۔بخلاف مسلم کے کہ اس میں ایک مضمون کی احادیث ایک ہی جگہ جمع کردیں جس کی وجہ سے تلاش کرنے میں آسانی ہوگئی۔باقی اس کے علاوہ بخاری ہر اعتبار سے بالخصوص صحت کے اعتبار سے مسلم پر فائق ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جو احادیث بخاری و مسلم میں متکلم فیہ ہیں ان کے اندر بخاری کی روایات تو کم ہیں لیکن مسلم کی زیادہ ہیں چنانچہ بخاری کی اٹھتر احادیث اور مسلم کی سو احادیث متکلم فیہ ہیں اور بتیس احادیث ایسی ہیں جس میں بخاری و مسلم دونوں مشترک ہیں۔تو خلاصہ یہ نکلا کہ بخاری کی کل احادیث متکلم فیہ ایک سو دس (۱۱۰) ہیں اور مسلم کی کل ایک سو بتیس (۱۳۲) ہیں۔یہ اعداد کا یاد رکھنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے کسی نے ان کو اَبجَد کے لحاظ سے شعر کے اندر جمع کردیا پہلے تو میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ شعر علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا ہے مگر لامع کا مقدمہ لکھتے وقت جو تلاش کیا تو ملا نہیں ممکن ہے کہ میری نظر چوک گئی ہو وہ شعر یہ ہے ؎

فـد عـد لـجـعـفـي وقـاف لـمـسـلـم

وبـل لـهـمـا فـاحـفـظ وقـيـت مـن الـروى

اس کے اندر فدعد میں فا تو زائد ہے اور باقی جو حروف ہیں ان کے عدد اٹھتر (۷۸) ہیں اور جعفی سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ

ہیں اور قاف کے سو نمبر ہیں اور دوسرے مصرعے میں لفظ بــــل دونوں کے لئے ہے جس کے عدد ۳۲ ہیں فرماتے ہیں کہ ان کو یاد کرے ہلاکت سے بچ جائے گا۔ اب یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ سے مروی ہے ماتحت ادیم السماء اصح من الموطا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤطا امام مالک بخاری سے بھی اصح ہے اور اگر اصح وافضل نہیں تو کم از کم اس کے درجے میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کا یہ فرمان بخاری شریف کی تصنیف سے پہلے پہلے کا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بخاری کی تصنیف سے قبل سب سے اصح مؤطا امام مالک تھی۔

صحاح ستہ کا مصداق :

علماء کے نزدیک پانچ کتابیں اجماعی طور سے صحاح میں داخل ہیں یعنی بخاری ومسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی لیکن چھٹی کتاب میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ کونسی ہے۔ صاحب جامع الاصول اور ابوالبرکات شیخ الاسلام ابن تیمہ کے دادا کی رائے یہ ہے کہ وہ مؤطا امام مالک ہے۔ گویا یہ حضرات جب الاصول الستہ یا امہات الستہ وغیرہ کہیں تو چھٹی کتاب مؤطا ہوگی۔ لیکن بعض حضرات نے مؤطا کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ مؤطا کے اندر احادیث کم ہیں آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم زیادہ ہیں اگرچہ سند کے اعتبار سے سب صحیح ہیں اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ مسند دارمی شریف ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ ہے اور اب یہی سادس ستہ بنی ہوئی ہے۔ اور یہی مراد لی جاتی ہے۔

جمہور کے نزدیک بخاری کے بعد مسلم شریف کا درجہ ہے اور اس کے بعد ابوداؤد شریف کا ہے لیکن ایک مختصر سی جماعت یہ کہتی ہے کہ مسلم اور ابوداؤد دونوں برابر ہیں کوئی ایک افضل نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلم شریف کے خطبہ میں اس کے مصنف نے خود تحریر فرمایا ہے کہ تمام احادیث کے رواۃ کا مالک وسفیان جیسا (ذمہ دار) ہونا ضروری نہیں بلکہ ان سے بھی کم درجہ کے رواۃ سے روایات اس کتاب میں آئینگی ایسے ہی امام ابوداؤد اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں۔ وما کان فیہ وھن شدید بینتہ یعنی جن روایات میں وہن شدید (کمزوری) ہے اس پر میں نے متنبہ کر دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کتابوں میں جہاں اعلیٰ قسم کی احادیث ہیں ایسے ہی کم درجہ کی بھی احادیث ہیں مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد شریف مرتبہ ثالثہ کے اندر ہے۔ چوتھا مرتبہ نسائی کا ہے لیکن بعض علماء نے ان شرائط کو دیکھتے ہوئے جن کا امام نسائی نے التزام کیا ہے اور جن کو علامہ سیوطی نے زھر الربی میں ذکر فرمایا ہے نسائی کو ابوداؤد پر فوقیت دی ہے مگر اکثرین کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور چکی کا پاٹ یہ ہے کہ طحاوی شریف بھی مرتبہ ثالثہ یعنی ابوداؤد کے درجہ میں ہے کیونکہ ابن حزم ظاہری جیسے متشدد نے بھی طحاوی کو ابوداؤد کے درجہ میں رکھا ہے ان چاروں کے بعد ترمذی شریف کا نمبر ہے لیکن اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ترمذی کو مسلم شریف کے بعد رکھا ہے اور دوسرے محدثین نے اس کو نسائی کے بعد رکھا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ترمذی کے اندر احادیث ضعیفہ ہیں جس کی وجہ سے اس کی اہمیت کچھ کم ہوگئی۔ لیکن جو لوگ اس کو تیسرے نمبر پر رکھتے ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ ترمذی میں ضعیف احادیث ہیں لیکن وہ اس پر ساتھ ساتھ متنبہ بھی تو کر دیتے ہیں لہٰذا جب متنبہ کر دیا تو اب کتاب پر کیا اشکال رہا۔ ان سب کے بعد ابن ماجہ ہے اور اس کو سب سے مؤخر اس وجہ سے کرنا پڑا کہ اس کے اندر احادیث ضعیفہ کیا احادیث موضوعہ تک ہیں۔

بحث سادس ’’قسمۃ وتبویب‘‘:

علم کی تقسیم وتبویب تو بہت طویل ہے اس کا ذکر مقدمۃ العلم میں گزر چکا ہے اور کتاب کی تقسیم وہ فہرست ہے جو کتابوں کے شروع یا آخر میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں مضمون فلاں صفحہ پر ہے اور یہ باب فلاں ورق پر ہے۔

بحث سابع ’’حکم شرعی‘‘:

اس حکم کی دو نوعیتیں ہیں ایک پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے دوسرے اس کی احادیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے۔ پڑھنے پڑھانے کی حیثیت سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بصورت تفرد واجب ہے اور بصورت تعدد واجب علی الکفایہ ہے یعنی اگر کتب احادیث میں سے صرف بخاری شریف پائی جائے تو اس کا پڑھنا واجب العین ہے اور اگر بہت سی کتب حدیث ہوں تو اس کا پڑھنا واجب علی الکفایۃ ہے کیونکہ مقصود دین حاصل کرنا ہے اور دوسری نوع کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی معارض موجود نہ ہو مثلاً کوئی آیت کریمہ معارض ہو یا اور کوئی حدیث پھر جب تعارض ہوگا تو ہم غور کریں گے۔

یہاں تک سولہ بحثیں ختم ہو چکیں۔ اب چار بحثیں اور سنو جو تمام تر میری گھڑی ہوئی ہیں۔

بحث ثامن ’’وجہ اختلاف وتعدد نسخ‘‘:

پہلے زمانے میں مطابع اور پریس کی یہ موجودہ سہولتیں تھیں نہیں کہ ہزاروں نسخے مصر، عرب، ہندوستان سے نکل رہے ہیں بلکہ استاد اپنی یاد سے یا اپنی اصل کتاب سے اور شاگرد اپنی یاد اور نقل سے کام کرتا تھا اور ہمیشہ یہی دستور رہتا تھا کہ ہر سال لوگ کسی استاد سے پڑھنے آتے۔ استاد سناتا اور تقریر کرتا شاگرد سنتے رہتے اور لکھتے رہتے اور چونکہ یہ عام دستور ہے کہ تقریر جب عام طور سے ہر سال کی جائے تو کچھ نہ کچھ فرق الفاظ وغیرہ کے اندر ہو ہی جاتا ہے مثلاً کسی جگہ مفصل بیان کر دیا آئندہ اس مقام کو مجملاً کہہ دیا اور چونکہ احادیث کو مختصر کر دینا یا بالمعنی روایت کرنا جائز ہے اس وجہ سے اس وقت کے اساتذہ بھی ایسا کر لیا کرتے تھے جیسے ایک سال ایک حدیث کو خوب تفصیل سے بیان کیا دوسرے سال اختصار کر دیا اسی بنا پر شاگردوں کے لکھنے میں بھی اختلاف ہوتا رہتا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر اور قسطلانی وغیرہ نے جو اپنی سندیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چار نسخے تو بخاری کے مشہور ومتعارف ہیں ایک نسفی کا دوسرے بزدوی تیسرے حماد بن شاکر چوتھے فربری کا۔ البتہ ایک پانچواں نسخہ محاملی کا اور ہے جو مختلف فیہ ہے کہ آیا اس کی حیثیت مستقل نسخہ کی ہے یا نہیں۔ علامہ کرمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ مستقل ایک نسخہ ہے چنانچہ انہوں نے اپنی سند محاملی تک پہنچائی ہے مگر حافظ ابن حجر اس کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محاملی امام بخاری کے شاگرد تو ہیں لیکن انہوں نے امام بخاری کی سماعت خود امام صاحب سے نہیں فرمائی بلکہ اس کی نقول اور املائیں کی ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب حافظ ابن حجر کسی چیز کا انکار کر دیتے ہیں تو مجھے اس پر رد کرنے میں تامل ہوتا ہے اگرچہ کبھی کبھی رد کرتا بھی ہوں۔ لیکن یہاں خود دو بڑے بڑے محدثین میں اختلاف ہو رہا ہے اگر تقدم (زمانی) کو دیکھا جائے تو علامہ کرمانی کی بات صحیح ہے اس لئے کہ وہ مقدم بھی ہیں نیز کہ انہوں نے اپنی سند محاملی سے ملا دی اور اگر حافظ کا مرتبہ فی الحدیث دیکھا جائے تو ان کی بات کو سچ ماننا پڑے گا بہر حال ہمارے یہاں ان چاروں یا پانچوں نسخوں میں اب ایک نسخہ ملتا ہے جو فربری کا کہلاتا ہے۔

فربری:

ان کا نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح فربری ہے۔ فربر بکسر الفاء وفتح الراء وسکون الباء ایک گاؤں ہے جو بخارا سے ۲۰، ۲۵

میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ شوال ۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ کل عمر نوے سال ہے۔ حضرت امام بخاری کے انتقال کے وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی گویا چونسٹھ سال بعد تک زندہ رہے۔ تو چونکہ بعد میں اتنی مدت تک پڑھایا اور ہر سال شاگردوں نے پڑھا اور لکھا اس لئے یہی نسخہ زیادہ متداول ومتعارف ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فربری نے بخاری سے دوبار بخاری شریف پڑھی۔ اول مرتبہ ۲۴۸ھ میں۔ دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں۔ پھر ۲۵۶ھ میں امام بخاری انتقال ہی فرما گئے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ تین مرتبہ پڑھی۔ واللہ اعلم

فربری فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے صحیح بخاری نوے ہزار اشخاص نے سنی لیکن ان سے روایت کرنے والا میرے علاوہ اس وقت کوئی باقی نہیں رہا مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بزدوی ان کے بعد تک باقی رہے۔ فربری کے اس کلام کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے یہ اپنے علم کے اعتبار سے فرمادیا۔ فربری سے بخاری شریف کے نقل کرنے والے بارہ شاگرد ہیں ان میں سے نو کا ذکر حافظ ابن حجر نے کیا اور امام نووی وعلامہ کرمانی نے ان کے علاوہ دو شاگردوں کا اور تذکرہ کیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک اور شاگرد کا ذکر کیا ہے لامع کے مقدمہ میں میں نے ایک نقشہ میں اس کی تفصیل لکھ دی ہے وہاں دیکھ لینا۔

فربری کے نسخوں میں اختلاف کی وجوہات :

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ اگر امام بخاری کے شاگردوں کے نسخوں میں اختلاف ہو تو وہ برمحل ہے کیونکہ جب مصنف نظر ثانی کرتا ہے تو ضرور محو واثبات کرتا ہے لیکن فربری سے پڑھنے والوں کے نسخوں میں اختلاف کی کیا وجہ؟ اس کے دو جواب ہیں ایک معقول دوسرا غیر معقول۔ غیر معقول ہی زیادہ قوی ہے وہ یہ کہ پہلے زمانہ کے اندر جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں کہ استاد املاء کراتا تھا اور شاگرد لکھتے تھے مگر چونکہ سارے شاگرد ایک ہی درجہ کے متیقظ اور بیدار نہیں ہوتے اس لئے کسی نے کچھ لکھا اور کسی نے کچھ۔ جیسے کہ تم امتحان کے پرچوں میں دیکھتے ہو کہ ممتحن ایک حرف بولتا ہے پھر بھی لکھنے میں تغیر ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری وجہ جو معقول ہے (اور جو اتنی قوی بھی نہیں) وہ یہ ہے کہ فربری نے اپنے استاد کے ساتھ غایت محبت کی بنا پر دونوں نسخوں کی روایات لے لیں اگرچہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آخری نسخہ یہی ہے اور دوسرا نسخہ آخری نہیں۔ جیسے کہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت پر پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو، دو سورتیں ملا کر ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے تو میرے حضرت نے غایت محبت کی بنا پر فرمایا ''زکریا مجھے بھی ایک پرچہ پر یہ ترتیب لکھ کر دینا آج تہجد میں اسی طرح پڑھیں گے۔'' تو باوجودیکہ وہ قرآن اور اس کی ترتیب مصحف عثمانی کے خلاف ہے لیکن غایت تعلق کی بنا پر حضرت نے اس کو پڑھا۔

بحث تاسع ''مراتب کتب حدیث'':

شروع میں جہاں اجمالی خاکہ ان ابحاث کا بیان کیا تھا اس کے اندر میں نے یہ کہا کہ ایک تو مرتبہ مقدمۃ الکتاب سے متعلق ہے اور دوسرا مرتبہ کتب حدیث سے وابستہ ہے۔ یہ دونوں مرتبے الگ الگ ہیں۔ مراتب کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر وہ کتابیں مذکور ہیں جن کے متعلق اجنبی کے واسطے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے ہم کن کتابوں کی احادیث پر اعتماد کریں اور کن پر نہیں اس لئے اب اس کی بڑی ضرورت ہے کہ کتب حدیث کے طبقات بھی ذکر کر دیئے جائیں اس لئے غور سے سنو کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ''عجالۂ نافعہ'' میں کتب حدیث کی چار قسمیں اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اتباع میں بیان فرمائی

ہیں۔ مگر خود شاہ عبدالعزیز نے اپنی دوسری کتاب "مایجب حفظه للناظر" میں پانچ قسمیں بیان کر دیں۔ یہ بظاہر ایک بڑا تعارض ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ کوئی تعارض نہیں کیونکہ عجالۂ نافعہ میں جو تقسیم ہے وہ شہرت اور صحت ہر دو کے اعتبار سے ہے اور مایجب حفظه للناظر میں جو تفصیل ہے وہ صرف صحت کے اعتبار سے ہے کیونکہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو صحیح تو خوب ہیں مگر درجہ شہرت کو نہیں پہنچیں جیسے صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، منتقی الجارود وغیرہ اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو زیادہ صحیح تو نہیں ہیں لیکن شہرت ان کی خوب ہے جیسے ابن ماجہ وغیرہ۔ بہرحال حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ مایجب حفظه للناظر میں کتب حدیث کے پانچ طبقات بیان فرمائے ہیں۔

پہلا طبقہ :

پہلا طبقہ وہ ہے جس کے اندر ایسی کتابیں داخل ہیں جن کی احادیث کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں **هذا صحيح** اور اگر کوئی اس کے خلاف کہے تو اس سے دلیل طلب کی جائیگی اس کے اندر صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، صحیح ابن حبان، مسند ابوعوانہ، مستدرک حاکم وغیرہ داخل ہیں۔

مستدرک حاکم کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حافظ ذہبی نے اس کی بہت سی روایات پر نقد و استدراک کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث پر ذہبی نے سکوت کیا ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے اور جس پر کلام کر دیا وہ طبقۂ ثالثہ میں داخل ہے جو آگے آ رہی ہے اس لئے کہ حاکم نے مستدرک میں صحاح کے ساتھ ساتھ ضعاف پر بھی صحت کا حکم لگا دیا ہے۔

دوسرا طبقہ :

وہ ہے کہ ان کتابوں میں جو احادیث مذکور ہیں ان کو ہم صحیح تو نہیں کہہ سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صالح للاحتجاج ہے یعنی اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ احتجاج کے واسطے صحیح کا ہونا ضروری نہیں بلکہ حسان سے بھی احتجاج ہو سکتا ہے اس طبقہ میں ابوداؤد شریف، نسائی، ترمذی وغیرہ داخل ہیں۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ابوداؤد، نسائی، تو بالیقین داخل ہیں مگر ترمذی کے داخل ہونے میں کلام ہے اس لئے کہ اس کی بہت سی روایات متکلم فیہ ہیں۔ البتہ میرے نزدیک طحاوی اس طبقہ میں داخل ہے کیونکہ سلف میں سے بعض نے طحاوی کو ابوداؤد شریف کے درجہ میں رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی طبقہ میں مسند احمد بن حنبل کو بھی شمار کیا ہے۔

تیسرا طبقہ :

وہ یہ ہے کہ اس کی کتب میں جو احادیث آئیں گی ان کے متعلق ہم نہ یہ کہیں گے کہ یہ صحیح ہے اور نہ اس کی تغلیط کریں گے بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں اس طبقہ میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ اور زوائد مسند ہے۔ زوائد مسند سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل نے مسند احمد پر کچھ روایات کو زیادہ فرمایا ہے جس کو زوائد المسند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چوتھا طبقہ :

وہ ہے جو پہلے کے بالکل برعکس ہے اس کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ضعیف ہیں۔ اس طبقہ میں دیلمی کی مسند فردوس اور حکیم ترمذی کی نوادرالاصول اور کتب تفاسیر کی تمام روایات داخل ہیں۔ یہ دونوں وعظ کی کتابیں ہیں ان میں کثرت سے روایات ضعیفہ شامل ہیں۔

پانچواں طبقہ :

وہ ہے کہ اس کے اندر وہ تمام کتب داخل ہیں جن میں احادیث موضوعہ جمع کر دی گئی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ یَفْشُوا الْكِذْبُ اس حدیث میں آپ ﷺ نے قرن رابع یا ثالث میں علی اختلاف الروایات افشاء کذب کے متعلق پیشین گوئی فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ قرن رابع یا ثالث میں بکثرت احادیث گھڑی گئیں۔ لوگوں نے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے یہ حدیث گھڑی کہ کبوتر بازی جائز ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت کرنی تھی اس لئے ایک جماعت ایسی پیدا فرمادی جس نے ان تمام موضوع احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور علامہ سیوطی کی اللالی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعه اور دوسری کتاب ذیل اللالی ہے یہ کتاب دراصل اللالی المصنوعه پر اضافہ ہے کیونکہ علم میں تو ازدیاد ہوتا ہی رہتا ہے امام سیوطی کو اور احادیث ملیں تو انہوں نے ان کو اللالی کا ذیل بنا دیا اور انہی کی تیسری کتاب التعقبات علی الموضوعات ہے اس کے اندر علامہ سیوطی نے وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن کو لوگوں نے موضوع بتایا ہے حالانکہ وہ موضوع نہیں ہیں۔ ایک دوسرے محدث ابن جوزی ہیں جو مشہور حافظ حدیث ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ بعض لوگ بعض امور میں متشدد ہوتے ہیں اور بعض متساہل۔ ابن جوزی بہت متشدد ہیں ان کے تشدد کی حالت یہ ہے کہ بخاری کی ایک روایت پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگا دیا لیکن علماء نے اس کا انکار کر دیا اور ان کا رد لکھا ایسے ہی بہت سی احادیث کو جو موضوع نہ تھیں ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا۔ ایسے ہی ابوداؤد شریف کی نو احادیث پر وضع کا حکم لگا دیا۔ اس کے بالمقابل حاکم تصحیح کے اندر بہت متساہل ہیں بہرکیف اس سلسلہ میں کتابیں کافی لکھی گئی ہیں ملا علی قاری کی موضوعات کبیر اور علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعه بھی اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہیں۔

بحث عاشر "سند":

سلسلۂ سند امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ کا طرۂ امتیاز ہے اور یہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے اندر نہیں پایا جاتا خواہ وہ ادیان سماوی ہوں یا غیر سماوی کہ وہ بالاسناد المتصل کسی بات کو ذکر کرتے ہوں۔ بخلاف امت محمدیہ کے کہ اس کے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ہر بات بالاسناد منقول ہے۔ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اور مشائخ کرام کا طریقہ یہ جاری رہا کہ وہ اپنی اسانید کتاب وہاں تک بیان کرتے تھے جہاں تک وہ معروف و مطبوع نہ ہو۔ میرے اکابر کے زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک ہمارے اساتذہ سند بیان کرتے تھے اس سے آگے نہیں کیونکہ اس سے آگے مطبوعہ ہے خود حضرت شاہ صاحب نے رسالہ الارشاد الی مهمات الاسناد کے اندر اپنی سند بیان فرمائی ہے اور اس کے اندر اسانید کا جال بچھایا ہے اسی طرح حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کی اسانید الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی کے نام سے عرب و عجم کے اندر مشہور ہیں اور اب میری سند بھی چونکہ اوجز اور لامع کے مقدمہ میں طبع ہو گئی ہے اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر چونکہ میرے اکابر کا دستور ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحب تک سلسلہ سند بیان فرماتے ہیں اس لئے میں بھی اتباعاً اپنی سند بیان کرتا ہوں۔

میرا ابتدائی دور :

میں رجب المرجب ۱۳۲۸ھ میں اپنے وطن کاندھلہ سے یہاں آیا تھا اور نحو میر پڑھنی شروع کی تھی۔ پھر اس کے بعد بقیہ کتابیں پڑھیں۔ ۳۲ھ میں پورے سال منطق کی تمام کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد شوال ۳۳ھ میں دورۂ حدیث تمام کا تمام اپنے والد صاحب سے پڑھا اگرچہ بہت سی کتابیں دورہ کی حضرت سہارنپوری کے یہاں بھی ہوتی تھیں لیکن میرے حضرت اور حضرت شیخ الہند اپنی

ایک تحریک پر لمبے سفر کے لئے چلے گئے اس لئے ان کے پاس کوئی سبق نہ ہو سکا۔

پہلی سند :

بہر حال میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کی طرف سے سلسلۂ سند یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی ساری کتب قطب الارشاد شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے پڑھیں۔ اور انہوں نے شاہ عبد الغنی المجد دی النقشبندی سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوسعید صاحب اور حضرت شاہ اسحاق صاحب سے اور ان دونوں نے استاد الکل حضرت شاہ عبد العزیز صاحب سے اور انہوں نے المحدث المکرم الامام المعظم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ سے پڑھی۔

دوسری سند :

۱۰ ذیقعدہ ۳۴ھ میں جب میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو میرے حضرت اس وقت بمبئی میں تھے۔ والد صاحب کے انتقال کا تار وہیں پہنچا سفر سے واپس تشریف لا کر خود ہی حضرت نے مجھ سے فرمایا: ''بخاری اور ترمذی تم اس سال میرے سے پڑھنا''۔ چنانچہ اس سال دوبارہ پڑھی۔

مگر چونکہ والد صاحب کے انتقال کے بعد محبت پدری کی وجہ سے وہ غلبہ ختم ہو گیا تھا اس لئے میں متعدد شروح اور حواشی فتح الباری وقسطلانی وحواشی حضرت گنگوہی دیکھ کر اور لکھ کر لے جاتا تھا محض یہ سوچ کر کہ ''حضرت یہ فرمادیں کہ تجھے اب پڑھنے کی ضرورت نہیں مگر تین چار ماہ اسی طرح سے گزر گئے۔ اس دوران میں بعض جگہ حضرت میرے اشکالات کے جوابات بھی نہ دے سکے۔ مگر الحمد للہ! میرے دل میں اس کا واہمہ بھی نہیں آیا کہ حضرت نے جواب نہیں دیا۔ بلکہ میں یہ سوچتا تھا کہ تو رات بھر کتابیں ٹٹولتا ہے اگر حضرت نے جواب نہیں دیا تو کیا ہوا بھلا وہ کوئی ہندی کی چندی کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ اسی دوران میں ایک دن میں حضرت کے ساتھ آرہا تھا۔ فرمایا ''مولوی زکریا بہت دن سے ارادہ تھا کہ ابوداؤد پر کچھ لکھوں، لکھنا شروع بھی کیا اس وقت تک میرے حضرت گنگوہی زندہ تھے مگر ان کے انتقال کے بعد طبیعت بجھ گئی پھر سوچا مولوی محمد یحیٰ موجود ہیں ان سے بحث ومباحثہ کرلیا کریں گے مگر ان کے انتقال پر طبیعت بالکل ہی بجھ گئی اور ارادہ ہی نکال دیا تھا مگر اب تم کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اگر تم ساتھ دو تو ہو سکتی ہے۔''

میں نے کہا حضرت ضرور اور یہ میری دعا کا اثر ہے۔ حضرت میری طرف مڑے اور فرمایا اس کا کیا مطلب؟ میں نے عرض کیا کہ جب میرے والد صاحب نے مشکوٰۃ شروع کرائی تو غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر ابتداء کرائی تھی اور پھر قبلہ رو ہو کر نہ جانے کیا کیا دعا کی ہوگی مگر میں نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! حدیث کا سلسلہ بہت دنوں میں شروع ہوا ہے اب یہ میرے ساتھ ہی رہے اس لئے میں بذل لکھوں گا اور اس میں دس بارہ سال لگ ہی جائیں گے اس وقت تک حدیث خود میرے یہاں بھی آجائے گی۔ چنانچہ ۴۵ھ میں بذل ختم ہوئی اور ۴۰ھ کے اندر ہی حدیث پاک کے اسباق میرے یہاں آگئے تھے۔

بہر حال اس کے بعد ۳۵ھ میں یہ ناکارہ مدرس ہو گیا۔ بے دھڑک میں ہمیشہ سے رہا ہوں اس لئے میں نے عرض کیا کہ اس سال ابوداؤد آپ کے پاس ہوگی۔ فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ ترمذی کے اندر دو گھنٹے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بذل لکھنے کا حرج ہوتا ہے اس لئے اگر ابوداؤد شام کے گھنٹے میں کر دی جائے تو آپ کا فائدہ یہ ہوگا کہ صبح کے چار گھنٹے بچ جائیں گے جو آپ کی تصنیف میں کام آجائیں گے۔ اور میرا فائدہ یہ ہوگا کہ میں بھی سماعت کرلوں گا۔ حضرت نے اسے منظور فرمالیا۔ چنانچہ اسی سال مدرسی کے ساتھ ساتھ میں نے حضرت سے ابوداؤد بھی پڑھی پھر اگلے سال میں نے عرض کیا کہ میری مسلم باقی رہ گئی ہے اس کو بھی پڑھا دیں۔ چنانچہ دوسرے

سال حضرت نے مسلم شریف پڑھائی۔ میرے حضرت کی سند یہ ہے کہ میں نے حضرت اقدس آقائی مولانا خلیل احمد صاحب سے اورانہوں نے مولانا الشاہ محمد مظہر صاحب نانوتوی سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سے اور انہوں نے استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے اور انہوں نے حضرت مولانا رشید الدین صاحب بخاری ثم دہلوی سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور انہوں نے حضرت اقدس مسند ہند شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے کتب احادیث پڑھیں۔

تیسری سند :

میری اجازت کی ہے۔ میں یہ سند بیان کرنے سے پہلے ایک مختصری بات بتلاؤں۔ وہ یہ کہ ہمارے مدرسہ میں ایک مدرس حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب بھی تھے وہ یہاں کے ابتدائی طالب علم تھے۔ یہیں سے فارغ ہو کر معین مدرس ہو گئے اس کے بعد ترقی کرتے کرتے مدرس دوم بن گئے اور چونکہ ہمارے مدرسہ میں بہت سے ملازم رکھنے کا دستور نہیں تھا اس لئے یہ مولانا عنایت الٰہی مدرس دوم بھی تھے، محرر اور مہتمم بھی تھے اور جتنی عدالتی کاروائیاں ہوتی تھیں ان سب کے نگران بھی تھے۔ بڑے پرہیز گار اور متقی تھے ان کی پرہیز گاری کا یہ حال تھا کہ اپنا قلم، کاغذ، دوات الگ رکھتے تھے اگر گھر کوئی پرچہ لکھنا ہوتا تو ذاتی قلمدان سے لکھتے تھے مدرسہ کے کاغذ پر نہیں لکھتے تھے۔ مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے اور میں بھی ان سے بڑا بے تکلف تھا میں نے کہہ رکھا تھا کہ اگر دیر سویر ہو جایا کرے تو میرے یہاں سے کھانا منگوالیا کریں۔ ایک بار غایت محبت کی بنا پر مجھ سے فرمانے لگے کہ مولوی زکریا جس قدر استعداد یں فوت ہو رہی ہیں اور ناقص ہوتی جارہی ہیں اسی قدر سندوں کے اندر زینت بڑھتی جارہی ہے میں تمہیں اپنی سند دکھلاؤں گا ایک مٹیالے کاغذ پر ہے جس سے پنساری بھی سودا نہ باندھے میں نے کہا "جی بہت اچھا! ضرور دیکھوں گا۔" ایک بات تھی آئی گئی ہوگئی۔ ان کا مکان محلہ قاضی میں تھا۔ مدرسہ سے نکلنا میرے لئے مشکل تھا حتی کہ ایک بار میرا جوتہ کسی نے مدرسہ (قدیم) سے اٹھالیا تو چونکہ بیت الخلاء مدرسہ کے اندر ہی ہے اور مدرسہ سے متصل مسجد ہے۔ اس زمانے میں تعلیم بھی یہیں ہوا کرتی تھی اور والد صاحب کے ساتھ میرا بھی کھانا آجاتا تھا اس لئے پورے چھ ماہ تک باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اسی طرح جب میں مدینہ منورہ بذل کے اختتام کے سال گیا تو لوگ تو وہاں جا کر مشاہد متبرکہ کو دیکھنے لگ جاتے تھے لیکن میں کہیں نہیں جاتا تھا بس لیٹا ہوا کتاب ہی دیکھتا رہتا تھا۔ میرا اور حضرت کا قیام مولانا سید احمد صاحب جو کہ حضرت مدنی کے بڑے بھائی تھے کے یہاں رہتا تھا وہاں کے علماء آکر مولانا سے کہتے کہ یہ ہندی لوگ دو تین دن کے لئے آتے ہیں اور سب کچھ دیکھ لیتے ہیں مگر یہ کیسا ہندی ہے کہ کہیں جاتا ہی نہیں بس کتاب ہی دیکھتا ہے۔ بہر حال ایک مرتبہ مولانا عنایت الٰہی صاحب بیمار ہوئے میں کسی ضرورت سے محلہ قاضی گیا۔ سوچا کہ مولانا سے بھی ملتا جاؤں۔ یہ سوچ کر حاضر ہوا دروازے پر دستک دی حضرت اندر سے تشریف لائے میں نے کہلوایا بھی کہ تشریف نہ لائیں دقت ہوگی لیکن تشریف لے آئے اور خیریت دریافت فرمائی پھر فرمایا کہ مولوی زکریا! وہ سند تم نے دیکھنے کو کہا تھا میں نے عرض کیا پھر کبھی دیکھ لوں گا فرمایا نہیں ابھی دیکھتے جاؤ۔ مجھے مجبوراً رکنا پڑا اندر تشریف لے گئے اور ایک مٹیالا کاغذ لائے جس پر حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کے دستخط اور مولانا احمد علی صاحب کی مہر تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔

"عنایت الٰہی طالب علم مدرسہ نے ہم سے پڑھا اور اچھا پڑھا۔"

بس یہ آدھی سطر کی سند ہے۔ لیکن اب تمہاری سندوں پر العلامہ الفلاں بن فلاں لکھا جاتا ہے لیکن پہلے سند ایسی ہوا کرتی تھی۔ مولانا وہ سند مجھ کو دینے لگے کہ اس تبرک کو تم لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ "اجی میں کیا کروں گا البتہ اگر آپ اس پر مجھے اجازت (حدیث) لکھ کر دیدیں تو میرے لئے بھی کار آمد ہے۔" چنانچہ انہوں نے اس پر مجھے اجازت لکھ کر دی جو اب تک میرے پاس محفوظ

ہے۔الحاصل مجھے اجازت حاصل ہے۔حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سابق مہتمم مدرسہ ہذا سے اور انہوں نے پڑھا حضرت مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا اور حضرت اقدس مولانا الشاہ احمد علی صاحب محدث ومحشی بخاری وبانی مدرسہ ہذا سے اور مولانا احمد علی نے پڑھا حضرت مولانا وجیہ الدین صاحب سہارنپوری اور حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی سے اور انہوں نے پڑھا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور انہوں نے پڑھا اپنے والد ماجد مسند ہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہم دہلوی سے اس سند میں مولانا احمد علی صاحب کا نام نامی آیا ہے یہ پہلے کبوتر بازی کیا کرتے تھے اور بکثرت کبوتر پالا کرتے تھے۔ایک بار کبوتر بازی کی غرض سے میرٹھ تشریف لے گئے جب ان کی باری آئی تو کسی نے یہ کہہ دیا کہ دیکھو یہ آئے ہیں علمی خاندان سے تعلق رکھنے والے۔'' یہ بات ان کے دل کو لگی سب چھوڑ چھاڑ کر علم حاصل کیا اور حدیث تک پہنچے۔اول مرتبہ حدیث مولانا وجیہ الدین صاحب سے پڑھی۔جن کا حال مجھے معلوم نہیں۔پھر حجاز جا کر حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی اور پڑھنے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ صبح سے ظہر تک حدیث نقل کرتے تھے اور پھر ظہر کے بعد سے عصر تک حضرت مولانا سے پڑھا کرتے تھے۔ان کا خط بہت عمدہ اور پاکیزہ تھا جیسے موتی بذل المجہود کے اندر جہاں کہیں نسخہ قلمیہ کا ذکر ہے اس سے مراد انہی کی ابوداؤد ہے۔یہ تو سند کے متعلق بحث تھی جو ختم ہوگئی اس کو لامع کے مقدمہ اور اوجز کے اندر بھی لکھدیا ہے۔(1)

سلسلۂ اسناد اور حضرت شاہ صاحب :

ہندوستان کے اندر کوئی حدیث پڑھنے پڑھانے والا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے نکل کر نہیں جا سکتا۔میں نے اپنی جوانی کے

---

(1) ان تمام مذکورہ سندوں کو حسب ذیل نقشے میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے:

عـــہ ان تمام مذکورہ سندوں کو حسب ذیل نقشے میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت الشاہ عبدالعزیز الدہلوی ؒ

الشاہ ابوسعید — الشاہ عبدالقادر الدہلوی — الشاہ محمد اسحاق المہاجر المکی — مولانا رشید الدین الکشمیری الدہلوی، مولانا مملوک علی النانوتوی

الشاہ عبدالغنی عن — الشاہ محمد اسحق

مولانا عبدالحی البڈھانوی — مولانا وجیہ الدین السہارنپوری عـــہ

مولانا محمد مظہر النانوتوی — مولانا عبدالقیوم — مولانا احمد علی

حضرت الشیخ خلیل احمد المہاجر المدنی

حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا رح

مولانا عنایت الٰہی اجازۃ

حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا اجازۃ

حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد قدس سرہ

اجازۃ حضرت مولانا خلیل احمد

سیدی ابوالد مولانا محمد یحیٰی

قطب الارشاد حضرت مولانا الشاہ محمد زکریا رح

عـــہ وھو الاخ الکبیر الشیخ لطف اللہ والد مولانا احمد علی المحدث الشہیر السہارنپوری کما فی ارواح ثلثہ ص۲۷ منقول از مقدمہ لامع الدراری ص۹۶۔م

زمانہ میں بڑی تحقیق کی۔ قادیانیوں اور بدعتیوں اور اسی طرح اہل حدیث کو خطوط لکھے کہ وہ اپنا سلسلۂ سند لکھ کر بھیجیں۔ جس کے پاس سے بھی جواب آیا اس میں منتہائے سند حضرت شاہ صاحب ہی تھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ باہر جا کر عرب وغیرہ میں سند حاصل کرے جیسے میرے حضرت کی پانچ سندیں ہیں۔ تین سندیں ہندی ہیں۔ جن کی اصل حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچتی ہے اور دو سندیں حجازی۔ ایک مکہ معظمہ کے مفتی شافعیہ کی جانب سے دوسرے مدینہ منورہ کے مفتی حنفیہ سے۔ (۱)

بحث حادی عشر ''آداب طالب'':

یہ میرا ایک نہایت اہم عنوان اور مبحث ہے اور پہلے میں ہمیشہ اس کو نہایت اہمیت کے ساتھ بیان کیا کرتا تھا اور اس پر عمل بھی خوب کرایا کرتا تھا لیکن اب ہم اس قابل نہیں رہے اس لئے بیان کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اگر چہ یہ بہت لمبی بحث ہے مگر میں نہایت مختصر طور پر اب بھی بیان کرتا ہوں۔ ان میں سب سے **پہلے اخلاص نیت** ہے **اس کے بعد درس کی پابندی** ہے۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میری کوئی حدیث نہیں چھٹی۔ یا تو میں نے پڑھی یا میرے ساتھی نے۔ والد صاحب کے درس میں تو یہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں اور بہت زور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں لیکن اپنے حضرت کے یہاں کچھ عوارض کی بنا پر ایک دو حدیثیں رہ گئی ہوں گی۔ میں نے اپنے والد صاحب کے یہاں اس کا بھی اہتمام کر رکھا تھا کہ کوئی حدیث بلا وضو نہ پڑھی جائے۔ میرا ایک دوست تھا حسن احمد محلہ کھالہ پار کا رہنے والا تھا اس قدر نیک تھا کہ کبھی کوئی فحش بات میں نے اس کی زبان سے نہیں سنی۔ ہم دونوں نے یہ التزام کر رکھا تھا کہ جب کوئی ہم میں سے وضو کے لئے اٹھے تو دوسرے کو کہنی مار دے تا کہ دوسرا ساتھی اپنے استاد کو کسی اعتراض میں مشغول کر دے تا کہ حدیث نہ رہ جائے۔ ایک دو مرتبہ تو والد صاحب نے اس کو دیکھا لیکن جب چند بار اس کی نوبت آئی تو سمجھ گئے۔ اسی درمیان میں میرا وہ ساتھی وضو کے لئے اٹھا میں نے فوراً کہہ دیا کہ ''ابن ہمام نے فتح القدیر کے اندر یہ لکھا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے۔'' میرے والد صاحب نے فرمایا کہ ہم تمہارے ابن ہمام سے کہاں لڑتے پھریں گے جب تک تمہارا ساتھی آئے ہم سے ایک قصہ سن لو۔ اس کے بعد میرے والد صاحب کا معمول ہو گیا کہ جب بھی ہم میں سے کسی کو اٹھتا دیکھتے تو حدیث روک کر قصہ سنانا شروع کر دیتے مگر میرے حضرت کے یہاں چونکہ یہ بات نہیں تھی اس لئے ایک دو حدیثیں چھوٹ بھی گئیں۔ **تیسری چیز** صف بندی ہے سبق میں انتشار کے ساتھ نہ بیٹھے۔ **چوتھی چیز** یہ ہے کہ درس میں نہ سوئے۔ اگر میرے یہاں کوئی سوتا تھا تو اس کی عزت افزائی ہاتھ سے کیا کرتا تھا اور اس کے پاس پہنچ کر ایسا رسید کرتا کہ چار پانچ روز تک تو اس کو نیند نہ آتی تھی اور خواص کے بچوں اور عزیزوں کی خبر زیادہ لیا کرتا تھا کیونکہ دوسرے لوگ تو احتراماً ان کو کچھ نہیں کہتے تھے اور میں خوب مارتا تھا۔ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ کا ایک عزیز تھا سبق میں سویا کرتا تھا میں نے اس کو تنبیہ کی اور مارا حضرت نور اللہ مرقدہ کی اہلیہ محترمہ نے حضرت سے شکایت کی کہ اس کو انہی کے سبق میں نیند آتی ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر کوئی شخص طالب علم کی رعایت کر کے اس کو مارے اور اس کو تنبیہ کرے تو کیا اس کو روکا اور منع کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ جب ان کے درس میں سوتا ہے تو دوسرے اساتذہ کے یہاں بھی سوتا ہوگا۔ **پانچویں چیز** یہ ہے کہ کتاب پر ٹیک نہ لگائے بالخصوص بخاری شریف جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ **چھٹی چیز** یہ ہے کہ غیر حاضری نہ کرے کیونکہ یہ میرے یہاں ایک سنگین جرم ہے۔ **ساتویں** یہ کہ اس کا بھی خیال رکھنا کہ میں ہمیشہ حدیث پاک میں اگر کوئی گالی کا لفظ آئے تو اس کا صاف صاف وہی ترجمہ کرتا ہوں تو ریہ نہیں کرتا لہٰذا اس کے ترجمہ کو نہایت وقار کے ساتھ سنا کرو اس پر ہنسنا یہ اس کا استہزاء شمار ہوگا اس سے ہمیشہ بچو۔ اگر ہنسی ضبط نہ ہو تو مجبوری و معذوری ہے نیچے منہ کر کے ہنسا کرو۔ **آٹھویں** یہ کہ حضرات ائمہ اربعہ

---

(۱) تفصیل کے لئے حضرت اقدس کی سوانح حیات تذکرۃ الخلیل مطبوعہ کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور ملاحظہ ہو۔

مجتہدین یہ ائمہ حدیث سے پہلے ہیں اور ائمہ اربعہ کا زمانہ ائمہ حدیث کے زمانہ سے کافی قبل کا ہے لہٰذا اگر کوئی حدیث پاک کسی امام کے خلاف نکل آئے اور تم کو اس پر مطلع کر دیا جائے تو اس سے اس امام کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا یا کوئی جملہ ان کی شان کے خلاف ہرگز زبان سے نہ نکالنا بلکہ دل میں ہر ایک کی عزت برابر ہونی چاہئے۔ نویں چیز یہ کہ اساتذہ کا ادب کرے ایسے ہی کتب حدیث کا کیونکہ وہ رسول کریم علیہ السلام کا کلام ہے۔ دسویں یہ کہ بعض غالی مقلدین کی طرح ائمہ حدیث پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ فتلک عشرة کاملة

چند ضروری باتیں :

(۱) دیکھو اصل دین قرآن وسنت ہے اور بس۔ آج کل عام طور سے مبالغہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ علم فقہ کو احناف وغیرہ نے احادیث وقرآن کا مدمقابل ٹھہرا رکھا ہے۔ یہ جہالت ہے یا تجاہل۔ دراصل علم فقہ کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ علم فقہ کے بانی امام صاحب، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی آنحضرت ﷺ کیا بلکہ کسی صحابی کے سامنے کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں جیسے قرآن کا سمجھنا موقوف ہے احادیث پر ایسے ہی علم حدیث کا سمجھنا اور اس میں بصیرت حاصل کرنا موقوف ہے علم فقہ پر جس طرح حضرات محدثین نے دن رات ایک کر کے احادیث جمع کیں ہیں ایسے ہی مجتہدین (فقہاء) حضرات نے اپنی پوری کوشش اور دن رات اس پر لگایا اور احادیث مجملہ کی توضیح کی۔ اختلاف روایات اور آپس کے تعارض کو ختم کیا اور تمام احادیث کا خلاصہ پکا پکایا ہمارے سامنے رکھ دیا۔ مثلاً تم پڑھو گے ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اس نے عرض کیا کہ حضرت! میں اگر روزے میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز ایسا مت کرنا۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص اور آیا اور اس نے بھی بوسہ کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی، فرمایا کہ لے لیا کرو۔ اب ہم لوگوں کے نزدیک دونوں میں تعارض ہو گیا اور ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان دونوں حدیثوں کا کیا کریں لیکن حضرات فقہاء نے ان کے درمیان جمع فرمایا اور نہایت تتبع وتلاش کے بعد یہ بتلایا کہ اول اجازت چاہنے والا ایک نوجوان شخص تھا آپ ﷺ نے اس کو اجازت نہیں دی کیونکہ وہ جوش کی وجہ سے تقبیل سے آگے بھی قدم بڑھا سکتا تھا۔ بخلاف دوسرے شخص کے جو بعد میں اجازت طلب کرنے آیا تھا وہ شیخ اور بوڑھا تھا اور اس کو اپنے اوپر اطمینان تھا، اب اس طریقہ سے جمع فرمانا انہی حضرات کا کام تھا۔

(۲) حضرت امام ابوحنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے تو گویا حضرت امام اعظم کا انتقال امام بخاری سے چوالیس (۴۴) سال قبل ہو گیا تھا۔ لہٰذا اب اگر امام بخاری کے زمانے میں کوئی روایت رواۃ کے ضعف کی بنا پر ضعیف ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت امام اعظم کے زمانہ میں بھی وہ روایت ضعیف رہی ہو کیونکہ درمیان میں چالیس سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہے ممکن ہے کہ اس درمیان میں کوئی راوی ضعیف نکل آیا ہو۔ نیز امام اعظم احناف کی تحقیق کے مطابق تابعی ہیں۔ ایسی صورت میں تو امام صاحب کی کسی بھی روایت پر کلام نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ نے جو بھی روایت سنی ہو گی وہ صحابی سے سنی ہو گی اور الصحابة کلھم عدول کے تحت ہر روایت صحیح ہے اور اگر امام اعظم کو دوسرے علماء کی تحقیق کے مطابق تبع تابعی فرض کر لیا جائے تب بھی امام اعظم کی روایات پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں حضور ﷺ کے درمیان دو واسطے ہونگے پہلا واسطہ صحابی کا اور اس کے عادل ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ اب رہ گئے تابعی اس کے اندر اگر کچھ شک ہو سکتا ہے تو اس کا جواب احناف کی طرف سے ایک کلیہ کی شکل میں یہ ہے کہ میں اپنے استاد کو زیادہ جانتا ہوں یا تم؟ یقیناً جو بعد میں پیدا ہوا ہے وہ کس طرح سے اپنے سے پہلے کو سمجھ سکتا ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ کی ہر حدیث صحیح ہے اور کسی کا ان کی مرویات کو ضعیف کہنا غلط ہے۔ اس مختصر سی بات سے بہت سے اشکالات انشاء اللہ مندفع ہو جائیں گے۔ تفصیل اپنے مقام

پر آئے گی۔

(۳) میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ امام بخاری نے تیئیس (۲۳) سال تک بخاری شریف پڑھائی (یہاں پہنچ کر حضرت نے بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرمایا کہ میں نے امام بخاری سے زیادہ پڑھائی ہے) اس مدت میں ان کے نوے ہزار نسخے ہونے چاہئیں حالانکہ نسخے چند ہی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص تعلیم وتعلم سے فراغت کے بعد پڑھنے پڑھانے میں نہیں لگتا بلکہ اس میں تو وہی لگتا ہے جو کہ غریب ہو یا انتہائی مخلص۔ یہاں ایک تجربہ کی بات سنو وہ یہ کہ کسی ناظم مدرسہ کو ہرگز یہ نہیں چاہئے کہ وہ کسی مدرس کو بلا تنخواہ رکھے اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ اخلاص تو رہا نہیں جو سلف کے اندر تھا کیونکہ وہ تعلیم کو سب چیزوں پر مقدم رکھتے تھے۔ ہم نے بہتوں کو بغیر تنخواہ کے معین مدرس رکھا لیکن وہ معاش کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسباق میں حرج ہونے لگا آج یہاں جا رہے ہیں اور کل وہاں۔ بالآخران کو جواب دینا پڑا۔

(٤) محدثین کے پانچ مرتبے ہیں، اول وہ مبتدی ہے جو خلوص نیت کے ساتھ حدیث پاک پڑھے یہ پہلا درجہ ہے اس کے بعد محدث یا شیخ الحدیث کا درجہ ہے اس کی تعریف میں اختلاف ہے اکثرین کی رائے یہ ہے کہ جو مسند درس پر بیٹھ کر حدیث پڑھائے اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ محدث یا شیخ الحدیث اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کو بیس ہزار احادیث متناً وسنداً یاد نہ ہوں۔ اس کے بعد حائظ یا حافظ کا درجہ ہے، حافظ وہ شخص کہلاتا ہے جس کو ایک لاکھ احادیث سند اور متن کے ساتھ یاد ہوں۔ اس کے بعد حجۃ ہے محدثین کی اصطلاح میں حجۃ وہ شخص کہلاتا ہے جس کو تین لاکھ احادیث سنداً ومتناً یاد ہوں۔ اس کے بعد حاکم ہے حاکم وہ شخص کہلاتا ہے جس کو تمام احادیث متناً وسنداً جرحاً وتعدیلاً یاد ہوں۔

(۵) امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے چار لاکھ احادیث سے ابوداؤد کے لئے احادیث کا انتخاب کیا تھا۔ اور پھر چار حدیثیں پوری ابوداؤد سے منتخب کیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) انما الاعمال بالنيات الخ

(۲) لايؤمن احدكم حتى يحب لاخيه مايحب لنفسه

(۳) من حسن اسلام المرء تركه مالايعنيه

(٤) الحلال بين والحرام بين وبينهما امور مشتبهات فمن اتقى الشبهات استبرء لدينه وعرضه او كما قال صلى الله عليه وسلم.

امام ابوداؤد کی پیدائش ۲۰۲ھ میں ہے اور امام بخاری نے پانچ لاکھ اور دوسرے قول کی بنا پر چھ لاکھ احادیث سے بخاری کے لئے تین ہزار دوسو پچھتر احادیث کا انتخاب کیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ امام بخاری کو تین لاکھ صحیح اور تین لاکھ غیر صحیح احادیث یاد تھیں۔

الحمدللہ! آج مورخہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ کو مقدمہ تقریر بخاری کی ترتیب وعناوین سے محض اللہ جل شانہ کے فضل سے فراغت حاصل کی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف وکرم سے اور اپنے حبیب پاک حضرت محمد ﷺ کے صدقہ میں اس کو قبول فرمائیں۔ آمین

دعاؤں کا محتاج

بندہ محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم

بسم اللہ پرتم کافیہ سے اب تک کلام سنتے چلے آئے ہو مختصرا یہاں بھی سن لو۔ کوفیین کے نزدیک یہاں ابتدئی مقدر ہے یعنی ابتدئی بسم الله الرحمن الرحيم اور بصریین کے نزدیک ابتدائی مقدر ہے یعنی ابتدائی بسم الله الرحمن الرحیم کوفیین نے فعل مقدر مانا ہے کیونکہ وہ تجدد پر دلالت کرتا ہے اور بصریین نے اسم اس لئے مقدر مانا ہے کہ جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ زمخشری نے اس کا متعلق لفظ اقرء مقدر مانا ہے یعنی بسم الله الرحمن الرحيم اقرء اوران لوگوں نے جو لفظ اَبْتَدِءُ یا اِبْتِدَائِیْ محذوف مانا ہے اس کو اس وجہ سے رد فرمادیا کہ اس صورت میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ ابتدا اللہ کے کلام و نام سے نہیں ہوئی بلکہ خود تمہارے اپنے کلام سے ہوئی اور دوسری خرابی یہ ہے کہ اللہ کا نام صرف ابتدا کے ساتھ مخصوص ہوا۔ اور اقرء مقدر ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک نام پوری قرأت کے ساتھ شامل حال رہے گا دوسرے یہ کہ ابتدا اللہ تعالیٰ کے کلام و نام سے ہوگی۔ یہاں ایک بہت بڑا اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے بخاری شریف کو خطبہ کے ساتھ شروع نہیں فرمایا اور بسملہ کے بعد احادیث شروع فرمادیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کل امر ذی بال لم یبدء بحمدالله فهو ابتر ۔لہٰذا اس حدیث کے تحت ان کو حمدلہ ذکر کرنا چاہئے اس کے متعدد جوابات تم کافیہ میں بھی پڑھ چکے ہو کیونکہ وہاں بھی مصنف کافیہ نے اپنی کتاب کو بغیر حمدلہ کے شروع فرمایا ہے البتہ چند اور جوابات جو یہاں کے مناسب ہیں ان کو سنو۔

جواب نمبرا: جس حدیث کے اندر حمدلہ کا ذکر ہے وہ حدیث چونکہ امام بخاری کے شرائط کے مطابق نہیں۔ اس وجہ سے مصنف نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

جواب نمبر۲: چونکہ بخاری شریف کے اندر باریکیاں بے انتہا ہیں تو یہاں بھی مصنف نے ایک باریکی پیدا کی ہے وہ یہ کہ حمدلہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ کا اظہار کرنا ہے اور یہ مقصود خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پورا ہوگیا لہٰذا یہی حمدلہ کی جگہ کافی ہے۔ یہ جواب میرے والد صاحب کا ہے۔

جواب نمبر۳: علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض اساتذہ کبار سے سنا ہے کہ اس کے بعض نسخوں میں حمدلہ ہے۔ امام بخاری نے ابتدائے کتاب میں حمدلہ لکھی تھی جس طرح کہ اپنی دوسری تصنیفات میں لکھی ہے لیکن اس جواب کو حافظ ابن حجر نے رد کردیا وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں مؤطا وغیرہ بسملہ سے شروع ہیں ان میں حمدلہ نہیں ہے اگر کہیں ہوگی تو وہ الحاقی ہے۔

جواب نمبر۴: یہ ہے کہ تاسی بالقرآن کی ہے اس لئے کہ سب سے پہلی آیت اقرء باسم ربک اور سب سے پہلی سورت سورۂ مدثر صرف بسم اللہ سے شروع ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے مؤطا، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ سب بغیر خطبہ کے شروع کی گئی ہیں۔

جواب نمبر۵: شان نزول وغیرہ سے معلوم ہوا کہ حدیث کل امر ذی بال الخ خطب وغیرہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس لئے کہ اس زمانے میں خطبہ وغیرہ کا افتتاح اشعار سے کرنے کا رواج تھا۔

جواب نمبر۶: یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب کو کتاب ہی نہیں سمجھا (جس کی بنا پر بسملہ وغیرہ لکھتے) مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بخاری جوامع الکتب ہے اور جس کے اندر ہر حدیث وضو کرکے لکھی گئی ہے اس کو بھی ذی بال (مہتم بالشان) نہیں سمجھا جواب اس کا یہ ہے کہ اس حیثیت سے کہ خود یہ مصنف کی تصنیف ہے تو اپنی طرف نسبت کو حقیر سمجھتے ہوئے حمدلہ وغیرہ سے تعرض نہیں کیا۔

جواب نمبر ۷: حدیث بالا میں جو حمدلہ کا حکم مذکور ہے تو اس سے مقصود ابتداء بالحمد ہے۔ کتابت حمد مقصود نہیں اور تصنیف و تالیف کا کام بسملہ و حمدلہ سے شروع ہوتا ہی ہے تو یقیناً مصنف امام نے بسم اللہ پڑھ کر کتاب شروع فرمائی ہوگی۔

جواب نمبر ۸: یہ ہے کہ تأسی بالحدیث الشریف فرمائی اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے جتنے خطوط ہیں وہ صرف بسملہ کے بعد بدون حمدلہ کے من محمد رسول اللہ (ﷺ) سے شروع ہوئے ہیں۔

جواب نمبر ۹: اللہ تعالیٰ نے تقدم بین یدی اللہ ورسولہ سے منع فرمایا چنانچہ ارشاد ہے: یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اگر مصنف حمد ذکر فرماتے تو یہ تقدم علی اللہ والرسول ہو جاتا ہے اس لئے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔

جواب نمبر ۱۰: یہ ہے کہ حدیث ابتداء منسوخ ہے۔

جواب نمبر ۱۱: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے سخت اصرار پر یہ ناکارہ ۱۳۸۲ھ میں حج و زیارت کے لئے گیا تھا وہاں مدینہ منورہ میں ایک خواب دیکھا کہ یہ ناکارہ مسجد نبوی میں بخاری شریف پڑھانے پر مامور ہوا۔ مجھے بہت ہی فکر سہم اور اپنی نا قابلیت کا استحضار بار بار عذر معذرت پر میں نے کہا میں کتابیں وغیرہ ساتھ نہیں لایا کہ بوقت ضرورت مراجعت کرسکوں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں پاس بیٹھا رہا کروں گا اور مدد دیتا رہا کروں گا۔ سبق شروع ہو گیا۔ میں نے شروع میں خطبہ نہ ہونے کے متعلق جو توجیہات ہم کیا کرتے ہیں شروع کیں حضرت امام بخاری پاس تھے انہوں نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس کی تالیف کتابی صورت میں نہیں ہوئی بلکہ الگ الگ کر کے اس کے (اجزاء) کتاب العلم، کتاب الطہارہ وغیرہ تالیف ہوتے رہے بعد میں ان کو مرتب کر لیا گیا اس لئے خطبہ کی نوبت نہیں آئی۔

باب :

اصل میں بوب تھا واؤ کو الف سے بدل دیا باب ہو گیا یہ اجوف واوی ہے کیونکہ اس کی جمع ابواب آتی ہے۔ لفظ باب میں علماء کے تین اقوال ہیں اول یہ کہ یہ اضافت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ تنوین کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ وقف کے ساتھ پڑھا جائے گا اسمائے معدودہ کے طرز پر۔ لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ وقف اشیاء معدودہ میں وہاں ہوتا ہے جہاں پر ان کے درمیان فصل نہ ہو اور یہاں ابواب کے درمیان فاصلے ہیں۔ یہ آخری توجیہ علامہ کرمانی کی ہے۔ اگر تنوین کے ساتھ ہو تو کوئی اشکال نہیں لیکن اگر اضافت کے ساتھ ہو تو اشکال یہ ہوگا کہ کیف صدارت کلام کو چاہتا ہے اور وہ یہاں پر نہیں ہے کیونکہ کیف باب کے تحت واقع ہو رہا ہے۔ لہٰذا صدارت کہاں رہی اس کا جواب یہ ہے کہ صدارت کا مقصد اس جملہ کی ابتداء میں واقع ہونا ہے جس کو لفظ کیف سے شروع کیا جا رہا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ کان کے ابتداء میں واقع ہے اور پھر سارا جملہ باب کا مضاف الیہ بنا دیا گیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری کے دوسرے نسخوں میں اس مقام پر لفظ باب موجود نہیں ہے۔ اشکال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو باب سے تعبیر فرمایا کتاب سے کیوں تعبیر نہیں فرمایا۔ باوجودیکہ آئندہ بہت سے تراجم کو کتاب سے تعبیر فرمادیں گے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ کتاب سے اس وجہ سے تعبیر نہیں فرمایا تاکہ آئندہ آنے والی کتاب اس کی قسم نہ بنے کیونکہ وحی مقسم ہے اور باقی تمام ابواب آتیہ خواہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے سب کی سب قسمیں ہیں وحی کی۔ لہٰذا اگر تمام کو کتاب کے عنوان سے تعبیر فرماتے تو کوئی بھی مقسم نہ رہتا تو فرق پیدا کرنے کے لئے مقسم کو باب سے اور باقی کو کتاب سے تعبیر فرمادیا یہاں پر بعض نسخوں میں باب کا لفظ نہیں جیسا کہ حافظ نے نقل کیا ہے مصنفین کا قاعدہ ہے کہ وہ مضامین مختلفہ کو کتاب سے اور ایک نوع کے مضامین کو باب سے اور ایک جزئی

کی تالیف کو فصل سے تعبیر کرتے ہیں۔

کیف کان:

یہاں سے امام بخاری یہ بتلارہے ہیں کہ وحی کی ابتدا کیونکر ہوئی تو گویا یہ ایک سوال ہے کیفیت کے متعلق۔ لیکن میں نے متعدد بار خود بخاری کے ابواب کو شمار کیا ہے تو پہلی جلد میں بیس ابواب اور جلد ثانی میں دس باب ایسے ہیں جن کے اندر اصالۃً لفظ **کیف کان** واقع ہوا ہے اور اصالۃً کا مطلب یہ ہے کہ کہیں پر امام بخاری نے باب وترجمہ ذکر کرنے کے بعد کیف وغیرہ کہہ دیا مگر وہاں کیفیت وغیرہ کچھ بھی مقصود نہیں۔ بخلاف ان تیس بابوں کے۔ شراح نے ہر جگہ کیفیت بیان کرنے کے واسطے مختلف توجیہات بیان کی ہیں جن کو میں اپنے مواقع پر بیان کروں گا۔ مثال کے طور پر تم اسی باب کے اندر دیکھ لو کہ پہلی حدیث **انما الاعمال بالنیات** ذکر فرمائی ہے اور اس کے اندر وحی کی کیفیت کا قطعاً بھی ذکر نہیں۔

چکی کا پاٹ [1] ان سارے ابواب کے اندر یوں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان ابواب سے جن کو **کیف کان** سے شروع فرماتے ہیں۔ کیفیت کو بیان کرنا نہیں بلکہ میں تو غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جہاں کہیں اختلاف روایات ہو یا علماء کا اختلاف ہو یا احوال کے اندر اختلاف ہو تو امام بخاری اس اختلاف پر متنبہ کرنے کے لئے **کیف کان** سے باب باندھتے ہیں۔ اب رہ گیا وہ اختلاف وہ تم کسی اور جگہ تلاش کرلو اس کا امام بخاری نے ٹھیکہ نہیں لیا۔ مثلاً احوال کے اندر اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایک حال وحی کا مثل **صلصلة الجرس** ہے اور ایک حال خواب وغیرہ کا ہے تو امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ یہ مت سمجھو کہ وحی کی حالت ایک ہی ہے بلکہ احوال مختلف ہیں۔ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی رائے جیسا کہ انہوں نے اپنے تراجم کے اندر بسط کے ساتھ بیان فرمائی ہے یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ امام بخاری بسا اوقات کوئی ترجمۃ الباب باندھتے ہیں مگر اس سے اس کے ظاہر معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ کچھ اور مراد ہوا کرتا ہے ایسے ہی یہاں بھی **کیف کان** سے کیف بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عظمت وحی کو بتلارہے ہیں کہ وحی جیسی عظیم الشان چیز کی ابتدا کیسے ہوئی تو آنے والی روایات نے بتلادیا کہ ان اخلاق عالیہ پر ہوئی۔ میرے کہنے اور حضرت شیخ الہند کے فرمان کا مطلب تقریباً ایک ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ حضرت نے اس کو صرف اسی باب کے ساتھ مخصوص فرمادیا اور میں نے پورے تیس ابواب کے اندر اس کو جاری کردیا۔ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یوں ہے کہ بسا اوقات امام بخاری ایک مرکب باب باندھتے ہیں اب یہ ضروری نہیں کہ ترجمہ کا ہر ہر جز روایت سے ثابت ہوجائے بلکہ اگر کوئی سا جز بھی کسی روایت سے ثابت ہوجائے تو یہی کافی ہے چنانچہ یہاں پر وحی کا ثبوت ہورہا ہے اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی رائے مبارک یہ ہے کہ ہر حدیث مذکور فی الباب سے الگ الگ ترجمہ کا ثابت کرنا ضروری نہیں بلکہ کسی ایک روایت سے اگر ترجمہ ثابت ہوجائے تو کافی ہے۔ فرق حضرت گنگوہی اور علامہ عینی کے درمیان یہ ہے کہ علامہ مذکور کے نزدیک تو کسی ترجمہ کے جز کا ثابت ہوجانا کافی ہے اور حضرت گنگوہی کے نزدیک ترجمہ کا ثابت ہوجانا کافی ہے خواہ وہ کسی روایت سے ہو۔

بدؤ:

یہ لفظ بخاری کے مشہور نسخوں میں با کے فتحہ اور دال کے سکون اور ہمزہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جس کے معنی ابتدا کے ہیں اور علامہ

---

(۱) یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اپنی ایک اصطلاح ہے جس کو ہم مقدمہ تقریر بخاری میں ذکر کرچکے ہیں۔ (شاہد)

عینی نے بعض شراح سے بُــدُوٌّ بضم الاول والثانی وتشدید الواؤ نقل کیا ہے جس کے معنی اظہار اور ظہور کے آتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ یہ ہمزہ کے ساتھ بـدؤ ہے کیونکہ بعض نسخوں میں ابتدا کا لفظ وارد ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بـدء بمعنی الابتداء ہے نہ کہ بـدوٌّ بمعنی الظھور۔ اور اگر کسی نسخہ میں بـدوّ بمعنی الظھور موجود ہو تو اس صورت میں حضرت شیخ الہند کے ارشاد کی اشارتاً تائید ہوسکتی ہے کہ ارے! وحی کا ظہور کہاں سے ہوگیا؟ روایات نے بتلا دیا کہ اوصاف حمیدہ پر نزول ہوا۔ اب ایک بات مقابلہ کے طور پر جملہ معترضہ کی صورت میں یہ سن لو کہ بخاری کی جلد ثانی کے ص ۷۴۴ پر ایک باب آرہا ہے "باب کیف نزل الوحی" اس کے متعلق شراح نے لکھا ہے کہ اس باب اور باب کیف کان بدو الوحی میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے لیکن میرے نزدیک عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ باقی تفصیل اسی مقام پر آئے گی۔

الوحی :

لغت میں اس کے معنی الاعلام فی خفاء کے آتے ہیں اور اصطلاح میں وحی الکلام المنزل من اللہ تعالیٰ علی انبیاء کو کہتے ہیں۔ اب یہ کہ وحی کی کتنی قسمیں ہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام حلیمی نے چھیالیس قسمیں بیان فرمائی ہیں اس تقسیم کا مبنی اور اس کا ماخذ وہ روایت ہے جس کے اندر آتا ہے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے (۱) تو گویا وحی کی چھیالیس قسموں میں سے ایک قسم نبی کا خواب ہے سہیلی نے وحی کی کل سات قسمیں بیان فرمائی ہیں اور یہی عامۃ الشراح کی رائے ہے۔ اول خواب۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے اسی واسطے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے بیٹے کو ذبح کردیا تھا اور اسی وجہ سے بعض علما نے بیان کیا ہے کہ اگر حضرات انبیاء کرام سو رہے ہوں تو ان کو جگانا جائز نہیں ممکن ہے خواب میں وحی آرہی ہو۔ دوسرے القاء فی القلب ہے یعنی اگر قلب پر کوئی شے وارد ہو تو وہ وحی ہوگی اور اگر حضور اقدس کے کسی امتی ولی کے قلب پر کچھ وارد ہو تو اس کو اہل فن اصطلاح کے اندر کشف سے تعبیر کرتے ہیں۔ بس فرق وحی اور کشف کے اندر یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وارد وحی ہوتا ہے اور ہمیشہ صواب ہوتا ہے اور اولیاء کا وارد صواب اور خطا کے درمیان ہوتا ہے۔

تیسرے اللہ تعالیٰ کا من وراء الحجاب کلام فرمانا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام حجاب کی صورت میں ہی ہوا تھا۔ چوتھے یہ کہ ملک اپنی اصلی شکل کے اندر آکر کلام کرے۔ پانچویں یہ شکل انسانی میں آکر کلام کرے۔

چھٹے یہ کہ مثل صلصلۃ الجرس ہو یعنی گھنٹی جیسی آواز جس کا ذکر روایت میں آرہا ہے۔ ساتویں یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے وحی ہو اور میرے نزدیک وحی کی کل چار قسمیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا کلام من وراء حجاب سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اور آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں سنا تھا۔

(۲) تلقی بالقلب جیسا کہ حدیث میں ہے ان روح القدس نفث فی روعی اسی کو ہمارے صوفیاء کی اصطلاح میں کشف۔

---

(۱) حدیث کے الفاظ یہ ہیں عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رویا المومن جزء من ستۃ واربعین جزأ من النبوۃ. رواہ البخاری ص ۱۰۳۵ فی کتاب التعبیر. مرتب

القاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ

(۳) خواب

(۴) وہ وحی جو فرشتہ کے واسطے سے ہو۔ اور جن علماء نے وحی کی سات قسمیں بیان فرمائی ہیں وہ اس (۴) والی قسم کے اندر کئی شقیں نکالتے ہیں مثلاً یہ کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لائیں یا اسرافیل علیہ السلام لائیں اور جبرئیل علیہ السلام کی آمد کی دو شکلیں یا تو وہ اپنی صورت میں آئیں یا آدمی کی صورت میں۔ مگر میرے نزدیک یہ تمام ایک ہی نوع میں داخل ہیں لہٰذا ان کو مستقل طور پر اقسام میں شمار کرنا ضروری نہیں۔

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیامبر اور واسطہ ہوتے ہیں اور فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ نبی صاحب شریعت نہیں ہوتا اور رسول صاحب شریعت ہوتا ہے۔ رسول اللہ یہ عام لفظ ہے اللہ کے ہر رسول کو شامل ہے مگر اضافت کبھی کبھی عہد خارجی کی بھی ہوا کرتی ہے جیسا کہ تم نحو کے اندر پڑھ چکے ہو یہاں اضافت عہد خارجی ہے اس لئے اس سے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم:

علماء نے لکھا ہے کہ جہاں کسی صحابی کا ذکر آئے وہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا چاہئے خواہ کتاب کے اندر لکھا ہوا ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آوے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے چاہے کتاب میں نہ ہو۔ اب یہاں ایک بات اور سنو وہ یہ کہ نفس درود پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

علامہ کرخی کی رائے یہ ہے کہ ایک بار عمر میں پڑھنا واجب ہے پھر اس کے بعد مستحب ہے اور علامہ طحاوی کی رائے (مذہب) یہ ہے کہ جتنی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے ہر بار پڑھنا واجب ہے۔

یہ اختلاف دراصل ایک اور اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً . اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صلوۃ وسلام کا امر فرمایا ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ جیسا کہ تم نور الانوار میں پڑھ چکے ہو یہ ہے کہ الامر المطلق لايقتضى التكرار ولا يحتمله. اسی قاعدہ کی بنا پر امام کرخی کے نزدیک ایک بار پڑھنا واجب ہے اور پھر مستحب ہو جاتا ہے لیکن امام طحاوی فرماتے ہیں کہ درود شریف کے پڑھنے کا حکم ایک سبب کی بنا پر ہے اور وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم سامی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ تکرار سبب تکرار مسبب کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا جب بھی حضور پاک کا اسم سامی آئے گا درود کا حکم متوجہ ہوگا اور اس کا پڑھنا واجب ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں نماز کا حکم فرمایا ہے لہٰذا ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد واجب ساقط ہونا چاہئے مگر چونکہ وہ مفروض بالسبب ہے اور سبب وقت ہے لہٰذا جب بھی اوقات بدلیں گے نماز کا حکم متوجہ ہوگا اور وہ واجب ہوگی۔ یہ تو ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ آیت یعنی يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً امر بالصلوۃ والسلام کے باب میں مجمل ہے کہ کہاں ہونا چاہئے اور اس کی تفصیل

---

(۱) وفي تقرير اخر للشيخ والمعجم ما جمعت الروايات فيه على ترتيب حروف التهجي وله ثلاثة اقسام فبعضهم يرتبه على ترتيب الاساتذة مثلا يقدم رواية اكابر مشائخه على صغارهم وبعضهم ترتب على ترتيب الصحابة باعتبار التهجي. والثالث معجم الاحاديث وهو الذي جمعت الاحاديث فيه على ترتيب حروف التهجي في اوائل الاحاديث. كالجامع الصغير للسيوطي

سنت سے یہ معلوم ہوئی کہ حکم سلام کا امتثال اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ سے ہوا جو نماز کے اندر ہے اسی طرح حضور پاک ﷺ پر درود کا امتثال نماز کے درود میں ہوا کیونکہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے نماز کے اندر درود کا حکم فرمایا ہے۔ ایک بات یہاں یہ بھی سن لو کہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کتاب کے اندر غلط لکھا ہوا ہو تو اس کو درست نہ کیا جائے بلکہ وہاں اس طرح پڑھے فی الکتاب ھکذا والصحیح ھکذا. اور اس طرح پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اپنی طرف سے صحیح کر کے پڑھا تو پوری کتاب نہیں پڑھی اس لئے کہ مصنف نے جو لکھا ہے وہ تم نے پڑھا نہیں اگر چہ وہ غلط ہی تھا۔ اور اگر کتاب کا لکھا ہوا پڑھتے ہو تو وعید مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ میں داخل ہو گے کیونکہ وہ تو غلط ہے لہٰذا وہی صورت اختیار کرے جو ابھی بتلائی گئی ہے۔ کتاب کے اندر زیادتی ہرگز نہ کرے مجھے بڑا اخلجان ہوتا ہے اور اس میں مجھے تو بڑا تجربہ ہے۔ میں تمہیں ایک قصہ سناؤں میرے حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنے زمانہ تعلیم میں ترمذی کے اندر ایک جگہ اپنی تحقیق سے یہ لکھا کہ امام ترمذی کو یہاں غلطی ہوگئی صحیح یہ ہے جب حضرت ناظم صاحب علیہ الرحمۃ نے ترمذی شریف پڑھائی تو انہوں نے اس پر یہ لکھ دیا کہ ''بظاہر امام ترمذی کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور حضرت کی نہیں۔ لیکن جب وہ میرے یہاں آئی تو میں نے حضرت کی تصویب کی۔ تو اگر نفس نسخہ میں ہی لکھا جاتا تو ایک ہی لفظ کے اندر کتنی تراش خراش ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام اگر کسی جگہ صرف راوی کا نام اپنے استاذ سے سنتے ہیں اور یہ لوگ اس کا نسب بیان کرنا چاہیں تو یعنی سے تعبیر کر کے پھر اضافہ کرتے ہیں تاکہ استاذ کے الفاظ سے اشتباہ نہ رہے اسی طرح جہاں حضور ﷺ کا نام نامی آئے وہاں ﷺ پڑھے اگر چہ نفس کتاب میں نہ ہو نیز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جہاں نام آئے وہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا چاہئے۔

وقول اللہ عزوجل:

یہ لفظ بالرفع اور بالجر دونوں طرح پڑھا گیا ہے بالرفع ہونے کی صورت میں باب پر عطف ہوگا خواہ وہ بالتنوین ہو یا بالاضافۃ ہو اور جر کی صورت میں باب کے تحت میں ہوگا اور باب مضاف ہوگا اور کیف کان پر عطف ہوگا۔ یہاں یہ بات غور سے سنو کہ حضرت امام بخاری یہ جملہ متعدد جگہ ذکر فرمائیں گے وہاں اس میں تین احتمال جاری ہوں گے۔ یا تو یہ جز ترجمہ ہوگا اس صورت میں مثبت بفتح الباء ہوگا یا مثبت بکسر الباء ہوگا یا ادنی ملابست کی وجہ سے ذکر فرمادیں گے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کریمہ کو ترجمۃ الباب کے ساتھ ادنی مناسبت ہوگی خواہ کسی قسم کی بھی مناسبت ہو اور بعض جگہ حضرت امام بخاری آثار بھی ادنی مناسبت سے ذکر کرتے ہیں۔

انا اوحینا الیک:

یہاں یہ سوال ہے کہ اس آیت کو ترجمۃ الباب سے کیا مناسبت ہے اس لئے کہ اس میں کیفیۃ بدو الوحی کا کوئی تذکرہ نہیں اگر چہ نفس وحی کا ذکر ہے ان لوگوں پر تو کوئی اشکال نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض کیفیت بیان کرنا نہیں ہے جیسے حضرت شیخ الہند اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ۔ البتہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مقصود کیفیت وحی کو بیان کرنا ہے ان پر ضرور اشکال ہے اس کے متعدد جواب ہیں:

(۱) آیت میں حضور پاک ﷺ کی وحی کو تشبیہ دی گئی ہے حضرت نوح اور دیگر انبیاء کی وحی کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ ان کی وحی کی ابتدا بھی ہوگی اور اس کی کیفیت یہی ہوگی لہٰذا اس سے کیفیت ابتداء وحی خود ثابت ہوگئی۔

(۲) وحی کے مختلف معانی آتے ہیں اصل معنی تو اس کے کلام خفی کے ہیں اور گاہے وحی کے معنی مطلقاً الہام اور القاء کے آتے

ہیں۔اسی معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں وَاَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحل وارد ہوا ہے تو حضرت امام بخاری اس آیت کو ذکر فرما کر اشارہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی طرف جس وحی کی ابتدا ہوئی ہے وہ وحی رسالت ہے نہ کہ وحی الی الحیوانات جس کا تعلق امور تکوینیہ سے ہے لہٰذا اس سے خود کیفیت وحی معلوم ہوگئی کہ وحی وحی ارسال تھی۔

(۳) مقصود صرف ابتداء وحی میں تشبیہ دینا نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی وحی کو مختلف انبیاء علیہم السلام کی مختلف انواع وحی سے تشبیہ دینی ہے جو ان پر مختلف طور سے بھیجی جاتی رہیں لہٰذا اس میں اشارہ ہوگا کہ آپ کی وحی جملہ انواع وحی کی جامع ہوگی یعنی۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور ظاہر ہے کہ ان انواع کی کوئی ابتدا بھی ہوگی اور کیفیت بھی۔

(۴) اس آیت سے تنبیہ کرنا ہے اس بات پر کہ وحی کے لئے تین چیزیں لازم ہیں **مرسل**، وہ تو اللہ کی ذات ہے اور **مرسل الیہ**، وہ انبیاء ہیں اور حضور پاک ﷺ اور **واسطہ**۔ مقصود آیت وحی کے جملہ لوازمات کو بیان کرنا ہے اور ان ہی میں سے ابتدا ہے جو مرسل سے مرسل الیہ کی طرف واسطہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بطور خاص کیوں فرمایا جب کہ ان سے قبل اور بھی انبیاء گزرے ہیں اور ان پر بھی وحی آئی ہے۔اس کا **پہلا جواب** یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی مرسل ہیں اور احکام تکلیفیہ سب سے پہلے خاص طور سے انہی کے زمانہ میں نازل ہوئے چنانچہ حدیث حشر میں اول مرسل حضرت نوح علیہ السلام کو ہی بتلایا گیا ہے اس وجہ سے انہی کا نام بطور خاص ذکر کر دیا۔**دوسرا جواب** یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے بہت ستایا اور انہوں نے صبر کیا تو اس سے اشارہ کر دیا کہ تم کو بھی تکلیف ہوگی مگر صبر کرنا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ان سے پہلے کفر کا شیوع نہیں ہوا تھا تو اس سے اشارہ کر دیا کہ آپ ﷺ بھی شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ہیں۔ **چوتھا جواب** یہ ہے کہ طوفان نوح کی وجہ سے تمام انسان ہلاک ہوگئے تھے سوائے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کے تو یہ موجودہ نسل انہی سے چلی ہے اسی بنا پر ان کو آدم ثانی کہا جاتا ہے تو آیت کریمہ میں باپ کی وحی کے ساتھ تشبیہ دیدی۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ طفولیت کا ہے۔احکام تکلیفیہ ان کے زمانے میں بہت کم تھے۔معاش وغیرہ کی تعلیم ان کے زمانہ میں زیادہ تھی اور حضرت شیث علیہ السلام کو علم زراعت اور حضرت ادریس علیہ السلام کو علم صناعت عطا فرمایا گیا۔احکام تکلیفیہ کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے ہوئی تو خاص طور سے حضرت نوح علیہ السلام کو ذکر فرما کر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کی وحی احکامات تکلیفیہ کی جنس سے ہے۔

چھٹا جواب حضرت گنگوہی نے دیا ہے کہ ایک چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے دوسری چیز کی نفی نہیں ہوتی جیسے اگر کسی کو کوے کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو اس سے کوئلہ کی سیاہی سے مشابہت کی نفی نہیں ہوتی۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام انبیاء اولوالعزم میں ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام کی تخصیص سے اشارہ

فرمایا گیا کہ آپ ﷺ بھی اولوالعزم انبیاء میں ہیں۔

والنبیین من بعدہ:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کی جملہ انواع وحی حضور پاک ﷺ کی طرف نازل فرمائی گئی ہیں۔

حدثنا:

یہ محدثین کی ایک اصطلاح ہے اور اس کے ساتھ دو لفظ اور ہیں۔ایک اخبرنا دوسرے انبانا بخاری ومسلم میں کثرت سے حدثنا اور نسائی میں بکثرت اخبرنا اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں انبانا ملے گا اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں یا ان میں فرق ہے یعنی ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔علماء سلف جس میں امام بخاری بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں سب ایک ہیں۔چنانچہ امام بخاری آئندہ ایک باب باندھ کر اس کو ثابت فرمائیں گے کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔لیکن متاخرین جن میں مشارقہ اور امام نسائی داخل ہیں فرماتے ہیں کہ لغت اور معنی کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں لیکن استعمال کے اعتبار سے فرق ہوگا وہ اس طرح پر کہ اگر استاذ پڑھے اور شاگرد سنیں تو اس کو حدثنا سے تعبیر کریں گے اور اگر استاذ سنے اور شاگرد پڑھیں تو اس کو اخبرنا سے تعبیر کریں گے اور جہاں نہ استاذ قرأت کرے اور نہ شاگرد بلکہ صرف استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دے کر یا اوائل پڑھوا کر اجازت دیدے تو اس کو انبانا سے تعبیر کیا جائے گا تحدیث کے معنی آتے ہیں حدیث بیان کرنا اور اخبار اور انباء دونوں ہم معنی ہیں یعنی خبر دینا۔ایک قاعدہ محدثین کے یہاں یہ ہے کہ ابتداء میں تو حدثنا جلی قلم سے لکھتے ہیں اور اس کے بعد جب دوبارہ لکھتے ہیں تو باریک لکھا کرتے ہیں تاکہ سند حدیث کے اندر ابتدا اور غیر ابتدا کا امتیاز ہو جائے۔اسی طرح ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ دوسری مرتبہ حدثنا یا اخبرنا تحریر کرنے سے پہلے قال کو کتابۃً حذف کر دیتے ہیں اگرچہ وہ قرأتاً باقی رہتا ہے گویا تقدیری عبارت قال حدثنا قال اخبرنا ہوتی ہے۔اسی طرح حضرات محدثین حدثنا کے بجائے صرف ثنا اور اخبرنا کے بجائے صرف انا تحریر کرتے ہیں اور کبھی رنا سے تعبیر کرتے ہیں اور انبانا کو نبا سے تعبیر کرتے ہیں۔متقدمین کی کتابوں میں یہ چیز بکثرت ملتی ہے یہاں پر ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولی ہے یا برعکس بہتر ہے۔حضرات محدثین کے یہاں استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولی ہے اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہاں استاد کا سننا اور شاگرد کا پڑھنا اولی ہے محدثین اپنی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب شاگرد پڑھے گا تو بسا اوقات وہ غلط پڑھے گا اور ممکن ہے استاذ غافل ہو جائے تو سارے تلامذہ غلط ہی پڑھیں گے اور غلط ہی نقل کریں گے اور جب استاذ پڑھے گا تو صحیح پڑھے گا لہٰذا اس میں اعتبار اور اعتماد زیادہ ہے یہی رائے قدماء حضرات کی بھی ہے لیکن فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ غلطی ہر جگہ تو ہوتی نہیں۔کہیں کہیں ہوتی ہے لہٰذا اگر استاد پڑھتا چلا جائے گا تو شاگردوں کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ یہ جگہ مزلۃ اقدام ہے لہٰذا جب شاگرد پڑھے گا اور استاد اس کو غلطی بتلائے گا تو تمام طلباء اس کو سنیں گے اور ضبط کر لیں گے لہٰذا صحت کے اعتبار سے یہی اولیٰ ہے۔چنانچہ امام مالک اپنے فقیہ ہونے کی وجہ سے شاگردوں سے پڑھوایا کرتے تھے۔

الحمیدی:

علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام نے اپنی کتاب میں جہاں بہت سی باریکیاں رکھی ہیں۔ان میں مناسبت کے طور پر ایک

باریکی یہ ہے کہ سب سے پہلی حدیث حمیدی اور سفیان کی ذکر فرمائی جو مکی ہیں اور دوسری حدیث امام مالک کی ذکر فرمائی جو مدنی ہیں تو اس سے اشارہ کیا کہ وحی کی ابتدا مکہ سے ہوئی ہے اور اس کا پھیلاؤ مدینہ پاک میں ہوا۔

قال حدثنا سفيان

محدثین کے یہاں جو نام بغیر کسی کی طرف نسبت کے آئے تو وہ اعرف پر محمول کیا جاتا ہے لیکن بعض مرتبہ اس میں اشتباہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے یہاں اعرف ہمارے یہاں غیر اعرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے وسعت مطالعہ اور علمی معلومات کثیرہ کی بنا پر ان کو پہچانتے ہیں لیکن ہم ان سے کم واقف ہوتے ہیں اب اس حدیث کے اندر سفیان کا ذکر ہے اور سفیان دو ہیں اور دونوں مشہور ہیں۔

ایک سفیان بن عیینہ، دوسرے سفیان ثوری اب ان کو پہچاننے کی صورت یہ ہے کہ جہاں اونچے طبقے میں نام آتا ہے تو اس سے سفیان ثوری مراد ہوتے ہیں کیونکہ وہ اونچے طبقے کے ہیں۔ اور اگر سند میں نیچے کے درجہ میں سفیان آئیں تو اس سے سفیان بن عیینہ مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی سفیان عیینہ مراد ہیں۔ اس مقام پر شراح یہ تحریر کرتے ہیں کہ امام بخاری نے سند اول کے اندر تحدیث کے چاروں متداول طریقے درج کر دیئے ہیں۔ یعنی تحدیث، اخبار، سماع، عنعنہ۔ مگر مجھے اس سند میں عنعنہ نہیں ملا اس لئے میں یوں کہا کرتا ہوں کہ امام بخاری نے سند اول کے اندر تحدیث کے جو اکثری صیغے ہیں ان کو جمع فرما دیا اور چونکہ عنعنہ تینوں کو عام اور شامل ہے اس لئے وہ بھی اس میں آگیا۔ ہاں البتہ شراح کی یہ رائے حافظ ابن حجر کے نسخے پر صادق آسکتی ہے کیونکہ ان کے نسخے میں **عن يحيىٰ بن سعيد الانصاري** ہے۔

الانصاري:

محدثین کے یہاں ایک اصطلاح ہے جو نحو والوں کی اصطلاح کے خلاف ہے وہ یہ کہ چند ناموں کے بعد جو کوئی صفت واقع ہو تو وہ نحو کے قاعدہ کے موافق اقرب نام کی صفت ہوتی ہے اور محدثین کے یہاں وہ اول نام کی صفت ہوگی جیسے مضاف اور مضاف الیہ کے بعد آنے والی صفت نحاۃ کے یہاں مضاف الیہ کی ہوگی لیکن محدثین کے یہاں مضاف کی ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے یہاں استاذ مقصود ہوتا ہے اور اسی کے لئے وہ باقی سند کی کڑی ذکر کرتے ہیں تو اس سند کے بعد جو صفت آئے گی تو اس کا موصوف وہی ہوگا جو متکلم کا مقصود ہے۔ درمیان کے اسماء تو تابع ہیں اور نحو والوں کے یہاں اعراب مقصود ہوتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نحو اور حدیث کے قاعدہ میں تعارض ہو جائے تو حدیث کی کتب میں حدیث کے قاعدہ کو ترجیح ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ روایت عزیز ہو یعنی اس کے ہر طبقے کے اندر کم از کم دو راوی ضرور موجود ہوں جیسا کہ تم نخبۃ میں پڑھ چکے ہو۔ لیکن بخاری کی یہ پہلی روایت ہی اس کے خلاف ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید کے نیچے نیچے تو یہ روایت مشہور کیا بلکہ متواتر ہے کیونکہ یحییٰ سے نقل کرنے والوں کی تعداد میں مختلف قول ہیں بعض نے دو سو بعض نے ڈھائی سو اور بعض نے سات سو تک شمار کرائے ہیں لیکن ان سے اوپر محمد بن ابراہیم تیمی اور علقمہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سب چونکہ تنہا ہیں اس لئے اس اعتبار سے غریب ہے حافظ ابن حجر رواۃ کی اس تعداد کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اتنے نہیں ملے۔ حافظ اگرچہ حافظ ہیں مگر انہوں نے

ساری کتب احادیث کا احاطہ تو کیا نہیں ممکن ہے کہ ان کو نہ ملے ہوں کیونکہ حافظ سے پہلے بہت سی کتابیں ضائع بھی تو ہوئی ہیں۔ بہرحال یحییٰ ابن سعید الانصاری تک تو یہ روایت غریب ہے ہر راوی ایک دوسرے سے متفرد ہے حتی کہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے میں متفرد ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ:

یہاں یہ بات غور سے سنو کہ تین چیزیں ہیں ایک صَلٰوۃ وسلام دوسرے ترضیٔ (رضی اللہ عنہ کہنا) تیسرے رَحْمَۃُ اللہِ علیہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کا استعمال ہر ایک پر جائز ہے یا نہیں۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر ایک پر ان جملوں کو استعمال کر سکتے ہیں باقی ائمہ ثلثہ کے یہاں صلوۃ وسلام کا استعمال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ بعض دعائیں اگر چہ لغت کے اعتبار سے عام ہوتی ہیں لیکن عرف میں وہ خاص ہو جاتی ہیں۔ اسی قاعدہ کے تحت علماء کی رائے یہ ہے کہ صلوۃ وسلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا حضرات صحابہ کے ساتھ کہنا اور رحمۃ اللہ علیہ غیر صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ وغیرہ پر محمول کرنے میں زیادہ اشکال نہیں البتہ بے ادبی میں شمار ہوگا۔

علی المنبر:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں منبر نہیں تھا بلکہ ۵ھ یا ۶ھ میں بنا ہے جیسا کہ آگے آوے گا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو جو منبر پر پڑھا ہے وہ اہمیت کی وجہ سے پڑھا ہے۔

انما الاعمال بالنیات:

یہ حدیث اپنے ظاہر پر کسی کے یہاں بھی نہیں اس لئے کہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اعمال کا وجود نیت سے ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ چھت پر سے گرنے والا گرنے کی نیت نہیں کرتا۔ ایسے ہی ٹھوکر کھانے والا ٹھوکر کھانے کی نیت نہیں کرتا۔ لہٰذا تقدیری عبارت ماننا ضروری ہے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ صِحَّۃُ الاعمال مقدر مانتے ہیں اور حضرات احناف ثَوَابُ الاَعْمَال مقدر مانتے ہیں اس قسم کی تقدیریں اجتہاد سے نکالی جاتی ہیں اور ائمہ کے یہاں احادیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا مبنی اور مناط متعین کرنے کے اندر اختلاف ہوا ہی کرتا ہے۔ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ طہارت من الانجاس میں نیت شرط نہیں ہے۔ اگر کپڑے پر پیشاب لگ جائے اور سمندر میں پڑ جائے اور بغیر نیت طہارت کے نکال لیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔

شافعیہ نے الزام دیا کہ پھر تیمم میں کیوں نیت شرط قرار دیتے ہو؟ حنفیہ نے اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لفظ تیمم خود نیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ یم کے معنی لغت میں قصد کرنا ہے اور نیز تیمم طہارت کے اندر اصل نہیں ہے بلکہ خلیفہ اور تابع ہے اس لئے نیت کرنی پڑے گی سبب ورود حدیث بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جو حنفیہ کہتے ہیں کہ ثواب عمل نیت پر موقوف ہے نہ کہ صحت عمل یہاں حدیث میں ثواب مراد ہے کیونکہ مصنف کا مقصود اس جگہ یہ حدیث بیان کرنے سے نیک نیتی پر متنبہ کرنا ہے۔ دوسرا کلام اس حدیث پر یہ ہے کہ انما الاعمال بالنیات فرمایا نیت اور عمل دونوں کو جمع لائے۔ اس کے اندر مقابلۃ الجمع بالجمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام آحاد علی الاحاد کو متقاضی ہوتا ہے۔

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ ہر ہر عمل کے واسطے الگ الگ ایک نیت ہوگی یعنی ایک عمل کے ساتھ ایک نیت ہوگی۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مقصد یہ ہے کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہوسکتی ہیں مثلاً کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے اس نیت سے کہ نماز پڑھے۔ تو اگر کسی صالح شخص سے ملنے کی نیت کرے اور کسی کی مدد کرنے کی نیت کرے تو ہر ایک نیت کا ثواب الگ الگ ملے گا۔ اس معنی ثانی کے اندر لطافت ہے۔ تیسرا کلام انما لکل امرئ مانوی پر ہے کہ یہ جملہ جملۂ اولیٰ ہی کی تاکید ہے یا تاسیس ہے اس کے اندر دونوں قول ہیں اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملۂ اول ہی کی تاکید ہے یعنی جو پہلے جملہ کا مطلب ہے وہی اس جملہ کا بھی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تاکید پر کلام کو اس وقت حمل کرتے ہیں جب کہ تاسیس ممکن نہ ہو لیکن یہاں تاسیس پر کلام کو حمل کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ پہلے جملہ (انما الاعمال بالنیات) کے اندر تو شارع علیہ السلام نے یہ بتادیا کہ عمل کا وجود شرعی نیت پر موقوف ہے اور اس جملہ سے یہ بتلارہے ہیں کہ جو کام کرے گا اس پر وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو۔ مثلاً کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے کسی غرض فاسد یا کسی دوست سے ملنے کی وجہ سے تو اس کا مسجد میں جانا سبب عذاب ہوگا۔

رفتم بسوئے مسجد بینم جمال یار
دستش دراز کردہ دعارا بہانہ ساخت

چکی کا پاٹ یہاں یہ ہے کہ اگر کلام کو تاسیس پر حمل کرنا ہے تو جو معنی اس جملۂ ثانی کے بیان کئے ہیں وہ تو پہلے ہی جملہ سے معلوم ہوگئے کیونکہ جب پہلے جملے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اعمال کا وجود شرعی نیت پر موقوف ہے تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر اس نے نیت فاسدہ کی ہے تو اس کا وجود بھی فاسد مرتب ہوگا لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اس جملہ ثانیہ سے تعدد منوی کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہوسکتی ہیں، صاحب مظاہر حق نے اس کی ایک لمبی چوڑی مثال دی ہے کہ اگر کوئی مسجد جارہا ہو راستہ میں کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے کی نیت کرے اور کسی کی مدد کی نیت کرے ایسے ہی کسی مریض کی عیادت کی نیت کرے وغیرہ ذالک تو ان سب پر الگ الگ ثواب ملے گا۔

یہاں اس جملہ پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جو نیت کرے گا وہی مرتب ہوگا حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی رمضان میں نفلی روزے کی نیت کرے تو نفل نہیں واقع ہوگا بلکہ فرض واقع ہوگا۔ تو یہاں پر مانوی مرتب نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان چونکہ نفل کا محل نہیں ہے لہٰذا اس کی نیت نفل لغو ہوجائے گی اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرض کے اندر نفل خود داخل ہے گویا فرض عبادت نافلہ مع شیٔ زائد ہے تو اس صورت میں مانوی مرتب ہوا لیکن مع شیٔ زائد۔

یہ روایت بخاری شریف میں سات جگہ مذکور ہے ایک جگہ نیات جمع کا صیغہ مذکور ہے باقی چھ (۱) مقامات پر مفرد کا صیغہ ہے جہاں جمع کا صیغہ ہے وہاں پر تو تعدد منوی کا لحاظ فرمایا گیا اور جہاں مفرد کا صیغہ لائے ہیں وہ اس وجہ سے کہ نیت فعل قلب ہے اور قلب ایک ہی ہے اس لئے وہاں پر مفرد کا صیغہ ذکر کردیا۔

---

(۱) بقیہ چھ مواقع بخاری کے ان صفحات میں تلاش کیجئے ص ۱۰۲۸، ۹۹۰، ۷۵۹، ۵۵۱، ۳۴۳، ۱۳ شاھد غفرلہ۔

فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها:

امام بخاری نے یہاں پر پوری حدیث ذکر نہیں فرمائی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حدیث جو مختصر کی ہے وہ کس نے کی ہے بعض کہتے ہیں امام بخاری نے کی ہے اور بعض کہتے ہیں ان کے اساتذہ نے کی ہے۔ بہر حال کسی نے بھی اختصار کیا ہو یہ حدیث پوری نہیں ہے۔ بلکہ پوری حدیث یہ ہے: **انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرأ مانوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها اوالی امرأة ینکحها فهجرته الی ماهاجر الیه .**

یہاں پر امام بخاری نے جملہ **فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله** کو چھوڑ دیا۔ شراح نے تو اس سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن اب سے تیسرے سال پہلے جب مدینہ پاک حاضری ہوئی تو وہاں حضرت مولانا بدر عالم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر جگہ تو پوری حدیث مذکور ہے سوائے یہاں کے کہ یہاں پوری حدیث ذکر نہیں فرمائی تو میں نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ جلب منفعت سے دفع مضرت اولی ہے اور جملہ **ومن کانت هجرته الی دنیا** کے اندر دفع مضرت کی جارہی ہے اور مصنف کا مقصود بھی یہی ہے کہ لوگوں کے اندر نیک نیتی ہونی چاہئے یہ نہ سوچے کہ پڑھ کر دنیا کماؤں گا۔

میرے پیارو! یہ علم اس لئے نہیں کہ اس سے دنیا کمائی جائے اگر تم دنیا سے منہ موڑلو تو یہ خود تمہارے قدموں میں آپڑے گی کیونکہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔

ایک قصہ سنو وہ یہ کہ ایک مسافر تھا کئی دن کا بھوکا۔ وہ ایک جنگل میں مسجد میں پہنچا وہاں دیکھا کہ تین کونوں میں ایک ایک آدمی گردن جھکائے بیٹھے ہیں اس کو ڈھارس ہوئی۔ یہ بھی ایک کونے میں جا بیٹھا۔ اتنے میں ایک نوجوان خوبصورت لڑکی خوان لے کر آئی۔ یہ اس کو دیکھنے لگا۔ اولا وہ ان تینوں میں سے ایک کے پاس آئی اور کہا کہ حضرت کھانا حاضر ہے۔ کئی دفعہ کہنے کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اس نے فوراً ایک خوانچی میں سے ایک خالی طشتری اور تھوڑا سا پانی نکال کر ان کے ہاتھ دھلائے اور دستر خوان بچھا کر عمدہ بریانی کی ایک بڑی پلیٹ رکھ دی۔ انہوں نے اس میں سے کچھ کھا کر باقی چھوڑ دیا۔ کھانے کے درمیان جب کوئی ہڈی نکلتی تو وہ آدمی اس کے منہ پر مارتے۔ یہی قصہ دوسرے اور تیسرے آدمی کے سامنے بھی پیش آیا۔ اور یہی صورت وہاں بھی ہوئی۔ اس کے بعد اس لڑکی نے تینوں رکابیوں کے بچے ہوئے کھانے کو ایک جگہ کیا اور اس کے پاس لائی۔ یہ تو منتظر ہی تھا کھانا شروع کر دیا اور جب اس کے یہاں بھی ہڈی نکلی تو یہ سوچ کر کہ شاید یہاں کا یہی دستور ہے کہ ہڈی منہ پر مارتے ہیں اس نے بھی ماردی۔ اس عورت نے ایک تھپڑ مارا اور کہا اگر کھانا ہو تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔ اس آدمی نے کہا ابھی تو ان لوگوں نے یوں ہی ہڈی ماری تھی میں یہ سمجھا کہ یہاں کا یہی دستور ہے۔ اس عورت نے کہا تو نہیں جانتا میں کون ہوں؟ میں دنیا ہوں اور یہ لوگ مجھ سے روٹھے ہوئے ہیں ان کو منا رہی ہوں اور تو، تو میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

تو پیارو! اگر دنیا کو چھوڑ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرو مگر توکل کے یہ معنی نہیں کہ دل میں تو کچھ ہو اور بظاہر توکل ہو بلکہ واقعی توکل کر کے پھر دیکھو۔

ایک آدمی کہیں گاؤں میں ایک مسجد میں پہنچا وہاں کے امام نے شام کو کھانے پر بلایا۔ اس نے پوچھا کیا چیز ہے؟ مساجد کے امام سخت مزاج تو ہوتے ہی ہیں کہنے لگا یہ ہے وہ ہے فلاں فلاں چیز ہے مختلف قسم کی روٹیوں اور ترکاریوں کا نام لیا۔ اس آدمی نے کہا بس تم کھاؤ یہ سب میرے مطلب کا نہیں میں تو مرغ پلاؤ کھاتا ہوں۔ امام کو غصہ آیا اور اس نے خوب طعن و تشنیع کی۔ جب مسجد کا دروازہ بند

کرکے امام سوگیا یہ آدمی بھی ایک طرف لیٹ گیا بارہ بجے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ امام کو بڑا غصہ آیا کہ کوئی تعویذ والا یا جھاڑ پھونک والا ہوگا۔ اٹھ کر دیکھا تو ایک عورت طباق میں پلاؤ لئے کھڑی تھی۔ اور بڑی منت سے کہہ رہی تھی کہ ملاجی یہ مرغ پلاؤ ہے اسے لے لو میرا بچہ چھ ماہ سے کھویا ہوا تھا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر آ گیا تو مسجد میں مرغ پلاؤ بھیجوں گی وہ آج دوپہر کو آ گیا میں پکانا نہیں جانتی تھی پہلے مرغ تلاش کیا پھر فلاں سے پکوایا اس لئے دیر ہوگئی۔ امام صاحب یہ سن کر ششدر رہ گئے۔ امام صاحب نے طباق لے کر دروازہ بند کیا اور اس آدمی کے پاس آئے۔ ادھر اس شخص نے خراٹے بھرنے شروع کر دیئے۔ امام نے بڑی دیر میں اس کو جگایا کہ تیری غذا آ گئی۔ اس آدمی کہا تم بھی آ جاؤ۔ امام نے کہا کہ میں کس منہ سے آؤں ابھی تو میں نے تم کو ملامت کی تھی۔ اس نے کہا کہ میں سارا تو کھانے کا نہیں اور کل کے لئے بچا کر رکھنے کا نہیں تم کو باسی کھانی ہوگی (اچھا یہ ہے) کہ ابھی کھالو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تو یہ دنیا خود بخود آتی ہے۔

او الی امرأة ینکحھا:

یہاں پر امرأة ینکحھا تخصیص بعد تعمیم ہے کیونکہ عورت بہت زیادہ محل فتنہ ہے اس لئے اس کی تخصیص فرمادی کیونکہ انسان زنا وغیرہ کے اندر اسی کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ ایک بات اس حدیث کے متعلق یہ سنو کہ جیسے آیات کا شان نزول ہوتا ہے ایسے ہی احادیث کا بھی شان ورود ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کا بھی شان ورود احادیث میں ملتا ہے لیکن وہ صحاح کتابوں میں نہیں ملتا بلکہ طبرانی وغیرہ میں ملتا ہے کہ ایک آدمی نے ام قیس نامی عورت سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اس شرط پر نکاح کر سکتی ہوں کہ تم ہجرت کرلو چنانچہ انہوں نے اسی بنا پر ہجرت کی۔ اسی وجہ سے ان کو مہاجر ام قیس کہنے لگے۔ شراح فرماتے ہیں کہ ان صحابی کا نام معلوم نہیں ہوسکا مگر میری رائے یہ ہے کہ قصداً ان کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تاکہ ایک صحابی اس خاص بات کے ساتھ بالتعیین مشہور نہ ہوں البتہ ان صحابی کو صرف مہاجر ام قیس کہا جاتا ہے۔

فھجرتہ الی ماھاجر الیہ:

ہجرت جس طرح یہ ہے کہ ایک وطن کو چھوڑ کر دوسرا وطن اختیار کیا جائے اسی طرح ہجرت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معاصی سے اجتناب کیا جائے اسی کو حدیث پاک میں المھاجر من ھجر مانھی اللہ عنہ ورسولہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ یہ حدیث امام ابوداؤد کے مختارات اربعہ میں سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سے اپنی کتاب منتخب کی ہے اور پھر ان میں سے چار حدیثیں انتخاب کی ہیں۔ ایک انما الاعمال بالنیات دوسری لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ اور تیسری من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ اور چوتھی الحلال بین والحرام بین،

یہ چاروں احادیث اصول دین میں سے ہیں۔ بعینہ یہی چار احادیث امام ابوحنیفہ کی وصایا میں ان کے مختارات سے لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ ایک حدیث اور امام صاحب نے اختیار کی ہے یعنی المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ چونکہ اس حدیث کا مضمون لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ میں آ گیا اس لئے امام ابوداؤد نے اس کو چھوڑ دیا مگر حضرت امام صاحب نے غایت اہتمام کی وجہ سے اسے بھی شمار فرمالیا۔ کیونکہ عالم کے اندر آج کل جو آئے دن لڑائیاں رہتی ہیں اس کی

وجہ یہی ہے کہ کوئی کسی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہیں رکھتا۔ اگر ہم لوگ تعرض کرنا ہی چھوڑ دیں تو کچھ بھی پیش نہ آئے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ چار احادیث اصول دین میں سے کیونکر ہیں؟ اس کی وجہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ انما الاعمال بالنیات میں تصحیح عبادات واعمال آگئے۔ اور حدیث ثانی لایؤمن الخ میں حقوق العباد آگئے اور حدیث ثالث من حسن اسلام المرء کے اندر اوقات کا تحفظ آگیا اور چوتھی حدیث الحلال بین میں تقویٰ (۱) آگیا اور یہی سارے اصول دین ہیں۔

اب یہ کہ اس حدیث پاک کو ترجمۃ الباب سے کیا مناسبت ہے؟ کیونکہ اس کے اندر نہ تو وحی کا ذکر ہے اور نہ بدأت وحی کا۔ اس کے علماء نے چند جوابات دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام صاحب نے بمنزلۂ خطبہ کے ذکر فرمائی ہے۔ خطبہ کے اندر وہ مضامین ذکر کئے جاتے ہیں جو مضامین کتاب کی طرف مشیر ہوں اور چونکہ یہ حدیث جوامع احادیث میں سے ہے اس لئے اس کو بمنزلہ خطبہ قرار دیا یا اس وجہ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر خطبہ میں ذکر فرمایا تھا۔ یہی اس کے اندر بھی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس حدیث سے اپنے حسن نیت کی طرف بطور تحدیث بالنعمۃ کے اشارہ فرمادیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اخلاص سے لکھا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ابتداء ذکر فرما کر تحسین نیت کی طرف اشارہ کردیا۔ اور کتاب پڑھنے والوں کو اس طرف رغبت دلائی کہ وہ اپنی نیات کو درست کریں مگر ان تینوں جوابوں پر اعتراض یہ ہے کہ ان میں سے اگر کوئی ایک بھی مقصود ہوتا تو باب سے پہلے ذکر فرماتے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض نے ایک چوتھا جواب یہ دیا کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں سب سے پہلے ہی بیان کردی تھی اور باب بدءُ الوحی ہے لہٰذا مدینہ کی وحی کی ابتدا ہوگئی۔

اسی نوع کا ایک جواب یہ بھی ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ اس حدیث کے پہلے راوی یعنی حمیدی اور ان کے استاذ سفیان بن عیینہ مکی ہیں اور دوسری سند کے راوی امام مالک مدنی ہیں تو مصنف نے اس سے اشارہ فرمادیا کہ ابتداء مکہ مکرمہ سے ہوئی اور انتہاء مدینہ منورہ میں ہوئی لہٰذا اس سے ابتدائے نزول وحی معلوم ہوگیا اور علامہ عینی نے قاعدہ کلیہ بیان فرمایا تھا کہ حدیث کا باب کے کسی جز سے منطبق ہوجانا کافی ہے اور یہاں وحی سے انطباق ہورہا ہے کیونکہ یہ احادیث وحی ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدءَ کی اضافت وحی کی طرف بیانی ہے اور مقصود ابتداء امر جو کہ وہ وحی ہے یعنی ابتدائے دین کو بیان کرنا ہے انکے نزدیک بھی کوئی اشکال نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ حدیث بھی وحی کی اقسام میں سے ہے اور وحی کو ہی بیان کرنا مقصود ہے۔

حضرت اقدس شیخ الہند یہ بیان فرماتے ہیں کہ اصول تراجم میں سے ایک اصول یہ ہے کہ امام بخاری جو ترجمہ باندھتے ہیں گا ہے اس کا مدلول مطابقی مقصود نہیں ہوتا بلکہ معنی التزامی اور ثابت بالالتزام مقصود ہوتا ہے تو یہاں نہ ابتداء مقصود ہے اور نہ وحی مقصود ہے بلکہ بدلالت التزامیہ وحی کی عظمت بیان کرنا ہے کہ انا اوحینا یعنی ہم نے وحی بھیجی ہے کسی معمولی ذات نے وحی نہیں بھیجی کہ عظمت وتقدس میں کچھ قصور ہو۔ تو یہاں امام بخاری نے یہ حدیث لاکر اشارہ فرمایا کہ اتنی عظیم الشان وحی کا نزول جو ہوا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی حسن نیت پر ہوا ہے۔

حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک:

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حمیدی مکی ہیں اور مالک مدنی ہیں اس ترتیب سے دونوں روایتیں ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ وحی کی ابتدا مکہ

---

(۱) یعنی جہاں کسی مسئلہ میں ائمہ میں اختلاف ہو تو جانب احوط اختیار کرے۔

میں ہوئی اور اس کا پھیلاؤ مدینہ میں ہوا۔

عن عائشة ام المؤمنين رضى الله عنها:

تمام ازواج مطہرات آیت قرآنی وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ کی بناء پر امہات المومنین ہیں لیکن یہاں پہلا اشکال یہ ہے کہ جب یہ امہات المومنین ہیں تو ان سے پردہ کیوں ہے؟ دوسرا اشکال یہ ہے کہ ان کی اولاد سے دوسرے مومنین کو نکاح کرنا کیسے جائز ہے؟ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ امہات المومنین ہیں لیکن ان سے جو پردہ کیا جاتا ہے وہ بھی نص قرآنی فَاسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کی بناء پر ہے رہا نکاح کا تعلق تو چونکہ یہ امہات کے حکم میں ہیں حقیقی امہات نہیں ہیں بلکہ باعتبار تعظیم وتوقیر کے ہیں اس لئے ان سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ امہات باعتبار ادب کے ہیں نہ کہ باعتبار نسب کے۔ اس پر بعض نے یہ اعتراض کیا کہ پھر ان سے نکاح کیوں جائز نہیں؟ میں نے ایک چلتا سا جواب دے دیا کہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر اطہر کے اندر زندہ ہیں اور جب زندہ ہیں تو نکاح باقی ہے اور کسی منکوحہ سے دوسرے کو نکاح کرنا جائز نہیں اور اس کا واقعی جواب یہ ہے کہ خود قرآن میں ہے وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اصل حرمت نکاح اس آیت کی بناء پر ہے۔ اس حرمت کی علت کیا ہے؟ وہ کچھ ہو ممکن ہے کہ یہی حضور کی حیات ہو یا کچھ اور۔

كيف ياتيك الوحى:

یہاں پر دو اشکال ہیں ایک تو یہ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کر دیا کہ وحی کے مشہور طریقے سات ہیں اگر چہ میرے نزدیک چار ہی ہیں لیکن حدیث کے اندر دو ہی کو ذکر فرمایا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث کے اندر اتیان وحی کا ذکر ہے اور یہ بدؤ الوحی سے اعم ہے لہٰذا ترجمہ کیسے ثابت ہوا؟ اول کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہی دو طریقے کثیر الوقوع ہیں اس لئے اعم واغلب کے بیان پر اکتفا کرلیا نہ یہ کہ انہی کے اندر انحصار طرق وحی ہے اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب اعم اغلب طرق وحی دو ہیں تو انہی میں سے کسی ایک میں بدأت بھی ہوتی ہوگی۔

مثل صلصلة الجرس:

صلصلة کہتے ہیں زنجیر کا لوہے پر کھینچنا اور جرس ڈھول کو کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ شدت اور سختی کے اعتبار سے ایسی آواز ہوتی تھی جیسے ڈھول پر زنجیر کھینچی جائے ایک دوسری روایت میں سلسلہ سین کے ساتھ بھی واقع ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔ اب یہ کہ یہ آواز کیسی ہے اور کیا چیز ہے اس کے اندر چھ قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ باری تعالیٰ کے کلام نفسی کی اپنی اصلی آواز ہوتی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موحی بہ میں تخلیق صوت ہوتی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصل آواز ہوتی تھی اور جب وہ شکل انسانی میں آتے تھے تو اس وقت انسانی آواز ہوا کرتی تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مشہور قاعدہ ہے وہ یہ کہ جب کوئی شے کسی دوسرے کا زی (ہیئت) اختیار کرتی ہے تو اس شے کے اوصاف خود اس میں آجاتے ہیں چنانچہ اگر جن چاہے تو تم کو اٹھا کر پھینک دے اور وہی جن جب سانپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو ایک ہی لاٹھی میں مرجاتا ہے۔ بہر حال جبرئیل علیہ السلام جب اپنی شکل میں ہوتے ہیں تو ان کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے کہ رعد کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فرشتے کی آواز ہے یہاں یہ بات سنو کہ اگر بجلی کڑکے اور کوئی شخص آیت کریمہ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ پڑھے تو وہ آدمی نہ صرف بجلی سے محفوظ رہتا ہے بلکہ جس

مکان وغیرہ میں کھڑے ہوکر یہ آیت پڑھے گا تو وہ بھی بجلی کی زد سے محفوظ رہے گا۔ میری بچی (۱) جو اس وقت صاحب زوج ہو چکی ہے جب وہ تین سال کی تھی تو دروازہ پر کھڑی تھی کہ ایک دم بجلی کڑکی مولوی نصیر الدین دروازہ پر تھے اس نے پوچھا کہ مولوی صاحب اس وقت کونسی دعا پڑھتے ہیں۔ وہ منہ دیکھنے لگے۔ اس نے کہا میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ تم جلدی سے بتلا دو گے اچھا اب میں تم کو بتلاؤں وہ دعا یہ ہے وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

چوتھا قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی یہ آواز ہوتی جیسے کہ ریل کے آنے کی آواز دور سے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے پروں کی آواز ہوا کرتی تھی علماء اس کو اصح الاقوال بتلاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اذا قضى الله في السماء امرا ضربت الملائكة باجنحتها خضعانا لقوله كانها سلسلة على صفوان.

چھٹا قول حضرت شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس مبارکہ وحی کے وقت اس عالم کی اشیاء سے معطل ہو کر دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جایا کرتے تھے اور اس تعطل کے بعد حواس میں جو ایک کیفیت پیدا ہوتی تھی یہ اس کی تعبیر ہے جیسے تم کانوں کو خوب بند کر لو تو تم کو ایک آواز سنائی دے گی کیونکہ تم باہر کی آواز سے بالکل منقطع ہو چکے ہو اور جب یہ انقطاع ختم ہو جائے گا اور انگلی ہٹاؤ گے تو پھر وہ آواز بھی ختم ہو جائے گی۔ ان تمام اقوال میں میرے (۲) نزدیک اول قول صحیح ہے۔

وهو اشده علي:

زیادہ شدید ہونے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ تعطل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر جبرئیل اپنی اصل شکل میں آکر کلام فرمائیں تو اس آواز سے قرآن کا اخذ کرنا بڑا مشکل ہے بہ نسبت اس کے کہ حضرت جبرئیل شکل انسانی میں آکر کلام فرمائیں۔ ان دونوں وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ شدت معلوم ہوتی تھی۔

فيفصم عني:

یہ لفظ تین طرح سے ضبط کیا گیا ہے باب افعال سے علی بناء الفاعل۔ دوسرے مجرد سے بھی علی بناء الفاعل۔ تیسرے علی بناء المفعول۔ باب ضرب یضرب سے یہاں اس سے مراد ہٹانا اور ازالہ کرنا ہے۔

واحيانا يتمثل لي الملك رجلا:

یہ رجلا روایات کے اندر نصب ہی کے ساتھ آتا ہے۔ مگر وجہ نصب کیا ہے؟ اس کے اندر چند اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق ہے اور تقدیری عبارت ہے يتمثل لي الملك تمثل رجل مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا اعراب دے کر مضاف کے قائم مقام بنا دیا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی يتمثل لي الملك برجل اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حال ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے يتمثل لي الملك حال كونه رجلا. علماء نے لکھا ہے کہ جبرئیل

---

(۱) یاد رہے کہ وہ بچی راقم سطور (مرتب) ہی کی والدہ ماجدہ ہیں۔ شاہد

(۲) اس لئے کہ باری تعالیٰ کا صوت سے تکلم کرنا روایات میں مصرح ہے امام بخاری کا میلان بھی کتاب التوحید میں اسی طرف ہے۔

علیہ السلام اکثر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آیا کرتے تھے حسن ظاہری کی بنا پر کیونکہ حضرت دحیہ حسین وجمیل بہت تھے۔ (۱)

قالت عائشة رضى الله عنها :

یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وھو اشدہ علی کی توضیح اور تبیین فرمارہی ہیں کہ وہ نوع اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی سخت گزرتی تھی کہ سردی کے سخت زمانے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسینہ پسینہ ہوجایا کرتے تھے۔ اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ یہاں پر وحی کے دو طریقے مذکور ہیں ان میں سے ایک طریق ابتداء وحی کا ضرور ہوگا۔ جیسا کہ ابھی گزر گیا۔ اور علامہ عینی کے نزدیک تو مناسبت بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس کے اندر وحی کا ذکر ہے۔

حدثنا يحى بن بكر:

یہی ایک حدیث ایسی ہے جس کو ابتداء وحی سے بظاہر مناسبت ہے اور کیفیت مذکور ہے ورنہ بقیہ احادیث باب کے اندر ترجمہ سے مناسبت تکلف سے کرنی پڑتی ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها:

اس روایت پر اشکال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعمر شش سال کی ہوئی۔ اب خواہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہو یا ہجرت والے سال اس سے ہمیں بحث نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہی کہاں ہوئی تھیں جو یہ حدیث بیان کررہی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد میں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا اور اگر یہ مان لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سن کر بیان فرمارہی ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ اول صورت میں یہ حدیث متصل ہوگی اور دوسری صورت میں اس کو مرسلات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے شمار کیا جائے گا اور مرسلات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

الرؤياالصالحة:

میں بتلا چکا ہوں کہ وحی کی چھیالیس قسمیں ہیں ان میں سے ایک رویاء صالحہ بھی ہے اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس کو وحی میں شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ نبوت اور وحی کا سلسلہ تو غار حرا سے شروع ہوا ہے۔ اور خوابوں کا سلسلہ نبوت سے چھ ماہ قبل ہی شروع ہوگیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نصوص سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی میں داخل ہیں لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ یہ نوع اول ہے جو پہلے سے شروع ہوگئی تھی اور دوسری نوع وحی کی غار حرا سے شروع ہوئی۔ یا یوں کہا جائے گا کہ رویاء صالحہ کی حیثیت مقدمہ کی سی ہے اور حقیقی وحی وہ ہے جس کا سلسلہ غار حرا سے شروع ہوا۔

الاجاءت مثل فلق الصبح:

---

(۱) بعض تقاریر میں یہاں یہ اضافہ ہے کہ تم ماقبل میں پڑھ چکے ہو کہ وحی کی سات قسمیں ہیں لیکن اسی حدیث کے اندر ان میں سے صرف دو مذکور ہیں ایک نوع مثل صلصلة الجرس دوسری نوع واحیانا یتمثل لی الملک ان دو پر اکتفا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اول نوع اشد اور سخت اور اعلیٰ نوع ہے اور نوع ثانی بکثرت واقع ہوتی تھی تو اول کو اہمیت کی وجہ سے اور دوسری کو کثرت وقوع کی وجہ سے ذکر کردیا۔

یعنی جیسے خواب دیکھتے تھے ویسا ہی پیش آتا تھا چونکہ ان رویائے صالحہ کی وجہ سے ایک جلاء باطنی اور ایک نور پیدا ہو گیا تھا اس لئے دنیا کی کدورتوں سے طبیعت متنفر ہو گئی تھی پھر کیا تھا وہ ہوا جو آگے آ رہا ہے کہ خلوت سے محبت ہو گئی۔

ثم حبب اليه الخلا:

صوفیاء کا کہنا ہے کہ جب ذکر کے آثار شروع ہوتے ہیں تو آدمی کو خلوت بہت پسند ہوتی ہے اس کا ماخذ حدیث پاک کا یہی جملہ ہے۔

فيتحنث فيه:

تحنث تفعل کے وزن پر حنث سے مشتق ہے حنث کے معنی گناہ کے آتے ہیں لیکن چونکہ باب تفعل کے جہاں اور خواص ہیں ایک خاصیت سلب ماخذ بھی ہے، جس طرح باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے تو جب حنث کو باب تفعل میں لائے تو اس کا ماخذ یعنی حنث کے معنی جو گناہ کے تھے وہ مسلوب ہو گئے۔ اب سلب الحنث کے لئے تعبد ضروری ہو گیا۔ تو تحنث کی تفسیر تعبد کے ساتھ تفسیر باللازم کے طور پر کر دی یہ ابن شہاب زہری کی طرف سے ادراج ہے کہ وہ تحنث کی تفسیر کر رہے ہیں۔

یہ نیچری اور مودودی قسم کے لوگ خانقاہوں میں بیٹھنے کو شریعت کے خلاف اور چلہ کشی کو لا رهبانية في الاسلام کے خلاف سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ بھلا جب سید المرسلین ﷺ کو خلوت کی ضرورت پیش آئی جن کا سینۂ اطہر بالکل صاف تھا تو ہم بیچارے کیا ہیں اور ہماری کیا حیثیت ہے اور یہی نہیں کہ آپ ﷺ خلوت میں نبوت کے ملنے سے قبل ہی بیٹھا کرتے تھے بلکہ نبوت ملنے کے بعد بھی آپ ﷺ کا خلوتوں میں رہنا اور جنگلوں میں قیام فرمانا ثابت ہے اور دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد شریف کی باب الهجرت (۱) میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ کو اونٹنی دی اور فرمایا کہ اس پر سامان وغیرہ باندھ دو پھر آپ ﷺ جنگل میں دو، دو، تین تین دن کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چونکہ اس سے تبتل حاصل ہوتا ہے اور اختلاط سے جو اثر دل پر پڑتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو لکھا کہ ''جی چاہتا ہے کہ خلوت اختیار کر لوں۔'' حضرت گنگوہی نے اس کا جواب یہ دیا ''یہ ہمارے اکابر کا طریقہ نہیں ہے''۔ اس جواب سے یہ سمجھ لینا کہ تبتل اختیار کرنا اکابر کا طریقہ نہیں یہ غلط ہے بلکہ حضرت گنگوہی کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالکلیہ تبتل اختیار کرے اور ان مدارس و خوانق کو چھوڑ دیا جائے یہ ہمارے سلف کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر شریعت پر رہتے ہوئے عوائق دنیا سے اپنے قلب کو فارغ کرنے کے لئے خلوت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی متعدد تصانیف میں مختلف عبارات کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن پر مجھے مجبور کیا گیا منجملہ ان کے یہ ہے کہ میرا جی چاہتا تھا کہ کسی کی تقلید نہ کروں لیکن مجھے اس پر مجبور کیا گیا کہ تقلید تو کرنی ہی پڑے گی چاہے کسی کی کرو۔

چونکہ حضرت شاہ صاحب کو خلاف طبع تقلید پر مجبور کیا گیا ہے اسی وجہ سے کہیں کہیں ان کی زبان سے خلاف تقلید بات نکل جاتی ہے

---

(۱) عن المقدام بن شريح عن ابيه قال سالت عائشة عن البداوة فقالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبدو لى هذه الطلاع وانه اراد البداوة مرة فارسل الى ناقة محرمة من ابل الصدقة فقال ياعائشة لرفقى فان الرفق لم يكن فى شيئ قط الازانه ولانزع من شى قط الاشانه ابوداود بذل ۳/۲ ۱۹۲

مگر چونکہ اجبار ہے اس لئے جلدی سنبھل جاتے ہیں۔ اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہندوستان میں بلا تقلید حنفیہ چارہ ہی نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ توکل اختیار کروں ترک اسباب کے ساتھ یا اسباب کے ساتھ، یہ یہاں کی بحث نہیں آگے آئے گی اور اسی طرح میرا جی چاہتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا قائل ہو جاؤں کیونکہ وہ بچپن میں اسلام لائے اور اسلام کے اندر ان کی نشوونما ہوئی۔ اس کے علاوہ وہ حضور ﷺ کے نسب میں اتنے قریب ہیں کہ چچازاد بھائی ہیں اور صوفیا کے سارے سلاسل تقریبا انہی سے ملتے ہیں۔ بخلاف حضرات شیخین کے کہ ان کی زندگی کا ایک حصہ کفر میں گزرا ہے اور حضور ﷺ کے نسب میں بھی وہ اتنے قریب نہیں لیکن مجھے اس پر مجبور کیا گیا کہ میں حضرات شیخین کی افضلیت کا قائل رہوں اور جب میں نے وجہ دریافت کی تو بتلایا گیا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میری ظاہری شریعت کا تحفظ ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باطنی شریعت کا اور ظاہر مقدم ہوتا ہے باطن پر۔ یہی وجہ ہے کہ ظاہر شریعت کے جو کام ہیں ان کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اور یہی مطلب حضرت گنگوہی کے فرمان کا بھی ہے کہ ظاہر شریعت کے پابند بنے رہو یہ نہیں کہ درس وافتاء کو چھوڑ کر بالکل گوشہ نشین بن جاؤ۔ بہرحال میرا خیال یہ ہے کہ بزرگوں کا یہ چلہ بھی اسی سے ماخوذ ہے اور اس کا اصل ماخذ تو قرآن پاک کی آیت وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ ہے کیونکہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی چلہ گزارنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا ماخذ کتاب القدر کی وہ روایت ہے جس میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن منی کا قطرہ نطفہ کی شکل میں رہتا ہے پھر چالیس دن بعد علقہ اور پھر چالیس دن بعد مضغہ بنتا ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اربعینہ کو احوال کے تغیر میں بہت دخل ہے اور میرا تو یہ بھی خیال ہے کہ تبلیغ والوں کے یہ تین چلے اسی حدیث سے ماخوذ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی عبادت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب ابھی تک نبوت ہی نہیں ملی تو عبادت کس چیز کی کیا کرتے تھے؟ اس کا جواب عام طور پر یہ دیا جاتا ہے کہ ملت ابراہیمی کے کچھ آثار اس وقت باقی تھے اور اسی کو اختیار فرما رکھا تھا اور شعائر ابراہیمی کے مطابق ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کا موید یہ ہے کہ بعض روایات میں یتحنث بالثاء المثلثۃ کے بجائے یتحنف بالفاء واقع ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین حنیفی یعنی ملت ابراہیمی کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو خواب کے اندر طریقہ عبادت تعلیم کیا گیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ عبادت سے مقصود اللہ کا ذکر اور اس کے ساتھ تعلق کا پیدا کرنا ہے۔

ہر فطرت سلیمہ اس کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور بھلا حضور ﷺ سے بڑھ کر کون سلیم الفطرت ہو سکتا ہے جب حضور اکرم ﷺ سب سے زائد سلیم الفطرت ہیں۔ تو اس کے مقتضی پر کہ اقرار ربوبیت، وحدانیت اقدس ہے عمل کریں گے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا ارشاد یہ ہے کہ اگر چہ کسی کے پاس دعوت نہ پہنچی ہو لیکن پھر بھی اس کے لئے وحدانیت کا اعتراف ضروری ہے۔

قبل ان ینزع علی اھلہ:

بعض روایات میں ہے کہ کبھی کبھار ایک ماہ (۱) تک نہیں لوٹتے تھے۔

---

(۱) جاورت بحراء شھراً۔ مسلم شریف

فقال اقرأ:

یہاں اشکال یہ ہے کہ جب فرشتے کو یہ معلوم تھا کہ حضور اکرم ﷺ قاری نہیں ہیں۔ اور پڑھے لکھے نہیں تو فرشتے نے قرأت کا حکم کیسے دیدیا؟ یہ تکلیف مالا یطاق نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف مالا یطاق نہیں بلکہ پڑھانے کی ابتدا ہے جیسے کوئی استاذ کسی چھوٹے بچے کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ منا! بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے۔ پیارے! بسم اللہ کہہ لے تو یہاں بھی حضرت جبرئیل نے قرأت کا حکم نہیں دیا بلکہ تعلیم قرأت کا حکم دیا ہے لیکن حضور ﷺ نے ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا کہ مجھے قرأت کا حکم کیا جارہا ہے۔

اسی وجہ سے جواباً ما انا بقاری فرمایا۔

حتی بلغ منی الجهد:

الجهد دال کے رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن مطلب الگ الگ ہوگا۔ رفع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مشقت میرے لئے اپنی حد کو پہنچ گئی یعنی مجھ کو انتہائی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ فرشتے تھے اور حضور ﷺ بشر۔ اور نصب کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جبرئیل میری طرف سے مشقت کو پہنچ گئے یعنی انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ خود پسینہ پسینہ ہوگئے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب ایک آن میں قوم لوط کی بستی کو الٹ دیں تو جب وہ اپنی مشقت کو پہنچیں گے اور حضور ﷺ کو دبائیں گے تو حضور ﷺ زندہ کیسے رہیں گے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت آدمی کی شکل میں تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کسی کی زی اختیار کرتا ہے تو اس کے اثرات بھی اس میں آجاتے ہیں تو اب حضرت جبرئیل میں صرف انسانی طاقت باقی رہ گئی تھی اسی نوع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت عزرائیل علیہ السلام کے تھپڑ مار کر آنکھ کا نکال دینا ہے۔

فغطنی الثالثة:

اس حدیث کے اندر یہ لفظ تین جگہ آیا ہے اس سے علماء ظاہر نے اس پر استدلال کیا کہ استاذ کو تین مرتبہ شاگرد کو متنبہ کرنے کا حق ہے کیونکہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام معلم تھے اور حضور اکرم ﷺ متعلم تھے۔ یہ تو علماء ظاہر فرماتے ہیں اب اشکال یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب فخر المرسلین ﷺ کے استاذ کیسے بن گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا پڑھانا نبوت سے قبل کا تھا۔ اور پڑھتے پڑھتے حضور ﷺ کا مرتبہ بلند ہوگیا۔ اور یہ عام طور سے ہوتا ہے کہ شاگرد اپنے استاذ پر بعض مرتبہ فوقیت لے جاتا ہے۔ انغطات ثلثہ کے متعلق علماء باطن یہ فرماتے ہیں کہ غطہ اولی اس واسطے تھا کہ حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے سرکار دو جہاں ﷺ سے اقرأ کہا حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا ما أنا بقاری تو حضرت جبرئیل نے دیکھا کہ عوائق بشریت مانع ہو رہے ہیں اس واسطے اس سے فارغ کرنے کے لئے ایک مرتبہ بھینچا اور دوبارہ اقرأ کہا اس پر بھی حضور اکرم ﷺ نے ما انا بقاری کے ساتھ جواب دیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اب اور استعداد پیدا ہو۔ لہٰذا تحصیل ملکیت کے واسطے دوبارہ بھینچا اور پھر اقرأ کہا تو حضور اکرم ﷺ نے انتہائی تواضع کے ساتھ پھر ما انا بقاری فرمادیا۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیسری بار اتحاد بالملکیۃ حاصل ہونے کے واسطے بھینچا۔

اتحاد بالملکیۃ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ مشائخ مریدین پر جو توجہ

ڈالتے ہیں اس کی چار قسمیں ہیں سب سے پہلی قسم نسبت انعکاسی ہے جو سب سے ضعیف ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ فی نفسہ مرید میں کچھ ہوتا نہیں لیکن شیخ کے پاس بیٹھنے سے شیخ کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے۔

مجاہدہ اور حضرات مشائخ کی صحبت سے قلب کے اندر ایک صفائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ مثل آئینہ کے ہو جاتا ہے اور اس کے اندر اشیاء منعکس ہونے لگتی ہیں اور اس کے دل کے اندر اثر پڑتا ہے یہ نسبت سب سے ادنیٰ درجہ کی ہے کیونکہ اس کی بقاء صرف اس وقت تک ہے جب تک شیخ کی مجلس میں رہے اور جب وہاں سے دور ہوگا وہ نسبت ختم ہو جائے گی۔ جیسے آئینہ کہ جب تک سامنے ہے اس کے اندر عکس موجود رہے گا اور جب سامنے سے ہٹ جائے گا تو عکس بھی ختم ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نسبت پختہ نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ کو دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ اس کا اپنا اثر ہے اس کو خلافت دیدیتے ہیں، اور بعد میں اس کا نقص ظاہر ہوتا ہے۔ تو شیخ کو اعلان کرنا پڑتا ہے کہ فلاں سے یہ حرکات صادر ہوئی ہیں اس وجہ سے ان کی اجازت واپس لی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں اجازت ہی نہیں تھی جو واپس لی جاتی اس لئے کہ اجازت تو نسبت پر موقوف ہے اور وہ اس سے خالی تھا۔ اس نسبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی عطر فروش کے پاس رہتا ہو تو جب تک وہ اس کے پاس رہے اس کا دماغ عطر سے معطر ہوتا رہے گا اور جب وہاں سے اٹھے گا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔

دوسری نسبت جو اس سے اونچی ہے اس کا نام القائی ہے کیونکہ یہاں شیخ اپنی نسبت کو مرید کی طرف القا کرتا ہے اور اپنے انوار باطنیہ اور قوت روحانیہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اب مرید میں کچھ صلاحیت پیدا ہوگئی۔ یہ درجہ اول سے قوی ہے مگر ہے یہ بھی ضعیف۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چراغ کہ جب تک اس میں تیل رہے گا اور سخت ہوا سے محفوظ رہے گا جلتا رہے گا ورنہ بجھ جائے گا۔ اسی طرح شیخ اپنے قلب سے انوار کا تیل اس کے چراغ میں ڈالتا ہے اور اپنی قوت نورانیہ سے اس کو روشن کر دیتا ہے اب مرید کا کام یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور معاصی کی ہوا سے اس کی حفاظت رکھے بالخصوص نظر بد سے کہ وہ سم قاتل ہے۔

تیسری نسبت اصلاحی کہلاتی ہے یہ اول دو سے بہت قوی ہے اس کے اندر مرید اپنے قلب کو ریاضات اور مجاہدوں سے بالکل صاف کر لیتا ہے اور شیخ کے توجہ ڈالنے پر اس کے انوارات پوری طرح سے قبول کر لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بڑی محنت کے بعد نہر کھودے اور اس کو بالکل صاف کرے اور اس کا دہانہ دریا سے ملا دے جس کی وجہ سے اس کی نہر میں بھی پانی آ جائے۔ اب اگر اس نہر میں کوئی خس وخاشاک اور مٹی وغیرہ آئے گی تو پانی کے دباؤ سے خود بخود بہتی چلی جائے گی۔

چکی کا پاٹ یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وان زنی وان سرق تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا وان زنی وان سرق۔

اور چوتھی نسبت نسبت اتحادی ہے کہ شیخ کے ساتھ طبیعت اتنی متحد ہو جائے کہ جو اس کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں بھی آئے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس کی مثال حضرت خواجہ باقی باللہ کے ایک باورچی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے۔ ان بزرگوں کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ اپنی ذات کے لئے آنے والے ہدایا سے اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے اس سے خوش ہوتے ہیں کہ ان کے مہمان کے لئے کوئی ہدیہ لا دے۔ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں فاقہ تھا۔ ان کو مہمانوں کی مہمان

نوازی کی فکر ہوئی۔ اس باورچی کو معلوم ہوا تو یہ ایک بڑا سا خوان کھانے کا لایا۔ حضرت خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا ''اپنے جیسا بنادو'' حضرت ایک دم ٹھنک گئے اور فرمایا ''کچھ اور مانگ لے''۔ لیکن وہ نہیں مانا حضرت نے دوبارہ اصرار کیا۔ پھر اس کے اصرار پر اس کو اپنے حجرہ میں لے گئے۔ اب حضرت نے حجرہ میں کیا کیا اس کو تو کسی نے ذکر نہیں کیا مگر ہمیں اس حدیث نے بتلا دیا کہ بھینچا ہوگا۔ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد دونوں حضرات باہر تشریف لائے تو صورت تک ایک ہو چکی تھی صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت کے تو ہوش وحواس درست تھے مگر وہ بے ہوش تھا۔ اور تین دن بعد انتقال کر گیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ مرید کو آہستہ آہستہ ترقی دیتے ہیں لیکن بعض مشائخ اس کے خلاف کرتے ہیں کہ ذکر لسانی کے کچھ ہی دن بعد ذکر قلبی اور دوسرے اوراد شروع کرا دیتے ہیں جو نقصان دہ ہوتا ہے۔

بہر حال حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو یہاں تین مرتبہ بھینچا وہ اسی نسبت اتحادی کے پیدا کرنے کے لئے کیا تھا۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جو نسبت حاصل تھی وہ نسبت اتحادی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جو آپ ﷺ سے صادر ہوا وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی واقع ہوا۔ مثلاً اساری بدر کے بارے میں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہ تھا کہ سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ سب کی گردنیں اڑادی جائیں اسی طرح جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بھرے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا یہ دین حق نہیں ہے، کیا ہم حق پر نہیں؟ حضور پاک ﷺ نے انتہائی نرمی سے جواب دیا کہ ہاں میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور ہمارا دین برحق ہے اور تم حق پر ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر ایسا کیوں ہوا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایسا ہی مناسب ہے'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے اٹھ کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور وہی بات کہی جو حضرت رسالت پناہ ﷺ کے دربار میں کہہ کر آئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی لفظ بہ لفظ وہی جواب دیا جو حضور ﷺ دے چکے تھے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بلافصل ہوئے۔ اگر اس وقت خدانخواستہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اور کوئی خلیفہ بن جاتا تو کہرام مچ جاتا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو حضور اقدس ﷺ کی وفات کا صدمہ ہوتا اور دوسری طرف چونکہ وہ اتحاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں تھا تو یقیناً کچھ نہ کچھ کام خلاف بھی صادر ہو جاتے۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ پھر جب وفات نبوی کا غم کچھ ہلکا ہو گیا اور انتظامات درست ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنالیا گیا کیونکہ اب ضرورت انہی کی تھی یہاں فوج بھیج وہاں بھیج، یہ انتظام وہ انتظام۔ اس کی سرکوبی اس کی تادیب۔ یہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کر سکتے تھے، چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قبل الوحی جو چھ ماہ ریاضت اور مجاہدہ میں گزارے جس کے اندر منامات اور رویاء صالحہ کا خوب ورود ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کا قلب مبارک صاف ہو چکا تھا اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے ملاقات کی تو نسبت انعکاسی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد غطۂ اولیٰ سے نسبت القائی اور غطہ ثانیہ سے نسبت اصلاحی اور غطۂ ثالثہ سے نسبت اتحادی پیدا ہوئی اور پھر اس کے بعد تیرہ سال قبل الہجرۃ جو معارج اور منازل طے فرمائے وہ بعد کی ترقیات ہیں۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق:

یہاں پر چند باتوں کا جاننا ضروری ہے اول یہ کہ سب سے پہلے قرآن پاک کا کونسا حصہ نازل ہو؟ کیونکہ اس حدیث سے معلوم

ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اقــــرا کی اولین پانچ آیات نازل ہوئیں۔اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔اور تیسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ان تینوں کے درمیان علماء نے جمع کی یہ صورت اختیار فرمائی ہے کہ اولیت حقیقۃً ان پانچ آیات اقرا کو حاصل ہے کیونکہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہی سب سے پہلے نازل ہوئی اور پوری سورۃ جو سب سے پہلے ختم ہوئی وہ سورۃ فاتحہ ہے تو گویا اس کی اولیت اس حیثیت سے ہے کہ سب سے پہلے کامل سورت سورۃ الحمد ہی نازل ہوئی اور چونکہ اقــرا کی ان آیات کے نزول کے بعد فترۃ الوحی واقع ہوگئی تھی جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ بعض روایات کے مطابق تین سال مدت فترۃ ہے اس کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی تو اس حیثیت سے سورۂ مدثر اول ما نزل ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جہات تینوں کے اندر مختلف ہیں۔اس لئے ہر قول اول ما نزل ہونے کے اعتبار سے صحیح ہے۔

دوسری بات جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ میں بخاری شریف کی ابتداء میں بتلا چکا ہوں کہ علامہ زمخشری نے بسم اللہ کا متعلق اقرا مانا ہے جو بسم اللہ سے مؤخر ہے۔لیکن یہاں اعتراض یہ ہے کہ قرآن پاک میں اقرا کو مقدم فرمادیا جو اسم رب سے مقدم ہوگیا۔اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اقــرا بــاسم ربک میں جو اقرا ہے اس کا تعلق بــاسم ربک سے نہیں بلکہ یہ بطور تنبیہ کے ہے جس طرح ایک استاد اپنے شاگرد کو تنبیہ کرتا ہے۔اور فی الحقیقت اس کا متعلق محذوف ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے۔ اقــرا بــاسم ربک الذی اقــرا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے امر بالقراءت اور حضور ﷺ کی طرف سے مسلسل انکار ہوا تو اس سبب سے اس میں اہمیت پیدا ہوگئی اس لئے اقرا کو مقدم فرمادیا۔

اور تیسری بات یہاں یہ ہے کہ آیت کریمہ اقــراء بــاسم ربک میں ابتداء نہ تو اسم جلالہ یعنی لفظ اللہ سے ہورہی ہے حالانکہ وہ علم ذات ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اسم اعظم بھی ہے اور نہ ہی اسماء جمالیہ یعنی الرحمٰن اور الرحیم سے ہورہی ہے بلکہ اسم رب سے ابتداء ہورہی ہے ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ میں بخاری شروع کرتے وقت بیان کرچکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور تربیت الشیٔ یہ ہے کہ اس کی ساری چیزوں کی کفالت کی جائے جیسے ماں بچے کی کفالت کرتی ہے۔کہ چونکہ بچہ نہ خود اٹھ سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے نہ کھاسکتا ہے۔نہ پی سکتا ہے اس لئے سب امور کی نگہداشت ہی کرتی ہے۔اسی طرح اللہ رب العالمین ہیں کہ سب چیزوں کی کفالت کرتے ہیں اب چونکہ حضور اکرم ﷺ بار بار مــا انــا بقاری فرمارہے تھے اس لئے اسم رب سے شروع کرکے اس طرف متوجہ کیا کہ رب کے نام سے پڑھو۔جب وہ رب ہے تو جو ضروریات قرأت وغیرہ کی پیش آئیں گی وہی سب کی کفالت کرے گا اور پڑھنے کو آسان فرمائے گا۔اس کے بعد مزید شان ربوبیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا خلق الانسان من علق یعنی جس ذات نے ایک نطفہ ناپاک اور پانی کے ایک قطرے سے افضل المخلوقات اور احسن المخلوات کو پیدا فرمایا وہی قرأت بھی سکھلادے گا۔اس کے بعد مزید ترقی کرکے فرمایا علم بالقلم اس سے اشارہ فرمایا کہ جو ذات ایک بے جان شے یعنی قلم کے ذریعہ سے علم سکھاتی ہے اور آدمی علم سیکھ جاتا ہے تو اگر وہ ذات براہ راست علم سکھانے پر اتر آئے تو کیسے علم نہیں سیکھ سکتے؟ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے اللہ جل شانہ نے اس جملہ علم بالقلم سے اشارہ فرمادیا ہو کہ علم کو قلم سے مقید کرنا چاہئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث میں جو یہ آتا ہے قیــدوا العلم بالکتابہ اسی جملہ کریمہ کی شرح ہو۔اور واقعہ یہی ہے کہ علم قلم سے مدتوں باقی رہتا ہے چنانچہ یہی بخاری شریف جو میری تحقیق کے مطابق ۲۳۳ھ میں لکھی گئی۔آج ایک ہزار برس سے زائد ہوگئے اسی طرح باقی ہے۔اور اگر کوئی حفظ یاد کرے تو کچھ ہی دن باقی رہتا ہے۔

فرجع بها:

ای بالآیات والنبوۃ.

فدخل علی خدیجة بنت خویلد:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ لاڈلی اور چہیتی بیوی تھیں۔ان کی عمر شریف چالیس برس کی تھی تو حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔اور خود حضور پاک ﷺ کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی۔اب یہیں سے ان آریوں کا اشکال ختم ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے یہ تمام شادیاں یعنی گیارہ عورتوں سے نکاح محض شہوت پرستی کی بناء پر کئے تھے (نعوذ باللہ منہ) بھلا جب حضور ﷺ اپنی پوری جوانی میں تھے اور خوب شباب کا زمانہ تھا اس وقت تو آپ ﷺ نے ایک بڑھیا پر قناعت کرلی جو کہ بیوہ بھی تھی اور جب آپ ﷺ خود بوڑھے ہوگئے تو دوسری عورتوں سے نکاح شروع کیا۔یہ دلیل ہے اس پر کہ اس تعدد ازدواج میں یقیناً کوئی مصلحت ہوگی اور وہ مصلحت یہی تھی کہ ان کے ذریعہ سے دین کو فروغ ہوگا۔ورنہ آپ ﷺ اپنی جوانی میں ضرور کسی جوان سے نکاح فرماتے نیز اگر حضور ﷺ کا شہوت کی غرض سے نکاح کرنا مقصود ہوتا تو حضور ﷺ اس وقت کیوں انکار فرمادیتے جب کہ ابتداء دعوت اسلام کے وقت قریش نے آپ ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ کو نکاح کی غرض ہے تو آپ جس لڑکی سے چاہیں نکاح کرلیں۔

حضور اکرم ﷺ غار حراء سے چل کر جو سیدھے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کا اپنا گھر تھا اور مصیبت میں آدمی اپنے گھر ہی جاتا ہے دوسرے یہ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی بیوی تھیں اور جب کوئی پریشانی کی بات ہوتی ہے تو آدمی بیوی ہی سے کہتا ہے۔

فقال زملونی زملونی:

پہلی بات یہاں پر وہی ہے جو میں نے کہی تھی کہ لیتفصد عرقا پر زملونی زملونی سے اشکال ہوتا ہے اس لئے کہ تفصد عرق کا تقاضا یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو گرمی محسوس ہوتی تھی اور زملونی زملونی کا تقاضا یہ ہے کہ سردی معلوم ہوتی تھی اس لئے کہ جب کسی کو سردی لگتی ہے تو اس کو لحاف وغیرہ اڑھاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو گرمی عین نزول وحی کے وقت معلوم ہوتی تھی جیسا کہ روایات کے اندر آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر وحی نازل ہورہی تھی اور پسینہ پیشانی مبارک سے ٹپک رہا تھا اس کے بعد جب آثار ختم ہوگئے تو آپ ﷺ نے پسینہ صاف کیا اس کے بعد جو سردی لگتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ پسینہ آنے کے بعد جب ہوا لگتی ہے تو سردی بھی محسوس ہوتی ہے۔اس کے بعد جو روایت وحی کے ذکر میں آتی ہیں اور ان میں پسینہ اور گرمی کا ذکر ہے اور چادر وغیرہ کے اوڑھنے کا ذکر نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو ابتدا میں خوف بھی ہوا کرتا تھا اس لئے سردی کے اثرات زیادہ معلوم ہوتے تھے پھر جب طبیعت مبارکہ خوگر ہوگئی تو چادر اوڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔دوسرا جواب اصل اشکال کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ آدمی کو جب خوف ہوتا ہے تو چادر اوڑھتا ہی ہے خواہ اس کے ساتھ حرارت ہو یا نہ ہو۔

دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے زملونی کیوں فرمایا زملینی فرمانا چاہئے تھا۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ایسے مواقع (یعنی مواقع خدمت) پر محاورات میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ گھر جاکر عام طور سے بیوی سے کہا جاتا ہے کہ کھانا لاؤ۔یہی جواب میرے نزدیک راجح ہے۔اور دوسرا جواب بعض شراح نے یہ دیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام بھی تھے اور باندیاں بھی تھیں اور اس وقت چونکہ پردہ کا دستور نہیں تھا اس لئے حضور ﷺ نے سب

کوخطاب فرمایا جس کے اندر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔

لقد خشيت على نفسى:

حضور اکرم ﷺ کو اپنی جان کا خوف کیوں ہوا اس کی بارہ وجوہات میں نے حاشیہ لامع الدراری میں لکھ دی ہیں دیکھ لینا۔ بعض ان میں سے ضعیف بھی ہیں وہاں ان کے وہن کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔ چند اقوال یہاں بھی سن لو۔

(۱) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو خوف اس وجہ سے پیش آیا کہ نہ معلوم اعباء نبوت کا تحمل ہو سکے یا نہیں۔

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ اس خیال سے ڈر گئے کہ یہ کوئی جن یا شیطان تو نہیں ہے۔ مگر یہ جواب بالکل غلط ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو اپنی نبوت کے اندر ہی شک تھا حالانکہ ہر نبی کو اپنی نبوت پر ایسے ہی ایمان لانا ضروری ہے جیسے کہ اس کی امت کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۳) علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ جملہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا کیونکہ اگر حضرت ﷺ ابتداء ہی میں یہ فرما دیتے کہ میرے اوپر فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ان کو یقین نہ آتا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی بڑائی کی بات کرتا ہے تو دوسروں کو ناگواری ہوتی ہے۔ اور اگر تواضع اور عاجزی کے ساتھ بات کرے تو طبیعت خود بخود کھینچ جاتی ہے۔ اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اولاً مانوس کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اپنے ہی خوف کا اقرار کر لیا اور جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کا یہ تکسر دیکھا تو فوراً آپ ﷺ کے اوصاف جمیلہ شمار فرما کر آپ ﷺ کی ڈھارس بندھا دی۔

(۴) چکی کا پاٹ یہ ہے کہ چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خوب دبوچا تھا اس لئے آپ ﷺ کو اپنی موت کا خوف ہونے لگا کیونکہ حضور ﷺ کو یہ خطرہ تھا کہ اگر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ دبوچا تو کہیں موت واقع نہ ہو جائے۔

مايخزيك الله ابدا:

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جملہ سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ سارا خوف اس وجہ سے تھا کہ شاید آپ ﷺ اعبائے نبوت کا تحمل نہ کر سکیں۔

انك لتصل الرحم:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تمام اوصاف میں سب سے پہلے صلہ رحمی کا ذکر کیا۔ کیونکہ غیر کے ساتھ حسن سلوک کچھ زائد مشکل نہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی کی حالت گری ہوئی دیکھی اس کے ساتھ احسان کر دیا۔ مگر چونکہ قرابت داروں کے ساتھ ہر وقت سابقہ پڑتا ہے اور ان کی نرم گرم سننی پڑتی ہے اس لئے ان کے ساتھ اگر احسان کرنا بھی چاہے تو وہ سختیاں اور بے عنوانیاں یاد آکر طبیعت رک جائے گی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب سے پہلے اسی کو بتلایا کہ آپ ﷺ تو دوسروں کی غلطیوں کو خیال میں لائے بغیر صلہ رحمی کرتے ہیں پھر کیسے خدا آپ کو ضائع کر دے گا۔ یہاں یہ ضابطہ سن لو کہ جو شخص جتنا زیادہ صلہ رحمی کرے گا وہ اتنا ہی غیر کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنے والا ہوگا۔

وتحمل الكل:

یعنی آپ بوجھ برداشت کرتے ہیں کل یعنی بوجھ جس سے حسی اور معنوی دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔

وتكسب المعدوم:

یہ باب افعال اور مجرد دونوں سے آتا ہے۔ مجرد کی صورت میں لازم اور متعدی دونوں طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر متعدی ہوتو ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ فقیر کو کمواتے ہیں یعنی دوسرے سے کہہ کر اس کی مدد کراتے ہیں اور اگر لازم ہوتو مطلب یہ ہوگا کہ آپ فقیر کو کماتے ہیں یعنی اس کو مال عطا فرماتے ہیں۔

وتقرى الضيف:

یعنی مہمان داری کرتے ہیں اور حضور ﷺ کی مہمان داری کا کیا پوچھنا۔

وتعين على نوائب الحق:

علماء نے لکھا ہے کہ حق کی قید لگا کر باطل سے احتراز کرلیا گیا یعنی اگر کوئی حق کام درپیش ہوتو اس میں تو مدد فرماتے ہیں لیکن اگر کوئی ناحق کام مثلاً کوئی زنا کرنے جارہا ہوتو اس میں اعانت نہیں فرماتے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نوائب حق سے مراد آفات سماویہ ہیں جیسے کثرت باراں کے سبب سے مکانات منہدم ہوجانا وغیرہ اور آفات سماویہ کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی کہ جب کوئی آسمانی آفت آتی ہے تو آدمی زیادہ مجبور ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کی جانب سے ہے اس میں بشر کو چارہ کار نہیں لیکن جب حضور ﷺ آفات سماویہ غیر اختیاریہ میں بھی مدد فرماتے ہیں تو آفات ارضی میں تو ضرور مدد فرمائیں گے۔

ورقه بن نوفل:

یہ ورقہ بن نوفل اور زید بن نفیل وغیرہ ان لوگوں میں ہیں جو ابتداءً مشرک تھے پھر بتقاضائے فطرت سلیمہ شرک سے تائب ہوکر وحدانیت باری تعالیٰ کے قائل ہوئے۔ حتی کہ زید بن نفیل تو بتوں کی مذمت بیان کرنے میں بہت آگے تھے کہا کرتے تھے کہ ان کی پرستش کرتے ہو جن کو اپنے ہاتھ سے بناتے ہو اور جو تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ یہ زید جب شرک سے بیزار ہوئے تو علمائے یہود کے پاس گئے اور ان لوگوں سے یہودی ہونے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا شوق سے ہوجاؤ مگر اس مذہب سے کچھ حصہ غضب الٰہی کا بھی ملے گا پھر نصاریٰ کے پاس جاکر نصرانیت قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے کہا ہوجاؤ۔ مگر کسی قدر حصہ ضلالت کا بھی ملے گا۔ ان کے پوچھنے پر نصاریٰ نے دین ابراہیمی قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ جس پر انہوں نے ملت ابراہیمی کو اختیار کیا اور زمانہ نبوت سے پہلے ہی انتقال کرگئے۔ اور ان کے دوسرے ساتھی ورقہ بن نوفل نے نصرانیت اختیار کی اور بعد میں نصرانیت کے بہت بڑے عالم ہوئے کہ انجیل کو عبرانی زبان سے عربی میں منتقل کیا کرتے تھے اور عربی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔

فيكتب من الانجيل بالعبرانية:

تورات عبرانی زبان میں تھی اور انجیل سریانی زبان میں تھی۔ ورقہ چونکہ نصرانی تھے اس لئے انجیل کا ترجمہ سریانی زبان سے عبرانی زبان میں کرکے اپنے یہاں کے لوگوں کو دیتے تھے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عبرانیۃ کے بجائے عربیہ ہے کیونکہ خود ورقہ کی زبان عربی تھی جیسا کہ حاشیہ کے اندر العربیہ ہی واقع ہوا ہے اور یہی کتاب التفسیر میں بھی آرہا ہے لیکن علماء نے دونوں میں اس طرح جمع کیا ہے کہ

(ورقہ) دونوں زبانوں میں ماہر تھے۔ عربی کے بھی کیونکہ یہ ان کی مادری زبان تھی اور عبرانی کے بھی۔ لہٰذا انجیل کو سریانی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ عرب میں یہود بھی رہتے تھے جو عبرانی زبان جانتے تھے۔ کیونکہ تورات بھی اسی زبان میں نازل ہوئی ہے تو بعض کو عبرانی زبان میں اور بعض کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے دیا کرتے تھے۔

اسمع من ابن اخیک:

ورقہ بن نوفل حضور ﷺ کے چچا نہیں تھے مگر چونکہ اہل عرب ہر بڑے کو چچا اور ہر چھوٹے کو بھتیجا بطور تعظیم و شفقت کے کہتے ہیں اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ابن اخ کہہ دیا۔

هذاالناموس:

ناموس کے معنی صاحب السر کے ہیں یہ وزن اور معنی میں مثل جاسوس کے ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ناموس وہ شخص کہلاتا ہے جو سر خیر کا متلاشی ہو اور جاسوس وہ ہے جو شر کا تجسس کرتا ہو۔ اور یہاں ناموس سے مراد فرشتہ ہے۔

نزل الله علی موسیٰ:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ورقہ نے حضرت عیسیٰ کا نام کیوں نہیں لیا جب کہ ورقہ نصرانی تھے۔ علماء نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہاں بہ نسبت نصرانیوں کے یہودی زیادہ تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہرت زیادہ تھی اس لئے انہی کا نام ذکر فرمایا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کی قوم کی طرف سے شدت اور سختی میں مبتلا کیا گیا تھا تو وہ اس بات میں حضور ﷺ کے شریک تھے اس وجہ سے ان کو ذکر فرما دیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت فیما بین الیهود والنصاری مسلم تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کو صرف نصاریٰ مانتے تھے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی اتری تھی وہ امثال و عبر اور رافت و رحمت پر مشتمل ہوتی تھی بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کے کہ اس میں اوامر و نواہی تھے اور جہاد و قتال کا حکم تھا تو ورقہ نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ حضور اقدس ﷺ پر جو وحی آئے گی اس میں اوامر و نواہی ہوں گے اس پر اشکال یہ ہے کہ ورقہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر آنے والی وحی اس قسم کی ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ ورقہ کتب سماویہ کے عالم تھے اور انہی کتابوں میں حضور اقدس ﷺ کے اوصاف وغیرہ مذکور تھے۔

یالیتنی فیها جذعا:

ای قویاشابا. جذعه اصل میں قوی اونٹ کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کاش میں ایام دعوت و اسلام میں قوی ہوتا تا کہ ان کا مقابلہ کرتا جس وقت وہ لوگ آپ ﷺ کو شہر سے نکالیں گے۔

او مخرجی هم:

چونکہ اہل عرب میں عصبیت بہت ہوتی ہے اور وہ اپنے اہل قربت کی حمایت کرتے ہیں خواہ حق پر ہوں یا ناحق پر اس لئے آپ ﷺ کو خبر اخراج پر تعجب ہوا۔ نیز حضور اکرم ﷺ کی چالیس سالہ زندگی بہت محبوبانہ گزری تھی۔ امین و صادق کے لقب سے آپ ﷺ مشہور تھے تو حضور اکرم ﷺ کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی قوم ملک سے نکال دیگی۔ چنانچہ آپ ﷺ کو اس پر استعجاب ہوا تو حضرت ورقہ نے اس کی وجہ بیان فرمائی۔

لم یات رجل قط بمثل ماجئت به الاعودی:

ورقہ نے کہا یہ کئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو ہوتا چلا آیا ہے کہ آپ جیسی چیز (نبوت) جو کوئی بھی لے کر آیا اس کو ستایا اور اس سے دشمنی کی گئی۔

وان یدرکنی یومک انصرک نصرا مؤزرا:

یہاں حضرت ورقہ حضور ﷺ کی مدد کا وعدہ کرر ہے ہیں۔ اب ایک بات غور سے سنو وہ یہ کہ جب ورقہ آپ ﷺ کی مدد کرنے کو کہہ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ حضور ﷺ پر ایمان لائے ہوں گے جب ہی تو مدد کا وعدہ کرر ہے ہیں۔ اب اگر ان کو مسلمان مان لیا جائے تو اب اول المومنین ورقہ ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقدم ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے اندر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قسم اول میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ قسم اول کا مطلب یہ ہے کہ حروف تہجی کے اعتبار سے حافظ نے اصابہ کے اندر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ کیا ہے اور ہر حرف کے چار درجے متعین کئے ہیں۔ مثلاً الف قسم اول۔ الف قسم ثانی۔ الف قسم ثالث۔ اور الف قسم رابع۔ اور طریقہ حافظ کا یہ ہے کہ قسم اول میں کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام ذکر فرماتے ہیں اور قسم ثانی میں ان صغار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء لکھتے ہیں جن کو رویت حاصل ہے اور قسم ثالث میں مخضرمین کا ذکر فرماتے ہیں۔

مخضرم: وہ کہلاتا ہے جس کو حضور ﷺ کا زمانہ ملا ہو۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی زیارت نہ کر سکا ہو۔ اور قسم رابع میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی صحبت کے وہ خود منکر ہیں۔ اگر چہ کسی اور نے ان کو صحابی لکھ دیا ہو۔ ورقہ کی صحبت کا بعض حضرات نے انکار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے اب آیا یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قدیم الاسلام ہوئے یا نہیں اس لئے کہ ابتداء وحی کا واقعہ ہے ممکن ہے حضور ﷺ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ورقہ سے پہلے ہی مل چکے ہوں اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے ہوں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول من امن اس وجہ سے ہیں کہ بالتصریح اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں میں سب سے پہلے ہیں اور حضرت ورقہ اگر چہ مقدم ہیں مگر بالتصریح کلمہ گو نہیں کیونکہ ان کا ایمان ان کے اقوال سے مستفاد ہوتا ہے۔

ثم لم ینشب ورقة ان توفی:

ورقہ بن نوفل ملک شام چلے گئے تھے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مکہ کے لوگ حضور اقدس ﷺ کے دشمن بن گئے ہیں تو یہ اعانت کے لئے وہاں سے چل دیئے مگر راہ میں کسی نے قتل کر دیا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ مکہ میں ہی کچھ دنوں بعد انتقال فرمایا۔

وفتر الوحی:

یہ فترت مسلسل تین سال تک رہی۔ اب یہ کہ اس کی حکمت کیا تھی؟ حقیقی حکمت تو اللہ تعالیٰ شانہ ہی جانتے ہیں مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ فترت اس لیے واقع ہوئی تا کہ آپ ﷺ آیات منزلہ میں غور وفکر کریں اور تدبر و تفکر کریں اور بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ وحی چونکہ ایک وزنی چیز تھی جیسے کہ قرآن مجید میں ہے اِنَّا سَنُلْقِی عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً تو کچھ دنوں کے لئے اس کو روک دیا گیا تا کہ طبیعت مبارکہ اس بوجھ کی خوگر ہو جائے اور ثقل برداشت کرنے لگے۔ بطور جملہ معترضہ کے ایک اشکال یہ سنو کہ جب وحی ایک ثقیل چیز ہوتی ہے تو ہم کو اس کا ثقل کیوں نہیں معلوم ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم غور وفکر ہی نہیں کرتے اور اس کے حقائق نہیں سمجھتے ورنہ اکابر کے متعلق مشہور ہے کہ قرآن پڑھتے تھے اور دہاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ یا پھر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرما رکھا ہے اور اس کے ثقل کو خفت سے بدل دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِر اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ فترۃ تحصیل انس کے لئے ہوئی۔ کیونکہ اگر پے در پے اس امر ثقیل کا نزول ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ طبیعت مبارکہ میں نفرت اور وحشت پیدا ہو جاتی جیسا کہ بار بار کی سختی سے بسا اوقات وحشت ہونے لگتی ہے۔ یا اس جواب کو یوں تعبیر کرو کہ چونکہ اعباء رسالت سے آپ کو خوف تھا تو اس کے تحمل کے لئے مہلت دیدی گئی۔

یہاں ایک توجیہ فترت کے بارے میں یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ صوفیاء کے یہاں معمول ہے کہ جب کسی کو تلقین وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں تو اس کو اپنے سے کچھ دنوں کے لئے دور کر دیتے ہیں تا کہ اس کا علم ہو جائے کہ جو نسبت مرید کو حاصل ہے وہ نسبت انعکاسی تو نہیں۔ یہی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھی پیش آیا تا کہ صوفیاء کے لئے مشعل راہ ہو۔

قال ابن شهاب:

یہ تعلیق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہو گیا چونکہ ابتداء حدیث سے لے کر یہاں تک کے حالات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے بواسطہ عروہ مذکور تھے مگر قصہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا اس لئے امام زہری فترۃ وحی کے واقعہ کو دوسرے واسطے سے بیان فرما رہے ہیں اور وہ واقعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بواسطہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن موجود ہے۔

وهو يحدث:

هو کی ضمیر حضور اکرم ﷺ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ (۱)

فرعبت:

اس لئے کہ جب یہ دیکھا کہ ایک معلق کرسی پر فرشتہ بیٹھا ہے تو یہ عجیب بات دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔

والرجز فاهجر:

رجز کے معنی یا تو امور قبیحہ کے ہیں یا عبادۃ الاوثان کے ہیں۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تو کبھی بتوں کی عبادت نہیں

---

(۱) دوسری تقاریر میں هو کی ضمیر صرف حضور ﷺ کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اور یہی ہمارے حضرت کے نزدیک راجح ہے۔ كما هو فی مذكور فی هامش اللامع۔

فرمائی پھر کیونکر اس کے ترک کا حکم دیا جا رہا ہے جواب یہ ہے کہ بسا اوقات کسی شے سے جو منع کیا جاتا ہے وہ اس کی غایت قباحت کے پیش نظر منع کیا جاتا ہے گو مخاطب نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جیسے بیعت میں شیخ ﴿یُبَایِعْنَکَ عَلٰی أَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئاً وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ﴾ کے الفاظ کہلواتا ہے حالانکہ ہر آدمی زانی اور چور نہیں ہوتا۔

تابعہ عبداللہ بن یوسف:

متابعت کی دو قسمیں ہیں: متابعت تامہ۔ متابعت ناقصہ۔ متابعت تامہ یہ ہے کہ کوئی شخص ابتدا ہی سے اسناد میں راوی حدیث کا شریک بن جائے اور متابعت ناقصہ یہ ہے کہ اوپر سند میں کوئی آدمی حدیث کے راوی کی متابعت کرے۔ متابعت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے روایت اور راوی کو تقویت ملتی ہے۔

وقال یونس و معمر بوادرہ:

یہاں سے امام بخاری اختلاف روایات کی طرف اشارہ فرمار ہے ہیں کہ زہری کے شاگرد عقیل نے توفـــوادہ کہا اور یونس و معمر نے بوادرہ کہا ہے۔ بوادر جمع ہے بـادرۃ کی۔ بـادرۃ گردن اور مونڈھے کے درمیانی حصہ کو بولتے ہیں۔ خوف کی شدت میں جس طرح دل کانپتا ہے اسی طرح یہ حصہ بھی حرکت کرنے لگتا ہے۔ یہ روایت بـاب بـدؤ الوحی کے بالکل مطابق ہے اور چونکہ حضرت شیخ الہند کے نزدیک ترجمہ کا مقصد عظمت وحی کو بتلانا ہے اس طرح موافقت ہو جائے گی کہ حضرت ﷺ جیسے عظیم الشان اور فخر الرسل اس کو لے کر آئے۔ اور یہ کہا جائے کہ ترجمہ کی غرض ان اوصاف جمیلہ کو بیان کرنا ہے جن پر وحی نازل ہوتی ہے تو یہ بھی اسی روایت نے بتلا دیا کہ وہ اوصاف صلہ رحمی وغیرہ کرنا ہے۔

لاتحرک بہ لسانک:

اس روایت کو ابتداء وحی کے ساتھ اس طرح مناسبت ہے کہ یہ واقعہ ابتداءِ وحی کا ہے اور اس کے اندر یہ بیان فرمایا ہے کہ ابتدائے وحی میں یہ کیفیت ہوتی تھی لہٰذا کیفیۃ بدؤ الوحی ثابت ہو گئی۔ یہ آیت سورۃ قیامۃ میں مذکور ہے۔ اور اس آیت سے قبل اور بعد دونوں جگہ قیامت کے احوال مذکور ہیں اور اسی مناسبت سے سورت کا نام قیامۃ بھی رکھا گیا ہے۔ لیکن اس آیت پر اشکال یہ ہے کہ اس کا قیامت سے کیا جوڑ ہے؟ اس کا جواب (۱) یہ ہے کہ قرآن پاک کے ذریعہ سے تربیت پیدا کرنی مقصود ہے تو جیسے مربی درمیان کلام میں کوئی بات غیر متعلق کہہ دیتا ہے۔ مثلاً باپ اپنے ایک چھوٹے سے بچے کو کھانا کھلا رہا ہو اور ساتھ ساتھ خوب پند و نصائح اور تربیت کے لئے ایک قسم کی افہام و تفہیم کر رہا ہو اور اسی اثنا میں بچہ کسی غیر مناسب جگہ ہاتھ ڈال دے تو باپ درمیان گفتگو ہی میں اس کو منع کر دیتا ہے کہ ایسا مت کرو، اس میں ہاتھ مت ڈالو۔ اور اتنا کہہ کر پھر پہلی بات شروع کر دیتا ہے تو اسی طرح سے یہ آیت کریمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور پاک ﷺ کو قرآن پاک سکھا رہے تھے اور حضور ﷺ اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں اپنی زبان سے اس کو بار بار دہراتے تھے تو درمیان کلام میں ہی تنبیہ کر دی کہ ایسا مت کرو۔ اس کے بعد پھر سابقہ کلام شروع فرما دیا۔

---

(۱) اس اشکال کے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے چند جوابات دیئے ہیں جن میں ایک جواب یہ بھی ہے کہ علامہ جلال الدین محلی فرماتے ہیں والمناسبة بين هذه الأية وماقبلها ان تلك تضمنه الاعراض عن ايات الله تعالىٰ وهذه تضمنت المبادرة اليها بحفظها.

یعالج من التنزیل شدة:

اس جملہ سے عظمت وحی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ حضور پاک ﷺ اسی عظمت کی وجہ سے جلدی جلدی پڑھنے میں مشغول ہو جاتے تھے اور یہیں سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اس ترجمۃ الباب کا مقصد عظمت وحی کو بیان کرنا ہے۔

وکان ممایحرک شفتیة:

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سارے حروف شفوی نہیں ہیں لہذا مطلقا یحرک شفتیه کہنا کیسے صحیح ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لاتحرک به لسانک فرمایا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ زبان کی حرکت ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں فرمایا بخلاف حضرت باری تعالیٰ کے اور شفتین ہمارے سامنے ہوتے ہیں ان کی حرکت ہم کو نظر آتی ہے اس لئے اس کو بیان کر دیا۔

قال ابن عباس رضی الله عنهمافانا احر کهما:

یہاں حضرت سعید بن المسیب نے کمارایت ابن عباس یحر کهما فرمایا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کما رایت رسول الله ﷺ یحر کهما نہیں فرمایا بلکہ کماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحر کهمفرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ سعید بن میتب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تحریک شفتین کرتے دیکھا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا نہیں تھا کیونکہ ابتداء وحی میں تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔رہا یہ سوال کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پھر کیسے معلوم ہو گیا کہ رسول کریم ﷺ تحریک شفتین مبارکین فرمایا کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو براہ راست حضرت رسالت پناہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے سنا ہو گا یا کسی اور صحابی سے اگر صحابی سے سنا ہو گا تو یہ روایت مراسیل صحابہ کے قبیل سے ہو گی۔

ان علینا بیانه:

عامۃ المفسرین نے اس جملہ کی تفسیر ان علینا توضیح مشکلاته وتبیین مبهماته سے کی ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان تقراه کے ساتھ کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے ذمہ آئندہ اس کو پڑھوانا ہے آپ اس کو بھول نہیں سکتے۔ یہاں پر جمہور (۱) اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

حدثنا عبدان:

یہاں پر سند میں ح واقع ہوئی ہے۔اس کے اندر اختلاف ہے (۲) کہ یہ حاء مہملہ ہے یا خاء معجمہ۔ جو لوگ خاء معجمہ قرار دیتے ہیں وہ اس کے اندر دو اقوال بیان کرتے ہیں اول یہ کہ یہ مخفف ہے الخ کا یعنی کوئی مضمون طویل ہو یا کوئی آیت یا حدیث ہو اور لکھنے والا اس کو پورا نہیں لکھتا تو تخفیف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے الخ لکھ دیتا ہے اور معنی اس کے الی آخر الکلام کے ہیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے اسناد اخر کا۔لیکن دوسری جماعت کثیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حاء مہملہ ہے اس جماعت کے اندر چار فریق ہیں ایک فریق

---

(۱) مزید وضاحت کے لئے لامع اور اس کا حاشیہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

(۲) ان اقوال کی مزید تفصیل کے لئے مقدمہ اوجز المسالک ص ۷۱ کی مراجعت کی جائے۔

کی رائے یہ ہے کہ یہ الحدیث کا مخفف ہے لہٰذا یہاں پہنچ کر الحدیث پڑھنا چاہئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے صح کا۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی تحریر میں کوئی تردد ہو جاتا ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ اس تحریر پر چھوٹا سا صح بنا دیتے ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ عبارت میں شک وشبہ نہ کرو یہ عبارت صحیح ہے۔ اس صورت میں اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ صرف تنبیہ کے لئے ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ الحائل کا مخفف ہے۔ حائل کے معنی آڑ کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سند اول اور سند ثانی کے درمیان حائل ہو رہی ہے اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ تحویل کا مخفف ہے ای تحویل من سند الی سند اخر ۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر حا پڑھا جائے گا۔

اب ان اقوال کے بعد اس کی حقیقت سن لو۔ جب کسی حدیث کی دو سندیں ہوں اور اوپر کا حصہ دونوں کا ایک ہو اور نیچے سے دونوں سندیں الگ الگ ہوں تو تطویل سے بچنے کے لئے دونوں مختلف سندوں کو ذکر کر کے جب اتحاد شروع ہوتا ہے تو وہاں ح بنا دیتے ہیں۔

ومعمر نحوہ:

اس حدیث کے لئے امام بخاری نے دو سندیں ذکر فرمائی ہیں پہلی سند میں عبدان نقل کرتے ہیں۔ عبداللہ سے اور وہ یونس سے اور یونس زہری سے تو گویا عبدان کی سند میں زہری سے نقل کرنے والے صرف یونس ہوئے۔ اور دوسری سند کے اندر بشر بن محمد نقل کرتے ہیں انہی عبداللہ سے اور یہ یونس اور معمر سے نقل کرتے ہیں اور یونس ومعمر امام زہری سے نقل کرتے ہیں تو اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے معمر کے بعد نحوہ کیوں بڑھایا سیدھی طرح یونس ومعمر عن الزہری کہہ دیتے؟

اس کا جواب تم شرح نخبہ میں پڑھ چکے ہو اور طحاوی شریف میں بھی اس کا جواب آ چکا ہے۔ کیونکہ امام طحاوی روایات ذکر کرنے کے بعد سرد اسانید کرتے ہوئے یہ لفظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں وہ یہ کہ نحوہ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ اگرچہ زہری سے یونس ومعمر دونوں نقل کرتے ہیں مگر الفاظ حدیث یونس کے ہیں۔ معمر اس کے صرف معنی ومفہوم کو ذکر کرتے ہیں۔ بعینہ الفاظ نہیں بیان کرتے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس:

حضور اکرم ﷺ کی اگر تم نے سیرت پڑھی ہوگی تو تم کو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ واقعی ایسے ہی تھے۔ مگر یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے گھر مدتوں آگ نہیں جلا کرتی تھی کچھ نہ ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ گزر جاتے تھے اور ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ لہٰذا یہ روایات آپ ﷺ کے جود کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ جود اور آپ ﷺ کی یہ سخاوت آپ ﷺ کے فقر وفاقہ کے مخالف نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا یہ فقر وفاقہ اسی جود کی وجہ سے تھا کہ جو کچھ آیا فوراً تقسیم کرا دیا اور گھر اس وقت تک تشریف ہی نہیں لے گئے جب تک کہ وہ سارا تقسیم نہ ہو گیا۔ لہٰذا جس کا یہ حال ہوگا اس کے پاس کیا رہے گا۔ اور اسی پر بس نہیں اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو کسی دوسرے سے لے کر دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہہ رکھا تھا کہ وہ قرض لے کر دے دیا کریں اور پھر بعد میں ہم اس کو ادا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح قرض لے کر حاجتمندوں کو دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے کہا کہ بلال! تم روزانہ قرض مانگتے ہو۔ لوگوں سے لینے کی ضرورت نہیں بس مجھ سے لے لیا کرو اور

جب تمہارے پاس کہیں سے آجائے تو ادا کر دیا کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی بڑی خوشی ہوئی اور اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ ان خبیث کافروں کا دستور یہ ہے کہ جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب مقروض کا مکان وغیرہ سب فروخت ہوسکتا ہے تو آکر تقاضا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہودی بھی اسی کا منتظر تھا۔ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی۔ او حبشی، او حبشی! یہاں آ۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے۔ اس نے کہا اس مہینے کے کتنے دن باقی رہ گئے؟ فرمایا چار دن۔ کہنے لگا یا تو چار دن کے اندر سارا قرض ادا کرو ورنہ غلام بنالوں گا اور پھر اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر بڑا غم ہوا۔ دن تو کسی طرح گزر گیا شام کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کر کے دو چار دن کے لئے کہیں روپوش ہو جانے کی اجازت مانگی اور عرض کیا جب آپ کے پاس کچھ آئے گا تو آپ ادا فرمادیں پھر میں ظاہر ہو جاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت عطا فرمادی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شب میں روپوش ہو جانے کی تیاری فرما رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی بلانے کیلئے پہنچا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے دروازہ پر کچھ سامان دیکھا ہے؟ عرض کیا کہ چار اونٹنیاں مال سے لدی ہوئی کھڑی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شاہ فدک نے میرے پاس ہدیہ بھیجا ہے تم اس سے اپنا قرض ادا کردو۔ چنانچہ بلال صبح ہی صبح اس یہودی کے پاس لے گئے اور اس کا سارا حساب ادا کر دیا۔ یہودی بھی حیرت میں رہ گیا۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کچھ مال باقی ہے؟ عرض کیا ابھی تو بہت باقی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ سب کو تقسیم کردو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تھوڑا سا تقسیم کر کے باقی اس خیال سے روک لیا کہ کل پھر کوئی مصیبت پیش آئے گی اس میں کام دے گا۔ جب بلال رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ سب تقسیم ہو گیا۔ انہوں نے عرض کیا آدمی کم آئے تھے اس لئے بچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک وہ سارا مال ختم نہیں ہوگا میں گھر نہیں جاؤں گا چنانچہ رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں گزاری مکان تشریف نہیں لے گئے۔ (۱)

بہر حال اس حدیث کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جود کا ذکر ہے۔ پہلا جود تو اجود الناس سے معلوم ہوا اور دوسرا اجود ما یکون فی رمضان سے معلوم ہوا تھی کہ ماہ رمضان میں قرض لے کر بھی لوگوں کو کھلایا کرتے تھے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب مسرت ہوتی ہے تو آدمی خوب خرچ کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں زیادہ خوشی و مسرت ہوتی تھی۔

حین یلقاہ جبرئیل:

تیسرا جود اس جملہ سے معلوم ہوا کہ رمضان میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو اس وقت کے جود کا حال نہ پوچھو اس وقت صفت جود اور بڑھ جاتی ہے۔

فیدارسہ القرآن:

یدارس فعل مضارع کا صیغہ ہے مدارسۃ سے جو باب مفاعلۃ کا مصدر ہے اس کے معنی دور کرنے کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور فرمایا کرتے تھے اور یہی ان حفاظ کی دلیل ہے جو رمضان شریف میں دور کرتے ہیں۔

---

(۱) اخرجہ ابو داؤد مفصلا فی باب الامام یقبل ھدایا المشرکین

یہاں القرآن کالفظ اپنے ظاہری معنی کے لحاظ سے یہ چاہتا ہے کہ ہر رمضان میں پورے قرآن کا دور فرماتے تھے۔اور یہی ایک جماعت کی رائے ہے کہ رمضان میں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کا دور ہوتا تھا اور رمضان کے شریف کے علاوہ بقیہ ایام میں آیات وسور علی حسب الضرورۃ اترتی رہتی تھیں۔مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ قرآن سے مراد ما نزل ہے اس لئے کہ اگر پورے قرآن کا دور فرماتے تو یہ قصہ افک میں اتنی پریشانی کیوں برداشت کرنی پڑتی کیونکہ واقعہ افک ۶ھ کے اندر ہے تو اگر چھ سال تک دور کیا تھا تو ساری بات گویا پہلے ہی سے معلوم تھی پھر اتنی پریشانی کیوں ہوئی؟ ایسے ہی یسئلونک عن الروح میں سکوت نہ فرماتے۔یہ دونوں باتیں دلیل ہیں اس بات پر کہ صرف اسی کا دور ہوتا تھا جس قدر کہ وحی میں نازل ہو چکا تھا اور میری بھی یہی رائے ہے۔

فلرسول الله صلى الله عليه وسلم اجود بالخير من الريح المرسله:

چونکہ ہوا بادل کو لاتی ہے اور اس سے پانی برستا ہے جو ان کثیر نعمتوں کے پیدا ہونے کا سبب ہے اس لئے اس کثرت خیر کو ریح مرسلہ سے تشبیہ دیدی۔یعنی ہوا جو کہ اتنی خیرات کثیرہ کا سبب ہوتی ہے حضور اقدس ﷺ اس سے بھی زیادہ خیر کے سخاوت کرنے والے تھے یہاں پہنچ کر روایت پر تو کلام ہو چکا ہے اب یہاں اس کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت ثابت کرنی ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ واجود مایکون فی رمضان میں لفظ رمضان سے ترجمہ ثابت ہے اس لئے کہ تم نور الانوار میں پڑھ چکے ہو کہ قرآن پاک سماء دنیا پر رمضان میں نازل ہوا۔تو اس لفظ رمضان میں کیفیت بدؤ وحی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ سب سے پہلے جو وحی کی بدائت کی کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ رمضان میں پورا لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل ہوا۔یعنی بدء زمانی کی طرف اشارہ ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ یلقاہ سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ لقاء اپنے عموم کی وجہ سے لقاء بوقت ابتداء وحی کو بھی شامل ہے۔

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باب کا مقصود عظمت وحی کو بیان کرنا ہے لہٰذا حضرت فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ وحی (قرآن) کی عظمت یہ بتلائی کہ اس کا دور حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ کرتے تھے۔ بس یہ مدارستہ ہی عظمت کے لئے کافی ہے۔

اور چوتھا قول میں یہ نقل کیا کرتا ہوں کہ باب کی غرض ان اوصاف جلیلہ عالیہ کو ذکر کرنا ہے جو نزول وحی کا سبب ہیں۔حدیث پاک میں تین مراتب جود کے بیان فرمائے گئے ہیں جیسا کہ گزر چکا تو مقصد یہ ہے کہ وہ صفات عالیہ ہیں جس پر نزول وحی مرتب ہوئی۔ اور جن شراح کے نزدیک ترجمہ کی غرض صرف وحی کو ثابت کرنا ہے ان کے یہاں حدیث کی مناسبت ترجمہ سے ظاہر ہے۔اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے پر بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ مقصود مجموعہ روایات سے مجموعہ ترجمہ کو ثابت کرنا ہے نہ کہ ہر ہر روایت سے۔اور جن کے نزدیک ترجمہ کی غرض بدء امر یعنی امر دین کی ابتداء بیان کرنی ہے ان کی رائے پر بھی کوئی اشکال نہیں۔اس لئے کہ اس روایت میں ابتداء امر کا تذکرہ موجود ہے۔

حدثنا ابو اليمان:

اس حدیث کو حدیث ہرقل سے تعبیر کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کا جو زمانہ مکی زندگی کا گزرا ہے وہ تیرہ برس ہے اور نہایت شدت

وسختی اور بہت ہی اذیتوں کا زمانہ ہے اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور پھر اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا الآیۃ کے ذریعہ سے مدافعانہ جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔ بدر، احد، احزاب، خندق وغیرہ یہ تمام جہاد اسی وقت ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ھ کے اندر خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں عمرہ کی غرض سے داخل ہوئے چونکہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑی خوشی ہوئی کہ اب چل کر اپنے گھروں کو دیکھیں گے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۶ ھ کے اندر عمرہ کے واسطے تشریف لے گئے، لیکن چونکہ ہر خواب کا فوراً پورا ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے حدیبیہ میں پہنچ کر کفار نے عمرہ کرنے سے روک دیا۔ اور مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور تمام دیہات وغیرہ سے آدمی لڑنے کے لئے بلا لئے اور کہا کہ ہم امسال عمرہ نہ کرنے دیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی لڑتے رہتے ہیں اور تم بھی لڑتے رہتے ہو کچھ دن کے واسطے لاؤ صلح ہی کرلیں۔ چنانچہ دس سال کی مدت پر صلح فرمالی۔ اب یہ کہ شرائط صلح کیا تھیں وہ اپنی جگہ پر آجائیں گی۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان شرائط پر بہت طیش آرہا تھا اسی طیش کی حالت میں خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! کفار باطل پر نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں باطل پر ہیں۔ یہی سوالات بعینہٖ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طیش کی حالت میں جا کر کئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی جوابات دیئے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔ جیسا کہ میں نسبت اتحادیہ کے ذیل میں بیان کر چکا ہوں۔ بہر حال ان لوگوں سے صلح ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مدت میں ہمیں دوسروں سے نمٹنے دو اگر ہم ان پر غالب آگئے تو پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے کرنا اور اگر انہوں نے ہمیں ختم کر دیا تو تم راحت سے ہو جاؤ گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت کریمہ سنائی اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً اگرچہ علماء نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے بعض کے نزدیک اس سے فتح مکہ مراد ہے لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ اس سے یہی قصہ مراد ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! کیا میں ساری دنیا سے پیاری سورت تم کو نہ سناؤں؟ عرض کیا کہ سنائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طیش آہی رہا تھا کہنے لگے یارسول اللہ! کیا یہی فتح مبین ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں یہی فتح مبین ہے۔ چونکہ یہ صلح بہت سی فتوحات اور بالخصوص فتح مکہ کا مقدمہ ہے اور مقدمۃ الشئی کا حکم نفس شے کا ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو فتح مبین سے تعبیر فرمادیا۔

یہ واقعہ ماہ ذی قعدہ ۶ ھ کا ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ سے جب امن ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ان یہود کو نکالا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غزوہ بدر و احزاب میں کفار کی مدد کی تھی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں تھیں۔ اسی میں محرم ۷ ھ کے اندر غزوۂ خیبر واقع ہوا۔ اسی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقطار ارض میں مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی والا نامہ جات بھیجے انہی میں ایک والا نامہ قیصر روم کے نام تھا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت اخیر ذی الحجہ میں بھیجا تھا جس کو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ابتدائے محرم میں لے کر پہنچے تھے۔ اس حدیث کے اندر اسی

خط کا تذکرہ ہے۔ ہرقل روم کا بادشاہ تھا اور یہ نصرانی اہل کتاب میں سے تھا۔ ان کی لڑائی ملک فارس کے بادشاہوں سے ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ غالب آگئے۔ اور اہل روم مغلوب ہوگئے۔ اسی کا ذکر قرآن پاک میں الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ أَدْنَی الْأَرْضِ میں ہے۔ بہرحال قرآن پاک کے وعدہ کے مطابق اس کے بعد اہل فارس مغلوب ہوئے اور رومی غالب آگئے تو اس کے شکرانہ میں ہرقل شاہ روم بیت المقدس آیا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کا والا نامہ وہاں پہنچا۔ چونکہ قریش حضور اکرم ﷺ کے ساتھ لڑائیوں میں گھرے رہتے تھے اور کہیں سفر وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب صلح حدیبیہ ہوگئی تو وہ بھی سفر کے لئے نکلے ان میں ابوسفیان کا قافلہ انہی ایام میں جب کہ قیصر وہاں موجود تھا بغرض تجارت شام پہنچا ہوا تھا جب والا نامہ ہرقل کو ملا تو اس نے ان لوگوں کو اپنے سامنے بلایا اور ابوسفیان کو آگے باقی اس کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور یہ اس نے اس لئے کیا تا کہ سامنے ہونے کی صورت میں جو اشارہ بازی ہوتی ہے وہ نہ ہو سکے۔ اس کے بعد اس نے دس سوال کئے اور وہ نمبروار جواب دیتے رہے۔

ھرقل:

یہ بکسر الہاء وفتح الراء وسکون القاف وبکسر الہاء وسکون الراء وکسر القاف دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ یہ روم کے بادشاہ کا نام ہے اور وہاں کے بادشاہوں کا لقب قیصر ہوا کرتا ہے۔ جیسے فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا ہے۔ لہٰذا ان روایتوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوگا جن میں بعض میں تو قیصر کا لفظ ہے اور بعض میں ہرقل کا لفظ ہے۔ (۱)

یہ حدیث اسی مناسبت سے حدیث ہرقل کہلاتی ہے۔ اس کو امام بخاری نے تیرہ جگہ ذکر فرمایا ہے تین جگہ مفصل اور دس جگہ اختصار کے ساتھ کچھ کچھ ٹکڑے۔ تفصیل کے ساتھ ایک تو یہاں تمہارے سامنے موجود ہے اور دوسرے صفحہ ۴۱۲ پر اور تیسرے صفحہ ۶۵۳ پر آئے گی۔

فاتوه:

یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی قیصر کے پاس آئے، یا قیصر کے فرستادے ابوسفیان کے پاس آئے۔

وھم بایلیا:

اس ھم کے اندر بھی دونوں احتمال (مذکور) ہیں یا تو قیصر اور اس کے اتباع مراد ہیں یا پھر ابوسفیان اور اس کے ساتھی۔ (۲)

وحوله عظماء الروم:

أي من عمائد السلطنة واراكين الدولة ومن الاساقفة والرهابنة.

دعا بترجمانه:

اور ترجمان اس لئے بلایا کہ ابوسفیان وغیرہ عربی تھے ان کی زبان بھی عربی تھی اور قیصر وغیرہ کی زبان یونانی افرنجی تھی۔

---

(۱) بعض تقاریر میں مندرجہ ذیل مضمون کا بھی اضافہ ہے۔ فلیفتش اگرچہ بعض محدثین نے اس پر حمل کیا ہے کہ نامہ مبارک ایک تو ہرقل کے پاس بھیجا گیا اور ایک قیصر کے پاس روانہ کیا گیا مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی والا نامہ تھا جو ہرقل کے پاس بھیجا گیا اور جو اس بادشاہ کا نام بھی ہے اور لقب بھی۔

(۲) وجزم الشيخ رحمه الله في تراجمه بالاحتمال الاول ولم يذكر الثاني.

ایکم اقرب نسبا:

اقرب النسب کو اس لئے پوچھا کہ قریب کا آدمی جس قدر حالات سے مطلع ہوگا دوسرا (اس قدر) نہیں ہوسکتا اس لئے کہ قریبی آدمی کا ہر وقت رہنا سہنا معاملہ وغیرہ ہوتا ہے۔

فقال ابو سفیان قلت انا اقربھم نسبا:

اور یہ اس لئے کہا کہ ابوسفیان اور حضور اقدس ﷺ کے دادا پانچویں پشت میں ایک ہو جاتے ہیں۔ تو گویا پانچویں پشت میں آ کر ابوسفیان حضور اقدس ﷺ کا چچازاد بھائی ہو جاتا ہے ابوسفیان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ اور حضور اقدس ﷺ کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ پھر عبدمناف کے چار لڑکے ہوئے۔ ہاشم، مطلب، عبدشمس اور نوفل۔ عبدشمس سے ابوسفیان تھا اور بنو ہاشم کی اولاد سے حضور اقدس ﷺ تھے۔

فاجعلوھم عندظھرہ:

أي ظھر ابی سفیان ابوسفیان کی پشت پر اس لئے کر دیا کہ ممکن ہے ابوسفیان کوئی سچ بات کہنا چاہے تو یہ لوگ سامنے ہونے کی وجہ سے اشارہ وغیرہ سے منع کر دیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس نے پیچھے کر دیا کہ اگر سامنے ہوتے اور وہ کوئی بات معلوم کرنا چاہتا تو ممکن ہے کہ سامنے ہونے کے سبب حجاب اظہار حق سے مانع ہوتا۔

فو اللہ لولا الحیاء من ان یاثروا:

یعنی اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ اگر میں نے جھوٹ بول دیا تو وہ پردۂ راز میں نہیں رہے گا۔ بلکہ افشا ہو کر رہے گا اور مجھے اس کا بھی خوف نہ ہوتا کہ محمد ﷺ کا تو کچھ نہیں ہوگا اور میں رسوا ہو جاؤں گا اور نہ معلوم میرے جھوٹ پر کتنے قصائد لکھے جائیں گے تو میں جھوٹ بولدیتا۔

ثم کان اول ماسألنی:

قیصر نے دس چیزوں کے متعلق سوال کیا جو آ رہی ہیں۔

ذو نسب:

وہ تو بڑے شریف نسب والے ہیں۔

ھذا القول منکم احد قبلہ قط:

یہ دوسرا سوال ہے یہاں اشکال یہ ہے کہ لفظ قط کلام منفی کے اندر تاکید کے لئے ہوتا ہے اور یہاں کلام مثبت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے۔

قال فاشراف الناس اتبعوہ ام ضعفائھم:

یہ چوتھا سوال ہے۔ یہاں ہرقل نے جو یہ سوال کیا کہ شرفاء نے حضور اکرم ﷺ کا اتباع کیا ہے یا ضعفاء نے؟ تو اس سے شرافت نسبی مراد نہیں بلکہ شرافت فی اعین الناس مراد ہے۔ ورنہ تو حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سارے کے

سارے قریش تھے۔

قلت بل ضعفائهم:

اس پر اشکال یہ ہے کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات اکابر تھے ان کو ضعفاء میں کیسے شمار کیا۔ پہلا جواب یہ ہے کہ غالب کے اعتبار سے کہہ دیا دوسرا جواب یہ ہے کہ ضعفائهم کا مقابل ان کے نزدیک وہ لوگ ہیں جن کی ناک بہت اونچی ہوتی ہے اور اپنے آپ کو خود بھی بڑا سمجھتے ہیں اور یہ حضرات ان میں سے نہیں تھے۔

ایزیدون ام ینقصون؟

یہ سوال خامس ہے۔

قال فهل یرتد احد منهم سخطة لدینه:

یہ سوال سادس ہے یعنی کیا ان میں سے کوئی ان کے دین سے بیزار ہو کر مرتد ہوتا ہے اور پھر اپنا آبائی دین اختیار کر لیتا ہے؟ یہ سوال اس نے اس وجہ سے کیا کہ کسی دین کے چھوڑنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں مثلاً کوئی مالدار کسی کو یہ کہہ دے کہ اگر تو اپنا دین چھوڑ دے تو تجھے مال ودولت دوں گا۔ یا کوئی کسی عورت پر اس کے عشق کی وجہ سے اس کا دین اختیار کرے اور ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ عورت سے شادی کرنے کے واسطے مسلمان سے کافر اور کافر سے مسلمان ہو جاتے ہیں لہٰذا اس نے یہ سوال کیا کہ دین سے بیزار ہو کر تو کوئی اس کو نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ اگر دین کے اندر خامی پا کر مرتد ہو جائے تو یہ اس دین کے نقصان کی دلیل ہوگی۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ چند مسلمان ایسے تھے جو بعد میں مرتد ہو گئے تھے مثلاً عبید اللہ بن جحش وغیرہ۔ لہٰذا ان کا انکار کرنا کیسے صحیح ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے اپنے سوال میں سخطة لدینه کہا تھا یعنی اپنے دین سے ناراض ہو کر مرتد ہوا ہو۔ اور ایسا کوئی نہیں بلکہ یہ لوگ کسی اور وجہ سے مرتد ہوئے ہیں۔

فهل کنتم تتهمونه بالکذب:

یہ ساتواں سوال ہے ایک تو ہوا کرتا ہے کسی کا کاذب ہونا مثلاً کوئی جھوٹ بولنے کے اندر مشہور ہو۔ اور لوگ جانتے ہوں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جھوٹ بولنا تو ثابت نہ ہو مگر لوگ اس کو کسی وجہ متہم بالکذب کرتے ہوں۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے ادون ہے تو جب حضور اقدس ﷺ متہم بالکذب نہ تھے تو کاذب تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے اس لئے ان سے نوعیت سوال یہ اختیار کی گئی۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں، ہم ان کو متہم بالکذب نہیں سمجھتے۔

قال فهل یغدر:

یہ آٹھواں سوال ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو عہد معاہدہ ان کے اور تمہارے درمیان ہوتا ہے تو کیا حضور ﷺ (نعوذ باللہ) بد عہدی کرتے ہیں۔ ابوسفیان نے اسکی بھی نفی کر دی۔

قال ولم تمکنی کلمة ادخل فیها شیئا غیر هذه الکلمة:

ابوسفیان یہ کہتا ہے کہ میرا تو بس یہ جی چاہتا تھا کہ بالکل حضور ﷺ کے خلاف کہوں اور خوب جھوٹ تراشوں مگر کیا کروں موقعہ

ہی نہیں ملا کہ میں کچھ کہتا اس لئے کہ وہ سارے کے سارے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر میں کچھ کہہ دیتا تو یہ جا کر لوگوں سے کہہ دیتے کہ اس نے تو شاہ روم کے سامنے جھوٹ بولا تھا اس ڈر سے مجھ کو موقعہ ہی نہیں ملا مگر ہاں اتنی بات کا موقعہ مل گیا کہ جب ہرقل نے پوچھا کہ محمد غدر کر سکتے ہیں؟ تو میں نے کہہ دیا کہ نہیں لیکن نہ معلوم اس مدت میں کیا کر گزریں گے اور اس مدت سے مراد وہی صلح حدیبیہ والی مدت ہے، مگر اس کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں کچھ کر دیں۔ اسلئے کہ جس نے اب تک تو کیا نہیں وہ اب کیا کرے گا اور بالخصوص حضور اقدس ﷺ۔ یہ ابوسفیان کے اعتراف کے مطابق خود ان کی دسیسہ کاری تھی۔

قال فهل قاتلتموه:

یہ نواں سوال ہے۔

الحرب بيننا وبينهم سجال:

شراح کی رائے یہ ہے کہ عرب کے اندر بڑے بڑے ڈول ہوتے ہیں۔ ایک ہی آدمی اس کو برابر نہیں کھینچ سکتا۔ اس لئے نوبت بنوبت کھینچتے ہیں، ایک نے اس مرتبہ کھینچا دوسرے نے دوسری مرتبہ اسی طرح باری باری ہوتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ کبھی ان کو غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ہمیں غلبہ ہوتا ہے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ پہلے یہ دستور تھا کہ کنویں کے اوپر چرخہ ہوتا تھا جس پر ایک رسی بندھی ہوتی تھی اور دونوں جانب بڑے بڑے ڈول لگے ہوتے تھے جب ایک طرف سے خالی ڈول کنویں میں جھکا دیا جاتا تو دوسری طرف سے خود بخود بھرا ہوا اوپر آجاتا۔ اور اس میں آسانی ہوتی تھی اس لئے کہ اوپر کھینچنا مشکل ہوتا ہے بہ نسبت نیچے لٹکانے کے۔ تو مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ اوپر اور کبھی ہم۔ بہرحال مطلب دونوں کا ایک ہے مگر میرے نزدیک یہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اس صورت میں ایک کا دوسرے پر یکے بعد دیگرے غلبہ وضاحت کے ساتھ ڈول کے اوپر نیچے ہونے سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

علامہ بلقینی فرماتے ہیں کہ یہاں ابوسفیان نے دسیسہ کاری کی۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں پر کفار غالب ہوئے ہوں۔ حافظ ابن حجر وغیرہ شراح فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے صحیح کہا ہے اور ایسا ہوا ہے کہ مسلمان کبھی مغلوب ہو جائیں جیسا کہ غزوۂ احد میں۔ اور کبھی غالب جیسے کہ غزوۂ بدر اور کبھی دونوں برابر رہے جیسے غزوۂ احزاب کے اندر۔

ينال منا وننال منه:

یہ تصریح ہے اس مفہوم کی جو الحرب بيننا وبينهم سجال سے مراد ہے۔

ماذا يامركم:

یہ دسواں سوال ہے۔

فقال للترجمان:

اب یہاں ہرقل ان سوالوں کے متعلق جو اس نے ابوسفیان سے کئے تھے اپنا عندیہ ظاہر کرتا ہے کہ جو سوالات میں نے کئے اور ان کے جوابات تم نے دیئے ہیں وہ نبی کے اوصاف ہوا کرتے ہیں یہاں یہ یاد رکھو کہ اس سوال کی جو ترتیب ہے ہرقل نے ان سوالوں کے

متعلق جب اپنا عندیہ ظاہر کیا تو وہ ترتیب نہیں باقی رہی بلکہ ایک دو جگہ تغیر بھی ہوگیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ہرقل کے دس سوالات اور ان کے جوابات ابوسفیان کی طرف سے دیئے ہوئے ذکر کیے گئے ہیں اور پھر ہرقل نے اپنے ہر سوال کی وجہ بیان کی۔ ان میں سے نویں سوال کی وجہ اس حدیث میں ذکر نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف نو سوالوں کی وجہ مذکور ہے۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ یہ کسی راوی کا تصرف ہے یا اس کو نسیان ہوگیا۔ ورنہ ص ۴۱۲ پر یہ حدیث دوبارہ آرہی ہے وہاں نویں سوال کی وجہ مذکور ہے۔

فكذالك الرسل:

یعنی اسی طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان میں مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ یہ اول سوال کے متعلق ہے۔

قلت رجل يطلب ملك ابيه:

یہ اس لئے کہ ملک بغیر اعوان وانصار کے تو حاصل نہیں ہوسکتا بہت ممکن ہے کہ مددگار پیدا کرنے کے واسطے یہ صورت اختیار کی ہو۔ (کہ نبوت کا دعویٰ کیا)

وسالتك هل كنتم تتهمونه بالكذب:

یہ مضمون سوالات کی ترتیب میں ساتویں نمبر پر تھا اور یہاں چوتھے نمبر پر آگیا۔

وسالتك اشراف الناس:

یہ سوالات کی ترتیب میں چوتھے نمبر پر تھا۔ یہاں پانچویں نمبر پر آگیا۔ یاد رکھو کہ جو ترقی ضعفاء سے شروع ہوکر اقویاء کی طرف جاتی ہے وہ قوی ہوا کرتی ہے اس لئے کہ وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو شہرت اغنیاء کی طرف سے ہوتی ہے وہ کمزور ہوتی ہے کیونکہ وہ محض ان کے پروپیگنڈے سے ہوتی ہے۔ (۱)

وكذالك الايمان حين تخالط:

جیسے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ایمان کی محبت قلب کی گہرائی تک پہنچ چکی تھی کہ گرم پتھروں پر احد احد کہتے تھے۔

---

(۱) اور اس کے مناسب حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ ملفوظ ہے کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہوکر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا۔ کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے حق تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملائے اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملائے اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملائے اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو بس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اول وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانے میں سب سے اچھے تھے اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے۔ اور اخیر میں اچھے اور برے سب زیر اثر آگئے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے کچھ منافقین بھی تھے اور اسی بناء پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہوچکے تھے وہ سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے بعد وہ جو احد سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی مطیع ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت بہت ہی عام ہوگئی۔ ماخوذ از کتاب ارواح ثلثة ص ۱۳۲، مطبوعه اشاعت العلوم سهارنپور شاهد غفرله۔

وکذالک الرسل لاتغدر:

ہرقل نے ابوسفیان کی اس دسیسہ کاری کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جوان سے کی تھی اس لئے یہ وہم محض تھا۔

ولم اکن اظن انه منکم:

یعنی مجھ کو یہ تو یقین تھا کہ نبی آخرالزماں پیدا ہونگے مگر یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تم میں سے پیدا ہونگے بلکہ میرا یہ خیال تھا کہ کسی حافظ توراۃ یا حافظ انجیل کے یہاں ہوں گے۔

انی اخلص الیه:

یعنی بآسانی پہنچ سکتا اور کوئی مانع نہ پیش آتا۔

لتجشمت لقائه:

تو میں ان کی ملاقات کے لئے مشقت برداشت کرتا۔

لغسلت قدمیه:

یعنی انکے قدم مبارک دھوکر پیتا۔

ثم دعابکتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم:

حضوراقدس ﷺ نے یہ والا نامہ اخیر ذی الحجہ ۶ھ میں ارسال فرمایا جو محرم ۷ھ میں پہنچا۔ کیونکہ اس وقت ہوائی جہاز وغیرہ تو تھے نہیں اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اور اب تو عشاء کی نماز بمبئی میں پڑھو اور جہاز پر سوار ہوکر فجر کی نماز جدہ میں پڑھو۔

بسم الله الرحمن الرحیم من محمد عبدالله ورسوله:

یہ حضور پاک ﷺ کے نامہ مبارک کا عنوان تھا یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے خط کا ذکر فرمایا ہے جس میں ہے اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا نام بسم اللہ پر مقدم فرمایا ہے اور یہاں حضور پاک ﷺ نے بسم اللہ کو مقدم فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط تھا اور یہ سید الرسل ﷺ کا مکتوب مبارک ہے اور دونوں کے اندر واضح فرق ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ قرآن پاک کے اندر حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا عنوان نہیں بلکہ خط تو فقط بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ہے اور جملہ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے خط کا مضمون یہ تھا اور یہی حقیقی جواب ہے۔ جب بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ تک ہرقل کے یہاں پڑھا جاچکا تو اس کا بھائی بہت خفا ہوا کہ یہ کون بے ادب ہے جس نے اپنا نام بادشاہ کے نام سے پہلے لکھا۔ ہرقل نے اس کو خاموش کردیا کہ چپ ہوجاؤ۔ اگر یہ وہی شخص ہے تو اس کو ایسا ہی لکھنا چاہئے۔

الی هرقل عظیم الروم:

اس لفظ پر بھی اس کا بھائی بہت غصہ ہوا مگر ہرقل نے اس کو خاموش کردیا کہ اگر وہ ایسا ہی ہے تو اس کو ایسا ہی لکھنا چاہئے۔

سلام علی من اتبع الهدی:

یادرکھواگر کوئی کافر سلام کرے اور اس کا جواب دینا ہو تو یہی جواب دے یعنی سلام علی من اتبع الهدی کہے اس طرح اگر کسی کافر کو سلام لکھنا ہو تو یہی لکھے۔

ادعوک بدعایة الاسلام:

دعایۃ مصدر ہے۔ دعوۃ اور دعایۃ دونوں ایک ہیں۔ بمعنی بلانا

اسلم تسلم:

علماء نے اس جملہ کو جوامع الکلم میں شمار کیا ہے کہ ایک لفظ کے اندر سب کچھ فرمادیا۔

یوتک الله اجرک مرتین:

تم روایات میں پڑھ چکے ہو اور آگے بخاری میں بھی آرہا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا اس میں ایک وہ بھی ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر میری تصدیق کر کے مجھ پر ایمان لایا۔ اس پر مزید وہاں کلام ہو جائے گا جہاں روایت آئے گی۔

فان علیک اثم الیریسیین:

یہاں پر دو نسخے ہیں ایک یریسیین یا کے ساتھ دوسرے اریسیین الف کے ساتھ اول یریس اور ثانی اریس کی جمع ہے جس کے معنی اکار کے ہیں یعنی کاشتکار کھیتی کرنے والا چونکہ اکثر اہل روم کاشتکار تھے اس لئے صرف انہی کو ذکر فرمایا اور مراد اس سے رومی ہیں۔ اور ان لوگوں کا گناہ بادشاہ پر اس لئے ہوگا کہ لوگ اپنے بادشاہوں کی اقتداء کرتے ہیں۔ اب اگر وہ ایمان لاتا تو اس کی تمام لوگ اقتداء کرتے اور اگر ایمان نہیں لاتا تو وہ بھی اس کی اقتداء میں ایمان نہ لائیں گے۔ وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا

یااهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا الآیة:

اس کے اندر اختلاف ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت تک نازل ہو چکی تھی یا نہیں یعنی حضور اقدس ﷺ نے خود تحریر فرمائی اور پھر بعد میں نازل ہوئی یا یہ کہ پہلے نازل ہو چکی تھی بعد میں آپ ﷺ نے تحریر کروائی۔ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن میں پہلے نازل ہو چکی تھی بعد میں آپ ﷺ نے اس کو تحریر کرایا۔ امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے یہاں تو انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا البتہ کتاب الجہاد میں انہوں نے اس مضمون کے تحت کہ قرآن کا ارض عدو میں لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس وقت تک یہ آیت نازل نہ ہوئی تھی بلکہ حضور پاک ﷺ کی غایت فصاحت ہے کہ جو لکھا وہی نازل ہوا جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور پاک ﷺ کے تحریر کرانے سے قبل ہی کہہ دیا تھا فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو بھی لکھ لو تو جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے ایسا جملہ نکل سکتا ہے تو آپ ﷺ کی زبان سے بدرجہ اولیٰ نکل سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ خود ان کے حق میں تو باعث شکر ہوا لیکن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح[1] یہ کہہ کر مرتد ہو گیا کہ بس جی جس کی زبان سے جو بھی اچھا کلمہ نکلا بس کہہ دیا کہ اسی کو لکھ لو۔ اس آیت پر

---

(۱) ملاحظہ ہو لامع الدراری ۳/۷۲

مزید اشکال یہ ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت ہے لہٰذا ناپاک اور جنبی کو کیوں لکھ دی گئی؟ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت شریفہ نہیں بلکہ خود حضور اکرم ﷺ کا کلام ہے اور توارد کے قبیل سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مقدار قلیل ہے اور ایک دو آیت کی گنجائش ہے۔

كثر عنده الصخب:

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہرقل تو ساری باتوں کی تصدیق کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے سیملک موقع قدمی هاتين تو وہ شور کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا۔

واخرجنا:

اس خوف سے کہ ہم پر کوئی حملہ نہ کر دے۔

لقدامر امر ابن ابی کبشة:

یعنی ابن ابی کبشہ کا کام تو بہت بلند ہو گیا کہ روم کا بادشاہ تک خوف کرنے لگا اور اس سے مراد حضور پاک ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ کی تبلیغ کا کام نہایت تیز اور بلند ہو رہا ہے اور آپ کو ابن ابی کبشہ سے تعبیر یا تو اس وجہ سے کیا کہ ابو کبشہ ایک شخص تھا جس نے عبادۃ اوثان ترک کر کے توحید اختیار کی تھی تو آپ ﷺ کو بھی توحید اختیار کرنے کی مناسبت سے اس کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ آپ ﷺ بھی اس کی تقلید کرتے ہیں جیسے کہ بیٹا اپنے باپ کی کرتا ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ابو کبشہ حضرت حلیمہ سعدیہ حضور اکرم ﷺ کی مرضعہ کے خاوند کی کنیت ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے نانا کی کنیت ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی رضاعی والدہ کے دادا کی کنیت ہے (۱) اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے آباؤ اجداد میں کسی کی کنیت ابو کبشہ تھی اس کی طرف نسبت ہے۔ غیر معروف کی طرف نسبت تحقیر و استہزاء کے لئے کی گئی۔

انه ليخافه ملک بنی الاصفر:

ارے! ابو کبشہ کے بیٹے کا کام تو اتنا پکا ہے کہ ہرقل یہاں بیٹھا ہوا باوجود اتنی بڑی سلطنت کے ڈر رہا ہے اور ہم اب تک اس سے لڑ رہے ہیں۔

فمازلت موقنا انه سيظهر:

یعنی یہ دیکھ کر کہ ہرقل بھی باوجود اتنی بڑی سلطنت ہونے کے ڈرتا ہے تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو غلبہ ہوگا۔

و كان ابن الناطور:

یہ امام زہری کا مقولہ ہے جس کو امام صاحب تکمیل قصہ کے واسطے بیان فرما رہے ہیں۔ ابن الناطور بہت بڑا عالم تھا اور کسی جگہ کا گورنر تھا۔ یہ قصہ ابوسفیان (۲) کے گزشتہ واقعہ سے پہلے پیش آیا۔

---

(۱) اس میں قدرے تجوز اختیار کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ کنیت بعض نے حلیمہ سعدیہ کے باپ کے چچا کی ذکر کی ہے۔ قال النووی نقلا عن ابن ماکولا قیل کبشة عم والد حلیمة مرضعته ﷺ انتهی۔

(۲) والیه یمیل مولانا الگنگوهی. لامع ۱/ ۱۰

صاحب ایلیاء وهرقل:

ہرقل کا عطف ایلیاء پر ہے اور ایلیاء کی طرف مضاف کرنے کی صورت میں صاحب کے معنی گورنر کے ہوں گے اور ہرقل کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں ساتھی اور دوست کے معنی ہوں گے۔ بطریق عموم مشترک یا عموم مجاز کے۔ ایلیاء یہ سریانی لفظ ہے علماء نے اس کے معنی بیت اللہ کے لئے ہیں اس طرح پر کہ ایل بمعنی اللہ اور یاء کے معنی بیت کے ہیں جبرئیل وغیرہ کے اخیر میں جو ایل ہے اس کے معنی بھی اللہ ہی کے ہیں۔

سقف علی نصاری الشام:

یعنی اسقف بنا دیا گیا شام کے نصاری پر۔ اسقف ہمارے یہاں پوپ کو کہتے ہیں تو گویا بہت بڑا پوپ اور پادری تھا۔ یہ لفظ تین طرح پڑھا گیا ہے۔ اسقف رفع کے ساتھ اس صورت میں خبر ہوگی مبتدا محذوف کی۔ دوسرے سقفا بحالت نصب اس وقت خبر ہوگی کان ابن الناطور کی اور تیسرے سقف علی بناء المفعول۔ یعنی ان پر پوپ مقرر تھا، سب کا باوا تھا۔

حین قدم ایلیاء:

ہرقل اس وقت بیت المقدس بغرض ادائے شکر آیا ہوا تھا۔

فقال بعض بطارقته:

بطارقہ بطریق کی جمع ہے جس کے معنی اخص الخواص کے آتے ہیں۔

حزاء:

یعنی ہرقل نجومی تھا۔

ملک الختان:

سے مراد وہ لوگ ہیں جو ختنہ کرتے ہیں۔

انی رایت اللیلة حین نظرت فی النجوم ان ملک الختان قد ظهر:

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اگر ہرقل کو ملک الختان کا ظہور دیکھنا تھا تو وہ حضور پاک ﷺ کی ولادت مبارکہ کے وقت دیکھتا یا جب آپ ﷺ پر غار حرا میں جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اس وقت دیکھتا۔ اب جب کہ نبوت کو ملے ہوئے تیرہ سال ہو گئے اور حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ بھی شریف لے گئے اور ٦ھ میں صلح حدیبیہ بھی واقع ہوگئی اور آپ ﷺ نے والا نامے روانہ فرمانے شروع کئے تو اتنی مدت کے بعد ملک الختان قد ظهر کا کیا مطلب ہے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ظہور سے مراد بعثت نہیں بلکہ اس سے غلبہ مراد ہے کیونکہ اسی سال صلح حدیبیہ سے واپسی پر آیت کریمہ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً نازل ہوئی تھی تو صلح حدیبیہ مقدمة الفتح بنی اور مقدمة الشی شیء کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔

لیس یختتن الا الیهود:

یہاں صرف یہود کو ذکر کر دیا کیونکہ اہل عرب ان کے یہاں کچھ شمار ہی نہیں ہوتے تھے اور جو کچھ ان کو حاصل ہوا وہ سب حضور ﷺ کی بدولت حاصل ہوا۔

فلایھمنک شانھم:

یعنی یہود سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ کون سے شان وشوکت والے ہیں۔ ان کے ختم کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اکتب الی مدائن ملکہ یعنی اپنے ملک کے شہروں میں ایک حکم لکھ کر بھیجد و کہ وہ ان سب کو قتل کر دیں۔ مدائن مدینہ کی جمع ہے جس کے معنی شہر کے ہیں۔

ثم کتب ھرقل الی صاحب لہ برومیہ:

ان صاحب کا نام ضغاطر ہے جب ہرقل کا خط ان کے نام پہنچا تو یہ اس کو پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے لیکن ان کی قوم نے ان کو وہیں قتل کر دیا۔

حتی اتاہ کتاب من صاحبہ یوافق رأی ھرقل:

ضغاطر کے پاس جب ہرقل نے خط لکھا تو اس نے ہرقل کو لکھا اور جو اس کی رائے تھی کہ وہ نبی ہیں سب کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گیا۔ اس کی قوم نے اس کو قتل کر دیا۔

دسکرہ:

یعنی بڑا محل اور قصر۔

فغلقت الابواب:

دروازے بند کر دیئے گئے اور کنجیاں (تالیاں) اپنے پاس رکھ لیں اور اونچی جگہ پر چڑھا بیٹھا تھا ثم اطلع پھر وہاں سے ان کی طرف جھانکا اور قوم سے خطاب کر کے کہنے لگا۔ ھل لکم فی الفلاح یعنی اگر تم دنیا و آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو نبی ﷺ کی اقتدا کرو۔ اگر تم نے ان کی اقتدا نہ کی تو ملک تو ہاتھ سے جاوے گا ہی آخرت کا بھی ناس ہو جائے گا۔

فوجدوھا قدغلقت:

اور کنجیاں ملی نہیں اس لئے کہ ہرقل نے اپنے پاس رکھ لی تھیں اور خود اوپر محفوظ جگہ میں بیٹھ گیا تھا۔ اگر کہیں نیچے ہوتا تو پیس ڈالتے۔

فکان ذالک آخر شان ھرقل:

ہرقل کے ابتدائی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کے آخری مقولہ اختبر بھا شدتکم علی دینکم نے تمام کلام پر پانی پھیر دیا۔ اب اس کے اندر اختلاف ہو گیا کہ وہ مسلمان تھا یا نہیں فکان ذالک سے امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ تم خود فیصلہ کر لو کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر میں پہنچ سکتا تو ضرور جاتا اور قدموں کو دھو کر پیتا اور ان کا غلبہ یہاں تک ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اس کے بالمقابل اس کا یہ کہنا کہ میں تو تمہاری شدت علی الدین دیکھ رہا تھا اور باوجود اظہار دین پر قادر ہونے کے اس کو ظاہر نہ کیا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی یہ سب باتیں چاہتی ہیں کہ وہ کافر ہو۔ جہت اولیٰ کو دیکھ کر بعض علماء جیسے حافظ ابن عبدالبر صاحب استیعاب کی رائے یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اس نے جو یہ کہا اختبر بھا شدتکم علی دینکم یہ اپنی جان بچانے کے واسطے کہا تھا۔ اور اکثرین کی رائے جہت ثانیہ کو دیکھتے ہوئے یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا اگر چہ اس نے اسلام کی تمنا کی۔ لیکن محض تمنا سے کام نہیں ہوتا۔ ان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے مقابلہ میں جنگ موتہ ۶ھ میں ایک لشکر بھیجا تھا اور بعض ضعیف روایات میں ہے کہ جنگ تبوک میں بھی اس نے حضور ﷺ کے مقابلہ میں ایک لشکر بھیجا تھا مگر جب دیکھا کہ

کافروں کو ناکامی ہو رہی ہے تو اس نے آپ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تھا کہ میں مسلمان ہوں مگر کیا کروں جان کے خوف سے ظاہر نہیں کرتا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ **کذب عدو اللہ** مگر یہ روایت محدثین کی شرط کے مطابق نہیں۔

مگر اب یہاں ایک بات سنو! حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کی تیرہویں جلد کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بخاری شریف کے اندر مختلف باریکیاں اور دقائق ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ ہر کتاب کے ختم پر امام بخاری ایسا لفظ کہتے ہیں جس سے کتاب کے ختم پر اشارہ ہو چنانچہ حافظ نے ساری بخاری چھان ماری اور ہر کتاب کے آخر میں کوئی ایسا لفظ بتلا دیا جس سے اختتام کتاب کی طرف اشارہ ہو۔ جیسے یہاں **فکان ذلک اخر شان ھرقل** سے آخر کتاب کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں نے لامع کے مقدمہ میں حافظ کی اس رائے کو ہر باب کے آخر میں لکھ کر اپنی رائے بھی لکھی ہے کہ میرے نزدیک امام بخاری کا مقصود کتاب کے ختم کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ تم لوگوں کے اختتام کی طرف متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی **اکثروا ذکرھا ذم اللذات** تو ایسے ہی یہاں بھی **اخر شان ھرقل** الخ سے متنبہ کر دیا کہ اس کا انجام تو یہ ہوا کہ یا جنت ہے یا دوزخ تم بھی اپنے انجام کو سوچو اور اپنی شان آخرت کا خیال کرو۔ موت کو یاد کرو کہ وہ آنے والی ہے۔ لہٰذا خیرات اختیار کرو۔ حدیث پاک تو ختم ہوگئی۔ اب رہا یہ کہ اس کو باب سے کیا مناسبت ہے؟ اس کے جوابات سنو:

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے **کیف کان بدؤ الوحی** کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور اس روایت میں موحی الیہ ﷺ کا تذکرہ ہے لہٰذا بطور تکملہ کے اس کو ذکر فرمایا۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بھی وحی کے ابتدائی زمانوں میں پیش آیا اس لئے اس واقعہ کو بدؤ الوحی کے ساتھ نسبت و تعلق ہے۔ (۱)

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے اندر آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہرقل کے سوالات کے جوابات میں آیا ہے اور ابتدائے وحی اخلاق حمیدہ پر ہوئی تھی اس مناسبت سے اس باب کے اندر یہ حدیث ذکر کر دی گئی۔

چوتھا جواب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ باب کی غرض عظمت وحی کو بیان کرنا ہے اور حدیث ہرقل میں حضور ﷺ کے اوصاف عالیہ کو بیان کیا گیا جس سے آپ کی عظمت معلوم ہوتی ہے اور موحی الیہ کی عظمت سے وحی کی عظمت خود ظاہر ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ یوں منعقد فرمایا ہے۔ **کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عزوجل** إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّۦنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ اور رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو اپنے والا نامے میں يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا الآیۃ لکھوایا تھا تو آپ ﷺ نے ان کو **الکلمۃ السواء** کی دعوت دی تھی اور **الکلمۃ السواء** خود ترجمہ میں مذکور ہے اس لئے کہ وہی حضرات انبیاء علیہم السلام کا کلمہ ہے کہ سارے جس کے داعی بنا کر بھیجے گئے تھے یعنی کلمہ توحید۔

---

(۱) اس جواب کی توضیح یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصود وحی کے ابتدائی احوال کو بیان کرنا ہے کہ وحی ابتدائی امر میں کن کن منازل سے گزری ہے اور کیا کیا حالات پیش آئے ہیں۔ اب اس صورت میں احوال ابتدائیہ میں حدیث ہرقل بھی داخل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ واقعہ بھی ابتداء احوال میں پیش آیا جیسے کہتے ہیں کہ اسلام ابتداء امر میں غریب تھا اس کو کوئی قبول نہیں کرتا تھا اور جو کوئی قبول کرتا تو اس کی مخالفت ہوتی تھی یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے اوطان سے نکال دیا گیا، حاصل یہ ہے کہ ابتداء سے ابتداء آنی مراد نہیں بلکہ ابتداء زمانی ممتد مراد ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الایمان

تمام بخاری شریف میں کبھی کتاب سے قبل اور کبھی کتاب کے بعد بسم اللہ آئے گی جیسا کہ یہاں باب کے بعد ہے اور اس سے قبل باب سے پہلے تھی۔ اور بعض جگہ بالکل بے جوڑ بھی بسم اللہ آئے گی۔ حالانکہ نہ وہاں باب شروع ہوگا اور نہ کوئی دوسرا علیحدہ مضمون۔ اس کی وجہ تو اسی مقام پر بیان کی جائے گی جہاں وہ بے جوڑ آئے گی۔ لیکن جس جگہ باب سے قبل اور باب کے بعد بسم اللہ آئی ہے اس کی وجہ ہمارے نزدیک اختلاف نسخ ہے کہ کسی نسخہ میں باب سے پہلے ہے اور کسی دوسرے نسخہ میں باب کے بعد ہے۔

اب یہاں یہ سنو! کہ اصحاب جوامع یعنی محدثین اپنی کتاب کے اندر حدیث کے ابواب ثمانیہ کو ذکر کرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جامع کو کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں مثلاً مشکوۃ شریف اور مسلم شریف وغیرہ اور خود حضرت امام بخاری بھی اصحاب جوامع میں سے ہیں چنانچہ انہوں نے بخاری شریف کو کتاب الایمان سے اگر چہ شروع فرمایا ہے مگر ایک جدت یہ پیدا فرمائی کہ کتاب الایمان پر وحی کے باب کو مقدم کردیا۔ اس کی وجہ امام بخاری کی دقت نظر ہے وہ اپنی دقت نظری سے لطائف وحکم کی طرف اشارہ فرماتے رہتے ہیں جو ان کی کتاب میں کثرت سے آئیں گے اور انشاء اللہ میں متنبہ بھی کروں گا۔ یہاں امام بخاری نے باب وحی کو کتاب الایمان پر اس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مقدم فرمادیا کہ ایمانیات کے اندر معتبر وہ ہے جو بواسطہ وحی کے ہو۔ ایمان باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی لغت میں تصدیق کے ہیں۔ قال اللہ تعالی وَمَا اَنتَ بِمُؤمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ اور اس کا مادہ امن ہے۔ تو گویا کہ مومن مؤمن بہ کو بتلا دیتا ہے کہ تو ہماری طرف سے تکذیب سے مامون ہے اور جب وہ مومن یعنی ایمان لانے والے کی طرف سے مامون ہوگیا کہ اس کی تکذیب نہیں کرسکتا تو اب اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرے۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان نام ہے تصدیق الرسول ﷺ بما جاء به کا۔ اب اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب اس میں چار مذہب مشہور ہیں۔ بلکہ پانچ مذہب کہہ لو۔ اور علامہ عینی نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مذاہب شمار کرائے ہیں۔

سب سے پہلا مذہب مرجیہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے اور نام ہے تصدیق قلبی کا۔ اب چونکہ ان کے نزدیک ایمان بسیط ہے اس لئے وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو بشارتیں مؤمن کے واسطے نازل ہوئی ہیں وہ ان کا مستحق ہے اس لئے کہ اس کے اندر وہ حقیقت بسیط موجود ہے اور اعمال صالحہ کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی افعال سیئہ مضر ہیں۔ ان کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا ارشاد وان زنی وان سرق الخ ہے۔ دوسرا مذہب ان کے برخلاف خوارج اور بعض معتزلہ کا ہے کہ ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی اور اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اعمال کو چھوڑ دے تو وہ کافر ہوگا۔ اسی طرح ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر خارج عن الاسلام ہے ان کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ہے۔

تیسرا مذہب اکثر بین معتزلہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے تصدیق اور اقرار و اعمال سے۔ مگر مرتکب کبیرہ حد اسلام سے تو خارج ہے لیکن کفر کے اندر داخل نہیں ہوگا یہ لوگ اسلام سے تو اس لئے خارج مانتے ہیں کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں اور کفر میں اس لئے داخل نہیں کرتے کہ توحید موجود ہے۔

چوتھا مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے۔ پھر ان میں بھی دو فریق ہیں اسی لئے میں نے پہلے یہ کہا تھا کہ چاہے یہ کہہ لو کہ مشہور مذہب پانچ ہیں۔ مگر چونکہ ان دونوں میں فی الواقع کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے اس لیے اولا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ چار مذہب مشہور ہیں۔ بہر حال اول فریق تو حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اتباع رحمہم اللہ کا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار شرط ہے۔ یہی روایت راجح ہے اس کے بالمقابل ایک مرجوح روایت بھی ہے کہ اقرار (بجائے شرط کے رکن ہے) مگر راجح یہ ہے کہ شرط ہے اور خارج ہے حقیقت ایمان سے۔ اور باقی اعمال مکمل ایمان ہیں اس کے اجزاء نہیں چونکہ حضرت امام ابوحنیفہ ایمان کو بسیط مانتے ہیں اس لئے بعض حضرات نے امام صاحب کو مرجیہ کے اندر شمار کیا ہے مگر یہ شمار غلط ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بتلا دوں گا۔

دوسرا فریق محدثین کرام اور حضرات شافعیہ وغیرہ کا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی، اقرار باللسان اور اعمال جوارح سے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں فریقوں میں بالکل تضاد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے درمیان جو بسیط و مرکب ہونے میں اختلاف ہے یہ صرف لفظی ہے اور تعبیرات کا فرق ہے۔ وہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان اس وجہ سے مرکب ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے بنی الاسلام علی خمس الخ اور الایمان بضع وثلاثون شعبة الخ وغیرہ وغیرہ اور حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ سب ایمان کے مکملات ہیں۔ اختلاف لفظی ہونے کا معنی یہ ہے کہ احناف یہ نہیں کہتے کہ تارک اعمال سیدھا جنت میں جائے گا جیسا کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا۔ پھر اس کے بعد اس کو نجات ملے گی۔ اور حضرات محدثین وشافعیہ وغیرہ کا عقیدہ ہے کہ تارک اعمال جہنم میں جائے گا مگر مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ تو دونوں کے قول کا مآل ایک ہی نکلا کہ تارک اعمال جہنم میں جائیگا اور اپنے ایمان کی وجہ سے آخر کار ناجی ہوگا بخلاف مرجیہ کے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تارک اعمال کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور وہ صرف اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔ بس یہی فرق ہے امام صاحب اور مرجیہ کے مذہب میں۔ اسی لیے امام صاحب کو مرجیہ میں شمار کرنا غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ نہ معلوم محدثین کے نزدیک اعمال کے کس طرح اجزاء ہیں؟ پھر خود ہی جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اعمال کو اجزاء شمار کرنے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہاتھ پیر اور انگلیاں، ناک، کان وغیرہ یہ سب انسان کے اجزاء ہیں کہ انسان ان سارے اجزاء کے باقی ہوتے ہوئے بھی انسان ہی کہلائے گا اور اگر ہاتھ، پیر یا ناک، کان وغیرہ کاٹ لئے جائیں جب بھی وہ انسان ہی ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ کامل انسان ہوگا اور ثانی صورت میں ناقص انسان۔ بالکل اسی طرح ایمان اعمال کے ساتھ کامل ہے اور ان کے بغیر ناقص ہے۔ یہی احناف کا بھی مسلک ہے کہ اعمال ایمان کے لئے مکمل ہیں۔ اسی وجہ سے جن مقامات میں ایمان کی زیادتی و کمی وغیرہ کی احادیث مروی ہیں وہاں احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ کمال ایمان پر محمول ہے ورنہ اگر اعمال کو ایمان کا حقیقی جزء مان لیا جائے تو پھر اعمال نہ ہونے کی صورت میں ایمان ہی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ انتفائے جزء انتفائے کل کو مستلزم ہوتا ہے۔ حضرت امام بخاری چونکہ محدثین میں سے ہیں اس لئے انہوں نے ایمان کے ذو اجزاء اور زیادۃ ونقصان کے قبول کرنے پر باب منعقد فرمائے ہیں اور قرآنی آیات اور دوسرے دلائل کے ذریعہ مرجیہ اور خوارج پر رد کیا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں

کہ احناف پر رد کرنا امام کا مقصد ہے یہ غلط ہے۔ کسی شارح نے خواہ وہ شافعی ہو یا مالکی یا حنبلی یہ نہیں کہا کہ امام بخاری ان ابواب سے احناف پر رد فرماتے ہیں بلکہ وہ مرجیہ پر رد کرتے ہیں اور خوب زور سے تردید کرتے ہیں۔ یہی نووی، کرمانی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی علامہ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بھی فرماتے ہیں البتہ کہیں کہیں معتزلہ پر بھی رد فرمایا ہے۔ آج کل کے اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری احناف پر ان ابواب کے ذریعہ سے رد کرتے ہیں، یہ لوگ یا تو جاہل ہیں یا تجاہل برتتے ہیں جیسا کہ میں بیان کروں گا۔

اب یہ کہ امام بخاری نے مرجیہ پر کیوں اتنا زور باندھا اور معتزلہ پر کہیں کہیں رد فرمایا حالانکہ دونوں فرق باطلہ کے اندر داخل ہیں۔ اس کی وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ معتزلہ کے مذہب میں یہاں (دنیاوی حیثیت سے) کوئی نقصان نہیں آخرت میں جو بھی انجام ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک تارک اعمال ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ لہٰذا معتزلی تو اعمال کو چھوڑ ہی نہیں سکتا اس ڈر سے کہ کہیں ایمان سے نہ نکل جاؤں اور مرجیہ کے یہاں اعمال کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے ان پر شدت سے رد فرمایا۔

باب الایمان وقول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس

امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاء اور قابل زیادۃ ونقصان ہونے کو ثابت کرنا شروع کر دیا، فرماتے ہیں کہ **بنی الاسلام علی خمس** الخ جب ایمان پانچ چیزوں پر مبنی ہے تو ظاہر ہے کہ ذو اجزاء ہوگا اب جہاں وہ اجزاء پورے ہوں گے وہاں کمال ایمان ہوگا اور جہاں وہ اجزاء پورے نہ ہوں گے وہاں نقصان ہوگا لہٰذا زیادتی اور نقصان ثابت ہوگئی۔ اب یہاں **بنی الاسلام علی خمس الحدیث** پر ایک اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ جب اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے تو یہ اسلام مبنی ہوگا اور اشیاء خمسہ مبنی علیہ ہوں گی اور قاعدہ یہ ہے کہ مبنی مبنی علیہ کا غیر ہوتا ہے لہٰذا لازم آیا کہ اسلام کوئی اور چیز ہے اور یہ اشیاء خمسہ اس کے مغائر ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جواب یہ ہے کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ حروف جارہ ایک دوسرے کے قائم مقام استعمال ہو جاتے ہیں تو یہاں **علی، من** کے معنی میں ہے یعنی **بنی الاسلام من خمس**. اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے اسلام کو **تقریب الی الفهم** کے واسطے ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس میں ایک ستون درمیان میں ہو اور چار کنارے کنارے، شہادت تو بمنزلہ عمود کے اور یہ چاروں ستون بمنزلہ اطناب کے ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ رہے گا تو وہ جگہ ناقص رہے گی اور اگر عمود گر جائے تو خیمہ ہی باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر شہادت نہ رہی تو ایمان ہی نہیں رہے گا جیسے عمود گر جانے کے بعد خیمہ باقی نہیں رہتا۔

وهو قول وفعل:

جب ایمان قول وفعل کے مجموعے کا نام ہے تو مرکب ہوا اس لئے کہ قول ایک جزء ہے فعل دوسرا جزء ہے۔

ويزيد وينقص:

امام بخاری نے ترجمہ کو تین چیزوں سے مرکب فرمایا ہے اول **بنی الاسلام علی خمس** دوسرے **قول وفعل** تیسرے **يزيد وينقص** سے۔ درحقیقت یہ تینوں ایک دوسرے کی تائید وتقویت اور توضیح وتبیین کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بناء علی الخمس ترکیب پر دلالت کرتا ہے اور قول وفعل کا مجموعہ ہونا بھی ترکیب ہی ہے اور زیادۃ ونقصان بھی مرکب ہی میں ہوا کرتا ہے۔

موجودہ زمانے کے اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس جملہ سے حنفیہ پر رد کیا ہے اس لئے کہ احناف بساطۃ

ایمان کے قائل ہیں اور امام بخاری ایمان کو ذو اجزاء ثابت فرما رہے ہیں جب ہی تو زیادۃ ونقصان کو قبول کرے گا مگر یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت امام بخاری حنفیہ پر رد فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے لئے اذعان قلبی ضروری ہے بغیر اس کے مؤمن ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی کو اذعان نہ ہو بلکہ اس میں نقصان ہو مثلاً شک ہو تو وہ کسی کے یہاں بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہاں یقین کے درجات مختلف ہیں مثلاً اس بات کا یقین کہ کلکتہ ایک شہر ہے ایک شخص کو بھی ہے جس نے اس کو دیکھا نہیں اور اس کو بھی ہے جس نے دیکھا ہے مگر دونوں کے یقین کے اندر فرق ہے اسی طرح ایمان ہے کہ وہ تو نفس تصدیق کا نام ہے لیکن اس میں مکملات کے ذریعہ زیادتی ہوتی رہتی ہے بخلاف مرجیہ کے کہ وہ بالکل کسی قسم کی زیادتی کے قائل نہیں لہٰذا ان پر رد ہوا۔ اور حنفیہ پر تو کسی حال میں بھی رد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بھی اس کے لئے اجزائے مکملہ مانتے ہیں اور جو لوگ اس کے لئے اجزاء ثابت کرتے ہیں وہ ان کو اجزائے حقیقیہ نہیں مانتے۔

قال الله تعالىٰ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَاناً:

اب یہاں سے حضرت امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاء اور قابل زیادۃ ونقصان ہونے کو ثابت کرنے کے لئے دس آیات ذکر فرمائی ہیں آٹھ آیات تو ایک جگہ متصلاً بیان فرما دیں اور دو اس کے بعد آ رہی ہیں جب ان آیات سے زیادۃ ایمان ثابت ہو گی تو نقصان بھی ثابت ہو گا اس لئے کہ زیادۃ مستلزم ہے نقصان کو، زیادتی اسی شے میں ہو سکتی ہے جس کے اندر نقصان بھی ہو سکتا ہو۔

وَزِدْنَاهُمْ هُدًى:

ہدیٰ سے مراد ایمان ہے جب ایمان میں زیادتی ثابت ہو گئی تو نقصان بھی ثابت ہو گیا۔

اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ اِيْمَانًا:

جب قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی تھیں تو کفار مومنین سے پوچھا کرتے تھے کہ اس آیت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے۔

والحب فى الله و البغض فى الله:

حضرت امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی روایت جب ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی اور اس کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو حضرت امام اس کی طرف ترجمہ میں ارشاد فرما دیتے ہیں چنانچہ الحب فى الله و البغض فى الله. یہ ابوداؤد کی روایت ہے اس سے امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاء ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ وہ اس طرح کہ حب وبغض کلی مشکک ہے۔ اس کے ہزاروں درجے ہیں ایک محبت تو وہ ہے جس کے متعلق متنبی کہتا ہے کہ سودائے قلب کے اندر ہے اور ایک وہ ہے جو راہ چلتے ہوئے ہو جائے اور ایک عداوت یہ ہے جان سے مارنے کے لئے تیار ہے اور ایک یہ ہے کہ وقتی طور پر غصہ آ جائے۔ جیسے ایک آدمی کسی بزرگ کے یہاں گیا کہ مجھ کو محبت کا تعویذ دیدو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی محبت کا تعویذ تو مجھ کو آتا نہیں ہاں البتہ عداوت کا آتا ہے۔ اس نے یہ سوچ کر کہ محبوبوں اور ان کے رقیبوں میں تفریق پیدا کیا کروں گا۔ یہ کہا کہ پھر عداوت ہی کا دیدو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ آنکھ بند کر اور منہ کھول۔ اس نے منہ کھول کر آنکھ بند کر لی۔ ان بزرگ نے ایک مٹھی مٹی کی لے کر اس کے منہ میں ڈال دی۔ اس کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا یہ کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ (عداوت) ہاتھ کے ہاتھ حاصل ہو گئی اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔ تو بہر حال اس کو غصہ تو آ گیا مگر ساتھ ہی ساتھ ختم بھی ہو گیا۔ اور

جب محبت فی اللہ اور عداوت فی اللہ ایمان سے ہیں اور اس کے اندر مراتب ہیں تو ایمان کا قابل زیادۃ ونقصان ہونا ثابت ہو گیا۔

و کتب عمر بن العزیز:

یہ وہی عمر بن عبدالعزیز ہیں جن کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا۔ ور جو عمر ثانی کہلائے ان کی مدت خلافت دو سال کے قریب رہی۔ جہاں انہوں نے بہت سے احکامات نافذ فرمائے تھے۔ان میں ایک یہ بھی تھا جو عدی بن عدی کے پاس لکھا تھا کہ ان للایمان فرائض الصلوۃ والصوم والشرائع ای عقائد وحدودا ای المنہیات وسننا ای المندوبات فمن استکملھا استکمل الایمان.

جب ایمان کے اندر اتنی چیزیں ہیں تو ایمان کا ذو اجزا ہونا اور قابل زیادت ونقصان ہونا ثابت ہو گیا۔ترکیب تو اس لئے کہ انہوں نے چار چیزیں شمار کرائیں اور زیادتی اور نقصان کا قبول کرنا اس طرح سے ثابت ہو گیا کہ ان میں سے جتنے اجزاء پائے جائیں گے اتنا ہی ایمان کامل ہوگا اور جتنے یہ اجزاء کم ہوں گے اتنا ہی ایمان ناقص ہوگا۔

آگے چل کر فرمایا فمن استکملھا الخ یہ بین دلیل ہے کہ امام بخاری کا مقصود حنفیہ پر رد کرنا نہیں کیونکہ احناف اعمال کو مکملات ایمان میں سے قرار دیتے ہیں اور خود اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ ان حدود وشرائع کے اختیار کرنے سے ایمان کے اندر کمال پیدا ہوتا ہے۔ اب رہا یہاں پر یہ سوال کرنا کہ سنن مؤکدات اور غیر مؤکدات دونوں کو شامل ہیں یا نہیں؟ تو اس کی بحث وہاں ہوگی جہاں ایمان کی تفسیر ھو التصدیق بجمیع ما جاء به رسول الله ﷺ کے ساتھ کی گئی ہے۔تو اب سوال ہوگا کہ جمیع میں فرائض بھی داخل ہیں یا نہیں سنن بھی داخل ہیں یا نہیں۔اگر ہیں تو موکدات یا غیر موکدات یہاں تو ساری مراد ہیں فمن استکملھا استکمل الایمان کی وجہ سے اس لئے کہ استکمال ایمان سب ہی کے اندر ہے۔

ولکن لیطمئن قلبی:

یہ بھی دلیل ہے ایمان کی ترکیب کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے متعلق سوال کیا اگر چہ یہ علم اور ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ احیاء پر قادر ہیں جیسا کہ آیت کریمہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی سے ظاہر ہے لیکن اپنے اس ایمان ویقین کے اندر زیادتی پیدا کرنے کے لئے سوال فرمایا۔اس سے پتہ چلا کہ ایمان کے اندر زیادتی ہوتی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان تھا طمانیت قلب اور زیادۃ فی الیقین کے واسطے احیائے اموات کا سوال فرمایا تھا اسی لئے سوال کے اندر رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی فرمایا یعنی کیفیت احیاء کے متعلق سوال فرمایا۔نفس احیاء کے متعلق سوال نہیں کیا اور یہ نہیں کہا رَبِّ اَرِنِی الاحْیَاءَ

اب یہاں اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کو ماقبل کی آیات میں کیوں ذکر نہیں فرمایا علیحدہ کیوں ذکر کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات ثمانیہ کے اندر صراحۃً زیادتی کا ذکر ہے اور اس کے اندر زیادتی کی تصریح نہیں بلکہ استنباطی طور پر زیادتی معلوم ہوتی ہے۔اور یہ جو بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ اس آیت کریمہ کو آثار کے ذیل میں اس لئے ذکر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے یہ درست نہیں اس لئے کہ نبی تو پھر نبی ہیں اگر یہی وجہ تھی تو ان کے قول کو آثار پر مقدم کرنا چاہئے تھا۔

وقال معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلس بنانؤمن ساعة:

اس سے بھی زیادتی ایمان ثابت فرمارہے ہیں کیونکہ حضرت معاذ پہلے سے مسلمان تھے پھر ان کے نومن ساعة کہنے کا کیا

مطلب ہوگا۔ یہی تو کہ ذرا بیٹھو اللہ کا ذکر کریں جس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ ہمارے ایمان میں زیادتی ہوگی۔

وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ الیقین الایمان کله:

امام بخاریؒ نے اس سے بھی ترکیب ایمان پر استدلال کرلیا دو طریق سے، اول یہ کہ یہاں ایمان کی تاکید لفظ کل کے ذریعہ سے لائی گئی ہے اور تاکید بلفظ کل ذو اجزاء شے کی لائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان ذو اجزاء یعنی مرکب ہے۔ دوسرے یہ کہ اس جملہ کے اندر یقین کو ایمان کہا گیا ہے اور مراتب یقین مختلف ہیں۔ اس سے بھی ترکیب ثابت ہوگئی۔ لیکن یہ حنفیہ پر وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ تو خود کہتے ہیں کہ ایمان کامل ہی نہیں ہوتا مگر ان سارے اعمال کے ادا کئے بغیر جو مامور بہا ہیں۔

وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لایبلغ العبد حقیقة التقوىٰ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بندہ حقیقت تقویٰ کو پہنچ ہی نہیں سکتا جب تک کہ ان شبہات کو نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتے ہوں۔ یہ قول ماخوذ ہے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد دع مایریبک الی مالایریبک سے۔ تقویٰ سے مراد ایمان ہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی ترکیب ایمان پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ تقویٰ کی حقیقت اور اس کی کنہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بعض وہاں تک نہیں پہنچتے۔

وقال مجاهد شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا:

حضرت مجاہد یہاں سے شرع لکم الایۃ کی تفسیر فرمارہے ہیں کہ ہم نے اے محمد! آپ کو اور حضرت نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل کے ادیان اور اس دین کے اندر جزئیات میں بڑا فرق ہے۔ پھر بھی ایک دین فرمارہے ہیں معلوم ہوا کہ ایمان مرکب شئے ہے۔

اوصیناک یامحمد و ایاه:

یہ مصنف نے ماوصی به نوحا کی تفسیر فرمائی ہے بعض شراح حدیث کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر وایاہ صحیح نہیں بلکہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح انبیائه ہے اس لئے کہ آیت کریمہ میں اور نبیاء کا بھی تذکرہ ہے۔ حافظ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں آیت کے اتنے ہی ٹکڑے کی تفسیر کرنی مقصود ہے لہٰذا ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف ہی راجع ہے کیونکہ آپ ﷺ کے بعد ان کا ذکر ہے اور باقی انبیاء تبعاً داخل ہوگئے ہیں اور پھر قاطبۃً سارے نسخے اس پر متفق ہیں لہٰذا محض احتمال کی وجہ سے کتاب کو غلط نہیں کہا جائے گا۔

وقال ابن عباس شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا:

بعض علماء نے قال مجاهد سے لے کر سبیلا وسنة تک ایک استدلال شمار کیا ہے یعنی ان دونوں آیتوں کے ملانے سے ایمان کی ترکیب ثابت ہوگی کہ تمام انبیاء کا ایمان اور دین اصولی اعتبار سے ایک ہے لیکن فروعی اعتبار سے وہ مختلف طریقوں اور شعبوں سے مرکب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے مختلف طریقے پیدا فرمائے ہیں اسی سے ترکیب ثابت ہوگئی۔ لیکن چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ان آیات کے ذکر کرنے سے حضرت امام کا مقصود ان دونوں آیات کے درمیان تطبیق دینا ہے کہ اول آیت شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ الایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے اور دوسری آیت لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً الایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ہرایک کے لئے دین، طریقے، راستے الگ الگ بنائے تو دونوں آیات کے اندر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اسی کو امام بخاری دفع فرمار ہے ہیں کہ اول آیت سے جو دین کا اتحاد معلوم ہوتا ہے وہ اصولی اعتبار سے ہے اور فروعی اعتبار سے اتحاد نہیں بلکہ اختلاف ہے کہ بعض احکام میں کسی کے یہاں سختی ہے کسی کے یہاں نرمی۔ اور بعض علماء نے شرعة و منهاجا کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے متعلق کہا ہے کہ تمہارے لئے مختلف احکام مقرر فرمائے گئے ہیں مسافر کے لئے اور مقیم کے لئے اور صحیح کے لئے علیحدہ مریض کے لئے علیحدہ۔

اب یہاں پھر وہی سوال ہے کہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت اور ان کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کا ذکر آیت کریمہ میں کیوں نہیں ہے حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل بھی انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں اس کے بہت سے جوابات تو میں ابتداء کتاب میں دے چکا ہوں البتہ یہاں کے زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ آپ کو احکام تکلیفیہ دیئے جائیں گے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو دیئے گئے۔

ودعاؤكم ايمانكم:

اس سے بھی حضرت امام بخاری وہی ثابت فرمار ہے ہیں جو ابتدائے باب سے اب تک ثابت کرتے آئے ہیں۔ اس جملہ سے سورۂ فرقان کی آیت قُلْ مَايَعْبَأُبِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَائُكُمْ کی طرف اشارہ ہے اور دعا کی تفسیر ایمان سے کی ہے اور دعا کے اندر کمی زیادتی ہوتی ہے لہٰذا ایمان میں بھی کمی زیادتی ہوگی جو مرکب کا خاصہ ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اس لئے کہ اس تفسیر کی بناء پر دعا کا اطلاق ایمان پر کیا گیا ہے اور دعا ایک عمل ہے۔

اس مقام پر بعض نسخوں میں باب دعاء كم وايمانكم ہے۔ مگر اس نسخے کا محققین شراح مثلاً حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ کرمانی رحمہم اللہ نے انکار فرمایا ہے اور اس کی دو وجہ ہیں، اول یہ کہ اس باب کے تسلیم کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ باب سابق بلا روایت ہی کے رہ جائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو روایت اس کے بعد مذکور ہے وہ اس کے مطابق نہیں بلکہ سابق کے موافق ہے کیونکہ باب کے اندر حدیث بنی الاسلام علی خمس مذکور ہے اور یہ روایت بنی الاسلام علی خمس ہی کی ہے۔ اس روایت پر میں باب کے شروع میں کلام کر چکا ہوں۔

باب امور الايمان

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمۃ ان امور ایمانیہ اور اجزاء مختلفہ وانواع متفرقہ کا ذکر شروع کرتے ہیں جن کی بناء پر مصنف نے ترکیب ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا کہ وہ ذواجزاء اور ذوشعب ہے۔ اب یہاں ایک بات غور سے سنو! وہ یہ کہ ان سارے ابواب میں جو آئندہ آرہے ہیں تین باتیں ہر جگہ چلیں گی۔ پہلی بات تو شراح کی ہے کہ حضرت امام بخاری جب کسی شئے کے اثبات پر اتر آتے ہیں تو اس کو مختلف طور پر ثابت فرماتے ہیں۔ اب چونکہ حضرت امام بخاری کو ترکیب ایمان ثابت کرنی ہے اس لئے اس کو طرح طرح سے ثابت فرمار ہے ہیں۔ دوسری بات میرے والد صاحب کی ہے جو انہوں نے اپنے سبق میں دوران تقریر فرمائی تھی معلوم نہیں کہ لامع میں بھی یہ رائے موجود ہے یا نہیں؟ وہ یہ کہ ایمان کی ترکیب تو پہلے باب میں ثابت فرما چکے اب یہاں سے حضرت امام بخاری ان امور کو ذکر فرمار ہے ہیں جنہیں مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہئے۔ گویا امور ایمانیہ پر ترغیب دلار ہے ہیں۔ تیسری بات میری اپنی ہے کہ بظاہر حدیث بنی الاسلام علی خمس سے جو ایک طرح کا ایہام حصر فی الخمس ہوتا تھا اس کو رفع فرمار ہے ہیں کہ

انہی پانچ کے اندر انحصار نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی اجزاء ہیں۔ ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ والضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ وقال الله تعالیٰ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴾

ان دونوں آیات کوذکرفرما کر امام بخاری نے ایمان کے اجزاء کوثابت فرمایا اور امور مرغوب فیہا کوذکر فرمایا ہے پھر حصر فی الخمس کے ایہام کودفع کردیا۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ:

شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری آیت کریمہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ سے المتقون کی تفسیر فرمارہے ہیں جوآیت سابقہ میں ہے مگر میرے نزدیک امام بخاری نے اس آیت کو بھی استدلال کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ جس طرح مکملات ایمانیہ اس سے پہلی آیت کے اندر مذکور ہیں۔ ایسے ہی اس آیت میں بھی ان بہت سی اشیاء کا ذکر ہے جوآیت اولیٰ کے اندر نہیں ہیں۔

بضع وستون شعبة:

اس حدیث پاک میں بضع وستون شعبۃ کا ذکر آیا ہے. بضع کا ایک سے لے کر نو تک پر اطلاق ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں بضع وسبعون آیا ہے۔ دن دونوں میں جمع کرنے کے لئے بعض تو یہ جواب دیا کہ مفہوم عدد کا اعتبار ہی نہیں ہوتا اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ جواب دیا کہ چونکہ نبی کریم ﷺ پر بار بار وحی نازل ہوتی تھی تو بعد میں اضافہ ہوتا رہا اس لئے بعد میں ستون سے سبعون تک پہنچے ہوں گے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان مرکب ہے قول اول والوں کی رائے پر اور میرے والد صاحب کی رائے کی بنا پر مومن کو چاہئے کہ وہ ان شعب کو تلاش کر کے ان پر عمل کرے اور میری رائے کی بنا پر اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ اسلام امور خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں افضلها قول لااله الاالله وادناهااماطة الاذی عن الطریق وارد ہوا ہے حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے مراد دنیٰ نہیں ہے بلکہ ادنی اقرب کے معنی میں ہے اور اذی سے مراد نفس اور اس کی شہوات ہیں اور مطلب یہ ہے کہ طریق تزکیہ سے نفس کو ہٹانا اقرب ایمان ہے۔

والحياء شعبة من الايمان:

اس پر دو طرح سے کلام کرنا ہے اول تو یہ کہ آخر حیاء کو ان بضع وستون شعب کے اندر ایسی کیا خصوصیت ہے جو اس کو مستقل ذکر فرمایا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ چونکہ حیاء ایک ایسا شعبہ ہے جس پر بہت سے شعبے مرتب ہوتے ہیں بلکہ یہ حیاء ان کے وجود کا سبب بنتی ہے اس لئے اس کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ چنانچہ کہتے ہیں بے حیا باش ہر چہ خواہی کن تو چونکہ حیا کذب سے بھی بچاتی ہے اس لئے کہ حیاء ہوگی تو یہ سوچے گا کہ اگر کل جھوٹ ثابت ہوگیا تو کیا ہوگا؟ اس وجہ سے پھر جھوٹ نہیں بولے گا۔ اسی طرح زنا، چوری وغیرہ غرض کہ ہر قبیح بات کے کرنے سے بچ جائے گا۔

دوسرا کلام یہ ہے کہ شعب [1] ایمانیہ سارے کے سارے مکتسبات کے قبیلے سے ہیں یعنی از قبیل اعمال ہیں اور حیاء ایک طبعی چیز ہے پھر اس کو شعب ایمانیہ میں کیونکر شمار فرمایا۔ اس کے تین جواب ہیں۔ پہلا جواب تو شراح کا ہے کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی دوسرے عقلی جس حیاء کو ایمان کے شعب میں شمار کیا گیا ہے وہ عقلی ہے اور وہ مکتسب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک تو غریزۂ طبع ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے وہ وہبی ہے اور ایک یہ ہے کہ اس حیاء کے مقتضی پر عمل کرے لہٰذا بتقاضائے حیاء جو کام کیا جائے گا وہ حیاء عقلی ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حیاء ابتداء تو فطری ہوتی ہے اور انتہاء کسبی ہو جاتی ہے۔ تیسرا جواب جو کہ چکی کا پاٹ ہے وہ یہ کہ یہاں حیاء سے مراد اس کے ثمرات ونتائج ہیں اور وہ نتائج اختیاری ہیں۔ پہلے اور اس تیسرے جواب کا حاصل ایک ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے حیاء کی دو قسمیں ذکر کر دیں اور میں نے یہ کہہ دیا کہ ایک تو حیاء ہوتی ہے وہ تو شعب ایمان ہے نہیں بلکہ شعب ایمان اس کے ثمرات ونتائج ہیں۔

باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

اس باب میں بھی وہی تینوں باتیں جاری ہوں گی جو میں نے ابھی بتلائی ہیں۔ وہ یہ کہ شراح کے نزدیک ترکیب ایمان ثابت فرما رہے ہیں کیونکہ مسلمان وہ ہوا جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ایمان کا جز ہے کیونکہ اس کے علاوہ بھی اجزاء ثابت ہو چکے ہیں لہٰذا ترکیب ثابت ہو گئی۔ اور میرے والد صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ایمان کی ترکیب تو پہلے ہی باب سے ثابت فرما چکے جہاں پر دس آیات اور آثار واحادیث ذکر فرمائی تھیں۔ اب باب امور الایمان سے کتاب العلم تک ان امور کو ذکر فرما رہے ہیں جو مومن کے اندر ہونی چاہئیں اور جن کو حاصل کرنا چاہئے۔ اور میرے نزدیک حدیث بنی الاسلام علی خمس سے جو ایہام انحصار فی الخمس ہوتا ہے اس کو دفع فرما رہے ہیں یہ تینوں امور آخر تک چلیں گے۔ ان کو یاد رکھو۔

من لسانه ويده:

یہ حدیث ان احادیث خمسہ میں سے ہے جس کو حضرت امام ابوحنیفہ نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب فرمایا ہے۔ یہاں اس حدیث میں دو باتیں قابل ذکر ہیں اول یہ کہ من لسانه کیوں فرمایا من کلامه کیوں نہیں فرمایا دوسرے یہ کہ لسان کو ید پر کیوں مقدم فرمایا؟ حالانکہ ہاتھ وغیرہ سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے زبان سے تو زائد سے زائد گالی ہی دے سکتا ہے لیکن ہاتھ سے تو قتل بھی کیا جا سکتا ہے؟ اول سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی جامعیت کی علامت ہے کہ من لسانه فرمایا من کلامه نہیں فرمایا۔ کیونکہ اگر من کلامه فرماتے تو زبان سے جو اور ایذائیں بغیر کلام کئے ہوئے پہنچتی ہیں وہ شامل نہ ہوتیں۔ مثلاً کسی کو زبان سے اشارہ کرنا جس کو چڑانا کہتے ہیں تو چونکہ لسان اعم ہے بہ نسبت کلام کے کہ بعض مرتبہ بغیر کلام کے بھی صرف زبان سے ہی ایذاء پہنچائی جاتی ہے اس لئے لسانه فرمایا۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زبان کا زخم زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے جیسا کہ تم شرح جامی میں پڑھ چکے ہو

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

---

(۱) ہمارے حضرت اقدس کی ایک دوسری تقریر میں اس اشکال کو ذرا کھلے انداز میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ "حیا ایک فطری شے ہے اور ایمان کسبی شے ہے لہٰذا حیاء ایمان کا جز کیسے بن گئی"۔ شاھد

دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگ زبان کی ایذاؤں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے چنانچہ جب کوئی آدمی کسی کے کچھ کہنے سننے سے ناراض ہوتا ہے تو کہنے والا یہی کہتا ہے کہ کیا تجھے میں نے مارا تھا؟ صرف ایک بات ہی تو کہی تھی۔ تو اس کے اہتمام کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مقدم فرمایا۔

والمهاجر من هجر مانهى الله عنه:

یوں فرماتے ہیں کہ ہجرت ایک تو یہ ہے کہ اپنے گھربار کو ایمان کے لئے چھوڑ دے لیکن حقیقی مہاجر وہی ہے جو اللہ کی منہیات کو چھوڑ دے شراح حدیث نے اس حدیث کی دو غرضیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ تنبہ اور تنبیہ کرنا ہے مہاجرین کو کہ صرف ان کا ہجرت کر لینا کافی نہیں کہ اس کے بعد کسی شے کی پھر ضرورت ہی نہیں بلکہ ہجرت کے بعد آدمی گناہوں سے بچے۔ تب اس کی ہجرت کا اصل فائدہ مرتب ہوگا۔ اور اگر ہجرت کے بعد گناہ شروع کر دیئے تو کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا دوسری غرض یہ بیان کی گئی کہ تسلی دینی مقصود ہے ان لوگوں کو جو کسی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے کہ تم لوگ اگر چہ اس کے ثواب سے محروم ہو لیکن اصل ہجرت یہ نہیں بلکہ اصل ہجرت یہ ہے کہ آدمی گناہ اور ہر قسم کے منہیات کو ترک کر دے اور یہ تم لوگ اب بھی کر سکتے ہو لہٰذا کرو اور ثواب کماؤ یہی اعلیٰ درجہ ہے۔

حدثنا داود عن عامر:

یہ عامر وہی شعبی ہیں جو پہلی سند میں گزرے ہیں مگر چوں کہ اس میں عن الشعبی عن عبداللّٰہ بن عمر روایت معنعنہ ہے اس لئے تنبیہ کرنے کے واسطے یہ سند ذکر کر دی کہ شعبی نے اسکو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے (عن داود عن عامر عن عبدالله عن النبی ﷺ) اس سند کو اس لیے ذکر فرمایا کہ جب عبداللہ مطلق بغیر نسبت کے بولا جاتا ہے تو اس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوتے ہیں اور یہاں بھی مطلق ہے تو وہم ہوسکتا تھا کہ یہی مراد ہوں گے اس لیے تنبیہ فرمادی کہ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہیں۔

باب ای الاسلام افضل

یہاں بھی وہی تینوں باتیں چلیں گی جن کے متعلق میں اوپر بیان کر چکا۔ ان کو یاد رکھو میں ہر جگہ بیان نہیں کروں گا۔ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ای جب کسی چیز پر داخل ہوتا ہے تو اس سے مقصود اس شے کے افراد کے متعلق سوال کرنا ہوتا ہے تو یہاں باب کا مطلب ہے ای افراد الاسلام افضل اور مطلب یہ ہوگا کہ افراد اسلام میں سے یہ چیزیں حاصل کرنے کی ہیں ان کو حاصل کرنا چاہیے یہاں ایک بات سنو وہ یہ کہ امام بخاری نے کتاب تو منعقد فرمائی ہے ایمان کی لیکن اس میں انہوں نے ایمان، اسلام، دین تینوں کو ذکر فرمادیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم لغوی ان تینوں کا جو چاہے ہو مگر چونکہ ہر ایک کے اندر تلازم ہے اس لئے سب کو جمع فرمادیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو اسلام کے ساتھ ہو کیونکہ ایمان نام ہے ایقان اور اذعان کا۔ اسی طرح اسلام وہی معتبر ہے جو ایمان کے ساتھ ہو کیونکہ اگر اسلام بدون ایمان کے ہوگا تو وہ اسلام نہیں بلکہ نفاق ہوگا اور کفر ہوگا۔ اسلام کہتے ہیں گردن نہادن کو۔ اسی طرح دین کے معنی طریقہ کے ہیں اور طریقہ وہی معتبر ہے جو ایمان اور اسلام کے ساتھ ہو۔

باب اطعام الطعام من الاسلام

اطعام کے اندر صرف مسلم کی قید نہیں ہے بلکہ کافر کیا جانوروں تک کے کھلانے کا اجر وثواب ہے البتہ مسلمان کو کھلانے کا ثواب اوروں کے کھلانے سے زیادہ ہے۔

وتطعم الطعام:

چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ گر جان طلبی مضائقہ نیست وزر طلبی سخن دریں است اس لئے اہتمام سے اس کو ذکر فرمایا۔

وتقرء السلام علی من عرفت الخ:

یعنی اسلامی سلام وہ ہے جو تعلقات کی بناء پر نہ ہو بلکہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو سلام کیا جائے۔ یہاں حضور ﷺ نے وتسلم السلام نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ تقری عام ہے اور کتابت کو بھی شامل ہے کیونکہ اگر آدمی خط میں کسی کو سلام لکھے تو وہ بھی قرأت میں داخل ہے لیکن لفظ تسلم کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

باب من الایمان ان یحب لاخیہ

اس باب میں امام بخاری نے حدیث ذکر فرمائی ہے لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ یہ حدیث ان پانچ احادیث میں سے ہے جس کا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی نے انتخاب فرمایا ہے اور یہی روایت ان چار میں سے ہے جس کو امام ابوداؤد نے انتخاب فرمایا ہے اور بھائی ہے بھی یہی بات کہ کمال ایمان اسی سے حاصل ہوتا ہے یہ جتنے فسادات دنیا میں ہوتے ہیں اگر صرف اسی حدیث پر عمل کرلیا جائے تو سب کی جڑ کٹ جاوے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اگر وہ ساتھ ساتھ یہ سوچ لے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کیا اس چیز کو پسند کرلیتا جو میں اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں اگر صرف یہی سوچ لے تو سارا فساد ہی نیست ونابود ہوجائے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا گیا ہے حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ فرمایا تھا رب ھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی الآیۃ۔ اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دعا کرنا جواز کی دلیل ہے یا اہتمام کے قصد سے دعا کی تھی اور چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دعا کرنا امور طبعیہ کے قبیل سے ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ان امور شنیعہ کے بارے میں ہے جن کو کوئی پسند نہیں کرسکتا۔

وعن الحسین المعلم قال ثنا قتادۃ عن انس عنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

مصنف پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کو قتادۃ عن انس عن النبی ﷺ سند اول میں ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ سند ثانی میں بعینہ یہی آرہا ہے۔ شراح نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری نے اپنے استاذ سے اسی طرح سنا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ تصنیف میں ہر مصنف کی شان جداگانہ ہوتی ہے۔ مصنف اس قسم کے امور کا اہتمام نہیں فرماتے بلکہ یہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا وظیفہ ہے۔

باب حب الرسول ﷺ من الایمان

حضور اقدس ﷺ سے محبت ایمان کا جز ہے اگر کسی کو آپ ﷺ سے محبت نہ ہو تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ مگر یہاں اشکال یہ پیش آتا ہے کہ ہم بسا اوقات یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کو حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر اپنی آل واولاد سے محبت ہے حالانکہ حدیث لایومن احد کم حتی اکون احب الیه وارد ہوا ہے۔ اس اشکال کا ایک جواب تو شراح نے دیا ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی، دوسری عقلی۔ یہاں مقصود و مطلوب محبت عقلی ہے نہ کہ محبت طبعی۔ لہٰذا یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو طبعاً اپنی اولاد سے زیادہ محبت ہو مگر عقلی محبت وہ حضور ﷺ سے ہی ہوگی۔ اور دوسرا جواب میرے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے فرماتے ہیں کہ یہاں مطلوب جو محبت ہے وہ محبت طبعی ہی ہے لیکن یہ جو بسا اوقات شبہ ہوتا ہے کہ اولاد وغیرہ کی محبت حضور اقدس ﷺ سے زائد معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی محبت کے مواقع بہت کم پیش آتے ہیں۔ بخلاف ان اولاد و اقارب کی محبت کے مواقع کے۔ چنانچہ اگر دونوں میں تصادم ہو جائے تو آپ ﷺ کی محبت ہی راجح ہوگی۔ مثلاً کسی کی بیوی حضور اقدس ﷺ کو نعوذ باللہ برا بھلا کہہ دے تو وہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا بلکہ گلا تک گھونٹ دے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا لڑکا قرآن پاک پر پیر رکھ دے تو دور ہی سے ڈانٹتا ہوا دوڑے گا اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو وہ مسلمان ہی نہیں۔

اس باب کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اس باب کو دوسرے ابواب پر مقدم ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ حقوق العباد مقدم ہیں اور مضرت کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہے اس لئے دوسرے ابواب کو مقدم فرمادیا۔

لایومن احد حتی اکون احب الیه من والده وولده:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے والد کو پہلے ذکر فرمایا حالانکہ آدمی کو بہ نسبت اپنے باپ کے بیٹے سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور یہاں مقصود بھی سب سے زائد محبوب شے کو بیان کرنا ہے لہٰذا پہلے ولده فرمانا چاہئے تھا اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ جس طرح اعلیٰ سے ادنی کی طرف ترقی ہوتی ہے اسی طرح ادنیٰ سے بھی اعلیٰ کی طرف ترقی ہو جاتی ہے یہاں پر ادنی سے ترقی ہے جو والد کی محبت ہے اعلیٰ کی طرف جو ولد کی محبت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ والد کے احترام کی وجہ سے اس کو مقدم فرمادیا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے ولد کا ہونا ضروری نہیں لیکن ہر ولد کے لئے والد کا ہونا ضروری ہے تو اس کی کثرت کی وجہ سے مقدم فرمادیا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ وہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے اور یہاں محبت اعتقادی و تعظیمی مراد ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ ان روایات میں حضور ﷺ کی محبت کو حب والد اور ولد سے مقدم رکھا گیا ہے لیکن اپنے نفس سے محبت کے تقدم وعدم تقدم کا کوئی ذکر نہیں؟ اس کی علماء نے تین وجہیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ بعض روایات میں من نفسه کا لفظ بھی موجود ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ذکر باعتبار ظہور کے ہے اور اپنے نفس سے محبت کا ظہور نہیں ہوتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ لڑکے کی محبت اپنی ذات سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔

والناس اجمعین:

دوسری روایت کو اس جملہ کی زیادتی کی وجہ سے ذکر فرمایا ہے اور اس کے عموم میں نفس رجل بھی داخل ہو گیا۔

باب حلاوة الایمان

شراح فرماتے ہیں کہ حلاوت سے مراد حلاوت قلبیہ ہے یعنی استلذاذ اور لذت کا حاصل ہونا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ہم اللہ کے احکام کی اسی طرح سے پابندی کریں۔ جیسے کہ ہمیں حکم فرمایا ہے تو یقیناً حلاوت ایمان ہمیں حاصل ہوگی۔ میں نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ ان کو ذکر کے وقت نہایت ہی حلاوت حاصل ہوتی تھی۔

شراح کی یہ جو رائے ہے کہ حضرت امام بخاری ان ابواب سے ایمان میں کمی اور زیادتی کو ثابت فرمارہے ہیں۔ وہ اس باب سے بالکل واضح ہے اس لئے کہ جتنی شیرینی ڈالی جاتی ہے اتنی ہی مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جتنی پختگی کے ساتھ یہ خصال ہوں گی اتنی ہی ایمان میں زیادتی ہوگی اور جس قدر کمی ہوگی اتنا ہی نقصان ہوگا اور میرے والد صاحب کے ارشاد کے مطابق مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو حلاوت ایمان پیدا کرنے کے لئے ان خصائل کو اختیار کرنا چاہئے جو احادیث میں مذکور ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ اس سے اشارہ کردیا کہ ایمان پانچ ہی چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ یہ بھی اس کی تکمیل کے لئے ایک مستقل شعبہ ہے۔

وجد حلاوة الایمان:

شراح کے نزدیک حلاوۃ معنویہ اور میرے نزدیک حلاوۃ حسیہ وظاہر یہ مراد ہے۔

وان یحب المرء لایحبه الاللّٰہ:

یہ ہے معیار محبت اس لئے کہ اگر کسی سے دنیا کے واسطے محبت کرتا ہو تو جب یہ معلوم ہوگا کہ یہ تو بڑا بخیل ہے تو پھر اس سے نفرت ہوجائے گی۔ اور اگر شہوت کی وجہ سے کسی سے محبت کرلے اور وہ منہ پھیر لے تو دو تین مرتبہ کے بعد یہ بھی کہہ اٹھے گا کہ مارکم بخت کو لیکن اگر اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو اگرچہ وہ اس کو کچھ نہ دے اور بے رخی کرے تو پھر بھی وہ اس کے ساتھ محبت کرے گا اس لئے کہ وہ ذات جس کے لئے یہ محبت کرتا ہے وہ تو اسی طرح باقی ہے۔

ان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار:

یہ بات اس وقت ہوگی جبکہ ایمان دل کی جڑ میں پیوست ہوجائے اور یہ ایمان کے اندر پختگی لا الہ الا اللہ کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں ذکر بالجہر ضروری نہیں بلکہ زبان سے آہستہ آہستہ بھی کافی ہے۔

باب علامة الایمان حب الانصار

انصار سے محبت کرنا اجزاء ایمان سے تو نہیں ہے لیکن چونکہ امام بخاری نے ایمان کے ابواب ذکر فرمائے ہیں تو ایمان کے بعض مناسب امور کا بھی ذکر فرمادیا۔

آیة الایمان الخ:

حضور اکرم ﷺ نے انصار کی محبت پر تحریض فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے دین کی مدد کی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اگر کوئی ان سے اس وجہ سے محبت کرتا ہے کہ انہوں نے دین کی مدد کی ہے اور حضور اکرم ﷺ کی اعانت کی ہے تو حقیقتاً یہ دین ہی سے محبت ہوگی۔ اسی لئے اس

کو علامت ایمان فرمایا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی آدمی حضرات انصار سے اسی علت کی بناء پر عداوت رکھتا ہے تو اس کے دل میں ایمان نہ ہوگا کیونکہ اس کی دشمنی اس نصرت و مدد کی بناء پر ہوئی ہے اسی لئے انصار سے عداوت وبغض کو نفاق کی علامت فرمایا گیا ہے۔

باب

یہ باب بلاترجمہ ہے اور شراح حضرات باب بلاترجمہ ہونے کی مختلف توجیہات تحریر فرماتے ہیں اس کی چھ وجوہات میں مقدمہ لامع میں بیان کر چکا ہوں، لیکن وہ سب ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق طور پر مختلف اصول کے تحت مذکور ہیں یعنی اصل ۲۰و۲۵و۲۶و۴۷و۵۷ کے تحت میں جہاں جہاں حافظ کے کلام میں ملیں وہاں ان کے کلام سے اور جہاں شاہ صاحب کے کلام میں ملیں وہاں ان کے کلام سے ماخوذ ہیں تاہم ان وجوہات میں سے ایک وجہ بہت مشہور اور شائع ہے۔ وہ یہ کہ حضرت امام بخاری باب بلاترجمہ وہاں لاتے ہیں جہاں اس باب کو باب سابق سے فی الجملہ مناسبت ہو اور فی الجملہ تفارق ہو۔ چنانچہ اس باب بلاترجمہ میں جو حدیث آرہی ہے اس کا تعلق فی الجملہ تو پہلے باب سے یہ ہے کہ جیسے وہاں انصار کا ذکر ہے ایسے ہی اس حدیث میں بھی ہے کہ انصار کے کچھ حالات بیان کردیئے لیکن فی الجملہ مناسبت نہیں۔ کیونکہ پہلے باب میں انصار کی محبت کا ذکر ہے لیکن اس باب میں **حب الانصار من علامۃ الایمان** کا کچھ ذکر نہیں۔

چکی کا پاٹ یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ تو وہی ہے کہ باب بلاترجمہ کو باب سابق سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہے اور فی الجملہ تفارق مگر وہ مناسبت جو ابھی بیان کی گئی ہے وہ دوسرے شراح کے نزدیک ہے اور میرے نزدیک مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اب اس پر تنبیہ کرنے کے واسطے کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے انصار کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے باب بلاترجمہ باندھ کر بتلا دیا کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی ابتداء اسلام میں مدد فرمائی اور اس کی اشاعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ موافقت کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی مصیبت کے وقت کام آتا ہے اس کو زیادہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے بہ نسبت اوروں کے۔ حضرات مہاجرین نے گو مدد کی مگر اجتماعی طور پر انصار ہی نے ابتدا کی۔ میری اس توجیہ سے باب سابق میں جو **حب الانصار** کو علامت ایمان قرار دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ خود بخود معلوم ہوگئی۔ ہمارے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری کبھی کبھی باب بلاترجمہ تشحیذ اذہان کے واسطے لایا کرتے ہیں جیسا کہ میں خود کہیں کہیں متنبہ کروں گا اور تشحیذ اذہان کے معنی ہیں ذہنوں کا تیز کرنا اور مطلب اس کا یہ ہے کہ حضرت امام بخاری متعدد تراجم باندھ کر کہیں باب بلاترجمہ ذکر فرمادیتے ہیں اور ناظر کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ روایت کو دیکھ کر کوئی ترجمہ اس کے مناسب منعقد کرے بالکل اسی طرح جیسے ابتدائی تعلیم میں قاعدہ وغیرہ پڑھنے کے زمانے میں بچہ کو سبق پڑھا کر چند سوالات دیتے ہیں کہ ان سوالات کے جوابات لکھ کر لاؤ تو ایسے ہی امام بخاری فرماتے ہیں کہ اتنے تراجم ابواب کے ہم نے بیان کئے اب ہم سوال دیتے ہیں کہ اس باب کا ترجمہ تم گھڑو چنانچہ اس باب کا ترجمہ **باب اجتناب الکبائر علامۃ الایمان یا باب اجتناب المعاصی من الایمان** ہوسکتا ہے۔

ایک دوسرا قاعدہ حضرت شیخ الہند نے باب بلاترجمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری کبھی کبھی تکثیر تراجم کے پیش نظر باب کو بلاترجمہ ذکر فرمادیتے ہیں کیونکہ اگر خود ہی کوئی ترجمہ منعقد فرمادیتے تو وہی رہتا۔ اب جب کہ کوئی ترجمہ ہی منعقد نہیں فرمایا تو ناظر

دیکھے گا اور خوب غور وفکر کرکے جو مناسب سمجھے گا وہی ترجمہ وضع کرے گا جیسا کہ ابھی ابھی تشحیذ الاذہان کے ذیل میں باب اجتناب المعاصی وغیرہ گزر چکے۔

ایک دوسری بات یہاں یہ بھی سن لو کہ حضرت امام بخاری نے سابقہ ابواب کے اندر مرجئہ پر رد فرمایا ہے لیکن اس باب سے مرجئہ اور خوارج دونوں پر رد ہے تو تمایز کے لئے باب بلاترجمہ کے ذکر فرمادیا۔ خوارج پر رد تو انشاء عفا عنہ سے کیا کہ وہ کافر نہیں ہوتا بلکہ معافی ہوسکتی ہے اور مرجئہ پر رد انشاء عاقبہ سے فرمادیا کہ اعمال نہ کرنے کی صورت میں عذاب دے سکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے باب بلاترجمہ کو حاء تحویل کے معنی میں بھی لکھا ہے لیکن مجھے ساری بخاری میں سوائے ایک جگہ کے کوئی باب حاء تحویل کے معنی میں نہیں ملا جس کو شاہ صاحب نے خود ذکر کیا ہے اور حافظ وغیرہ کے نسخے میں وہاں لفظ باب ہی نہیں۔ اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ گاہے باب بلاترجمہ اختلاف طرق کے واسطے بھی پیش فرمادیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ گاہے امام بخاری باب بلاترجمہ رجوع الی الاصل کے لئے ذکر فرماتے ہیں۔ اس کی صورت (۱) یہ ہے کہ امام بخاری نے ایک باب قائم کرکے اور پھر اس کے بعد دوسرا باب اس کے مناسب ذکر فرمادیا پھر کوئی روایت اس کے بعد ایسی ذکر فرمائی جو باب متصلہ کے مناسب نہیں ہے لہٰذا باب بلاترجمہ ذکر فرماکر اشارہ کرتے ہیں کہ اب ہم اس باب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو پہلے گزر چکا۔

وکان شهد بدرا:

یہ بطور منقبت کے ذکر فرمایا چونکہ بدر میں حاضر ہونے والوں کے بڑے فضائل ہیں حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ سے اہل بدر کے بارے میں مروی ہے لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال لهم افعلوا ماشئتم فقد غفرت لكم۔ جب صاحب حق ہی کسی کو معاف کردے تو کیا کہنا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کسی روسیاہ سے فرمائیں کہ تو اس قابل تو نہ تھا کہ تجھے چھوڑ دیا جائے مگر ہم نے محض اپنے فضل سے تجھے بخش دیا تو کس کو دم مارنے کی مجال ہے۔ اس خصوصیت کی بناء پر کہیں کہیں کان شهد بدرا بالبدری وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔

وهو احد النقباء ليلة العقبة:

حضور اکرم ﷺ کا قاعدہ ہجرت سے پہلے یہ تھا کہ قبائل پر اسلام پیش فرمایا کرتے تھے مگر بجائے اس کے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی بات مانتے ایذائیں پہنچاتے تھے۔ اسی طرح حضور اقدس ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ ایام حج میں منیٰ اور عرفات میں جاکر لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے ایک بار حضور ﷺ نے ۱۱ نبوی میں انصار کے چھ آدمیوں سے ملاقات کی اور ان کو اسلام کی دعوت

(۱) مثلاً حضرت امام بخاری نے ترجمہ منعقد فرمایا ہے باب مایقول الامام ومن خلفه اذا رفع راسه من الركوع اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث کان النبی ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا ولك الحمد ذکر فرمائی اور اس کے بعد باب فضل اللهم ربنا لك الحمد ذکر فرمایا اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد فانه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه ذکر فرمائی ہے اور اس کے بعد پھر باب بلاترجمہ قائم فرماکر تین روایات ایسی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے کسی ایک سے بھی اللهم ربنا ولك الحمد کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن مایقول الامام ومن خلفه ثابت ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ باب بلاترجمہ اسی باب یعنی مایقول الامام الخ کی تکمیل کے لئے ہے تو یہ باب حافظ کے اس بیان پر رجوع الی الاصل ہوا۔ محمد یونس مدظله العالی شیخ الحدیث بمدرسه مظاهر العلوم

دی۔انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہمیں کوئی وقت رات کا کسی خاص مقام میں دیا جائے تا کہ ہم آپ سے کچھ بات کریں حضور اقدس ﷺ نے ایک گھاٹی مقرر فرمادی۔ رات کو اس میں آپ اور وہ چھ آدمی حاضر ہو گئے۔ ان میں سے ایک اسعد بن زرارہ بھی تھے حضور ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے صبح کو شور مچ گیا کہ یہ لوگ صابی ہو گئے مگر چونکہ یہ چند آدمی تھے بات پھیل نہ سکی اورانہوں نے اس کی شدومد سے تغلیط کر دی۔اس کے بعد ۱۲ نبوی میں بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں اسی طرح بات چیت ہوئی اور پھر یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اس کے بعد ۱۳ نبوی میں ستر (۷۰) آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں اسلام لائے۔اس لیلۃ العقبۃ الثالثہ میں جہاں اور باتیں ہوئیں وہاں یہ بات بھی ہوئی کہ ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ حضور (آپ) مدینہ طیبہ ہمارے یہاں تشریف لے جائیں ہم لوگ حضور کی ہر طرح مدد کریں گے۔بس یہ آغاز اور سبب ہے ہجرت کا۔ اس مجلس میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے جب مدینہ طیبہ لے جانے کی باتیں ہو رہی تھیں تو انہوں نے ایک تقریر کی اور کہا کہ لوگ محمد ﷺ کی بات کو نہیں مانتے اور آپ سب کی نظروں میں معتوب ہیں لہٰذا تم اس شرط پر لے جاؤ کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ بڑے عہود و مواثیق ہونے کے بعد یہ حضرات رخصت ہوئے۔نقبا سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو موسم حج میں پوشیدہ طور پر اس گھاٹی میں اسلام لائے اور لیلۃ العقبہ وہ رات کہلاتی ہے جس میں وہ سب لوگ اس گھاٹی میں جمع ہوئے اب حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ لیلۃ العقبۃ الثانیہ کے نقبا میں سے ہیں مگر بعض نے ان کو بیعت اولیٰ کے نقباء میں شمار کیا ہے اور اسی لئے محشی نے بین السطور الاولی او الثانیۃ لکھ دیا ہے مگر مشہور یہی ہے کہ وہ نقباء ثانیہ میں سے ہیں۔اس تمام واقعہ سے حب انصار کا پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو آپ سے کتنی محبت تھی جس کی بنا پر ان لوگوں نے اپنے پاس حضرت ﷺ کو بلایا۔اس صورت میں اس حدیث پاک کو حب الانصار علامۃ الایمان سے خوب مناسبت ہو جائے گی کہ جیسے یہ حضرات آپ سے محبت کرتے تھے ایسے ہی یہ خود بھی اس لائق ہیں کہ ان سے محبت کی جائے۔

بایعونی علی ان لاتشر کوا باللہ شیئا:

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت عقبہ یعنی بیعت اسلام ہے لیکن اس سے قبل جو جملہ وارد ہوا ہے یعنی وحولہ عصابۃ من اصحابہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت اسلام نہیں کیونکہ اس بیعت کے وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود نہ تھے۔ایک دو تھے لہٰذا حافظ کی رائے یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

غور سے سنو بعض جاہل اعتراض کرتے ہیں کہ بیعت صوفیہ بدعت ہے مگر یہ اعتراض جہالت ہے اور غلط ہے حضور اکرم ﷺ سے بیعت الاسلام، بیعت الجہاد، بیعت السلوک سب ثابت ہیں، یہاں وہ حضرات اس روایت پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ یہ بیعت تو اسلام کی بیعت ہے لیکن حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت سے بیعت السلوک بھی ثابت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا بایعونی۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا قد بایعناک یارسول اللہ! حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا بایعونی اب جب کہ وہ بیعت الاسلام کر چکے تھے اور اس وقت کہیں جہاد کا ارادہ بھی نہیں تھا تو پھر یہ بیعت سوائے بیعت السلوک کے اور کیا تھی؟ یہ روایت جب آئے گی تو میں اس پر تنبیہ کروں گا۔

ولاتاتونہ ببھتان تفترونہ بین ایدیکم:

بہتان یہ ہے کہ کسی آدمی پر وہ عیب لگایا جائے جو اس میں نہ ہو۔(۱) ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے یہ کہا کہ اگر کسی آدمی میں کوئی عیب ہو اور میں اسے ظاہر کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی اس نے کہا کہ اگر ایسی بات کہوں جو اس میں نہ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ اس کے معنی میں علماء کے چند اقوال ہیں اول یہ کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد منہ درمنہ اور آمنے سامنے ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو آمنے سامنے بہتان نہ باندھو۔ کیونکہ اول تو بہتان فی نفسہ قبیح ہے مگر کسی کے سامنے یہ کہنا کہ رات تو نے کیا کیا۔ کہاں گیا تھا۔ یہ زیادہ قبیح ہے اس سے اس کو زیادہ شرم آئے گی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد فرج ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو فرج کا بہتان نہ لگاؤ کیونکہ یہ بہت قبیح ہے تیسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد قلب ہے کیونکہ وہ سینے کے درمیان بھی ہے۔ اور یدین ورجلین کے درمیان بھی ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نفی ولد کے سلسلہ میں بہتان مت باندھو یعنی یہ مت کہو کہ وہ حرامی ہے۔ پانچواں مطلب یہ ہے کہ زنا کر کے اپنے شوہر پر بہتان مت باندھو کہ بدفعلی عرب میں عام تھی اور کسی سے زنا کرالیا اور جو بچہ پیدا ہوتا اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی تھیں۔ بس یہی بہتان ہے اور اسی سے منع کیا گیا ہے۔

ولاتعصوا فی معروف:

ای لاتعصونی فی معروف اگرچہ آنحضرت ﷺ جتنے بھی اوامر فرمائیں وہ سب معروف ہیں لیکن آپ ﷺ نے اپنے کلام میں یہ قید تعلیم امت کے لئے لگائی ہے کہ: لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.

فھو کفارة لہ:

اس پر کلام تو مجھے کتاب الحدود میں کرنا چاہئے مگر ہم وہاں تک ماہ رجب میں پہنچیں گے اس لئے یہیں سن لو کہ اس سے ایک مسئلہ خلافیہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں حضرات شافعیہ کے نزدیک حدود کفارہ ہیں اور حدود کے بعد سمجھو کہ گناہ ایسا ہو گیا جیسے توبہ کے بعد۔ اور حضرات حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں صرف زواجر کے درجہ میں ہیں اس مسئلہ میں امام بخاری شوافع کے ساتھ ہیں اور وجہ اختلاف وجہ ترجیح کا اختلاف ہے نصین متعارضین کے درمیان ترجیح کے طریقے تقریبا سو سے زائد ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا مشہور مقولہ ہے کہ حدیث کو جتنی سرسری نظر سے دیکھا جائے گا وہ اتنی ہی حضرات حنفیہ کے خلاف ہوگی۔ اور جتنا حدیث پاک میں توغل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ تمام حدیث حنفیہ کے بالکل موافق ہے نیز احناف کے یہاں ایک قاعدہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن پر نظر کی جائے اور جو حدیث اوفق بالقرآن ہو اس پر عمل درآمد کیا جائے کیونکہ اکثر احادیث روایت بالمعنی ہیں اور الفاظ قرآنی قطعی ہیں مثلا حدیث کے اندر رفع اور عدم رفع دونوں وارد ہوئے ہیں لیکن قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وقوموا للہ قانتین کے موافق عدم رفع ہے ایسے ہی احادیث میں آمین بالجہر وبالسر دونوں وارد ہیں لیکن آمین بالسر قُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ

---

(۱) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان رسول اللہ ﷺ قال اتدرون ما الغیبة قالوا اللہ اعلم ورسولہ اعلم قال ذکرک اخاک بما یکرہ قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتہ. (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ)

کے زیادہ موافق ہے۔ایسے ہی بعض احادیث سے جلسہ استراحت کا ثبوت اور بعض سے عدم ثبوت کا پتہ چلتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جلسہ استراحت میں دوحرکتیں ہوتی ہیں اور عدم جلسہ میں ایک حرکت ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی اسی آیت کریمہ کے موافق ہوا۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو اس قاعدہ مسلمہ پر مرتب ہوں گی اسی قسم کے اصول دوسرے ائمہ کے یہاں بھی ہیں چنانچہ امام مالک کے مرجحات قویہ میں سے یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے عمل اہل مدینہ کو دیکھتے ہیں جو حدیث بھی عمل اہل مدینہ کے موافق ہوگی وہ ہی ان کے نزدیک راجح ہوگی۔جس نے مؤطا امام مالک کو بغور پڑھا ہوگا اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگی۔ ولکل وجھة ھو مولیھا حضرات احناف اوفق بالفاظ القرآن کو اس لئے راجح قرار دیتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کے الفاظ منزل من اللہ ہیں لہٰذا جو حدیث اس کے موافق ہوگی وہ زیادہ اقرب الی الصواب ہوگی کیونکہ چند احادیث ہی روایت باللفظ ہیں جن میں سے ایک من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار ہے باقی سب روایت بالمعنی ہی ہیں۔اور حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اسلام مدینہ میں آیا اور یہیں رہا لہٰذا جتنے اہل مدینہ واقف ہوں گے اور کوئی واقف نہیں ہوگا اور شافعیہ کے یہاں اہم اصول میں اخذ بروایة الاوثق ہے اور حنابلہ کی اصل اعظم اخذ بروایة الثقه ہے خواہ اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔جب یہ اصول معلوم ہوگئے تو اب سنو! حنفیہ کے نزدیک توبہ کفارہ بن سکتی ہے۔محض حدود کفارہ نہیں بنیں گے کیونکہ قرآن پاک پر جو نظر ڈالی تو یہ آیت سامنے آئی والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم. اس آیت میں جو چور کی سزا قطع ید ذکر فرمائی گئی ہے وہ تو بیان ہو چکی۔اب آگے ارشاد فرماتے ہیں فمن تاب من بعد ظلمه و اصلح فان اللہ یتوب علیه ان اللہ غفور رحیم الایۃ تو ہمیں پوچھنا یہ ہے کہ جب حد ختم ہو چکی اور حدود کفارات ہیں اور کفارہ سیئہ ہو چکا تو اب فان تاب کا کیا مطلب ہے؟ اور اس میں فاء تعقیب کے لانے کی وجہ کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں بلکہ توبہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کہ حدود ساتر اثم ہیں رافع اثم نہیں۔ایسے ہی ایک دوسری جگہ ارشاد ہے وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا الایۃ تو جب کہ ایذاء دینی اور رجم کرنا کفارہ ہو چکا تو پھر فان تابا کا کیا مطلب؟

اسی طرح سے قاذفین کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ الایۃ تو جب حد قذف اسی (۸۰) کوڑے مار چکے اور حدود کفارات ذنوب ہیں تو پھر إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا کا کیا مطلب؟ اور یہ استثناء کس وجہ سے فرمایا گیا ہے اور جو روایات میں فھو کفارة له وارد ہوا ہے اس کا مطلب وہ ہے جو دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی بندہ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے کفارہ بنتی ہے حتی الشوکة یشاکھا جیسا کہ مشکوۃ باب یاتی المریض ثواب المرض میں تم لوگ پڑھ چکے ہو۔اسی طرح اس کو یہاں تکلیف پہنچی ہے کہ اس نے حد کی مشقت اور مصیبت برداشت کی تو اس پر اس کو جو اجر ملے گا اس کو کفارہ سے تعبیر کر دیا اور یہی مراد کفارة له سے ہے۔

باب من الدین الفرار من الفتن

چونکہ پہلے ان امور کو ذکر فرمایا تھا جن کو حاصل کرنا چاہئے اب یہاں سے ان امور کو ذکر فرماتے ہیں جن سے بچنا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء امام بخاری نے یہاں لفظ دین استعمال کیا ہے اور اس سے پہلے بعض ابواب پر ایمان اور بعض پر

اسلام کا اطلاق کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں اور مشترک ہیں فی معنی واحد۔

حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ:

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ شہر میں رہنا دشوار ہو جائے گا اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر لوگ شہر سے بھاگ کر جنگلات کو مسکن بنائیں گے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم

یہاں امام بخاری پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس باب کو کتاب العلم میں ذکر کرنا چاہئے تھا۔ کتاب الایمان میں کیوں ذکر فرمایا۔ اس اعتراض کو دیکھ کر بعض شراح نے یہ کہہ دیا کہ حقیقت میں یہ باب کتاب العلم میں تھا مگر کاتب کی غلطی کی وجہ سے یہاں لکھ دیا گیا۔ لیکن یہ اعتراض غلط ہے محض اعتراض کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتاب العلم کا باب تھا اور سہوِ کاتب سے یہاں لکھدیا گیا۔ اب جب کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض شراح کی تو رائے یہ ہے کہ یہاں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں بجائے انا اعلمکم باللہ کے انا اعرفکم باللہ ہے۔ چنانچہ حاشیہ کے نسخے میں انا اعرفکم باللہ ہی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے علم سے معرفت مراد لی ہے اور اس کی تائید حضرت امام بخاری کے قول وان المعرفۃ فعل القلب سے ہوتی ہے اور معرفت بھی ایمان میں ہی داخل ہے لہٰذا اس باب کو کتاب الایمان سے مناسبت ہوگئی۔ اس باب سے امام بخاری قیاس ونظیر کے ذریعہ یہ ثابت فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ مرکب ہے اور ثابت اس طرح کیا کہ علم قلبی شے ہے اور یہاں حضور ﷺ نے اعلم اسم تفضیل کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے جو زیادتی کو چاہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قلبی اشیاء میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔

اور میرے اساتذہ ومشائخ کی یہ رائے ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انا اعلمکم فرمایا ہے معلوم ہوا کہ حضور پاک ﷺ کے پاس اوروں کی بہ نسبت زیادہ علم تھا اور اس علم سے مراد معرفت ہے (جیسا کہ میں ابھی بتلا چکا) اور معرفت فعل قلب ہے اور قلبی اشیاء میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور ایمان بھی قلبی ہے لہٰذا اس کے اندر بھی کمی زیادتی کی شان پائی جائے گی۔ اب یہ کہ معرفت فعل قلب کیوں ہے؟ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ. اگر معرفت فعل قلب نہیں ہے تو پھر مواخذہ کے کیا معنی؟ مقصد اس باب سے ان لوگوں کی تردید کرنی ہے جو ایمان کے بسیط ہونے کے قائل ہیں لیکن یہ حنفیہ کی تردید نہیں ہوسکتی اس لئے کہ وہ تو خود ہی ایمان وایقان کی زیادتی کے قائل ہیں۔

اذا امرھم امرھم من الاعمال بمایطیقون:

یہاں پر یہ روایت مختصر ہے واقعہ یہ ہوا[1] کہ ایک بار تین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس آئے اور حضور اکرم ﷺ کی عبادات کے متعلق استفسار کیا جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں کہ قد غفر اللہ ماتقدم من ذنبہ وماتاخر۔

ایک صحابی نے کہا کہ میں ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے صحابی نے عہد کیا کہ میں سارے دن روزہ رکھا کروں گا۔ اور

---

(۱) یہ پورا واقعہ بخاری شریف کتاب النکاح، کے ص ۷۵۷ پر مذکور ہے۔ شاہد غفرلہ۔

تیسرے نے عہد کیا کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ حضور اقدس ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا اور فرمایا کہ میں تو سوتا بھی ہوں، جماع بھی کرتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ جیسے نہیں ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ اس پر حضور اقدس ﷺ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ میں اللہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور اس سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

فیغضب حتی یعرف الغضب:

نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر غصہ کا اور خوشی، مسرت کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو جتنا حسین ہوگا اس کا چہرہ اتنا ہی زیادہ ان اشیاء کے اثرات کا مظہر ہوگا اور آنحضرت ﷺ تو سب سے زیادہ حسین تھے۔

باب من کرہ ان یعود فی الکفر کمایکرہ ان یلقی فی النار من الایمان

یہ من الایمان یعود یا یلقی کے متعلق نہیں بلکہ یہ خبر ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ اس باب کو کتاب الایمان سے کیا مناسبت ہے؟ بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری ہر جگہ اضداد کو ذکر فرماتے ہیں اگر علم کا ذکر آئے گا تو اس کے ساتھ جہل کو ضرور ذکر فرمائیں گے اور اگر ایمان کا ذکر فرمائیں گے تو اس کے ساتھ کفر کو بھی ذکر فرمائیں گے کیونکہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء. لہٰذا اس عادت مبارکہ کی وجہ سے یہ باب یہاں ذکر کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے باب میں فرار من الفتن کو دین سے قرار دیا تھا تو اب یہاں سے فرار من الکفر کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بھی دین میں سے ہے لہٰذا جس طرح ہر شخص فرار من النار کی کوشش کرتا ہے ایسے ہی فرار من الکفر کی بھی کوشش کرے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کراہت کفر اس قدر ہے کہ جہنم میں تو جانا گوارا ہے لیکن کفر کو اختیار کرنا گوارا نہیں تو یہ تو عین ایمان ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے کراہت فی الکفر کی انتہاء بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جہنم میں تو جانا گوارا کر لے مگر کفر اختیار کرنا مشکل ہو۔ حدیث پاک پر کلام باب حلاوۃ الایمان میں ہو چکا۔

باب تفاضل اھل الایمان وفی الاعمال

غور سے سنو! حضرت امام بخاری یہاں وہی فرما رہے ہیں جو حنفیہ کا مذہب ماقبل میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے اور نفس ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی وہ یکساں رہتا ہے بلکہ کمی زیادتی اعمال کے اعتبار سے ہوتی ہے لہٰذا یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری مرجئہ اور خوارج پر رد فرما رہے ہیں اور اصل تردید مرجئہ کی کرنی ہے کیونکہ وہ لوگ اعمال کو بالکل ہی بے فائدہ کہتے ہیں اور اس کے بعد رد کرنا ہے خوارج پر۔ مگر ان پر اتنا شدید رد نہیں کیونکہ وہ فرقہ بھی اگرچہ ضال ومضل ہے مگر اعمال کے مسئلہ میں ان کے یہاں کوتاہی نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ تارک عمل کو کافر کہتے ہیں تو وہ بے چارہ اس ڈر سے کہ کہیں کافر نہ ہو جائے خوب عمل کرے گا۔

حدثنا اسماعیل:

اس حدیث میں آگے چل کر وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں کو جہنم سے سزا دینے کے بعد نکال دینے کا حکم فرمائیں گے تو اس کے بعد اعلان ہوگا اخرجوا من کان فی قلبه حبة من خردل من الایمان یعنی جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل خیر ہو تو اس کو نکال لاؤ، یہاں ایمان سے مراد عمل خیر ہے جیسا کہ دوسری روایت میں صراحۃً خردل من خیر وارد ہوا ہے

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اعمال خیر ذرا سے بھی ہوں گے تو بھی مغفرت فرما دیں گے۔

اس حدیث میں رد ہے مرجہ اور خوارج دونوں پر۔ مرجہ پر اس لئے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال کا کوئی اثر نہیں لہٰذا ان پر رد اس طرح ہوگا کہ جب اعمال میں کوئی اثر ہے ہی نہیں تو وہ پھر جہنم میں کیوں گیا؟ اور خوارج پر اس لئے کہ وہ مرتکب کبائر کو کافر مانتے ہیں تو اگر وہ کافر ہو گیا تھا تو اس کو جہنم سے نکالا کیوں گیا؟

قد اسود:

یعنی جل کر کوئلوں کی طرح سیاہ ہو گئے ہوں گے۔

فیلقون فی نهر الحیاء او الحیاة:

راوی کو شک ہو گیا کہ حیا فرمایا جس کے معنی پانی کے ہیں یا حیاۃ فرمایا۔

قال وهیب حدثنا عمرو الحیاة:

اس سند کو ذکر کر کے تنبیہ فرما دی کہ حیا اور حیاۃ میں جو شک ہوا ہے وہ عمرو بن یحیٰ کے دوسرے شاگرد مالک کو ہوا ہے۔

وقال خردل من خیر:

اس کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ من الایمان سے مراد اعمال ہیں۔

قال الدین:

دین سے مراد یہاں ایمان تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ایمان میں جواز عان ہے اگر اس میں کمی ہو جائے تو وہ شک ہوگا ایمان نہیں ہوگا لہٰذا دین سے مراد اعمال ہیں اور مطلب روایت کا یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال میں فرق ہے بعض کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے قمیص کہ بس سینہ تک ہی پہنچ پاتی ہے اور بعض حضرات کے ہاں اعمال کی مثال ایسی قمیص کی ہے جو اتنی بڑی ہے کہ زمین پر گھسٹتی چلتی ہے اور آثار قدم اس کی وجہ سے مٹتے چلے جاتے ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعمال کی مثال ہے۔

باب الحیاء من الایمان

اس حیاء کا ذکر اگرچہ ماقبل میں حدیث الحیاء شعبة من الایمان کے ذیل میں ہو چکا لیکن وہاں ضمناً آیا تھا اور وہیں پر میں کلام بھی کر چکا ہوں اگر وہاں نہ کیا ہوتا تو یہاں کر دیتا۔ اس باب سے حیاء کو مستقلاً بیان فرما رہے ہیں اہمیت کی وجہ سے۔

وهو یعظ اخاه فی الحیاء:

اور وہ نصیحت یہ تھی کہ بہت زائد حیاء نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے نقصان ہوتا ہے یعنی ترک حیاء کی نصیحت ہے۔

باب فان تابوا و اقاموا الصلوة الخ

شراح کی رائے یہ ہے کہ امام کی غرض اس باب سے قرآن پاک کی آیت کی تفسیر بیان کرنا ہے اور میرے اساتذہ کی رائے ہے کہ ایمان کی ترکیب ثابت کرنی ہے اس طرح پر کہ جہنم سے نجات ایمان ہی کی بدولت ملے گی اور یہاں تخلیہ سبیل کو توبہ عن

الشرک اوراقامۃ الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ پر مرتب فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان ان سب چیزوں سے مرکب ہے۔

الابحق الاسلام:

مثلاً کسی شخص نے کسی کو قتل کر دیا یا محصن تھا لیکن زنا کر لیا۔

باب من قال ان الایمان ھو العمل

شروع کتاب میں حضرت امام بخاری نے فرمایا تھا باب قول النبی ﷺ الخ وھو قول وفعل اس لئے بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ مکرر ہو گیا۔ وھو قول وفعل میں عمل خود آ گیا بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ غایت اہتمام کی بنا پر مستقل باب دوبارہ منعقد فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر ترجمہ کے الفاظ نہ بدلیں اور غرض بدل جائے تو ترجمہ مکرر نہیں کہلاتا۔ لہٰذا یہاں پر بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ترجمہ مکرر ہو گیا کیونکہ غرض دوسری ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ جیسے ایمان عمل وقول کا نام ہے ایسے ہی قول وعمل کا نام ایمان ہے یعنی تلازم دونوں طرف سے ہے اور یہی مضمون آگے چل کر آیت کریمہ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ سے ثابت فرما رہے ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ کوئی عمل بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔ لہٰذا جنت کی وراثت اس عمل کی وجہ سے جو لازم ہے ایمان کو اور ایمان لازم ہے اس عمل کو۔ ایسے ہی دوسری آیت کریمہ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ہے۔ یہاں بھی عمل سے مراد لا الہ الا اللہ یعنی ایمان مراد ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ ترجمہ شارحہ ہے یعنی اس ترجمہ سے امام بخاری کی غرض ان آیات وغیرہ کی شرح کرنا ہے جس میں نجات کو عمل پر مرتب کیا ہے۔

حدثنا احمد بن یونس:

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے ای العمل افضل اور جواب میں ایمان باللہ ورسولہ فرمایا تو ایمان پر عمل کا اطلاق کیا گیا ہے لہذا تلازم ثابت ہو گیا کہ کسی جگہ ایمان پر عمل کا اطلاق اور کسی جگہ عمل پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے۔

باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا الآیۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور شے ہے اسلام اور شے۔ حالانکہ حضرت امام بخاری اب تک کسی جگہ اسلام اور کسی جگہ دین سے تعبیر کر کے اشارہ فرماتے چلے آئے ہیں کہ یہ تینوں ایک ہیں۔ اب آیت شریفہ اور امام بخاری کے قول میں تعارض پیدا ہو گیا تو اس باب کے ذریعہ اس تعارض کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے کہنے میں اور آیت کریمہ کی مراد میں تعارض نہیں بلکہ چونکہ ایمان ایک قلبی شے ہے خود بخود وہ ظاہر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس اظہار کا نام اسلام ہے تو ایک کا تعلق قلب سے اور دوسرے کا ظاہر سے ہوا تو یہاں آیت میں نفی اس ایمان کی ہے جو دل سے نہ ہو صرف ظاہر سے ہو اور اگر دل سے ایمان ہو تو وہی اسلام اور دین بھی ہے۔

حدثنا ابو الیمان:

اس حدیث میں حضرت سعد کے سوال اراہ مومنا پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا او مسلما یعنی تم نے جو قسم کھا کر اس کے

مسلمان ہونے کو بیان کیا ہے یہ غلط ہے۔ کیا پتہ کہ وہ دل سے ایمان نہ لایا ہو صرف ظاہرا مسلمان ہو۔ کیونکہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے اور اس کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی حالت کسی کو معلوم نہیں کہ یہ انقیاد جو ہے یہ انقیاد حقیقی ہے یا ظاہری۔ بہر حال تیسری مرتبہ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ میں بعض مرتبہ ایسے شخص کو مال نہیں دیتا جو مجھے محبوب ہو بلکہ اس کے غیر کو دے دیتا ہوں یہ سوچ کر کہ ''مجھ سے جس کو محبت ہے اگر میں اس کو نہ دوں تو کوئی مضائقہ نہیں وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن دوسرے شخص کو اگر نہ دوں تو وہ مجھے برا بھلا کہے گا تو اس کا نقصان ہوگا اور کہیں بطور سزا کے جہنم میں نہ پھینک دیا جائے۔''

اب ان رجل کے بارے میں شراح ومشائخ کے درمیان یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا یہ قسم اول میں سے تھے یعنی جو لوگ اسلام حقیقی رکھتے ہیں یا قسم ثانی میں سے ہیں یعنی جو صرف اسلام ظاہری رکھتے ہیں۔ شراح حدیث حضور ﷺ کے اس جملہ او مسلما کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ قسم ثانی میں سے تھے اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومنا کہنے پر نکیر فرمائی۔ مگر میرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص قسم اول میں سے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ انی لا عطی الرجل وغیرہ احب الی منه ان کو احبین کی فہرست میں داخل فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ احب وہی ہوگا جو انقیاد ظاہری وباطنی دونوں کے ساتھ متحلی ہو۔

باب افشاء السلام من الاسلام:

یہ بھی منجملہ شعب ایمانیہ کے ہے اور بضع وستون شعب جس کا ذکر پہلے آچکا ہے انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

الانصاف من نفسک:

اس کے علماء نے کئی مطالب بتلائے ہیں۔ اول یہ کہ اپنے نفس سے اللہ کے لئے انصاف کرو۔ اور اللہ کے لئے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پسند کرتے ہو کہ تم سے چھوٹے تمہارے ساتھ ادب واحترام سے پیش آئیں اسی طرح تم بھی یہ دیکھو کہ آیا مالک الملوک کے ساتھ ان کے پاس واحترام میں تمہارا کیا مرتبہ ہے۔ جس طرح تم اپنے چھوٹوں سے ادب کے طالب ہو۔ اسی طرح تم بھی پاس امر الٰہی کرو اور اس کا ادب کرو۔

حضرت گنگوہی سے منقول ہے کہ اپنے نفس سے انصاف لینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو تم اپنے آپ کو اس پر پیش کر دو تا کہ وہ تم سے بدلہ لے لے یا معاف کر دے تا کہ آخرت کی گرفت سے محفوظ رہ سکو۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ جس کو میں نے کوئی تکلیف پہنچائی ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو ایک مرتبہ چھڑی ماری تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور! میں اس وقت ننگا تھا۔ حضور ﷺ نے فوراً قمیص اتار دی۔ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً حضور ﷺ سے لپٹ گئے اور کبھی ادھر بوسہ دیتے اور کبھی ادھر بوسہ دیتے۔ ان کو تو بدلہ لینا تھا جس طرح چاہا لے لیا۔

اور بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ حضور ﷺ کے ارشاد لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه کے ہم معنی ہے اور اپنے نفس سے انصاف لینے کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ اوروں کے لئے بھی پسند کرو۔ اور جو دوسروں کے لئے پسند کرتے ہو وہ اپنے لئے پسند کرو۔ اور بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ جو اپنے اوپر واجب ہو اس کو

ادا کرے خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد سے متعلق ہو۔ان تمام اقوال میں مشہور پہلے دو ہیں۔

وبذل السلام للعالم:

یہ ہے مقصود۔اور یہ ہے السلام علی من عرفت ومن لم تعرف.

والانفاق من الاقتار:

یعنی تنگی کے وقت خرچ کرنا۔چنانچہ حق تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یہ ہے محمود کہ آدمی پر عسرت اور تنگی ہو مگر پھر بھی خرچ کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مالدار ہو اور مثلاً ایک ہزار روپے میں سے پچاس روپے خرچ کرے تو گویا بیسواں حصہ ہی خرچ کیا بخلاف اس کے کہ جس کے پاس سو ہی روپے ہوں وہ اگر پچاس روپے خرچ کر دے تو اس نے تو اپنا نصف خرچ کر دیا۔

حدیث پاک میں آتا ہے افضل الصدقة جهد المقل یعنی افضل صدقہ نادار کی مشقت ہے انفاق بحالت اقتار محمود ہے اور بڑی ہی عمدہ شے ہے اور کلام تو اس پر کتاب الزکوۃ میں آئے گا مگر نہ معلوم وہاں تک کب پہنچیں سنو عسرت کے باوجود خرچ کرنا بڑی ہی محمود شے ہے مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو اعتماد علی اللہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ اس وقت دے کر دوسرے وقت پھر افسوس ہوگا یا دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے گا اور اگر یہ خوف ہو تو پھر اس کے لئے محمود نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک سونے کی ڈلی لایا اور خدمت اقدس ﷺ میں پیش کر کے کہنے لگا کہ یہ میری کمائی ہے اور تو میرے پاس کچھ نہیں۔حضور اقدس ﷺ نے منہ پھیر لیا۔وہ اسی جانب لے کر حاضر ہوا۔حضور اکرم ﷺ نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔وہ اسی طرف لے گیا۔آپ ﷺ نے وہ ڈلی لے کر اس زور سے پھینک کر ماری کہ اگر وہ ہٹ نہ جاتے تو ہڈی ٹوٹ جاتی۔اور اس کے برخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ پوچھتے ہیں کہ گھر کے لئے کیا چھوڑا؟ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو چھوڑا۔ یہاں حضور ﷺ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا شخص جزع فزع کرے گا اس لئے اس کو تو واپس کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعتماد علی اللہ معلوم تھا اس لئے اس کو قبول فرما لیا اور رد نہیں کیا۔

باب كفران العشير وكفر دون كفر

یہاں تک پانچ باب ہوئے ہیں جس سے امام بخاری نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ایمان ایک حقیقت بسیط ہے اور اس میں جو تفاضل وغیرہ ہے وہ اعمال کے اعتبار سے ہے۔اور چونکہ قاعدہ وبضدها تتبين الاشياء اس لئے حضرت امام بخاری کفر کے بھی مراتب ثابت فرما رہے ہیں اور جب کفر کے مراتب ہیں تو اس کے مقابل (اسلام) کے بھی مراتب ہوں گے لیکن یہ سارے مراتب حقیقی نہیں کہ خلود فی النار کا سبب بن جاویں۔

حدثنا عبدالله بن مسلمة:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اريت النار فاذا اكثر اهلها النساء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ایکفرن

باللہ. حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا یکفرن العشیر ۔معلوم ہوا کہ کفر حقیقی جو کفر باللہ ہے وہ کل مراتب نہیں ہے جب ایسا ہے تو اسی طرح ایمان کے سارے مراتب حقیقت ایمان میں داخل نہ ہوں گے بلکہ اس کی حقیقت تو ایک ہوگی اور یہ چیزیں اس کی مکملات ہوں گی۔اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جہنم میں بکثرت عورتوں کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں زیادہ ہوں گی اور اس کے بالمقابل دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں کم از کم ہر شخص کو دو بیویاں ملیں گی اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں مردوں سے زیادہ عورتیں ہوں گی یعنی کم از کم دوگنی تو ہوں گی۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب وہاں عورتیں زیادہ ہیں تو مرد کم ہوئے اور جہنم کے اندر مرد زیادہ ہونے چاہئیں۔اور عورتیں کم۔حالانکہ اس حدیث سے وہاں کی کثرت معلوم ہوتی ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عوتوں کی پیداوار کثرت سے ہے اس لئے دونوں جگہ یہی زیادہ ہوں گی۔دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ عورتیں کفران عشیر کی وجہ سے جہنم میں گئی ہیں اور کفران عشیر ، کفر دون کفر ہے تو ابتداء سزا بھگتنے کے لئے وہ جہنم میں جائیں گی اور پھر وہاں سے جنت میں آئیں گی تو گویا ابتداء جہنم کے اندر کثرت اور پھر انتہاء جنت میں کثرت ہوگی۔

اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ جو کثرت دکھلائی گئی وہ کس طرح سے دکھلائی گئی۔بعض علماء تو کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کو یہ ان عورتوں کے متعلق دکھلایا گیا تھا جو مر چکی ہیں اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے اگر وہ نیک ہوتا ہے تو اس کی قبر کو وسیع کر دیا جاتا ہے اور جنت کی کھڑکی وہاں کھول دی جاتی ہے اور اگر وہ برا ہوتا ہے تو پھر جہنم کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے تو حضور پاک ﷺ نے یہ منظر بیان فرما دیا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو بطور کشف آئندہ ہونے والی بات بتلائی گئی ہے جیسے ہمارے زمانے میں اولیاء اللہ کو بعض آئندہ ہونے والی باتوں کے متعلق انکشاف ہو جاتا ہے مگر انبیاء اور اولیاء کے انکشافات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام کے انکشافات میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا تاہم کبھی کبھی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے جیسا کہ عمرہ حدیبیہ میں ہوا مگر غلطی نہیں ہو سکتی بخلاف کشف اولیاء کے کہ وہاں احتمال وقوع غلطی کا ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

ویکفرن الاحسان:

احسان کا کفر کیسے کرتی ہیں؟ یوں کرتی ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کرتے رہو۔اور جب کسی وقت کوئی بات ہو جائے تو کہہ دیں "تیرے یہاں مجھے کوئی راحت ملی؟ ہمیشہ ہی مجھے اس گھر میں تکلیف پہنچی۔"

باب المعاصی من امر الجاهلیة

یہ دوسرا باب ہے اس سے بھی وہی ثابت کرنا ہے یعنی کفر دون کفر یہاں پر کفر کو جاہلیت سے تعبیر کیا کیونکہ اس زمانے میں کفر ہی کفر تھا۔میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ امام بخاری جب کسی چیز کے اثبات پر اتر آتے ہیں تو اس کو مختلف عنوانات سے ثابت فرماتے ہیں۔

اب یہاں فرماتے ہیں کہ معاصی امر جاہلیت سے ہے اور جاہلیت کی چیزیں کفر ہیں حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا انک امرؤ فیک جاهلية تو اگر معصیت کفر حقیقی تھی تو یہاں حضور اکرم ﷺ نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا؟ معلوم ہوا کہ معصیت کفر حقیقی نہیں ہے بلکہ کفر دون کفر ہے جیسے طاعت ایمان دون ایمان ہے عین ایمان

نہیں۔ آگے فرماتے ہیں۔

ولایکفر صاحبھا بارتکابھا:

یعنی اگر کوئی معاصی کا ارتکاب کرلے تو وہ کافر نہیں ہوگا اس باب سے امام بخاری نے خوارج پر رد فرمایا ہے کہ اگر کبائر کے ارتکاب سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو پھر حضور اقدس ﷺ نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا۔ اور اس سے پہلے باب میں مرجئہ اور خوارج دونوں پر رد فرمایا ہے مرجئہ کا تو اس لئے کہ اگر معاصی مضر نہیں تو پھر جہنم میں جانے کا کیا مطلب؟ اور خوارج پر اس طرح کہ اگر وہ عورتیں کافر ہو گئیں تھیں تو پھر حضور اکرم ﷺ نے ایکفرن باللہ کے جواب میں یکفرن العشیر کیوں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ اس آیت سے پتہ چلا کہ مادون الشرک کوئی اور چیز ہے جو اختیار الٰہی میں ہے خواہ معاف کردیں یا اس پر سزا دیں ہاں مشرک کو معاف نہیں کریں گے۔ اسی طرح ارشاد ہے وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا اس سے مقصود کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے کیونکہ قتال مؤمن کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ وارد ہے قتالہ کفر۔

اب یہاں جو یہ فرمار ہے ہیں وان طائفتان الخ تو اگر قتال مؤمن کفر حقیقی تھا تو پھر مؤمن کیسے کہہ دیا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن ہیں اور کفر سے کفر دون کفر مراد ہے عین کفر مراد نہیں ورنہ آیت اور حدیث میں تعارض ہو جائے گا۔

قال ذھبت لانصر ھذا الرجل:

یہ روایت یہاں مختصر ہے البتہ کتاب الجہاد میں مفصل آئے گی۔ یہ واقعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باہمی لڑائی جنگ جمل کا ہے۔ احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار سونت کر چلے۔ راستہ میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کہا کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے اس رجل کی مدد کرنے کے لئے ھذا الرجل سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہاں تو بس نام ہی مذکور ہے آگے جو روایت آرہی ہے اس میں یہ جملہ اور ہے ابن عم رسول اللہ ﷺ یعنی میں حضور ﷺ کی قرابت کی وجہ سے ان کی مدد کرنے جارہا ہوں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تلوار رکھو۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے فرمار ہے تھے اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار (کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل تلوار لے کر نکلتے ہوں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جاویں گے)

فقلت یارسول اللہ ھذا القاتل:

یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قاتل تو اپنے قتل کی وجہ سے جہنم میں گیا۔ لیکن مقتول نے کیا قصور کیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تلوار تو وہ بھی لے کر گیا تھا قتل ہی کے واسطے اگر موقع پاتا تو قتل کر دیتا مگر موت دوسرے کی تھی وہ ہی مارا گیا۔

لقیت اباذر بالربذہ:

یہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الزہاد اور امام الزاہدین ہیں ان کا حال یہ تھا کہ جہاں کسی کو اچھا کپڑا پہنے دیکھا اور پتہ چلا۔

اس میں پیوند نہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ مالدار ہے تو لاٹھی اٹھاتے اور پہنچ کر کہتے۔ **درهم كي من النار و درهمان كيان من النـار** ۔حضرت عثمان شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب فتوحات کا زور ہو رہا تھا اور دراہم و دنانیر گھر کے کونوں میں بکھرے پڑے رہتے تھے۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے زہد کی شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ دیہات میں جا کر سکونت اختیار کریں۔ کیونکہ بے چارے دیہاتیوں کے پاس پیسہ زیادہ نہیں ہوتا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعمیل حکم میں مدینہ کے قریب ربذہ نامی ایک گاؤں میں چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کسی نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں چلے آئے فرمایا خلیفۃ المومنین کا حکم ہے۔ اگر مجھ پر کسی حبشی غلام کو بھی امیر بنا دیا جاتا تو میں ان کی اطاعت کرتا۔ یعنی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی اطاعت بھلا کیسے نہ کرتا۔ یہ قصہ آگے بھی تفصیل سے آئے گا۔

وعليه حلته:

حلة کہتے ہیں ازار اور رداء کو جو ایک ہی نوع کی ہوں۔ اب جب کہ وہ حلة پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی حلة پہنے ہوئے تھا تو پھر اس کے متعلق سوال کا کیا مطلب؟ اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ ایک رنگ کا ایک کپڑا دونوں کے پاس تھا جس کو حلة سے مجازاً تعبیر کر دیا یعنی یہ تم نے کیا کر کھا ہے اگر تم غلام کو اپنی چادر دے کر دوسری عمدہ چادر لے لو جو کہ آپ کے لباس میں رنگ میں شریک ہے تو آپ کا تمام لباس ایک رنگ کا ہو جائے گا اور غلام کا دوسرے رنگ کا۔ اس پر انہوں نے فرمایا:

انی سابیت رجلا:

رجل کا مصداق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یعنی میں نے ان کو ایک مرتبہ عار دلائی تھی ان کی ماں کے ساتھ۔ کیونکہ وہ حبشہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے باشندے کالے ہوتے ہیں۔ تو میں نے ان کو "کالی عورت کا لڑکا" کہہ دیا تھا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انک امرؤ فيك جاهلية** ۔ تیرے اندر سے اب بھی جاہلیت ختم نہیں ہوئی، تو عار دلانے کو امر جاہلیت یعنی معصیت قرار دیا لیکن اس سے ان کا کفر لازم نہیں آیا۔

آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ بھائی تمہارے پاس یہ لوگ دوسری جگہ سے تمہارے غلام اور ماتحت بن کر آئے ہیں ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا چاہئے۔ جو تم خود پہنو وہی ان کو پہناؤ اور جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور ان کی مدد کرو۔ اس واقعہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر میں نے بھی اپنے غلام سے یہی معاملہ کیا کہ میں نے پورا سوٹ نہیں پہنا بلکہ ایک چادر میں نے لی اور دوسری اس کو دی۔

باب ظلم دون ظلم

امام بخاری کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی بات منعقد فرماتے ہیں تو اس کے بعد دوسرے باب سے اس کی توضیح و تکمیل فرمایا کرتے ہیں۔ یہ باب بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور باب سابق میں جو مضمون ثابت کیا ہے اسی کو پھر یہاں سے ثابت فرما رہے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ قاعدہ یہ ہے کہ جب نکرہ تحت النفی واقع ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال بھی کر لیا کہ اينا لم يظلم۔ یعنی ہم میں سے کون ایسا ہے جس سے ظلم نہ ہوا اور کچھ نہ کچھ کوتاہی نہ ہوئی ہو۔ اس پر آیت

شریف نازل ہوئی۔ ان الشرک لظلم عظیم اس سے پتہ چلا کہ جب شرک عظیم ہے تو اس سے چھوٹا ظلم یقیناً کوئی نہ کوئی ہوگا۔ جب ہی تو عظیم کا مقابل سمجھ میں آئے گا۔ اس تقریر سے ظلم دون ظلم ثابت ہوگیا۔

باب علامة المنافق

اس سے قبل امام بخاری نے جو ابواب منعقد فرمائے ہیں وہ علامۃ الایمان سے متعلق ہیں۔ اب چونکہ کفر کا باب چل رہا ہے تو جو علامات کفر ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق امام بخاری نے یہاں سے باب قیام لیلة القدر من الایمان تک پانچ ابواب ذکر فرمائے ہیں۔ انہی علامات میں سے ایک نفاق ہے۔

آیة المنافق ثلاث:

اس پر اشکال ہے کہ یہ علامات مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں لہٰذا المنافق کو خاص کرنے کی وجہ کیا ہے؟

مجھے حضرت امام بخاری کی طرف سے جواب دینے کی ضرورت نہیں میں اس کا جواب ترجمہ میں دے چکا ہوں کہ امام کی غرض کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے۔ اور یہ علامات حقیقی کفر کی علامتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے اندر بھی پایا جانا ممکن ہے۔

اذا وعدا خلف:

وعدہ خلافی کا یہ مطلب نہیں کہ وعدہ کرتے وقت اس کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ ہو لیکن معذوری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے بلکہ وعدہ خلافی کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کرتے وقت ہی اس کا پختہ ارادہ یہ ہو کہ میں اس کو پورا نہیں کروں گا۔

حدثنا قبیصة:

اس کے اندر منافقوں کی چار علامتوں کا ذکر ہے اور اس سے پہلی حدیث میں جو اسی باب میں مذکور ہے صرف تین علامتوں کا ذکر ہے علماء نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں اول یہ کہ آپ ﷺ کو اتنا ہی معلوم تھا اس لئے اسی پر اکتفا فرمالیا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مزید علامتیں بتلائیں تو وہ بھی ارشاد فرمادیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ موقعہ کے اعتبار سے ایسا فرمایا کہ جس کے اندر جو خصلتیں نمایاں تھیں اسی پر اس کو متنبہ کر دیا۔

کان منافقا خالصا:

خالص منافق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر ہوگیا بلکہ کمال نفاق کا مرتبہ اس کو حاصل ہوگیا جس کی بنا پر کفر حقیقی کے قریب قریب ہوگیا۔

حتی یدعھا:

مطلب یہ ہے کہ اس میں نفاق کی یہ خصلتیں جب تک رہیں گی وہ منافق رہے گا اور جب اس خصلت کو چھوڑ دے گا نفاق بھی ختم ہو جائے گا اور تجدید ایمان کی ضرورت نہ ہوگی۔ ماقبل میں چونکہ ایمان کا بیان تھا اور زیادتی وضاحت کے لئے درمیان میں پانچ ابواب

وبضدھا تتبین الاشیاء کے قاعدے کے مطابق ذکر فرمائے تھے اب پھر اپنی اصل کی طرف رجوع کر کے ایمان کا ذکر شروع فرمادیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

باب قیام لیلة القدر من الایمان

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ یہ باب رجوع الی الاصل کے لئے ہے۔اور باریکیاں پیدا کرنے والوں نے یہ باریکی بتلائی کہ امام بخاری نے باب افشاء السلام کے بعد قیام لیلة القدر کا باب منعقد فرما کر آیت کریمہ سلام ھی حتی مطلع الفجر کی طرف اشارہ کیا ہے اور سلام سے مراد شب قدر ہے تو گویا کہ اس آیت کی مناسبت سے شب قدر کو افشاء سلام کے بعد ذکر کر دیا۔کسی شارح نے یہ نہیں بتلایا کہ افشاء سلام اور قیام لیلۃ القدر میں پانچ بابوں کا فصل کیوں کر دیا گیا؟ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ طریقہ اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کی وہ فضیلت جو احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ کسی خاص آن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں امتداد ہے یہ نہیں کہ بس ہوئی اور ختم ہو گئی۔

ایمانا واحتسابا:

یہاں پر ایمان کی قید تو واضح ہے لیکن احتساب کا ذکر بھی کافی اہمیت رکھتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کام ثواب کی نیت سے کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا ورنہ ثواب سے محرومی رہے گی تو گویا اس جملہ سے نیک نیتی پر تنبیہ کرنا ہے۔

باب الجهاد من الایمان

اس سے پہلے امام بخاری لیلۃ القدر کا باب باندھ چکے ہیں اب یہ باب الجہاد منعقد فرمایا ہے اس کے بعد تطوع قیام رمضان ذکر فرمائیں گے سوال یہ ہے کہ تطوع قیام رمضان میں تو لیلۃ القدر ہوتی ہے پھر ان دونوں کے درمیان باب الجہاد سے کیوں فصل کر دیا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لیلۃ القدر مشقت اور مجاہدہ سے حاصل ہو گی۔

ایمان بی او تصدیق برسلی:

یہ او شک کے لئے بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو تصدیق بالرسول کے ساتھ ہو۔اور تصدیق بالرسول ایمان باللہ کو مستلزم ہے اور تنویع کے لئے بھی ہوسکتا ہے علی سبیل مانعة الخلو محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ او کے بعد لفظ قال پڑھوایا کرتے ہیں لیکن میری عادت یہ ہے کہ میں اس کو تنویع پر حمل کر کے قال نہیں پڑھوایا کرتا۔

من اجر اوغنیمة:

یہاں پر او مانعۃ الخلو کے لئے ہے۔

لولاان اشق علی امتی:

یعنی اگر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر جہاد میں جاتا لیکن چونکہ میرے جانے کی وجہ سے ہر شخص چلنے کو چاہے گا تو اس خوف سے

کہ سواریوں کی قلت ہے میرے جانے کی صورت میں ہر شخص جانے کی کوشش کرے گا اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔

ثم احیی ثم اقتل:

یہ ہے عشق کی بات کہ آدمی محبوب کے راستہ میں قتل ہونا چاہتا ہے۔ جہاں یہ فضیلت ہے کہ محبوب کے راستے میں قتل ہوتا ہے وہیں شہرت عشق بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ یادرکھو کہ شہرت عشق اور چیز ہے شہرت ریا اور چیز وہ اچھی چیز ہے اور یہ مذموم

ما و مجنون ہم سبق بودیم در ایوان عشق — او بصحرا رفت ومادر کو چہار سوا شدیم

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

ہم لوگ ایمان کی بساطت کے قائل ہیں اس کے لئے اجزائے ترکیبیہ نہیں مانتے لیکن جولوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے ان میں اختلاف ہے کہ آیا جو اعمال کہ جزء ایمان ہیں ان کے اندر نوافل بھی داخل ہیں یا نہیں۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ صرف فرائض جز ہیں نوافل نہیں۔ اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ بھی نوافل ہیں یہ میلان امام بخاری کا بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے تطوع قیام رمضان کی قید لگائی۔

باب صوم رمضان احتسابا

احتساب کی قید ہر عبادت میں معتبر ہے اور صوم رمضان میں خاص طور سے اس قید کا اظہار الفاظ روایت کے پیش نظر کیا گیا ہے احتساب کے معنی اللہ تعالیٰ شانہ سے ثواب کی تمنا کرنا ہے مصنف نے احتسابا فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ اشیاء ایمان میں اس وقت شمار ہوں گی جب کہ مع الاحتساب ہوں۔

باب الدین یسر

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس باب سے امام بخاری خوارج پر رد فرما رہے ہیں اس لئے کہ انہوں نے دین کو اتنا سخت بنادیا کہ اگر ایک وقت کی نماز چھوٹ گئی تو کافر ہوگیا ذرا سی لغزش ہوئی تو کافر بن گیا لہٰذا حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ دین اتنا سخت نہیں جتنا اس کو بنا رکھا ہے بلکہ دین آسان ہے اور حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ ابھی باب الجہاد گزرا ہے اور اس سے پہلے باب میں یہ گزر چکا کہ لیلۃ القدر کا قیام مجاہدہ سے ہوتا ہے تو اب بتلانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ ضروری ہے اور وہ سر آنکھوں پر لیکن یہ سب جب ہے جبکہ تحمل بھی ہو ورنہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا تو گویا یہ بتلانا مقصود ہے کہ تحمل کے بقدر مشقت کا مطالبہ ہے۔

احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ:

حنیفیہ سے مراد ملۃ ابراہیمیہ حنیفیہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا۔ اس سے مذہب حنفی مراد نہیں کیونکہ یہ

تو ڈیڑھ سو سال بعد کی پیداوار ہے ہاں البتہ تفاول کے طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مذہب حنفی زیادہ قابل اتباع ہے غور سے سنو اور پھر سے سنو میری طرف سے یہ مت نقل کردینا کہ انہوں نے بتلایا ہے کہ اس سے مذہب حنفیہ مراد ہے البتہ تفاول ہے السمحہ بمعنی آسان۔

ولن یشادالدین احد:

دین کے اندر شدت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عذر کی حالت میں جو رخصت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے مشروع فرمائی ہے ان کو اختیار نہ کرنا مثلاً مریض کے لئے اللہ نے اجازت دی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے لیکن شیطان کی چالبازیوں میں آکر اس رخصت پر عمل نہیں کرتا، اسی طرح شریعت نے حکم دیا ہے کہ عذر کی حالت میں تیمم کرلو لیکن تم اس وقت بھی بجائے تیمم کے وضو کرتے ہو تو ایسی صورت میں اور زیادہ بیمار ہوجاؤ گے ذات الجنب کا مرض ہوجائے گا اور یہی اس کے غالب ہوجانے کے معنی میں ہے کہ اس سختی سے تم کو پریشانی ہوگی۔

فسددوا:

ٹھیک ٹھیک دین کا راستہ اختیار کرو۔ وقاربوا اور آپس میں ایک دوسرے سے مل کر رہو باہم اختلاف نہ کرو۔

وابشروا:

اور ایک دوسرے کو خوشخبری سناؤ۔

شیئ من الدلجة کا مطلب ہے اندھیری رات کا تھوڑا سا حصہ۔ بھائی! نہ تو علم ہی بلا رات کو جاگے آتا ہے اور نہ ہی طریقت۔ دونوں کے لئے راتوں کو جاگنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ومن طلب العلی سهر اللیالی

باب الصلوة من الایمان

بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود اس باب کو منعقد فرما کر باب سابق میں جو ایک جملہ واستعینوا بالغدوة آیا ہے اس کی تفسیر کرنا ہے کہ اس سے مراد نماز ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض ایمان کی ترکیب اور اعمال کا جزء ایمان ہونا ثابت کرنا ہے کیونکہ سارے محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں آیۃ کریمہ وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم میں ایمان سے مراد نماز ہے اور شان نزول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ تو نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکل علی الجزء ہے لہٰذا جزئیت ثابت ہوگئی۔

عندالبیت:

بعض شراح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ عندالبیت غلط ہے صحیح الی غیر البیت ہے کسی کاتب سے یہ غلطی ہوگئی اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ ابتداء اسلام میں نماز بیت المقدس کی طرف رخ کرکے پڑھی جاتی تھی لیکن جب ہجرت کے سولہ، سترہ ماہ بعد آیت کریمہ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ نازل ہوئی اور جب تحویل قبلہ ہوا تو اس پر یہود وغیرہ نے یہ اعتراض کیا کہ اب تک تمہارے آباؤ اجداد نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھی ہیں ان میں، یا تو وہ حق پر تھے یا اب تم غلطی پر ہو اس پر یہ آیت شریفہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ نازل ہوئی جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔

اس لئے کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئیں وہ بھی بحکم الٰہی تھیں اور اب بھی اسی کے حکم سے قبلہ بیت اللہ بنا ہے تو اب کہنا یہ ہے کہ جب بیت اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے کعبہ ہی مراد ہوتا ہے حالانکہ اس وقت کعبہ کی طرف آپ ﷺ نمازوں میں رخ نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ بیت المقدس کی طرف رخ ہوا کرتا تھا لہٰذا یہاں پر صحیح الی غیر البیت ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سارے نسخے اس لفظ پر متفق ہیں لہٰذا ایک معنی کو صحیح کرنے کے لئے سارے نسخوں کو غلط نہیں قرار دینا چاہئے اس کے بعد حافظ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ عنـد البیـت سے مراد وہ نماز ہے جو مکہ میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی۔ جس کی صورت یہ ہے:

جنوب 0 مکہ .... 0 مدینہ .... 0 بیت المقدس

تو حضور پاک ﷺ جب تک مکہ میں رہے اس طور پر نماز پڑھتے رہے کہ قبلتین سامنے ہوتے تھے۔ یعنی کعبہ کے جنوب میں کھڑے ہوتے تھے لیکن جب آپ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اب صرف بیت المقدس کی طرف رخ فرماتے تھے کیونکہ مدینہ سے کعبہ کی جانب جنوب میں ہے اور بیت المقدس جانب شمال میں تو اس کے متعلق فرمایا کہ آپ نے جو نمازیں تحویل قبلہ سے قبل بیت اللہ کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو کر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی ہیں ہم ان کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ قبول کریں گے اور جب عند البیت والی نمازوں کو ہم نے قبول کر لیا تو جو نمازیں عند البیت نہیں پڑھی گئیں بلکہ مدینہ رہ کر پڑھی گئیں ہیں وہ بطریق اولیٰ مقبول ہوں گی۔ حافظ کی اس توجیہ کی بناء پر عند البیت سے مراد خانہ کعبہ ہوگا۔ جیسا کہ متبادر یہی ہے کہ بیت بول کر خانہ کعبہ مراد لیا جاتا ہے۔

نزل علی اجداده او قال علی اخوانه:

یہ او شک کے لئے ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ اجداد سے مراد اجداد من قبل الام یعنی ننہال مراد ہے تو وہ اخوال ہی ہوا۔

ستة عشر شهرا او سبعة عشر شهرا:

یہاں سے مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی مدت بتلا رہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی اور اگلے سال ماہ رجب میں قبلہ بدل گیا۔ اب یہاں اختلاف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کتنے ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس میں تین طرح کی روایات ہیں ایک میں سولہ ماہ مذکور ہے دوسری روایت میں سترہ ماہ اور تیسری روایت میں اٹھارہ ماہ مذکور ہیں تعارض ان روایات میں کسی قسم کا نہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ ماہ ربیع الاول کے کچھ حصے کے گزر جانے کے بعد ہجرت کی گئی تھی اور ادھر رجب کے آخر میں تحویل ہوئی تو بعض نے کسر کو شمار نہ کر کے پورے سولہ ماہ ذکر کر دیئے اور بعض نے دونوں مہینوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے ان کو ایک ہی ماہ شمار کر کے سترہ ماہ بتلا دیئے اور بعض حضرات نے دونوں کو مستقل مہینہ شمار کر کے اٹھارہ ماہ بتلا دیئے۔ تم ابوداؤد شریف میں پڑھو گے۔ کہ نماز میں تین طرح کا تغیر ہوا اور روزوں میں بھی تین طرح سے تغیر و تبدل ہوا اس کے بعد امام ابوداؤد نے نماز

کے تغیرات میں یہ شمار کرایا ہے کہ مسلمانوں نے تیرہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ یہ تیرہ ماہ والی روایت بالکل غلط ہے اور کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

وکان یعجبه ان تکون قبلته علیه السلام:

کیونکہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور حضور اکرم ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے اتباع کا حکم آیت کریمہ وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا میں دیا گیا تھا اس لئے حضور پاک ﷺ اپنے آبائی قبلہ کی طرف لوٹنا چاہتے تھے۔

وانه صلی اول صلوۃ صلاها صلوۃ العصر:

خوب غور سے سنو! اس میں اختلاف ہے کہ تحویل قبلہ کہاں ہوا اور کب ہوا ایک قول تو یہ ہے کہ مسجد نبوی علی صاحبها الصلاۃ والسلام میں ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ بنو سلمہ میں ہوا اور پھر دونوں میں دو دو قول ہیں ایک یہ کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی دوسرے یہ کہ عصر کی نماز میں ہوئی چار قول میں حاشیہ لامع میں ذکر کر چکا ہوں۔ لامع کے متن میں راجح یہ بتلایا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی مگر یہ اس کے خلاف ہے جو میں نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کیونکہ اس میں میں نے یہ لکھا ہے کہ تحویل مسجد نبوی میں ظہر وعصر کے درمیان ہوئی اور یہی میرے نزدیک راجح ہے لامع میں میرے والد صاحب کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ظہر کی نماز کے درمیان مسجد نبوی میں تحویل ہوئی مگر مولانا محمد حسن صاحب مکی کی (ضبط کردہ) تقریر میں لامع کے خلاف لکھا ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی یہ غلط ہے بلکہ ظہر وعصر کے مابین ہوئی نیز اگر اس کو مان بھی لیا جائے کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ مسجد نبوی بھی ذو قبلتین ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ مولانا محمد حسن صاحب مکی حضرت گنگوہی کے تلامذہ میں سے ہیں ولایتی تھے مکہ ہجرت کو گئے تھے بڑے بزرگ اور عزلت نشین تھے اپنی لکھی ہوئی تقریر مجھے یہ کہہ کر دیدی تھی کہ تیرے اندر خوش بختی کے آثار پاتا ہوں اس لئے تجھے دیتا ہوں بہرکیف اگر یہ مان لیا جائے کہ ظہر وعصر کی نماز کے درمیان تحویل ہوئی تو یہ اس صورت میں بخاری کی روایت بھی ٹھیک ہو جائے گی وہ اس طرح کہ تحویل ظہر کی نماز کے بعد عصر سے پہلے ہوئی حضور اقدس ﷺ نے عصر کی نماز بیت اللہ کی طرف منہ کر کے ادا فرمائی ایک آدمی قبیلہ بنو سالم میں گزرا اس نے ان کو خبر دی کہ قبلہ اب بدل گیا وہ لوگ اسی وقت بیت اللہ کی طرف پھر گئے، پھر دوسرے دن قبا میں نماز فجر میں دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خبر ہوئی بنو سلمہ میں اسی دن عصر کی نماز میں تحویل قبلہ کی خبر اس وجہ سے پہنچ گئی کہ وہ مدینہ ہی کا ایک محلہ ہے اور قبا مدینہ سے باہر ہے۔

فداروا کماهم:

دوسری مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ان کو نماز میں تحویل قبلہ کی نہایت انتظار کے بعد خبر ملی تو وہ لوگ کھڑے کھڑے الٹی طرف گھوم گئے لیکن مجھے اشکال ہے کہ اس صورت میں یہ لازم آئیگا کہ امام تمام مقتدیوں کے پیچھے ہو جائے اور سارے مقتدی امام سے آگے کسی اور حدیث میں تو اس کا ذکر نہیں اس امام کا کیا ہوا لیکن اس کی تاویل یہ ہے کہ امام اپنی جگہ سے ہٹ کر آگے پہنچ گیا اس لئے کہ اتنی مشی مفسد نہیں ہے جبکہ توالی حرکات نہ ہو۔

دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ توجہ الی القبلہ قطعی الثبوت ہے لہٰذا خبر واحد کی بناء پر جو کہ ظنی بھی ہے یہ لوگ کیسے پھر گئے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ نماز خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے جس کا ذکر آیت شریف قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ میں ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور ﷺ کی خواہش معلوم تھی اس لئے اس خبر پر محتف بالقرائن ہونے کی وجہ سے اعتماد کر کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کعبہ کا استقبال کرلیا۔

فلم ندر مایقول فیهم:

شراح اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ آیا ہمارے آباؤ واجداد کی وہ نمازیں جوانہوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں صحیح ہیں یا نہیں۔

اور میرے والد صاحب اس کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا بہت اشتیاق تھا اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ جس چیز کے مشتاق ہوں گے اس کے کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا تو گویا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ اکمل ثواب ہم ہیں یا وہ ہمارے اباؤ واجداد۔

باب حسن اسلام المرء

امام بخاری کا مقصود اس باب سے بھی یہ ثابت کرنا ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ آدمی جب اسلام میں تحسین پیدا کرتا ہے تو پھر حسنہ میں سات سو گنا اضافہ شروع ہوتا ہے اور پھر وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ تو اس تضعیف سے اسلام کے کمال میں بھی زیادتی ہوگی۔

اذا اسلم العبد:

یعنی اخلاص کے ساتھ مسلمان ہوا نفاق وغیرہ نہیں برتا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ یہ معاملہ فرمائیں گے کہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیں گے کبائر کو بھی اور صغائر کو بھی لان الاسلام یهدم ماکان قبله یہ مسئلہ متفق علیہ ہے لیکن یہاں ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے وہ یہ کہ اگر کوئی آدمی مسلمان ہوگیا تو آیا اسلام لانے کی وجہ سے اس کے ان اعمال صالحہ پر جو زمانہ کفر میں کئے ہیں ثواب ہوگا یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے و کان بعدذلک القصاص ای المقاصه یعنی اس کے بعد جزا و سزا کا معاملہ ہوگا۔

باب احب الدین الی اللّٰہ ادومه

یہاں دین سے مراد اعمال ہیں بدلالة حدیث الباب اور مطلب ہوا احب الاعمال الی اللّٰہ ادومه اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر دین کی اشیاء پر مداومت کرے تو زیادہ محبوب ہے اللہ کو بہ نسبت اس کے کہ مداومت تو نہ ہو سکے اور بغیر تحمل کے ان اشیاء کو اختیار کرے۔

قالت فلانة:

اس فلانۃ کامصداق حولاء ہیں یہ فلانۃ غیر منصرف ہے اس لئے کہ یہ کنایہ ہے علم سے مہ یہ کلمۂ زجر ہے۔

لایمل اللہ حتی تملوا:

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے عاجز نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے خزانہ قدرت میں تو بہت کچھ بلکہ سب کچھ ہے۔ ہاں تم عمل سے عاجز ہو جاؤ گے تو ثواب بھی رک جائے گا۔

باب زیادة الایمان الخ

یہ باب ایک مرتبہ تو کتاب الایمان کے شروع میں بنی الاسلام علی خمس کے اندر آیا تھا اس کے بعد دوسری مرتبہ ص ۸ پر باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال میں آیا اور تیسری مرتبہ یہاں آیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی جگہ فعل کا لفظ تھا اور یہاں مصدر ہے اور اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ لفظ بدل جانے سے جبکہ مقصود میں کوئی فرق ظاہر نہ ہو ختم نہیں ہوتا چنانچہ یہاں الفاظ اگر چہ بدل گئے مگر مقصود وہی اثبات زیادت ونقصان ہے لہذا ترجمہ میں تکرار ہے بعض حضرات نے اسکی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ کتاب الایمان کے شروع میں جو زیادتی ونقصان کو ثابت کیا گیا ہے۔ وہ باعتبار اجزاء ایمانیہ کے ہے کیونکہ ان تراجم سے امام بخاری کا مقصود ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے اور ترکیب اجزا چاہتی ہے لہذا وہاں پہلے مقام پر تو ایمان کے نقصان کو باعتبار اجزاء اور کمیت کے بتلانا ہے اور یہاں کیفیت کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے مگر بعض مشائخ کی رائے جس کو لامع میں بھی اختیار کیا گیا اور حضرت شیخ الہند نے اپنے تراجم میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے یہ ہے کہ زیادتی وکمی باعتبار اجزاء اعمال کے تھی یعنی اعمال اجزاء کثیرہ پر مشتمل ہیں اب جو پورے اعمال کرے گا وہ زیادہ کو حاصل کرلے گا اور جو ان میں سے کم کرے گا اسی کے یہاں نقصان ہوگا اور یہاں مومن بہ کی کمی وزیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ اعمال ایک دم نازل نہیں ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں مثلاً معراج میں نماز کی فرضیت اور یکے بعد دیگر دوسرے فرائض کی فرضیت نازل ہوئی تو جس جس طرح احکامات نازل ہوتے رہے مومن بہ میں زیادتی ہوتی رہی۔

الیوم اکملت لکم دینکم الآیة:

یہاں اکمال سے مراد زیادتی ہے اور جب دین کی کسی بات کو ترک کردیا جائے تو اس میں نقص پیدا ہوگا کہا جاتا ہے کہ آیت کے بعد شریعت میں بذریعہ وحی کوئی زیادتی نہیں ہوئی اور یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔

لاتخذنا ذلک الیوم عیدا:

اس لئے کہ جس دن اتنی بڑی بشارت سنائی جائے کہ ہم نے تم پر دین کو کامل کردیا اور اتمام نعمت فرمایا اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس دین والوں سے راضی بھی ہیں لہذا ایسا مبارک روز جس میں اتنی بشارتیں ہوں وہ اسی قابل ہے کہ اس کو عید بنالیا جائے۔

قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد عرفنا ذلک الیوم:

یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس یہودی کی بات کا جواب بھی ہوگیا یا نہیں؟ بظاہر تو ہوا نہیں اس

لئے کہ وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم یوم العید بنالیتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس دن کو اور اس مکان کو حتی کہ اس وقت کو بھی جانتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ کچھ نہیں بتلایا کہ یوم عید بنانا چاہئے یا نہیں۔ اور اگر نہیں بتایا تو کیوں نہیں بتایا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اگر چہ بظاہر جواب نہیں ہے مگر فی الحقیقت یہی جواب ہے اور جواب کی تقریر دو طرح سے کی جاسکتی ہے ایک تو یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ذرا سوچ کر بات کر تو کیا کہہ رہا ہے تو عید بنانے کو کہتا ہے۔ ارے! ہمیں تو عید بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ وہ تو پہلے ہی سے یوم عید ہے کیونکہ وہ دن جمعہ کا ہے وہ بھی عید ہے اور عرفہ بھی عید ہے پھر ہمیں عید بنانے کی کیا ضرورت۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ اتفاق سے وہ دن جس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تمام فرقوں کی عید کا دن تھا چنانچہ نصاریٰ، یہود، مجوس، سب ہی اس روز عید منا رہے تھے اور مسلمانوں کی عید کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اور دوسری تقریر اس طرح کی جاتی ہے کہ تم کیا کہتے ہو ذرا غور تو کرو ہمیں سب کچھ معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی۔ کب نازل ہوئی کس حال میں نازل ہوئی میدان عرفات میں جبکہ حضور ﷺ اپنی ناقہ مبارکہ پر تشریف فرماتے تھے جمعہ کا دن تھا اس وقت یہ نازل ہوئی مگر ہم ایسے نہیں کہ بس اپنی طرف سے جو دن چاہے عید کا مقرر کرلیں بلکہ ہم تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع ہیں جب انہوں نے عید نہیں بنائی تو ہم کیوں بنائیں۔ یہ تقریر میرے نزدیک راجح ہے۔

باب الزکوة من الاسلام

زکوۃ چونکہ اعمال اسلام میں سے ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا۔ اور مقصود اس سے ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے یہ حنفا حنیف کی جمع ہے جس کے معنی مائل ہونے والے کے ہیں یعنی مائلین عن الزیغ.

وذلک دین القیمة:

دین القیم اور دین القیمه دونوں طرح سے روایات میں آتا ہے اور دونوں ہی قرائتیں ہیں جیسا کہ آگے آئے گا یہاں پر سب کو دین قیم قرار دیا گیا ہے اور دین ایمان ایک ہی ہے لہٰذا زکوۃ بھی ایمان کے اعمال میں سے ہوئی۔

ثائر الرس:

الجھے ہوئے بالوں والا۔ یہ بدوی لوگ تہذیب وتمدن تو کچھ رکھتے نہیں اپنا، ایسے ہی رہتے ہیں لہٰذا اسی شکل میں آگئے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ متعلم اور سائل ہوکر آیا تھا اس لئے یہ تعلیم دے گیا کہ طالب علم کو بناؤ سنگھار نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایک دھن ہو اور کسی چیز کی خبر نہ ہو۔

نسمع دوی صوته:

دوی کہتے ہیں صوت خفی کو یعنی اس آواز کو جو سنائی دے لیکن معنی سمجھ میں نہ آئیں اور عرف عام میں صوت نحل شہد کی مکھی کی آواز سے تشبیہ دیتے ہیں جس کی تفسیر بھنبھناہٹ سے کی جاتی ہے۔ یہاں پر شراح قاطبۃ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ چونکہ دیہاتی تھا تمدن سے عاری اس نے دور ہی سے زور زور سے پکارنا شروع کردیا مگر دور ہونے کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا جب

قریب آیا تو بات معلوم ہوئی۔ میرے والد صاحب نے اپنے شیخ قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شراح کے اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے اس لئے کہ دوی کہتے ہیں صوت خفی کو لہٰذا یہ کہنا کہ وہ زور زور سے پکارتا ہوا آرہا تھا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بڑے کے پاس جاتا ہے اور کوئی بات اس سے کرنا چاہتا ہے تو اس پر ایک قسم کا خوف اور سہم سوار ہو جاتا ہے اس بناء پر وہ ان باتوں کو رٹتا ہے اور آہستہ آہستہ یاد کرتا جاتا ہے۔ تاکہ مقام پر پہنچ کر بلا تکلف کہہ دے اور سوچتا رہتا ہے کہ یہ پوچھوں گا اور یہ بات دریافت کروں گا وغیرہ وغیرہ۔

خمس صلوات فی الیوم و اللیلۃ:

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اسلام کے اہم ارکان بتلائے ہیں احناف پر اس حدیث سے استدلال کر کے ایک اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ وتر فرض نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے پانچ نمازیں بتلا کر آگے فرمادیا لاالا ان تطوع اس سے معلوم ہوا کہ ان پانچ وقت کے علاوہ جو نماز پڑھی جائے گی وہ فرائض میں داخل نہیں ہوگی۔ علماء احناف اس کے کئی جوابات دیتے ہیں اول یہ کہ وتر ابتداء سنت تھے پھر بعد میں واجب کئے گئے اور اس کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔

ان اللّٰہ امدکم صلوٰۃ الا وھی الوتر:

یہاں پر جس نماز کی زیادتی کو بتلایا گیا ہے وہ وتر ہی ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز کے تابع ہے مستقل کوئی نماز نہیں لہٰذا عشاء کی نماز میں یہ خود شامل ہیں اور اسی تابع ہونے کی بناء پر ہمیشہ وتر عشاء کے بعد پڑھے جاتے ہیں پہلے پڑھنا جائز نہیں اسی وجہ سے اگر عشا کی نماز دہرانی پڑ جائے تو وتر بھی دوبارہ پڑھے جاتے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تو فرائض کو بتلانا مقصود ہے اور وتر احناف کے یہاں فرض نہیں صرف واجب ہیں اور فرض و واجب میں وہی فرق ہے جو آسمان زمین میں ہے میں کہتا ہوں کہ نماز جنازہ بھی تو فرض ہے اور صلوۃ الکسوف بعض ظاہریہ کے یہاں واجب ہے اسی طرح عیدین کی نماز بعض ائمہ کے یہاں فرض ہے جو جواب یہ سب حضرات دیں گے ہم احناف بھی وہی جواب دیں گے۔

لاالا ان تطوع:

یہاں ایک مسئلہ سنو وہ یہ کہ اگر کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر دے تو حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں اس کا اتمام واجب ہو جاتا ہے اور افساد میں قضا واجب ہوتی ہے اور شوافع و حنابلہ کے یہاں قضا واجب نہیں۔ دراصل اس اختلاف کی وجہ یہ ہو رہی ہے کہ یہاں پر الاان تطوع میں استثناء متصل ہے یا منفصل حنفیہ و مالکیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ استثناء میں اصل اتصال ہے اور جب استثناء متصل ممکن بھی ہے تو پھر منفصل بنانے کی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا یہاں استثناء متصل ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تیرے اوپر اس کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہاں یہ کہ تو نوافل شروع کر دے تو پھر وہ واجب ہو جائیں گی۔ شوافع و حنابلہ کہتے ہیں کہ جس طرح تم زکوٰۃ میں استثناء منفصل مانتے ہو اسی طرح یہاں بھی مان لو۔ حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ زکوٰۃ کوئی منتظم نہیں بلکہ معطی کو اختیار ہے کہ کچھ آج دیدے اور کچھ کل۔ بخلاف مصلی اور صائم کے کہ ان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بعض رکعت آج پڑھ لیں بعض رکعت اگلے روز یا نصف دن کا روزہ آج رکھیں اور نصف بقیہ کل رکھیں بلکہ ان میں اتساق و انتظام ہوگا اس لئے یہاں استثناء متصل ہوگا بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہاں چونکہ خود انفصال

ہوتا ہے استثناء بھی منفصل ہو جائے گا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لو کہ فرائض کا پڑھنا واجب مؤکد ہے اور نوافل باعث اجر وثواب ہیں اور ان کے ترک پر کچھ عقاب وعذاب نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص پورے پورے فرائض ادا کرے اور نوافل نہ پڑھے تو وہ ناجی ہوگا لیکن میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ کوئی نجات کے دھوکہ میں آکر نوافل کو نہ چھوڑ دے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے روز فرائض کی کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ اب کیا ہماری نمازیں ایسی ہیں کہ ان پر پورا اور کامل ثواب ملے ہاں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ان کے صرف فرائض ان کے لئے ناجی ہیں۔

وذکرله رسول الله ﷺ:

اس ذکر کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے صوم وصلوۃ میں تو حضور ﷺ کے الفاظ یاد تھے لیکن یہاں یہ یاد نہیں رہا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا اس لئے ذکر له سے تعبیر فرمادیا ہے یہ حضرات محدثین کی غایۃ احتیاط ہے الا ان تطوع یہ استثناء سب کے نزدیک منفصل ہے اور بعض روایات میں حج کا بھی ذکر واقع ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ واقعہ دوسرا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ واقعہ تو ایک ہی ہے مگر یہاں پر راوی نے اختصار کردیا ہے۔

والله لا ازید علی هذا ولا انقص:

یہاں اشکال یہ ہے کہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقصان نہ کرنے پر قسم کھالی یہ تو قرین قیاس ہے اور ٹھیک ہے مگر یہ جو انہوں نے زیادتی نہ کرنے پر بھی قسم کھالی اور اس پر حضور اکرم ﷺ نے افلح الرجل ان صدق فرما کر اس پر فلاح مرتب فرمادی یہ کس طرح صحیح ہے کیونکہ یہاں پر بقیہ فرائض حج وغیرہ مذکور نہیں۔ اس کے علماء نے چند جوابات دیئے ہیں اول یہ کہ حج اس وقت تک فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یہ روایت میں فاخبره ﷺ بشرائع الاسلام (۱) موجود ہے لہٰذا اس کے اندر ساری شریعت آگئی، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آنے والے صحابی ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور وافد تھے تو انہوں نے اس بات کی قسم کھائی کہ ان احکام کو اپنے قبیلے تک پہنچانے میں کمی زیادتی نہیں کروں گا لیکن پھر اشکال یہ ہو جائے گا کہ یہی حدیث صفحہ ۲۵۴ پر بھی آرہی ہے وہاں ہے لا اتطوع شیئا ولا انقص اس سے یہ پتہ چلا کہ وہ اس کی زیادتی کو اپنے متعلق کہہ رہے ہیں کہ میں نہ نفلیں پڑھوں گا اور نہ کوئی اور عبادت کروں گا لہٰذا یہ تیسری توجیہ یہاں نہیں چل سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی شان یہ تھی کہ یونہی کہیں اس لئے کہ اگر فرائض کو ان کے پورے آداب کے ساتھ ادا کرلے اور درمیان میں ادھر ادھر کا خیال دل میں نہ لاوے تو وہ ناجی ہے اور یہ جو روایات میں آتا ہے کہ بندہ کے فرائض کو دیکھا جائے گا اگر کم ہوں گے تو نوافل کو دیکھا جائے گا اور ان نوافل کے ذریعہ سے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی تو یہ ہم جیسوں کے لئے ہے جن کی عبادت ناقص ہے۔ ہماری عبادتوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عبادتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہماری نمازیں اگر وہاں منہ پر مار کر نہ پھینکی جائیں تو بھی بہت کافی ہے۔

افلح ان صدق:

یہ ان شرطیہ بھی پڑھا گیا ہے اور ان نصب کے ساتھ بھی یعنی لان صدق.

---

(۱) اخرجه البخاری فی کتاب الصوم صفحه ۲۵۴ مرتب

باب اتباع الجنائز من الایمان

حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے شعب ایمانیہ کو اتباع الجنائز کے باب پر ختم فرمایا ہے کیونکہ جنازہ کا نمبر بھی شریعت میں سب سے آخر میں ہے۔ اور تقسیم غنائم چونکہ موت کے بعد ہوتی ہے اس لئے اس کو مؤخر فرمادیا ہے۔

باب خوف المومن ان یحبط عمله:

یعنی مومن کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے کہ زبان سے کوئی کلمہ کفر وغیرہ کا ایسا نہ نکل جائے جس سے اعمال حسنہ ضائع ہو جائیں۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس باب سے فرقہ احباطیہ کی طرف پہنچ گئے کیونکہ اس جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے پہلے اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ مومن کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے کہ شدہ شدہ کفر کی نوبت آجائے۔ ترجمۃ الباب کی اصل غرض مرجیہ پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ **لاینفع طاعة ولایضر معصية** اس لئے اگر معصیت مضر نہیں تو حبط عمل کے کیا معنی؟

وهو لایشعر:

یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے **وهو لایشعر** بڑھا کر ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کوئی لاعلمی میں الفاظ کفریہ کہتا رہے تو کیا وہ کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ کلمات کفر جب قصد کے ساتھ کہے جائیں تو کفر ہیں اور اگر قصد کے ساتھ نہ کہے جائیں تو وہ کفر نہیں۔ علامہ کرمانی نے نووی پر رد کیا اور فرمایا کلمات کفر کے کہنے سے کافر ہو جاتا ہے خواہ قصد و خبر کے ساتھ کہے یا بغیر قصد و خبر کے کہے یہی جمہور کی رائے ہے۔ امام بخاری نے اسی قول (ثانی) کی تائید فرمائی **وهو لایشعر** بڑھا کر کہ آدمی کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں لاعلمی میں ایسا عمل نہ ہو جائے جس سے اعمال حبط ہو جائیں۔

وقال ابراهيم التيمي:

یہ ابراہیم بہت بڑے واعظ تھے جب وعظ کہتے تھے تو یہ دیکھا کرتے تھے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر خود میرا عمل بھی ہے یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کہہ رہا ہوں کچھ، اور عمل اس کے خلاف ہو۔

کلهم یخاف علی نفسه:

چنانچہ حضرت حنظلہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا قصہ مشہور ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں ایسے ہوتے ہیں گویا جنت دوزخ سب ہمارے سامنے ہے اور جب ہم اپنے گھروں کو آتے ہیں تو بیوی بچوں میں لگ جاتے ہیں مجھ کو تو ڈر ہو گیا کہ کہیں میں منافق تو نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا بھی یہی حال ہے چلو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں چلیں۔ دونوں حضرات خدمت میں حاضر ہوئے اور معاملہ عرض کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کبھی یہ کبھی وہ امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ کا مقولہ نقل فرمایا۔

مامنهم احد یقول:

بعض مشائخ درس میں فرماتے ہیں کہ یہاں سے امام بخاری امام اعظم پر رد فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت امام صاحب سے مشہور

ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا ایمانی کایمان جبرئیل لیکن یہ اشکال غلط ہے۔لامع میں حضرت نے اس کے چھ جوابات دیئے ہیں۔لیکن میرے نزدیک چونکہ یہ اعتراض ہی نہیں لہٰذا جواب کی بھی ضرورت نہیں اور اعتراض اس وجہ سے غلط ہے کہ ان لوگوں نے حضرت امام صاحب کے کلام کو غور سے دیکھا ہی نہیں کیونکہ اول تو امام بخاری حضرت امام صاحب پر رد فرما ہی نہیں سکتے۔شراح میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ امام ابوحنیفہ پر رد ہے۔اور اگر امام بخاری نے خدانخواستہ امام صاحب پر رد فرمایا ہے تو حضرت امام بخاری نے امام صاحب کی بات ہی نہیں سمجھی اس لئے کہ امام صاحب پر رد اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ امام صاحب کا مقولہ جو ہے وہ ایمانی کایمان جبرئیل ولااقول مثل ایمان جبرئیل ہے۔تو امام صاحب نے ایمانی کایمان جبرئیل فرما کر مثل ایمان جبرئیل کی نفی فرمائی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کاف سے تشبیہ ذات کے اندر دیجاتی ہے اور مثل سے صفات میں تو گویا امام صاحب ذات ایمان میں اپنے ایمان کو ایمان جبرئیل سے تشبیہ دے رہے ہیں۔اور صفات میں برابری کی نفی فرما رہے ہیں لہٰذا امام صاحب پر رد نہیں ہوسکتا۔جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب خود واضح ہوگیا کہ حضرت امام اعظم کا مقصد صرف یہ بات کہنی ہے کہ جن جن چیزوں پر ان کا ایمان ہے۔ان ہی پر ہمارا بھی ایمان ہے لہٰذا مومن بہ کے اعتبار سے ایمان میں کوئی فرق نہیں البتہ رہے اوصاف اس میں یقیناً جبرئیل علیہ السلام جیسا ایمان نہیں ہوسکتا اسی کو حضرت نے صراحۃ ذکر فرمایا ہے۔اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام اعظم کا مقولہ صرف ایمانی کایمان جبرئیل ہے اس میں حضرت میکائل علیہ السلام کا کہیں ذکر نہیں اور یہاں (بخاری میں) لفظ میکائیل بھی ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ یہ مقولہ کسی اور کا ہے۔ ماخافه الامومن یعنی نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے اور اس سے مامون منافق ہی ہوتا ہے۔

ومایحذرمن الاصرار علی التقاتل:

یہ عطف ہے خوف المومن ان یحبط عمله پر اور مطلب یہ ہے کہ نفاق وعصیان سے بچنا چاہئے کیونکہ اصرار علی المعاصی کفر تک منجر ہوتا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس کی صورت یہ بیان فرماتے ہیں کہ من تهاون بالنوافل تهاون بالسنن ومن تهاون بالسنن تهاون بالفرائض ومن تهاون بالفرائض سلب المعرفة ومن سلب المعرفة يقع فى الكفر یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کا ایک جملہ وقتاله كفر ہے۔اس سے مرجئہ پر رد ہے کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک صرف لااله الاالله محمد رسول الله کہنے کے بعد آدمی جو چاہے کرتا رہے تو معلوم ہوا کہ یہ فرقہ حضور ﷺ کے قول کی صراحۃ مخالفت کرتا ہے لہٰذا ابووائل نے جو مرجئہ کے متعلق سوال کیا تھا اس کا جواب بھی مفہوم ہوگیا کہ یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو حضور ﷺ کے قول کے خلاف کرتا ہے۔

وانه تلاحی فلان وفلان فرفعت:

چونکہ باب کے اندر اصرار علی التقاتل وغیرہ سے بچنے کا امر تھا تو اب یہاں سے تقاتل کی خرابی اور اس کا نتیجہ بتلاتے ہیں کہ اتنی بری شے ہے کہ لیلۃ القدر جیسی رفیع الشان چیز دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے دل سے اٹھالی گئی اگرچہ ان دونوں کو علم بھی نہیں تھا پھر بھی ان کے تنازع کی وجہ سے ایسی اہم چیز اٹھالی گئی لہٰذا اگر علم بھی نہ ہو پھر بھی گناہ سے اعمال حسنہ ضائع ہوسکتے ہیں۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ فرفعت سے مراد شب قدر ہے کہ وہ اٹھالی گئی۔اس حدیث پر مزید کلام میں آگے چل کر کروں گا۔

باب سوال جبرئیل النبی ﷺ

امام بخاری کا مقصود اس باب سے بھی ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے کہ ایمان کے یہ سب اجزا ہیں احسان، علم، ساعۃ وغیرہ جن کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ آگے امام بخاری ایک جملہ لائے ہیں و مابین النبی ﷺ اس سے بھی ترکیب ثابت کر دی کہ آپ ﷺ سے وفد عبد القیس نے چند اشیاء کا سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا تھا اور چار باتوں سے روکا تھا اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان کے بہت سے اجزا ہیں۔ نیز حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کرنے سے ہر ایک متعلق الگ الگ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام، ایمان، دین الگ الگ ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حقیقۃ سب ایک ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے صرف اعتباری فرق ہے کہ ظاہرا جو شے ہے وہ اسلام ہے اور وہی شے اگر قلب میں ہے تو ایمان ہے اور یہی دین ہے جیسے ومن یتبع غیر الاسلام دینا اس سے بھی معلوم ہوا کہ دین و اسلام ایک ہی مرکب شے ہے دونوں الگ الگ نہیں۔

ماالایمان:

ایمان کا تعلق چونکہ قلب سے ہے اس لئے ماالایمان کے جواب میں ان امور کو بتلا دیا جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں اور اسلام کا تعلق جوارح سے ہے اس لئے ایسی چیزیں بتلا دیں جو جوارح سے متعلق ہیں۔

ان تعبدالله کانک تراہ:

یہ احسان کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کی جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو عابد دیکھ رہا ہے۔ یہاں پر حدیث پاک میں کانک فرمایا گیا ہے کیونکہ دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ تو محال ہے لیکن اب اعتراض یہ ہے کہ جب یہ محال ہے تو اس رؤیت کا تصور کیسے کرے یعنی ہم تو یہ تصور نہیں کر سکتے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ ہمارا دیکھنا اس کو محال ہے تو آگے اس کا طریقہ بیان فرمایا گیا کہ تو یہ تصور کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے اور جب تو یہ تصور کرے گا تو پھر عمل کے اعتبار سے ایسا ہو جائے گا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے، اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب مالک دیکھتا ہے تو کام بڑی توجہ سے ہوتا ہے لیکن صرف تم ہی اسے دیکھ رہے ہو وہ تمہیں نہ دیکھ رہا ہو تو اس میں وہ بات نہیں ہوگی جو پہلی صورت میں ہوتی، تو مطلب یہ ہوا کہ غایت توجہ سے عبادت کرو یہ تشریح ہے اس پورے کلمہ کی۔ لیکن بعض دوسرے علماء نے اس کے اندر دو درجے پیدا فرمائے ہیں کہ اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ تو اس کا تصور کرے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور ادنی درجہ یہ ہے کہ وہ تجھے دیکھے۔ حضرات صوفیاء کرام یہاں ایک تیسری توجیہ بھی فرماتے ہیں کہ فان لم تکن تراہ میں فان لم تکن شرط اور تراہ جزا ہے ای ان لم تکن تراہ یعنی اگر تو موجود نہیں رہے گا تو تو اس کو دیکھ لے گا۔ اس پر اشکال ہوا کہ تراہ اگر جزاء ہے تو مجزوم ہونا چاہئے اس کا جواب دیا کہ تراہ اصل میں ہے. فبقلبک تراہ.

اذا ولدت الامة ربتها:

اس کی دو توجیہیں مشہور ہیں اول یہ کہ اولاد کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے کہ اتنی نافرمانی ہوگی کہ والدین اولاد کے تابع ہو جائیں گے۔ دوسری توجیہ فقہاء کرام نے کی ہے کہ ام ولد کی کثرت بیع کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ام ولد اتنی کثرت سے ایک دوسرے

کے ہاتھ فروخت ہوگی کہ چکر لگاتے لگاتے اسی کے گھر پہنچ جائے گی جہاں سے وہ ام ولد بن کر نکلی تھی اور اس کا ثمرہ جہالت ہے۔ آگے چل کر فرمایا اذا تطاول رعاۃ الابل آج کل تم خوب دیکھ رہے ہو کہ ان چماروں کے مکانات زیادہ اونچے اونچے ہیں۔

باب

یہ باب بلاترجمہ ہے اور بالکل مصداق ہے اس شعر کا

دوگونہ رنج وعذاب است جانِ مجنون را بلائے صحبت لیلیٰ وفرقت لیلیٰ

کیونکہ اول تو ترجمۃ الباب کی روایت سے مناسبت کرنی مشکل ہے اور پھر جبکہ سرے سے ترجمہ ہی نہ ہو اور یہ مصیبت ہے کہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت شیخ الہند کی رائے یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک باب گزرا ہے **باب خوف المومن ان یحبط عملہ** اور اب اس باب میں ہرقل کی حدیث کا وہ ٹکڑا ذکر کرتے ہیں جس کے اندر یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جب آدمی کے قلب میں آجاتی ہے تو ایمان کی تکمیل ہوجاتی ہے اور ایمان تام ہوجاتا ہے تو اس باب سے یہ بتلایا گیا کہ احباط عمل کا خوف اس وقت نہیں رہتا جب ایمان بشاشت قلوب میں گھس جائے۔ مگر مجھ کو اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے **باب خوف المومن** میں اتنا زور باندھا ہے کہ کچھ حد نہیں ابن ابی ملیکہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ میں تیس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملا ہوں ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا خوف رکھتا تھا اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ انہی لوگوں میں سے جو نفاق سے ڈرتے تھے حضرت ابوبکر وحضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے تو اب میرا اشکال یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نفاق سے ڈرتے تھے تو کیا ایمان ان کے بشاشت قلوب سے مخالط نہیں ہوا تھا لہٰذا میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ باب سابق میں جو حدیث جبرئیل گزری ہے اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال ایمان، اسلام میں مغائرت معلوم ہوتی تھی تو اب اس باب سے ان دونوں میں اتحاد ثابت فرمارہے ہیں یہ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ یہ اشیاء گو مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں لیکن معتبر ومعتمد ہونے کے اعتبار سے ایک ہیں اور باہم ان میں تلازم ہے۔ اب یہاں اشکال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ استدلال ایک کافر کے قول سے کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد اس کو بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرمارہے ہیں لہٰذا مراسیل صحابہ یا موقوفات صحابہ کے قبیل سے ہوئی اور یہ سب ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

باب فضل من استبرأ لدینہ

اس سے مراد تقوی ہے کہ آدمی اپنے دین کے لئے پاکی حاصل کرے تو مصنف کا مقصود یہ ہے کہ تقوی وورع بھی اجزاء ایمانیہ میں سے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک باب گزرا ہے **باب خوف المومن** الخ اس میں مومن کو احباط عمل سے ڈرایا ہے اب امام بخاری اس باب سے ایسا طریقہ اور راستہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے آدمی حبط عمل سے بچ جائے اور وہ راستہ ہے اپنے دین کے لئے استبراء کرنا اور شبہات سے بچتے رہنا۔ استبراء کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے دین سے براءت یعنی تقویٰ حاصل کرے گا وہ کفر سے بھی بچ جائے گا جو کہ حابط عمل ہے جیسے جانور حمی سے بچارہے تو حمی میں داخل ہونے سے بھی بچارہے گا اور اگر حمیٰ کے قریب ہوگیا تو حمی میں چلے جانے کا اندیشہ ہے۔

فمن اتقی الشبهات استبرألدينه:

یہ روایت کتاب البیوع میں آئے گی مفصل کلام تو وہاں پر کروں گا کتاب البیوع میں اس لئے اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں کہ بیوع میں شبہات زیادہ پیش آتے ہیں امام بخاری کا مقصد اس روایت سے یہ ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ متقی ہو جائے تو اسے شبہات سے بچنا چاہیے۔

یعلم اللہ راہ خدا از دو قدم بیش نیست یکدم برنفس خودنہ دیگرے برکوئے دوست

الا وان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله یعنی یہ سب اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دل کی اصلاح ہو جائے اور صوفیاء کی ضربیں بھی اسی قلب کے زنگ کے زائل کرنے کے لیے ہوتی ہیں کیونکہ قلب کا یہ زنگ کوئی ظاہری شے تو نہیں کہ اس کو دھویا جائے بلکہ وہ تو ایک عرض ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی معصیت کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو دھل جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے اور پھر دوسرا گناہ کرنے پر دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو دھل جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے اور پھر دوسرا گناہ کرنے پر دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے اسی طرح ہر گناہ سے نقطہ لگتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ یہی وہ ران ہے جس کو اللہ نے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ میں ذکر فرمایا ہے۔ اس باب کی یہ حدیث امام ابوداؤد کی ان چار احادیث میں سے ایک حدیث ہے جس کا انہوں نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا ہے۔

باب اداء الخمس من الايمان

امام بخاری شعب ایمانیہ کو ذکر فرما رہے تھے یہ سب سے آخری شعبہ ہے جس کو امام بخاری نے ذکر کیا۔ اس باب کو باب اتباع الجنائز کے بعد اس وجہ سے لائے کہ عام طور سے شہید ہو جانے کے بعد ہی خمس وغیرہ تقسیم ہوتا ہے۔

عن ابی جمرة قال كنت اقعد:

شراح وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اپنے پاس تخت پر بٹھایا کرتے تھے اور ان کے لئے وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا یہ سب اکرام واعزاز اس وجہ سے تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس فارس اور دوسرے ممالک سے جو وفود اور خطوط وغیرہ آیا کرتے تھے تو یہ ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ترجمانی کرتے تھے تو اس ترجمانی کی وجہ سے ان کا اعزاز واکرام ہوا کرتا تھا چنانچہ بین السطور لکھا بھی ہے کہ **لانه كان يترجم له بالفارسية**۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ بخاری کتاب الحج میں آگے چل کر صفحہ دوسو تیرہ پر شروع صفحہ میں تفصیل سے یہ روایت آرہی ہے کہ حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد نے پوچھا تھا کہ آخر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا اتنا اکرام کیوں فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا **للرؤيا التي رأيت** یعنی اس خواب کی بناء پر جو میں نے دیکھا تھا اور واقعہ اس خواب کا یہ ہے کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اپنے زمانہ خلافت میں قران سے روکا کرتے تھے مگر لوگ کہاں ماننے والے تھے ان کی مخالفت کرتے تھے انہی مخالفت کرنے والوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے کہ انہوں نے قران کا احرام باندھ کر اعلان کر دیا تھا کہ میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا جو جی چاہے کرے میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قران کا احرام باندھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب یہاں تم کو اشکال

ہو رہا ہوگا کہ جب حضور اقدس ﷺ نے قران کا احرام باندھا تھا تو حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو کیوں منع کرتے تھے اس کا جواب اپنی جگہ پر کتاب الحج میں آجاوے گا۔ بہرحال حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اپنے اپنے زمانے میں طوطی بول رہی تھی ان کے حکم کے خلاف اگر کوئی قران کا احرام باندھ لیتا تو اس پر فقرے کسے جایا کرتے تھے حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قران کا احرام باندھا لوگوں نے فقرے کسے مگر وہ اپنے احرام پر رہے اسی دوران انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ حج مبرور وعمرۃ متقبلۃ ان کو بڑی خوشی ہوئی اور اپنا یہ خواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا کر سنایا ان کو بھی بہت خوشی ہوئی اور ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اسی عقیدت کی بنا پر ان کو اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے اور وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا در اصل قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی پر صلاح کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس سے لوگوں کو عقیدت ہو ہی جاتی ہے اور احترام کیا ہی جاتا ہے اس بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ان کا احترام اس بزرگی کی وجہ سے ہوتا ہوگا ورنہ محض ترجمانی ایسی بات نہیں کہ جس کی وجہ سے اتنا احترام ہو۔

ان وفد عبدالقیس:

حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو ماہ ٹھہرے رہے اور ان حضرات کا یہی مشغلہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی احادیث ایک دوسرے کو سناتے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سی احادیث سنائیں ان میں ایک حدیث یہ وفد عبدالقیس کی بھی ہے۔ یہ وفد عبدالقیس سنۃ الوفود میں ۹ھ کے درمیان آیا جیسا کہ محدثین اور مورخین کی رائے ہے اور میری رائے یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے حجۃ الوداع کے سال تک کسی دوران آیا۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ غزوۃ الفتح کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کر دیا تھا اور قبائل کے قبائل آکر مسلمان ہو رہے تھے پھر اس وفد عبدالقیس کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ یارسول اللہ انا لانستطیع ان ناتیک الا فی الشھر الحرام وبیننا وبینک ھذا الحی من کفار مضر یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس سوائے اشہر حرم کے نہیں آسکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے۔ جو مکہ اور مدینہ آتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے اور لوٹ مار کرتا ہے۔ تو اعتراض یہ ہے کہ جب قبائل کے قبائل مسلمان ہو گئے تھے اور اسلام کا ڈنکہ بج رہا تھا تو ان کی مخالفت قبیل مضر سے کس طرح باقی رہ گئی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وفد عبدالقیس حضور اکرم ﷺ کے دربار میں دو مرتبہ آیا ایک ۸ھ کے درمیان فتح مکہ سے قبل دوسرے ۹ھ کے درمیان۔ تو یہ واقعہ جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ ۸ھ کا ہے نیز اس میں جو سوالات پوچھے گئے ہیں وہ بھی ۸ھ ہی کے ہیں یہاں پر چونکہ مقصود صرف احکامات کو بتلانا ہے اس لئے اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ بھی بتلایا جائے کہ یہ کس سنہ کا واقعہ ہے۔

لما اتو النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

یہاں بین السطور تمہارے محشی نے عام الفتح لکھ رکھا ہے عام الفتح ۸ھ کو کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ واقعہ ۶ھ کا ہے کیونکہ اس میں کفار مضر کے پریشان کرنے کا تذکرہ ہے اور یہ پریشان کرنا اور لوٹ مار ۶ھ میں ہی ہو سکتی ہے اگر اس ۶ھ کے قول کو نہ مانا جائے تو پھر قبیلہ مضر کی یہ شکایت کرنا غلط ہوگا کہ یہاں اس حدیث میں اشہر حرم کا لفظ آیا ہے جو اہل مکہ کے یہاں بین الاقوامی مہینے تھے اس میں کوئی آدمی کسی کو نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ باپ کے قاتل سے بھی کوئی تعرض نہیں ہوتا تھا۔ اشہر حرم سے مراد ذی قعدہ اور ذی الحجہ

محرم اور رجب ہے۔

غیر خزایا ولاندامی:

رسوائی تو اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ تم لوگ خود بخود آگئے قید کر کے لانے کی نوبت ہی نہیں آئی اور ندامت اس بنا پر نہیں ہے کہ تم سے ہماری کوئی لڑائی نہیں ہوئی جس میں تمہارے اور ہمارے آدمی قتل ہوتے تو آج منہ دکھانا مشکل ہوتا اور باپ کا قاتل بیٹے کے سامنے آتا تو شرمندگی اور ندامت ہوتی بلکہ تم سب ان چیزوں سے محفوظ ہو سالوہ عن الاشربہ اس وفد نے حضور پاک ﷺ سے امر فیصل دریافت کیا تو آپ ﷺ نے چار چیزوں سے منع فرمایا اور چار چیزوں کے کرنے کا حکم دیا چونکہ ان کے یہاں شراب کا بہت زور تھا اور مدینہ میں شراب کی حرمت مشہور ہو چکی تھی اس لئے اس کے متعلق ان لوگوں نے خاص طور سے آپ ﷺ سے سوال کیا۔

فامرهم باربع ونهاهم عن اربع:

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ جن چیزوں کا امر فرمایا گیا ہے وہ اجمال میں تو چار بتلائی ہیں لیکن تفصیل میں پانچ ذکر کی گئی ہیں۔ شهادة ، اقامة صلوة ، ایتاء زكوة ، صیام رمضان ، اعطاء خمس تو اجمال و تفصیل میں مطابقت نہیں رہی اس کا ایک جواب جیسا کہ تم مشکوۃ میں بھی پڑھ چکے ہو یہ ہے کہ پہلے چار یعنی شہادۃ وحدانیۃ ورسالۃ اور اقامۃ صلوۃ ، ایتاء زکوۃ اور صیام رمضان یہ سب شمار کے اعتبار سے ایک ہیں اور تفسیر ہے الایمان باللہ وحدہ کی اور دوسرا غنیمت میں سے خمس ادا کرنا ہے اور بقیہ دو کو راوی نے اختصارا یا سہوا چھوڑ دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کا اصل مقصد ان چار ہی کو بیان کرنا تھا اور پانچویں چیز ان کو خاص طور سے بغیر ان کے سوال کئے ہوئے بتلا دی یعنی خمس کا ادا کرنا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنگجو اور بہادر قسم کے لوگ تھے اور ان کے آس پاس کفار رہا کرتے تھے اس لئے مال غنیمت ملنے کی امید ہر وقت رہا کرتی تھی تو اس کو حضور ﷺ نے بتلایا کہ اگر مال غنیمت کہیں سے مل جائے تو اس کا خمس ادا کر دینا یہی وجہ ہے کہ اس پانچویں حکم کا اسلوب بدل دیا، اور وان تعطوا من المغنم الخمس کے الفاظ سے ذکر کیا لیکن اس جواب پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ خود بخاری میں صفحہ ایک سو اٹھاسی پر یہی روایت پھر آرہی ہے وہاں شهادة ان لا الـه الا اللّٰه وان محمدا رسول الله وعقد واحدة وارد ہوا ہے اور پھر ایتاء الزكوة ، اقامة الصلوة ، اعطاء خمس ان تین کا ذکر ہے جس سے پتہ چلا کہ اعطاء خمس خود ان چار میں سے ایک ہے لہٰذا اس حدیث کی بناء پر اعطاء خمس کو مزائدہ اور امر خارجی سمجھنا غلط ہوگا۔ نیز اس صورت میں مصنف پر اعتراض ہوگا کہ جب اصل مقصود اول چار تھے اور اعطاء خمس خارجی امر ہے تو اس پر باب اداء الخمس من الایمان کا ترجمہ کیسے درست ہوا لہٰذا اب پہلا ہی جواب دیا جائے گا یہاں صرف دو امر مذکور ہیں بقیہ دو امور راوی نے اختصارا یا سہوا چھوڑ دیئے۔ دوسرا اشکال اس حدیث پر یہ ہے کہ اس میں حج کو ذکر نہیں کیا گیا وہ بھی تو فرائض میں سے ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بعض دوسری روایات میں حج کا بھی ذکر ہے مگر وہ روایات صحاح کی نہیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حج سب لوگوں پر فرض نہیں ہوتا اس لئے اس کو شمار نہیں فرمایا بعض لوگوں نے تیسرا جواب یہ دیا کہ حج اس وقت تک فرض ہی نہیں ہوا تھا، یہاں تک تو وہ چار باتیں تھیں۔ جن کے کرنے کا حکم ہے اور آگے جن اشیاء اربعہ سے منع کیا گیا ان میں سے ایک حنتم ہے حنتم کہتے ہیں مٹکے کو مگر چونکہ عام طور سے شرابیں سبز مٹکوں میں بنتی ہیں اس لئے سبز مٹکے ہی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ جیسے بوتل عام ہے چاہے کسی بھی چیز کی ہو

لیکن جب یوں کہیں کہ ذرا ایک بوتل دکان سے لا دینا تو اس سے مراد سوڈے کی بوتل ہوتی ہے عرف کی وجہ سے اسی طرح یہاں بھی۔ دوسرا برتن دباء ہے یہ آل کدو کا برتن ہوتا ہے اس کو خشک کر لیتے ہیں اور اندر سے بیج وغیرہ صاف کر کے برتن سا بنا لیتے ہیں کبھی میٹھے کدو کا بھی بتایا جاتا ہے۔ تیرنے والے اس کو بغل میں لے کر تیرتے ہیں۔ تیسرا برتن ہے نقیر، نقیر تو ہر منقور یعنی کھدی ہوئی چیز کو کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو کھجور کی جڑ میں کھود کر برتن سا بنا لیتے ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض لکڑیاں خاص قسم کی ہوتی ہیں جن کے اندر سے کھود کر صاف کر لیا جاتا ہے والمزفت وربما قال النقیر یہ چوتھا برتن ہے مزفت اور نقیر رال ملے ہوئے برتن کو کہا جاتا ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں ان برتنوں کے استعمال سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ یہ تمام برتن شراب کے لئے تھے اور شراب کے اثر سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں اگر تازہ تازہ نبیذ بھی ڈالی جائے تو وہ بھی بہت جلد خراب ہو جائے گی اس لئے خاص طور سے ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔

باب ماجاء ان الاعمال بالنية والحسبة

یہاں امام بخاری اس چیز کو ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ کی نیت کر کے اگر نماز پڑھے گا تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں ایسے ہی ہر عمل میں اگر نیت خالص ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود اور اسی کی تائید کے لئے فرماتے ہیں قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ یعنی جیسا کرنا ویسا بھرنا امام بخاری نے ترجمہ میں حسبة لا کر بتلا دیا کہ اس سے مجرد ارادہ مع الاخلاص مراد ہے یعنی اعمال صرف نیت اور حسبة وثواب کی امید پر کئے جاتے ہیں اور ثواب کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اعمال خالصۃ لوجہ اللہ ہوں اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث بیان کی ہے اس پر میں ابتداء کتاب میں کلام کر چکا ہوں اور وہاں میں نے حنفیہ وشافعیہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کو بھی بتلا دیا تھا کہ ہمارے نزدیک انما الاعمال بالنیات کا مطلب ہے ثواب الاعمال بالنیات اور شوافع کے یہاں اس کا مطلب ہے صحة الاعمال بالنیات میں امام بخاری کو زبردستی اپنی طرف کھینچ کر لانا نہیں چاہتا وہ مستقل مجتہد ہیں لیکن اس ترجمہ کو دیکھ کر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے کہ نیت کی تفسیر انہوں نے حسبة سے کی اور حسبة واحتساب کہتے ہیں ثواب طلب کرنے کو تو معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک انما الاعمال بالنیات کا مطلب انما ثواب الاعمال بالنیات ہے اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں۔ فدخل فیه الایمان یعنی اس ضابطہ اور کلیہ میں سارے اعمال داخل ہیں ایمان بھی اسی طرح ہے کہ اس میں اخلاص ملحوظ ہے کہ محض اللہ کے لئے ایمان لائے کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے ایمان نہ لائے۔

اذا انفق الرجل علی اهله:

یہ روایت ترجمہ میں مختصر تھی یہاں تفصیل کے ساتھ ہے۔ میرے پیارو! دین کتنا آسان ہے کون نہیں جانتا کہ بیوی بچوں کا خرچ، شوہر کے ذمہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کتنی آسانی فرما دی کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو کچھ کھلاوے پلاوے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے مگر ان سب چیزوں میں اصل شرط اخلاص ہے اللہ کے لئے ہو ورنہ اگر دنیا کے لئے ہوگا تو وبال بنے گا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لو کہ حنفیہ کے نزدیک عدم نیت سے حکم تو ثابت ہو جائے گا۔ لیکن ثواب حاصل نہ ہوگا لہٰذا اگر کوئی اللہ کے لئے نفقہ نہ دے بلکہ ریا یا کسی خوف وڈر کی وجہ سے دے تو نفقہ تو ادا ہو جائے گا یعنی عدم نیت کی صورت میں حکم تو ثابت ہے لیکن ثواب نہیں۔ نیز احناف کے یہاں مقاصد میں نیت

شرط ہوتی ہے وسائل میں نیت شرط نہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة

نصحت کے معنی اخلاص کے ہیں۔ متاخرین کی ایک جماعت جس میں امام نووی وغیرہ شامل ہیں کی رائے یہ ہے کہ سارے دین کا خلاصہ صرف یہ حدیث ہے کیونکہ نصیحت کے معنی اخلاص کے ہیں اور یہی اخلاص تصوف کی جان ہے کیونکہ تصوف کہتے ہیں نیت کے خالص ہونے کو پھر اخلاص و نصیحت کی بہت سی صورتیں ہیں نصیحة للہ یہ ہے کہ اللہ کے خالق، مالک، رب ہونے پر ایمان لاوے اس کے احکام ماننے عبدیت کا اقرار اور اپنے کو غلام اور اس کو آقا سمجھنے کی کوشش کرتا رہے اور نصیحة للرسول یہ ہے کہ رسول کے لائے ہوئے اعمال اور اس کے خصائل اور اس کے اسوہ پر عمل کرے اور ان کے ہر عمل پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور جن اعمال کا متحمل نہ ہو جیسے جو کی روٹی کھانا وغیرہ ان کو دل سے پسند کرے اور ان پر عمل کی خواہش رکھے، اور درود شریف کا اہتمام رکھے۔ نصیحة لائمة المسلمین یہ ہے کہ ان کے جو احکام شریعت کے موافق ہوں ان کی پابندی کرے اور ان کی معاونت کرتا رہے اگر وہ خلاف شرع کام کرنے لگیں تو ان کو حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے سمجھانے کی کوشش کرے اور نصیحة لعامة المسلمین یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے وہ پسند کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے جس کی ترغیب حدیث لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ میں کی گئی ہے۔ یہ حدیث تمام دین کا خلاصہ ہے اس وجہ سے اللہ کے ساتھ اخلاص میں تمام عبادات آگئیں اور رسول کے ساتھ اخلاص میں محبت رسول آگئی ائمہ مسلمین اور عام لوگوں کے ساتھ اخلاص میں تمام معاشرت آگئی۔

بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

میں نے پہلے حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بیعت اسلام، بیعت جہاد، بیعت احسان تینوں کو بتلایا تھا وہاں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو لوگ بیعت صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو جاہل ہیں یا متجاہل خود نبی کریم ﷺ سے بیعت لینا ثابت ہے۔ بہرحال یہاں تم یہ سنو! کہ بیعت کے الفاظ مشائخ کے یہاں حسب موقع اور حسب مکان ہوتے ہیں جہاں یہ صوفیہ بیعت کرتے ہیں وہیں ان کے قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کے اندر کوئی خاص چیز ہوتی ہے تو اس پر خاص طور سے بیعت لیتے ہیں مثلاً بعض سے بیعت لیتے وقت عہد لیتے ہیں کہ تعزیہ نہیں بنائے گا یہ نہیں کرے گا وہ نہیں کرے گا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ان کے احوال کے مطابق اور دوسرے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان کے احوال کے مطابق بیعت لی گئی ہے۔ تو جس طرح نفس بیعت مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے اسی طرح یہ طریقہ بھی حضرت رسالت پناہ ﷺ سے لیا گیا ہے چنانچہ حضور پاک ﷺ نے بیعت میں الفاظ عامہ کے ساتھ ساتھ الفاظ خاصہ سے بھی بیعت لی ہے بعض عورتوں سے اس پر بیعت لی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی اسی طرح یہاں حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نصیحة للمسلمین کی بیعت لی، کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے اندر اس کی قوت دیکھی تھی۔

مات المغیرة بن شعبة:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب آگیا تو انہوں نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو اپنا قائم مقام بنا دیا اور یہ فرمایا کہ جب

تک کوئی دوسرا امیر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نہ آجائے تم امامت کے فرائض انجام دینا اس لئے کہ امارت کا معاملہ ہرشی سے مقدم ہوتا ہے بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دفن سے پہلے ہی امارت کا معاملہ طے کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے لئے جلسہ کیا اور اس میں تقریر فرمائی اور ان کو وقار اور سکینہ کی تعلیم دی کہ پیارو! تمہیں تو چاہئے تھا کہ نہایت وقار سے رہتے مگر تم ہو کہ شور وشغب کر رہے ہو۔ **حتی یاتیکم امیر** یعنی دار الخلافہ سے کوئی امیر متعین ہو کر آجائے۔ **فانما یاتیکم الآن** ۔میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب دوسرا امیر مقرر ہو کر آجائے گا۔ بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امیر سے مراد ان کی اپنی ذات ہے۔ یہ میرے نزدیک صحیح تو ہے لیکن بعید ہے۔ **استغفروا لامیرکم** یعنی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جن کا انتقال ہو چکا ہے ۔

ثم استغفر ونزل:

یہاں میرا اور حافظ کا معرکہ ہے حافظ کے نزدیک امام بخاری کتاب کے آخر میں کتاب کے ختم کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تو گویا **ثم استغفر** سے براعۃ اختتام کے طور پر کتاب کے ختم کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جب منبر سے اتر آئے تو جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ختم ہوا۔ اور میرے نزدیک کتاب کے اختتام کی طرف اشارہ نہیں بلکہ تیرے اختتام اور موت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ میں پہلے بھی ایک جگہ **فکذلک آخر شان ہرقل** کے تحت اس کو بیان کر آیا ہوں۔

کتاب العلم

ایمان کے بغیر کسی چیز کا اعتبار نہیں کیونکہ ایمان ہی اصل بنیادی شے ہے اس لئے سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا اور ایمان کا مبدء وحی ہے اس لئے بالکل شروع میں وحی کا باب منعقد فرمایا تھا۔ ایمان کے بعد سب سے اہم درجہ صلوۃ کا ہے لہٰذا اسی کو ذکر کرنا چاہئے تھا لیکن ان تمام کا محتاج الیہ علم ہے اس لئے اب علم کو بیان فرماتے ہیں۔

باب فضل العلم

میں نے پہلے بھی حضرت شیخ الہند کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت امام بخاری تراجم میں اللہ تعالیٰ کے اقوال کو بطور تبرک واستشہاد کے پیش فرماتے ہیں چنانچہ اس باب کے اندر بھی دو آیات ذکر فرمائی ہیں پہلی آیت وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ اس سے واضح طور پر اہل علم کا درجہ اور ان کی فضیلت معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کے درجات بلند فرمائیں گے۔ دوسری آیت ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا اس سے بھی علم کی فضیلت معلوم ہوئی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو باوجود سید البشر، افضل البشر، افضل الانبیاء فخر دو عالم اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ہونے کے زیادۃ علم کے سوال کا امر فرمایا گیا تو معلوم ہوا کہ علم بہت ہی مہتم بالشان اور ذی فضل شے ہے۔

یہاں امام بخاری نے باب تو باندھا ہے مگر کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی بس دو آیات ذکر فرما کر باب کو ختم کر دیا۔ شراح ہر ایسے موقعہ پر جہاں بخاری شریف میں ترجمہ تو ہو مگر روایت نہ ہو تو چند توجیہات فرمایا کرتے ہیں۔ اول یہ ہے کہ لکھنے کا ارادہ تھا مگر کوئی روایت شرط کے مطابق نہیں ملی۔ دوسرے یہ کہ یہاں بیاض چھوڑ دی گئی تھی تا کہ جب کوئی روایت شرط کے مطابق مل جائے تو لکھ دیں، لیکن جب امام بخاری کا انتقال ہو گیا تو شاگردوں نے وہ بیاض یہ سوچ کر ختم کر دی کہ اب امام بخاری رہے نہیں اب کون لکھے گا۔ تیسرے یہ کہ یہ کاتب کی گڑبڑی ہے کہیں کی روایت کہیں اور کہیں کا ترجمہ کہیں لکھ دیا۔ چوتھے یہ کہ حضرت امام بخاری کا لکھنے کا ارادہ تھا لیکن اعجلته المنية نظر ثانی کی نوبت ہی نہ آئی باوجودیکہ حضرت امام بخاری کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا اور میری تحقیق کے مطابق ۲۳۲ھ میں حضرت امام بخاری اپنی تصنیف سے فارغ ہو گئے تھے۔ شراح یہ تین چار جواب تو مستقل ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب دل بہلاوے کی باتیں ہیں بلکہ میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری ایسا جان بوجھ کر فرماتے ہیں تشحیذ اذہان کے لئے۔ جیسے کہ حضرت شیخ الہند کا ارشاد ہے کہ امام بخاری باب باندھ کر ترجمہ ذکر نہیں فرماتے تشحیذا للاذهان اسی طرح میری رائے ہے کہ گاہے گاہے ایسا بھی کر لیتے ہیں کہ ترجمہ تو باندھ دیتے ہیں لیکن روایت نہیں ذکر کرتے کیونکہ روایت تو ابھی ابھی گزری ہوتی ہے یا عنقریب آنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی باب دوبارہ صفحہ اٹھارہ پر آرہا ہے۔ اب خاص طور سے یہاں حضرت امام بخاری نے صرف دو آیتوں پر اکتفا فرمایا ہے اور کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی تا کہ فضیلت علم کا دائرہ تنگ نہ ہو جائے اس لئے کہ اگر مطلق رکھا جائے گا تو جتنی روایات اس موضوع کی ہوں گی سب اس کے اندر داخل ہو جائیں گی کیونکہ علم کی فضیلت اتنی کثیر نوع سے ہے کہ اس کے لئے ایک دو حدیثوں کا ذکر کر دینا اس کی فضیلت کو منحصر کر دینا ہے اور اس کے عموم کو محدود بنا دینا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ باب کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا ورنہ دراصل یہ باب یہاں کا ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مقام آگے ہے جہاں امام بخاری نے باب فضل العلم منعقد فرما کر روایت ذکر فرمائی ہے۔ اور رہ گئیں یہ

دو آیتیں تو یہ کتاب کے بعد کی ہیں کیونکہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ کتاب کے بعد آیات ذکر فرماتے ہیں۔ مگر میری رائے یہ نہیں ہے کیونکہ فضیلت تو ابتداء ہی میں بیان کی جاتی ہے اور جیسا کہ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ اگر ترجمہ کے الفاظ بدل جائیں اور مقصود ایک ہی ہو تو وہ ترجمہ مکرر کہلائے گا۔

جیسے کہ کتاب الایمان میں ایک جگہ یزید وینقص فرمادیا اور دوسری جگہ زیادة الایمان و نقصانہ فرمایا حالانکہ مقصد دونوں جگہ ایک ہی ہے اس لئے توجیہ کی ضرورت پیش آئی اور اس کے بالمقابل اگر ترجمہ کے الفاظ ایک ہوں لیکن غرض جدا جدا ہو جائے تو وہ تکرار نہیں کہلاتا تو اسی قاعدہ کے مطابق مجھے یہ کہنا ہے کہ اس ترجمہ سے تو علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور صفحہ اٹھارہ پر جو فضل آرہا ہے اس سے فضل بمعنی الفضیلة مراد نہیں بلکہ فضل بمعنی الباقی و الفضیلة کو بیان کرنا ہے۔ اس توجیہ کی بناء پر دونوں بابوں کی غرض الگ الگ ہوگئی لہٰذا تکرار نہیں رہا۔ بعض شراح اس مقام پر ایک خاص جواب اور بھی دیتے ہیں وہ یہ کہ یہاں صرف استدلال مقصود ہے اور استدلال بالقرآن سے بڑی چیز کونسی ہے اس لئے قرآن سے استدلال کرنے پر قناعت کر لی۔

باب من سئل علما

اگر کوئی شخص بات میں مشغول ہے اور اس سے کوئی سوال کر لیا جائے اور وہ مشغول آدمی اپنی بات پوری کر کے پھر سائل کو جواب دے تو یہ جائز ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاری نے یہی مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات ترجمة الباب کی غرض یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سے معلم کا ادب بتلا رہے ہیں کہ اس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس سے سوال کرے تو وہ اپنی بات پوری کر کے پھر جواب دیدے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ متعلم کا ادب بتلا رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص بات کر رہا ہو تو اس سے اس وقت کوئی سوال نہ کیا جائے جب تک وہ اپنی بات سے فارغ نہ ہو جائے۔ اور حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ سائل کو جواب دینے میں اتنی دیر کرنا کہ پہلے اپنی بات پوری کر لے یہ کتمان علم میں داخل نہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ مسئلہ کا جواب فوراً دینا ضروری نہیں۔

جاء اعرابی:

ایک اعرابی حضور پاک ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آتے ہی سوال کر دیا کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ نہیں دیکھا کہ پہلے سے حضور پاک ﷺ ایک بات فرما رہے ہیں اس کو ختم ہونے دیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اعراب آداب سے واقف نہیں ہوتے اس لئے انہوں نے اپنے سیدھے پن میں آکر سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ فقال بعض القوم چونکہ آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے بلکہ اسی طرح سے اپنے کلام مبارک میں مصروف رہے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں بعض نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ نے سن تو لیا ہے مگر ناگواری کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ حضور ﷺ نے سنا ہی نہیں کیونکہ حضور ﷺ تو ایسے لوگوں کو جلدی جواب دیا کرتے ہیں اگر سن لیا ہوتا تو کم از کم یہ ضرور فرما دیتے کہ ''ذرا ٹھہر جاؤ''۔

قال این اراه السائل:

یہ لفظ ''اراہ'' راوی نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے کیونکہ اس کو اپنے استاذ کے الفاظ یاد نہیں رہے تھے۔ یہ تو متیقن تھا کہ استاذ

نے این فرمایا ہے مگر اس کے بعد کیا فرمایا این الذی یسال عن الساعة فرمایا یا اور کچھ کہا تھا اسی شک کی بناء پر "او اہ" بڑھا دیا۔ یہ ان حضرات محدثین کی کمال احتیاط ہے کہ اگر استاذ کے الفاظ میں شک ہو گیا تو اس کو شک ہی کے ساتھ ذکر فرما دیا۔ اسی طرح سے اگر استاذ نے صرف کسی راوی کا نام لیا اور اس کا نسب ذکر نہیں کیا تو یہ حضرات یعنی ابن فلاں کے ساتھ اس کو ذکر فرماتے ہیں تا کہ استاذ اور شاگرد کے الفاظ متمیز رہیں۔ قال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اهله جب امارت نااہل کے ہاتھوں میں آجائے تو قیامت کا انتظار کرو، اور اسی کے افراد میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا زمین پر باقی نہ رہے اور یہ بھی یہی بات کہ جب نااہل کے ذمہ گھر آتا ہے تو وہ برباد ہوتا ہے، دکان وہ برباد، مدرسہ وہ برباد، غرض کہ ہر چیز برباد ہوتی ہے۔ خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ نااہلیت لاعلمی سے پیدا ہوتی ہے اور دنیا کا نظام علم پر موقوف ہے اگر نااہلوں کے پاس انتظام چلا جائے گا تو سب نظام درہم برہم ہو جائے گا اس سے علم کی فضیلت خود بخود ثابت ہو گئی۔

باب من رفع صوته بالعلم

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن پاک میں آتا ہے وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ یہاں پر حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو آہستہ بولنے کی نصیحت کی اور چیخ کر بولنے کو حمار کا خاصہ بتلایا تو اس سے ایہام ہوتا تھا کہ رفع الصوت بالعلم بھی کہیں اس میں داخل نہ ہو اس لئے امام بخاری نے اس باب کو باندھ کر تنبیہ فرمادی کہ علم اس سے مستثنیٰ ہے، اس کے اندر آواز کو بلند کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے اوصاف میں آتا ہے کہ لیس بصخاب فی الاسواق یعنی آپ ﷺ چیخ کر نہیں بولتے تھے اور یہاں حدیث میں ہے کہ فنادی باعلی صوته. جو عادت مبارکہ کے خلاف ہوا تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ یہ رفع الصوت بالعلم تھا جو اس میں داخل نہیں اور حضور پاک ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ چیخ کر نہیں بولتے تھے مگر تعلیم کے وقت زور زور سے ارشاد فرماتے تا کہ سب لوگوں تک آواز پہنچ جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ امام بخاری اساتذہ کو ادب سکھلا رہے ہیں کہ معلم کو چاہئے کہ علمی بات کو نہایت ڈٹ کر اور زور وشور سے کہے۔

عن عبدالله بن عمر وقال تخلف لنا النبی صلی الله علیه وسلم:

اس حدیث میں جو قصہ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کرام حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے نماز کو دیر ہو رہی تھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جلدی جلدی آگے بڑھے اور وضو کرنے لگے۔ عام طور سے جلدی کرنے میں ایسا ہوتا ہے کہ پاؤں وغیرہ خشک رہ جاتے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی ایڑیاں خشک رہ گئیں اس پر حضور ﷺ نے دور ہی سے پکار کر فرمایا ویل للاعقاب من النار اعقاب سے صاحب اعقاب مراد ہیں یعنی ان ایڑیوں والوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔

فجعلنا نمسح علی ارجلنا:

یہاں پر حقیقی مسح مراد نہیں بلکہ غسل ہی مراد ہے۔ قلت ماء اور تعجیل کی وجہ سے اس کو مسح سے تعبیر کر دیا۔

باب قول المحدث حدثنا واخبرنا

یہ مسئلہ چونکہ کتاب العلم کا ہے اس لئے امام بخاری اس کو یہاں ذکر فرماتے ہیں۔ سب سے پہلی بار جہاں بخاری میں لفظ حدثنا آیا

ہے میں وہاں متنبہ کر چکا ہوں کہ اس میں قدماء ومتاخرین کا اختلاف ہے کہ ان الفاظ میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ قدماء کی رائے یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں حدثنا کی جگہ اخبرنا اور اخبرنا کی جگہ انبانا استعمال کر سکتے ہیں اور یہی رائے حضرات ائمہ ثلثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہے، حضرت امام بخاری بھی انہیں کے ساتھ ہیں، چنانچہ امام بخاری اس باب سے اسی چیز کو ثابت فرمارہے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی جگہ حدثونی کسی جگہ اخبرونی ایسے ہی حدثنا، اخبرنا کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال فرمایا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ان میں آپس میں کوئی فرق نہیں۔ اور علماء متاخرین جن میں مشارقہ اور امام شافعی، امام نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ خاص طور سے داخل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ حدثنا تو اس وقت کہیں گے جب کہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنے اور اخبرنا اس وقت کہیں گے جب کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے اور انبانا وہاں کہیں گے جہاں استاذ اوائل وغیرہ سن کر اجازت دیدے۔ یہ حدثنا اور اخبرنا میں اختلاف سب سے پہلے امام نسائی نے پیدا فرمایا تھا مشارقہ نے ان کی تائید کردی۔

وقال الحميدی:

حضرت امام بخاری اپنے استاذ حمیدی سے اپنے استاذ الاستاذ سفیان بن عیینہ کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ سارے الفاظ برابر تھے۔ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں چند مختصر احادیث بیان فرمائی ہیں جو مفصلاً اپنے اپنے مقامات پر آویں گی، ان میں کہیں حدثنا ہے اور کہیں عن ہے اور جہاں حضور ﷺ اپنے رب ذوالعلی سے نقل فرماتے ہیں وہاں یروی عن ربہ کہا ہے جس کو حدیث قدسی کہتے ہیں کوئی فرق نہیں کیا۔

ان من الشجر شجرة:

یہ روایت بخاری شریف میں دسیوں جگہ آئے گی اور امام بخاری اس سے بیسیوں مسائل ثابت کریں گے حضور اقدس ﷺ ایک بار تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے بطور چیستاں اور پہیلی کے فرمایا ان من الشجر شجرة لایسقط ورقها یعنی بتلاؤ وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے موسم خزاں میں نہیں گرتے لوگ یہ سن کر جنگلوں کے درختوں میں پڑ گئے کوئی کہتا فلاں درخت ہے کوئی کہتا کہ فلاں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے جی میں تو آگیا کہ وہ نخلہ ہے مگر مجھے شرم آئی کہ اتنے بڑے بڑے لوگ تو خاموش ہیں میں کیا ٹانگ اڑاؤں، اس کے بعد جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سمجھ میں اس کا جواب نہ آیا تو کہنے لگے حدثنا ماهی یارسول اللہ! آپ ہی بتلادیں کہ وہ کونسا درخت ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ وہ نخلہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں گھر آیا تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میرے جی میں تو آیا تھا کہ وہ نخلہ ہے مگر مجھ کو کہتے ہوئے شرم آئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو اس وقت کہہ دیتا تو میرے لئے یہ افضل ہوتا۔ اور ہے بھی یہی بات کہ اگر چھوٹوں سے کوئی اچھی بات صادر ہوتی ہے تو ان کے بڑوں کو خوشی ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں خود ان بڑوں کا اعزاز ہے کہ میرے بیٹے نے یہ کہا اور میرے بیٹے نے یہ کہا اب غور سے سنو! امام بخاری کا استدلال اس روایت سے بہت ہی دقیق ہے وہ یہاں پر دو لفظوں سے استدلال کرتے ہیں ایک تو یہ کہ یہاں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا فحدثونی ماهی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سمجھ میں جب نہ آیا یا تو انہوں نے عرض کیا حدثنا اور یہی روایت امام بخاری کتاب التفسیر میں صفحہ چھ سو اکیاسی (۶۸۱) پر ذکر فرمائیں گے وہاں حدثونی کے

بجائے اخبرونی وارد ہوا ہے اور بعض روایات میں انبئونی وارد ہوا ہے تو دیکھو اس ایک ہی حدیث میں کہیں اخبرونی ہے اور کہیں حدثونی اور کہیں انبؤنی معلوم ہوا کہ ان سب میں معانی کے اعتبار سے اتحاد ہے کوئی فرق نہیں۔

اب ایک بات اس حدیث کے متعلق یہ بھی سنو کہ یہاں حضور ﷺ نے جو کہانی بوجھی ہے کہ ایسا درخت بتلاؤ جو مثل المسلم ہو تو یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ جس طرح مسلمان اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ نافع ہے حتی الخراۃ اسی طرح کھجور کا درخت بھی بجمیع اجزاء نافع اور کارآمد ہے اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ نخلۃ بقیہ طینت آدم سے پیدا ہوا ہے اسی واسطے اطباء اس کو مفید بتلاتے ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر انسان کے کسی عضو کو کاٹ دیا جائے تو اس کا بقاء ہوسکتا ہے اور وہ کارآمد ہے لیکن اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ بے کار ہو جاتا ہے، بس یہی حال اس درخت کا بھی ہے کہ اگر اس کی کوئی ٹہنی کاٹ دی جائے تو وہ اس کے باوجود پھل لاوے گا لیکن اس درخت کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے جس کو "سر" کہتے ہیں تو وہ مثمر نہیں ہوگا اور بعض شراح یہ فرماتے ہیں کہ جیسے آدمی اگر تمام پانی میں ڈوبے بلکہ اس کا سر اور کوئی عضو پانی سے کھلا رہے تو وہ اس پانی میں زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر سر بھی ڈوب جائے تو آدمی مر جائے گا ایسے ہی کھجور کے درخت کا بھی حال ہے کہ اگر اس کے اوپر کے سرے تک پانی نہ پہنچے تو اس کی حیات باقی رہتی ہے لیکن اگر سرا بھی ڈوب جائے تو پھر یہ درخت ختم ہو جائے گا۔ بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے یہاں پر درخت کو جو آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ بقائے نوع انسانی کے لئے جو طور طریقہ آدمی اختیار کرتے ہیں یہ درخت بھی وہی طریقہ اپناتا ہے حتی کہ کھجور کے نر و مادہ میں جفتی نہ ہو تو پھل اچھا نہیں پیدا ہوتا۔

باب طرح الامام المسألة

اس باب کی غرض میں علماء کے چند اقوال ہیں:

اول یہ کہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہئے ہیں کہ استاذ کو چاہتے ہیں کہ وہ شاگردوں کا امتحان لیتا رہے اور ان سے پوچھتا رہے روایت وہی نخلہ والی ہے میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ امام بخاری اس حدیث کو دسیوں جگہ ذکر فرمائیں گے۔ دوسرے یہ کہ استاذ اگر تشحید اذہان کے طور پر کوئی مسئلہ طلبہ کے سامنے پیش کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی ایک حدیث ہے نهى النبي ﷺ عن الاغلوطات تو بظاہر اس روایت سے ایہام ہوتا تھا کہ بطور اختبار کے استاذ تلامذہ سے سوال نہ کرے اس لئے امام بخاری نے اس کا جواز ثابت فرمایا۔ اب رہا یہ کہ حدیث ابوداؤد میں جو اغلوطہ کی ممانعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ مفتی سے دریافت کرنا ہو تو توڑ مروڑ کر غلط کر کے پوچھے یہ البتہ ناجائز ہے۔

باب القراءة والعرض على المحدث

یہاں سے امام بخاری قرأت شاگرد کا اثبات کرنا چاہتے ہیں تمہیں ماقبل میں معلوم ہو چکا کہ محدثین کے نزدیک شاگرد کا سننا اور استاذ کا پڑھنا افضل ہے اور فقہاء کے نزدیک اس کا عکس افضل ہے امام بخاری نے باب کے اندر دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں ایک قراءت على المحدث جس کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سماعت کرے۔ یہ تو وہی ہے جو اخبرنا کے اندر ہے مگر اس کو خاص طور پر مستقل باب میں اس واسطے ذکر فرمایا کہ سلف کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے تو اس

باب سے ان لوگوں پر رد فرمایا۔ جمہور کی طرف سے ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہاں چونکہ شاگردوں کو ان کا علم نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ خود ہی سنایا کرتے تھے لہٰذا اس سے استدلال مشکل ہے۔ دوسری چیز عرض علی المحدث اگر تم نخبہ پڑھ چکے ہو گے تو اس میں تم نے عرض علی المحدث کی اصطلاحی تعریف پڑھی ہوگی وہ یہ کہ استاذ اپنی کتاب دیدے اور شاگرد نقل کر کے استاذ سے مقابلہ کر لے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ قراءت علی المحدث اور عرض علی المحدث میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ اول عام ہے چاہے اپنی کتاب ہو یا غیر کی، مطبوعہ ہو یا غیر مطبوعہ۔ اور عرض کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب اپنی ہو یا اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہو یہ تو حافظ کی رائے ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت نہیں بلکہ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں لہٰذا عرض سے مراد عرض اصطلاحی نہیں بلکہ استاذ کے سامنے ایک تو پڑھنا ہے وہ تو ہے قرات علی المحدث اور وہ جو سنتے ہیں وہ کیا ہے؟ میرے نزدیک امام بخاری نے بتلا دیا کہ وہ عرض علی المحدث ہے واحتج بعضهم فی القراءة علی العالم بحدیث ضمام بن ثعلبة یہ حدیث عنقریب آرہی ہے اور اس سے استدلال اس طرح ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے آللّٰہ امرک بھذا کہتے جاتے تھے اور حضور اقدس ﷺ صرف نعم فرماتے تھے جیسے شاگرد پڑھتا جائے اور استاذ ہاں، ہاں کرتا رہے۔

واحتج مالک بالصک:

امام بخاری اس کو بھی بطور دلیل کے پیش فرماتے ہیں کہ دستاویز پر ایک شخص کا بیان لکھا جاتا ہے اور اس پر بہت سے لوگ دستخط کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اشھدنا فلان ایسے ہی اگر کوئی کسی سے قرآن شریف پڑھے تو وہ کہتا ہے اقرأنی فلان یعنی فلاں شخص نے مجھ کو قرآن پڑھایا ہے حالانکہ اس شخص نے نہیں پڑھایا بلکہ تو نے خود پڑھا ہے لیکن جیسے وہاں نسبت استاذ کی طرف ہوتی ہے باوجود شاگرد کے پڑھنے کے ایسے ہی حدیث میں بھی جائز ہے کہ استاذ کی طرف نسبت کر کے شاگرد پڑھے۔ دخل رجل یہ رجل ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

ثم قال لهم ایکم محمد:

اس نے حضور اکرم ﷺ کو پہچانا نہیں اس لئے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب سے مل کر بیٹھتے تھے۔ کوئی امتیاز نہیں فرماتے تھے، یہی ہمارے مشائخ کا طریقہ تھا اس زمانہ کی طرح نہیں کہ ممتاز جگہ پر بیٹھیں۔ رہا یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ تو ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے لگایا ہو اور پھر تکیہ لگانے سے کوئی امتیاز بھی تو نہیں ہوتا بالخصوص جب کہ آدمی مل کر بیٹھا ہوا ہو۔

بین ظهرانیهم:

شراح کرام اس لفظ کے متعلق لکھتے ہیں ھذا مقحم یعنی یہ لفظ زائد ہے لیکن میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ اس لفظ کو زائد قرار دینے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ بہت بامعنی ہے کیونکہ جب ایک آدمی درمیان میں ہوتا ہے اور چاروں طرف لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہوں تو اس حلقہ کی ایک تو سطح ظاہری ہے اور ایک سطح باطنی۔ باطنی تو ان لوگوں کے چہرے ہیں اور اس کی سطح ظاہری ان

لوگوں کی پشتیں ہیں تو بین ظہرانیھم سے اس حلقہ کی سطح ظاہری کی طرف اشارہ ہے کہ ہم لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔

یاابن عبدالمطلب:

اس آنے والے آدمی نے یاابن عبدالمطلب سے حضور پاک ﷺ کو خطاب کیا بعض روایات میں ہے کہ اس نے یامحمد کہا ممکن ہے کہ اولا یامحمد کہا ہو اور پھر یاابن عبدالمطلب کہا ہو اور چونکہ عرب میں عام طور پر دادا کی طرف نسبت ہوتی ہے اس لئے اس میں کوئی استعجاب بھی نہیں۔

قداجبتک:

سائل کے سوال کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں تجھ کو جواب دے چکا ہوں تو اب اعتراض یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ابھی جواب کہاں دیا ابھی تو اس نے نام ہی سے پکارا ہے؟ اس اشکال کے تین جواب تو شراح کے ہیں اور ایک میرا ہے۔ شراح کے نزدیک یہاں اجبت، سمعت کے معنی میں ہے یا اجابت سے مراد انشاء اجابت ہے بعض شراح یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے آداب مجلس اختیار نہیں کئے تھے اور بجائے یارسول اللہ کے یاابن عبدالمطلب کہا آپ نے بھی اسی طرح جواب دیدیا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ابتداء جب اس نے ایکم محمد کہا تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا ''کیا ہے؟'' اور ساتھ ہی ساتھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی بتلادیا کہ محمد (ﷺ) یہ ہیں تو اس نے پھر دوبارہ کہا یاابن عبدالمطلب۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو تجھ کو پہلے ہی جواب دے چکا ہوں تو گویا اس صورت میں یہ کلمہ تنبیہ نہیں ہے بلکہ اس سے اجابت حقیقی مراد ہے فمشدد علیک یعنی میں مسائل خوب سختی سے اور کھول کھول کر پوچھوں گا ناراض مت ہوجانا نھینا فی القرآن اس سے مراد آیت کریمہ لَاتَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ الآیۃ ہے۔ فجاء رجل یہ وہی ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اتانا رسولک یعنی جس کو آپ نے تبلیغ کے واسطے روانہ فرمایا تھا لاازید علیھن ولا انقص یعنی تبلیغ اس لئے کہ یہ مبلغ تھے۔ امام بخاری نے اس باب میں ایک ہی مضمون کی دو روایات ذکر فرمائی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات میں کہیں اختصار ہوتا ہے کہیں زیادتی اور ایسا ہونا قرین قیاس بھی ہے اس لئے امام بخاری نے دوسری روایت تکمیل کے لئے ذکر فرمائی کیونکہ اس میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو پہلی روایت میں نہیں تھے۔

باب مایذکر فی المناولة

مناولة کے معنی ہیں کہ استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دیدے اور اس سے کہہ دے کہ میری اس کتاب سے تجھ کو روایت کرنے کی اجازت ہے۔ یہ صورت جائز ہے اور چونکہ اسی کے قریب قریب ''کتاب اهل العلم بالعلم الی البلدان'' بھی ہے اس لئے ایک ہی باب میں دونوں کو ذکر کر دیا اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی کے پاس اپنی مرویات لکھ کر بھیجے اس صورت میں روایت کرنا جائز ہے حضرات محدثین کے یہاں ان دونوں میں سہولت ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک کتاب اهل العلم الخ میں تنگی ہے امام صاحب کا مسلک اس میں وہی ہے جو کتاب القاضی الی القاضی میں ہوتا ہے یعنی دو گواہوں کا ساتھ ہونا ضروری ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ اس کا خط ہے اور ہمارے سامنے اس نے لکھا ہے اور یہ شرطیں اس وجہ سے ہیں کہ الخط یشبه الخط انہی شرائط کی بنا پر امام صاحب کی روایات کم ہیں کیونکہ یہ شرطیں اور محدثین کی شرائط کے اعتبار سے سخت ہیں۔ ونسخ عثمان المصاحف قرآن پاک تین

مرتبہ جمع کیا گیا۔ اولاً حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں، پھر حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں امام بخاری اس سے کتاب اهل العلم بالعلم کے معتبر ہونے پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرآن منگا کر اس کی نقل تمام اطراف میں روانہ کی تھی اور یہاں اشتراط شاہدین وغیرہ کچھ نہیں تھا۔

حيث كتب لامير السرية :

امام بخاری پھر كتاب اهل العلم بالعلم کو ثابت فرما رہے ہیں۔ اور اس کا معتبر ہونا بتلاتے ہیں۔ اس سریہ کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ۲ھ کے اندر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پاک ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ان کو خط دیا اور فرمایا کہ جب تم مدینہ سے دو منزل دور ہو جاؤ تو اس خط کو کھول کر اپنی جماعت کو سنا دینا اس خط میں یہ تحریر تھا کہ ایک مقام جس کا نام بطن نخلہ ہے وہاں تم لوگ چلے جاؤ اور قریش کی خبر کی تحقیق کر کے لاؤ۔'' اس خط کو حضور پاک ﷺ نے مدینہ سے باہر کھولنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ مدینہ کے اندر جاسوس و منافقین بہت کثرت سے تھے اگر خط کا مضمون مدینہ پاک ہی میں معلوم ہو جاتا تو منافقین بطن نخلہ جا کر اس سریہ کی آمد کی اطلاع پہلے ہی کر دیتے کہ تمہاری تلاش میں سریہ آ رہا ہے، اور وہ لوگ چوکنا ہو کر مقابلہ کی تیاری شروع کر دیتے۔ حالانکہ ان حضرات کو صرف تحقیق کرنی مقصود تھی لڑنا مقصود نہیں تھا۔ الغرض عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط جا کر سنایا تو ان لوگوں نے اس کو مانا اور اس کا اعتبار کیا اس سے پتہ چلا کہ کتاب اہل العلم بالعلم صحیح اور معتبر ہے۔

وامره ان يدفعه الى عظيم البحرين:

جس طرح حضور اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد قیصر کے پاس والا نامہ ارسال فرمایا تھا اسی طرح اور بادشاہوں کو بھی خطوط لکھے تھے، ایک خط کسریٰ (۱) کے پاس بھی روانہ کیا گیا تھا، ہر ایک نے حضور اقدس ﷺ کے والا نامہ کے ساتھ الگ الگ معاملہ کیا۔ بعض تو فوراً مسلمان ہو گئے اور بعض نے نہایت احترام کیا۔ جیسے ہرقل کہ اس نے والا نامہ کو چاندی کی نلکی میں بند کر کے ہاتھی دانت کے ڈبہ میں رکھا، اور پھر اپنے خزانہ میں محفوظ کرا دیا۔ اس کے بالمقابل کسریٰ نے والا نامہ کے ساتھ سخت بے ادبی کی، اس کو پھاڑ ڈالا، حضور اکرم ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے بددعا دی اور فرمایا ''اللہ اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔'' چنانچہ بادشاہ کا لڑکا اپنے باپ کا دشمن ہو گیا اور اس نے کچھ لوگوں سے مل کر باپ کو سخت زخمی کر دیا۔ باپ کو معلوم ہوا کہ یہ بیٹے کی سازش ہے تو اس نے اپنے خزانے کے ایک خصوصی کمرہ کی ادویہ کی ایک شیشی میں زہر بھر دیا اور اس پر ایک چٹ اس مضمون کی لگائی الدّواء النافع للجماع. باپ کے بعد بیٹا تخت نشین ہوا، یہ نوجوان ایسی باتوں کے شوقین ہوتے ہی ہیں اس نے جو لکھا ہوا دیکھا تو ایک چمچہ کھا لیا کہ خوب قوت ہو گی اور ایک رات میں کتنی عورتوں سے صحبت کروں گا، مگر وہ تو سم قاتل تھا، اس نے اندر ہی اندر اپنا کام کیا اور سب کچھ کاٹ ڈالا اور مر گیا۔ اس کے بعد ایک عورت تخت نشین ہوئی جس کو بعد میں تخت سے اتارا گیا اور سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔ او اراد ان يكتب یہ شک راوی ہے۔

---

(۱) اس قسم کے خطوط اور فرامین کا ایک معتد بہ اور اچھا خاصا ذخیرہ ڈاکٹر حمید اللہ حال مقیم فرانس مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ کے نام سے جمع کر کے طبع کرا چکے ہیں جو دو سو اکیاسی مکاتیب و وثائق پر مشتمل ہے اس کے علاوہ اس مجموعے میں خلفائے راشدین کے تحریر فرمودہ خطوط وغیرہ بھی ہیں۔ مرتب شاهد غفرله۔

فاتخذ خاتما من فضة:

یہ حضور پاک ﷺ سے اس وقت کہا گیا تھا جب کہ آپ ﷺ نے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا، اس بنا پر حضور ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی۔ اب یہ کہ یہ انگشتری چاندی یا سونے کی تھی یا دونوں کی؟ اور اس کے بعد سونے کی انگوٹھی پھینکی گئی یا چاندی کی؟ یہ سب باتیں باب الخاتم میں آئیں گی، البتہ اس حدیث سے یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاندی کی تھی، یہی انگشتری حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی حتی کہ بیر اریس میں گر گئی۔ یہ اتحاذ خاتم ۶ھ کا واقعہ ہے اور انگوٹھی بنوانا بھی اسی وجہ سے تھا تا کہ اس کی وجہ سے آپ ﷺ کے خط کا اعتبار کیا جاتا اگر خط کا اعتبار ہی نہ ہوتا تو خاتم بنوانے سے کیا فائدہ ہوتا؟ تو جملہ انهم لايقرؤن سے معلوم ہوا کہ خطوط کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر چہ اس پر مہر نہ ہونے کی وجہ سے اعتماد نہ کیا جاتا ہو۔ اس مسئلہ میں حضرات محدثین کے یہاں وسعت ہے اگر چہ حضرت امام اعظم سے ضیق وتنگی مروی ہے۔ كانى انظر الى بياضه قاعدہ یہ ہے کہ جب چاندی کے زیور نئے نئے بنتے ہیں تو ان میں چمک بہت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ بھی بالکل نئی تھی، اس کی چمک ان کو اب تک یاد آرہی ہے۔

باب من قعد حيث ينتهي به المجلس:

امام بخاری نے اس باب میں طلب علم کے لئے استاذ کی مجلس میں حاضر ہونے کے دو ادب بتلائے ہیں، ایک یہ کہ اگر استاذ کی مجلس میں مجمع زیادہ ہو تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے، اور اگر قریب بیٹھنے کی خواہش ہو تو پہلے سے آیا کرے۔ اور دوسرا ادب یہ بتلایا ہے کہ اگر پہلے ہی بیٹھنے والے اس طرح بیٹھے ہوں کہ اگلی صف میں یا بیچ میں جگہ خالی ہو تو پھاند کر آگے جا سکتا ہے اگر چہ تخطی رقاب سے منع کیا گیا ہے مگر یہ اس لئے جائز ہے کہ پہلے سے بیٹھنے والوں ہی نے خود بے تمیزی کی کہ آگے جگہ چھوڑ دی۔ مسئلہ سنو! اگر لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور درمیان میں جگہ خالی ہو تو اب اگر کوئی آئے تو کیا کرے؟ امام بخاری فرماتے ہیں کہ جہاں مجلس ختم ہوئی ہے وہاں بیٹھ جائے، یا آگے اگر جگہ خالی ہو تو وہاں بیٹھ جائے، دونوں جائز ہیں۔ اور بھائی یہی حال صفوف کا ہے کہ اگر لوگ اگلی صف میں جگہ چھوڑ کر بیٹھیں تو آنے والے کو جائز ہے کہ ان کو پھاند کر خالی جگہ میں بیٹھ جائے کہ انہوں نے خود کو ذلیل کیا، کیوں نہیں آگے جا کر بیٹھے۔ امام بخاری نے اس باب کے اندر جو روایت ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک بار اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اور کچھ گفتگو فرما رہے تھے اس حال میں تین آدمی آئے، ایک نے آگے خالی جگہ دیکھی اور وہاں بڑھ کر بیٹھ گیا، اور دوسرا وہیں مجلس کے ختم پر بیٹھ گیا، اور تیسرا چلا گیا۔ حضور اقدس ﷺ جب گفتگو سے فارغ ہوئے تو ہر ایک کے متعلق ایک ایک بات ارشاد فرمائی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ ''کیا میں تمہیں تینوں آدمیوں کے متعلق خبر دوں''، پھر فرمایا اما احدهما فاوى الى الله ان میں سے ایک اللہ کی طرف جھکا اور اس کی طرف مائل ہوا تو اللہ نے اس کو جگہ دی یعنی اسے ثواب عطا فرمایا و اما الاخر فاستحى فاستحى الله منه اور دوسرے نے شرم کی اللہ نے بھی اس کے ساتھ شرم کا معاملہ فرمایا۔ اس جملہ کے مطلب میں علماء کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اول نے تو آگے مجلس میں جگہ دیکھی اور وہاں بڑھ کر بیٹھ گیا مگر اس کے دوسرے ساتھی کو اس کی شرم آئی کہ لوگوں کی گردنیں پھاند کر آگے جائے اس بناء پر وہ وہیں بیٹھ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹھنے کا بھی ثواب عطا فرمایا کیونکہ اس نے ایواء الى الله کیا، اور حیا کا ثواب بھی عطا فرمایا۔ اس صورت میں یہ

دوسرا اول سے بڑھ جائے گا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جی تو اس کا یہی چاہ رہا تھا کہ چلا جائے جس طرح تیسرا چلا گیا، مگر اس کو شرم آئی کہ حضور اقدس ﷺ کیا فرمائیں گے اور یہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیا کہیں گے اس لئے شرم کی وجہ سے وہ بھی بیٹھ گیا، اس پر اللہ کو بھی شرم آئی کہ وہ میرا بندہ تو شرما کر بیٹھ گیا میں تو اس سے زیادہ کریم ہوں لہٰذا اسے ثواب دوں گا۔ اس صورت میں یہ حدیث **هم قوم لایشقی جلیسهم** کے تحت ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شرم کا بدلہ عنایت فرمایا، اس صورت میں یہ اول سے مرتبہ میں گھٹ جائے گا اس لئے کہ پہلا آدمی تو برضا ورغبت خاطر بیٹھا اور دوسرا صرف لوگوں کی شرم سے۔ اب شراح حدیث کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ان دونوں آدمیوں میں کونسا افضل ہے قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ جو شرما کر پیچھے بیٹھ گیا وہ افضل ہے کیونکہ **الحیاء شعبة من الایمان** تو اس کے تحت وہ آگے جانے سے شرمایا۔ اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جو آگے جا کر بیٹھ گیا وہ افضل ہے اس لئے کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس دوسرے نے (مجلس سے) چلنا شروع کر دیا مگر پھر شرما کر آ بیٹھا۔ **واما الثالث فاعرض فاعرض الله عنه** تیسرے نے اعراض کیا اللہ نے بھی اس سے اعراض کر لیا۔

باب قول النبی ﷺ رب مبلّغ

بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ جب کسی روایت کے الفاظ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتے اور اس روایت کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو امام بخاری اس روایت کو باب میں ذکر فرما کر پھر اپنی روایت کو تائید میں پیش کرتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ یہ روایت جو امام بخاری نے باب میں ذکر فرمائی ہے وہ ترمذی شریف کی روایت ہے معنی تو اس کے عندالامام بخاری صحیح ہیں لیکن الفاظ شرط کے مطابق نہیں، اس لئے امام بخاری نے اپنی روایت **فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی منه** سے تائید فرمادی، مگر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ اور اصل جو بیان کی گئی یہ تو مسلم ہے کہ امام بخاری ایسا کرتے ہیں مگر یہاں پر یہ اصل وقاعدہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ روایت صرف ترمذی ہی کی نہیں بلکہ بخاری میں صفحہ ۲۳۵ پر بھی آرہی ہے وہاں بجائے **فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی منه** کے **رب مبلغ اوعی من سامع** کے الفاظ ہیں، لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ چونکہ یہ الفاظ مختصر اور جامع تھے اور جلدی سے یاد ہو جانے والے تھے، اوقع فی الفہم تھے، اس لئے حضرت امام بخاری نے اس کو ترجمہ گردان دیا۔ یہ تو باب کے معنی ومفہوم کے متعلق تھا، اب یہ کہ ترجمہ کی غرض کیا ہے؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ تبلیغ کی اہمیت بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص معانی حدیث کو نہ سمجھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ ان کو محفوظ کر لے اور پھر دوسروں کو سمجھا دے، ممکن ہے کہ کوئی اس کے شاگردوں میں اس سے زیادہ سمجھدار ہو اور ان میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہما جیسے مجتہدین ہوں اور وہ ان احادیث کو سن کر ان سے مسائل کا استنباط کریں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری اس بات پر تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی طالب علم بڑا فہیم وذکی ہو اور استاذ اس جیسا ہوشیار نہ ہو تو اس کو اس استاذ سے **استنکاف فی طلب العلم** نہ کرنا چاہیے کہ میں تو اتنا فہیم اور یہ ایسا؟ بھلا میں اس سے علم حاصل کرلوں؟ ایسا ہرگز نہ سوچے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ادھر ارشاد ہے **رب مبلغ اوعی من سامع** کہ بہت سے مبلغ طالب علم سامع سے اوعی ہوتے ہیں اور ادھر یہ ارشاد ہے کہ شاہد غائب کو تبلیغ کرے تو معلوم ہوا کہ بعض طالب علم فہیم ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری کا مقولہ اوجز (۱) میں میں نے نقل کیا ہے کہ **اربع فی اربع عن اربع علی اربع** الخ یہ سولہ اربع یعنی چوکڑے ہیں اور انہی میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک

(۱) الیراجع الی مقدمة اوجز المسالک صفحه ۱۹۰ (مرتب)

محدث نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ علم اپنے بڑے اور ساتھی اور چھوٹے اور کتابوں سے حاصل نہ کرے۔

عن عبدالرحمن بن ابی بکرۃ :

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے حالات بیان کررہے تھے اور بھئی یہی ان حضرات کا شغل تھا کہ حضور ﷺ کے حالات بیان کریں ہماری طرح نہیں کہ بس خرافات ہی میں لگے رہیں اسی کے درمیان انہوں نے یہ بیان کیا کہ حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر بیٹھے تھے یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔

قال ای یوم ھذا :

حضور پاک ﷺ نے جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ پوچھا کہ یہ کونسا دن ہے؟ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش ہوگئے اور وجہ یہ ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذہن میں یہ آیا کہ حضور ﷺ کو دن معلوم، مکان اور گھڑی سب معلوم ہے پھر بھی دریافت فرمارہے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات دریافت فرمانا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش ہوگئے **فان دماء کم واموالکم واعراضکم بینکم حرام** چونکہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اجتماعی طور پر اشہر حرم میں تو قتل وقتال نہیں کرتے تھے مگر باقی دنوں میں خوب کرتے تھے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی اشہر حرم کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ تمہارے دماء واموال واعراض ایسے ہی حرام ہیں جیسے کہ اس مقام میں اس دن میں حرام ہیں۔

باب العلم قبل القول والعمل

یعنی علم قول اور عمل سے پہلے ہے اور علم سیکھنا وعظ اور عمل کرنے سے مقدم ہے ترجمہ تو بالکل ظاہر ہے لیکن امام بخاری کی اس سے غرض کیا ہے؟ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ تعلم کی ترغیب دے رہے ہیں اور علم کی اہمیت بیان فرمارہے ہیں اور یہ بتلارہے ہیں کہ اعمال چاہے کتنے ہی اہم ہوں خواہ ایمان کا جز ہی کیوں نہ ہوں لیکن علم ان سب پر مقدم ہے اور حافظ فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث پاک میں ایسے علم پر وعید آئی ہے جس پر عمل نہ کیا جائے اور بہ نسبت جاہل کے عالم کو دوگنی سزا عمل نہ کرنے پر ملے گی تو اس سے وہم ہوتا تھا کہ علم کو نہ سیکھنا ہی اچھا ہے، تو امام بخاری اس باب سے یہ وہم دفع فرمارہے ہیں کہ ایسا نہ سوچے بلکہ آدمی علم پہلے حاصل کرلے اس کے بعد عمل کا درجہ ہے، کیونکہ زمانہ علم میں تعلم میں مشغولیت ہوتی ہے عمل نہیں کرسکتا تو یہ عمل نہ کرنا اس وعید میں داخل نہیں۔ تیسری غرض میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سے امام بخاری نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا ذکر شروع باب العلم میں آچکا ہے کہ بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کے بعد اس کے لیے کیا چیز مناسب ہے آیا علم یا عبادت؟ آگے فرماتے ہیں: **لقول اللّٰہ عز وجل فاعلم انہ لا الہ الا اللہ** اس سے بھی یہ بات ثابت کی کہ پہلے علم ہے اس کے بعد قول ہے کیونکہ خود خدا کا پاک ارشاد ہے کہ **لاالہ اللہ** کو جان لو اور یہ کلمہ علم اس کے بعد فرماتے ہیں **فاستغفر لذنبک** یعنی اس علم کے بعد اب یہ عمل ہے کہ استغفار کرو **ان العلماء ورثۃ الانبیاء** یہ روایت ابوداؤد، ترمذی کی ہے۔ اس سے بھی علم کی فضیلت ثابت ہوئی اس جملہ سے اگر چہ علامہ عینی کے قول کی تائید ہوتی ہے لیکن حافظ کی غرض بھی اس سے ثابت ہوسکتی ہے کہ جیسے مال وراثت بغیر عمل کے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح علم بھی بغیر عمل کے حاصل ہوسکتا ہے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم کو اس وجہ سے نہ چھوڑا جائے کہ عمل نہیں ہوگا بلکہ اگر علم کے بعد خشیت کسی

وقت حاصل ہو جائے تو یہ بھی فائدہ دے گی، لو کنا نسمع او نعقل یہاں پر نسمع سے نعلم مراد ہے کہ وہ لوگ علم نہ ہونے پر تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی عالم ہوتے اس جملے سے بھی علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

انما العلم بالتعلم:

یوں فرماتے ہیں کہ علم تعلم سے حاصل ہوگا مطالعہ سے حاصل نہیں ہوگا۔ یہ بالکل دھوکہ ہے کہ صرف کتب وشروح دیکھ کر بغیر استاذ سے پڑھے علم حاصل ہوسکتا ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جو باقاعدہ تعلیم یافتہ نہ ہو تو وہ صرف کتابیں دیکھ کر فتوی نہ دے۔ ملاعلی قاری نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے نهى رسول الله ﷺ عن الحلق يوم الجمعة قبل الصلوة او كما قال ﷺ تو یہاں حدیث میں حلق بکسر الحاء وفتح اللام حلقہ جمع ہے لیکن ایک شخص نے اس کو حلق بمعنی استروں سے مونڈنا پڑھا اور کہنے لگے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے سر منڈانا جائز نہیں کیونکہ حضور پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ تو اگر وہ زانوئے تلمذ طے کئے ہوئے ہوتے تو ایسی غلطی نہ کرتے۔ قال ابو ذر لو وضعتم اس سے بھی حدیث پاک کی اہمیت کو بتلانا ہے کہ ایک حدیث بھی اگر اس وقت یاد آئے گی تو میں بیان کردوں گا کیونکہ وہ علم ہے۔ اب یہاں پر وہی اشکال ہے جو کتاب العلم پر ہوا تھا کہ مصنف نے باب میں کوئی حدیث نہیں ذکر کی اس کے تین جواب تو وہاں پیش دئے گئے تھے، وہی سب جوابات یہاں بھی چلیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں ایک خاص جواب یہ بھی ہے کہ چونکہ اس باب کے ترجمہ میں بہت سی احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بہت سی قرآنی آیات ذکر فرمائی ہیں اس لئے یہ ساری چیزیں استدلال واستشہاد کے لئے کافی ہوگئیں اور بہت ممکن ہے کہ امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہ ملی ہو۔

باب ما كان النبی ﷺ يتخولهم

پہلے دو تین بابوں میں تبلیغ اور علم حاصل کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے تو اس سے وہم ہونے لگا تھا کہ آدمی کو ہر وقت علم ہی میں لگا رہنا چاہیے اس لئے امام بخاری اب یہ فرماتے ہیں کہ علم تو ضرور حاصل کرنا چاہیے مگر ایسا طریقہ اختیار کرے کہ مفضی الی الملال اور موجب نفرت نہ ہو چنانچہ نبی کریم ﷺ کے یہاں ہر چیز کے اوقات مقرر تھے اس لئے ہر وقت ایک ہی طرح کا کام کرنے سے دل اکتا جاتا ہے۔ یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا یہاں استدلال ولا تنفروا سے ہے اور تنفیر عدم التخول میں ہے لہذا تخول ہونا چاہیے۔

باب من جعل لا هل العلم

یہ باب سابق کا تکملہ ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ ملال نہ پیدا ہو جائے اس باب سے امام بخاری اس بات کا جواز ثابت فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی شخص وعظ تبلیغ کے لئے کوئی خاص دن مقرر کرلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جائز ہے۔ اس اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا کیونکہ بدعت میں تعیین کے ساتھ اس تعیین میں ہی ثواب سمجھا جاتا ہے اور یہ اگر اس دن نہ ہو تو پھر کوئی ثواب نہیں ملے گا ایسے ہی چہلم وغیرہ بدعت ہے کیونکہ عوام کالانعام اس تعیین سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس دن یا اس وقت میں کوئی خاص ثواب ہے اسی وجہ سے وہ ان اوقات کو تبدیل نہیں کرتے۔ قاعدہ طبعی یہ ہے کہ ایک چیز سے طبیعت اکتا جاتی ہے اسی لئے مشائخ درس میں مختلف کتابیں ایک ایک دن

میں رکھتے ہیں تا کہ تنفر نہ پیدا ہوالبتہ میرا تو جی رمضان میں قرآن سے نہیں اکتاتا یہ میرے نزدیک مستثنی ہے۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبة اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے لہذا ثابت ہوا کہ اگر کوئی دن متعین کرلیا جائے تو درست ہے۔ ایک اشکال یہاں یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے امام بخاری نے اس سے استدلال کیسے کرلیا ان کی تو شرط کے خلاف ہے؟ لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ کے فعل سے استنباط کیا ہے اور پھر مقرر فرمایا ایسی ہی ہم بھی اس سے استنباط کر کے دن کی تعیین اگر کرلیں تو درست ہے۔

باب من یرد اللّٰہ بہ خیر ایفقہ فی الدین

اس باب کی ایک غرض تو یہ ہوسکتی ہے کہ اس سے علم کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے خاص طور سے فقہ کی اہمیت اور اس کے تعلم پر تحریض ہے اور میرے رائے یہ ہے کہ یہاں پر روایت کے الفاظ ہیں انما انا قاسم و اللہ یعطی تو امام بخاری تنبیہ فرما رہے ہیں کہ عطا فرمانا تو اللہ کا کام ہے تم اپنی کوشش جاری رکھو اور اس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کرتے رہو خود حضور ﷺ کا اپنے بارے میں ارشاد ہے انما انا قاسم کہ میں تو صرف تقسیم کا حقدار ہوں ورنہ اصل عطا فرمانے والا تو خدا ہے لہذا محض اپنی محنت پر اعتماد نہ کرے بہت سے محنتی کچھ نہ کر سکے اور بہت سے محنت نہ کرنے والوں کو بہت کچھ مل گیا۔

باب الفہم فی العلم

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ عطا فرمانے والے صرف اللہ تعالی ہیں اور کوئی نہیں لیکن صرف اس پر اعتماد کر کے نہ بیٹھو بلکہ اپنی کوشش اور فہم سے کام لینا بھی ضروری ہے تو گویا یہ پہلے باب کا تتمہ اور تکملہ ہے اور شراح کی رائے یہ ہے کہ اس سے فہم علم کی ترغیب بیان کرنی مقصود ہے اور یہ کہ طالب علم کو مطالعہ کرنا چاہئے اور قوت مطالعہ بڑھانی چاہئے۔ لیکن میری رائے کچھ اور ہے وہ یہ کہ مصنف یہاں سے مطالعہ کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ مطالعہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر علم کی مناسبات کو دیکھے اور غور کرے اور مطالعہ کرتے وقت اوپر نیچے سب طرف نظر رکھے۔ چنانچہ اس باب میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ نے نخلہ کا سوال فرمایا کہ ایسا درخت بتلاؤ جس میں فلاں فلاں خصوصیت ہو اور حضور ﷺ اس وقت جمار کھا رہے تھے تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمار کو دیکھ کر نخلہ سمجھ لیا۔ جمار کھجور کے تنے کو کھود کر اس کے اندر سے جو سفید برادہ نکلتا ہے اس کو کہتے ہیں یہ لذیذ بہت ہوتا ہے۔

باب الاغتباط فی العلم والحکمة

حسد کہتے ہیں دوسرے کہ نعمت کے زوال کو چاہنا اور غبطہ کہتے ہیں دوسرے کی نعمت کا مثل طلب کرنے کو بغیر اس کے کہ زوال کی تمنا کرے یہ ترجمہ یا تو شارحہ ہے کیونکہ حدیث میں لا حسد الا فی اثنین کا لفظ وارد ہے تو امام بخاری نے باب سے تنبیہ فرمادی اور شرح فرمادی کہ حسد سے مراد غبطہ ہے اور دوسری غرض یہ ہے کہ مصنف تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ علم میں بھی رشک کرنا چاہئے اپنے سے اونچے والوں پر تو گویا قابل رشک علم وحکمت ہے نہ کہ یہ دنیا کی چیزیں، یہ نہیں کہ فلاں کا کرتا اچھا ہے اور میرا نہیں بلکہ علم وحکمت قابل

غبطہ ورشک ہیں۔ نیز حدیث میں چونکہ حکمت کا لفظ آیا ہے تو مصنف نے باب میں اغتباط فی العلم بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ حکمت کی تفسیر علم ہے۔

وقال عمر رضی اللّٰہ عنہ تفقھو اقبل ان تسودوا

مطلب یہ ہے کہ بڑے اور سردار بننے سے پہلے فقاہت حاصل کرلو اس لئے کہ بڑے ہونے کے بعد علم جلدی نہیں حاصل ہوسکتا اور عوائق وموانع علم حاصل کرنے سے رد کردیں گے۔ اب چونکہ اس قول سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ سیادت کے بعد علم حاصل نہ کرے تو امام بخاری نے بطور دفع دخل مقدر کے فرمایا۔ قال ابو عبد اللّٰہ بعد ان تسودوا یعنی اگر بڑا ہوجائے تو بھی علم وقرآن کو ضرور حاصل کرنا چاہئے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم نے کبرسن میں علم سیکھا جب کہ وہ اپنے گھروں کے مالک وذمہ دار ہوچکے تھے مگر پھر بھی اس کا بہترین اور اعلیٰ وقت سردار بننے سے پہلے ہے اس اثر کی مناسبت ترجمہ سے یہ ہے کہ جو شخص سردار بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرتا ہے اس میں غبطہ کیا جاتا ہے۔

رجل آتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق

ایک آدمی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا فرمایا ہے پھر اس کو اس کے ہلاک کرنے پر مسلط فرمادیا۔ ہلاک کرنے پر مسلط فرمادینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جمع کرکے نہیں رکھتا بلکہ اس کو طرق خیر میں خرچ کرتا ہے۔ پیارو! ہمارے مشائخ اور بزرگوں کا یہی رویہ رہا ہے کہ وہ جمع نہیں فرماتے تھے بلکہ جو آیا خرچ کردیا۔ بڑے حضرت رائے پوری یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا طریقہ یہ رہا کہ جو آتا بس اس کو دے ڈالتے تھے پھر کہیں سے کچھ آجاتا فرماتے یہ دوسرا آگیا اس کو بھی خرچ کردیتے۔ میرے والد صاحب مقروض بہت تھے اگر کہیں سے روپے آجاتے تو اس کو قرض خواہوں کو دیدیتے اور اگر پیسے وغیرہ ہوتے تو وہ بچوں کو دیدیتے اور فرمایا کرتے تھے جی نہیں چاہتا کہ اس مصیبت کو لے کر سوؤں اور میرے چچا جان نوراللہ مرقدہ نے ایک بار فرمایا کہ بکریوں کی تجارت کروں گا سنت ہے چنانچہ بکریاں خرید کر مضاربت پر دیدیں کچھ دنوں بعد جب میں دلی گیا تو فرمایا کہ بکریاں تو مرگئیں۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں روپیہ رکتا ہی نہ تھا۔ یہ قدرت کی طرف سے تھا سلطہ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے اور علی ھلکتہ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے۔ اب سند کے متعلق سنو۔ قال سفیان حدثنی اسماعیل بن ابی خالد سفیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے اسماعیل بن ابی خالد نے زہری کی سند سے بیان نہیں کیا بلکہ دوسری سند سے بیان فرمایا ہے زہری تو روایت کرتے ہیں عن سالم عن ابن عمر اور زہری کی یہ روایت بخاری صفحہ گیارہ سو تیئیس (۱۱۲۳) جلد ثانی میں کتاب کے ختم پر آئے گی کیونکہ کتاب صفحہ گیارہ سو اٹھائیس (۱۱۲۸) پر ختم ہے اور اسماعیل بن ابی خالد نقل کرتے ہیں قیس بن ابی حازم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غرض اس سند کے بتلانے سے یہ ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد نے ہمیں جس طریقہ سے حدیث سنائی وہ غیر ہے امام زہری کے طریقہ سے یعنی یہ سند اور ہے اور زہری والی سند اور ہے۔ اور یہ تنبیہ اس لئے فرمائی تاکہ کوئی مختلف سندیں دیکھ کر اضطراب کا شبہ نہ کرنے لگے۔

باب ما ذکر فی ذهاب موسیٰ علیہ السلام

قرآن پاک کی آیت ہے فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَھَا الآیۃ اس آیت پاک کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت موسی وخضر علیہما السلام دونوں ساتھ سمندر میں سوار ہوئے اور یہی مضمون حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام خضر علیہ السلام سے ملے تو ان سے کہا کہ مجھے علم سکھلائے اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے لیکن عہد و پیمان کر کے چلے دریا کے کنارے چلتے رہے ایک کشتی جارہی تھی اس کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان کر بلا کرایہ لئے ہوئے سوار کرلیا اور جب حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سوار ہوئے اور کشتی چلنے لگی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کو توڑنا شروع کر دیا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ انہوں نے بلا کرایہ سوار کیا ہے اور پھر بھی تم ان کی کشتی کو توڑتے ہو۔ الغرض اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات ساتھ سوار ہو کر سمندر میں چلے۔ لیکن امام بخاری باب باندھ رہے ہیں فی ذهاب موسی علیہ السلام فی البحر الی الخضر علیہ السلام اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام سمندر میں ہو کر حضرت خضر علیہ السلام کی طرف چلے اور پھر ان سے ملاقات کی تو بعض علما نے امام بخاری کے ترجمۃ الباب کی یہ توجیہ کی کہ الی بمعنی مع ہے اور بعض حضرات نے الی الخضر علیہ السلام سے پہلے حرف عطف واؤ کو مقدر مانا اور تقدیری عبارت یہ نکالی ما ذکر فی ذهاب موسی علیہ السلام فی البحر والی الخضر علیہ السلام اب مطلب یہ ہوا کہ حضرت موسی علیہ السلام کے سمندر میں جانے اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کے دونوں واقعات اس باب میں مذکور ہوں گے اور چونکہ یہ حقیقت میں دو واقعے ہیں اس لئے حرف عطف صحیح ہو جائے گا۔ اور بعض علماء نے ایک تیسری توجیہ کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ چلے تو چلتے ہوئے ایک جھولا ساتھ لے لیا تھا جس میں ایک بھنی ہوئی مچھلی تھی۔ جب موسی علیہ السلام ایک جگہ پر ٹھہر گئے اور وہاں سو گئے تو مچھلی وہاں کود کر سمندر میں چلی گئی اور جہاں وہ مچھلی کودی تھی اس مقام پر بطور معجزہ کے ایک طاقچہ (کوہ) بن گیا۔ حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھی اس منظر کو دیکھ رہے تھے ان کا ارادہ تھا کہ جب موسی علیہ السلام بیدار ہوں گے تو ان کو اطلاع کریں گے مگر حضرت موسی علیہ السلام جاگے تو فوراً چلنے کے لئے تیار ہو گئے ادھر ان کے ساتھی سامان سفر تیار کرنے کی جلدی میں کہنا بھول گئے خبر نہ کی جب حضرت موسی علیہ السلام آگے چلے اور ان کو بھوک لگی تو فرمایا آتنا غداءنا ساتھی نے کہا کہ میں تو بھول گیا تھا اور پورا واقعہ بیان کیا حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا ہم تو یہی تلاش کر رہے تھے اور الٹے قدم لوٹے اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں مچھلی سمندر میں کودی تھی تو دیکھا کہ ایک طاقچہ بنا ہوا ہے حضرت موسی علیہ السلام اس میں داخل ہو کر حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ اب اس تقریر کے بعد ذهاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر الی الخضر علیہ السلام ٹھیک ہو گیا۔ اب ترجمۃ الباب کی غرض کیا ہے حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں طلب علم کیلئے سفر متعاد نہ تھا اس لئے اس کا اثبات فرماتے ہیں اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری اس کے لئے مستقل باب الخروج فی طلب العلم کا ترجمہ منعقد فرمادیں گے چنانچہ اس اعتراض سے بچنے کے لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ غرض ترجمہ خروج فی البحر لطلب العلم کے جواز کو بیان کرنا ہے اور آنے والے باب سے خروج فی

البر کو بیان کرنا ہے مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ سمندر کا سفر مشقت کا سفر ہے بہ نسبت خشکی کے سفر کے تو جب سمندری سفر کا جواز ثابت ہوگیا تو خروج فی البر تو بدرجہ اولی ثابت ہوگیا اس لئے چکی کا پاٹ یوں ہے کہ ابوداؤد شریف میں کتاب الجہاد میں ایک روایت ہے لا یرکب البحر الا حاج او معتمر او غاز فی سبیل اللہ چونکہ اس روایت سے رکوب بحر کا جواز سوائے حاج اور معتمر اور غازی کے نہیں معلوم ہوتا اس لئے امام بخاری نے اس کے عموم کو مقید کرنے یا اس سے مستثنی کرنے کو یا اس پر رد کرنے کو باب باندھا اور میری اس رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے کتاب البیوع میں باب باندھا ہے باب التجارۃ فی البحر تو امام بخاری کو جہاں جہاں اس کے خلاف روایات ملیں وہاں وہاں اس کے عموم کو مقید فرما دیا یا استثناء فرما دیا اور بعض علماء نے غرض یہ بیان فرمائی کہ علم حاصل کرنے میں جو مشقت اور تکالیف آئیں ان کو برداشت کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانے میں مشقت اور تکالیف برداشت کیں کہ سمندر کے اندر تک تشریف لے گئے اور ایک غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے قبل مصنف نے قال ابو عبد اللہ الخ کہہ کر یہ فرمایا تھا کہ سردار بننے کے بعد بھی بے فکر ہو کر نہ بیٹھنا چاہئے بلکہ تعلیم حاصل کرے تو اس کی تائید اس باب سے فرماتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام نبوت (سرداری) کے مل جانے کے باوجود کلیم اللہ اور نبی مرسل اور دیگر خصوصیات کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے تشریف لے گئے جن کی نبوت میں بھی اختلاف ہے ھل اتبعک علی ان تعلمن حضرت امام بخاری نے ساری سورت میں سے یہ آیت منتخب کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر صرف علم حاصل کرنے کے لئے تھا ملاقات وغیرہ کے لئے نہیں تھا۔

انہ تماری ھو والحر بن قیس

حضرت عبداللہ بن عباس اور حر بن قیس رضی اللہ تعالی عنہما دونوں صحابی ہیں ان دونوں میں اس بات میں جھگڑا ہوا کہ حضرت موسی علیہ السلام جس کے پاس گئے تھے وہ کون تھے حضرت خضر علیہ السلام تھے یا اور کوئی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ یہاں اس روایت میں تو اسی طرح ہے لیکن آگے بخاری میں صفحہ تیئیس (۲۳) جلد اول پر اس طرح ہے قلت لا بن عباس ان نوفا البکالی یزعم ان موسی علیہ السلام لیس موسی علیہ السلام بنی اسرائیل انما ھو موسی علیہ السلام اخر اس کا مطلب یہ ہے کہ نوف بکالی اس بات کا انکار کر رہا تھا کہ جو موسی علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے علم سیکھنے گئے تھے وہ موسی علیہ السلام بنی اسرائیل تھے بھلا اتنا بڑا نبی بھی خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے جائے گا لہذا وہ اور کوئی موسی علیہ السلام ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ روایت باب سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب موسی علیہ السلام میں جھگڑا ہوا اور اس روایت اخیر سے معلوم ہوا کہ حضرت موسی علیہ السلام ہی کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ میں نے تنبیہ اس لیے کر دی کہ کہیں تم خلجان میں نہ پڑ جاؤ یہ دونوں دو قصے ہیں یہاں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے ممارات کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ صاحب موسی علیہ السلام غیر خضر علیہ السلام ہیں یہ حر بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ ہیں اور وہاں یہ بات کہنے والے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے والے موسی، موسیٰ بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ اور کوئی تھے یہ نوف بکالی ہیں خلاصہ اس مضمون کا یہ ہوا کہ یہ حدیث بعینہ صفحہ ۲۳/۱ پر آ رہی ہے وہاں بھی ان دونوں صاحبوں کے درمیان مناظرہ ہے لیکن وہاں مناظرہ حضرت خضر علیہ السلام کے ہونے نہ ہونے کے متعلق نہیں بلکہ مناظرہ حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ یہ کون سے موسی علیہ السلام ہیں۔

قال موسیٰ علیہ السلام لا

جب حضرت موسی علیہ السلام سے یہ سوال ہوا کہ آپ اپنے سے زیادہ کسی کو عالم جانتے ہیں؟ تو حضرت موسی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نبی تھے اور ظاہر ہے کہ نبی کا علم اوروں سے زیادہ ہوا کرتا ہے مگر چونکہ انانیت اللہ کو پسند نہیں بلکہ تواضع پسند ہے اس لئے عتاب ہوا بلی عبدنا خضر ہاں ہمارا بندہ خضر تم سے اعلم ہے اور اس سے مراد بعض خاص جزئیات ہیں اہل علم کو علم کی قدر ہوتی ہے اور پھر انبیاء علیہم السلام کو بہت ہی ہوتی ہے اس لئے حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملیں گے اللہ نے ان کو ایک مچھلی لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے، بس سمجھ لو کہ یہیں خضر علیہ السلام ملیں گے۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ انانیت اللہ کو پسند نہیں تو اس پسند نہ ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ الکبریاء ردائی کے مطابق کبریائی اللہ کی ذات میں ہے وہاں پستی نہیں ہے وہاں عظمت ہی عظمت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں جو چیز نہیں ملتی وہاں اس کی بڑی قدر ہوتی ہے اسی لئے تواضع کی وہاں بڑی قدر ہے اور چونکہ وہاں علو ہی علو، عظمت ہی عظمت ہے اس لئے اس کی کوئی قدر نہیں خوب سن لو پیارو! جو اللہ کے لئے اپنے کو ذلیل سمجھے اس کو اللہ اور بلند فرما دیتے ہیں من تواضع للہ رفعہ اللہ کا مطلب یہی ہے۔

فکان موسیٰ علیہ السلام

یہاں یہ قصہ مختصر ہے دوسری جگہ تفصیل آئے گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی لی اور ساتھی کے ساتھ دریا کے کنارے چلنے لگے اور ساتھی سے کہدیا کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہاں اطلاع کر دینا ایک جگہ پہنچ کر حضرت موسی علیہ السلام سو گئے وہ مچھلی تڑپی اور پانی میں کود پڑی جب حضرت موسی علیہ السلام بیدار ہوئے تو آگے چل پڑے حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھی حضرت موسی علیہ السلام سے کہنا بھول گئے پھر حضرت موسی علیہ السلام کو بھوک لگی ساتھی سے کہا، انہوں نے کہا کہ میں تو بھول گیا وہ تو وہیں پانی میں کود پڑی تھی حضرت موسی علیہ السلام نے کہا کہ ہم تو یہی تلاش کر رہے تھے الٹے قدم واپس ہوئے اور پھر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شراح کے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ چونکہ باب سابق کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حر بن قیس پر غلبہ ہونا معلوم ہوا تو امام بخاری نے یہ باب باندھ کر اس غلبہ کی علت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہوا۔ اور مشائخ کی رائے یہ ہے کہ باب سابق کی روایت سے غلبۂ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ معلوم ہوا تو حضرت امام بخاری اس باب سے اشارہ فرماتے ہیں کہ محض ذہانت پر اعتماد نہ کرے اور محنت پر بھروسہ نہ رکھے بلکہ اللہ تعالی سے دعا کرتا رہے۔ اور میری رائے ان سب کے ساتھ یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ غلبۂ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علت کی طرف اشارہ ہے اور دعاؤں کی ترغیب ہے مگر حضرت امام بخاری نے یہ باب باندھ کر اشارہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کیوں کی؟ اس کی علت اور سبب کی طرف اشارہ فرمایا وہ یہ کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کرنے کے لئے تشریف لے گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

استنجے کے لئے لوٹا بھر کر رکھدیا حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ بتلایا گیا کہ ابن عباس نے رکھا ہے اس پر حضور اقدس ﷺ نے ان کو دعا دی اللّٰھم فقه فی الدین یہ حدیث صفحہ چھبیس (٢٦) پر باب وضع الماء عند الخلاء میں آرہی ہے۔ تو امام بخاری نے بتلادیا کہ یہ دعا خدمت کی وجہ سے تھی لہٰذا مشائخ کی خدمت کرنا چاہئے۔ اور اگر اولیاء اور بزرگوں سے دعا لینا چاہتے ہو تو ان کی خوب خدمت کرو اور یہ اصول موضوعہ میں سے ہے کہ استاذ کی خدمت اس کا احترام وغیرہ علم میں برکت کا سبب ہوتا ہے اور نافرمانی وغیرہ علم میں کمی کا باعث ہے اور والدین کا احترام وسعت رزق کا باعث ہے اور عدم احترام موجب تنگئی رزق ہے۔

باب متى يصح سماع الصغير

مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم وتدریس تو بعد البلوغ معتبر ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ کس زمانے کی روایتیں بیان کرسکتا ہے۔ یحیٰ بن معین وغیرہ محدثین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ تحمل کے لئے بلوغ یا مراہقت شرط ہے اور ان کا استدلال قد ناهزت الاحتلام والی روایت سے ہے اور امام احمد وغیرہ کی رائے ہے کہ صبی ممیز کا تحمل صحیح ہے اور امام احمد سے اس بارے میں کصبی خمس منقول ہے اور ایک تیسری جماعت کی رائے ہے کہ پانچ سال میں تمیز کا پیدا ہوجانا کہیں کہیں ہوتا ہے ورنہ قاعدہ اکثری یہ ہے کہ سات سال میں تمیز ہوتی ہے اسی لئے امر بالصلوة سات سال کی عمر میں فرمایا ہے لہٰذا سات سالہ تحمل معتبر ہوگا اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عربی لڑکے کے لئے چار سال ہیں عجمیوں میں سات سال کیونکہ اہل عرب کا حافظہ قوی ہوتا ہے اور وہ چار سال میں اچھی طرح تحمل کرسکتے ہیں بخلاف اہل عجم کے امام بخاری نے باب باندھ کر کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دی بلکہ باب کی پہلی حدیث قد ناهزت الاحتلام یحییٰ ابن معین کی تائید میں ذکر فرمائی ہے اور دوسری حدیث وانا ابن خمس سنين امام احمد کے لئے مؤید ہے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ تحمل کے لئے تو کوئی شرط نہیں ہے لیکن سماع کے لئے ادراک کی شرط ہے۔ باب کی دوسری حدیث سے علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ منہ کا پانی پاک ہے اور یہ کہ بچوں سے ہنسی مذاق کیا جاسکتا ہے۔ على حمار اتان الاتان انثى الحمار یعنی گدھے کا میم صاحب ورسول الله ﷺ يصلى بمنى اس حدیث کا مطلب میں ابواب السترة میں بیان کروں گا یہ روایت وہیں کی ہے۔ اس کو امام بخاری متعدد جگہ مثلاً كتاب السترة، قطع الصلوة، مرور بين يدى الصف وغیرہ ابواب میں ذکر فرما کر مختلف مسائل ثابت فرمائیں گے۔

باب الخروج فى طلب العلم

اس باب میں امام بخاری نے یہ بتلایا ہے کہ صحابہ اعلم الناس تھے حضور ﷺ سے علم حاصل کئے ہوئے تھے اور دیگر صفات کے باوجود ایک ایک حدیث کے لئے اتنے لمبے لمبے سفر کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ طلب علم کے لئے سفر کرنا مندوب ہے۔ حدثنا ابو القاسم خالد بن خلى امام بخاری نے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے جس کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوچ کرنے کا ذکر ہے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف، تو اس حدیث سے یہ ثابت فرمادیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تحصیل علم کی خاطر اپنے مقام سے نکلے ہیں۔

باب فضل عَلِمَ وَعَلَّمَ

اس سے اگلا باب ہے باب رفع العلم وظهور الجهل چونکہ امام بخاری کی عادت اضداد کو جمع کرنا ہے اس لئے ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ تعلم کی فضیلت مسلم اور علم کے فضائل تسلیم مگر بقائے علم تعلیم سے ہوتا ہے تو گویا اس باب سے تعلیم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

مثل ما بعثنی اللّٰہ به من الهدی والعلم کمثل الغیث الکثیر

حضور اقدس ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ عالم وغیرہ عالم کے فرق کو سمجھایا ہے کہ جو علم وہدایت میں لے کر آیا ہوں اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے جب نازل ہوتی ہے تو تین طرح کی زمینوں پر پڑتی ہے ایک تو وہ زمین جس میں نرماہٹ اور نرمی بہت ہے کہ بارش ہوئی اور اس نے پانی چوس لیا اور پھر گھاس سبزہ پھل پھول اگائے یہ مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی مثال ہے کہ ان لوگوں نے احادیث کو پی لیا اور پھر اصول وفروع کے پھل پھول اگائے اور مسائل کے بیل بوٹے لگائے اب ان سے حدثنا کا سوال ہی نہ کرنا چاہئے انہوں نے تو سب کچھ تمہارے سامنے سنوار کر رکھدیا اور ترتیب دیدی اور دوسری زمین وہ ہے کہ جو نرم تو نہیں بلکہ سخت ہے مگر اس میں نشیب ہے جیسے تالاب وغیرہ کہ اس میں پانی جمع ہو گیا لوگ اس سے منتفع ہوئے یہ مثال محدثین کی ہے کہ وہ احادیث کے ذخائر جمع کر دیتے ہیں اور مجتہدین ان کو لے کر اور پی کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے امام بخاری وغیرہ اور تیسری زمین ایسی ہے کہ نہ تو پانی چوس کر پھل پھول اگاتی ہے اور نہ ہی پانی روکتی ہے بلکہ چٹیل میدان ہے یہ ان دونوں کے علاوہ کی مثال ہے۔ یعنی اس شخص کی جو نہ خود علم حدیث میں مشغول ہوا اور نہ اس علم کو پھیلایا۔ اب آگے چل کر روایت میں اختصار ہو گیا کہ حدیث میں مشبہ کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں ایک قسم وہ جس کو فکان منها نقیة سے تعبیر کیا ہے اور دوسری قسم وہ جس کو مثل من لم یرفع بذلک را سًا سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ مشبہ بہ کی طرح یہاں بھی تین انواع کا ذکر ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پیش نظر افادہ واستفادہ تھا اس لئے پہلی دونوں قسموں کو یعنی جس نے پانی پی لیا اور جس نے جمع کیا دونوں کو ایک شمار کر لیا کیونکہ یہ دونوں قسمیں نافع ہونے میں برابر ہیں کیونکہ علمی بارش سے دونوں سیراب ہیں اگر چہ نفع کی نوعیت مختلف ہے۔ اور تیسری زمین نے چونکہ کوئی نفع نہیں دیا اس لئے اس کے ساتھ ان کو تشبیہ دی جن سے کوئی افادہ واستفادہ نہیں اور یہ لوگ کافر و جاہل ہیں لہذا اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ جانب مشبہ میں تین چیزیں اور جانب مشبہ بہ میں صرف دو ہیں۔

قال ابو عبداللّٰہ

یہاں سے امام بخاری اختلاف روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں قیلّت بالیاء التحتانیه ہے اور ایک دوسری روایت میں قبلت بالباء الموحدة دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ کہا جاتا ہے قیلت البعیر الماء اونٹ نے پانی پیا تو قیلت کے معنی پانی کے پینے کے ہیں وہی یہاں قبلت سے مراد ہے والصف صف المستوی من الارض سنو! امام بخاری جس طرح بہت بڑے حافظ حدیث ہیں خوش قسمتی سے اس سے کہیں زیادہ حافظ قرآن ہیں تو حضرت امام بخاری کی عادت مستمرہ ہے کہ جب کوئی لفظ

حدیث میں آجائے اور کہیں آجائے اور اسی کے ساتھ وہ لفظ کہیں قرآن شریف میں بھی آیا ہو تو حضرت امام بخاری اس کی تفسیر فرماتے ہیں اور اس جدید لغت کے معنی و مفہوم سمجھا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے کہ جیسے مجھے قرآن حفظ ہے تو دوسرے پڑھنے والے بھی ایسے ہی حافظ ہوں گے اس لئے صرف اس لفظ کو جس کی تفسیر کرنا ہوتی ہے ذکر کر دیتے ہیں اور بقیہ کو یہ سوچ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ جب اور لوگ حدیث پڑھیں گے تو ان کے دل میں بھی یہی لفظ کھٹک پیدا کرے گا۔ چنانچہ حدیث باب میں **قیعان** کا لفظ آیا ہے اور اس کا واحد **قاع** ہے اور قرآن شریف میں آتا ہے **فیذرھا قاعا صفصفا** اسلئے امام بخاری نے اولا **قاع** کی تفسیر **یعلوہ الماء** سے فرمائی کہ جس پر پانی نہ رکتا ہو بلکہ گزر جاتا ہو اور چونکہ **صفصف** بھی اسی آیت میں مذکور ہے اسلئے اسکی بھی تفسیر فرمادی کہ **المستوی من الارض**

باب رفع العلم وظهور الجهل

چونکہ حضرت امام بخاری نے باب سابق میں یہ بتلایا تھا کہ بقاء علم تعلیم سے ہوتا ہے تو اب یہاں سے بقاعدہ مشہورہ **و بضدھا تتبین الاشیاء** بطور توضیح کے فرماتے ہیں کہ بقائے علم اس وقت ہوگا جبکہ اس کے موانع کو رفع کر دیا جائے اور ظہور جہل اور رفع علم سے بچا جائے لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر اس کو پہلے باب کا تکملہ بنا دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وہاں تو فضیلت علم و تعلیم بیان کی تھی اب یہاں یہ بتلاتے ہیں کہ تعلیم نہایت ضروری ہے ورنہ علم اٹھ جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

وقال ربيعة لا ينبغي لاحد عنده شي من العلم ان يضيع نفسه

اضاعت نفس کے بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں اول یہ کہ تعلیم و تدریس نہ کرے اس سے وہ علم ضائع ہو جائے گا کیونکہ علم تدریس سے باقی رہتا ہے اور اضاعت علم میں اضاعت نفس ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صاحب فضل و کمال ہو تو اس کو اپنا فضل ظاہر کرنا چاہئے یہ نہ چاہئے کہ غلط تواضع اختیار کرے کہ میں تو حقیر فقیر ہوں مجھے کچھ نہیں آتا اور لوگ اس کے اس قول پر اعتماد کر کے اس سے تعلیم حاصل نہ کریں بلکہ ان سے کہنا چاہئے کہ مجھ سے بخاری پڑھو۔ اور تیسرا قول یہ ہے اور یہ میرے نزدیک زیادہ راجح ہے کہ اہل علم کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو زر خیز نہ سمجھیں اور تنخواہوں پر نہ مریں کہ اگر تنخواہ نہ ہو تو تعلیم ہی چھوڑ دیں بلکہ تعلیم و تدریس اللہ کیلئے ہو اور تنخواہ یہ سمجھ کر لے کہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کفاف کیلئے لیتا ہوں۔ اگر تم دنیا کو ٹھوکر مارو گے تو یہ دنیا خود تمہارے قدموں میں آ کر رہے گی اور چوتھا قول یہ ہے کہ ایسوں کے سامنے علوم بیان کرے جو ان کے اہل نہ ہوں اور وہ انکو سمجھ نہ سکیں یہ گویا خود علم کو ضائع کرنا ہے یہ توجیہ اگرچہ اس مقام کے مناسب نہیں لیکن اس عبارت کا یہ ایک اچھا مطلب ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ اپنے علم پر عمل کرے کیونکہ دس بارہ سال میں حاصل ہونے والے علم کو ضائع کر دینا خود اپنے آپ کو ضائع کر دینا ہے۔

عن انس قال لاحد ثنكم حديثاً لايحدثكم احد بعدى

یہ جملہ اکثر جگہ آجاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہی اس حدیث کو تم سے بیان کروں گا اور کسی کو یہ حدیث معلوم نہیں تاکہ وہ بیان کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے میرے بعد یہاں بصرہ میں کوئی **سمعت رسول اللہ** ﷺ کہہ کر حدیث نہیں بیان کرے گا اور اس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت صرف چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ادھر ادھر رہ گئے تھے اور بصرہ میں ان کے علاوہ کوئی نہ تھا

کیونکہ یہ آخر ھم موتا بالبصرہ ہیں وتکثر النساء یعنی عورتیں زیادہ ہوں گی اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آخر زمانہ میں لڑائیاں ہوں گی رجال قتل کئے جائیں گے عورتیں رہ جائیں گی یہاں تک کہ ایک آدمی کے ذمہ بہت سی عورتیں آ جائیں گی کیونکہ اعزہ واقرباء سب قتل ہو جائیں گے ان کے بیوی بچے سب اسی کے ذمہ ہوں گے دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تک مردوں میں قوت زیادہ ہوگی تو مردوں کی پیدائش ہوگی لیکن بعد میں لوگوں کی آوارگی کی وجہ سے قوت کمزور ہو جائے گی تو عورتوں کی پیدائش زیادہ ہوگی تو گویا مردوں کی آوارگی کی طرف اشارہ ہے۔

باب فضل العلم

یہاں جو حدیث مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خواب میں دودھ کا ایک پیالہ دیکھا جسے آپ ﷺ نوش فرمارہے ہیں اور اتنا نوش فرمایا کہ اس کی تراوٹ انگلیوں تک پہنچ گئی پھر آپ ﷺ نے بچا ہوا دودھ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو دیدیا۔
اب باب کے متعلق سنو! یہاں بعض شرح کی رائے یہ ہے (جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا) کہ اصل باب تو یہی ہے اور جو کتاب کے شروع میں آیا تھا وہ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا اور یہاں روایت بھی ہے لہذا تکرار نہیں ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ دونوں جگہ فضل فضیلت ہی کے معنے میں ہے مگر اول باب میں فضیلت علماء اور اس باب سے فضیلت علم ثابت فرمائی ہے۔ حضرت گنگوہی کا ارشاد یہ ہے کہ وہاں فضیلت کلیہ تھی اور یہاں فضیلت جزئیہ بیان کرنی مقصود ہے اور ان دونوں میں فرق ہے۔ میں نے بیان کیا تھا کہ وہاں فضل فضیلت کے معنی میں ہے اور یہاں فضلہ اور زائد کے معنی میں ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اول کتاب میں جو فضل آیا ہے اس سے فضل بمعنی الفضیلة مراد ہے اور یہاں زیادتی اور بہتات کے معنی میں ہے۔ اب جب کہ یہاں پر فضل سے زیادتی اور بہتات مراد لی گئی ہے تو پھر علماء قائلین بمعنی الزیادة کے دو گروہ ہو گئے، ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہاں فضل کے معنی مصدری مراد ہیں یعنی زیادہ ہونا۔ اس صورت میں باب فضل العلم کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز میں قناعت محمود ہے مگر علم میں محمود نہیں بلکہ اس کو خوب زیادہ حاصل کرنا چاہئے جیسے حضور پاک ﷺ کہ تھوڑا سا کھانا نوش فرمانے والے اور جب دودھ پینا شروع کیا تو اتنا پیا کہ ناخن سے نکلنے لگا اور اس کی چکنائی کا اثر انگلیوں تک میں آ گیا اور دودھ کو حضور پاک ﷺ نے علم سے تعبیر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ علم میں زیادتی مطلوب ہے اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ فضل بمعنی الزیادہ ہے مگر یہاں مفعول کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس علم زیادہ ہو تو کسی اور کو دیدے مثلاً حاجت سے زائد کتابیں ہوں تو کسی مدرسے میں دیدے کسی کو پڑھا دے جیسے حضور اقدس ﷺ کی حاجت سے دودھ زیادہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو دیدیا۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ فضل زیادہ کے معنی میں ہے مگر باب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا ہو کہ اس کو کسی خاص علم کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو وہ اس سے اعراض نہ کرے بلکہ اس کو حاصل کر کے دوسرے کو سکھا دے مثلاً مقعد ہے کہ اس کو جہاد کرنے کی تو طاقت نہیں اور یہ سمجھ کر کہ مجھ کو جہاد تو کرنا نہیں پھر کیا ضرورت جہاد کا علم سیکھنے کی ایسا نہ کرے بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے اسی طرح عتاق کا مسئلہ ہندوستان میں کہ یہاں تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ترقیق قانوناً بند ہے۔ مگر یہ سوچ کر کہ یہاں کیا ضرورت ہے ایسا نہ کرے بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھا دے اور ممکن ہے کہ آئندہ کام آ جائے۔ اس باب کی پانچ وجوہ ہو گئیں ایک تو وہی شراح والی کہ اصل یہی باب ہے اور باب اول وہم اور دوسری علامہ عینی کی۔ تیسری حضرت گنگوہی کی اور چوتھی ان کی جو فضل کو زیادۃ کے معنی میں لیتے ہیں پھر ان میں دو گروہ ہیں۔

باب الفتیاوھو واقف علی الدابۃ وغیرھا

اس باب کی کیا غرض ہے؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری تنبیہ فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی ذی علم راستہ میں جارہا ہو یا سوار ہوتو لوگوں کو اس سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے اور بعض کی رائے ہے کہ امام بخاری مفتی کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے کوئی اس حال میں مسئلہ پوچھے کہ وہ سوار ہوکر کہیں جارہا ہوتو مسئلہ بتادینا چاہئے اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام مالک سے منقول ہے کہ علم کو وقار اور سکینہ کے ساتھ سکھلانا چاہئے ایسے راستہ چلتے ہوئے فتوی نہ دے تو امام بخاری اس پر رد فرماتے ہیں کہ اگر اتنی شرط لگاؤ گے تو بسا اوقات مسئلہ ہی معلوم نہ ہو سکے گا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے جس کو تم مشکوۃ شریف میں پڑھ چکے ہوگے کہ حضور اقدس ﷺ نے جانور پر سوار ہونے کی حالت میں بات چیت کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ اگر کسی نے بات کرنی ہوتو اتر کر کرے تاکہ اتنی دیر جانور آرام کرلے تو حضرت امام بخاری اس سے اس صورت کو مستثنی فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھے اور اس میں سوال وجواب میں کچھ دیر ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور بعض علماء کی رائے ہے کہ امام بخاری اس باب سے قضاء وافتاء میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قاضی اگر راستے چلتے ہوئے فیصلہ کرلے تو وہ معتبر نہیں ہوگا بلکہ اسکو دارالقضاء میں فیصلہ کرنا ضروری ہے بخلاف فتوی کے کہ وہ جائز ہے۔

ان رسول اللہ ﷺ وقف فی حجۃالوداع

یہ روایت کتاب الحج کی ہے وہاں پر آئے گی۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ ترجمہ روایت کے کس جز سے ثابت ہوا کیونکہ وقوف سے تو وقوف علی الدابۃ لازم نہیں آتا اور روایت میں وقوف علی الدابۃ کا کہیں ذکر نہیں اسلئے بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ امام بخاری کے ترجمہ کے دو جز تھے ایک وقوف علی الدابۃ دوسرا اوغیرھا تو یہاں پر دوسرا جزاوغیر ھا ثابت ہوگیا اور جزاول کو قیاساً ثابت فرمادیا مگر بعض شراح کی رائے ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ امام بخاری تشحیذ اذہان بھی کرتے ہیں۔ وہ تمہیں محدث بنانا چاہتے ہیں اور تمہارے اندر قوت مطالعہ بیدار کرنا چاہتے ہیں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کے اندر وقف عام ہے ممکن ہے کہ اس سے وقف علی الدابۃ مراد ہو یا وقف علی غیر الدابۃ تو گویا عموم سے استدلال کیا گیا ہے ان سب جوابوں کے بعد میرا جواب سنو کہ بخاری میں صفحہ دوسو چونتیس ۲۳۴ پر یہی حدیث پھر آرہی ہے اور وہاں وقف علی ناقۃ پورا جملہ آیا ہے تو امام بخاری نے یہاں روایت مختصر ذکر فرمائی ہے ورنہ وقف سے مراد یہاں بھی وقف علی الناقۃ ہے۔

باب من اجاب الفتیا باشارۃ الید والراس

اس باب کے منعقد کرنے کی دو غرضیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ ہمیشہ ایک بات کو تین تین مرتبہ فرمانے کی تھی اور اشارہ بالید اس کے خلاف ہے تو یہاں سے اس کا جواز اور ثبوت بیان کرنا مقصود ہے اور دوسری غرض جیسا کہ میں نے پہلے باب میں بھی بیان کیا تھا کہ ایک قول یہ ہے کہ فتوی اور قضا کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ ہاتھ اور سر کے اشارے سے نفیاً واثباتاً فتوی دینا تو جائز ہے مگر قضا میں جائز نہیں۔ روایت وہی ہے جو باب سابق میں گزر چکی امام بخاری اس سے نہ معلوم کتنے مسئلے ثابت فرمائیں گے۔

حدثنا موسی بن اسمعیل

اس حدیث سے امام بخاری جو از اشارة الید والراس پر استدلال فرماتے ہیں حالانکہ یہ حدیث موقوف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا فعل اس میں مروی ہے تو یہ حدیث گویا امام بخاری کی شرط کے خلاف ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے انی اراکم من خلفی تو یہاں نماز میں حضور پاک ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس معاملہ کو دیکھ لیا ہے تو تقریر ثابت ہوگئی اور جس فعل پر آپ کی تقریر ثابت ہو جائے وہ معتبر اور قابل استدلال ہے قلت آیة اسماء رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ کوئی علامت حادثہ کی تو پیش نہیں آئی؟ فاشار برأسها یہ اشارہ بالراس ہوگیا مامن شی لم اکن اریته الا رأیته یعنی اس وقت مجھ کو عالم ملکوت کی اشیاء نظر آئیں مثل او قریب لا ادری ای ذلک قالت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا کی شاگردہ حضرت فاطمہ رحمہا اللہ تعالی کہتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میری استانی حضرت اسماء رحمہا اللہ تعالی نے مثل فتنة الدجال کہا تھا یا قریب من فتنته الدجال کہا۔ اور فتنہ دجال کے قریب یا مثل ہونے سے اس لئے تشبیہ دی کہ یہ فتنہ مشہور فتنہ ہے حضرت نوح علیہ السلام ہی کے زمانے سے انبیاء علیہم السلام اس فتنہ سے ڈراتے ہیں۔

ماعلمک بهذا الرجل

یہ مسئلہ ہے تو کتاب الجنائز کا مگر اسے یہیں سن لو۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس اشارہ کا مشار الیہ کیا ہے؟ بعض کی رائے ہے کہ هذا الرجل سے مراد محمد ﷺ ہیں اور وہ فرشتہ ماعلمک بمحمد ﷺ کہے گا، جیسا کہ خود بعض روایات میں لفظ محمد ﷺ کی تصریح ہے تو هذا الرجل راوی کی اپنی تعبیر ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ وہ یوں ہی سوال کرے گا جیسا کہ اس روایت کے الفاظ ہیں یعنی فرشتہ ماعلمک بهذا الرجل کہے گا اور اس ابہام کے ساتھ اس وجہ سے کہے گا کہ وہ مقام مقام امتحان ہے اور امتحان میں تعمیہ کیا جاتا ہے جس طرح ممتحن اپنے سوالات میں ابہام پیدا کرتا ہے لیکن اگر وہ فرشتہ یوں ہی کہہ دے کہ ''محمد ﷺ کون ہیں'' تو وہ تو جان ہی جائے گا اور آسانی سے جواب دیدیگا۔ اس لئے فرشتہ بات کو چھپائے گا مگر مومن چونکہ جانتا ہوگا کہ یہاں بجز ربوبیت باری اور رسالت محمدی ﷺ کے اور کسی چیز کا سوال نہیں ہوتا اس لئے فوراً سمجھ جائیگا اور جواب دے گا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ عالم برزخ میں چونکہ ہر شے سامنے ہوتی ہے درمیان میں کوئی حائل نہیں ہوتا اور تمام پردے دور کر دئے جاتے ہیں تو حضور پاک ﷺ اپنے روضۂ اقدس سے نظر آئیں گے جیسے کہ چاند اگرچہ اپنے مستقر پر ہے لیکن اسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے اور پھر فرشتہ حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا کہ یہ کون ہیں مسلمان جواب دے گا کہ یہ ''محمد ﷺ ہیں'' اور بعض کی رائے یہ ہے کہ شبیہ مبارک یعنی فوٹو سامنے لایا جائیگا اور فرشتہ اس کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا ویسے تو ہر مومن نے آپ ﷺ کی زیارت نہیں کی لیکن قوت ایمانی کی وجہ سے اس وقت آپ ﷺ کو پہچان لے گا جیسے کہ خواب میں پہچان لیتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ حضور اقدس ﷺ خود بنفس نفیس تشریف لائیں گے او اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیونکہ جس طرح منکر نکیر اور ملک الموت قبر میں آسکتے ہیں حضور ﷺ بھی تشریف لا سکتے ہیں اسی حال کے مناسب کسی نے کہا ہے۔

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدیساں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

اس روایت کی تفصیل آئندہ آئے گی یہاں بقدر ضرورت ذکر کر دی گئی۔

باب تحریض النبی ﷺ

چونکہ نئے نئے مسائل مستنبط کرنا امام بخاری کا مقصد ہے اس لئے احادیث مکرر آتی رہتی ہیں چنانچہ یہ وفد عبدالقیس کی حدیث پہلے بھی گزر چکی۔ شراح حدیث نے اس باب کی غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ اس سے تبلیغ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کیونکہ حضور پاک ﷺ نے اس وفد کو چند باتوں کی تعلیم دیکر فرمایا احفظوھن واخبروابھن من ورائکم تو گویا یہ بات بتلادی کہ علم حاصل کرے تو اس کو یاد رکھے اور دوسروں تک پہنچائے جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے وفد عبدالقیس کو دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دی۔ لیکن میرے نزدیک یہ غرض صحیح نہیں کیونکہ یہ غرض تو بخاری میں صفحہ اکتیس ۳۱ پر باب لیبلغ الشاھد الغائب کے ذیل میں آرہی ہے۔ باقی یہ کہ امام بخاری کا مقصد میرے نزدیک اس باب سے یہ ہے کہ اگر کوئی پورا عالم نہ ہو اور وہ تبلیغ کرے تو جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے جن لوگوں کو یہ فرمایا ہے۔ واخبروابھن من ورائکم وہ لوگ تمام دینی باتوں سے واقف نہ تھے اور ان کو صرف چار باتوں کا حکم اور چار سے منع فرما کر اس کی تبلیغ کا حکم فرمادیا لہذا آج کل جو لوگ ''تبلیغی جماعت'' پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے اندر اکثر جاہل ہوتے ہیں یہ کیوں تبلیغ کرتے ہیں اور کیسے تبلیغ کرتے ہیں ان لوگوں کے اعتراض کا جواب خود امام بخاری اس باب سے دے گئے ہیں اور بعض نے جو یہ غرض بتلائی ہے کہ دوسری حدیث بلغو اعنی ولو آیۃ سے جو ایہام ہوتا تھا کہ صرف آیت قرآنی کی تبلیغ کی جائے تو اس کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز کی تبلیغ کرو۔ خواہ آیت قرآنی ہو یا حدیث نبوی وہ تو مستقل باب کی غرض ہے جو آگے آرہا ہے اور بعض مشائخ نے یہ باریکی بیان فرمائی ہے کہ امام بخاری کی طرف سے اساتذہ کو تنبیہ ہے کہ طلباء کو حفظ کرنے پر ابھارتے رہیں۔

قال مالک بن الحویرث قال لنا النبی ﷺ ارجعوا الی اھلیکم :

یہ کتاب الصلوۃ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے اور چونکہ اس کا اتنا ٹکڑا ہی یہاں کے مناسب تھا اس لئے اسی کو ذکر فرمادیا اور مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس مالک بن الحویرث کے ساتھ ایک وفد آیا جب بیس ۲۰ دن گزر گئے اور حضور اقدس ﷺ نے دیکھا کہ ہم جوان ہیں اور ہماری رغبت عورتوں کی طرف ہوگئی ہے تو حضور ﷺ نے ہم کو روانگی کا حکم فرمادیا اور فرمایا کہ جب نماز کا وقت آئے تو اذان واقامت کہنا اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور یہ باتیں جا کر ان لوگوں کو سکھلاؤ جو وہاں ہیں۔ کنت اترجم یہاں سے ابو جمرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قیام کا سبب بیان کیا ہے کہ مجھے زبانیں آتی تھیں اس لئے میں ضرورت کے لئے ان کے پاس رہا کرتا تھا۔

قال شعبة وربماقال النقیر

اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے استاذ ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کبھی تو صرف تین ہی چیزیں حنتم، دباء، مزفت کو ذکر کیا کرتے تھے اور گاہے گاہے النقیر بڑھا کر چار چیزیں بیان کیا کرتے تھے یعنی پہلے تین لفظ تو ہمیشہ کہا کرتے تھے اور کبھی کبھی چوتھا لفظ نقیر کو بھی ذکر کردیا کرتے تھے۔ آگے شعبہ فرماتے ہیں وربما قال المقیر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نقیر کہ جگہ کبھی کبھی مقیر کہہ دیا کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہے گاہے مزفت کے بدلہ مقیر فرمایا کرتے تھے کیونکہ مزفت اور مقیر دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔

باب الرحلة فی المسئلة النازلة

اب تک تو خروج لطلب العلم کو بیان فرمار ہے تھے کہ وہ خروج تو مطلق اور عام علم کے لئے ہوتا تھا اب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ وقتی طور پر پیش آجائے اور وہاں کوئی بتلانے والا نہ ہو تو اسکے واسطے سفر کرنا واجب ہے یہ نہ سوچے کہ ایک ہی مسئلہ تو ہے اس کے لئے سفر کرنے کی کیا ضرورت۔

انی قد ارضعت عقبة والتی تزوج بها

یہ مسئلہ کتاب الرضاع اور کتاب الشہادہ کا ہے یہ روایت امام بخاری وہاں ذکر فرمائیں گے مختصراً یہاں اتنا سن لو کہ یہاں جو ایک عورت کی شہادت سے یہ حکم جاری کرادیا گیا کہ مفارقت ہوگئی تو یہ تقوی پر محمول ہے ورنہ حنفیہ کے نزدیک دو عورتیں اور ایک مرد کا شہادت میں ہونا ضروری ہے اور امام شافعی کے نزدیک چار عورتوں کا ہونا کافی ہے امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے اسحاق بن راہویہ اور امام احمد کے نزدیک ایک ایک عورت کی شہادت کافی ہے باب کی یہ حدیث انہی لوگوں کا مستدل ہے۔

فرکب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم:

یہاں پر صرف ایک مسئلہ پیش آیا تو حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کو معلوم کرنے کے لئے مکے سے مدینے آئے۔

باب التناوب فی العلم

چونکہ طلب علم فرض ہے لہٰذا امام بخاری اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مشغول ہو تو اس کو علم روزانہ سیکھنا ضروری نہیں بلکہ تناوب کرسکتا ہے تو گویا امام بخاری نے تناوب کا جواز ثابت فرمادیا۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی مشغول ہو تو اس کے لئے تناوب فی العلم مستحب ہے حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ باب میں امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشربہ والی طویل روایت مختصراً ذکر فرمائی ہے طویل تو جہاں آئے گی وہ تین صفحوں میں ہوگی مگر یہاں مختصر ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے ایک کنارے پر رہا کرتے تھے تو روزانہ مشغولی کی وجہ سے خدمت اقدس میں آنے سے معذوری تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات چیت کر رکھی تھی کہ ایک دن تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جایا کرو اور وہاں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کریں وہ مجھ کو آکر سنادیا کرو اور دوسرے دن میں جایا کروں گا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنوں گا تم کو بتلادیا کروں گا۔ یہ تناوب فی العلم ہوگیا ایک دن وہ انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر کہنے لگے کہ کیا عمر ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا اور ان کے پاس آیا فقال قد حدث امر عظم یہاں پر روایت میں اختصار ہوگیا، ہوا یہ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو انہوں نے فرمایا کہ کیا غسانی آگیا؟ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑا امر پیش آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی طرح رات تو گزر گئی صبح ہوتے ہی آیا تو مسجد میں دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رو رہے ہیں۔ میں حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور پوچھا اطلقکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مشربہ میں قیام فرما ہیں ان سے پوچھ لو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ کیا آپ نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو طلاق دیدی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''نہیں'' میں نے خوشی سے اللہ اکبر کہا۔

باب الغضب فی الموعظة والتعلیم اذارای ما یکرہ

یوں فرماتے ہیں کہ اگر استاذ طلباء سے کوئی ناگوار بات دیکھے تو ان کو تنبیہ کردے، ڈانٹ دے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ یہاں بھی مصنف کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ قضاء اور فتوی کے درمیان فرق ہے کہ اگر فتوئی اور درس حالت غضب میں ہو تو جائز ہے لیکن اگر قضاء حالت غضب میں ہو تو جائز نہیں کیونکہ ابوداؤد شریف کی ایک حدیث میں آتا ہے **لا یقضی القاضی وھو غضبان** اسی حدیث کی بناء پر حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ قضا بحالت غضب نافذ نہیں ہوسکتی اور اگر وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہو وہ شہود کے ذریعہ ثابت کردے کہ قاضی نے جس وقت یہ فیصلہ کیا تھا فلاں وجہ سے غصہ میں تھا تو قضا باطل ہوجائے گی تو حضرت امام بخاری اس سے استثنا فرماتے ہیں کہ استاذ غصہ کرسکتا ہے اور ڈانٹ سکتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ تنبیہ کرنی ہے کہ استاذ کی یہ ڈانٹ ڈپٹ حدیث **یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا** کے خلاف نہیں اور اس میں تنفیر نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ حضور پاک ﷺ کے حالات میں آتا ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غضب کرنا آپ ﷺ کی شان نہیں ہے تو امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ تعلیم کے وقت میں جو حضور پاک ﷺ سے غضب کرنا ثابت ہے وہ اس کے خلاف نہیں ہے بلکہ وہ اس خاص مصلحت کیوجہ سے ہوتا تھا **لا اکاد ادرک الصلوة** یہ کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں۔

مما یطول بنا فلان:

فلاں شخص کے نماز طویل کردینے کی وجہ سے اس فلاں کے تحت بین السطور میں لکھا ہے **ھو قیل معاذ وقیل ابی** یہ دونوں احتمال یہاں تو صحیح ہیں کیونکہ یہاں نماز کی تعیین نہیں کہ کونسی نماز کا ذکر ہے اور جن احادیث میں نماز کی تعیین ہے وہاں دونوں احتمال ہوں گے بلکہ ایک ہی متعین ہوگا لہذا جہاں مغرب وعشا کی نماز میں اطالت کا ذکر ہو وہاں فلاں سے مراد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور جہاں اطالت صلوۃ فی الفجر کا ذکر ہو وہاں فلاں کے مصداق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور جہاں کہیں بالا جمال اطالت کا ذکر ہوا اور کسی خاص نماز کی تعین نہ ہو وہاں فلاں سے مردد دونوں ہوسکتے ہیں جس کو چاہے لکھدو۔ اس کے خلاف جو کہے وہ غلط ہے یہاں بعض شراح کو وہم ہوگیا اور کہیں کہیں علامہ قسطلانی سے بھی سبقت قلم ہوگئی کہ اس کا عکس لکھدیا۔

فقال اعرف وکائھا ثم عرفھا سنة :

یہ مسئلہ **کتاب اللقطه** کا ہے اور وہیں یہ بحث بھی آئے گی کہ ایک سال تعریف ضروری ہے یا تین سال ایک ماہ ایک ہفتہ کافی ہے یا دس دن ضروری ہیں **لک ولاعلیک** کے معنی وہیں آئیں گے **ثم استمتع بھا** یہ استمتاع استمتاع ملک نہیں ہے جیسا کہ **فادھا الیہ** اس پر دلالت کرتا ہے جو آرہا ہے **قال فضالة الابل فغضب** یہی مقصود باب ہے اور حضور اقدس ﷺ کا غصہ اس وجہ سے تھا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور اس کی وجہ کی طرف **مالک ولھا معھا حذاء ھا** الخ سے اشارہ فرمادیا۔

مالک ولها ومعها سقاء ها

کہتے ہیں کہ اونٹ کے پیٹ میں ایک مشک ہوتی ہے جس کو وہ پانی سے بھر لیتا ہے اور جب اس کو پانی نہیں ملتا تو وہ اس مشک میں سے تھوڑا تھوڑا نکال کر پیتا ہے اور سات دن تک اس کو نئے پانی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ فقال رجل من ابی انہوں نے اپنے باپ کے متعلق سوال اس وجہ سے کیا کہ منافقین ان پر ولد الزنا ہونے کا الزام لگاتے تھے۔

فلمارای عمر مافی وجهه

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور پاک ﷺ کا غضب دیکھا تو دوزانو ہوکر بیٹھ گئے اور رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا ومحمد ﷺ نبیا پڑھنے لگے یہ جتلانے کے لئے کہ ہم میں سے جوایک نے یہ سوال کیا ہے وہ آپ پر اعتراض کے واسطے نہیں بلکہ غلطی ہوگئی حضور ﷺ تو ہمارے سب کچھ ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رکبتین پر بیٹھنا یہ طالب علم کی ہیئت ہے کہ محدث کے سامنے اس طرح بیٹھنا چاہئے۔

باب من برک علی رکبتیه عند الامام او المحدث

اس باب کا مقصد وہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ ائمہ ومشائخ واساتذہ کے سامنے دوزانوں ہوکر بیٹھنا چاہئے۔ یہی اولی وبہتر ہے۔

باب من اعادالحدیث ثلثالیفهم

حضور اقدس ﷺ کی عادات مبارکہ میں مذکور ہے اذاتکلم تکلم ثلثا واذاسلم سلم ثلثاً یعنی آپ ﷺ جب کوئی بات فرماتے تو تین مرتبہ بیان فرمایا کرتے تھے اور جب سلام فرماتے تو تین مرتبہ کرتے۔ سلام کا ذکر اور اس کا مسئلہ تو کتاب الاستیذان سے متعلق ہے وہاں آئے گا یہاں تکلم سے بحث ہے کہ تین مرتبہ بات فرمایا کرتے تھے لیکن یہ ظاہر کے اعتبار سے بہت مہمل معلوم ہوتا ہے اور سمجھدار آدمی کی شان کے خلاف ہے کہ ہر بات کو بار بار کہے اسی وجہ سے بعض شراح نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ جو تین تین مرتبہ فرماتے تھے وہ اس اعتبار سے تھا کہ ایک مرتبہ دائیں جانب اور ایک مرتبہ بائیں جانب منہ فرما کر اور ایک مرتبہ سامنے کی طرف متوجہ ہوکر کلام فرمایا کرتے تھے لیکن یہ صورت بھی ہر کلام میں بعید از عقل معلوم ہوتی ہے اگر چہ پہلی صورت کے اعتبار سے ادون ہے تو امام بخاری نے اس کا اور مطلب بیان کرنے کے لئے یہ باب قائم فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ ہر بات کو تین تین مرتبہ نہیں فرماتے تھے بلکہ ہر وہ بات جو اہم اور ضروری ہو اس کو تین مرتبہ فرماتے تھے اسی وجہ سے حدیث میں لیفهم کی قید ہے ابن المنیر ایک شارح بخاری ہیں وہ اس کی غرض بیان فرماتے ہیں کہ اس سے رد کرنا ہے ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ استاذ کو ایک مرتبہ بات کہنی چاہئے اس سے زیادہ نہ کہے اور اگر طالب علم دوبارہ پوچھے تو وہ بلید ہے۔ اسکو نہ بتائے۔ ابن المنیر نے بات اگر چہ بہت معقول بتلائی لیکن میرے نزدیک یہ اس باب کی غرض نہیں ہے بلکہ اگلے صفحہ پر جو باب من سمع شیاء فلم یفهم فراجعه حتی یعرفه آرہا ہے اس کے مناسب ہے اعادها ثلثاحتی تفهم عنه یہی مقصود ترجمہ ہے اور مقصود یہ ہے کہ اعادہ وہاں ہوتا تھا جہاں انہام ن ضرورت ہو معلوم ہوا کہ اذاتکلم تکلم ثلثا عام نہیں ہے بلکہ مواقع ضرورت کے ساتھ خاص ہے ویل للاعقاب من النار مرتین اوثلثا یہی مقصود باب ہے اور مصنف نے

اس کو ذکر فرما کر اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ تکرار افہام کی غرض سے ہوتا تھا خواہ دو مرتبہ میں حاصل ہو جائے یا تین مرتبہ میں، تین مرتبہ کچھ ضروری نہیں ہے۔

باب تعلیم الرجل امته و اهله

حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمیوں کے لئے دوہرا اجر ہے ایک وہ غلام جس نے اللہ کا اور اپنے مولی کا حق ادا کر دیا۔ اور ایک وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر حضور اقدس ﷺ پر بھی ایمان لایا ہو۔ اور ایک وہ جس نے اپنی باندی کو تعلیم دی اور اچھی طرح ادب سکھلایا اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو امام بخاری نے ترجمہ سے تنبیہ فرمادی کہ آقا کے ذمہ ہے کہ وہ باندیوں کو تعلیم دے۔ اور چونکہ ظاہر حدیث سے باندی کی تخصیص معلوم ہو رہی تھی اس لئے واهله بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ یہ کوئی باندی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اپنی بیوی کو بھی تعلیم دے تو گویا حدیث میں باندی کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں لہذا جب باندی کی تعلیم پر اجر ملے گا تو اہل کی تعلیم پر بدرجہ اولی ملے گا یہاں حدیث پاک میں باندی کو خاص طور سے اس واسطے ذکر کیا کہ باندیاں عام طور پر پکڑ کر لائی جاتی تھیں ان کو کوئی تعلیم و تربیت دینے والا نہیں تھا بخلاف حرائر کے کہ ان کے لئے تعلیم سے موانع نہیں ہوتے تھے۔

حدثنا محمد هو ابن سلام

یہ هو ابن سلام فربری کی طرف سے تفسیر ہے ثلثه لهم اجران اس کے اندر اختلاف ہے کہ یہ دوہرا اجر کس وجہ سے ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض علماء کی تو رائے ہے کہ چونکہ ان میں سے ہر ایک کے دو دو کام ہیں اس لئے دوہرا اجر ہے مگر اس میں اشکال ہے کہ پھر ان کی کیا خصوصیت رہی جو بھی دو کام کرے گا اس کو دو اجر ملیں گے۔ اور دوسرا قول اس کی بالکل ضد یہ ہے کہ ان تینوں کو ہر ہر کام پر دوہرا اجر ملے گا اس میں اشکال یہ ہے کہ ان تینوں نے کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا کہ اب جو کام بھی اس کے بعد کریں اس پر دوہرا اجر ہے اس لئے میرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ جن افعال میں تزاحم ہوتا ہو ان میں دوہرا اجر ہے مثلا جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر حضور پاک ﷺ پر ایمان لایا۔ اب یہ شخص پہلے سے اپنے نبی کی شریعت پر عمل کرتا تھا اب جب حضور ﷺ پر ایمان لے آیا تو اس کو نفس کے خلاف کرنا پڑا اور پھر نئے سرے سے احکام سیکھنے پڑے تاکہ ان پر عمل کرے تو اب یہاں پر نئے دین کی شرائط اور عبادات کو لازم کرنے میں تزاحم ہے کہ پہلے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرتا تھا اب دوسرے مذہب نے جو عبادات بتلائیں ان کو کرنا ہوگا نیز یہ پہلے اپنے مذہب کا عالم تھا اب جو نیا مذہب اختیار کیا ہے اس کے اعتبار سے اب جاہل ہو گیا ایک دوسری مزاحمت یہ ہوگئی اور اسی قسم کی ہر مزاحمت پر اجر ہے۔ اس لئے اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ اسی طرح عبد مملوک ہے ادھر وہ نماز پڑھنے جاتا ہے تو حق مولی کا ٹکراؤ ہوتا ہے اب اس کو جہاں جہاں بھی مشقت ہوگی دوہرا اجر ملے گا کیونکہ یہاں بھی اس کو اپنے حقیقی مولی (خدا تعالی شانہ) اور مجازی مولی کی وجہ سے مزاحمت پیش آرہی ہے۔ لیکن جن افعال میں اس کو مزاحمت نہ ہوتی ہو مثلا وہ ایسا وقت ہے کہ مالک کی خدمت سے چھٹی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور اب تہجد پڑھے تو یہاں دوہرا اجر نہیں ملے گا کیونکہ مجازی مولی کا کام اس کے مزاحم نہیں ہے۔ اسی طرح آقا ہے اس نے باندی کو تعلیم و تربیت دی اور پھر آزاد کر دیا یہ بھی اس نے بِر کا کام کیا۔ اب مزاحمت یہاں بھی ہوگئی کیونکہ اس نے پہلے آزاد کر کے جو اس سے نکاح کیا تو گویا اس کو برابر کا حق دیدیا اس میں ٹکراؤ ہے کیونکہ شادی کرنے کے بعد جو اس کی غرض ہے وہ باندی ہونے کی حالت میں بھی حاصل تھی

مگر اس نے مملوکانہ حق کو ختم کر کے برابر کا حق دیدیا اور اس کو حرائر کا حق حاصل ہو گیا اس لئے اس کو دوہرا اجر یہاں بھی ملے گا یہ حدیث دوسری مرتبہ صفحہ چار سونوے پر آئے گی۔

ثم قال عامر اعطینا کھا بغیر شیئ

یہ خطاب کس کو ہے علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ صالح کو خطاب ہے جو شعبی کے شاگرد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ خطاب ایک خراسانی آدمی کو ہے جس نے سوال کیا تھا جیسا کہ کتاب الانبیاء میں صفحہ ۴۹۰ پر آرہا ہے فرماتے ہیں کہ بیٹھے بٹھائے ہم نے تجھے اتنی بڑی حدیث بتلادی ورنہ اس سے چھوٹی حدیث کے لئے مدینے آیا کرتے تھے۔ آج کل یہ مدارس بن گئے اور پھر ان میں سہولتیں کھانے پینے وغیرہ کا اہتمام ہو گیا یہی وجہ ہے کہ یہ طالب علم قدر نہیں کرتے اگر یہ سہولتیں نہ ہوتیں بلکہ اس میں مشقت اٹھانی پڑتی تو قدر کرتے لیکن اب تو یہ حال ہے کہ اگر پڑھانے میں بیس ملتے ہیں اور کھیتی میں سو، تو کھیتی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ بغیر مشقت کے حاصل ہو گیا اور اگر مشقت سے حاصل کرتے تو ہرگز یہ نہ ہوتا۔

باب عظة الامام النساء و تعلیمھن

امام بخاری اس باب سے ایک وہم کو دور فرماتے ہیں وہ یہ کہ پہلے باب سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ باندی و بیوی کی تعلیم آقا و شوہر کے ذمہ ہے تو امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امام اور امیر کے ذمہ نہیں ہے بلکہ ان کے بھی ذمہ ہے لہذا ان کو چاہئے کہ مدارس کا انتظام کریں اور ان کی تعلیم کا بندوبست کریں تو گویا پہلے باب میں تو امام بخاری نے مولی تک کے لئے یہ باب کہی تھی اب یہاں سے ایک قدم اور بڑھاتے ہیں کہ امام اور امیر بلدہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کریں۔ کیونکہ ہر شخص کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی رعایا یعنی اہل وعیال کو تعلیم دے۔ اس تقریر کی بناء پر یہ باب پہلے باب کا تکملہ ہوگا **او قال عطاء اشهد علی ابن عباس** یہ او شک راوی ہے راوی کو شک ہو گیا کہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ پر قسم کھائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا یا عطا نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قسم کھائی کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر یہ **اشهد علی النبی** ﷺ ہو تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہوگا اور اگر **اشهد علی ابن عباس** رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو تو عطا کا مقولہ ہوگا۔ **فظن انه لم یسمع النساء** کیونکہ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر تو تھا نہیں اور عورتیں دور تھیں مرد آگے آگے تھے۔

فجعلت المراة تلقی القرط و الخاتم

چونکہ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں ذرا سی بات ان پر اثر کر جاتی ہے چنانچہ حضور ﷺ نے وعظ فرمایا فوراً ہاتھ کے ہاتھ دینے لگیں۔ ایک بار مشرقی پاکستان سے کچھ علماء نے جو یہاں سے پڑھ کر گئے تھے میرے پاس یہ لکھا کہ یہاں انگریزیت کا اتنا غلبہ ہے کہ لوگ زیوروں کو معیوب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اضاعت مال ہے اگر کہیں حدیث میں زیوروں کا ذکر ہو تو لکھیں میں نے ان کے پاس چند حدیثیں لکھ کر بھیجدیں اور لکھدیا کہ جہاں جہاں حدیث میں عید کے خطبے ہوں وہاں دیکھ لیں ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ یہ میں نے اس لئے تنبیہ کردی کہ کہیں تم کو ضرورت آجائے۔ حدیث میں بالی اور ہاتھوں کے زیور وغیرہ کا ذکر ہے۔ **وبلال یاخذ فی**

طرف ثوبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کپڑے کے کونے میں لے رہے تھے اور کہہ رہے تھے اعطین فداکن ابی و امی ۔ اس حدیث سے مدارس کے لئے چندہ مانگنے کی اصل معلوم ہوتی ہے مگر اپنے لئے نہیں ۔ قال اسمٰعیل بن ایوب عن عطاء پہلے چونکہ تردد ہوگیا تھا کہ اشہد کس کا قول ہے اس لئے یہاں سے اس کی تعین کررہے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے۔

باب الحرص علی الحدیث

یہ تخصیص بعد التعمیم ہے اب یہاں سے خاص طور سے علم حدیث کی اہمیت اور فضیلت بیان کرکے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان علوم میں علم حدیث سب سے افضل واعلیٰ ہے اور یہ بہت ہی مہتم بالشان ہے ۔ حدیث باب میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا من اسعد الناس بشفاعتک تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو ہریرہ! میں سمجھتا تھا کہ تمہارے سوا اس کے متعلق کوئی بھی سوال نہیں کریگا کیونکہ میں تمہاری حرص حدیث پر دیکھتا ہوں ۔ اس سے حدیث پر حرص کی فضیلت معلوم ہوئی کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے موجود تھے اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تمہاری حدیث پر حرص دیکھ کر میرا خیال یہ تھا اس کے متعلق اور کوئی سوال نہ کرے گا صاف بتلا رہا ہے کہ اسکی خاص فضیلت ہے کہ جس کو منہمک دیکھا اسی کے ساتھ خیال فرمایا۔

انه قال قیل یارسول اللّٰه

یہاں سوال یہ ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرنے والے تھے پھر مبہم کیوں رکھا جب کہ خود آخر حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان آرہا ہے لقد ظننت یا ابا هریرة ! یعنی ابو ہریرہ! میں سمجھتا تھا کہ تمہارے سوا اور کوئی اس بارے میں سوال نہیں کرے گا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں اپنی تعریف ہو وہاں ایک گونہ حیا سی آجاتی ہے اور آدمی خود کہنا نہیں چاہتا اس لئے اولاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غائب سے تعبیر کیا مگر جب آگے کوئی چارہ نہ ملا تو مجبوراً ظاہر کردیا یہ تو تاویل ہے ورنہ یہی حدیث دوسری جلد میں صفحہ نوسو بہتر ۹۷۲ پر بھی آرہی ہے وہاں قیل کے بجائے "قلت" ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیل کسی راوی کا تصرف ہے۔

باب کیف یقبض العلم

میں نے شروع کتاب میں کہہ دیا تھا کہ امام بخاری نے "کیف" سے تیس باب شروع فرمائے ہیں بیس جلد اول میں اور دس جلد ثانی میں ان میں کا یہ دوسرا ہے ۔ اور میں نے وہاں یہ بھی بیان کیا تھا کہ میرے نزدیک امام کی غرض کیفیت کا اثبات مقصود نہیں ہوتا بلکہ جہاں مسئلہ میں اختلاف یا احادیث میں اختلاف ہوتا ہے تو وہاں اہتمام پر تنبیہ کرنے کے لئے کیف سے باب باندھتے ہیں ۔ امام بخاری اس باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے قبض علم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے مثلاً کتابت کے ترک کرنے سے علم کے ختم ہونے کا اندیشہ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خط سے ظاہر ہوتا ہے ۔ نیز حدیث میں ہے کہ علم کا رفع ایسے ہوگا کہ علماء اٹھالئے جائیں گے ۔ وکتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکر بن حزم یہ بھی میں نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے امر سے کتابت حدیث شروع ہوئی ۔ اور مدون اول علی القول المشہور امام زہری ہیں اور محققین کی رائے میں ابو بکر بن حزم ہیں

چونکہ یہ بخاری کی روایت ہے اور نیز امام زہری کی وفات ۱۲۵ھ میں ہے اور ابوبکر بن حزم کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے اس سے بظاہر تقدم معلوم ہوتا ہے اور مصنف کا تفنن ہے کہ مسئلہ اس کی مشہور ومناسب جگہ کے بجائے دوسری جگہ ذکر فرماتے ہیں۔

فان العلم لایھلک یعنی لوگ علم کی اشاعت نہ کریں۔ اسی وجہ سے میرے یہاں سے جو بھی نقل کرنا چاہے میں منع نہیں کرتا۔

حدثنا العلاء بن عبدالجبار:

یہ اوپر جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اثر بیان فرمایا ہے تو اس کی سند بیان فرمادی ان اللہ لایقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث سے قبض علم کی کیفیت بیان کردی کہ قبض علم اس طرح نہیں ہوگا کہ قلوب میں قرآن وحدیث موجود ہوں اور پھر قلوب سے اللہ تعالیٰ ایک دم محو فرمادیں بلکہ یہ صورت ہوگی کہ علماء مرتے جاویں گے اور ان کے ساتھ علم بھی ختم ہوتا جاوے گا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے قریب جب آدمی سوئے گا اور صبح کو اٹھے گا تو قرآن اس کے قلب سے صاف ہوگا سب کچھ بھول گیا ہوگا اور اسی طرح رات کو قرآن پاک صحیح وسلامت رکھے گا لیکن جب صبح کرے گا تو صرف سادے کاغذرہ جائیں گے تو مجھے کہنا یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول میں سے ہے کہ جو روایت ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی اس پر رد فرماتے ہیں تو امام بخاری اس روایت پر رد فرماتے ہیں کہ قبض علم اس طرح نہ ہوگا کہ اچانک قلب سے صاف ہوجائے گا بلکہ قبض علماء سے ہوگا۔ اور محققین کی رائے یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ یہ قرب قیامت میں ہوگا اور اچانک رفع قرآن قیامت کے قریب ہوگا کیونکہ قیامت تو اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ کوئی مومن باقی ہے۔

قال الفربری:

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ ہمارا نسخہ جو ہے وہ فربری کی روایت سے ہے لیکن قال الفربری کا کیا مطلب؟ اس میں بہت سے علماء کو تحیر ہوگیا مگر تحیر کی کوئی بات ہی نہیں فربری اپنی ایک سند ذکر کرتے ہیں کہ جیسے مجھ کو یہ روایت بواسطہ امام بخاری کے پہنچی ہے اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے استاذ سے بھی پہنچی ہے۔ اس دوسرے واسطہ کو ذکر کرنے کا مقصد امام بخاری کی روایت کی تقویت ہے۔ لیکن یہ سند قاعدہ کے اعتبار سے حاشیہ پر ہونی چاہئے تھی مگر طابعین نے یہ سوچ کر کہ نسخہ بھی تو فربری کا ہے ان کے اس نوٹ کو اصل کتاب میں ہی طبع کردیا۔

باب ھل یجعل للنساء یوم علیحدۃ فی العلم:

امام بخاری یہاں سے اس کا جواز ثابت فرماتے ہیں چنانچہ اس باب میں جو حدیث شریف ذکر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں کے لئے دن متعین فرمایا تھا۔ اب اشکال یہ ہے کہ جب حضور ﷺ سے تعیین یوم ثابت ہے تو ترجمۃ الباب میں لفظ ھل امام بخاری کیوں لائے یہ تو تردد پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ جب حضور ﷺ سے ثابت ہے تو اب تردد کیسا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک واقعہ خاص کا ذکر ہے اور ایک گویا واقعہ جزئیہ ہے اس سے کلی واقعات پر استدلال کرنے میں تردد تھا کیونکہ یہ واقعات ایسے ہیں کہ ان سے فتنہ وفساد زیادہ ہوتا ہے تو امام بخاری نے لفظ ھل بڑھا کر متنبہ فرمادیا کہ ذرا دیکھ کر اس کو کرنا اور سوچ سمجھ کر عورتوں کو اجازت دینا بلا تردد اجازت نہ دینا۔ غلبنا علیک الرجال یعنی یہ مرد ہر وقت آپ کے پاس لگے رہتے ہیں ہم کو کوئی وقت ہی نہیں ملتا تا کہ ہم بھی

کچھ پوچھ لیں اس لئے آپ ہمارے واسطے کوئی خاص دن مقرر فرمادیں۔

ما منکم من امراة تقدم ثلثة من ولدها:

یہ مسئلہ کتاب الجنائز کا ہے اور وہاں بھی یہ آوے گا کہ یہ لڑکے جو حجاب ہوں گے وہ تین ہوں گے، دو ہوں گے یا ایک ہی ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے اور جس کا کوئی لڑکا نہ مرا ہو اس کا کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ، مرنے والا لڑکا فی نفسہ ماں باپ سب کے لئے آڑ ہوگا لیکن جہاں روایات میں امرءۃ کی تخصیص ہے تو اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ماں کو بچے سے بہت محبت ہوتی ہے بڑی مشقت اٹھاتی ہے ولادت کے وقت اگر ذرا سی سمیت اثر کر جائے مر جاوے اور کچھ کا کچھ ہو جاوے مگر اللہ نے اولاد کی محبت دل میں ڈالدی کہ اگر اولاد نہیں بھی ہوتی تو تعویذ کراتی ہیں قال ثلثة لم یبلغوا الحنث چونکہ روایات سابقہ میں مطلقا لڑکے کا حجاب ہونا مذکور تھا خواہ بالغ ہو، یا نابالغ ہو تو حضرت امام بخاری نے یہ روایت ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ یہ ان لڑکوں کے بارے میں ہے جو قبل البلوغ مر گئے ہوں۔

باب من سمع شيئا فلم يفهمه فراجعه حتى يعرفه

تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے باب من اعاد الحدیث میں ابن منیر کی ایک غرض بیان کی تھی کہ اگر طالب علم ایک مرتبہ میں بات نہ سمجھے تو وہ بلید ہے اس کو دوبارہ مت بتلائے لیکن میری رائے جیسا کہ میں اس گزشتہ باب میں بھی بیان کر چکا یہ ہے کہ ابن منیر کی وہ غرض اس باب کے زیادہ موافق ہے اور اس گزشتہ باب کی غرض جس میں حضور اقدس ﷺ کے تین بار کلام فرمانے والی روایت ہے اس کے متعلق امام کا تنبیہ فرمانا ہے کہ حضور ﷺ تکرار وہاں فرماتے تھے جہاں یہ خوف ہو کہ مخاطبین سمجھے نہیں اور بعض دوسرے حضرات نے اس باب کی غرض یہ بیان فرمائی کہ قرآن پاک کی آیت وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَاتَشَابَهَ الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتبہات کی تحقیق نہ کرنی چاہئے اور اسی قسم کا مضمون حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے اور بعض کا مذہب بھی یہی ہے۔ تو امام بخاری یہاں سے ان لوگوں پر رد فرما رہے ہیں کہ متشابہات قرآنیہ کی تحقیق تو واقعی نہ کرنی چاہئے لیکن ان کے علاوہ بقیہ چیزیں جو سمجھ میں نہ آئیں ان سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

من نوقش الحساب یھلک:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو ضرور مراجعت کرتیں اب یہیں سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ہو گیا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مراجعت کر لے چنانچہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا من حوسب عذب تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا او لیس یقول اللہ عزوجل فسوف یحاسب حسابا یسیرا یعنی آپ ﷺ تو فرما رہے ہیں من حوسب عذب اور خدائے تعالیٰ مومن ناجین کے بارے میں فرماتا ہے فسوف یحاسب حسابا یسیرا تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ذلک العرض یعنی حساب یسیر سے مراد عرض ہے نامۂ اعمال کا کہ ورق گردانی کر کے بلا کچھ پوچھے معاف فرما دیا جائے کہ بھاگ جا بڑا نالائق تھا معاف کر دیا اور من حوسب سے مراد من نوقش ہے کہ اگر اس نے سوال شروع کر دیا یہ کیوں کیا؟ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ سو گیا کیوں سو گیا؟ رات کو دیر میں سویا؟ کیوں دیر میں سویا؟ تو وہاں

چھٹکارا ملنا مشکل ہو جائے گا۔

باب لبليغ العلم الشاهد الغائب

چونکہ حدیث پاک میں آتا ہے بلغوا عنی ولو آیۃ تو اس سے تبلیغ آیت قرآنی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے اس لئے امام بخاری نے یہ باب باندھ کر اشارہ فرمادیا کہ تبلیغ آیت قرآن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقصود تبلیغ علم ہے خواہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث پاک ہو عن ابی شریح انه قال لعمرو بن سعید ۔غور سے سنو روایت اتنی ہی ہے یہ عمرو بن سعید یزید بن معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے انتقال کے بعد جب یزید خلیفہ بنا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کی بیعت سے انکار فرمادیا اس کی وجہ سے امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ تو میدان کربلا میں جو کچھ پیش آیا وہ آیا البتہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ مکہ ہی میں ٹھہر گئے یہ عمرو بن سعید رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف ایک لشکر بھیج رہا تھا اس پر حضرت ابوشریح جو صحابی بھی ہیں نے اس کو نصیحت فرمائی سمعته اذنای ووعاه قلبی یعنی مجھ کو خوب اچھی طرح سے یاد ہے میرے کانوں نے سنا ہے اور قلب نے محفوظ کرلیا اور بھولا نہیں وابصرته عینای میری آنکھوں نے دیکھا ہے مجھ کو کوئی اشتباہ بھی نہیں ہے فان احد ترخص بقتال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قتال کیوں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ حلال ہوگیا تھا اور اب کوئی بتلانے والا نہیں رہا کہ کس وقت کس کے لئے حلال ہے اور کب حرام ہے وہ تو نبی تھے ان کو معلوم ہوگیا۔ ولیبلغ الشاهد الغائب یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہد کو تبلیغ غائب کا امر فرمایا تھا اور اے عمرو! تو اس وقت غائب تھا اور میں حاضر تھا اس لئے میں نے پہنچادیا تاکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سوال نہ کریں۔

فقيل لابی شريح ماقال:

یعنی جب ابوشریح نے یہ حدیث بیان کی تو ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے اس کہنے پر عمرو نے کیا کہا اور کیا جواب دیا قال انا اعلم منک ابوشریح نے فرمایا کہ اس نے یہ کہا کہ مجھے تم مت سمجھاؤ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں میں بھی تابعی ہوں لا تعیذ عاصیا ولا فارا بدم یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے اور وہاں یہ روایت بھی آئے گی اور اسی طرح یہ روایت فتح مکہ میں بھی آئے گی۔ شوافع اور مالکیہ کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ گزین ہو جائے تو اس کو وہیں قتل کر دیا جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک اس کو خروج عن الحرم پر مجبور کیا جائے گا گویا حدیث جمہور کے مذہب کے موافق اور حضرات حنفیہ کے خلاف ہوئی۔ اس کے علاوہ دو مسئلے اور ہیں ایک یہ کہ قاتل نے قتل ہی حرم میں کیا ہو یا قطع اطراف غیر حرم میں کر کے داخل ہوا ہو تو ان دونوں مسئلوں میں احناف جمہور کے ساتھ ہیں کہ قصاص وہیں حرم میں لیا جائے گا۔ رہا عمرو بن سعید کا یہ مقولہ تو یہ کلمة حق ارید به الباطل کے قبیل سے ہے۔

وكان محمد يقول صدق رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

محمد سے ابن سیرین مراد ہیں اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کس قول اور کس چیز کی تصدیق فرمائی؟ بعض کی رائے ہے کہ جملہ الاهل بلغت کی تصدیق کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب تبلیغ فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا فلیبلغ الشاهد الغائب چنانچہ انہوں نے خوب تبلیغ کی۔ اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے لامع

میں یہ ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو سفک دم سے منع فرمایا تھا وہ اسی لئے منع فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو خوف تھا کہ یہ چیز مکہ میں ہو کر رہے گی چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا خیال مبارک پورا ہو کر رہا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ یہی روایت دوسری جلد کے آخر میں آئے گی اس میں رب مبلغ اوعی من سامع ہے تو ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ٹھیک فرمایا تھا کہ بہت سے مبلغ سامع سے اوعیٰ ہوتے ہیں۔

باب اثم من کذب علی النبی ﷺ

چونکہ اب تک حرص فی الحدیث کی فضیلت تعلیم و تعلم پر تحریص وغیرہ بیان فرمائی تھی تو اب یہاں سے امام بخاری بریک لگاتے ہیں کہ یہ سارے فضائل اپنی جگہ پر مگر حضور اکرم ﷺ کی احادیث بیان کرنے میں احتیاط کرنا کہیں حضور اکرم ﷺ پر کذب نہ ہو جائے اور پھر وعید میں داخل ہو جاؤ۔ لاتکذبوا علی من کذب علی یلج النار یہ روایت معنیً متواتر ہے اور بعض کے نزدیک الفاظ کے اعتبار سے متواتر ہے۔ اس باب کی احادیث کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے یہاں احادیث کے ذکر میں ایک خاص ترتیب کا لحاظ فرمایا ہے کہ پہلے تو کذب علی النبی ﷺ سے منع فرمایا اور دوسری حدیث میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توقی فی الحدیث یعنی احتیاط ناقلین کو ذکر فرمایا اور تیسری حدیث میں اس احتیاط کی تشریح فرمادی کہ یہ توقی فی الحدیث اکثار احادیث سے تھی اگر چہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بکثرت روایات بیان کرتے تھے جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ورنہ عامہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکثار سے توقی کرتے تھے اور اگر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توقی کر لیتے تو ہم تک یہ روایات کیونکر پہنچتیں۔ اور چوتھی حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں جھوٹا خواب بھی من کذب علی میں داخل ہے۔

حدثنا المکی بن ابراهیم:

میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ بخاری شریف کے خصائص میں سے یہ بھی شمار کرایا جاتا ہے کہ اس میں بائیس (۲۲) احادیث ثلاثیات ہیں اور یہ بھی کہا تھا کہ فقہ حنفی کا مدار ثنائیات پر ہے۔ اب اس حدیث باب کے متعلق سنو کہ اس حدیث قال سمعت کے تحت بین السطور میں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ ھذا اول الثلاثیات میں نے بہت تتبع اور تلاش کے بعد یہ بات حاصل کی کہ ان بائیس ثلاثیات میں سے بیس احادیث میں سند کے اندر جن کا نام آ رہا ہے وہ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں یا امام زفر کے۔ لامع کے مقدمہ میں ان کے حالات بھی آ گئے ہیں۔ چنانچہ یہ مکی بن ابراہیم بھی امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں اور ثلاثیات بخاری میں سے گیارہ روایات انہیں سے مروی ہیں لہٰذا سوائے دو کے تمام حنفی حضرات سے یہ احادیث مروی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جب امام بخاری کی روایات ثلاثیات ہو سکتی ہیں تو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی احادیث کا ثنائیات ہونا تو یقینی ہے اور اگر میں یوں کہوں کہ وحدانی ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا اس اعتبار سے یقیناً فقہ حنفی بہت مضبوط ہے۔ قال الامام ابو حنیفه مانقل عن النبی ﷺ علی الراس والعین ومانقل عن الصحابة نختار ونرجح ومانقل عن التابعین هم رجال ونحن رجال. بہر حال ثلاثی وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں حضور پاک ﷺ اور محدث کے درمیان تین واسطے ہوں ایسی حدیث کی بڑی اجلال شان کی جاتی ہے اور موٹے خط میں اول الثلاثیات ثانی الثلاثیات لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ادھر تو صحابی بیچ میں تابعی وہ خیر القرون میں سے اور شاگرد اپنے استاذ کے

حالات سے خوب واقف۔

تسموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي:

یہ مسئلہ کتاب الادب کا ہے وہاں کچھ تفصیل سے آجائے گا مختصرا یہاں سن لو! اس حدیث پاک کا شان ورود یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ بازار تشریف لے جارہے تھے راستہ میں کسی نے آواز دی یا ابا القاسم! آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں بلایا بلکہ فلاں کو بلایا ہے۔

اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام تو رکھ لیا کرو لیکن میری کنیت کے ساتھ تم کسی کو تعبیر نہ کرو اور کسی کی کنیت نہ رکھو۔ یہاں پر تو اس طرح ہے لیکن بعض روایات میں اس کا عکس وارد ہوا ہے کہ میرا نام نہ رکھو البتہ کنیت رکھ لیا کرو۔ اس وجہ سے اب علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں امام شافعی سے منقول ہے کہ مطلقا آپ ﷺ کی کنیت شریف رکھنی جائز نہیں خواہ آپ ﷺ کی حیات میں ہو یا بعد الممات ہو لیکن جمہور کے نزدیک یہ ممانعت آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھی اب جائز ہے۔

من رانی فی المنام فقد رانی:

یہ مسئلہ کتاب تعبیر الرؤیا کا ہے تفصیل کے ساتھ وہیں آئے گا اب یہاں یہ سنو! کہ اس پر علماء امت کا اجماع ہے کہ جس نے حضور کریم ﷺ کو دیکھا اس نے آپ ﷺ ہی کو دیکھا شیطان کے اندر یہ ہمت نہیں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شکل میں آکر یہ کہہ دے کہ میں محمد (ﷺ) ہوں البتہ وہ خدائے تعالیٰ کی شکل میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ کی دو صفتیں ہیں ہادی و مضل، اللہ کے اضلال کا مظہر شیطان ہے لہٰذا وہ صفت ضلالت کا مظہر بن کر سامنے آسکتا ہے۔ بخلاف نبی کریم ﷺ کے کہ آپ ہادی محض ہیں لہٰذا وہ آپ کی شکل میں نہیں آسکتا۔ نیز علماء نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر حضور پاک ﷺ خواب میں کسی خلاف شرع کا امر کا جواز بتلائیں تو وہ جائز نہیں ہوگا۔ نیز جو شخص آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی شایان شان شکل میں نہ دیکھے بلکہ کسی اور شکل میں دیکھے تو اس نے بھی یہ حقیقت میں آپ ہی کو دیکھا اور اس کا یہ خلاف شان دیکھنا خود اس کے اپنے نقص کی وجہ سے ہے اور اس شخص کے خیالات کے اعتقاد کی عینک ہے۔

باب كتابة العلم

میں نے اس باب کے متعلق کتاب کے شروع میں تیسرے نمبر پر جہاں میں نے اس علم کے مدون کا ذکر کیا ہے پوری بحث کی ہے۔ اور وہاں میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس میں علماء سلف کے تین مذہب ہیں ایک مذہب تو کتابت سے بالکل منع کرتا ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کی بنا پر جو مسلم (۱) میں موجود ہے جس میں کتابت سے بالکل منع کیا گیا ہے حتی کہ جو لکھا ہوا ہو اس کے بھی محو کا امر ہے یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اگرچہ روایات مجوزہ کثرت سے ہیں اس لئے کہ جب منع و جواز میں تعارض ہوا کرتا ہے تو منع کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ اور دوسرا مذہب بعض دوسرے سلف کا ہے کہ اولا لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے یہ حضرات جمع بین الروایتین کرتے ہیں اور تیسرا مذہب ایک دوسری جماعت سلف کا ہے اور یہی اب متفق علیہ مذہب ہے کہ کتابت حدیث بالکل جائز ہے اور حفظ کے بعد مٹانے کی بھی ضرورت نہیں یہی غرض امام بخاری کی اس ترجمۃ الباب سے ہے اور اس کو حضرت امام بخاری نے

---

(۱) یہ پوری حدیث صفحہ (۱۰) کے حاشیہ پر تحریر کی جاچکی ہے۔ شاہد غفرلہ

متعدد روایات سے ثابت فرمایا ہے۔ باب سے تو اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا اور روایات مثبتہ کو ذکر فرما کر جمہور کے مذہب کو ثابت فرمایا ہے۔

قلت لعلي هل عندكم كتاب:

یہاں روایت کے الفاظ اسی طرح ہیں اور دوسری جلد میں صفحہ ایک ہزار اٹھائیس (۱۰۲۸) پر **هل عندكم كتاب من وحي غير القرآن** ہے ان الفاظ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے پاس قرآن کے علاوہ جو **مابين الدفتين** ہے اور کوئی حصہ قرآن ہے جو اس قرآن پاک کے علاوہ ہو۔ منشاء اس سوال کا یہ تھا کہ اس زمانے سے ہی روافض نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے اعوان نے چالبازی کی قرآن پاک کے چالیس پارے تھے۔ دس پارے جو اہل بیت کے فضائل میں تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے متعلقات کی بہت سی قسم کی تعریفیں اور مدحیہ مضامین اس میں تھے اس کو انہوں نے قرآن کے اندر نہیں لکھا نیز یہ روافض یوں بھی کہا کرتے تھے کہ دراصل نبی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں فرشتہ جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا گیا تو ان باتوں کی وجہ سے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا لوگوں کا یہ خیال صحیح ہے؟ اور کیا آپ کے پاس کوئی خاص احکامات والی وحی ہے۔ یہ حدیث جس میں صراحۃً وحی کے متعلق سوال ہے آگے چل کر بخاری میں صفحہ چار سو اٹھائیس (۴۲۸) پر آوے گی۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ کتاب تو صرف کتاب اللہ ہے جو مابین الدفتین ہے **او فهم اعطيه رجل مسلم** یہ فہم فہم استنباط واجتہاد ہے جو حضرات مجتہدین کو حاصل تھا اور یہی آیت کریمہ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً سے مراد ہے۔

او مافي هذه الصحيفة:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کو انہوں نے اپنی تلوار کے نیام میں رکھ لیا تھا اس میں وہ احکام لکھے ہوئے تھے جو آگے آرہے ہیں۔ امام بخاری نے اپنا ترجمہ اسی جملہ سے ثابت فرمایا ہے کہ کتابۃ العلم کا وجود خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہے۔ **قال العقل** یعنی اس صحیفہ میں احکام دیات تھے کہ اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو اس کا کیا حکم ہے **وفكاك الاسير** اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکامات تھے کہ اگر مسلمان کو کفار قید کر لیں تو ان کا کیا جائے، آیا روپیہ دے کر چھڑا لیا جائے یا اگر ادھر کفار محبوس ہوں تو ان سے بدلہ کر لیا جائے اور اگر کفار مسلمانوں کے پاس محبوس نہ ہوں تو کیا یونہی چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے وغیرہ وغیرہ یہ مستقل مسائل ہیں جن کو امام بخاری کتاب الجہاد میں مستقل دو بابوں میں ذکر فرمائیں گے انشاء اللہ میں وہاں تفصیل سے کلام کروں گا۔ **ولا يقتل مسلم بكافر** یہ مسئلہ بھی کتاب الجہاد کا ہے وہاں امام بخاری اس پر مستقل باب باندھیں گے۔ یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے حنفیہ اور غیر حنفیہ کے درمیان۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور حنفیہ **انما بذلوا ليكون اموالهم كاموالنا ودمائهم كدمائنا** وغیرہ جیسی روایات کی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت "**لايقتل مسلم بكافر**" کافر حربی کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے گا تو اس کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا **بقتيل منهم اى من بني خزاعة قتلوا اى قتل بنو ليث قتيل بني خزاعة فضمير منهم يرجع الى بني خزاعة وضمير قتلوه الى بني ليث وضمير المفعول الى القتيل.**

ان اللہ حبس عن مکۃ القتل او الفیل قال محمد اجعلوہ علی الشک:

محمد کا مصداق خود امام بخاری ہیں وہ فرماتے ہیں کہ القتل او الفیل اس کو شک ہی کے ساتھ رہنے دینا اس میں اصلاح نہ کرنا قال ابو نعیم القتل او الفیل وقال غیرہ الفیل یعنی میرے استاذ ابونعیم نے اسی طرح شک کے ساتھ بیان کیا تھا اور اگر چہ صحیح الفیل ہے کیونکہ ان کے علاوہ باقی سب جزم کے ساتھ اسی کو بیان کرتے ہیں۔ اب یہاں پھر وہی مسئلہ آگیا جو میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کتاب میں غلطی خود اس لکھنے والے کی طرف سے ہو تو اس میں اصلاح کرنا جائز نہیں لیکن جب محقق طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ غلط ہے تو کیا کرے؟ اس میں دو قول ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جب غلطی پر پہنچے تو یوں پڑھے الصحیح ھکذا وفی الکتاب ھکذا تا کہ ابتداء غلط پڑھ کر من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار میں داخل نہ ہو۔ اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ پڑھتا چلا جائے اور جب غلط پڑھ چکے تو اس کے بعد فوراً والصحیح ھکذا پڑھے وسلط علیھم رسول اللہ ﷺ مطلب حضور اقدس ﷺ کے ارشاد مبارک کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے جابر بادشاہ ابرہہ کو جو اپنے ہاتھی لیکر کعبہ کو مسمار کرنے آیا تھا مکہ میں گھسنے نہ دیا بلکہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو کنکریاں دے کر سب کو ہلاک کرادیا اس واقعہ کے ہی بیان میں سورۂ فیل نازل ہوئی مگر جناب نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو محض اپنے فضل وکرم سے ان پر مسلط فرمادیا۔

الا وانھا لم تحل لاحد قبلی ولا لاحد بعدی:

یعنی خوب سن لو! یہ مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے۔ اب ممکن ہے کہ کوئی شخص یوں کہتا کہ پھر حضور اکرم ﷺ نے کیوں قتال فرمایا؟ اس لئے حضور اکرم ﷺ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں الا وانھا حلت لی ساعۃ من نھار سن لو! جو میں نے قتال کیا تو مکہ میرے واسطے تھوڑی دیر کے لئے حلال کردیا گیا تھا الا وانھا ساعتی ھذہ حرام یہ اس وجہ سے کہا کہ یہ خطبہ فتح مکہ کے دوسرے دن ہوا تھا۔ یہاں ایک بات یہ سنو کہ اس میں اختلاف ہے کہ فتح مکہ صلحا ہے یا عنوۃ ہے۔ احناف کے نزدیک عنوۃ فتح ہوا ہے اور شوافع کے نزدیک صلحا فتح ہوا ہے۔

ولا تلتقط ساقطھا الا المنشد:

یہ مسئلہ کتاب اللقطہ کا ہے اس کی تفصیل وہاں پر آئے گی البتہ ایک اعتراض یہاں پر یہ ہے کہ ہر شخص لقطہ کو انشاد ہی کے لئے اٹھاتا ہے لہٰذا مکی لقطہ میں یہ انشاد کی قید کیسی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ میں تعریف لقطہ بہت مشکل ہے اس لئے کہ حاجیوں کا مجمع بہت ہوتا ہے اور ان کا کہیں مستقل چند دن تک قیام بھی نہیں ہوتا۔ تو خاص طور سے انشاد کی اہمیت باقی رکھنے کے لئے ایسا فرمایا۔ فمن قتل فھو بخیر النظرین، ھو کی ضمیر وارث مقتول کی طرف راجع ہے کیونکہ مقتول تو مر چکا ہے اب اس کے مخیر بین النظرین ہونے کا کیا سوال۔ خیر النظرین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وارث مقتول کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا وہ جس کو چاہے پسند کرلے ایک دیت اور دوسرے قتل۔ اسے اختیار ہے کہ چاہے قتل کردے یا دیت لے لے۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے اور کتاب الجہاد کا ہے کہ آیا اختیار صرف وارث قتیل کو ہوگا یا قاتل کو بھی اختیار ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو صرف وارث قتیل کو اختیار ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قاتل کو بھی اختیار ہے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ اولیاء مقتول دیت مانگیں اور وہ دیت دینے پر قادر نہ ہو بلکہ قتل ہونا پسند کرتا ہے یہ سوچ کر کہ کہاں

دیت کے لئے کماتا پھروں گا۔ اما ان یقتل واما ان یقاد اهل القتیل یہ خیر النظرین کی تفصیل ہے۔

فجاء رجل من اهل الیمن:

یہ آنے والے حضرت ابو شاہ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں تصریح ہے ان صحابی کا نام معلوم نہیں البتہ ان کی کنیت ابوشاہ ہے اکتب لی یارسول الله یارسول اللہ! (ﷺ) یہ گرانمایہ احکام جو آپ نے بیان فرمائے اس کو میرے واسطے لکھوادیجئے کیونکہ خود پڑھے لکھے نہیں تھے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا اکتبوا لابی فلاں فلاں سے مراد ابوشاہ ہیں ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں اکتبوا لابی شاہ ہے یہاں بخاری کی روایت میں راوی کو نام یاد نہیں رہا۔اور یہی جملہ اکتبوا لابی فلاں امام بخاری کی غرض ہے کہ دیکھو یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے حضور اقدس ﷺ کے امر سے کتابت حدیث ہو رہی ہے۔

فقال رجل من قریش:

جب حضور اکرم ﷺ نے حرمت کے احکام بیان فرمائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا یارسول الله الاالاذخر یعنی اذخر کا استثناء فرمادیجئے رجل سے مراد حضرت عباس ہیں۔ فقال النبی ﷺ الا الاذخر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباس کے کہنے پر اذخر کا استثناء فرمادیا۔اب یہاں ایک مسئلہ علماء کے درمیان اختلافی یہ ہے کہ کیا حضور اکرم ﷺ کو احکام کے درمیان اختیار تھا کہ جو چاہے حکم فرمادیں اور جس سے چاہیں منع فرمادیں اور جس کو چاہیں حلال وحرام فرمادیں۔ اس کے متعلق ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بالکل بھی اختیار نہ تھا ان کا استدلال آیۃ کریمہ وماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی جیسی آیات سے ہے اور اس کے برخلاف ایک دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اختیار تھا کیونکہ اگر اختیار کا نہ ہونا تسلیم کرلیں تو پھر عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے فرمانے پر استثناء کیوں فرمادیا؟ اور جب استثناء فرمادیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ اختیار تھا ان حضرات کی دلیل حدیث پاک لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک اور باب کی یہ حدیث ہے۔رہ گئی آیۃ کریمہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے فوراً قلب میں القا ہو گیا ہو کیونکہ وحی کی ایک قسم القاء فی الروع بھی تو ہے۔اور تیسرا مذہب توقف کا ہے کیونکہ روایات دونوں قسم کی ہیں اور متعارض ہیں۔اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ حروب میں اختیار ہے اور بقیہ احکام میں اختیار نہیں۔

حدثنا علی بن معبد:

اس سند میں وارد ہوا ہے اخبرنی وھب بن منبه عن اخیه اس اخ سے مراد ہمام بن منبہ ہیں اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کرنے میں بہت مشہور ہیں ان کی ایک کتاب ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کے ساتھ مشہور ہے اس صحیفہ سے امام مسلم روایات نقل کرتے ہیں اور صحیفہ حیدرآباد میں بھی طبع ہو چکا ہے اور یہ مسند احمد میں بھی یکجائی ھمام عن ابی ھریرہ سے مروی ہے۔

فانه کان یکتب ولا اکتب:

اس حدیث میں چند ابحاث ہیں ایک تو یہی فانه کان یکتب ولا اکتب امام بخاری کی غرض بھی اسی جملہ سے ثابت ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا طریقہ یہ تھا کہ جیسے بعض مریدین مشائخ کے ملفوظات لکھ لیتے ہیں اسی طرح یہ بھی جو کچھ حضور اکرم ﷺ سے سنتے اس کو لکھ لیتے۔صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم نے ان کو ملامت کی کہ تم سب کچھ کیوں لکھتے ہو؟ کیونکہ حضور اکرم ﷺ بشر ہیں

غصہ میں بھی فرماتے ہیں خوش بھی ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس منہ سے حالت رضا وغضب میں سوائے حق کے اور کوئی بات نکلتی ہی نہیں تم سب کچھ لکھ لیا کرو۔ تو یہاں کتابت حدیث بامر رسول ﷺ ہوگئی۔ دوسری بحث یہ ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے زیادہ اور کوئی احادیث بیان کرنے والا نہیں ہے سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ابن الجوزی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) بتلائی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بعض محدثین کے قول پر پانچ سو (۵۰۰) اور بعض کے قول پر کل سات سو (۷۰۰) ہیں تو ان کی مرویات زیادہ سے زیادہ سات سو (۷۰۰) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) پھر کس طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث زیادہ ہوئیں؟ اس کا جواب بعض علماء تو یہ دیتے ہیں کہ لکھنا اور چیز ہے اور اس لکھے ہوئے کا چل پڑنا اور چیز ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثرت سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور لوگ کثرت سے مدینہ منورہ ہی تحصیل علم کے لئے رحلت وسفر کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما طائف میں رہنے لگے تھے اور وہاں لوگ اس قدر جاتے نہیں تھے اسلئے ان سے اخذ کثرت سے نہیں ہوا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چونکہ کتب سماویہ کے عالم تھے اس لئے وہ کبھی کبھی اسرائیلیات بھی بیان کر دیا کرتے تھے اس خلط ملط کی وجہ سے عام آدمی ان کی روایات کثرت سے نہیں لیتے تھے بخلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ وہ صرف احادیث رسول ﷺ ہی بیان کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اقدس ﷺ نے حفظ کی دعا فرمائی تھی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس صرف لکھی ہوئی تھیں تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حفظ سے خوب بیان فرماتے تھے۔ دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا تو وہ مکان سے ایک صحیفہ نکال کر لائے جس میں احادیث تحریر تھیں اس سے پتہ چلا کہ وہ لکھا کرتے تھے لہٰذا ان کا و لا اکتب فرمانا کیسے صحیح ہوا؟ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ کس طرح پتہ چل گیا کہ وہ صحیفہ خود ان کا لکھا تھا ہو سکتا ہے کسی اور کا لکھا ہوا ہو اور وہ ان کو مل گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ و لا اکتب فرمانا یہ حضور پاک ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد انہوں نے جمع کر لیں اور لکھ لیں۔

ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ:

حضور اقدس ﷺ کیا لکھتے اس کی تو کہیں تصریح نہیں ہے ہاں سیاق روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ خلافت کے متعلق لکھتے کہ فلاں کو خلیفہ بنایا جائے پھر فلاں فلاں کو یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور اس کے بعد دوشنبہ کی صبح آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور امام بخاری کی غرض بھی اسی جملہ سے ثابت ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مرض الوصال میں لکھنے کو قلم دوات طلب فرمایا اور حضور ﷺ جو کچھ لکھتے وہ سب حدیث ہی ہوتا لہٰذا کتابت حدیث ثابت ہوگئی۔

قال عمر ان النبی ﷺ غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا:

جب حضور اکرم ﷺ نے لکھنے کو قلم دوات طلب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو منع کر دیا اور کہنے لگے کہ حضور

اقدس ﷺ کو تو تکلیف ہے ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس ﷺ کے وزیر اور مشیر تھے خاصۃ اور دیگر امور میں دخیل تھے عامۃ۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت حضور ﷺ کو تکلیف نہ دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کے جوتے لے کر جنت کی بشارت دینے چلے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راستے ہی میں ان کے سینے پر اس زور سے ہاتھ مارا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرین کے بل گر پڑے تھے یہ حضور ﷺ کے پاس شکایت کرنے چلے پیچھے پیچھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچ لئے کہ حضور ایسا نہ فرمایئے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تو اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں کہ حضور ﷺ کی حیات ہی میں حضور ﷺ کے سامنے ایسے کام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک بار ازواج مطہرات نان نفقہ طلب کر رہی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے یہ ساری ازواج آڑ میں چلی گئیں حضور پاک ﷺ مسکرائے اور فرمایا "عمر سے شیطان بھی بھاگتا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے واقعہ دریافت کر کے فرمایا: یاعدوات انفسکن اتھبننی ولا تھبن رسول اللہ ﷺ اور حضور اقدس ﷺ نے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی بے ادبی کی بلکہ ان کو دلالۃ اجازت تھی اسی بنا پر انہوں نے منع فرمایا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس دن حضور اقدس ﷺ کو بہت تکلیف تھی اور تکلیف کی تیزی کی وجہ سے ڈول کے ڈول پانی کے آپ پر ڈالے جا رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ تکلیف برداشت نہ ہوئی اس لئے انہوں نے منع فرما دیا کیونکہ لکھنے سے اور تکلیف ہوتی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پنجشنبہ کی شام کا ہے اور حضور اقدس ﷺ کا انتقال دوشنبہ کو ہوا تو اگر حضور اکرم ﷺ کو کچھ لکھوانا تھا تو جمعہ یا اتوار کو لکھوا دیتے کیونکہ اس دوران طبیعت مبارکہ ٹھیک ہو گئی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے خطبہ بھی دیا اور اس میں مہاجرین کے فضائل بیان فرمائے اور انصار کے متعلق بیان فرمایا کہ ان کے محسنین کے ساتھ اچھا معاملہ کریں اور انکے مسیئین سے تجاوز کریں اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قلم دوات لاؤ کچھ لکھ دوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور زبان مبارک سے فرما دیں اس کو یاد کر لوں گا لکھنے کی ضرورت نہیں تو اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقول روافض بے ادبی کی تو ادھر بھی تو بے ادبی ہوئی۔ یہ روایت ابن سعد کی ہے صحاح کی نہیں۔ اور پانچواں جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ہی کے متعلق لکھوانا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کچھ لکھوانے کا خیال ہی نہیں تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری جلد ثانی میں صفحہ ایک ہزار بہتر (۱۰۷۲) پر ایک روایت آ رہی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنه فاعهدا ن يقول القائلون او يتمني المتمنون ثم قلت يابى الله ويدفع المومنون الحديث اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی خلافت لکھوانی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو گویا رافضیوں کا بھلا کیا کہ حضور ﷺ کو لکھنے سے منع کر دیا اگر لکھ دیتے تو یہ پھر یہ حکم قطعی ہو جاتا اور رافضیوں کو کوئی چارہ کار ہی نہ رہتا۔

فخرج ابن عباس يقول۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خروج حضور اقدس ﷺ کے پاس سے نہیں تھا بلکہ مراد وہ جگہ ہے جہاں حدیث بیان کر رہے تھے جب یہاں تک پہنچے تو ان الرزية كل الرزية کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے لکھنے دیا ہوتا

تو پھر حضور اکرم ﷺ ترتیب لکھ دیتے پھر واقعہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صفین و جمل ہی نہ پیش آئے ہوتے۔

باب العلم و العظة بالليل

اس علم میں سبق، تکرار، تقریر، مطالعہ سب ہی داخل ہے اور عظۃ کے معنی نصیحت کے ہیں۔ چونکہ ایک حدیث میں عشاء کے بعد نوم سے قبل و بعد بات کرنے کی ممانعت ہے تو یہاں سے ان اشیاء کا استثنا کرتے ہیں کہ ان کی ممانعت نہیں ہے میں اس باب پر مزید کلام اگلے باب میں کروں گا۔ سبحان الله ماانزل الليلة من الفتن و ماذا فتح من الخزائن حضور اقدس ﷺ کو یہ مکشوف ہوا کہ کثرت سے فتن نازل ہوئے اور خزائن کے متعلق بھی کشف ہوا تو اس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیونکہ جب فتن ظاہر ہوئے تھے تو اس کے ساتھ خزائن کا ظہور ضرور ہوا ہوگا۔ فان مع العسر يسرا ايقظوا صواحب الحجر صواحب حجرات کو جگا دو کیونکہ یہ وقت قبولیت دعا کا ہے فتن سے بچنے کی دعا کریں۔ یہاں انزل الليلة الخ تو علم کے اندر داخل ہے اور ايقظوا صواحب الحجر الخ اس کی مناسبت العظة سے ظاہر ہے تو باب کے دونوں جزء سے مناسبت ہوگئی۔

فرب كاسية في الدنيا عارية في الاخرة:

کاسیہ کے معنی کپڑا پہننے والی چونکہ ثوب بول کر بعض مرتبہ اس سے عمل و تعلق مراد لیا جاتا ہے اور عام طور سے عرب میں بولا جاتا ہے۔ سبعہ معلقہ میں ہے:

ان تک قد ساء تک منی خليقة

فسلی ثيابی من ثيابک تنسلی

تو یہاں ثیاب سے مراد تعلق ہے اب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں عمل کرنے میں خوب آگے آگے ہوتی ہیں وہ آخرت میں اعمال سے ننگی ہوں گی کیونکہ وہ اپنی عادت کے مطابق چغل خوری، غیبت، گالی گلوچ، اور جہالت کے سینکڑوں کام کرتی ہیں اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ بہت سی عورتیں دنیا میں جو لباس پہنتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا مثلاً اندر سے بدن اس میں نظر آتا ہے تو ایسی عورتوں کو ننگی ہونے کی سزا آخرت میں ملے گی، اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ بہت سے دنیا میں اعمال کرنے والے آخرت میں اس کے اجر سے خالی ہوں گے اس لئے کہ ان اعمال میں اخلاص نہ ہوگا ریاء سے کیے ہونگے۔

باب السمر في العلم

یہ باب اور باب سابق بظاہر ایک معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سمر في العلم بھی تو عظة بالليل ہے اس لئے حافظ کی رائے یہ ہے کہ باب اول سے عظة بالليل بعد الاستيقاظ من النوم ثابت فرمایا ہے اور اس باب سے عظة قبل النوم ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ دونوں وقت ہو سکتا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ ابھی قریب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گزری ہے يتخولنا بالموعظة كراهة السآمة علينا اور باب اول کی روایت میں عظة بعد الاستيقاظ ہے اور جاگنے کے بعد طبیعت کسل مند ہوا ہی کرتی ہے تو باب سابق سے تنبیہ فرمادی کہ اگر سآمة نہ ہو اور طبیعت ہشیار ہو تو بعد الاستيقاظ عظة میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس دوسرے باب کی غرض یہ ہے کہ حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ نے عشاء کے بعد بات چیت اور سمر سے منع فرمایا ہے اور قرآن پاک میں ہے سامرا

تھجرون تو اس باب سے اشارہ فرمادیا کہ سمر بالعلم نہی میں داخل نہیں۔ سمر وہ باتیں کہلاتی ہیں جو رات میں کی جائیں۔

فان راس مأة سنة منها لایبقی ممن هو علی ظهر الارض احد:

اس روایت کو جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سنا تو یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ انقضائے قرن مراد تھا۔ اب اس روایت کی وجہ سے محدثین کی رائے یہ ہے کہ جو شخص ۱۱۰ھ کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا صوفی ہو چاہے خواجہ رتن ہندی ہی کیوں نہ ہوں مگر بڑی مشکل صوفیا کو ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور یہ روایت اس کے خلاف ہے چنانچہ محدثین تو حیات خضر علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں اور صوفیا اثبات کرتے ہیں اور اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام وجہ ارض پر تھے ہی نہیں بلکہ سمندر وغیرہ میں تھے اور بڑی مشکل صوفیائے محدثین اور محدثین صوفیا کو ہے وہ کہتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زندہ نہ رہے گا اور علامات قیامت میں یہ ہے کہ جب دجال کا ظہور ہوگا ایک آدمی اس وقت حدثنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کہے گا اور وہ آدمی حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے لہٰذا حکم قطعی نہیں لگاتے۔

بت فی بیت خالتی میمونة:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ تھیں ان کو یہ شوق پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری میں ان کے یہاں تشریف لاویں گے تو یہ اپنی خالہ کے یہاں سوئیں گے اور دیکھیں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔ جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری آئی تو یہ جا کر سو رہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کچھ رات گئے اٹھے اور نماز شروع فرمادی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھے اور وضو کر کے نماز میں شریک ہو گئے مگر غلطی سے بائیں طرف کھڑے ہو گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کان پکڑ کر پیچھے سے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ ثم قال نام الغلیم غلیم غلام کی تصغیر ہے یہاں سوال یہ ہے کہ سمر بالعلم کہاں اور کس لفظ حدیث سے ثابت ہوا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نام الغلیم سے ثابت ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوا کہ کسی کو تصغیر کے ساتھ پکارنا جائز ہے اور یہ تحقیر پر دال نہیں تاکہ مذموم و ممنوع ہو۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل فصلی اربع رکعات سے ترجمہ ثابت ہو گیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جیسے سمر فی العلم میں داخل ہیں ایسے ہی افعال بھی سمر فی العلم میں داخل ہیں۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے تشحیذ اذہان کے لئے خاص طور سے حدیث میں اختصار فرمایا ہے ورنہ بخاری جلد ثانی میں صفحہ چھ سو ستاون (٦٥٧) پر یہی حدیث ہے اس میں تصریح ہے کہ فتحدث مع اهله ساعة اس جملہ سے صاف طور پر ترجمہ سے مناسبت ہو گئی حتی سمعت غطیطه او خطیطه یہ اُو شک کے لئے ہے۔ غطیط اور خطیط سونے والے کی آواز کو کہتے ہیں۔

باب حفظ العلم

شراح نے اس کی غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ اب تک علم کی فضیلت و تاکید مذکور تھی اب اس کے حفظ پر تاکید فرماتے ہیں لیکن میری

رائے یہ ہے کہ یہاں تاکیداً حفظ کے لئے باب نہیں باندھا گیا کیونکہ یہ تاکید تو ماقبل کی احادیث سے بھی مفہوم ہورہی ہے بلکہ اس باب سے اس حفظ کے اسباب بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ہمہ تن علم میں لگ جائے۔ کیونکہ تمام دھندوں کو چھوڑ کر علم میں لگ جانے سے ہی علم آتا ہے جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ حضور اکرم ﷺ پر تمام چیزیں قربان کرکے ہمہ تن لگ گئے تھے۔ **ان الناس یقولون اکثر ابو ھریرۃ** رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ روایات بیان فرماتے ہیں اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا **ولو لا ایتان فی کتاب اللہ ماحدثت حدیثاقط** یعنی قرآن کی دو آیتیں جن سے کتمان علم کی وعیدیں معلوم ہوتی ہیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بھی نہ بیان کرتا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **ان اخواننا من المھاجرین** یعنی یہ لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ ہم علم میں مشغول رہتے تھے اور مہاجرین **صفق بالاسواق** اور انصار اپنی کشت زار میں رہا کرتے تھے پھر وہ حدیثیں کس طرح یاد کرلیتے اور یہاں پیٹ بھر روٹی ہی پر پڑے رہتے تھے۔ اور بات بھی یہی تھی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو حدیثیں یاد کرتے تھے حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمار کھا تھا کہ وتر پڑھ کر سو جایا کریں۔

وان اباھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یلزم رسول اللہ ﷺ بشبع بطنہ:

عرف عام میں کسی شے کو کثرت سے کرنے کو **شبع بطن** سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں "باتیں کرتے کرتے پیٹ بھر گیا" یعنی بہت باتیں کیں اسی کثرت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی **شبع بطن** سے تعبیر کررہے ہیں۔ علماء نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ مجھے نہ کسی تنخواہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی وظیفہ وغیرہ کی بس روٹی پیٹ بھر کر دوسرے تیسرے دن مل جائے یہ کافی تھا یہ مطلب تو عام ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس لئے لازم پکڑا تھا کہ پیٹ بھر کر علم حاصل کروں یہ نہیں کہ اس سے غفلت برتوں۔ اور اس کی تائید اس خواب سے ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ میں نے پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ تو یہاں بھی **شبع بطن** سے مراد **شبع بطن من العلم** ہے۔

فمانسیت شیئا بعد:

یہی روایت کتاب البیوع میں صفحہ دو سو پچھتر (۲۷۵) پر آرہی ہے اور اس میں ہے **فما نسیت من مقالۃ رسول اللہ ﷺ تلک من شیئ** تو اب کہنا یہ ہے کہ روایۃ الباب کا ظاہر یہ ہے اس دعا کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر کچھ نہیں بھولے اور اس کتاب البیوع والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس وقت جتنا کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے تو یہاں پر دونوں روایتوں میں تعارض ہوگیا، بعض لوگوں نے تو اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا۔ اور کہا یہ دونوں دو واقعے ہیں مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ دونوں کا سیاق ایک ہے جو تو حد واقعہ کو مقتضی ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ کتاب البیوع والی روایت میں **من مقالۃ رسول اللہ** ﷺ میں جو "من" ہے وہ اجلیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی اس دعا کی برکت کے سبب پھر میں اس کے بعد کچھ نہیں بھولا۔ اب جبکہ کتاب البیوع والی روایت کو کتاب العلم والی روایت کی طرف راجع کیا گیا تو یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار حدیث **لا یوردن ممرض علی مصح** بیان کی تو ان کے شاگرد ابو سلمہ نے کہا اب تم یہ کہہ رہے ہو اور اس سے پہلے **لاعدوی ولا طیرۃ** حدیث بیان فرمائی تھی تو آپ نے فرمایا مجھے یاد نہیں ہے۔ تو یہاں یاد سے نفی کردی ہے۔ محدثین

اس روایت کو "نسی بعد ماحفظ" کی مثال میں پیش فرماتے ہیں اور محدثین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کی دعا کے بعد کوئی روایت نہیں بھولے سوائے اس حدیث کے۔ بہر حال اس اعتراض کا جواب ان لوگوں کے قول پر جو تعدد واقعہ کے قائل ہیں۔ یہ ہے کہ ممکن ہے یہ روایت حضور ﷺ کے اس مقالہ میں نہ ہو۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ کتاب العلم کی روایت کو کتاب البیوع کی طرف راجع کیا جائے اور وہ مطلب بیان کیا جائے جو کتاب البیوع کی روایت سے متبادر ہے اور اگر اس کو کتاب العلم کی روایت کی طرف راجع کیا جائے جیسا کہ میرے والد صاحب کی رائے ہے تو اس صورت میں جواب یہ ہوگا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بھولے ہوں بلکہ ابو سلمہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی اور ان کے شاگرد ہیں خود وہی بھول گئے ہوں کہ انہوں نے یہ حدیث کسی اور سے سنی ہو اور اس کی نسبت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کردی ہو۔ میرے نزدیک یہی زیادہ اقرب ہے۔ اور ایک تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بھولے نہیں تھے بلکہ جب شاگرد کو دیکھا کہ کم فہم ہے اور روایات میں ٹکراؤ کرتا ہے تو انکار کردیا کہ جا میں نے نہیں بیان کیا تھا۔

حفظت عن رسول الله ﷺ وعائين:

میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے دو برتن بھر علم یاد کئے **فاما احدهما فبثثته** ان دونوں برتنوں میں سے ایک کو میں نے پھیلا دیا۔ یہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھیلایا یہ **علم الحلال والحرام** تھا۔ **واما الاخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم** اور دوسرے برتن کو اگر میں پھیلا دوں تو یہ بلعوم کاٹ دی جائے۔

قال ابو عبدالله البلعوم مجرى الطعام:

ابو عبداللہ سے مراد خود امام بخاری ہیں۔ **بلعوم مجرى الطعام** حلق کو کہتے ہیں۔ اس کے مصداق میں حضرات محدثین کا اختلاف ہے کہ وہ دوسرا علم کیا ہے؟ علماء تصوف کی رائے ہے کہ یہ علم الاسرار اور علم الباطن ہے اور چونکہ یہ علوم فہم عامہ سے بالاتر ہوتے ہیں اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بیان نہیں فرمایا اور علماء محدثین کی رائے ہے کہ یہ علم الفتن ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی طرف کہیں کہیں اشارہ بھی فرمایا ہے خود بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا **هلاک امتی علیٰ ایدی غلمة من قریش** اور فرمایا کہ **لو شئت ان اقوني بني فلان وبني فلان لفعلت** اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض روایات میں یہ دعا منقول ہے کہ اے اللہ! مجھے ۶۰ھ سے پہلے پہلے اٹھا لے اسی ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ کی حکومت قائم ہوئی۔ ایک بار کسی صحابی نے حدیث بیان کی کہ ایک بادشاہ بنی قحطان میں سے ہوگا **سیکون ملک من قحطان** تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ جو لوگ ایسی ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ لوگ ایسی روایات جو **الائمة من قریش** کے خلاف ہیں اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ امارت میرے ہاتھوں سے چھن جائے حالانکہ روایت صحیح ہے اور قرب قیامت کے متعلق ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان کے خوف سے کتمان علم کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ علوم **علوم الاحکام علوم الحلال والحرام** نہیں ہیں جس سے غرض عامہ متعلق ہو لہٰذا یہ اس کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ علم ان کی افہام سے بالاتر ہے۔ اب مثلاً علم الاسرار ہے اس کے متعلق ایسے شخص سے بیان کرنا

جواس سے ناواقف ہوا ایسا ہی ہے جیسا کہ بچہ باپ سے پوچھے کہ شادی کس لئے کی جاتی ہے۔اسی لئے علماءسلوک نے لکھا ہے کہ عوام کے سامنے تصوف کے حقائق وغیرہ کا افشانہ کرنا چاہئے۔

باب الانصات للعلماء

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب سے ادب بیان کرنا ہے کہ متعلم کو چاہئے کہ استاذ کے سامنے ادب سے خاموش رہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ طریق حفظ بیان کرر ہے ہیں کہ علم کس طرح محفوظ کیا جاتا ہے اور کس طور پر حاصل ہوتا ہے اوراس کے حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ جب استاذ کچھ بیان کرے تو پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتوں کو سنے تا کہ کوئی بات سننے سے باقی نہ رہے اور بعض کی رائے ہے کہ چونکہ دوسری روایت میں ہے **لاتقطع علی الناس کلامهم** تو اس سے انصات کی مخالفت معلوم ہوتی تھی تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت کسی کے کلام کو قطع نہ کیا جائے اور کسی کو علم کے واسطے خاموش کرنا اس کے اندر داخل نہیں اور بشروا ولاتنفروا کے بھی خلاف نہیں بلکہ اگر عالم کوئی بات کہہ رہا ہو تو لوگوں کو اس کے سننے کے لئے خاموش کیا جاسکتا ہے۔اس سے اجلال العلماء معلوم ہوا اور باب کی غرض تعظیم علماء ہوئی۔

قال له فی حجة الوداع:

شراح کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر جولہ آیا ہے یہ غلط ہے کیونکہ یہ ضمیر راجع ہے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اور وہ حضور اقدس ﷺ کی وفات سے دو ماہ قبل مسلمان ہوئے لہٰذا حجۃ الوداع میں موجود نہیں ہو سکتے تو ضمیر ان کی طرف کیسے راجع ہوگی۔حافظ فرماتے ہیں کہ جہاں یہ مروی ہے کہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کی وفات سے دو ماہ قبل اسلام لائے ہیں وہیں یہ بھی مروی ہے کہ وہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں اسلام لائے تھے نیز بخاری میں صفحہ چھ سو بتیس (۶۳۲) پر ایک حدیث آرہی ہے اس میں بجائے له کے لجریر واقع ہوا ہے۔ استنصت الناس لوگوں کو خاموش کردو۔یہی مقصود بالترجمۃ ہے۔ **فقال لا ترجعوا بعدی کفارا.** جب جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو خاموش کر دیا تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کافروں کے مثل مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹتے پھرو جس طرح وہ آپس میں کرتے ہیں۔

قال محمدصدق رسول الله صلی الله علیه وسلم:

اس کا ایک یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بالکل درست فرمایا۔

ہم نے خوب خوب خونریزیاں کیں۔جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

باب ما یستحب للعالم:

باب کی روایت گزر چکی۔ترجمۃ الباب پر کلام یہاں باقی ہے۔باب کا مطلب اور غرض یہ ہے کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ کون اعلم ہے تو الله اعلم یافوق کل ذی علم علیم کہہ دے یہ نہ کہے کہ لوگوں کی نظر مجھ پر ہی پڑتی ہے۔جیسے کسی گیدڑی سے اس کے بچے نے پوچھا کہ اماں پری کسے کہیں؟ تو اس نے کہا چپ چپ! لوگوں کی نگاہ مجھ ہی پر ہے۔اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ

علماء میں کبر زیادہ ہوتا ہے اسلیئے امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بڑا علامہ نہ سمجھے جبکہ اللہ نے اتنے بڑے نبی کے متعلق یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو اعلم کہیں تو اوروں کا کیا منہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے **فوقع علی حرف السفینة فنقر نقرة او نقرتین** شراح کی رائے یہ ہے یہاں او شک راوی ہے اور میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ **او** تنویع کے لئے ہے اور نقرتین سے دو علم مراد ہیں ایک علم موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا خضر علیہ السلام کا۔

باب من سأل وهو قائم:

یوں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھڑے کھڑے کسی بیٹھے ہوئے عالم سے مسئلہ دریافت کرے تو جائز ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ پہلے باب میں **بروک عندالمحدث** گزرا ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت **فبرک عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **علی رکبتیه** بھی گزری ہے تو امام بخاری نے یہاں یہ باب ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ **بروک عندالمحدث** واجب نہیں بلکہ ادب اور مستحب ہے لہٰذا اگر ضرورت پڑنے پر کھڑے کھڑے مسئلہ پوچھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات میں اس پر وعید وارد ہے کہ کوئی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے پاس کھڑے ہوں چنانچہ ارشاد ہے **لاتقوموا کمایقوم الاعاجم یعظم بعضهابعضا** تو امام بخاری نے اس ممانعت کو اس سے مستثنیٰ فرما دیا۔

باب السوال والفتیا عندرمی الجمار

یعنی رمی جمار کے وقت سوال کرنا اور فتویٰ پوچھنا جائز ہے اور بعض کی رائے ہے کہ چونکہ حدیث میں ہے **انما السعی والرمی والطواف لذکر الله تعالیٰ او کما قال النبی** ﷺ تو اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ رمی کے وقت سوال نہ کرے اور فتویٰ نہ پوچھے کیونکہ یہ مخل بالذکر ہوگا۔ اس لئے امام بخاری نے تنبیہ فرما دی کہ اس وقت میں سوال وفتیا جائز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کی یہ غرض اس باب کے زیادہ مناسب ہے جو صفحہ دوسو چونتیس (۲۳۴) پر آرہا ہے اور وہاں پر امام بخاری نے یہی حدیث دوبارہ ذکر فرمائی ہے۔ اس لئے کہ اگر یہاں (کتاب العلم میں) یہ غرض مان لی جائے تو اس وقت یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہو جائے گا کتاب العلم کا نہ رہے گا اور چونکہ کتاب الحج میں یہ مسئلہ مستقل آرہا ہے اس لئے پھر وہ مکرر ہو جائے گا اس لئے میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری ابوداؤد شریف کی حدیث **انما السعی والرمی** پر بحیثیت کتاب العلم کے تنبیہ فرما رہے ہیں کہ علم کا مرتبہ ذکر اللہ سے مقدم ہے لہٰذا اگر کوئی رمی جمار وغیرہ کے وقت مسئلہ پوچھے تو ذکر قطع کر کے جواب دیدے بعض جاہل صوفیہ کی طرح نہیں کہ سورج تو طلوع ہونے والا ہے اور وہ اپنے اوراد میں مشغول ہیں اب اگر ان سے کوئی وقت پوچھتا ہے تو زبان سے تو جتلاتے نہیں انگلی سے اشارہ کرتے ہیں حالانکہ وظیفہ وغیرہ کے دوران میں مسئلہ وغیرہ بتلانے سے وظیفہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

باب قول الله تعالیٰ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں علم قلیل دیا گیا ہے تو اپنے آپ کو بڑا علامہ مت سمجھو بلکہ علم کو اللہ کی طرف سپرد کر دینا چاہئے یہ تو شراح کی رائے ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس باب کی یہ غرض نہیں کیونکہ یہ غرض تو باب سابق **مایستحب للعالم اذا سئل الخ** کی ہے اس لئے میرے نزدیک اس باب کی غرض ایک دیوبندی مسئلہ کو ثابت کرنا ہے وہ یہ کہ حضور

اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے کیونکہ ما او تیتم کے خطاب میں حضور اکرم ﷺ بھی داخل ہیں یہاں یہ نہیں فرمایا قل ما او تیتم کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا مرتبہ بہر حال اللہ کے بعد ہے لہٰذا عالم الغیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور باقی جتنے لوگ ہیں خواہ انبیاء ہوں، اولیاء ہوں کسی کو بھی علم غیب نہیں ہے۔

وهو يتو كأعلى عسيب معه:

لاٹھی لینے کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں سانپ وغیرہ بہت ہوتے تھے اور ممکن ہے کہ نماز میں سترہ وغیرہ کی ضرورت کے لئے یا استنجاء کے لئے ڈھیلا وغیرہ توڑنے کی وجہ سے ساتھ لے رکھی ہو۔ فلما انجلی عنه یعنی جب حضور اکرم ﷺ سے غشیان الوحی دور ہوگئی۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یعنی روح عالم امر کی چیزوں میں سے ہے تم اس پر مطلع نہیں ہو سکتے اور اس کی حقیقت سے تم کو واقفیت نہیں ہو سکتی، یہاں ایک بات سنو ایک عالم امر ہے اور ایک عالم خلق۔ امام بخاری کتاب التوحید میں اس پر مستقل باب قائم فرمائیں گے اس میں اختلاف ہے کہ عالم خالق و عالم امر کیا ہے؟ مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ عرش سے اوپر عالم امر ہے اور اس کے نیچے عالم خلق ہے قال الاعمش هكذا فی قراء تنا یعنی وما او توا من العلم الا قلیلا مگر ہماری قرأت وما او تیتم ہے اور اسی کو امام بخاری نے باب میں ذکر فرمایا ہے۔

باب من ترک بعض الاختيار

اس باب سے یہ بیان کرنا ہے کہ علماء اور اکابرین بعض مرتبہ پسندیدہ اشیاء کو اس وجہ سے ترک کر دیتے ہیں کہ عوام کے اذہان وہاں تک پہنچ نہ سکیں گے چاہے وہ بات مستحب ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے کسی گمراہ کن عقیدہ میں مبتلا ہو جائیں تو یہ کتمان علم میں داخل نہیں ہوگا۔ میں اس باب پر مزید کلام اگلے باب میں پہنچ کر کروں گا عن الاسود قال لی ابن الزبير كانت عائشة تسر اليك اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں تو دیکھو چونکہ حضرت اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ زیادہ ذہین تھے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے وہ بہت سی باتیں بیان فرمایا کرتی تھیں جو ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں بیان فرمائیں حتی کہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ خالہ جان تم سے کثرت سے چپکے چپکے کچھ کچھ فرمایا کرتی تھیں کیا کعبہ کے متعلق بھی کچھ ارشاد فرمایا ہے؟ اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب کوئی طالب علم لائق ہوتا ہے تو وہاں اولاد وغیرہ کو نہیں دیکھا جاتا، یہ ایک ضمنی بات ہے اس کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں۔

لولا ان قومک حديث عهدهم:

یعنی اگر تمہاری قوم کے لوگ حدیث الاسلام نہ ہوتے اور یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ کعبہ کو توڑنے سے اعتراض کریں گے کیونکہ ان کے دلوں میں اس کی عظمت بہت زیادہ ہے تو میں کعبہ کو توڑ کر از سر نو تعمیر کرتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک داخل ہونے کا اور ایک نکلنے کا اور اس کی چوکھٹ زمین سے ملا دیتا تو حضور اکرم ﷺ کو کعبہ اس طرح سے بنانا پسند تھا مگر لوگوں کی نادانی کا لحاظ کر کے حضور ﷺ نے اس کو ترک فرمایا۔ قال ابن الزبير بكفر اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک ہی بیان کیا تھا کہ

حدیث عهدهم تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ بکفر خود فرما دیا یہ بتلانے کے لئے کہ میں بھی اس حدیث کو جانتا ہوں دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسود رحمۃ اللہ تعالی نے صرف یہاں تک حدیث بیان کی اور پھر آخر تک تمام حدیث ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھ دی۔

ففعله ابن الزبير:

چونکہ حضور اقدس ﷺ کی یہ تمنا تھی اور ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ کی یہ تمنا معلوم تھی اس لئے جب ان کی امارت کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی منشا کے مطابق اس کو بنا دیا۔ اگر چہ لوگوں نے انکے زمانے میں بھی چہ مگوئیاں کیں مگر چونکہ اسلام پختہ ہو چکا تھا کچھ نہ ہوا۔ جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کر دیئے گئے تو حجاج نے عبدالملک کے زمانے میں یہ سوچ کر کہ ہمیشہ کے لئے یہ بات رہ جائے گی کہ یہ کعبہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بنایا ہوا ہے اس لئے اس کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ یہ بدعت ہے ہم تو اس کو حضور ﷺ ہی کی بناء پر رکھیں گے یہ سوچ کر حطیم کو توڑ کر نکال دیا اور ایک دروازہ بند کر دیا اور پہلے کی جگہ دوسرا باقی رکھا اور اس کو اوپر کر دیا۔ یہ روایت اور بھی کئی جگہ مفصل آئے گی۔

باب من خص قوم دون قوم

یہ باب اور باب سابق من ترک بعض الاختیار الخ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے کہ یہاں پر وكراهية ان لا يفهموا ہے اور وہاں پر ان يقصر فهم بعض الناس اسی لئے میں نے وہاں یہ کہا تھا کہ باب سابق میں اس پر مزید کلام کروں گا بہر حال یہاں یہ مسئلہ در پیش ہے کہ اس باب اور باب سابق میں فرق کیا ہے؟ حافظ ابن حجر اور دوسرے شراح حدیث کی رائے تو یہ ہے کہ وہ باب افعال کے متعلق ہے اور یہ باب اقوال کے متعلق ہے اور میرے نزدیک پہلے باب کی غرض یہ ہے کہ کوئی چیز خواہ وہ افعال کے قبیلہ سے ہو یا اقوال کے قبیلہ سے اگر لوگوں کے نہ سمجھنے کے خوف سے ترک کر دی جائے تو یہ جائز ہے تو باب اول قول و فعل دونوں کو شامل ہے اور اس باب کی غرض یہ ہے کہ اگر استاذ کسی ذہین و فطین شاگرد کو کوئی خاص وقت دیدے یا کسی خاص جماعت کو کوئی خاص وقت عنایت فرما دے کہ وہ اس وقت استفادہ کرایا کریں تو یہ جائز ہے اور تخصیص علم اور کتمان علم میں داخل نہیں۔ اور دوسروں کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو مجلسیں تھیں ایک عمومی اس میں ہر کوئی بیٹھ سکتا تھا دوسری خصوصی اس میں وہ لوگ شریک ہو سکتے تھے جو حافظ ہوں اور بعض علماء کی رائے ہے کہ باب اول تو ذکی و غبی میں فرق کرنے کے لئے تھا اور یہ باب شریف ورذیل میں تفریق کرنے کے لئے منعقد فرمایا ہے مگر میرے نزدیک یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اکثر علماء موالی اور عتقاء تھے سارے سادات ہی نہیں تھے تحبون ان يكذب الله ورسوله اس لئے کہ جب ان کے فہم سے اونچی بات ہوگی تو وہ یہ کہیں گے کہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول نے نہیں کہی۔

حدثنا عبيدالله بن موسیٰ:

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کی سند بیان فرما رہے ہیں۔ لبيك يا رسول الله وسعديك ثلثا۔ یہ تین بار تکرار تنبیہ کے واسطے فرمایا تا کہ بالکلیہ متوجہ ہو جائیں جیسے میں بھی کبھی کرتا ہوں۔ تو یہاں پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذہین سمجھا اس لئے ان کو خصوصیت سے فرمایا عام لوگوں سے ارشاد نہیں فرمایا و اخبر بها معاذ عند موته تاثما. یعنی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

بخوف اثم اور یہ سوچ کر کہ اگر میں نے بیان نہ کیا تو یہ حدیث میرے ساتھ ہی چلی جاوے گی بوقت موت بیان فرمادی من لقی اللہ لایشرک بہ شیئا دخل الجنۃ یہ مستدل ہے مرجیہ کا کہ ایمان کے بعد کسی قول وفعل کی ضرورت نہیں۔ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حرمہ اللہ علی النار میں حرمت مقید ہے خلود کے ساتھ نہ کہ دخول کے ساتھ لہٰذا اب ہم پر کوئی اشکال نہیں۔ اور میری رائے ہے کہ اگر کوئی آخر وقت میں خالص دل سے لا الہ الا اللہ کہہ لے گا تو اسے جنت ملے گی اور جہنم اس پر حرام ہو جائے گی اور حدیث البطاقۃ کا میرے نزدیک یہی محمل ہے۔

باب الحیاء فی العلم

کتاب الایمان میں حیاء کو شعب الایمان سے شمار فرمایا ہے۔ اب یہاں تنبیہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ حیاء شعب ایمانیہ میں سے ہے مگر علم میں حیاء محمود نہیں یہ شراح کی رائے ہے اور میرے مشائخ کی رائے ہے کہ حیاء ہر جگہ محمود ہے مگر علم میں اس کو مانع نہ ہونا چاہئے۔

قال مجاھد لا یتعلم العلم مستحی:

یہ وہ ہوا کہ علم میں حیاء نہ ہونی چاہئے۔

فغطت ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعنی وجھھا وقالت یارسول اللہ! اوتحتلم المرءۃ:

یہ وہ ہوا جو مشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حیا کی اور منہ چھپالیا مگر یہ حیا مانع نہیں ہوئی۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ ان کا یہ سوال اس وجہ سے تھا کہ یہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ہیں اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن احتلام سے پاک ہیں۔ لیکن یہ وجہ بیان کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس سے قبل ایک اور کے یہاں رہ چکی تھیں لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ ان کے سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں کو احتلام بہت کم ہوتا ہے۔ بلکہ بعض فلاسفہ نے تو اس تک کا انکار کیا ہے کہ عورت کو منی ہوتی ہے بلکہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک قسم کی لزوجت رحم میں ہوتی ہے جب مرد کی منی رحم میں پہنچتی ہے تو اس لزوجت سے چپک جاتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض فلاسفہ کی رائے ہے کہ منی تو ہوتی ہے مگر احتلام نہیں ہوتا لیکن اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو احتلام بھی ہوتا ہے البتہ ان میں مردوں کی بہ نسبت کم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں برودت زیادہ ہوتی ہے اور مردوں میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فم رحم منکوس ہوتا ہے بخلاف مرد کے کہ اس کا آلہ سیدھا ہوتا ہے چونکہ اس کا فم رحم منکوس ہوتا ہے اس لئے وطی عورت کی ٹانگ اٹھا کر کرنی چاہئے اس سے عورت کو بھی لذت خوب آئے گی اور یہ بچہ پیدا کرنے میں بھی معین ہے اس لئے کہ جب ٹانگیں اٹھائے گا تو رحم کا منہ پیشاب گاہ کے قریب آجائے گا حضور اقدس ﷺ نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے مسائل کو حل فرمادیا۔

فبم یشبھھا ولدھا:

یعنی اگر اس کو منی نہیں ہوتی تو پھر لڑکا کبھی ماں کے اور کبھی باپ کے کیوں مشابہ ہوتا ہے کیونکہ اگر منی صرف باپ کے ہوتی ہے تو اولاد باپ کے ہی مشابہ ہونی چاہئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ لڑکا کبھی باپ اور کبھی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا جس کی منی سابق ہو جائے اسی کے مشابہ ہوتا ہے یہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے اور مسلم کی

روایت میں ''غلبہ'' کا ذکر ہے وہ روایت جہاں آئے گی وہاں دونوں میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔ اطباء نے ایک اصول لکھا ہے کہ عورت صحبت کے وقت جس کا خیال کرے، بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ ان من الشجر شجرة یہ روایت پہلے گزر چکی۔

باب من استحییٰ فامر غیره بالسوال

یہاں حضرت امام بخاری ایک درجہ اور نیچے اتر گئے کہ آدمی کو بعض مرتبہ کوئی حیاء کسی خاص عذر کی بناء پر اگر لاحق ہو تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سے اس کے متعلق سوال کرائے اس صورت میں باب سابق کی جو غرض میں نے بتائی تھی اس پر یہ باب بطور تکملہ کے ہوگا۔

کنت رجلا مذاءً:

جب آدمی میں قوت شہوت زیادہ ہوتی ہے اور حرارت بھی ہو تو ذرا سی حرکت سے مذی خارج ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت مشہور ہے یہ کثیر المذی تھے جب بھی گھر میں جاتے کوئی صورت پیش آتی تو مذی خارج ہوتی اور یہ اس کو منی کی طرح موجب غسل سمجھ کر غسل کرتے۔ انہوں نے یہاں تک غسل کیا مروی ہے کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے سبب ان کی پیٹھ پھٹ گئی تھی تو انہوں نے اس کے متعلق دریافت فرمایا اب یہ کہ کیسے دریافت کیا؟ اس کے متعلق صحیحین وسنن وغیرہ میں تین طرح کے الفاظ ملتے ہیں۔ امرت المقداد، امرت عمارا، سالت ، اس اختلاف روایات کی توجیہ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم حضور اکرم ﷺ سے پوچھ لو اس لئے کہ ایسے مسائل میں خسر سے سوال کرنے میں داماد کو حجاب ہوتا ہے۔ ان حضرات نے ایسی مجلس میں پوچھا جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ اس لئے وہ کبھی سوال کرنے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں کیونکہ آمر تھے اور کبھی ان دونوں حضرات کی طرف کہ انہوں نے سوال کیا تھا چکی کا پاٹ یہ ہے کہ انہوں نے پہلے حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا لیکن انہوں نے دریافت کرنے میں جلدی نہ کی پھر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا لیکن بعد میں اس خیال سے کہ میرے ساتھ بعض احکام خاص ہیں جیسے کہ جنابت کی حالت میں انہیں مسجد سے گزرنے کی اجازت بھی تھی اس بناء پر انہوں نے از خود سوال کیا۔

باب ذکر العلم والفتیافی المسجد

چونکہ مسجد میں شور کرنے کی ممانعت ہے اور رفع صوت سے منع کیا گیا ہے اور فتوی دینے اور درس دینے میں شور ہوتا ہے اس لئے امام بخاری افتاء وتعلیم فی المسجد کو اس نہی سے مستثنیٰ فرما رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ اگر مسجد میں علمی مباحث میں رفع صوت ہو تو جائز ہے کوئی حرج نہیں. قال ابن عمر یزعمون ان رسول اللہ ﷺ قال ویهل اهل الیمن من یلملم یعنی مجھے تو یاد نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ویهل اهل الیمن من یلملم فرمایا۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ یلملم ہم ہندوستانیوں کا بھی میقات ہے۔ جہاز یمن کی سرحد کو گزرتا ہے جب وہ موقع قریب آتا ہے تو جہاز ایک لمبی سیٹی دیتا ہے۔

باب من اجاب باکثر مما ساله

چونکہ فصاحت اور بلاغت کی خوبی یہ شمار کی جاتی ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہو اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جواب علی وفق السوال

ہونا چاہئے اور زیادتی علی الجواب خلاف قاعدہ ہے تو امام بخاری نے یہ باب قائم فرما کر اشارہ فرمادیا کہ اگر ضرورت کی بناء پر زیادتی ہو جائے تو جائز ہے۔ اور قاعدہ بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت بات نہ ہو۔ اور بعض شراح فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس کتاب کو کتاب العلم کے آخر میں ذکر فرما کر اشارہ فرمادیا ہے کہ کتاب العلم میں جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ میں نے بیان کیا۔

مایلبس المحرم قال لا یلبس القمیص ۔ یہاں سوال ملبوسات مباحہ کے متعلق تھا اور جواب ملبوسات محذورہ سے دیا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملبوسات محذورہ معدود تھے بخلاف ملبوسات مباحہ کے، لہٰذا یہ طریقہ آسان تھا بہ نسبت اس کے کہ سارے ملبوسات کو شمار کراتے اور محذورات کے ذکر کے ساتھ ساتھ جن کا سوال نہیں تھا ان کو ذکر کردیا۔

ولیقطعهما حتی یکونا:

حافظ ابن حجر نے لفظ **لیقطع** سے اپنی عادت کے مطابق براعۃ اختتام کے طور پر اشارہ فرمادیا کہ اب کتاب العلم قطع یعنی ختم ہوگئی اور میری رائے تم کو معلوم ہی ہے کہ ہر باب کے آخر میں حافظ کی رائے کے ساتھ ساتھ میری اپنی رائے الگ ہوا کرتی ہے وہ یہ کہ کتاب کے ختم کی طرف نہیں بلکہ تیرے ختم (موت) کی طرف اشارہ ہے کہ احرام کی طرح کفن کے بھی ایسے ہی دو کپڑے ہوتے ہیں۔ ایک چادر اوپر اور ایک نیچے اس کا دھیان رکھ۔

تمت

﴿حصہ اول ختم شد﴾

قال الله تبارک وتعالیٰ
وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

تقریر بخاری شریف اردو

﴿ حصہ دوم ﴾

العلامة المحدث الكبير بركة العصر ريحانة الهند صاحب الفضيلة الشيخ
مولانا **محمد زكريا** الكاندهلوي رحمه الله تعالیٰ
شيخ الحديث بالجامعة مظاهر العلوم سهارنفور الهند

فضيلة الشيخ مولانا **محمد شاهد** السهارنفوري حفظه الله

مكتبة الشيخ
٣/٤٤٥ بهادر آباد كراتشي ٥
0213-4935493
0321-2277910

نام کتاب : تقریر بخاری شریف اردو (حصہ دوم)

افادات : حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب : حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ العالی

ناشر : مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵ بہادر آباد کراچی ۵

ضروری وضاحت: کتاب ہٰذا کی کمپوزنگ وتصحیح کا خوب اہتمام کیا گیا ہے لیکن پھر بھی غلطی سے مبرا ہونے کا کون دعویٰ کرسکتا ہے؟ اساتذہ کرام وطلبہ جس غلطی پر بھی مطلع ہوں ازراہ عنایت اطلاع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین حصہ دوم

(١) جس مضمون کے آگے (ح) بنی ہوئی ہے وہ حاشیہ میں دیکھا جائے۔

مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوضوء

امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ چاہئے تھا کہ کتاب الایمان کے بعد صلوۃ کا ذکر فرماتے۔ اس لئے کہ ایمان کے بعد اہم العبادات نماز ہی ہے۔ مگر ایک عارض کی بناء پر کتاب العلم کو مقدم فرمادیا جو اپنی جگہ پر گزر چکا وہاں میں نے کتاب العلم کے مقدم کرنے کی وجہ بیان کردی ہے چونکہ نماز اہم العبادات ہے۔ اس لئے کتاب العلم کے بعد کتاب الصلوۃ سے شروع کرنا چاہئے تھا۔ مگر سارے فقہاء ومحدثین کا طریقہ ہے کہ وہ کتاب الصلوۃ سے قبل کتاب الطہارۃ ذکر فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ طہارۃ شرائط صلوٰۃ میں سے ہے اور شرائط ہمیشہ مشروط پر مقدم ہوا کرتی ہیں۔ اس وجہ سے مقدم فرمادیا۔

یہاں پر دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ کتاب الوضوء کا ہے دوسرا کتاب الطہارۃ کا۔ اگر کتاب الطہارۃ ہو تو پھر تو واضح ہے اور ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اس کتاب میں طہارۃ کے متعلق بیان ہوگا۔ اور اگر کتاب الوضوء ہو جیسا کہ ہمارے نسخوں میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح صلوۃ کو اہم العبادات ہونے کے سبب بقیہ عبادات پر مقدم کردیتے ہیں۔ اسی طرح وضو کے اہم ہونے کی وجہ سے کتاب الوضوء کو مقدم فرمادیا اور بقیہ طہارات تیمم، غسل جنابت وغیرہ اطلاق بعض الافراد وارادۃ الکل کے طور پر داخل ہوگئے۔ اب چونکہ کتاب الوضوء اگرچہ لفظ خاص ہے مگر مراد اس کی عام ہے۔ اسی لئے اس کے بعد خاص طور سے باب ماجاء فی الوضوء باندھا اور اس کے بعد آیت کریمہ وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وقول اللہ تعالیٰ کے عنوان سے ذکر فرمائی یہ آیت آیت الوضو کہلاتی ہے۔ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غرض اس آیت کے ذکر کرنے سے کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ چونکہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف تھا۔ اس لئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ آیت ذکر فرمادی اور وہ اختلاف یہ ہے کہ آیت قرآنی میں فاغسلوا کا امر کس لئے ہے؟ ایک جماعت کی رائے ہے کہ وجوب کے لئے ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ حدث لاحق ہوجائے اور تقدیری عبارت اس طرح ہے وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ. دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ تو امر اپنے عموم پر ہے اور محدث وطاہر دونوں کے لئے ہے۔ لیکن محدث کے لئے بطریق الایجاب اور طاہر کے لئے بطریق الاستحباب۔

اور ایک تیسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ یہ ابتداء کا حکم ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداءً ہر نماز میں وضو کرنے کا حکم تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہونے لگا تو پھر مسواک کو وضو کے قائم مقام کردیا گیا جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وجوب وضو کی علت میں اختلاف ہے حضرت امام بخاری نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ وجوب کی علت قیام الی الصلوٰۃ ہے اس قول کا حاصل یہ ہوگا کہ جب بھی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اس وقت وضو کرنا فرض ہے اور یہ اس صورت میں قول ثالث کی طرف راجع تھا کہ یہ حکم ابتداء تھا پھر منسوخ ہوگیا اور بعض ظاہر یہ کا جو قول مطلقا ایجاب وضو عندالقیام الی الصلوۃ کا ہے۔ اس کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ شاذ ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ علت قیام الی الصلوۃ مع الحدث ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ علت حدث ہے مگر موسعا.

موسعا کا مطلب یہ ہے کہ حدث کے ساتھ ہی فی الفور وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کے وقت جس میں وضو شرط ہے وضو کرنا فرض ہوگا۔

تیسرا قول یہ ہے اور یہی میرے نزدیک راجح بھی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت امام بخاری کے اصول موضوعہ اور ان کی باریکیوں اور لطائف میں سے یہ ہے کہ وہ حکم کی ابتداء کی طرف کسی آیت یا روایت سے اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس میں اختلاف ہے کہ وضو کی فرضیت کب ہوئی؟ اس میں تو اتفاق ہے کہ وضو مکہ میں تھا اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت مدنی ہے مگر اختلاف مبدأ فرضیت میں ہے چنانچہ ایک جماعت کی رائے ہے کہ فرضیت مکہ میں ہوئی اور آیت بعد میں نازل ہوئی۔ اور اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ کیونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جو فرض پہلے ہوئے اور آیت بعد میں نازل ہوئی۔ یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ تو حضرت امام بخاری نے آیت ذکر فرما کر اس اختلاف کی طرف اشارہ اور اپنے نزدیک جو راجح تھا اس کو ذکر فرما دیا۔

وبین النبی ﷺ: امام بخاری فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ مجمل ہے کیونکہ اس میں عدد وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں اور چونکہ احادیث قرآن پاک کی تفاسیر ہیں۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے اس کی تفصیل اپنی سنت سے فرمادی کہ فرض تو ایک مرتبہ ہے اور اس کے بعد مرتین کا درجہ ہے اور پھر تین مرتبہ ہے۔ یہ امام بخاری نے **بین النبی ﷺ** سے آیت الوضو کی اجمالی تشریح فرمادی۔ یہاں بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ جزو ترجمہ ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی حالانکہ اگر جزو ترجمہ تھا تو تین روایات ہونی چاہئیں تھیں۔ ایک **مرة مرة** کی دوسری **مرتین** کی اور تیسری **ثلثا** کی۔ اور پھر حضرت امام بخاری ان پر مستقل ابواب باندھیں گے۔

وکره اهل العلم الاسراف فیه: چونکہ حضور اقدس ﷺ سے تین بار سے زائد ثابت نہیں ہے۔ اس لئے علماء نے مکروہ سمجھا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا اور پھر فرمایا **من نقص علی هذا او زاد فقد اساء وظلم او کما قال** ﷺ۔ (1)

باب لا تقبل صلوة بغیر طهور

اس ترجمہ کی غرض یا تو ایجاب وضو کو ثابت کرنا ہے جیسا کہ بعض کی رائے ہے یا شرطیت وضو ثابت فرمائی ہے **لاتقبل صلوة من**

---

(1) شراح بخاری نے قاطبۃ اس موقع پر آ کر اپنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور کہہ دیا کہ امام نے اس کتاب میں ابواب کی کوئی ترتیب قائم نہیں فرمائی۔ کتاب الوضو کی فہرست سے صاف طور پر معلوم ہوگا کہ بے جوڑ ابواب قائم کئے ہیں۔ مثال کے طور پر بجائے سب سے پہلے **باب المضمضه** کے قائم کرنے کے **باب غسل الوجه بالیدین** قائم کیا اور اس کے بعد دوسرا باب قائم فرمایا **باب التسمیة علی کل حال وعند الوقاع** جماع کے وقت تسمیہ پڑھنے کے متعلق باب قائم کر دیا بھلا اس کا کیا جوڑ؟ وضو سے اور باب غسل الوجہ سے؟ اس کے تقریباً دس پندرہ ابواب کے بعد "**باب الاستنثار**" قائم کیا اور اس کے بعد "**باب الاستجمار وترا**" قائم کیا بھلا ناک میں پانی دینے اور نکال دینے کو استنجاء وترا سے کیا مناسبت؟ پھر **باب المسح** قائم فرمایا۔ غرض کہ وضو میں جو ترتیب تھی اس میں سے کسی کا بھی لحاظ نہیں فرمایا۔ اس وجہ سے شراح فرماتے ہیں کہ یہ سب بے جوڑ ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ تو مناسبت ہر باب میں موجود ہے۔ لیکن مناسبت وہ خود بھی نہ بتلا سکے۔

اب چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے کوئی باب بھی بے جوڑ اور بغیر مناسبت کے ذکر نہیں فرمایا بلکہ ہر باب میں مناسبت موجود ہے البتہ ایک کلیہ ضرور ہے جس کا لحاظ امام بخاری نے فرمایا کہ کسی مناسبت سے باب قائم کر دیا لیکن اس کے بعد وہ باب دوسری جگہ مناسبت کے باوجود ذکر نہیں کریں گے تاکہ تکرار فی الابواب نہ ہو جائے۔ (کذافی تقریر مولوی سلیمان)

احدث حتی یتوضا. یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بلا وضو نماز صحیح نہیں ہوگی اس میں کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اس طور پر وجوب وشرطیت ثابت ہوگئی۔ ترمذی کی روایت میں لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور ولاصدقۃ من غلول وارد ہوا ہے اس پر اشکال ہے۔ میں یہاں صرف تنبیہ کرتا ہوں یہ اشکال وجواب اپنی جگہ آجائے گا۔

ما الحدث: سوال کی وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں حدث کا اطلاق جیسے فساء و ضراط پر آتا ہے۔ اسی طرح کلام قبیح پر بھی ہوتا ہے۔ خود ہمارے یہاں اگر کوئی شخص کوئی بیہودہ بات کہے تو کہتے ہیں کیا گوز ماردیا یار! تو چونکہ یہ لفظ مشترک تھا۔ اس لئے مخاطب نہ سمجھا اور اس کا سوال کیا حضرت ابو ہریرہ نے ارشاد فرمایا فساء او ضراط۔ یہاں ایک قاعدہ سنو! بہت جگہ کام دے گا وہ یہ کہ کبھی کوئی لفظ اعم اغلب ہونے کے سبب سے بول دیا جاتا ہے۔ مگر مقصود وہ خاص لفظ نہیں ہوتا، بلکہ بطور تمثیل اس کو ذکر فرمادیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فساء او ضراط کے اعم اغلب ہونے کے سبب سے ذکر فرمادیا یہ نہیں کہ نقض وضو کی صفت انہی دونوں کے اندر منحصر ہے لہٰذا اگر پیشاب پاخانہ کرے جب بھی وضو واجب ہوگا مگر چونکہ کثیر الوقوع یہی دو چیزیں تھیں، اس لئے انہی کو ذکر کردیا۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ اگر احناف تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم میں کثیر الوقوع کی تاویل کریں تو ان پر کیا عتاب ہے؟ اور فساء کہتے ہیں الریح الخارجۃ من الدبر من غیر صوت والضراط ماخرجت بالصوت. (۱)

باب فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء

اس باب سے امام بخاری وضو کی فضیلت ثابت فرمارہے ہیں۔ لفظ الغر المحجلون بعض نسخوں میں رفع کے ساتھ ہے اور بعض میں الغر المحجلین جر کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ حاشیہ کے نسخہ میں ہے۔ اب اگر جر کے ساتھ ہو تب بھی واضح ہے کہ باب کے تحت میں داخل ہوگا اور اگر رفع ہو تو اعراب حکائی ہوگا، اور یہ فضائل وضو میں سے ایک فضیلت ہے غر جمع ہے اغر کی۔ اغر اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر سفیدی ہو۔ اور محجل اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے تین پاؤں پر سفیدی ہو اس قسم کا گھوڑا عرب میں بڑا بیش قیمت سمجھا جاتا ہے۔ (۲)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے یا اور انبیاء علیہم السلام کے یہاں بھی ہے۔ راجح یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی امت کے خصائص میں سے ہے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں قیامت کے

---

(۱) امام بخاری نے باب لا تقبل صلوۃ بغیر طھور سے اشارہ فرمادیا کہ وضو نماز کے لئے فرض ہے۔ حتی یتوضا یہ چونکہ غایت ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی نے بہت سی نمازیں کئی دن تک بے وضو پڑھیں اور پھر آخر میں سب کا وضو اکٹھا ہی کرلیا تو وہ تمام نمازیں درست اور مقبول ہوگئیں؟ اس کا جواب دیا لا تقبل کی غایت حتی یتوضا نہیں بلکہ یہ صلوٰۃ کی غایت ہے۔ ای لا یصل حتی یتوضاء (کذافی تقریرین)

(۲) ھکذا فی تقریر ۱۳۸۰ھ ولم ار الاختلاف فی الغرۃ والتحجیل وانما الاختلاف فی الوضوء فقال جمع انہ من الخصائص ورد علیہ بوضوء سارۃ زوجۃ ابراھیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ووضوء خریج الراھب وکلاھما فی البخاری فلذا مال الحافظ وغیرہ الان الذی من الخصائص ھو الغرۃ والتحجیل دون الوضوء ۱۲ محمدی

دن اپنی امت کو ان کے آثار وضو سے پہچان لوں گا۔ نیز روایت الباب سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ ان امتی فرمارہے ہیں یعنی میری امت۔

فمن استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل: اطالة غرہ کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مواقع وضو پر کثرت سے پانی گرائے۔ دوسرے یہ کہ خوب بڑھا کر دھوئے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور تم مسلم شریف کی روایت میں پڑھو گے۔ اور تیسرے یہ کہ خوب رگڑ رگڑ کر مواقع وضو کو دھوئے اور انقاء کرے اور پانی تین بار بہادے پہلی دونوں صورتیں تو مراد نہیں ہیں بلکہ تیسری شکل یہاں مراد ہے اور پہلی دو اس لئے مراد نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے تین بار وضو فرما کر ارشاد فرمایا: فمن زاد علی هذا او نقص فقد اساء وتعدی وظلم اب یہاں اشکال یہ ہے کہ جب اطالة غرہ سے مراد دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری صورت کیوں اختیار فرمائی؟ اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے اور یہی اس کا صحیح جواب بھی ہے کہ یہ ادائے عشاق کے قبیل سے ہے کہ اگر انہیں معشوق کا کوئی لفظ مل جائے تو بس پھر کیا پوچھنا تو چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے عشاق میں سے تھے حضور ﷺ کی ہر بات پر مرمٹنے والے تھے۔ اس لئے وہ بعض اوقات صرف ظاہری الفاظ پر نظر کرتے تھے اور معانی پر غور نہیں کرتے تھے، چنانچہ تم ابوداؤد کی کتاب الجنائز میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت پڑھو گے کہ جب ان کی وفات قریب ہوئی تو نئے کپڑے منگائے اور انہیں پہنا پھر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میت قیامت کے دن ان کپڑوں میں مبعوث ہوگی جس میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ تو انہوں نے یہاں پر کپڑوں سے ظاہری کپڑے مراد لئے حالانکہ کلام عرب میں ثیاب اعمال پر بولا جاتا ہے جیسا کہ میں نے تمہیں معلقہ کا شعر فسلی ثیابی عن ثیابک تنسلی، سنایا تھا اور نیز اس حدیث ابوسعید کو اپنے ظاہر پر رکھنا قرآن واحادیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ اسی طرح حدیث میں ہے کہ میت حفاۃ وعراۃ محشور ہوگی، چہ جائیکہ ان کپڑوں میں حشر ہو جو شاید کہیں قبر ہی میں نہ چھن جائیں۔ بہر حال حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے مطلب کو جانتے ہوئے بھی ظاہری الفاظ کا اتباع کیا۔ جیسا کہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ جب بذل لکھواتے ہوئے اس روایت پر پہنچے جس میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں انی اعرف النظائر التی کان رسول الله ﷺ یقرن بینهن۔ اور ان سورتوں کی ترتیب مصحف موجودہ کی ترتیب کے خلاف ہے تو حضرت نے فرمایا کہ آج مجھے ان سورتوں کو ایک پرچے پر ترتیب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق لکھدو۔ آج تہجد میں اسی ترتیب سے پڑھوں گا۔ یہ کیا تھا؟ عشق تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس طرح کیا ہے حالانکہ ایسا کرنا کم از کم خلاف اولیٰ ورنہ مکروہ تنزیہی یا اس سے بھی آگے ہے کیونکہ اجماع کے خلاف ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے سے نصف ہے۔ پھر بھی میرے مشائخ کی رائے ہے کہ وتر کے بعد کی دو سنتیں بیٹھ کر ہی پڑھنا اچھا معلوم ہوتا ہے بھلے ثواب نصف ہو مگر حضور اکرم ﷺ کا اتباع تو حاصل ہی ہو جائے گا، بس اسی قبیل سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ظاہری الفاظ پر نظر فرما کر خوب اوپر تک بڑھا کر دھویا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے ان پر اعتراض کیا تو ارشاد فرمایا کہ اے بنی فروخ! اگر میں یہ جانتا کہ تم یہیں ہو تو ایسا نہ کرتا۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تھے کہ اگر حضور اکرم ﷺ سے سنی ہوئی کوئی

بات ہوتی اور اس پر کوئی اعتراض کر دیتا تو ڈانٹ کر فرما دیتے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے،

باب لا یتوضأ من الشک حتی یستیقن

حضرت امام بخاری نے ان ابواب میں بڑی عمدہ ترتیب اسباغ الوضو تک اختیار فرمائی جو ایک بڑے ماہر کے لئے ہونی ہی چاہئے۔ چنانچہ ابتداء میں ایجاب پھر فضیلت بیان فرمائی اور اب یہ فرماتے ہیں کہ شک سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک یقین نہ ہو جائے۔ ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس سے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمادیا ہو جس کو میں روایت پڑھنے کے بعد بیان کروں گا۔

انہ شکی:

یہ علی بناء الفاعل اور علی بناء المفعول دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ اگر علی بناء الفاعل ہو تو الرجل مرفوع اور اگر علی بناء المفعول ہو تو الرجل منصوب ہوگا۔

فقال لا ینفتل او لا ینصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحا:

یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ چونکہ عام طور پر نماز میں جو نقض ہوتا ہے وہ ریح کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کے معلوم ہونے کا عام ذریعہ سماع صوت و وجدان ریح ہے۔ اس لئے اس کو خاص طور سے بیان فرمادیا۔ ورنہ اگر بہرے کوز کام ہو جائے تو اس پر پھر وضو واجب ہی نہ ہو۔ ولم یقل بہ احد اسی طرح یہ وہاں کہہ سکتے ہیں۔ اب یہاں مسئلہ اختلافی ہے کہ حضرت امام مالک سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ کا حالت نماز کے متعلق ہے۔ لہٰذا اگر نماز میں یہ صورت پیش آجائے تو نماز پوری کرے اور نماز سے نہ نکلے۔ لیکن اگر خارج صلوۃ یہ صورت ہو تو جدید وضو کرے اور شک کے ساتھ نماز میں داخل نہ ہو۔ حضرت حسن بصری سے بھی یہی تفصیل منقول ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس روایت باب کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ خاوج صلوۃ داخل صلوۃ سب کو عام ہے۔ کسی صورت میں نئے سرے سے وضو کرنا بدون تیقن کے واجب نہ ہوگا۔ (۱)

باب التخفیف فی الوضوء

امام بخاری نے دو باب باندھے ہیں ایک باب التخفیف دوسرا باب الاسباغ یہاں تک تو امام بخاری نے کوئی جدت نہیں اختیار فرمائی بلکہ بہت حسن ترتیب سے کام لیا ہے۔ چنانچہ جب وجوب و فضل اور یہ کہ شک سے وضو نہیں ٹوٹتا بیان فرما چکے تو اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کے دو درجے ہیں۔ ایک ادنی درجہ۔ دوسرا اعلی درجہ۔ ''بت عند خالتی میمونۃ''۔ روایت من حیث الروایۃ باب

---

(۱) باب لا یتوضاء من الشک: یہ اشارہ ہے قاعدہ کلیہ کی طرف الیقین لا یزول بالشک. بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ امام بخاری نے اس باب سے مالکیہ اور حسن بصری پر رد کیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر شک ہو جائے تو اگر نماز میں ہو تب تو نماز پوری کرے اور اگر خارج نماز ہو تو اس وضو سے نماز نہ پڑھے بلکہ تجدید وضو کرے تو امام بخاری نے مطلقاً جواز ثابت فرمایا ہے۔ آگے حدیث میں جو فرمایا گیا ہے۔ حتی یسمع صوتا او یجد ریحا۔ یہ باعتبار اعم اغلب کے ہے۔ اسی پر مدار نہیں ورنہ اگر بہرے کوز کام ہو جائے تو کبھی وضو ہی نہ ٹوٹے۔ بلکہ یہاں مراد یقین ہے۔ (کذا فی تقریرین)

السمر میں گزر چکی۔ (۱)

اور اس پر کلام بھی گزر چکا۔ یہاں مقصود بالذکر فتوضاء من شن معلق وضوء خفیفا ہے۔

''یخففه عمرو ویقلله'' اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کما وکیفا ہر اعتبار سے تخفیف بتلا رہے ہیں۔ تخفیف تثقیل کا مقابل ہے جو کیف میں استعمال ہوتا ہے اور تقلیل تکثیر کا مقابل۔ ہے جو کم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کیفا تخفیف اور کما تقلیل فرمائی۔ ثم جئت فقمت عن یسارہ. یہ اصطفاف کی بحث ہے ابواب الصفوف میں اس کی بحث آئے گی اور امام بخاری یہ روایت وہاں بھی ذکر فرمائیں گے۔ فصلی ولم یتوضا قلنا لعمر وان اناسا یقولون ان رسول اللہ ﷺ تنام عینه ولا ینام قلبه جب حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے بدون وضو کیے ہوئے نماز پڑھی تو شاگردوں نے اس کی تائید میں حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کی چشم مبارک تو سوتی ہے اور قلب مبارک بیدار رہتا ہے تو جن اشیاء کا ادراک قلب سے ہوتا ہے اس کا وہ ادراک کرتا رہے گا۔ جیسے قلب خروج ریح وعدم خروج پر مطلع ہو جائے گا اور جس چیز کا ادراک چشم سے متعلق ہو اسکو وہ نہ دیکھ سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ لیلۃ التعریس میں حضور اقدس ﷺ نے سورج نکلنے اور طلوع صبح کو نہ دیکھا۔

قال عمرو سمعت عبیدبن عمیر یقول رؤیا الانبیاء وحی

اس پر عمرو نے ان لوگوں کی مزید تائید کر دی کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ قلب بیدار ہوتا ہے جو کچھ دیکھتے ہیں سب صحیح دیکھتے ہیں پھر اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیهما الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ چنانچہ ان کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے تو اگر انبیاء کا خواب وحی نہ ہوتا تو پھر قتل نفس کیسے جائز ہو جاتا اور پھر قطع رحمی اور سب سے بڑھ کر بیٹے کا قتل۔ (۲)

باب اسباغ الوضوء

چونکہ اسباغ الوضوء کی دو صورتیں ہیں۔ ایک انقاء دوسری یہ کہ خوب اطالۃ کرے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ اور امام بخاری کا قاعدہ یہ ہے کہ کہیں کہیں مقصود کو کسی آیت یا روایت یا اثر سے واضح فرماتے ہیں۔ اسی طرح ترجمہ میں اسباغ کا لفظ آیا تھا تو امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر نقل کر کے اسکے معنی متعین فرما دیئے کہ یہاں اسباغ سے مراد انقاء ہے۔

دفع رسول اللہ ﷺ من عرفة۔ یہ روایت کتاب الحج کی ہے اس پر کلام حج کی حیثیت سے وہیں آئے گا۔

ثم نزل ولم یسبغ الوضوء:

اس سے امام بخاری نے تخفیف پر استدلال نہیں فرمایا اس لیے کہ اسمیں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بخلاف پہلی روایت کے قال

---

(۱) باب التخفیف فی الوضوء: اس کے بعد امام بخاری نے دوسرا باب اسباغ وضو کا بیان باندھ کر مبدأ ومنتہی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اقل درجہ کیا ہے اور دوسرا باب اعلیٰ درجہ کو بیان کر رہا ہے۔ یخففه عمرو ویقلله تخفیف کا مطلب تو یہ ہے کہ دلک نہیں کیا اور تقلیل سے پانی کا کم استعمال کرنا مراد ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو صفحہ جلد اول

الصلوۃ امامک یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے اجماعی مسئلہ ہے شب مزدلفہ میں مغرب وعشاء دونوں جمع کی جاتی ہیں ولم یصل بینھما یہ بحث کہ دونوں کے درمیان سنتیں پڑھے یا نہ پڑھے بعد میں پڑھے۔اس کی بحث اپنے مقام پر مستقل باب میں آئے گی۔(۱)

باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة

یہاں تک تو امام بخاری نے بڑی ترتیب سے ابواب ذکر فرمائے اور کوئی جدت اختیار نہیں فرمائی۔امام بخاری نے تراجم کے اندر ایسی باریکی اور جدت سے کام لیا ہے کہ مشہور ہی فقه البخاری فی تراجمه ہوگیا۔لیکن ساری کتاب کے مقابلہ میں جتنی جدت کتاب الوضوء میں اختیار کی اور کہیں نہیں کی اگر چہ میں اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ امام بخاری کے تراجم میں جو باریکیاں شراح نے نکالی ہیں شاید امام کا دھیان خود بھی ان کی طرف نہ گیا ہو۔بہرحال یہاں سے ابواب میں بظاہر بڑی بے ترتیبی چلے گی کیونکہ ادھر تو غسل الوجہ کا ذکر ہے اور اس کے فورا بعد جماع میں پہنچ گئے اور التسمية على كل حال وعند الوقاع باب کا باندھ دیا اور ابھی جماع سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ خلاء کا ذکر شروع کر دیا اور پھر ایک ڈیڑھ صفحہ ترتیب سے خلاء کے ابواب کا ذکر فرما کر استنشاق ذکر کر دیا اس کے بعد استجمار اور غسل رجلین اور پھر مضمضہ شروع کر دیا اور مضمضہ واستنشاق میں استنشاق کو مقدم فرما دیا اور درمیان میں استجمار وغیرہ کو داخل کر دیا۔حالانکہ پہلے مضمضہ و استنشاق اور پھر غسل الوجہ ذکر فرماتے۔اسی وجہ سے علامہ کرمانی جو بخاری کے قدیم شراح ہیں نے کہہ دیا کہ امام بخاری نے ابواب الوضوء اور ابواب الخلاء وغیرہ میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی۔اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بالکلیہ مناسبت کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا ہاں کہیں خفیف اور قلیل مناسبت ہے۔اور حافظ ابن حجر نے ان دونوں سے زیادہ باریکیاں پیدا کی ہیں۔مگر چکی کا پاٹ یوں ہے کہ امام بخاری نے ان ابواب کو نہایت حسن ترتیب سے منعقد فرمایا ہے اور اس میں کوئی خلجان نہیں اور انشاء اللہ میں اس کو اپنے اپنے مواقع پر بیان کروں گا۔مگر یہ دو قاعدوں پر مبنی ہے ایک یہ کہ امام بخاری نے بڑی باریکیوں سے کام لیا ہے جہاں تک افہام عامہ نہیں پہنچیں۔دوسرے یہ کہ امام بخاری بعض جگہ بعض ابواب تکمیلا واستطرادا ذکر فرماتے ہیں۔مگر جب اس کی اصل جگہ آتی ہے تو امام بخاری اسے دوبارہ ذکر نہیں فرماتے تاکہ تکرار نہ ہو۔اب سنو! یہاں کیا مناسبت ہے؟ اس سے قبل باب الاسباغ ذکر فرمایا تھا اب اس کے بعد باب غسل الوجه باليدين ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر اسباغ میں دو ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت ہو تو وہاں دونوں ہاتھوں سے کام لیا جاسکتا ہے۔مثلاً چہرہ ہے یہاں پر ایک ہاتھ سے اسباغ مشکل ہے اور دو ہاتھوں سے آسان۔لیکن اب سوال یہ ہے کہ من غرفة واحدة کی قید کیوں لگا دی اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بعض روایات میں باليمين وغیرہ مذکور ہے۔اس لئے امام بخاری نے اس کی شرح فرمادی اور اس کی مراد متعین فرمادی۔اور حافظ کی رائے ہے کہ ان پر رد فرمایا ہے مگر میرے نزدیک یہ رد نہیں ہے۔

فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرىٰ:

یعنی دونوں ہاتھ لگائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے اسباغ کامل ہوتا ہے وہ اس طرح کہ ایک چلو سے پانی لیا اور

---

(۱) اسباغ کے معنی سخت قسم کے رگڑنے کے ہیں اور دوسرے معنی خوب پانی ڈالنے کے ہیں حضرت امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ نقل فرما کر ان دونوں معنوں میں سے ایک معنی کی تعیین فرمادی کہ یہاں اول معنی مراد ہیں یعنی دلک شدید (کذا فی تقریرین)

دوسرا ہاتھ لگایا تاکہ پانی نہ گرے۔ (۱)

باب التسمية على كل حال وعندالوقاع

باب سابق میں میں نے بیان کیا تھا کہ شراح کے نزدیک باب غسل الوجه سے وضو شروع ہو گیا ہے لیکن یہ غلط ہے اور یہی وجہ خلجان میں پڑنے کی اور علامہ کرمانی کے یہ لکھنے کی ہوئی کہ حضرت امام نے ترتیب کا لحاظ نہیں فرمایا اور اسی بناء پر علامہ عینی نے یہ لکھدیا کہ مناسبات بعیدہ ہیں۔ بلکہ میری رائے یہ ہے کہ ابواب الوضو شروع نہیں ہوئے ابتداء میں اجمالی طور سے وضو کو بیان فرما کر استنجا کو ذکر فرمارہے ہیں لهٰذا باب التسمية على كل حال ذکر فرمایا چونکہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ستر مابين اعين الجن وعورات بنی ادم اذا دخل الكنيف ان يقول بسم الله۔ اور اس باب کے بعد امام بخاری دعاء خلا ذکر فرمائیں گے اور چونکہ ترمذی کی روایت حضرت امام بخاری کی شرط کے موافق تو تھی نہیں اس لئے اس کو کیا ذکر فرماتے۔ ہاں اپنی ایک روایت سے استدلال فرمالیا جس میں بسم الله عندالوقاع کا ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ باب میں اصل الفاظ روایت کا اتباع کرتے ہوئے وقاع کا لفظ زیادہ کر دیا ورنہ مقصود وہ نہیں ہے۔ اور استدلال اس طرح فرمایا کہ جب جماع کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو خلاء اور على كل حال بدرجہ اولیٰ پڑھی جائے گی۔

لو ان احدكم اذا اتى اهله:

ایک روایت میں اتى اهله کے بجائے انزل ہے۔ بعض حضرات کی رائے اس روایت کی بناء پر یہ ہے کہ یہ دعا بوقت انزال پڑھے کیونکہ حضور اقدس ﷺ سے یہی مروی ہے اور جمہور فرماتے ہیں کہ اس وقت کشف عورت ہوتا ہے۔ اور کشف عورت کے وقت اللہ کا ذکر خلاف ادب ہے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ ادب وہی ہے جو شریعت سے ثابت ہو اور روایت میں اتى اهله اور بعض میں جامع اهله وارد ہے جس سے بوقت جماع وانزال ہی کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ آداب بھی شریعت ہی سے ثابت ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ابوالجہیم کو سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب کہ انہوں نے پیشاب کرتے ہوئے حضور ﷺ کو سلام کیا تھا۔ اور رہی وہ روایات تو ان کی تاویل اذا ارادالجماع والاتيان ہے اور اذا انزل کی روایت اگر ثابت ہو تو اس کی تاویل اذا وجد سبب الانزال وغیرہ سے کی جائے گی۔

اور میری رائے ہے کہ بوقت ارادہ زبان اور بوقت انزال قلب سے پڑھے لم يضره۔ حضور اقدس ﷺ نے چھوٹے چھوٹے الفاظ میں معاشرت کے بڑے بڑے مسائل حل فرما دیئے۔ لوگ بچوں کے نافرمان ہونے کی شکایات کرتے رہتے ہیں اگر یہ چند لفظ کہہ

---

(۱) باب غسل الوجه باليدين۔ حضرات شراح کرام فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہاں سے وضو شروع فرمادیا ہے کیونکہ قرآن کے اندر بھی وضو کے بیان کی ابتداء چہرہ کے غسل سے ہے۔ اس لئے امام بخاری نے بھی اسی کا اتباع فرمالیا اور بعض کا کہنا ہے کہ وضو میں ابتداء غسل الوجه سے ہے اور اس سے پہلے کی چیزیں وضو کے اجزاء نہیں ہیں بلکہ اس کے مقدمات ہیں۔ اس لئے کہ وضو کا پانی پاک ہونا ضروری ہے اور اس کی طہارت معلوم ہونے کے لئے پانی کے تین اوصاف معلوم کئے جائیں گے۔ یعنی ہاتھ دھو کر اس کا رنگ، کلی سے اس کا طعم اور ناک کے ذریعہ اس کی بو معلوم ہو جائے گی پھر طہارت معلوم ہو جانے کے بعد منہ دھو کر غسل کی ابتداء کی جائے گی۔ (كذا فی تقریر مولوی سلمان واحسان)

لیں تو سارا آخر حصہ پاک ہو جائے۔ یاد رکھو علماء نے لکھا ہے کہ نماز کے وقت وطی کرنے سے اگر حمل ٹھہر گیا تو لڑکا عاق للوالدین ہوگا۔ (۱)

باب ما یقول عند الخلاء

میں نے بیان کیا تھا کہ شراح کے نزدیک وضوء کی ابتداء "باب غسل الوجه باليدين" سے ہوگئی اور باب التسمية على كل حال میں تسمیۂ وضو کا ذکر ہے اس پر اشکال ہے کہ پھر تسمیہ مقدم ہونا چاہئے اور ایک یہ کہ وضو شروع کرنے کے بعد ایک دم وقاع میں کہاں پہنچ گئے اور پھر خلاء کی دعا تعلیم کرنے لگے اور استنجا کے احکام شروع فرما دیئے اور میں نے اپنی رائے یہ ذکر کی تھی کہ ابھی وضو شروع نہیں ہوا بلکہ غسل الوجہ تو باب الاسباغ کا تکملہ تھا اور اس کے بعد باب میں جو تسمیہ کا ذکر ہے وہ تسمیہ عند الخلاء ہے۔ اور میں نے بیان کیا تھا کہ ترمذی کی روایت میں تسمیہ عند الخلاء کا ذکر ہے مگر وہ روایت امام بخاری کی شرط کے مطابق چونکہ نہیں تھی۔ اس لئے اس کو تو ذکر نہیں فرمایا۔ ہاں اپنی ایک روایت سے اس کی تائید فرما دی اور یہ ثابت فرما دیا کہ جب تسمیہ عند الوقاع ہوتا ہے تو سارے احوال میں ہوگا۔ اور ان احوال میں تسمیہ عند الخلاء بھی آ گیا اب اشکال یہ ہے کہ پھر باب میں عند الوقاع کا کیوں ذکر فرمایا۔ کیونکہ اس کے ذکر کرنے کی وجہ سے یہ مسئلہ کتاب النکاح کا بن گیا۔ اس کا جواب میں نے یہ دیا تھا کہ چونکہ روایت وقاع کی ہے اس لئے اصل روایت کا لحاظ فرماتے ہوئے وقاع کا لفظ ذکر فرمایا اور چونکہ تسمیہ عند الخلاء عموم سے ثابت فرما چکے تو اب خلاء کے وقت کی دعاء کو ذکر فرمایا اور اس دعا کے پڑھنے کی وجہ ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے فان هذه الحشوش محتضرة یعنی شیاطین وجنات وہاں موجود رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ الجنس يميل الى الجنس تو چونکہ وہ مقامات گندے ہیں اور یہ شیاطین بھی گندے ہوتے ہیں اس لئے وہ اس کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بچنے کے لئے یہ دعا پڑھے جس طرح فرشتے پاک ہیں تو وہ پاک جگہ کو پسند کرتے ہیں اور بدبودار چیزوں سے کراہت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد میں لہسن، پیاز، بدبودار چیز کھا کر جانا منع ہے۔ کیونکہ وہ فرشتوں کے حاضر ہونے کی جگہ ہے اور یہ شیاطین چونکہ نجاسات سے محبت کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں جو طہارت کا اہتمام نہیں کرتے ہیں اور اگر عاملین

---

(۱) باب التسمية الخ امام بخاری کی ایک عادت شریفہ میں نے یہ بتلائی تھی کہ وہ بعض ان احادیث کو جو ان کی شرط کے موافق نہیں ہوتیں اپنی کتاب میں ذکر نہیں فرماتے۔ البتہ اس کے مضمون کی طرف باب کے ترجمہ یا دوسری حدیث کے مضمون سے اشارہ فرما دیتے ہیں۔ تو امام بخاری نے على كل حال سے ابوداؤد کی روایت کی طرف کہ كان رسول الله ﷺ يذكر الله على كل احيانه ہے اشارہ فرما دیا اور اس سے روایت کے مضمون کی تائید فرمائی۔ حدثنا على بن عبدالله۔ اس کے اندر جماع کے وقت اللہ کے ذکر کی ترغیب دی ہے کہ یہ دعا پڑھو اور جماع جیسی گندی حالت کے اندر ذکر اللہ جائز ہے تو دخول خلا کے وقت تو بطریق اولیٰ ذکر اللہ جائز ہے اس وجہ سے آگے باب باندھا ہے۔ مایقول عند الخلاء کا، بہر حال یہ دعاء کس وقت پڑھی جائے؟ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انزال کے وقت پڑھی جائے گی یہی مذہب ہے مالکیہ کا۔ کیونکہ ادب کے معنی ہیں۔ مايحمد قولا وفعلا من الشريعة اور اس وقت دعا کا پڑھنا خلاف ادب نہیں ہے۔ البتہ جمہور کے نزدیک اس دعا کے پڑھنے کا وقت عین جماع و انزال نہیں ہے بلکہ ازار بند کھولنے سے قبل پڑھی جائے گی اور یہی اختلاف بعینہ اذا اتى الخلاء قال اللهم انى اعوذبك الخ میں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ زبان سے تو جمہور کے قول کے مطابق اور قلب سے مالکیہ کے قول کے مطابق عمل کرے۔ اگرچہ میری اس توجیہ پر اشکال ہو سکتا ہے کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت غفرانك کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہاں قلبی ذکر ہوتا ہے اس سے معافی طلب کی جاتی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں معافی قلب کے ذکر پر نہیں ہے بلکہ آدمی جب پاس انفاس کا عادی ہو جاتا ہے تو زبان سے بھی نکل پڑتا ہے اس لئے اس پر غفرانك پڑھنے کا حکم ہے نہ کہ محض قلب کے ذکر پر۔ والله اعلم

طہارت کا اہتمام نہ کریں تو مصیبت میں پڑ جائیں۔ یہ دعاء حدیث کی ساری کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

كان النبی ﷺ اذا دخل الخلاء:

یہاں مالکیہ اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جب داخل ہو جائے تو اس وقت یہ دعا پڑھے اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جب داخل ہونے کا ارادہ کرے اس وقت پڑھے تاہم اذا دخل کا لفظ مالکیہ کی تائید کرتا ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک اس کے معنی اذا اراد الخلاء کے ہیں۔ جیسا کہ آگے بخاری میں آرہا ہے۔

اللهم انی اعوذبک من الخبث والخبائث:

یہ لفظ خبث کتب حدیث میں دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے بضم الباء اور دوسرے بسکون الباء۔ اگر بضم الباء ہو تو اس صورت میں یہ خبیث کی جمع ہوگی اور ذکور خبائث اس سے مراد ہوں گے اور خبائث خبیثہ کی جمع ہے اور وہ اناث خبیث ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں ذکور واناث دونوں سے پناہ چاہتا ہوں اور اگر بالسکون ہو تو اس صورت میں یہ مصدر ہوگا اور ہر نوع خبث کو شامل ہوگا اور خبائث صفت ہوگی اور اس کا موصوف الاشیاء ہوگا۔ اور اس صورت میں الاشیاء میں ذکور واناث دونوں آجائیں گے۔ میرے والد صاحب کے نزدیک یہ احتمال ثانی زیادہ راجح ہے چونکہ اس میں عموم زیادہ ہے۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں تو صرف ذکور واناث سے پناہ ہوتی ہے اور صورت ثانیہ میں ہر شئے خبیث اور ذکور واناث سب سے ہوگی۔

اذا اتی الخلاء یہ مالکیہ اور غیر مالکیہ دونوں کو محتمل ہے۔ وقال موسیٰ عن حماد اذا دخل یہ مالکیہ کے موافق ہے۔ وقال سعید بن زید حدثنا عبدالعزیز اذا اراد ان یدخل ۔ حضرت امام بخاری نے اس کو ذکر فرما کر جمہور کی تائید فرما کر اذا دخل کے معنی بتلا دیئے کہ اس کے معنی اذا اراد ان یدخل کے ہیں۔ (1)

باب وضع الماء عندالخلاء

اس سے امام بخاری ایک اور ادب کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جب کوئی بزرگ، استاذ خلاء کے واسطے جائے تو شاگردوں کو چاہئے کہ وہ پانی لاکر رکھ دیں تا کہ اس کو آکر پانی طلب کرنے کی حاجت نہ ہو۔ اور وہ اتنی دیر تک نجاست میں ملوث نہ رہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور میں تم کو اس پر کتاب العلم میں تنبیہ کر چکا ہوں۔

بعض فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ بیان کرنا ہے کہ حدیث باب میں جو فوضعت له وضوء ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ وضو کا پانی تھا یہ غلط ہے بلکہ اس سے ماء الاستنجاء مراد ہے یہاں تک تو میں بھی ان سے متفق ہوں آگے وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے لفظ فوضعت له وضوء کو دیکھ کر بعض حضرات نے یہ کہہ دیا کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی بھی پانی سے استنجاء نہیں فرمایا۔ ان پر امام بخاری اس باب سے رد فرما رہے ہیں کہ یہ ماء الوضوء نہیں بلکہ اس سے ماء الاستنجاء مراد ہے۔ میں اس مضمون سے متفق نہیں ہوں اس لئے کہ اس کا مستقل باب الاستنجاء بالماء آرہا ہے اس صورت میں اگر یہ مطلب یہاں لے لیا جائے تو باب

---

(1) باب ما یقول عندالخلاء: اس باب میں امام بخاری نے جو روایت ذکر کی ہے وہ مختصر ہے سنن میں اس کے بعد ان الحشوش محتضرة کا بھی اضافہ ہے قاعدہ یہ ہے کہ الجنس یمیل الی الجنس اس لئے ملائکہ کا دل مسجد میں لگتا ہے اور انہیں خوشبو پسند ہے بخلاف شیاطین وغیرہ کے کہ انہیں گندی چیزیں پسند ہیں۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

آتی مکرر ہو جائے گا۔(۱)

باب لا یستقبل القبلة بغائط او بول

غور سے سنو! قبلہ کی طرف استقبال واستدبار بالغائط والبول میں علماء کے آٹھ مذہب کتب حدیث میں مذکور ہیں جن میں سے تین زیادہ مشہور ہیں۔ اور وہی اب باقی ہیں۔ ایک مذہب ظاہریہ کا ہے کہ نہی کی ساری روایتیں ابن ماجہ اور ابوداؤد کی دوضعیف روایتوں سے منسوخ ہیں اور دوسرا مذہب اس کے بالمقابل حنفیہ کا ہے کہ استقبال واستدبار مطلقا خواہ بنیان میں ہوں یا صحاری میں بالکل ناجائز ہے اور کسی حال میں جائز نہیں اور تیسرا مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ فضاء میں صحرا کے اندر تو استقبال واستدبار ناجائز ہے اور بنیان میں جائز ہے۔ ظاہریہ یہ کہتے ہیں کہ ابن ماجہ میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: حولوا مقعدتی نحو القبلة اسی طرح ابوداؤد میں ایک روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ استقبال قبلہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا روایات نہی منسوخ ہیں اور ائمہ ثلاثہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ کو بیت المقدس کا استقبال کرتے ہوئے استنجاء کرتے دیکھا۔ لہٰذا جمعا بین الروایتین یہ کہنا چاہئے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے گھر میں حضور اکرم ﷺ ابتداء مہمان ہوئے تھے اور ان کو اپنی ابتدائی مہمانی سے نوازا وہ فرماتے ہیں کہ ہم شام گئے۔ فوجدنا مراحیض قد بنیت قبل الکعبة فکنا ننحرف عنها ونستغفر الله ۔ وہاں صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نظر تھی اور یہاں سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فعل کنا ننحرف ذکر فرما رہے ہیں اگر خاص بالبنیان تھا تو انحراف کی کیا ضرورت تھی؟ تین مذہب تو یہ ہو گئے۔ چوتھا مذہب حضرت امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی ایک روایت ہے کہ استدبار تو جائز ہے اور استقبال مطلقا جائز نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کی بناء پر اس لئے کہ جب حضور اقدس ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے تھے تو بیت اللہ کی طرف پشت مبارک ہوگی۔ کیونکہ مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ اور بیت المقدس کے درمیان میں ہے اور مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ کے جنوب میں ہے اور بیت المقدس شمال میں ہے۔ اور پانچواں مذہب امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ استدبار فی البنیان تو جائز ہے لیکن استقبال مطلقا اور استدبار فی الصحرا ناجائز ہے کیونکہ استدبار بنیان ہی کے اندر تھا اس لئے جواز خاص ہو گیا بنیان کے ساتھ۔ اور چھٹا مذہب یہ ہے کہ نہی تنزیہی ہے اور استقبال بیت المقدس وغیرہ کی روایات جواز، بیان جواز کے لئے ہیں۔ اور ساتواں مذہب یہ ہے کہ نہی بالکل عام ہے۔ حتی فی القبلة المنسوخة۔ اور آٹھواں مذہب یہ ہے کہ نہی اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے اور اہل مدینہ کے غیر کے لئے جائز ہے۔ مگر یہ مذہب ظاہر

---

(۱) باب وضع الماء عند الخلاء عند الخلاء کی قید اس لئے لگائی ہے کہ پانی کے رکھنے کے تین موقعے ہیں ایک یہ کہ اندر بیت الخلاء میں رکھ کر آئے مگر چونکہ وہاں پردہ ہے اور وہ قضائے حاجت کر رہا ہے۔ لہٰذا اندر تو رکھ نہیں سکتا۔ دوسرا موقعہ یہ ہے کہ کسی اور دوسری جگہ رکھ دے اس صورت میں وہ نکل کر تلاش کرے گا کہ پانی کہاں رکھدیا۔ اور تیسرا موقعہ یہ ہے کہ بیت الخلاء کے پاس رکھ دے تاکہ نکلنے کے بعد تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑے تو یہ تیسرا موقعہ ہی سب سے زیادہ انسب ہے اس لئے عند الخلاء فرمایا۔

میری رائے یہ ہے کہ یہ لفظ اس لئے بڑھایا کہ آگے حدیث میں ہے فوضعت له وضوءا تو وہم ہوتا تھا کہ اس سے وضو کا پانی مراد ہے تو اس لفظ سے بتلا دیا کہ یہاں وہ پانی مراد نہیں ہے بلکہ وہ پانی مراد ہے جو استنجا کے لئے استعمال کیا جائے اور آگے چل کر حضور ﷺ نے ان کو دعا دی اللهم فقه فی الدین اس لئے کہ انہوں نے فقاہت کا کام کیا کہ ان تین مواقع میں سے موقع انسب کو اختیار فرمایا۔

البطلان ہے۔ کیونکہ انہوں نے شرقوا او غربوا کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ ان کو تشریق وتغریب کا حکم فرمایا ہے اور قبلہ جو جانب جنوب میں ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ اہل مدینہ کا قبلہ جانب جنوب میں تھا۔ اگر اس کی طرف استقبال نہ کریں گے تو استدبار ہوگا اور اگر استدبار کریں گے تو استقبال ہو جائے گا۔ لہٰذا اس جملہ حدیث سے یہ سمجھ لینا کہ اہل مدینہ کے ساتھ کوئی تخصیص کی گئی ہے غلط ہے۔(۱)

ان مذاہب میں سے امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ائمہ ثلاثہ کا قول اختیار فرمایا ہے جیسا کہ مصنف کا قول الا عند البناء جدار او نحوہ اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن یہ بات سنو کہ امام بخاری نے ترجمہ میں یہ استثناء جو ذکر فرمایا ہے وہ حدیث الباب یعنی ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ غائط کہتے ہیں مکان متسع فی الفضاء کو تو اس سے معلوم ہوگیا کہ نہی فضاء کے ساتھ خاص ہے۔ اور ابنیہ وغیرہ میں نہیں ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت مطردہ یہ ہے کہ روایات متعارضہ میں جمع فرمایا کرتے ہیں اور اس مسئلے میں بھی دو متعارض روایات تھیں ایک روایت الباب اور دوسری ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت جو اگلے باب میں آرہی ہے تو امام بخاری نے اپنے ترجمہ سے دونوں کے تعارض کو دفع فرما دیا اور بتا دیا کہ ابوایوب کی روایت فضاء کے ساتھ خاص ہے۔ بناء وغیرہ میں استقبال واستدبار ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کی وجہ سے جائز ہے اور تیسری توجیہ جو میرے نزدیک زیادہ اقرب ہے اور امام بخاری بسا اوقات بعض تراجم باب فی الباب کے طور پر ذکر کرتے

---

(۱) باب لا تستقبل القبلة الخ: ائمہ کے یہاں اختلاف دراصل مناط میں ہوا کرتا ہے کہ آیا اس حکم کا مدار وعلت کیا ہے؟ اس لحاظ سے حکم کا ترتب ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کے سلسلہ میں قواعد یا کلی احکام صادر نہیں ہوئے آپ کے تمام ارشادات واقعات ہیں۔'' اقوالا ہوں یا احوالا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال ہیں کہ بعض نے ایک فعل کرتے دیکھا اور بعض نے دوسرا فعل کرتے دیکھا۔ اب مجتہد کا کام یہ ہے کہ وہ یہ غور کرے کہ ان مختلف اقوال وافعال میں سے کونسا فعل اور قول اصل ہے اور کونسا کسی عارض کی وجہ سے ہے یہ اجتہادی چیز ہے۔ اسی بناء پر ائمہ میں اختلافات ہوئے ہیں مثلاً رفع یدین وعدم رفع یدین دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔
اب مجتہد کا کام یہ ہے کہ وہ یا یہ کہے کہ اصل تو رفع یدین ہے اور عدم رفع کسی عذر یا عارض مثلاً بیان جواز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ یا یہ کہ اصل تو عدم رفع ہے لیکن رفع یدین کسی عارض کی وجہ سے ہے۔ ایسے ہی جلسۂ استراحت وغیرہ۔ بہرحال سارا فقہ اسی پر مرتب ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سنو کہ حنفیہ اور شافعیہ کا مناط میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور حنفیہ ومالکیہ میں بہت کم اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر فقہ حنفیہ میں کوئی جزئیہ نہیں ملتا تو فقہ مالکیہ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور امام احمد کے یہاں مناط پر دار ومدار کم ہے اور ظاہریہ کے یہاں بہت زیادہ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی فعل کو وہ اصل قرار دیتے ہیں۔ تو اس کے خلاف کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اکثر ان سے دونوں اقوال مروی ہوتے ہیں۔ بہرحال چونکہ حنفیہ کے نزدیک اس نہی کی علت احترام کعبہ ہے اور وہ ہر جگہ متحقق ہے اس لئے ہر جگہ ممانعت ہے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں مدار حکم احترام مصلین ہے یعنی جنات وملائکہ میں سے کوئی نہ کوئی اس فضا کے اندر نماز میں مشغول ہوگا۔ اب اگر تم استنجاء ان کے سامنے کرنے لگو گے تو ان کو دقت ہوگی اور یہ علت صرف صحراء کے اندر ہوسکتی ہے بنیان کے اندر نہیں ہوگی کیونکہ بیت الخلاء میں کوئی جن نماز نہیں پڑھتا اس لئے وہاں ممانعت نہیں ہے۔ امام بخاری کے ترجمہ پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے ترجمہ میں الا عند البناء کی قید لگا دی؟ حالانکہ جو حدیث اس باب میں مروی ہے اس میں یہ استثناء موجود نہیں ہے۔ اس کی ایک توجیہ بعض شراح نے یہ کی ہے کہ چونکہ حدیث میں اذا اتی احدکم الغائط وارد ہوا ہے اور غائط کے لغوی معنی مکان واسع کے ہیں تو اس لفظ سے خود معلوم ہوگیا کہ یہ حکم صحرا کا ہے بنیان کا نہیں ہے۔ اس اعتبار سے استثناء فرما دیا۔ دوسری توجیہ علماء نے یہ فرمائی کہ امام بخاری کا ترجمہ شارحہ بھی ہوا کرتا ہے تو یہ ترجمہ بھی شارحہ ہے کہ اگرچہ حدیث مطلق تھی لیکن باب کے ذریعہ مقید کر دیا۔ ولکن شرقوا او غربوا مدینہ منورہ کا جائے وقوع اس طرح ہے کہ کعبہ جنوب میں ہے اور بیت المقدس شمال میں لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کوئی شبہ نہیں کہ مدینہ والے تشریق وتغریب کر سکتے ہیں۔ (کذا فی تقریر س)

ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کوئی باب منعقد فرماتے ہیں اور اس کی روایتیں ذکر فرماتے ہیں اور انہی میں سے بعض روایات کسی شے جدید فائدہ جدیدہ پر دلالت کرتی ہیں تو امام بخاری ایک دوسرا ترجمہ اس فائدہ پر متنبہ کرنے کے لئے باندھ دیتے ہیں۔ یہاں پر بھی اگلا ترجمہ باب فی الباب ہے مستقل نہیں تو اس صورت میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اسی باب کی روایت ہے۔ لہٰذا استثناء اس ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے ثابت ہوگیا۔

باب من تبرز علی لبنتین

شراح اور ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے نزدیک امام بخاری کی غرض جواز التبرز علی لبنتین کو بیان کرنا ہے اور میرے نزدیک استحباب بیان کرنا ہے۔ کیونکہ اگر ذرا سا پاخانہ زیادہ ہوا تو کوٹھے (مقعد) کے بھر جانے کا اندیشہ ہے تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ لبنتین پر تبرز کرے تاکہ تلوث کا خوف نہ رہے۔

فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لبنتین مستقبلا بیت المقدس لحاجتہ:

اس روایت سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال فرمایا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کا استقبال کئے ہوئے تھے تو کعبہ کا استدبار ہورہا تھا۔ کیونکہ مدینہ جو واقع ہے وہ مکہ و بیت المقدس کے بیچ میں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ و امام احمد نے اپنی اپنی ایک روایت میں استدبار کو مطلقا جائز کہا ہے۔ کیونکہ یہاں استدبار الی البیت پایا گیا اور امام ابو یوسف نے استدبار فی البنیان ملحوظ رکھا۔ اور ابوحنیفہ و احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ نہی تنزیہی ہے۔ جمہور نے اس روایت کے آٹھ جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب محرم و مبیح میں تعارض ہوجائے تو محرم کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت محرم ہے۔ لہٰذا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے بالمقابل راجح ہوگی۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اصول محدثین میں سے ہے کہ جب قول و فعل کے درمیان تعارض ہوجائے تو قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت قولی ہے جو مقدم ہوگی۔ تیسرے یہ کہ حضرت امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل خصوصی ہے اور قول عام ہے نیز فعل کے اندر احتمال بھی ہے لہٰذا وہ قول عام کے مقابل حجت نہیں ہوگا۔ اور میرے حضرت نور اللہ مرقدہ کا بذل میں ارشاد یہ ہے کہ حجت افعال تشریعیہ ہوا کرتے ہیں اور امور تشریعیہ پوشیدہ ہوکر نہیں کئے جاتے۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کام پوشیدہ ہوکر کیا تو معلوم ہوا کہ تشریع کے لئے نہ تھا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ صرف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے اور ادھر دوسری جانب میں سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں پانچواں جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عین کعبہ ہو اور حجابات و پردے ہٹ گئے ہوں اور جہت قبلہ استقبال و استدبار کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ عین قبلہ سامنے نہ ہو ورنہ عین سے ممانعت ہوگی تو بہت ممکن ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عین کعبہ سے الگ ہوں۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ ساتواں جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں۔ آٹھواں جواب میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسی حالت میں ہو اور کسی کے آنے کی اطلاع پاوے تو وہ اپنی اصلی حالت پر نہیں رہ سکتا اور خود دیکھنے والا بھی صحیح طور سے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے جوں ہی نظر پڑی یہ وہاں سے بھاگ گئے لہٰذا یہ نظر اچانک تھی اور فجاءۃ تھی اس لئے اس میں غلطی کا احتمال بھی ہے۔ بالخصوص جب کہ یہ بھی احتمال ہو کہ متخلی اپنی حالت پر نہ رہا ہو۔

قال لعلک من الذین یصلون علی اوراکھم:

حضرات شراح فرماتے ہیں کہ بظاہر اس جملہ کا کوئی جوڑ نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب شاگرد نے بیان کیا کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ استقبال واستدبار نا جائز ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بطور توبیخ کے فرمایا کہ تو بھی عورتوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل سے بالکل ہی ناواقف ہے۔ عورتیں چونکہ نماز پڑھتے وقت اپنی سرین زمین سے متصل رکھتی ہیں بخلاف مردوں کے اس لئے من الذین یصلون علی اوراکھم سے عورتیں مراد لیں۔ فقلتِ لاادری شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔

باب خروج النساء الی البراز

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائی معمول تھا۔ لیکن جب گھروں میں بیت الخلاء بننے لگے تو پھر تبرز کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس باب سے جواز کو بیان فرمارہے ہیں کہ اگر باہر جانے کی ضرورت ہو تو جائز ہے۔ اور التبرز فی البیوت سے یہ بیان فرمادیا کہ اولیٰ یہ ہے کہ تبرز فی البیوت ہو۔ کن یخرجن باللیل اذا تبرزن الی المناصع چونکہ اس وقت گھروں میں پاخانے بنے ہوئے نہیں تھے۔ اس لئے عورتیں قضائے حاجت کے لئے راتوں کو باہر جایا کرتی تھیں۔ وھی صعید افیح یہ مناصع کی تفسیر ہے کہ مناصع واسع میدان کو کہتے ہیں۔

فکان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول للنبی صلی اللہ علیہ وسلم احجب نساء ک:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سولہ، سترہ موافقات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ موافقات عمری کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے تو اسی کے مطابق قرآن پاک کی آیت نازل ہوگئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے احجب نسائک حضور! اپنی ازواج کو پردے میں رکھیں اور ان کو باہر نہ جانے دیں کہ یہ دشمن منافقین ہر وقت دشمنی میں پھرتے ہیں ان کا کیا اعتبار۔ نہ معلوم کس وقت کیا کر بیٹھیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منع نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ عرب میں پردہ کا رواج نہیں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دن میں نکلیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ لیا اور فرمانے لگے اوہو! یہ تو سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں ہم نے پہچان لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جملہ اس وجہ سے فرمایا کہ ان کو غصہ آئے گا اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں گے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا تھا۔ آخر کار آیت حجاب نازل ہوگئی۔ بس پھر کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منع فرمادیا۔

قد اذن لکنّ ان تخرجن فی حاجتکن:

میں نے اسی جملہ کی بناء پر کہا تھا کہ حضرت امام بخاری اس باب سے بیان جواز اور باب آتی سے استحباب ثابت فرمارہے ہیں۔ اس لئے کہ قد اذن اس بات کو چاہتا ہے کہ پہلے خروج سے ممانعت ہوگئی تھی اور پھر اجازت ہوگئی ورنہ اجازت نزول حجاب سے پہلے بھی تو تھی، پھر قد اذن کا کیا مطلب؟ معلوم ہوا کہ یہ حکم نزول حجاب کے بعد کا ہے۔

لقد ظهرت ذات یوم علی ظهر بیتنا:

ظهر بیتنا اور بیت حفصه اور بیت رسول الله ﷺ کہنا ہر ایک صحیح ہے۔ جیسا کہ روایات مختلفہ میں ہے ظهر بیتنا تو اس لئے صحیح ہے کہ بہن کا گھر اپنا ہی گھر ہے اور بیت حفصه کہنا اس لئے درست ہے کہ دراصل وہ مکان ان ہی کا تھا اور بیت رسول الله ﷺ اس لئے کہنا درست ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مکانات سارے حضور ﷺ ہی کے تھے۔ (۱)

باب الاستنجاء بالماء

یہ ہے وہ باب جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ منکرین استنجاء بالماء پر آگے رد آرہا ہے۔ امام بخاری اس باب سے استنجاء بالماء کا جواز ثابت فرمارہے ہیں۔ چونکہ ایک جماعت کی رائے کراہت استنجاء بالماء کی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں پانی سے استنجا کرلوں تو بدبو میرے ہاتھ میں باقی رہتی ہے اور واقعی بدبو رہتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ پانی مطعوم ہے جیسے روٹی سے جائز نہیں ایسے ہی پانی سے ناجائز ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ جیسے پانی کی غرض شرب ہے اسی طرح اس سے اور اغراض بھی ہیں توضی واغتسال وغیرہ تو حضرت امام بخاری ان لوگوں پر رد فرمارہے ہیں۔

باب من حمل معه الماء لطهوره

اس سے قبل یہ بیان فرمایا تھا کہ جب استنجاء کرنے جائے تو شاگرد وغیرہ کو چاہئے کہ پانی رکھدے تا کہ استنجے سے جلدی فارغ ہوجائے تو اب یہاں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ ساتھ ہی پانی لے جائے تا کہ جلدی سے پاکی حاصل ہوجائے۔ وقال ابو الدرداء الیس فیکم صاحب النعلین۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ ان کے فضائل میں سے ہے اور صاحب النعلین کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب کسی مجلس میں جوتا اتار کر تشریف لے جاتے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی سے نعلین شریف اٹھالیتے میں تو یہ کہہ دیتا کہ سر پر رکھ لیتے تھے مگر روایت میں نہیں ہے۔ اور صاحب الطهور کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کہیں استنجاء وغیرہ کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی ساتھ لے جاتے اور صاحب الوساده کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب کہیں سفر میں ہوتے تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا تکیہ ساتھ رکھتے۔ (۲)

---

(۱) باب خروج النساء الخ امام بخاری نے اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ذکر کردی ہیں۔ پہلی حدیث اگرچہ ترجمۃ الباب کے مناسب نہیں لیکن وہ درحقیقت اگلی حدیث کے لئے تمہید ہے اور مقدمہ ہے کہ نزول حجاب کے بعد امہات المؤمنین نے اپنی تکلیف کی شکایت عدم خروج کی صورت میں ظاہر کی تو پھر آپ ﷺ نے اجازت دیدی۔ (کذا فی تقریر مولانا احسان)

(۲) باب من حمل معه الخ وفيه حديث معنا اداوة من ماء الخ یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ اس ماء سے استنجے کا پانی مراد ہے یا اور کوئی دوسرا پانی اگرچہ یہاں استنجے والا پانی مراد ہے۔ لیکن بطور تشحیذ اذہان کے آخری جملہ کو حذف کردیا ورنہ اصل میں "اداوة من ماء يعنى يستنجى به" تھا۔ (س)

باب حمل العنزة مع الماء فی الاستنجاء

بعض علماء کی رائے ہے کہ حمل العنز ة ستره کے واسطے ہوتا تھا کہ اگر کہیں استنجاء کے بعد نماز وغیرہ کی ضرورت ہو جائے اور کوئی آڑ نہ ہو تو اس کو سترہ بنالیں۔ مگر یہ مطلب غلط ہے اس لئے کہ سترہ کا مسئلہ ابواب سترہ میں صفحہ اکہتر (۷۱) پر آرہا ہے۔

حضور اکرم ﷺ اسے کس لئے اٹھاتے تھے؟ اس واسطے کہ اگر کہیں تستر کی ضرورت ہو اور کہیں آڑ نہ ہو تو اس کو گاڑ کر کپڑا وغیرہ ڈال کر اس کے ذریعہ سے آڑ کرلیں اور اس لئے کہ مدینہ پاک کی زمین سخت ہے تو اگر ڈھیلے نہ ملیں تو اس کی مدد سے توڑ لیں۔ اور اس لئے کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو کوئی پیشاب کرنا چاہے **فلیرتد لبوله**۔ یعنی پیشاب کرنے کے لئے زمین کو نرم کرلے تو زمین کے نرم کرنے کے واسطے ساتھ ہوتا تھا۔ تا کہ پیشاب کی چھینٹ نہ آئے۔ اور اس لئے کہ مدینہ **کثیر الھوام** ہے۔ تو ہوام سے تحفظ کے لئے اور اس لئے کہ کوئی دوست دشمن آجائے تو اس سے تحفظ ہو۔ (۱)

باب النھی عن الاستنجاء بالیمین

یہ نہی ظاہریہ کے نزدیک تحریم کے لئے ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک استنجاء بالیمین حرام ہے اور جمہور کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ **اذا شرب احدکم فلایتنفس فی الاناء** اس حدیث میں دو بحثیں ہیں ایک یہ کہ بخاری کی روایت میں تو **اذا شرب احدکم فلایتنفس فی الاناء** ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ برتن میں سانس نہ لے۔ اور ایک سانس میں اگر پی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ابوداؤد کی اسی روایت میں اسی سند سے **فلایشرب نفسا واحدا** ہے۔ جس کا اقتضا یہ ہے کہ پانی پیتے وقت ایک سانس میں نہ پیوے بلکہ مختلف سانس میں پیوے۔ چاہے وہ سانس برتن ہی میں لے لے تو بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔ بعض حضرات نے بخاری کی روایت کو بخاری کی ہونے کی حیثیت سے ترجیح دی ہے۔ اور میرے حضرت (۲) فرماتے ہیں کہ بخاری و ابوداؤد کی دونوں روایتوں میں چار آداب بیان کئے ہیں۔ دو شرب کے اور دو استنجاء کے۔ اور استنجاء کے دونوں آداب ابوداؤد اور بخاری ہر دو میں مشترک ہیں اور دونوں ادب دونوں کتابوں میں ہیں اور شرب کا ایک ادب ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے اور دوسرا بخاری میں مذکور ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک سانس میں نہ پیوے اور نہ ہی برتن میں سانس لے بلکہ مختلف سانسوں میں برتن کو منہ سے الگ کرکے پیوے اور دوسری بحث **فلایمس ذکرہ بیمینه ولا یتمسح بیمینه** میں ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ حدیث کے دونوں جملوں میں تعارض ہے۔ اس لئے کہ جملہ اولیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ **مس ذکر بالیمین** نہ ہو اور جب **مس بالیمن** نہ ہوگا تو بائیں سے کیونکر استنجا کرے گا۔ اس لئے کہ بائیں سے تو ذکر کو پکڑے گا۔ اور دوسرے جملہ کا تقاضا یہ ہے کہ دائیں سے استنجا نہ کرے۔ تو اگر بائیں سے استنجا کرے گا تو ذکر دائیں سے پکڑنا ہوگا۔ اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی دیوار ہو تو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر دیوار سے خشک کرے۔ ورنہ ڈھیلا

---

(۱) **باب حمل العنزة** الخ یہ حدیث صفحہ اکہتر (۷۱) پر مفصل آرہی ہے۔ یہاں مجمل ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ ہے۔ لیکن ہر جگہ سند مختلف ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری کا مقصد احادیث کو جمع کرنا نہیں ہے بلکہ متن حدیث سے مختلف مسائل کو مستنبط کرنا ہے۔ (کذا فی تقریر مولانا احسان الحق صاحب)

(۲) لم اجدہ فی البذل ص ۲۸ ولعل الشیخ سمعه فی بعض دروسه . والله اعلم (۱۲ محمدی)

دونوں ایڑیوں میں لے کر سرین کے بل بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے ذکر پکڑ کر اس ڈھیلے سے رگڑے۔ علامہ عینی نے بھی اس بحث کو ذکر فرمایا ہے میرے حضرت تعجب سے فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ خطابی کو کیا خلجان پیش آ گیا؟ یہ تو بالکل ظاہر ہے بچے تک جانتے ہیں کہ اسی بائیں ہاتھ سے ڈھیلا پکڑے اور اسے ذکر کے منہ پر لگا کر انگوٹھے سے ذکر کو دبادے۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ اتنے بڑے علامہ کا اشکال اپنے اندر کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رکھتا ہے۔ اور پھر علامہ عینی نے اسے نقل بھی فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کی وجہ مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے سامنے پیشاب خشک کرنے کا وہ طریقہ نہیں ہے جو ہمارے یہاں رائج ہے کہ ڈھیلے کو ذکر کے سوراخ پر رکھ کر اسے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دبادے بلکہ اس صورت میں اور تلوث ہوگا اور پیشاب پھیل جائے گا۔ لہٰذا اپنے اختیار سے تلویث بالبول لازم آتی ہے اور وہ ممنوع ہے لہٰذا ان کی نظر میں یہ ہے کہ ایک طرف سے دوسری طرف گزارتے ہوئے خشک کرے۔ اور وہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ کسی چیز سے پکڑے واللہ اعلم. (۱)

باب لایمسک ذکرہ بیمینہ اذا بال

روایۃ سابقہ میں مطلقامس ذکر بالیمین سے ممانعت ہے۔ اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ ممانعت عام ہے یا استنجا کے ساتھ خاص ہے۔ تو حضرت امام بخاری نے ان لوگوں کی تائید کی جو یہ کہتے ہیں کہ استنجے کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اس وقت ذکر نجس ہوتا ہے۔ اور یمین شریف اعمال کے لئے ہے قاذورات کے لئے یسار ہے۔ لہٰذا دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے۔ (۲)

باب الاستنجاء بالحجارۃ

بعض علماء فرماتے ہیں کہ استنجاء بالاحجار منسوخ ہوگیا۔ لہٰذا امام بخاری اس پر رد فرما رہے ہیں۔ یہ بعض حضرات کی رائے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے یہاں ایک مسئلہ خلافیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ استنجاء بالحجارۃ کی حقیقت کیا ہے تطہیر یا تقلیل نجاست تو یہ سمجھ لو کہ احکام کے اندر جو اختلاف ہوا کرتا ہے وہ اکثر اختلاف مناط کی بناء پر ہوتا ہے اور مناط کا مطلب علت حکم و وجہ الحکم ہے۔ اب یہاں استنجاء بالحجارۃ میں شافعیہ اور حنابلہ کی رائے تو یہ ہے کہ وہ مطہر ہے اور یہ حکم تعبدی ہے۔ اور حکم تعبدی کا مطلب یہ ہے کہ قیاس کو اس میں دخل نہیں ہے اور مدرک بالرائے نہیں ہے۔ جیسا کہ تیمم کے اندر طہارت کا حصول تعبدی ہے کوئی امر معقول نہیں ہے اس لئے کہ پانی سے تو ازالہ ہوتا ہے۔ اور مٹی سے بجائے ازالہ کے اور تلویث ہوتی ہے اور پھر مٹی کو مرض و عدم ماء کی صورت میں پانی کے قائم مقام کر دیا گیا یہ بیرون از ادراک عقل ہے۔ اسی طرح حجارۃ سے استنجاء کوئی امر معقول نہیں ہے بلکہ امر تعبدی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی امر تعبدی ہوا کرتا ہے تو اپنے مورد پر مقتصر ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حدیث میں ثلثۃ احجار آ گیا ہے تو بدون اس عدد کے استیفاء

---

(۱) باب النهي عن الاستنجاء وفيه فلا يتنفس في الاناء حضور اکرم ﷺ نے تنفس فی الاناء سے اس لئے منع فرمایا کہ سانس کے ذریعہ سے جو جراثیم باہر آتے ہیں وہ پانی میں گر جائیں گے اور پھر ان کے پینے سے بیماری کا اندیشہ ہے نیز اگر کچھ ناک سے نکل کر گر پڑے تو طبیعت کو کراہت بھی محسوس ہوگی۔

(۲) اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ بیان اولویت کے لئے ہے یعنی آدمی کو استنجے کے وقت اس کو پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب اس وقت ہی منع کر دیا گیا تو بلا ضرورت پکڑنا تو بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ (س)

کئے ہوئے استنجاء ہی حاصل نہ ہوگا۔اسی طرح احجار ہونا چاہئے اگر روث خشک سے کسی نے کرلیا یا ہڈی استعمال کرلی تو استنجا حاصل نہ ہوگا اور مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک مناط استنجا بالاحجار کا تقلیل نجاست ہے اور یہ حکم مدرک بالقیاس وامر معقول ہے تعبدی نہیں ہے۔لہٰذا اگر کسی ایسی چیز سے استنجا کرے گا۔جس سے تقلیل ہوجائے تو استنجا ہوگا۔مثلا کپڑے سے یا کوئلہ یا روث خشک سے یا ہڈی سے ہاں خلاف سنت ہوگا۔اسی طرح تین مرتبہ بھی ضروری نہیں ہے اعنی احجارا استنفض بھا. یہ حنفیہ ومالکیہ کی تائید کرتا ہے کہ مقصود صرف صاف کرنا ہے۔حضور ﷺ نے استنفاض فرمایا۔لہٰذا جس سے بھی استنفاض حاصل ہوگا اس کا استعمال جائز ہوگا۔او نحوہ ای قولا قریبا من هذا اللفظ۔

باب لایستنجی بالروث

یہ باب سابق کا تکملہ ہے۔میں نے اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ جولوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ امر تعبدی ہے ان کے نزدیک روث وعظم سے استنجا حاصل نہ ہوگا اور جو امر معقول مانتے ہیں۔ان کے نزدیک حاصل ہوجائے گا۔اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ روث وعظم سے استنجا کرنے کی ممانعت ان کی ذات میں کسی امر کی بناء پر نہیں بلکہ وہ ایک عارض کی بناء پر ہے جو مسلم وترمذی کی روایت میں مذکور ہے کہ جنات نے نبی اکرم ﷺ سے توشہ مانگا تھا تو حضور پاک ﷺ نے ان کو توشہ ہڈی اور روث عنایت فرمائی تھی۔ہڈی خود ان کے استعمال کے واسطے اور روث ان کے دواب کے واسطے۔تو ان کے لئے کارآمد ہونے کی بناء پر اس سے استنجا کرنے سے منع فرمادیا قال لیس ابو عبیدة ذکرہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زہیر ابواسحٰق سے نقل کرتے ہیں کہ ابواسحٰق نے یہ کہا کہ یہ روایت دوطرح سے مروی ہے ایک ابو عبیدة عن ابن مسعود اور ایک عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه عن ابن مسعود. تو میں نے جو روایت بیان کی ہے وہ عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه عن ابن مسعود ہے کیونکہ یہ اگرچہ نازل بدرجہ ہے عن ابی عبیدة عن ابن مسعود سے مگر اس کا اتصال یقینی ہے اور ابوعبیدہ کی روایت اگرچہ بیک درجہ عالی ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ابوعبیدة کا لقا اپنے باپ سے ہے یا نہیں تو چونکہ اس میں احتمال ہوگیا اس لئے اس کو میں نے ذکر نہیں کیا۔حاصل یہ ہے کہ ابواسحٰق دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں اول عن ابي عبيده عن ابيه عن ابن مسعود دوسری عبدالرحمن بن اسود عن ابيه عن ابن مسعود تو ابواسحٰق کہتے ہیں کہ یہ روایت مجھ سے عبدالرحمٰن بن الاسود نے بیان کی نہ کہ ابوعبیدہ نے یعنی میں اس وقت ابوعبیدہ کی روایت نہیں بیان کررہا ہوں بلکہ عبدالرحمٰن بن الاسود سے نقل کررہا ہوں۔شراح فرماتے ہیں کہ اس کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں ہے۔لہٰذا یہ روایت منقطع ہے اور اس کے رد کی طرف اشارہ کیا اور دوسرا طریق متصل ہے اس کو ذکر فرمادیا۔لیکن اس مقام میں امام ترمذی نے امام بخاری کی مخالفت کی ہے۔فرماتے ہیں کہ ابوعبیدہ والا طریق ارجح ہے۔اس لئے کہ اس کو ابواسحٰق سے اسرائیل نقل کرتے ہیں اور ان کی روایت دوسرے تلامذہ ابی اسحٰق سے ارجح ہے۔اسی طرح ائمہ میں تصحیح روایات کے باب میں اختلاف ہوتا رہا ہے لہٰذا نہ تو امام بخاری پر کوئی اعتراض ہے اور نہ امام ترمذی پر۔اسی طرح امام ابوحنیفہ پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ ان کی روایات ان کے نزدیک صحیح ہوں اگرچہ دوسروں کے نزدیک ان میں کلام ہو۔ واللّٰہ اعلم

والتمست الثالث فلم اجد:

بظاہر بخاری کی روایت حنفیہ کی تائید کرتی ہے۔اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے تیسرا پتھر تلاش کرنے کا امر نہیں فرمایا۔(۱)

باب الوضوء مرة مرة وباب الوضوء مرتين مرتين

میں نے یہ کہا تھا کہ جن لوگوں نے وبین النبی ﷺ کو جزو ترجمہ قرار دیا ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ اس کا مستقل باب آ رہا ہے اور وہ یہ ہی ہے۔وہاں تو اجمالا آیت کی تفسیر فرمادی اور یہاں مستقل ابواب میں ہر ایک کو ذکر کر دیا۔

باب الوضوء ثلثاثلثا

مرة مرة اور مرتین مرتین کے ابواب گزر چکے۔پہلے تو امام بخاری نے ابتداء کتاب میں اجمالا حضور اکرم ﷺ کے فعل مبارک کو ذکر فرمایا ہے اور اب یہاں ابواب مستقلہ میں بالتفصیل ذکر فرما رہے ہیں۔ **دعا باناء فافرغ علی کفیه ثلث مرار** ۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ تھا کہ جس طرح حضور اکرم ﷺ نے کوئی کام کیا ہے اسی طرح یہ حضرات اپنے شاگردوں کے سامنے کر کے دکھلاتے تھے۔اس لئے کہ تعلیم فعلی اوقع فی النفس ہوا کرتی ہے بہ نسبت قول کے۔

من توضاء نحو وضوئی هذا:

یہاں دو بحثیں ہیں: اول یہ کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کا ترتب دو چیزوں پر ہو رہا ہے۔ایک وضو کرنے پر اور دوسرے اس وضو کے بعد دو رکعت پڑھنے پر اور سنن کی روایات میں ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے تو جب وہ کلی کرتا ہے تو وہ گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے منہ سے کئے اور جب ناک میں پانی ڈالتا ہے تو ناک کے گناہ اور منہ کے ساتھ ساتھ منہ کے گناہ اور ہاتھ کے ساتھ ہاتھ کے گناہ اور پاؤں دھوتے وقت پاؤں کے گناہ غرض کہ ہر عضو کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو سنن کی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ مغفرت کا ترتب صرف وضو پر ہوتا ہے لہٰذا روایات متعارض ہوگئیں اس کے دو جواب ہیں۔اول یہ کہ قاعدہ کلیہ ہے اور یہ بہت سی جگہوں پر چلے گا وہ یہ کہ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ جب روایات میں تعارض ہو اس بارے میں کہ ایک روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کسی فعل قلیل پر مرتب ہوگا اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امر زائد پر مرتب ہوگا تو امر زائد والی روایت مقدم ہوتی ہے اور قلیل والی مؤخر اور اس

---

(۱) باب لایستنجی بروث وفیه قال حدثنا زهیر الخ اس سند میں امام بخاری فرماتے ہیں قال لیس ابوعبیدہ ذکرہ الخ دراصل اس روایت کے دو طریق ہیں۔ایک عن ابی عبیدة عن ابیه عن عبدالله بن مسعود اور دوسرا عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه عن عبدالله تو ان میں سے اول سند منقطع ہے۔ کیونکہ ابوعبیدہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں لیکن ان کا سماع ثابت نہیں تو ابواسحٰق نے اس عبارت سے یہ بتلادیا کہ میں نے سند منقطع والا طریق اختیار نہیں کیا بلکہ دوسرے طریق سے میں نے یہ حدیث سنی ہے اور ذکر کر رہا ہوں۔اس روایت کو امام ترمذی نے بھی ذکر فرمایا ہے۔لیکن انہوں نے اپنی کتاب میں امام بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ جس طریق سے بخاری نے حدیث لی ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ میرا طریق صحیح ہے۔چونکہ یہ حضرات ائمہ فن ہیں۔لہٰذا ان میں سے اگر ایک دوسرے پر اعتراض کردے یا اپنا ایک منتخب طریقہ اختیار کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں۔اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک کا منتخب کردہ طریق دوسرے کے نزدیک بھی پسندیدہ ہو۔اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کسی حدیث کے متعلق ائمہ حدیث میں سے کوئی یہ کہہ دے کہ یہ ضعیف یا قابل استدلال نہیں تو امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کے نزدیک اس کا ضعیف یا ناقابل استدلال ہو جانا ضروری نہیں (س) (متن وحاشیہ کی ہر دو تقریر کا یہ مشترک مضمون وضاحت کے پیش نظر تحریر کردیا گیا (شاہد غفرلہ)

کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کی شفقت اور اپنی امت کے واسطے دعاؤں اور حضور اکرم ﷺ کی ریاضات کی بناء پر امت محمدیہ پر اپنے انعامات روز افزوں فرماتے رہتے ہیں۔ یہ جواب تو قاعدہ کلیہ کے طور پر ہے اور بہت سے مقامات پر جہاں اس قسم کا تعارض ہو یہ قاعدہ جاری ہوگا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ثواب دوالگ الگ چیزوں پر مرتب ہورہا ہے ایک وضو کرنے پر اور دوسرے دورکعت نماز باوصافھما پڑھنے پر اور یہ امر اتفاقی ہے کہ یہاں وضو اور نماز دونوں کا ذکر آگیا ورنہ پہلے سے کوئی متوضی ہو اور اس نے پھر دورکعت اس صفت کے ساتھ پڑھی جو مذکور فی الحدیث ہے تو اس کو بھی مغفرت حاصل ہوگی۔

اب یہاں ایک اشکال ہے کہ جب وضو کرنے سے مغفرت ہوگئی جیسا کہ آپ نے کہا کہ ہر ہر فعل پر مغفرت کا ترتب ہورہا ہے تو اگر وضو کرنے کے بعد دورکعت نماز پڑھے تو یہ دورکعتیں کیا کریں گی؟ اس کا جواب قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ ہے کہ مغفرت محل مغفور کے ساتھ مصارف ہو تو رفع درجات کا سبب ہوتی ہے تو اس نے جب وضو کرلیا اور گناہ معاف ہوگئے تو اب وہ جو دورکعت نماز پڑھے گا اس سے اس کی ترقی درجات ہوگی۔ یہی جواب وہاں بھی چلے گا کہ جب دورکعت سے مغفرت ہوجاتی ہے اور وضو سے بھی ہوتی رہتی ہے تو روزانہ کے گناہ معاف ہولئے پھر الجمعة الى الجمعة كفارة لمابينهما کا کیا مطلب ہوا؟ اور اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف ہوگئے تو پھر محرم کے روزے سال بھر کے کون سے گناہ معاف کرائیں گے اور اگر یہاں بھی معاف ہوگئے تو ذی الحجہ کا روزہ دوسال کے گناہ کیا معاف کرائے گا؟ ان سب کا جواب یہی ہے کہ اولا وضو کرنے سے مغفرت ہوگئی اور اگر کچھ رہ گیا تو وہ دورکعات سے ہوجائے گا۔ اور باقی ترقی درجات ورنہ پھر ذی الحجہ کے روزے سے معاف ہوں گے اور باقی رفع درجات کا سبب بن جائیں گے۔ اگر کچھ رہ گیا کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی نماز ایسی نہیں ہوتی جس سے سارے گناہ معاف ہوجائیں اور پھر اسی ضمن میں یہ بات ہے کہ مغفرت کن معاصی کی ہوتی ہے آیا صرف صغائر کی یا صغائر و کبائر کی؟ عام علماء کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ ایسے مواقع پر جہاں روایات میں مغفرت کا تذکرہ ہے الفاظ عام ہیں مگر مراد خاص ہے یعنی صغائر ان آیات کی بناء پر جن میں الامن تاب کا استثناء موجود ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب ان افعال سے سارے گناہ معاف ہوچکے تھے تو پھر استثناء الامن تاب کی کیا ضرورت؟ معلوم ہوا کہ کچھ گناہ باقی رہ گئے اور وہ کبائر ہی ہیں اتنے اہم کہ محتاج توبہ ہیں۔ اور میرے والد صاحب کی رائے یہ ہے کہ کبائر و صغائر سب ہی مراد ہیں، کیونکہ روایت کے الفاظ عام ہیں۔ باقی رہی توبہ تو وہ تو خود حاصل ہوجائے گی اس لئے کہ توبہ کہتے ہیں ندامت کو اور جب کوئی اس طرح وضو کرے گا اور نماز پڑھے گا تو اس کو خود بخود ندامت حاصل ہوگی۔ اور نماز میں خود الفاظ استغفار موجود ہیں۔ اور دوسرا جواب میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ یہ دیتے ہیں کہ مومن کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کبائر کا ارتکاب کرے اور اگر کبھی صدور ہوجائے تو اس کو چین ہی نہ آئے تا آنکہ توبہ کرکے اپنے گناہ معاف نہ کرالے۔ اب صغائر ہی رہ گئے وہ ان افعال سے معاف ہوجائیں گے۔

دوسری بحث لایحدث فیھما نفسہ میں ہے سنو! قاضی عیاض اور علامہ نووی مسلم شریف کے بہت قدیم شارح ہیں۔ قاضی عیاض مالکی ہیں اور امام نووی شافعی۔ اور بہت ہی متعصب ہیں مسائل میں شافعیہ کے یہاں عامۃً دو قول ہیں قدیم اور جدید اور بعض میں تین تین اور چار چار قول ہیں ان کی عادت ترجیح میں یہ ہے کہ کبھی تو قول قدیم کو ترجیح دیتے ہیں اور اکثر جدید کو۔ امام نووی کی عادت شرح مسلم میں یہ ہے کہ جب کوئی حدیث مسلم میں آئے گی اور امام شافعی کے کسی قول کے بھی موافق ہو تو کہتے ہیں وبہ قال الشافعی اور شرح مہذب میں اس کے خلاف جو قول امام شافعی سے مشہور ہوتا ہے اسکو ترجیح دیتے ہیں۔ اب سنو قاضی عیاض اور امام نووی میں کہیں

کہیں اختلاف بھی ہے اور جہاں کہیں اختلاف ہوگیا تو وہ پھر آخر تک ہوتا چلا آیا ہے خواہ حافظ ابن حجر ہوں یا علامہ عینی یا علامہ قاری یا حافظ سیوطی اور ہر ایک کے متبعین موجود ہیں تو قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی قسم کی بات نہ کرے مطلقا خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، اختیار سے ہو یا بلا اختیار کے۔ اور علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امور غیر اختیاریہ اس سے خارج ہیں اس لئے کہ حدیث میں ہے ان اللہ تجاوز عن امتی ماوسوست بہ نفسھا قاضی عیاض کے متبعین کہتے ہیں کہ امور غیر اختیاریہ میں تجاوز کا وعدہ ہے۔ باقی اس پر انعام بھی ہوگا اور اسکا کوئی وعدہ نہیں۔ ابن رسلان حافظ ابن حجر کے شاگرد اور ابوداؤد کے شارح ہیں۔ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ دنیا کے امور غیر اختیاریہ اور آخرت کے خواہ اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاری مضر نہیں ہیں۔

ولکن عروۃ یحدث عن حمران اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب کے دو استاذ ہیں ایک عطاء بن یزید، ان سے تو روایت متقدمہ لی گئی ہے اور دوسرے عروہ ان سے یہ روایت ہے اور دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں الگ الگ حدیثیں ہیں۔ **لولا اٰیۃ ماحدثتکموہ** اس لئے نہ بیان کرتے کہ تم اتکال کرلوگے۔ **الاغفر لہ مابینہ وبین الصلوۃ حتی یصلیھا** ۔ مصنف نے اس جملہ کی وجہ سے عروہ کی روایت ذکر کی ہے کیونکہ پہلی روایت میں غفر ماتقدم الخ وارد ہے۔ اس روایت سے **ماتقدم کی تحدید** معلوم ہوگئی۔ (۱)

باب الاستنثار فی الوضوء

استنثار کہتے ہیں ناک جھاڑنے کو۔ امام بخاری نے یہاں کیا باریکی فرمائی کہ استنثار کو مقدم کردیا اور مضمضہ کو موخر۔ حالانکہ مضمضہ پہلے ہونا چاہئے تھا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ منہ کی بہ نسبت ناک میں زیادہ تستر ہوتا ہے تو انف باعتبار فم کے باطن ہے اور فم ظاہر، امام بخاری نے استنثار کے مسئلے میں مقدم فرما کر اشارہ فرمادیا کہ تطہیر باطن تطہیر ظاہر سے مقدم ہے اور میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ استنثار کے مسئلے میں بہ نسبت مضمضہ کے ائمہ کے یہاں زیادہ اہمیت ہے شافعیہ اور مالکیہ کے یہاں دونوں غسل اور وضو کے اندر مسنون ہیں اور حنفیہ کے یہاں غسل میں دونوں واجب اور وضو میں دونوں سنت ہیں اور حنابلہ کے یہاں تین روایات ہیں ایک یہ کہ دونوں چیزیں دونوں کے اندر واجب ہیں۔ دوسرے یہ کہ دونوں دونوں کے اندر سنت ہیں اور تیسرے یہ کہ استنثار دونوں کے اندر واجب ہے۔ اور مضمضہ دونوں میں سنت ہے تو استنثار میں اہمیت زیادہ ہوگئی حتی کہ امام احمد کی روایت میں استنثار دونوں میں واجب اور مضمضہ

---

(۱) **باب الوضو ثلاثا:** امام بخاری نے یہ تین باب قریب قریب ذکر فرمائے ہیں ان سے مقصود ہر ایک کا جواز ثابت کرنا ہے کہ ہر طریق حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ البتہ تیسرا طریق استحباب ومسنون کا درجہ رکھتا ہے۔ **لایحدث فیھما نفسہ** ۔ ابن ارسلان جو ابن حجر کے تلمیذ ہیں انہوں نے اس جملہ کی تفسیر **لایحدث نفسہ فی امور الدنیا** سے کی ہے یعنی اگر کوئی شخص دینی اور اخروی بات کرلے تب مضائقہ نہیں ممانعت صرف دنیا کی بات کی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے **انی لاجھز جیشی فی الصلوۃ غفرلہ ماتقدم** یہ اور اس قسم کی روایات کثرت سے آئی ہیں حضرت گنگوہی کا ارشاد ہے کہ اگر قرآن کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کوئی شخص بھی جہنم میں نہ جاوے گا اور امام غزالی کی احیاء العلوم دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کا دروازہ بالکل بند ہے۔ یہاں حدیث میں **ما** عام ہے لہذا تمیع ذنوب کو شامل ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اس عموم سے اجماعا صغائر مراد ہیں کیونکہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ **الا ماشاء اللہ** علامہ جزری نے لکھا ہے کہ توبہ کی حقیقت فقط زبان سے کہنا نہیں ہے ورنہ ہماری یہ توبہ خود گناہ ہوگی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمیں اغفر لی کہنا چاہئے۔ استغفر اللہ نہ کہنا چاہئے۔ (کذا فی تقریرین)

سنت ہے لہٰذا اس کو مقدم فرمادیا اور ساتھ ہی ایک اور مسئلے کی طرف اشارہ کردیا وہ یہ کہ ترتیب وضو شافعیہ کے یہاں واجب ہے حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں سنت ہے۔ امام بخاری نے ترتیب بدل کر اشارہ فرمادیا کہ ترتیب واجب نہیں ہے۔ **ذکرہ عثمان** کی یہ روایت ابھی گزری۔ (۱)

باب الاستجمار وترا

کہاں استنثار کا ذکر کررہے تھے اور کہاں استجمار میں پہنچ گئے۔ علامہ کرمانی کو تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ انہوں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ امام بخاری نے ابواب کے درمیان کوئی ترتیب نہیں رکھی۔ لیکن میرے نزدیک امام بخاری نے بڑی اچھی ترتیب رکھی ہے۔ یہ باب بھی بے ترتیب اور بے محل نہیں ہے بلکہ یہ باب در باب ہے۔ اور باب در باب کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ امام بخاری کوئی باب منعقد فرماتے ہیں اور اس کی روایات کے درمیان کوئی لفظ اہم ہوا کرتا ہے یا کوئی خصوصیت ہوتی ہے تو اس پر تنبیہ فرمانے کے لئے باب باندھ دیتے ہیں ورنہ وہ دراصل کوئی مستقل باب نہیں ہوتا۔ چونکہ باب سابق کی روایت میں استجمار کا ذکر بضمن **ومن استجمر فلیوتر** تھا۔ اس لئے اس پر باب باندھ دیا اور اس باب کو باب سابق سے یہ مناسبت ہے کہ جب استجمار کے اندر ایتار ہے تو استنثار کے اندر بطریق اولیٰ ہوگا۔

اذا استیقظ احدکم من نومه:

یہاں اشکال یہ ہے کہ **من نومه** کی قید کیوں لگائی؟ کیونکہ ہر شخص اپنی ہی نوم سے بیدار ہوتا ہے۔ دوسرے کی نوم سے بیدار نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس سے صرف مخاطبین مراد ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس سے مستثنیٰ ہیں کہ اس لئے کہ نوم انبیاء علیہم السلام ناقص نہیں ہے۔ اب مسئلہ سنو! ظاہریہ کی رائے ہے کہ پانی میں بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالنا جائز نہیں اور اگر ڈال دیا تو پانی ناپاک ہوجائے گا ایسے ہی ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر پیشاب **ماء راکد** میں ڈالدے تو پاک رہے گا اور اگر اس میں کردے تو ناپاک ہوگا اور یہاں یہ ہے کہ اگر ہاتھ نہ دھویا تو ناپاک ہوجائے گا۔ جمہور کے نزدیک ہاتھ دھونا مستحب ہے واجب نہیں اس لئے کہ ہاتھ سوتے وقت بالیقین پاک تھا اور سونے کے بعد اس کے دھونے کے امر کو ایک امر موہوم پر معلق فرمادیا اور جو کسی شے موہوم پر معلق ہو وہ واجب نہیں ہوا کرتا۔ **فان الیقین لایزول بالشک**۔ ظاہریہ کی طرف سے اعتراض کیا گیا کہ تم یہ کہتے ہو کہ سونے سے وضو ٹوٹ

---

(۱) **باب الاستنثار فی الوضوء**: میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ میرے نزدیک وضو شروع نہیں ہوا تھا بلکہ **باب الوضو مرة مرة** سے وضو کا بیان شروع ہوا ہے ان تین ابواب میں وضو کا اجمالی نقشہ تھا اب یہاں سے تفصیل کے ساتھ ہر وظیفہ کو ذکر فرمائیں گے لیکن ایک بات میں نے شروع کتاب الوضوء میں بھی بیان کی تھی کہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ جو باب ایک مرتبہ گزر گیا کسی بھی مناسبت سے اس کو دوبارہ ذکر نہیں فرمائیں گے تو اب یہاں سے تفصیل فرما رہے ہیں تو ترتیب کے اعتبار سے پہلے مضمضہ اور پھر استنثار اور پھر غسل وجہ کا ذکر ہونا چاہئے لیکن غسل وجہ کا ذکر ماقبل میں ایک باب میں آچکا ہے اور جس مناسبت سے بھی آیا وہ وہاں بیان کی جاچکی۔ اب یہ کہ مضمضہ کو پہلے بیان کرنا چاہئے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو موخر فرما کر اشارہ کردیا کہ وضو کے اندر ترتیب نہیں ہے اور یہ توجیہ تمام ابواب میں چل سکتی ہے کہ ابواب وضو کے اندر مصنف نے جو ترتیب قائم نہیں فرمائی تو اس سے تنبیہ کرنا ہے کہ ترتیب فی الاعضاء وضو میں نہیں ہے۔ مسئلہ ترتیب میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک تو ترتیب واجب نہیں البتہ امام شافعی کے یہاں واجب ہے۔ (کذا فی تقریرین)

جائے گا۔اس لئے کہ خروج ریح کا احتمال ہے تو یہاں ایک امر محتمل پر وضو کو واجب کرتے ہو؟اس کا جواب یہ ہے کہ وضو من النوم کے وجوب کی وجہ خود حدیث پاک میں مذکور ہے۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے العینان وکاء استه اور جب آدمی سو جاتا ہے تو وہ بندھن کھل جاتا ہے اور جب بندھن کھل گیا تو احتمال خروج نہیں بلکہ مظنہ خروج ہے لہٰذا یہاں ظن غالب یہ ہے کہ وضو ٹوٹ گیا۔اس لئے ہم نے وضو من النوم کو واجب قرار دیا۔(۱)

اب یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ غسل الیدین جو ہے یہ جزو وضو ہے جس کا حکم آیت کے اندر ہے یا نہیں؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جزو وضو نہیں ہے ان کے نزدیک اس کے موافق احکام ہوں گے وہ یہ کہ بسملہ اس غسل کے بعد ہوگا اور وضو کی نیت بھی بعد میں ہوگی اور اگر غسل الوجہ کے بعد یہ سوچ کر کہ اتنا ہاتھ دھو چکا ہوں لہٰذا باقی پر اکتفا کرلیں تو یہ کافی نہ ہوگا اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ جزو وضو ہے ان کے نزدیک بسملہ اس غسل کے قبل اور نیت بھی جن کے یہاں نیت ضروری ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ جز نہیں ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اس امر کی بناء پر ہے جو حدیث باب میں وارد ہے اور جو جزو قرار دیتے ہیں وہ احتمال نجاست کے عارض کی وجہ سے تقدم مانتے ہیں جیسے غسل وجہ فرض ہے اور مضمضہ واستنشاق مکملات میں سے ہے۔سنت ہے۔لہٰذا اس کو بعد میں ہونا چاہئے لیکن چونکہ وضو اس پانی سے ہوتا ہے جو پاک ہو۔اور اس کی پاکی یہ ہے کہ اس کے رنگ و بومزہ میں فرق نہ آئے تو رنگ آنکھ سے معلوم ہوگا اور اس کا مزہ مضمضہ سے اور بو استنشاق سے معلوم ہوگی پھر اس کے بعد فرض الوضو شروع ہوگا۔

فانه لایدری این باتت یده:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اہل عرب کا دستور لنگی باندھنے کا تھا اور ذکر انسان قائم اللیل مشہور ہے۔رات کو اس میں انتشار ہو کر استادگی ہو جاتی ہے اور بسا اوقات بحالت استادگی وہاں ہاتھ پہنچ جاتا ہے اور اس وقت میں مذی نکل جانے کا احتمال ہے اس لئے دھونے کا حکم فرمایا۔کیونکہ اگر ہاتھ پر کچھ لگا ہوا ہوگا تو پانی اگر قلیل ہوا تو ناپاک ہو جائے گا اور مالکیہ کے یہاں چونکہ ماء قلیل اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا رنگ، بو، مزہ نہ بدل جائے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ علت نہیں ہے بلکہ یہ امر نظافت پر مبنی ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ رات کو ہاتھ کہیں گیا ہو اور کھجلایا ہو اور اس پر میل کچھ لگا ہو اور وہ ہاتھ پانی میں پڑ جائے تو نظافت نہیں رہے گی۔

غور سے سنو! رسول اللہ ﷺ نے جب کہ الفاظ میں تصریح فرمادی اور ذرا بھی شرم نہیں فرمائی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی حیادار نہیں ہو سکتا تو میں کون ہوتا ہوں جو شرماؤں لہٰذا میں بھی تصریح کئے دیتا ہوں کہ یہاں جمہور نے جو وجہ بیان فرمائی کہ

---

(۱) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ دونوں جگہ فرق ہے اس لئے کہ ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے جو غسل یدین کا امر بعد الاستیقاظ فرمایا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ سونے کے بعد یہ احتمال ہے کہ انتشار ذکر ہو اور پھر دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا ہاتھ وہاں تک پہنچ جائے اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے خروج مذی ہو جائے اور وہ اس کے ہاتھ پر لگ جائے تو یہاں ہاتھ کا ناپاک ہونا تین امور کے احتمال پر موقوف ہے ایک انتشار۔ایک ہاتھ کا وہاں تک پہنچنا اور ایک مذی کا خروج تب کہیں جاکر ہاتھ ناپاک ہوگا تو جب یہاں درمیان میں تین احتمال پیدا ہو گئے تو اس احتمال کا درجہ بہت اہون ہو گیا۔بخلاف نوم کی حالت کے کہ وہاں خروج ریح کا احتمال کسی اور امر کے پیدا ہونے کے احتمال پر موقوف نہیں ہے تو وہ احتمال اقوی ہے۔جس کو غلبہ ظن سے تعبیر کیا جاتا ہے اس وجہ سے وہاں وضو واجب ہے اور یہاں وضو واجب نہیں ہے۔

غسل الیدین کا حکم احتمال تلوث بالمذی کی وجہ سے ہے اس پر میرے حضرت جب مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوائل نسائی میں یہ روایت ہے اس کو پڑھا اور کتب حدیث کی اوائل پڑھ کر اجازت لی تو اس وقت حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے یہ اشکال کیا کہ ہاتھ کو محض احتمال تلوث کی بناء پر دھونے کا حکم ہے تو پاجامہ کی میانی ہروقت پاس رہتی ہے وہاں نجاست کا زیادہ احتمال ہے پھر اس کے دھونے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟ حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ پاجامہ کی نجاست لازم ہے اگر متحقق ہو جائے کہ نجاست لگی ہے تو ایک دو وقت کی نماز لوٹا لے بخلاف نجاست ید کے کہ وہ متعدی ہے کیونکہ اگر ہاتھ ناپاک ہونے کی صورت میں پانی میں پڑ گیا تو جتنے لوگوں نے اس سے وضو کیا ہوگا سب کی نماز باطل ہوگی اور جہاں جہاں اس پانی کی چھینٹیں گئیں وہ بھی ناپاک ہوگا۔ لہٰذا اس سبب سے ہاتھ کے دھونے کا حکم فرمایا۔

باب غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین

یہ باب بھی بظاہر بے جوڑ ہے اس لئے کہ استنثار کے بعد تو استجمار کرنے چلے گئے تھے اور پھر غسل رجلین شروع کر دیا مگر اس میں کوئی تنافر نہیں ہے بلکہ بہت عمدہ مناسبت ہے وہ یہ کہ امام بخاری نے تنبیہ فرمائی کہ اگر کوئی ناک میں پانی نہ ڈالے بلکہ یوں ہی ہاتھ تر کر کے ناک صاف کر لے تو سنت حاصل نہ ہوگی جس طرح کہ غسل رجلین ضروری ہے مسح کافی نہیں ہوگا۔ روایۃ الباب باب رفع الصوت بالعلم میں گزر چکی۔ (۱)

باب المضمضة فی الوضو

میں نے بیان کیا تھا کہ مضمضہ میں بہ نسبت استنشاق تاکد کم تھا۔ اس لئے اس کو موخر فرما دیا۔

باب غسل الاعقاب

یہاں اشکال یہ ہے کہ مضمضہ کے بعد غسل الاعقاب میں کہاں پہنچ گئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ غسل الاعقاب اور مضمضہ دونوں وضو کے احکام میں سے ہیں۔ کرمانی نے تو یہ کہہ ہی دیا کہ بخاری نے ابواب الوضو میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی

---

(۱) باب غسل الرجلین الخ یہ ترجمہ شارحہ ہے اور ترجمہ شارحہ کہتے ہیں کہ جس جگہ روایت کے کسی جملہ میں اجمال ہو تو ترجمہ اس کو واضح کر دے تو یہاں روایت کے اندر آ رہا ہے کہ ونمسح علی ارجلنا اس کے معنی میں اجمال ہے تو ترجمہ شارحہ نے بتلا دیا کہ یہاں مسح کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مسح سے مراد غسل ہے اور اس سے روافض پر رد ہو گیا کیونکہ ان کے نزدیک رجلین کا وظیفہ غسل نہیں بلکہ مسح ہے۔ اب یہ کہ اس ترجمہ کو پہلے ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ شریعت کے احکام میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی بلکہ جیسے ہم ان کے مامور ہیں اسی طرح ہم کو کرنا ہے۔ لہٰذا اگر شریعت نے کسی عضو کا وظیفہ غسل بالماء رکھا ہے تو ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم یہ سوچ کر کہ مقصود انقا اور صفائی ہے لہٰذا کپڑے سے ہی انقاء کر لیں جب یہ امر اپنی جگہ پر ہے تو اب پہلے باب کے اندر جو استنثار کا ذکر تھا اس پر مصنف نے اس باب سے تنبیہ کر دی کہ اس میں پانی پہنچانا ضروری ہے صرف کپڑے سے ناک کو پونچھ لینا استنثار نہیں ہے جیسے رجلین کا وظیفہ شریعت نے غسل بتلایا ہے۔ لہٰذا اس کا پانی سے پونچھ لینا کافی نہیں۔ اور علامہ عینی نے یہ توجیہ کی ہے کہ ناک بدن میں ایک جانب ہے اور پیر بدن میں دوسری جانب ہیں۔ اس لئے ناک کے بعد قدم کا وظیفہ بتلا دیا۔ (کذا فی تقریرین)

میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے غرغرہ کے استحباب پر اس باب سے متنبہ فرمایا ہے لیکن چونکہ غرغرہ کے باب میں روایت بخاری کی شرط کے موافق نہیں تھی تو اسے اپنی دقیق نظری سے ایک دوسری طرح ثابت فرما دیا وہ یہ کہ غسل الرجلین فرض ہے اور اعقاب موخر رجلین ہیں اور حضور اقدس ﷺ نے اعقاب کے دھونے میں بڑی تاکید فرمائی ہے اور ویل للاعقاب من النار فرمایا اسی طرح مضمضہ سنت ہے اور غرغرہ موخر فم میں ہوتا ہے۔ تو امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ جب استیعاب فرض میں فرض ہوا تو سنت کے اندر استیعاب کیوں سنت نہ ہوگا۔ وکان ابن سیرین یغسل موضع الخاتم اس سے بھی میرے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اعضائے وضو کو اچھی طرح پانی پہنچانا چاہئے۔

باب غسل الرجلین فی النعلین

علماء کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ رجلین کو نعلین سے نکال کر دھوئے۔ یہ باب بھی بظاہر بے جوڑ ہے۔ مگر میرے نزدیک مناسبت یوں ہے کہ یہ بھی مضمضہ کے باب کا تکملہ ہے اگر کوئی منہ میں پان لئے ہوئے ہو اور اس کو منہ میں ایک طرف کر کے کلی کرے تو یہ کافی نہ ہوگا جیسے کہ نعلین ہی کے اندر غسل کافی نہیں بلکہ نکالنا ضروری ہے۔ رایتک لا تمس من الارکان الا الیمانیین کعبہ کی چار جانب ہیں جو مشرق اور شمال میں ہے۔ اس میں حجر اسود ہے اور جو مشرق اور جنوب کی جانب ہے اسے رکن یمانی کہتے ہیں اور جو مغرب اور جنوب کی جانب ہے اسے رکن عراقی کہتے ہیں اور جو مغرب اور شمال کی جانب ہے اس رکن شامی کہتے ہیں اور اس کی شکل اس طرح ہے:

اور اس کی شکل اس طرح ہے:
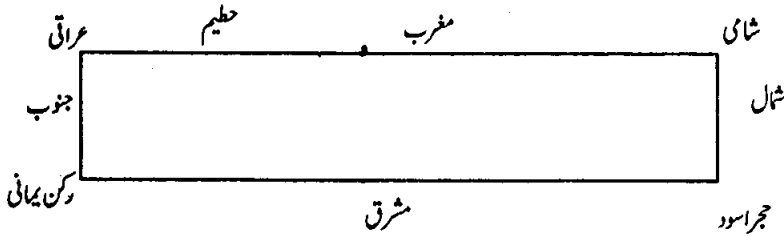
حجر اسود اور رکن یمانی دونوں کو رکنین یمانیین کہتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک حجر اسود کی تقبیل اور رکن یمانی کا استلام ہوگا اور بعض صحابہ جیسے حضرت امیر معاویہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے ہے کہ استلام رکن یمانی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر رکن کا استلام ہوگا مگر جمہور کا مذہب وہی اول ہے اور وہی ائمہ اربعہ کا بھی ہے۔ یہ اختلاف سلف میں تھا اب کوئی اختلاف نہیں ہے تو ابن جریج نے یہ اعتراض کیا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم صرف رکنین یمانیین کا استلام کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو انہی دو کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور حقیقت میں رکن شامی اور رکن عراقی کوئی مستقل رکن نہیں ہے بلکہ وہ ایک دیوار ہے رکن تو کہیں حطیم میں ہوگا۔ لیکن چونکہ حطیم باقی ہے اس لئے بظاہر یہی رکن ہے حقیقتاً نہیں ہے۔

رایتک تلبس النعال السبتیة:

عرب میں تمدن تو تھا نہیں وہاں اونٹ کو ذبح کیا اور اس کی تھوڑی سی کھال لے کر اس میں رسی ڈالدی اور یہی ان کا جوتا ہوگیا۔

بال وغیرہ اتارتے نہیں تھے اور حضور اقدس ﷺ کے پاس بادشاہوں کے یہاں سے تحائف میں عمدہ بلا بال کے جوتے آتے تھے۔ حضور ﷺ ان کو پہنتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت کثیر الاتباع تھے۔ تو جب شاگرد نے اعتراض کیا تو اس کا جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نعال سبتیہ پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ نعال سبتیہ ان جوتوں کو کہتے ہیں جن پر بال نہ ہوں۔ ورایتک اذا کنت بمکة اھل الناس یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے۔ ابن جریج نے اعتراض کیا کہ لوگ جب ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہیں تو احرام باندھ لیتے ہیں۔ اور تم احرام نہیں باندھتے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واما الاھلال فانی لم ار رسول اللہ ﷺ یھل۔ یعنی میں احرام اس لئے نہیں باندھتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذی الحلیفہ میں دیکھا کہ جب آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہورہے تھے تو اس وقت باندھا تھا لہٰذا میں بھی جب اونٹنی پر سوار ہوتا ہوں تو اسی وقت باندھتا ہوں اس میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں کب احرام باندھا تھا حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک مسجد میں نماز کے بعد اور شوافع و مالکیہ کے نزدیک جب اونٹنی پر سوار ہوگئے۔ ان چاروں اشکالوں کو اور ذرا تفصیل سے سنو۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معترض نے چار اعتراض کئے۔ اول یہ کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم صرف رکنین یمانیین کا استلام کرتے ہو بخلاف اور صحابہ کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ جوارکان اربعہ بیت کا استلام کرتے تھے اور بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صرف رکنین یمانیین کا کرتے تھے۔ جن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور اب یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صرف رکنین یمانیین کا استلام کیا جائے گا۔ حجر اسود کی تقبیل اور رکن یمانی کا استلام کیا جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ارکان اربعہ کا استلام کرنے کے قائل ہیں وہ بطور قیاس کے کہتے ہیں کہ لیس شیء من البیوت مھجورا یہ مقولہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مشہور ہے اور جو صرف رکنین یمانیین کے قائل ہیں وہ حضور اقدس ﷺ کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اس لئے حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردیا۔ نیز رکنین یمانیین کے علاوہ دوسرے دوارکان فی الواقع ارکان ہی نہیں ہیں بلکہ وہ ارکان تو کہیں حطیم میں ہوں گے۔ اگر حطیم داخل ہوتا کعبہ میں پھر وہ ارکان فی الواقع ہوتے ورنہ وہ تو مجبوری کی بناء پر ارکان ہیں کیونکہ ان کے ورے حطیم واقع ہے جو جزو کعبہ ہے اور رکنین یمانیین حجر اسود و رکن یمانی کو کہتے ہیں تغلیبا جیسے قمرین کہتے ہیں شمس وقمر کو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اشکال کا جواب دیا کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کو صرف رکنین یمانیین کا استلام کرتے دیکھا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے شدید الاتباع تھے حتیٰ کہ اگر جناب نبی کریم ﷺ نے کسی جگہ استنجاء فرمایا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں استنجا فرمایا چاہے ان کو استنجا کا سخت تقاضا نہ ہو اسی اتباع نبوی میں سے ایک یہ ہے۔ دوسرا اعتراض اس نے یہ کیا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں سبتی جوتا وہ کہلاتا ہے جس پر سے بال اترے ہوئے ہوں۔ عرب میں چونکہ تمدن نہ تھا اس لئے اونٹ بکری ذبح کی اور اس کی کھال کو خشک کیا اور کاٹ کر اس میں تسمے لگالیے بس یہی ان کے جوتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کے پاس بادشاہوں کے یہاں سے عمدہ عمدہ سبتی جوتے بطور ہدیہ آتے تھے اور حضور ﷺ ان کو پہنتے تھے اور پہننا بھی چاہیے تھا کہ اللہ کی نعمت تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم ﷺ کی ان چیزوں میں ریس (دیکھا دیکھی) نہیں کرتے تھے وہ اپنا ویسے ہی پہنتے تھے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ بڑے شدید الاتباع تھے اس لئے وہ جہاں سے بھی ملتا اس کو منگواتے اور پہنتے۔

بہرحال جب معترض نے اعتراض کیا تو جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سبتی جوتے پہنتے دیکھا ہے۔ تیسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ زرد رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زرد رنگ کا کپڑا پہنے دیکھا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا عمومی لباس زرد رنگ کا نہیں تھا بلکہ کبھی پہن لیا ہوگا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ لیا اور اسی کو اختیار فرمالیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ زرد رنگ میں اپنے کپڑوں کو رنگا نہیں کرتے تھے بلکہ چونکہ حضور اکرم ﷺ مہندی کا خضاب کرتے تھے اس کا زرد رنگ لگ جاتا تھا اس کو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ لیا۔

چوتھا اعتراض یہ کیا کہ لوگ تو اول ذی الحجہ کو احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ نہیں باندھتے جب تک کہ یوم الترویہ نہ ہو۔ یہ اعتراض اس لئے کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مکے والوں کو حکم دیدیا تھا کہ یکم ذی الحجہ کو احرام باندھ لیا کریں کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ لوگ باہر سے تو احرام باندھ کر آئیں اور اہل مکہ مخیط کپڑے پہنے پھرتے رہیں تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امتثال امر میں اول ذی الحجہ کو احرام باندھ لیتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آٹھ ذی الحجہ کو یوم الترویہ میں جب منیٰ کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر جانے لگتے اس وقت باندھتے تھے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا جواب دیا کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اس وقت احرام باندھا ہے جب کہ آپ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔

حضور اقدس ﷺ جب مدینہ سے حج کو تشریف لے چلے تو ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا اور مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک تو حضور اکرم ﷺ نے ان دو رکعتوں کے بعد احرام مسجد ہی میں باندھ لیا تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق یہ ہے کہ جب اونٹنی پر سوار ہو گئے تو اس وقت باندھا جیسا کہ مالکیہ اور شوافع کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک جب بیداء پر چڑھے اس وقت باندھا۔ یہ تینوں قول صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے احرام باندھنے میں تینوں طرح کی روایات ہیں جن میں ایک رائے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ ہے کہ آپ نے اس وقت احرام باندھا جب کہ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ اور مکے میں اونٹنی پر اس وقت سوار ہوتے ہیں جب کہ منیٰ کو جانے لگتے ہیں اور یہ ذہاب یوم الترویہ میں ہوتا ہے۔ (۱)

---

(۱) باب غسل الرجلین وفیہ لاتمس من الارکان الخ: بیت اللہ ہماری اس دارالحدیث کے ہم شکل ہے اور چوکور ہے اس کے چاروں کونوں کے نام حجر اسود، رکن یمانی، رکن شامی، رکن عراقی ہیں اور جیسے یہاں جنگلہ لگ رہا ہے ویسے ہی وہاں بھی تھوڑے سے فاصلہ پر پتھر کی دیوار ہے۔ یہ چاروں رکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے تھے لیکن جب دوبارہ قریش نے بیت اللہ کی بناء قائم کی تو مال حلال کے کم ہونے کی وجہ سے بیت اللہ کو اس کی قدیمی بنیاد پر نہ بنا سکے بلکہ ایک حصہ چھوڑ کر چھوٹا کر کے اس کو بنادیا اور باقی حصہ کے اردگرد ایک دیوار علامت کے طور پر کھینچ دی جس کو حطیم کہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں چونکہ قریش والی بناء تھی تو اس کے دو رکن تو قدیم تھے ایک حجر اسود والا اور ایک رکن یمانی اور باقی اور رکن قدیم بناء والے نہیں رہے تھے...... تو حضور اکرم ﷺ طواف کے وقت صرف دو رکنین قدیمین ایک حجر اسود اور ایک رکن یمانی کا استلام فرمایا کرتے تھے اس کے بعد حضرت ابن الزبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دوبارہ بیت اللہ کو بنایا اور حضور اکرم ﷺ کی خواہش کے مطابق بناء ابراہیمی پر اس کو قائم فرمایا تو اس وقت اس کے چاروں کونے اپنے پرانے طرز پر اور پرانی جگہ پر آچکے تھے صحابہ کی ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ جس طرح رکن یمانی کا استلام ہوتا ہے، اسی طرح بقیہ دونوں کا بھی استلام ہوگا۔ لیکن اب یہ اجماعی مسئلہ بن گیا کہ شامی اور عراقی میں استلام وغیرہ کچھ نہیں اس لئے کہ وہ حقیقۃ اس کے کونے نہیں ہیں۔ (کذا فی تقریرین)

باب التيمن في الوضوء

روافض کہتے ہیں کہ وضو میں دائیں طرف سے شروع کرنا واجب ہے اور ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے اور بعض حضرات نے امام شافعی واحمد سے وجوب نقل کر دیا یہ غلط ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ یہ باب بالکل شروع میں ہونا چاہئے تھا۔ اور اب جبکہ استنشاق ومضمضہ، غسل الوجہ والرجلین سب کچھ ہوگیا تو اب ان کو تیمن کی سوجھی مگر میرے نزدیک یہ بالکل برمحل ہے وہ اس طرح کہ وضو میں تیامن ہاتھ اور پاؤں دونوں میں ہوتا ہے۔ لیکن ہاتھ کے تیمن کے متعلق انہوں نے کوئی باب نہیں باندھا اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس کوئی روایۃ نہیں تھی بلکہ اس وجہ سے کہ یدین کے مناسب ان کی شان کے مطابق کوئی ترجمہ نہ مل سکا۔ لیکن رجلین کا باب ذکر فرما کر اس کے بعد تیامن کا ذکر شروع فرمادیا کہ اس میں تیامن کرنا چاہئے اور غسل کو تبعاً ذکر فرمادیا۔ ابدأن بيامنهن یہ اگر چہ غسل میں ہے مگر چونکہ غسل اور وضو میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے دونوں کا تیامن ثابت ہوگیا۔ يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره. طہور کا لفظ اپنے عموم کی بناء پر وضو اور غسل دونوں کو شامل ہے۔

باب التماس الوضوء

یہاں بھی اشکال وہی ہے کہ ابھی وضو تو پورا ہوا نہیں، مسح ہوا نہیں پھر پانی تلاش کرنے میں کہاں لگ گئے مگر میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے مغسولات کو یکجا کر دیا۔ چنانچہ غسل الوجہ، غسل رجلین سب بیان کر چکے کیونکہ ان میں پانی کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے بخلاف مسح کے کہ اس میں تھوڑا سا پانی کافی ہے۔ کیونکہ غسل کہتے ہیں اسالۃ الماء کو اور مسح کہتے ہیں اصابۃ الید المبتلۃ کو اور اصابت چند قطروں سے بھی حاصل ہو جائے گی اس لئے التماس الماء کو مغسولات کے بعد ذکر فرمایا ممسوحات کے بعد نہیں رکھا کیونکہ وہاں اتنی ضرورت نہیں۔ التماس ماء کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہیں کسی جگہ کے متعلق معلوم ہے کہ وہاں پانی نہیں ملتا تو حنفیہ کے نزدیک التماس الماء ضروری نہیں اور حضرت امام شافعی کے یہاں وقت نماز داخل ہونے کے بعد تلاش کرنا ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کہیں سے مل جائے اور یہی امام بخاری کا مذہب ہے حنفیہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں پہلے سے معلوم ہے کہ یہاں پانی نہیں ہے تو پھر کیا ضرورت ہے۔

وقالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت الصبح :

یہ ہار کھو جانے والا واقعہ ہے اس سے امام بخاری نے استدلال کیا کہ دیکھو صلوٰۃ کے بعد التماس ماء کیا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو پہلے سے اس کا بھی علم تھا کہ یہاں پانی نہیں ہے فوضع رسول الله ﷺ یہ پانی کا معجزہ حضور اقدس ﷺ سے متعدد مرتبہ پیش آیا لیکن یہ واقعہ غزوۂ حدیبیہ کا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کو اطلاع کی گئی کہ ایک کنویں سے پانی لیا کرتے تھے وہ بھی خشک ہوگیا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے پانی تلاش کروایا تھوڑا سا کہیں سے مل گیا حضور اقدس ﷺ نے اس میں ید مبارک ڈالدیا اور انگشتان مبارک سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور جانوروں کو پلایا اور مشکیزے وغیرہ بھر لئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے افضل ہے۔ کیونکہ انہوں نے پتھر پر لکڑی ماری اور اس سے بارہ چشمے ابل پڑے اور پتھر سے پانی نکلنا زیادہ عجیب نہیں کیونکہ پہاڑوں سے پانی نکلتا ہی رہتا ہے اور چشمے ابلتے

رہتے ہیں البتہ گوشت سے پانی نکلنا یہ زیادہ تعجب کی بات ہے۔(۱)

باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان

ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہے کہ جس پانی میں بال دھولئے گئے ہوں وہ پاک رہتا ہے یا نہیں؟ یہاں اس باب کے اندر بھی اشکال ہے کہ التماس الماء کے بعد یہ کیا مسئلہ شروع فرما دیا، شراح نے فرمایا کہ چونکہ التماس الماء ذکر فرمایا تھا اس لئے پانی کے اور مسائل بھی ذکر فرما دیئے مگر میرے نزدیک یہ وجہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ التماس الوضوء کی روایت میں گزرا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے برتن میں ید مبارک ڈالا تھا اور اس سے پانی ابلتا تھا۔ اور انگلیوں میں بال ہوتے ہیں تو حضرت امام بخاری نے اس پر تنبیہ فرمانے کے واسطے کہ جس پانی میں بال پڑ جاوے وہ پاک ہے یا نہیں یہ باب باندھ دیا اور اس میں ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ پاک ہے اور حضرت امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہے۔ وکان عطاء لایری به باسا معلوم ہوا کہ وہ پانی جس میں بال ہوا گر نجس ہوتا تو اس سے کیونکر انتفاع حاصل کرتے۔(۲)

وسور الکلاب وممرها فی المسجد:

یہ کوئی مستقل نہیں بلکہ چونکہ امام بخاری کے نزدیک سب کا ایک حکم ہے۔ لہٰذا جب بال کی طہارت کا حکم بیان کیا تو سور الکلب کی طہارت کو ذکر فرما دیا۔ کیونکہ امام بخاری کے نزدیک پانی کی نجاست کا مدار تغیر وعدم تغیر پر ہے جیسا کہ امام مالک کا مذہب ہے اگر تغیر ہو تو ناپاک ہے۔ ورنہ پاک اور شعور کے گرنے سے تغیر نہیں ہوتا، اسی طرح ولوغ کلب سے بھی تغیر نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب وقوع شعور سے ناپاک نہیں ہوتا ہے تو ولوغ سے بھی ناپاک نہیں ہوگا۔ اسی مناسبت سے شعور کے ذکر کے بعد ولوغ کلب کا ذکر فرما دیا اور بتا دیا کہ سور کلب ناپاک نہیں ہے۔

غور سے سنو! سور الکلب میں علماء کے چار مذہب ہیں۔ ایک ائمہ ثلاثہ جمہور کا کہ برتن اور پانی دونوں ناپاک ہیں اور دوسرا مالکیہ اور ظاہریہ اور امام بخاری کا کہ پانی پاک ہے اور برتن کے دھونے کا حکم تعبدی ہے اور تیسرا مذہب امام زہری کا ہے کہ پاک ہے بوقت الضرورت اور چوتھا سفیان ثوری کا مذہب ہے کہ مشکوک ہے لہٰذا وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

وقال الزهری اذا ولغ فی اناء لیس له وضوء غیره: لیس له وضوء غیره سے معلوم ہوا کہ یہ بحکم الضرورۃ ہے اگر دوسرا پانی ہو تو اس سے نہ کرے۔

وقال سفیان هذا الفقه بعینه۔ یعنی امام زہری نے جو فرمایا وہ عین فقہ کی بات ہے کیونکہ تیمم کا حکم عدم وجدان ماء کی صورت میں ہے مگر چونکہ سور کلاب کی روایات اس کے معارض ہو رہی ہیں اس لئے طبیعت میں اس کی جانب شک ہو رہا ہے لہٰذا تیمم و وضو دونوں

---

(۱) باب التماس الوضوء: التماس ماء کے مسئلہ میں امام بخاری کا میلان امام شافعی کے مذہب کی طرف ہے اسی لئے ترجمۃ الباب میں اذ احانت الصلوٰۃ کی قید لگائی۔

(۲) اور امام زہری کے نزدیک اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی موجود ہے تو وہ ناپاک ہے اور وضو اس سے جائز نہیں ہے اور اگر دوسرا پانی موجود نہیں تو وہ پاک ہے اور اس سے وضو کرنا جائز ہے اور سفیان ثوری کے نزدیک پانی مشکوک ہے لہٰذا تیمم اور وضو دونوں کر لے لان تکون عندی شعرة الخ ترجمۃ الباب کا ثبوت اسی جملہ سے ہوتا ہے اس لئے کہ ایک ناپاک شئے دنیا وآخرت سے زیادہ محبوب کس طرح بن سکتی ہے؟ (کذا فی تقریرین)

کرے لان تکون عندی شعرة منه احب الی من الدنیا وما فیها اس سے امام بخاری نے طہارۃ شعر پر استدلال فرمایا ہے کہ کیا ناپاک چیز بھی قابل تمنا ہے ہرگز نہیں۔ کان ابو طلحة اول من اخذ من شعره۔ حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں جب سر منڈایا تو سب سے پہلے موئے مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے انہوں نے بطور تبرک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان تقسیم کیئے۔

باب اذا شرب الکلب فی الاناء

یہ باب امام بخاری نے بطور باب فی الباب کے یہاں ذکر فرمادیا اور بالاستقلال اہمیت کی وجہ سے ذکر فرمادیا۔ فی حد ذاته یہ کوئی مستقل باب نہیں ہے۔ باب سابق میں گزر چکا ہے۔ اذا شرب الکلب فی اناء احدکم روایات اس بارے میں مختلف ہیں کسی میں سات مرتبہ کسی میں عفروا الثامنة بالتراب اور کسی میں تین مرتبہ اسی کے اعتبار سے اب ائمہ کے مذاہب بھی مختلف ہیں حنفیہ کے نزدیک اور نجاستیں جس طرح تین بار دھونے سے طاہر ہو جاتی ہیں اسی طرح ولوغ کلب بھی تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ رہ گئیں سات اور آٹھ مرتبہ دھونے کے متعلق روایات تو احناف ان کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کلب کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کے احکام مختلف ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا تو حضور اقدس ﷺ نے سارے کتوں کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اگر باہر سے کوئی کتا آجاتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے تھے پھر تخفیف ہوئی اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اقتلوا الاسود البهیم پھر اور تخفیف ہوئی تو فرمایا مالی وللکلاب اسی طرح ان کے سور کا حکم ہے کہ بالکل ابتداء میں جب کہ کتوں کے قتل کرنے کا حکم تھا تو یہ بھی حکم تھا کہ ان کا جھوٹا آٹھ مرتبہ دھویا جائے۔ اس کے بعد اقتلوا الاسود البهیم کے زمانے میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہوا اور پھر مالی وللکلاب کے ساتھ تین مرتبہ باقی رہ گیا۔ اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن المغفل سے ایک روایت ہے جس میں مالی وللکلاب کے بعد تعفیر فی الثامنه کا حکم ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ راوی نے دو الگ الگ زمانے کے احکامات کو یکجا کر دیا ہو نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سات مرتبہ دھونے کے راوی ہیں خود ان کا فتویٰ اس کے خلاف تین مرتبہ دھونے کا ہے۔

فاخذ الرجل خفه فجعل یغرف له به:

اس سے امام بخاری نے طہارۃ سور الکلب پر استدلال فرمایا ہے کہ بھلا کوئی اپنے خف کو ناپاک کرے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھلا کوئی اپنے خف کی نجاست کے خوف سے یوں ہی اس کو مر جانے دے گا۔

کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد:

میں نے کہا تھا کہ یہ باب مستقل باب نہیں ہے بلکہ باب فی الباب ہے اس لئے اب دو خلجانوں سے نجات مل گئی ایک تو یہ کہ باب سابق میں سور الکلاب وممرها ذکر فرمایا اور اس کی کوئی روایت نہیں ذکر کی اور دوسرے یہ کہ اس روایت میں شرب کلب کا کوئی ذکر نہیں ہے اور ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس سے سور کلب کی طہارت پر اس طرح استدلال فرمایا ہو کہ اگر ناپاک ہوتا تو مسجد کو ضرور دھویا جاتا اور جب نہیں دھوتے تھے تو معلوم ہوا کہ طاہر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کتوں کے آنے جانے سے مسجد ناپاک نہیں ہوتی بلکہ ان کا لعاب ناپاک ہے آنے جانے سے اس کا کیا تعلق؟ اور اس روایت کے اندر بتول کا لفظ نہیں ہے۔

جہاں بتول کالفظ ہے وہاں اس کا جواب بھی آجائے گا اور یہ لفظ ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے مجھ کو تو کوئی اشکال ہے نہیں بلکہ یہ تو میرا استدلال ہے اس بات کے اندر کہ پیشاب خشک ہو جانے کے بعد زمین طاہر ہو جاتی ہے۔

اذا ارسلت کلبک المعلم:

یہ مسئلہ کتاب الصید والذبائح کا ہے وہاں آئے گا اور اجمالی صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر کلب معلم کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اور اس نے جا کر شکار مارلیا تو اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ کتے نے اس میں سے نہ کھایا ہو اور اگر کھالیا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کلب معلم نہیں ہے۔اس سے امام بخاری نے استدلال فرمایا کہ کلب معلم کے شکار کئے ہوئے شکار کو استعمال کرنا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا سور بھی طاہر ہے ورنہ کھانا کیوں کر جائز ہوتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ کھانا جو جائز قرار دیا گیا ہے گوشت کا ہے نہ کہ اس جگہ کا جہاں سے کتے نے دانت لگایا۔اور اگر دانت لگے گوشت کا کھانا بھی جائز ہو تو روایت پیش کریں۔ قلت ارسل کلبی فاجد معه کلبا اخر . یہ اور مسئلہ ہے جس کی تفصیل کتاب الصید میں آئے گی اجمالا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کلب معلم بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اور اس کے ساتھ کوئی اور کتا لگ گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ بسم اللہ صرف اپنے کتے پر پڑھی گئی ہے اور یہ پتہ نہیں کہ کس کتے نے قتل کیا لہٰذا حلت وحرمت کا اجتماع ہو گیا پس حرمت راجح ہوگی۔ (۱)

باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین القبل والدبر

چونکہ وضو کا ذکر فرمارہے تھے اس لئے نواقض کا ذکر بھی تبعاً فرمادیا، کیونکہ معظم وضوء ہو چکا صرف مسح رہ گیا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ مسائل میں اصل اختلاف المناط ہوا کرتا ہے یہاں بھی مناط میں اختلاف ہے کہ نقض وضو کا مناط کیا ہے۔حنفیہ وحنابلہ کے

---

(۱)باب اذا شرب الکلب الخ امام بخاری نے ایک فائدہ جدیدہ کی بناء پر یہاں مستقل باب منعقد فرمایا ہے اور وہ فائدہ جدیدہ یہ ہے کہ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سور کلب پاک ہے یا ناپاک۔مالکیہ کے نزدیک پاک ہے امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف ہے اور ان دونوں حضرات کے یہاں جس روایت میں سات مرتبہ اس برتن کے دھونے کا حکم ہے وہ امر تعبدی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناپاک ہے امام بخاری نے یہ باب منعقد فرما کر اپنا مذہب ثابت فرمادیا کہ سور کلب پاک ہے کیونکہ باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمادی جس نے اپنے موزے کے اندر ایک کتے کو پانی پلایا تھا تو اگر اس میں پانی پلانے سے وہ ناپاک ہو جاتا تو ایک شے کے ناپاک کرنے پر اس کی مغفرت کیسے ہو جاتی تو اس کا موجب ہونا اس کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔یہ امام بخاری کا استدلال ہے ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے کا موجب ثواب ہونا امر آخر ہے اور اس کا حکم دوسری حیثیات سے دوسرا ہو سکتا ہے، مثلاً حرق، غرق کو حضور اکرم ﷺ نے شہادت قرار دیا ہے تو یہ دونوں موجب ثواب ہیں لیکن دوسری حیثیت سے ان کا حکم دوسرا ہے وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں سے پناہ مانگی ہے تو معلوم ہوا کہ ان کی دو حیثیتیں ہیں اور ہر حیثیت کا حکم الگ الگ ہوگا۔ایسے ہی اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے والدین اس کو اغاثہ کے لئے آواز دیں تو اس پر نماز کے اندر ہی اجابت واجب ہے لیکن اس کی نماز اجابت سے فاسد ہو جائے گی، یہاں بھی دو حیثیتیں ہیں۔ایسے ہی سور کلب کی بھی دو حیثیت ہیں ایک حیثیت سے وہ موجب مغفرت اگر بن جائے تو دوسری حیثیت سے وہ ناپاک بھی ہو سکتا ہے یہ جواب تو میرا ہے اور ایک جواب اس کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اس رجل نے اس موزے کے اندر ہی اس کو پانی پلایا ممکن ہے کہ کوئی گڑھا وغیرہ ہو اور اس کے اندر پانی اپنے موزے سے نکال کر ڈالدیا ہو اور اگر اس موزے سے پانی پیا بھی ہے تو یہ کہاں ہے کہ پھر اس کو اس نے پاک نہیں کیا اور اگر پاک بھی کیا تو یہ کہاں حدیث میں ہے کہ اس موزے سے اس نے نماز وغیرہ پڑھی جب یہ سب احتمالات ہیں تو ایسی صورت میں استدلال عدم نجاست پر ممکن نہیں۔(س)

نزدیک مناط خروج نجس ہے کہیں سے بھی ہولہٰذا پیشاب پاخانہ کی طرح اگر خون بدن کے کسی حصے سے نکل آوے تو وہ بھی ناقض ہوگا اور شوافع کے نزدیک مخرجین ہیں۔ اگر ان سے کوئی چیز نکل جائے تو وہ ناقض ہوگی اگر سنگریزہ نکل جائے تو وہ بھی ناقض وضو ہوگا۔ اگر چہ اس پر نجاست نہ ہو۔ حضرات مالکہ کے یہاں خروج معتاد بھی مخرجین کے ساتھ شرط ہے۔ لہٰذا اگر استحاضہ ہو یا سلس البول تو ان کے یہاں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ خروج معتاد نہیں ہے اور شوافع کے یہاں ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ مخرج معتاد پایا گیا۔ امام بخاری کا مذہب مناط میں شافعیہ کے قریب قریب ہے لیکن امام بخاری کے نزدیک مس ذکر اور مس المراۃ اور قہقہہ وغیرہ ناقض نہیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مذہب سارے مذاہب سے علیحدہ ہے۔

وقال عطاء فیمن یخرج من دبرہ الدود الخ: اس مسئلہ میں امام احمد خاص طور سے شوافع کے ساتھ ہیں اور ہمارے یہاں تفصیل ہے اگر اس پر تری ہو تو ناقض اور اگر خشک ہو تو ناقض نہیں ہے اور مالکیہ کے یہاں خروج معتاد نہ ہونے کے سبب ناقض نہیں ہے اور چونکہ تابعی کا قول ہے اور امام صاحب تابعین کے مقابلہ میں ارشاد فرماتے ہیں **ھم رجال ونحن رجال** کیونکہ امام صاحب خود تابعی ہیں۔

وقال جابر بن عبداللہ اذا ضحک فی الصلوۃ اعاد الصلوۃ یوں کہا گیا ہے کہ یہ احناف پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ یہ ہم پر رد نہیں ہے کیونکہ ہم بھی کہتے ہیں کہ ناقض قہقہہ ہے نہ کہ ضحک اور یہاں ضحک ہے۔

وقال الحسن ان اخذ من شعرہ او اظفارہ الخ ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے کہ وضو ضروری نہیں ہے لیکن بعض سلف حماد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی بال منڈائے یا ناخن تراشے تو اس پر وضو ضروری ہے **خلع خفیہ** پر کلام مستقل آئیگا اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اگر خلع خفین کیا جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا جب بھی جی چاہے پیر دھولے یہی امام احمد کی ایک روایت ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا اور امام مالک کے نزدیک اگر فوراً دھولیا تو نہ ٹوٹے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ ان کے یہاں موالات شرط ہے۔

فرمی رجل بسھم :

یہ ایک غزوہ کا واقعہ ہے حضور اکرم ﷺ نے دو آدمیوں کو پہرے کے واسطے مقرر فرمایا جن میں ایک انصاری تھے دوسرے مہاجری۔ دونوں نے آپس میں صلاح کی کہ آدھی رات ایک سوئے اور آدھی رات دوسرا۔ ابتداء مہاجری سو گئے انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی دشمن کا آدمی آیا اس نے ان کو کھڑا دیکھ کر تیر مارا انہوں نے نکال کر پھینک دیا اور نماز میں مشغول رہے اس نے دوسرا مارا اسکو بھی نکال دیا اس نے پھر تیسرا مارا اس پر انہوں نے اس مہاجری کو جگا دیا۔ **فلما رای مابالانصاری من الدماء**۔ امام بخاری نے اس سے استدلال فرمایا کہ وہ انصاری خون نکلنے کے باوجود نماز پڑھتے رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خون نکلا تو ان کا بدن ناپاک ہو گیا پھر ناپاکی کے ساتھ کیا نماز ہوئی۔ لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا یا غایت استغراق میں پڑھتے گئے۔ امام نووی نے فرمایا کہ وہ خود دھار باندھ کر نکلا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خون شروع میں دھار سے نکل کر بدن سے الگ ہو کر گرتا ہے تو آخر میں جب اس کا زور ختم ہوتا ہے تو وہ بدن پر بہنا شروع ہو جاتا ہے اور **مابہ من الدماء** تو خود امام نووی کی تاویل کے خلاف ہے۔

وقال الحسن مازال المسلمون یصلون فی جراحاتھم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ زخموں کے ساتھ بھی نماز پڑھتا رہے

چھوڑ نہ بیٹھے اور جراحت کے ساتھ نماز پڑھنے سے یہ کہاں لازم آگیا کہ خون مسفوح سے وضو نہیں ٹوٹتا مسلمان پٹی باندھ کر وضو کر کے نماز پڑھتے تھے اس میں کیا استعجاب ہے۔

وقال طاوس ومحمد بن علي وعطاء واهل الحجاز ليس في الدم الوضوء اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب تابعی ہیں۔ اور یہ ان کا مذہب ہے اور ہمارے امام صاحب بھی تابعی ہیں **وعصر ابن عمر** اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اخراج ہے خروج نہیں ہے، **قال الصوت** یعنی **الضرطه** یہاں اختصار ہے ورنہ روایت سابقہ کے اندر **فساء او ضراط** دونوں ہیں اسی لئے میں نے کہا تھا کہ خصوص الفاظ کا اعتبار نہیں ہے **قلت ارئيت اذاجامع ولم يمن** یہ مسئلہ آگے آرہا ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس میں اختلاف تھا کہ اگر جماع کے بعد منی خارج نہ ہو تو غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ ایک جماعت وجوب غسل کی قائل ہے دوسری منکر مگر اب وجوب اغتسال پر اجماع ہے۔

قال عثمان يتوضا یہ ان کا مذہب ہے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف تھا۔

فسألت عن ذلک والزبير وطلحة وابى ابن كعب فامروه بذلک، ان سب کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا مسلک اور مذہب ہے۔ **اذا اعجلت او قحطت فعليک الوضوء** داؤد ظاہری کی یہی رائے ہے اور بخاری سے بھی نقل کیا گیا ہے اور ان حضرات کا استدلال **انما الماء من الماء** والی روایت سے ہے مگر جمہور کے نزدیک وہ منسوخ ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ احتلام پر محمول ہے اور حدیث الباب جمہور کے نزدیک ابتداء پر محمول ہے۔ (۱)

---

(۱) **باب من لم ير الوضوء الا من المخرجين**۔ اشکال یہ ہے کہ وضو ابھی پورا نہیں ہوا کیونکہ مسح علی الراس وغیرہ کے مسائل آگے آرہے ہیں تو درمیان میں وضو کے نواقض وضو کا ذکر کیوں کر دیا گیا۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس سے قبل کے ابواب میں نجاست ظاہریہ کا ذکر فرمایا تھا جیسے سور کلب، بال کا پانی میں ڈوب جانا تو ان کے ناپاک ہونے کا ذکر تھا تو اس کی مناسبت سے اب نجاسات باطنیہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ امام بخاری نے اپنا مذہب ثابت کرنے کے لئے استدلال میں قرآن پاک کی آیت **او جاء احدمنكم من الغائط** پیش فرمائی ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ اس کے اندر مخرج معتاد کا ذکر ہے لیکن اس میں حصر تو نہیں ہے لہٰذا ہم پر حجت نہیں ہے۔ **وقال ابوهريرة لاوضوء الا من حدث** یہ بھی حنفیہ پر حجت نہیں ہے کیونکہ یہاں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے **ويذكر عن جابر الخ** یہاں **ويذكر عن جابر** کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ روایت بخاری کے اندر نہیں آئے گی۔ کیونکہ شرط کے مطابق نہیں ہے **وقال الحسن مازال المسلمون** ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہم پر حجت نہیں ہے **هم رجال ونحن رجال** اگر یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہوتا تو حجۃ بھی سمجھا جاتا **وعصر ابن عمر** یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی پھنسی پھوڑ دی تھی اس سے خون نکلا لیکن انہوں نے وضو نہیں فرمایا ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ دم مسفوح نہ ہو اور دم غیر مسفوح سے ہمارے نزدیک بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ **ولم يقل غندر ويحيىٰ عن شعبة الوضوء**۔ اس کے مطلب میں اختلاف ہے علامہ کرمانی اور ان کا اتباع کرتے ہوئے قسطلانی کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں صرف **فعليک** فرمایا اور **الوضو** کا لفظ چھوڑ دیا قرینہ کی وجہ سے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں نے وضو کا ذکر مطلقاً نہیں کیا یعنی پورا جملہ **فعليک الوضوء** نہیں ذکر کیا بلکہ جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے اس کے بجائے **فلا غسل عليک** وارد ہے۔ (س)

باب الرجل یوضی صاحبه

صاحب درمختار نے کہہ دیا کہ یہ حدیث بیان جواز کے لئے ہے اس پر علامہ شامی نے اشکال کیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ صاحب درمختار کا قول صحیح نہیں ہے بلکہ استعانت کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ کسی سے لوٹا مانگ لے یہ جائز ہے بلکہ بعض اوقات اولیٰ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور دوسرے یہ کہ پانی کوئی ڈالے اور متوضی خود اپنے ہاتھ سے اپنے اعضاء دھوئے یہ بھی جائز ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی دوسرا پانی ڈالے اور وہی دھوئے یہ بلا ضرورت مکروہ ہے۔ (۱)

باب قرأة القراٰن بعد الحدث وغیره

حافظ ابن حجر وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں ای غیر الحدث من مظان الحدث علامہ عینی نے اس پر اعتراض کیا کہ مظان حدث اگر حدث ہیں تو پھر وغیــرہ کہنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر نہیں ہیں تو وہ ناقض وضو ہی نہیں پھر اس کے ذکر کی کیا ضرورت پھر فرماتے ہیں کہ غیــرہ کی ضمیر قراءت کی طرف راجع ہے یعنی غیر قراءت قرآن مثلاً کتابت قرآن وغیرہ اور میرے نزدیک ضمیر حدث کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد حدث اکبر ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے یہ صورت اس لئے اختیار نہیں کی کہ بخاری اس صورت میں جمہور کے خلاف ہو جائیں گے۔ لیکن میرے نزدیک کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ بخاری مجتہد ہیں اب جبکہ وغیرہ کی ضمیر حدث کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد حدث اکبر ہے تو مطلب یہ ہوا کہ یہ باب ہے قرأت قرآن کا بحالت حدث اور بحالت جنابت اس صورت میں دو مسئلے ہو گئے۔ ایک اجماعی دوسرا اختلافی۔ اول جو اجماعی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا بلا وضو پڑھنا بالا جماع جائز ہے اور دوسرا اختلافی ہے وہ یہ کہ حالت جنابت میں قرآن پڑھنا جائز ہے یا نہیں ظاہریہ کے نزدیک مطلقا جائز ہے اور یہی بخاری نے اختیار کیا ہے اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مطلقا جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک مادون الآیة تو جائز ہے لانه لا یعد قرانا اور اس سے زیادہ جائز نہیں۔ فانه قران اور مالکیہ کے نزدیک ایک آیت جائز ہے کیونکہ یہ قرآن نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتبارک الله احسن الخالقین کہہ دیا جو ایک آیت ہے تو معلوم ہوا کہ آیت کی تحدید نہیں ہے اور قرآن پاک کی تحدید ہے ہاں مثل اقصر سورت جائز نہیں ہے اور اگر غیــرہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کریں تو اس صورت میں مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ غیر القرآن سے مراد اذکار ہونگے اور جب قرآن بحالت حدث جائز ہے تو اذکار بدرجہ اولیٰ جائز ہوں گے۔

وقال منصور عن ابراهيم لاباس بالقرأة فی الحمام:

چونکہ حمام میل کچیل اور نجاست وغیرہ زائل کرنے کی جگہ ہے لیکن وہاں بھی قرآن پڑھ سکتا ہے تو اسی طرح حالت حدث میں بھی پڑھ سکتا ہے ویکتب الرسالة علی غیر وضوء اور لکھنے پڑھنے میں کوئی فرق نہیں لہٰذا پڑھنا بھی جائز ہوگا۔ وقال حماد عن

---

(۱) باب الرجل یوضی صاحبه الخ شراح حدیث کے نزدیک اس بات سے استعانت فی الوضو کو ثابت کرنا ہے اس پر اشکال ہوگا کہ یہ مسئلہ درمیان وضو میں کیوں لائے بلکہ بلا مناسبت کے اس کو اخیر میں ذکر کرنا چاہئے تھا لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ یہ باب در باب ہے چونکہ پہلے باب تھا کہ ماخوج من المخوجین سے وضو کا نقض ہوتا ہے تو وہی مسئلہ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا جو اس باب میں ہے وہ اس طرح کہ حضور ﷺ استنجاء سے تشریف لائے اور وضو فرمایا لیکن چونکہ اس حدیث سے ایک جدید فائدہ معلوم ہو رہا تھا استعانت علی الوضو کا اس لئے اس فائدہ پر تنبیہ کرنے کے واسطے مستقل باب باندھ دیا۔ (س)

ابراھیم معلوم ہوا کہ حدث کا اعتبار نہیں بلکہ ستر وعدم ستر کا اعتبار ہے۔

فاضطجعت فی عرض الوسادۃ واضطجع رسول اللہ ﷺ واھلہ فی طولھا:

یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی مگر وہاں یہ جملہ نہیں آیا تھا وسادہ لغت میں تکیہ کو کہتے ہیں۔ شراح فرماتے ہیں کہ چونکہ تکیہ کے عرض وطول میں سونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس لئے تکیہ بول کر مجازا گدا مراد لیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور زوجہ مطہرہ تو طول میں لیٹ گئیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ پائتی لیٹ گئے۔ جیسے عورتیں کرتی ہیں کہ جب بچے زیادہ ہوں تو ایک دو کو پہلو میں اور ایک دو کو پیروں کی طرف لٹا دیتی ہیں۔ میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں معنی مجازی مراد لینے کی کیا ضرورت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تکیہ تھا اس کے طول میں سر رکھ کر حضور اکرم ﷺ اور زوجہ مطہرہ سوگئیں اور عرض میں سر رکھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سو گئے اور اگر یہاں وسادہ سے گدہ مراد لیا جائے تو ایک تو مجازی معنی مراد لینے پڑتے ہیں دوسرے یہ کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ پیروں کی طرف لیٹیں گے تو اگر انہوں نے کروٹ لی تو ادھر حضور ﷺ کے پاؤں میں آجائیں گے اور اگر ادھر حضور ﷺ نے پیر مبارک پھیلائے تو ان پر پڑ جائیں گے لہٰذا یہاں اولیٰ معنی حقیقی کا مراد لینا ہے کیونکہ شراح کے قول میں تو دو اشکال پیش آجاتے ہیں۔

فجعل یمسح النوم بیدہ عن وجھہ:

یہاں یہ مقصود ہے کہ اس جملہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن بحالت حدث پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ حضور ﷺ بیدار ہونے کے بعد بلا وضو کئے ہوئے پڑھا ہے اور اگر تم یہ کہو کہ حضور ﷺ کا قلب اطہر چونکہ بیدار رہتا تھا اس لئے آپ ﷺ کا وضو نہ ٹوٹا ہوگا تو ہم ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے استدلال کرلیں گے وہ فرماتے ہیں **فصنعت مثل ماصنع** یہ اپنے عموم کی وجہ سے قرأت آیات کو بھی شامل ہو گیا۔ **فوضع یدہ الیمنی علی راسی** یہ تنبیہ کرنے کے لئے اور نیند زائل کرنے کے واسطے تھا۔ **ثم رکعتین ثم اوتر** اس پر کلام ابواب الوتر میں آوے گا کہ حضور اقدس ﷺ نے رکعتین کتنی مرتبہ پڑھیں اور پھر اس سے ایتار برکعۃ لازم آتا ہے۔ یا ایتار بثلث رکعات۔

باب من لم یتوضأ الا من الغشی المثقل

غشی دو قسم کی ہوتی ہے ایک مثقل دوسرے مخفف، مخفف یہ ہے کہ حواس پورے طور پر زائل نہ ہوں۔ بلکہ کچھ باقی رہیں۔ اور مثقل یہ ہے کہ پورے زائل ہو جائیں اور کچھ خبر نہ رہے۔ مثقل تو سب کے نزدیک ناقض وضو ہے البتہ مخفف کے اندر بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وہ بھی ناقض ہے۔ یہاں سے امام بخاری ان لوگوں پر رد فرماتے ہیں جو مطلقا غشی کو ناقض شمار کرتے ہیں۔ **فاذا الناس قیام یصلون** یہ روایت کتاب العلم میں باب الفتیا باشارۃ الید والراس میں گزر چکی ہے **فقمت حتی تجلانی الغشی** حضرت امام بخاری نے استدلال فرمایا ہے کہ دیکھو نماز پڑھ رہی تھیں اور غشی مخفف بھی تھی جب ہی تو سر پر پانی ڈال رہی تھیں۔

فیقال لہ ماعلمک بھذا الرجل:

اس پر میں پہلے بھی کلام کر چکا ہوں اور وہاں میں نے اس کی پانچ وجوہ بیان کی تھیں جن کو اجمالا یہاں بھی سن لو۔ اول یہ کہ اصل میں **بمحمد** ہے (ﷺ) جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کسی راوی نے **بھذا الرجل** بنا دیا۔ دوسرے یہ کہ فرشتے **بھذا الرجل** کے

ساتھ دریافت کرے گا کیونکہ مقصود امتحان ہے اور امتحان میں اخفا ہوتا ہے اور تیسرے یہ کہ حضور اقدس ﷺ کی شبیہ مبارک سامنے لائی جائے گی اور چوتھے یہ کہ وہ عالم برزخ ہے اس لئے وہاں پردے حائل نہ ہوں گے اس وجہ سے حضور اقدس ﷺ اپنی قبر اطہر ہی سے لوگوں کو نظر آجائیں گے اور فرشتہ آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا اور پانچویں یہ کہ حضور کریم ﷺ بنفس نفیس تشریف لائیں گے ۔ فقد علمنا ان کنت لمؤمنا ۔ یعنی ہم تجھ کو تیرے چہرہ سے ہی پہچان گئے تھے کہ تو مسلمان ہے اور بھائی بات بھی یہی ہے کہ اچھا اور برا آدمی چہرے سے ہی پہچان لیا جاتا ہے ۔ شیعوں کو دیکھو کہ ان کے چہروں پر کیسی لعنت برستی ہے؟

باب مسح الرأس كله

حضرت امام بخاری مغسولات کے بیان سے فارغ ہو گئے اور اس کے متعلقات بھی بیان فرما چکے تو اب ممسوحات کا ذکر فرماتے ہیں یہاں مسح الراس کا ذکر ہے اس کے بعد مسح الخفین ذکر فرمائیں گے ، مسح الراس میں ائمہ کے مذاہب یہ ہیں کہ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں استیعاب فرض ہے اور یہی امام بخاری کا مذہب ہے اور حنفیہ کے یہاں ناصیۃ والی روایت کی بناء پر چار انگلی کے بقدر فرض ہے اور شوافع کے یہاں ادنی مایطلق علیه اسم المسح ولو کان بقدر ثلث شعرات ہے ۔ مگر بھائی یاد رکھو کہ پورے سر کا مسح کر لیا کرو کیونکہ اس میں اپنے امام کی مخالفت لازم نہیں آتی اور حق ان چاروں مذاہب کے اندر دائر ہے اگر پورے سر کا مسح نہ کیا تو دو اماموں کے مذہب کی بناء پر نماز ہی نہ ہوگی اس لئے بہت خیال رکھو ۔

وقال ابن المسيب المرءة بمنزلة الرجل تمسح علی راسها یعنی عورت کے لئے بھی مرد کی طرح مسح راس کا حکم ہے اور یہاں بھی مقدار فرض کے اندر وہی اختلاف ہے جو مرد کے لئے مسح راس میں ہے البتہ امام احمد کے نزدیک عورت کے لئے استیعاب شرط نہیں ہے ۔

وسئل مالک یعنی حضرت امام مالک سے یہ سوال کیا گیا کہ بعض رأس کا مسح کرنا کافی ہے تو انہوں نے عدم جواز مسح بعض الرأس پر عبداللہ بن زید کی روایت سے استدلال کیا کیونکہ اس میں **بدأ بمقدم راسه حتی ذهب بهما الی قفاه ثم ردهما الی المكان الذی بدأمنه** ہے اور اس سے استیعاب معلوم ہوتا ہے **ان رجلا قال لعبدالله بن زيد وهو جد عمر و بن يحيیٰ** بخاری کی روایت بالکل صاف ہے اور ھو کی ضمیر رجلا کی طرف راجع ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن زید سے یہ کہا ۔ اور وہ رجل عمرو بن یحی کے دادا ہیں ۔ یہاں ایک بات سنو چونکہ دادا کے بھائی اور باپ کے چچا بھی دادا ہی ہوا کرتے ہیں اس لئے یہاں پر جد سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقتاً وہ رجل عمرو بن یحی کے حقیقی دادا نہیں ہیں بلکہ حقیقی دادا تو عمارۃ بن ابی حسن ہیں اور سلسلۂ نسب یوں ہے عمرو بن یحی بن عمارۃ بن ابی الحسن اور وہ رجل عمرو بن ابی حسن ہیں جو عمارۃ بن ابی الحسن کے بھائی ہیں ۔ بہر حال بخاری کی روایت میں تو کوئی اشکال نہیں لیکن ابوداؤد شریف اور موطا امام مالک وغیرہ کی روایات میں کسی راوی سے اختصار واقع ہو گیا اور اس نے ان رجلا کو حذف کر دیا ۔ اب وہاں عبارت یہ رہ گئی عن ابيه انه قال لعبدالله بن زيد وهو جد عمر و بن يحیٰ اس صورت میں ضمیر عبداللہ بن زید کی طرف لوٹتی ہے مگر یہ عبداللہ بن زید ، عمرو بن یحی کے اجداد میں سے نہیں ہیں اس لیے شراح اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ وہ من قبل الام یا رضاعی ہوں گے مگر یہ سب غلط ہیں صحیح وہ ہے جو بخاری شریف کی روایت میں ہے ۔

فاقبل بهم او ادبر :

اقبال کے معنی ہیں پیچھے سے آگے کی طرف آنا اور ادبار کے معنی ہیں آگے سے پیچھے کو جانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء پیچھے کی

جانب سے کی اور آگے جو جملہ مفسراً آرہا ہے یعنی بدأبمقدم راسه الخ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ابتداء آگے کی جانب سے فرمائی لہٰذا جملتین میں تعارض ہوگیا۔ بعض حضرات نے جملہ اولیٰ یعنی فاقبل بهما و ادبر کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ وہ کسی راوی کی تفسیر ہے اور مدرج ہے۔ اسی لئے وکیع وغیرہ کہتے ہیں کہ مؤخر راس سے ابتداء کرنی چاہئے مگر ادراج کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ بدایۃ من مقدم الراس سنت ہے اور بدأبمقدم راسه سے استدلال کرتے ہیں اس کے مفسر ہونے کے سبب سے۔ اب فاقبل بهما و ادبر ان کے خلاف پڑتا ہے تو جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اقبال باب افعال سے ہے جس کا خاصہ صاحب الماخذ ہونا بھی ہے تو یہاں مطلب یہ ہے کہ صاحب القبل ہوگئے۔ اس صورت میں تخالف نہیں رہا۔ کیونکہ مطلب یہ ہوا کہ بدأبقبل الراس اور دوسرا جواب اس سے اولیٰ یہ دیا گیا ہے کہ فاقبل بهما و ادبر کے اندر واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ مطلق جمع کے لئے ہے اور اس پر دلیل باب الوضو من التور میں فادبربه و اقبل ہے وہاں ادبار کو مقدم کردیا۔ (۱)

باب غسل الرجلين الى الكعبين

یہاں اشکال یہ ہے کہ غسل الرجلین گزر چکا اور میں بھی ابھی ابھی یہ کہہ چکا ہوں کہ امام بخاری مغسولات سے فارغ ہوکر ممسوحات شروع کررہے ہیں۔ لہٰذا بعض مشائخ درس کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ باب ذکر فرما کر رجل کا محل غسل بتادیا کہ مسح راس کے بعد ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اب تک تو امام بخاری کو ترتیب کا خیال نہ آیا اور اب ترتیب شروع کردی بلکہ یہاں دو چکی کے پاٹ ہیں ایک اوپر کا دوسرا نیچے کا۔ اول یہ کہ یہ باب سابق کا تکملہ ہے اور امام بخاری اس باب سے بھی استیعاب راس ثابت فرمارہے ہیں کہ جب رجلین جو کہ اعضاء وضو میں سے ہیں ان کو کامل دھویا جاتا ہے تو مسح بھی سارے سر کا ہوگا۔ اور دوسرا یہ کہ سنن کی روایت میں الاذنان من الراس آیا ہے وہ تو امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو تو ذکر نہیں فرمایا البتہ اس کی طرف اس باب سے ایک لطیف اشارہ فرمادیا کہ جیسے رجلین کعبین تک دھوئے جاتے ہیں اسی طرح اذنان سر کے لئے کعبین ہیں لہٰذا ان کا بھی مسح ہونا چاہئے۔

باب استعمال فضل وضوء الناس

فضل کے معنی بچے ہوئے کے ہیں۔ اور فضل الوضو سے دو چیزیں مراد ہوتی ہیں ایک وہ پانی جو وضو کرنے کے بعد لوٹے میں بچ جائے اور دوسرا وہ جو اعضاء وضو پر بہادیا جائے جس کو ماء مستعمل کہتے ہیں یہاں پر علماء کے دونوں قول ہیں۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ اس

---

(۱) باب مسح الراس کله: امام بخاری نے کله کی قید لگا کر مسح راس میں استیعاب کی طرف اشارہ فرمادیا۔ فاقبل بهما و ادبر میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ روایت جس سے موخر راس سے ابتداء کرنا معلوم ہوتا ہے اور ایسے ہی ربیع بنت معوذ والی روایت جس کے اندر کل جهة لمنصب شعره او کما قال النبی ﷺ اس قسم کے الفاظ وارد ہیں کہ آپ سر کے مسح کے لئے ماء جدید لیتے اور سر کا مسح کرتے تھے جس طرف بالوں کا رخ ہوتا تھا یہ دونوں روایتیں عارضی اور ایک خاص وقت کے لئے ہیں اور وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ بال رکھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالوں میں کبھی کبھی مانگ بھی نکال دیا کرتی تھیں تو جب مانگ نکلی ہوتی تھی تو اس وقت حضور ﷺ پہلے سر کے پچھلے حصہ کا مسح فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد آگے کے حصہ کا مسح فرماتے تھے اس طرح پر کہ مانگ خراب نہ ہو اور ابداء موخر اس سے اس لئے کرتے تھے کہ اگر مقدم رأس پر مسح پہلے کریں گے تو سر کے پیچھے بال کھڑے ہوجائیں گے اور جب موخر کا مسح کریں گے تو ان کے دبنے سے آگے کے بال اوپر کھڑے ہوجائیں گے۔ اس صورت میں مانگ خراب ہوجائے گی اس لئے ابتداء بموخر الراس فرماتے تھے اور عام حالات کے اندر ابتداء بمقدم الراس فرماتے تھے اور دو یا تین مرتبہ پانی لینے کی ضرورت یا جدید پانی کے لئے ضرورت نہیں پڑتی تھی اس جواب پر تمام احادیث میں جمع ہوجائے گا۔ (س)

کے بعد باب بلاترجمہ آرہا ہے اور باب بلاترجمہ باب سابق کا جزو ہوا کرتا ہے تو امام بخاری نے اس باب میں تو فضل بمعنی الماء المستعمل مراد لیا اور دوسرے میں فضل بمعنی الباقی فی الاناء بعد الوضو ذکر فرمایا ہے اب یہاں سوال یہ ہے کہ یہ بیچ میں کہاں سے آگیا کہاں ممسوحات کا ذکر ہو رہا تھا اور کہاں فضل الوضوء شروع کر دیا، میری رائے یہ ہے کہ چونکہ مسح راس کا ذکر فرمایا تھا اور روایت میں بدابمقدم راسه الخ تو جب سر پر ہاتھ رکھ کر بھولیں گے تو ماء مستعمل کا استعمال لازم آتا ہے کیونکہ جو ہاتھوں میں لگا ہوا ہے وہ سر کے کچھ حصے سے الگ ہو چکا ہے تو امام بخاری نے ماء مستعمل کی طہارت ثابت فرمائی۔ علماء کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ مالکیہ کے یہاں طہور ہے اور شوافع وحنابلہ کے یہاں طاہر ہے اور حنفیہ کے یہاں دو روایتیں ہیں۔ ایک طہارت کی، دوسری نجاست کی، ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ ابھی وہ مستعمل کہاں ہوا ہے ابھی تو وہ ہاتھ ہی کو لگ رہا ہے۔ امام بخاری کا رجحان مالکیہ کی طرف ہے۔

ان یتوضأ وابفضل سواکہ یعنی حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مسواک پانی میں ڈال ڈال کر کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو اس سے وضو کرنے کا حکم دیتے تھے تو یہاں ماء مستعمل کا استعمال لازم آیا کیونکہ اسی پانی میں استعمال کی ہوئی مسواک ڈالی جاتی تھی لہٰذا اگر ماء مستعمل طاہر نہیں تھا تو حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟

فجعل الناس یاخذون۔ یہ ماء مستعمل ہوا کیونکہ اگر لوٹے کا بچا ہوا ہوتا تو کوئی ایک لے لیتا بین یدیه عنزة اس کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں فغسل یدیه ووجهه فیه یہ ماء مستعمل ہو گیا ثم قال لهما اشربا یہ کتاب المغازی کی روایت ہے وہیں آئے گی ان میں ایک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے ان کے کوئی اور ساتھی تھے اس سے بھی طہارت معلوم ہوئی جب ہی تو پینے کا امر فرمایا۔ وافرغا علی وجوهکما ونحورکما تبرک کے واسطے وهو الذی مج رسول الله ﷺ یہ روایت باب متی یصح سماع الصغیر میں کتاب العلم میں گزر چکی یہ بھی ماء مستعمل بن گیا کیونکہ حضور ﷺ نے اس میں کلی فرمادی وقال عروة عن المسور وغیره یہ صلح حدیبیہ کی ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے۔ جو کتاب الشروط میں آرہی ہے، اس میں یہ ہے کہ عروہ نے جا کر دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ وضوء فرما رہے تھے اور صحابہ کرام اس پانی پر جو گر رہا تھا ٹوٹے پڑے تھے وہ جب قریش کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں کسی کے مصاحبین اس طرح اس کی عزت نہیں کرتے جس طرح کہ محمد ﷺ کے اصحاب کرتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور اپنے چہرے اور سینے پر ملتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھی سے لے کر اپنے چہرے اور سینے پر مل لیتا ہے۔ یہ روایت میرے لئے اس بات پر دلیل ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں فضل سے مستعمل مراد لیا ہے کیونکہ یہاں جو واقعہ ہے وہ حدیبیہ کا ہے اور حضور اکرم ﷺ اس وقت وضو فرما رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر ٹوٹ رہے تھے۔ یصدق کل واحد منهما صاحبه۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عروہ نے مسور کے علاوہ اور دوسرے سے بھی یہ روایت نقل کی ہے سب کے مضمون ایک ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) باب استعمال فضل الخ: استعمال فضل وضو میں حضرت امام ابوحنیفہ کا قول مرجوع عنہ یہ ہے کہ وہ نجس ہے چونکہ امام صاحب پر ایک وقت ایسا گزر رہا ہے کہ ان پر اسی چیز کا انکشاف ہو جاتا تھا کہ پانی سے کون کون سے گناہ معاف ہوئے ہیں تو اس لحاظ سے وہ پہلے اس کی نجاست کا حکم لگاتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے بہت دعائیں کیں کہ اے اللہ! مجھ سے لوگوں کے عیوب چھپا لیجئے۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اس کے بعد پہلے قول سے رجوع فرما لیا۔ ان یتوضؤا بفضل سواکہ شراح کو یہاں اعتراض یہ ہے کہ یہ جملہ ترجمۃ الباب کے بالکل مناسب نہیں۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ للفم مسواک کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ السواک مطهرة للفم اور وضو بھی مطهرة للبدن ہے چونکہ دونوں میں مطہرہ ہونے کی صفت مشترک ہے اس لئے اس جملہ کو ذکر فرما دیا قال ابو موسیٰ الخ یہ قصہ صفحہ ۶۲۰ پر آرہا ہے اس مضمون سے امام بخاری نے اس پر استدلال کیا ہے کہ فضل ماء طاہر ہے۔

باب

یہ باب بلاترجمہ ہے یہاں حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ آنے والی روایت میں احتمال یہ ہے کہ ماء باقی فی الاناء مراد ہو تو باب اول کے مغائر ہے یا ماء مستعمل فی الاعضاء ہو تو موافق ہوگی اور اس میں خاتم کا ذکر تھا اس لیے تنبیہ کے واسطے باب باندھ دیا۔ حضرت نے اپنی یہ رائے لامع میں نہیں بلکہ ایک اور تقریر میں ارشاد فرمائی ہے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ اول سے مستعمل اور دوسرے سے مابقی فی الاناء کے متعلق کلام فرمارہے ہیں چونکہ امام بخاری نے فضل بمعنی المستعمل کا حکم بیان کیا تھا اس لئے معاً فضل بمعنی الباقی کو بھی ذکر فرمادیا وقع ای وجع فمسح راسی بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری سر میں تھی۔ اور میں کہتا ہوں کہ سر میں ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ بچوں کے سر پر تو ہاتھ پھیرا ہی کرتے ہیں۔

فشربت من وضوء ہ : یہاں میرے نزدیک وضو سے مراد مابقی فی الاناء ہے۔ کیونکہ فضل بمعنی المستعمل تو گزر چکا۔ مثل زر الحجلة یہ لفظ دو طرح پڑھا گیا ہے ایک بتقدیم الزای علی الراء اس وقت اس کے معنی گھنڈی کے ہوں گے اور حجلہ کے معنی مسہری کے ہیں۔ بڑے اور امیر لوگوں کے یہاں شادیوں میں مسہری کے اندر گھنڈیاں استعمال کرنے کا رواج ہے اور دوسرے رز بتقدیم الراء علی الزای المعجمة اس وقت اس کے معنی انڈے کے ہوں گے۔ اور حجلہ کا ترجمہ اس صورت میں ایک پرندہ کا ہوگا جو کبوتر کے برابر ہوتا ہے۔ یہ روایت کتاب الشمائل کی ہے۔ یہاں الفاظ کی حیثیت سے کلام کردیا۔ وہاں بھی آجائے گی۔

باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة

یہاں اشکال یہ ہے کہ مضمضہ واستنشاق کا باب گزر چکا پھر یہ باب کیسا؟ میرے نزدیک امام بخاری اس سے بھی ماء مستعمل کی طہارت ثابت فرمارہے ہیں اس طرح کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں امام شافعی کے پانچ قول ہیں۔ ایک یہ کہ تین بار مضمضہ بثلث غرفات اور تین بار استنشاق بثلاث غرفات گویا ہر ایک کے لئے الگ الگ غرفہ یہ امام شافعی کا ایک ضعیف قول ہے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے لیکن یہی جمہور کا مذہب ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک غرفہ سے دونوں تین بار پھر اس کے اندر دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ہی غرفہ سے اولاً تین بار مضمضہ اور اسی غرفہ سے پھر تین بار استنشاق۔ دوسرے یہ کہ ایک ہی غرفہ میں ایک بار کلی پھر استنشاق پھر کلی پھر استنشاق پھر کلی پھر استنشاق یہ سب ایک ہی غرفہ سے ہوگا اور چوتھا قول یہ ہے کہ دونوں غرفوں سے ہوں۔ پہلے غرفہ سے تین بار مضمضہ اور پھر دوسرے غرفہ میں تین بار استنشاق اور پانچویں یہ کہ تین غرفوں سے۔ پہلے غرفہ سے مضمضہ پھر استنشاق اسی طرح دوسرے غرفہ سے دوسرا مضمضہ اور دوسرا استنشاق اور تیسرے غرفہ سے تیسرا مضمضہ و تیسرا استنشاق۔ تو ان پانچ صورتوں میں صرف اول صورت میں تو نئے پانی کا استعمال ہوگا ورنہ اس کے بعد کی چاروں صورتوں میں ماء مستعمل کا استعمال ہے۔ اس لئے کہ جب ایک بار کلی کرلی پھر مستعمل ہوگیا لہٰذا معلوم ہوا کہ طاہر ہے۔ وصل پر من کف واحد سے استدلال کیا ہے اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے معنی ہیں۔ من کف واحد لا من کفین یعنی ایک ہاتھ استعمال کیا دونوں ہاتھ استعمال نہیں کیے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مضمضہ واستنشاق ایک ہی کف سے ہوا یہ نہیں کہ مضمضہ کے لئے یمین کا استعمال کیا ہو اور استنشاق کے لئے یسار اور مقصود اس توہم کا دفعیہ ہے کہ یسار قاذورات کے لئے ہے تو ممکن ہے کوئی خیال کرے کہ پھر استنشاق یسار

سے ہونا چاہیئے اس کو دفع فرمایا کہ کف یمین ہی سے دونوں کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بیان جواز کے لئے فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔(۱)

باب مسح الرأس مرة

درمیان میں ایک عارض کی بناء پر فضل کا ذکر آگیا تھا۔ اب پھر مسح کا ذکر شروع فرمادیا اس باب کی غرض امام شافعی پر رد کرنا ہے ان کے نزدیک مسح راس میں مسنون تثلیث ہے اور جمہور کے نزدیک صرف ایک بار کرنا۔

باب وضوء الرجل مع امرأته

روایت باب میں ہے کان الرجال والنساء یتوضؤون فی زمان رسول اللہ ﷺ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہوتے تھے۔ اس کا بعض لوگوں نے جواب دیا کہ یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے اور بعض نے یہ جواب دیا کہ برتن بڑا ہوا کرتا تھا وہ پردہ کا کام دیتا تھا۔ حضرت امام بخاری نے باب وضوء الرجل مع امرأته باندھ کر تنبیہ فرمائی کہ جو روایت کے اندر وضوء الرجال والنساء معا کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر آدمی اپنی بیوی کے ساتھ وضو کیا کرتا تھا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تو اس صورت میں یہ ترجمہ شارحہ ہوا۔ اور فضل وضوء المرأة ترجمہ کے دو جزء ہیں۔ اول تو شارحہ ہے جیسا کہ بیان ہو چکا اور اس دوسرے جزء سے حنابلہ اور ظاہر یہ پر رد کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اگر عورت نے خلوت میں پانی استعمال کیا ہو تو اس کا فضل استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ امام بخاری نے جمہور کی تائید فرمائی ہے کہ جب لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ غسل کرتے تھے تو جب ایک نے پانی لیا تو اس کے بعد جب دوسرا پانی لے گا تو استعمال ما فضل من المرأة لازم آگیا وتوضأ عمر بالحميم ومن بيت نصرانية علامہ عینی اور قسطلانی نے تو یہ کہہ دیا کہ دونوں اثر ترجمہ کے مناسب نہیں ہیں، لیکن وجہ مناسبت کا انکار صحیح نہیں ہے بلکہ امام بخاری اس سے طہارۃ فضل المرأة ثابت فرماتے ہیں اور وہ اس طرح پر ثابت ہوئی کہ پانی عام طور سے گھر میں عورتیں گرم کرتی ہیں اور اس طرح گرمی دیکھنے کے واسطے ہاتھ ڈالتی ہیں۔ لہٰذا فضل المرأة ہو گیا ومن بيت نصرانية یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال نہیں کیا کہ اس نے استعمال کیا ہے یا نہیں تو بہت ممکن ہے کہ استعمال کیا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا سوال کئے استعمال کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاہر ہے۔ بعض علماء مثلاً ظاہر یہ وحنابلہ کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلمہ کا پانی استعمال کرنا جائز نہیں۔ امام بخاری ان پر رد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سنو کہ یہاں نسخ میں یہ اختلاف ہے کہ یہ دونوں یعنی توضا عمر اور ومن بيت نصرانية دو الگ الگ اثر ہیں یا ایک ہی ہے اور واؤ عطف نہیں ہے۔ حافظ کی رائے یہ ہے

---

(۱) باب من مضمض واستنشق الخ میری رائے یہ ہے کہ یہاں بھی ان دونوں کو ثابت کرنا مقصود نہیں بلکہ یہاں بھی فضل ہی کو ذکر کرنا ہے چونکہ امام بخاری کی عادت شریفہ ہے کہ جب کسی چیز کو ثابت کرنے پر آتے ہیں تو پھر بہت سے دلائل اور استدلالات سے اس کو ثابت فرماتے ہیں چنانچہ آگے بھی اسی قسم کے بہت سے ابواب آئیں گے۔ امام بخاری جہاں کہیں یہ جملہ لاتے ہیں اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ مذہب ان کا مختار نہیں ہے الا ماشاء اللہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے علماء کی رائے ہے کہ اس باب میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے لیکن میرے خیال میں یہاں مقصود اپنے مسلک کی ہی تائید اور شوافع کی تردید کرنی ہے۔ (کذا فی تقریرین)

کہ دونوں الگ الگ ہیں اور واو عطف ہونا چاہئے۔ (۱)

باب صب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ

باب کی غرض ماء مستعمل کی طہارت کو بیان کرنا ہے۔ (۲)

باب الغسل والوضوء فی المخضب

مخضب ایک برتن ہوتا ہے اس میں کپڑے وغیرہ دھوئے جاتے ہیں۔ چھوٹا بڑا دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ اور امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ان اوانی کا استعمال جائز ہے اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ پر رد کرنا ہے جو بعض انواع ظروف مثلاً ظروف صفر وغیرہ کو مکروہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سنو کہ میرے نزدیک چھوٹے برتن سے وضو کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں ہاتھ ڈال کر وضو کرے۔ اور دوسرے یہ کہ اس برتن کو جھکا کر اس سے پانی لے اس باب سے امام بخاری نے پہلی صورت ثابت فرمائی اور دوسرے باب الوضو من التور سے دوسری صورت ثابت فرمادی۔ فاخرجنا له ماء فی تور من صفر۔ اس روایت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رد فرمایا ہے اور صفر کا جواز ثابت فرمایا ہے قال ھو علی۔ بعض نے کہا کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہو گئیں تھیں جس کے نتیجے میں جنگ صفین وغیرہ ہوئی اس لئے ان کا نام نہیں لیا۔ مگر میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وجہ نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک جانب کے لئے متعین تھے بخلاف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ کیونکہ ابتداء حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں پھر حضرت اسامہ و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہوئے۔ اس لئے تعیین نہیں فرمائی اھریقوا علی من سبع قرب یہ عرب کے اندر بخار زائل کرنے کے لئے مجرب سمجھا جاتا تھا۔

باب الوضو من التور

اس باب سے وضو من الاناء کو ثابت کرنا ہے یعنی پانی لے کر۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیا

---

(۱) وتوضا عمر بالحمیم و من بیت نصرانیة اس کے متعلق علامہ کرمانی اور ان کا اتباع کرتے ہوئے علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہ اثر غلط ہے کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا ورنہ باب سے اس کا کوئی تعلق نہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس اثر سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر استفسار کے وضو فرمالیا اور یہ نہیں پوچھا کہ اس میں کسی عورت نے پہلے غسل تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ تو ایسے ہی تم لوگوں کو بھی استفسار کی ضرورت نہیں میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ استدلال بکل المحتمل اور عادت سے ثابت ہے یعنی عادۃً ایسا ہوتا ہے کہ پانی کی گرمی کو ہاتھ ڈال کر معلوم کیا جاتا ہے تو اس اعتبار سے یہ فضل ہو گیا اور یہاں ذکر فرمادیا۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

(۲) باب صب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ یہاں وضوء کے اندر وضو سے وہ پانی جو اعضاء سے گرا ہو اور وہ پانی جو برتن کے اندر باقی رہ گیا ہو دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ انما یرثنی کلالة۔ اس کا پورا مسئلہ تو کتاب الفرائض میں آئے گا البتہ کلالہ کی تعریف سنو اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ کلالہ اس مورث کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع اور بعض نے کہا ہے کہ اس وارث کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور بعض نے کہا ہے کہ کلالہ اس مال کو کہتے ہیں جس کے لئے نہ اصول ہوں اور نہ فروع یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ (س)

توفی التور ہوگیا اور لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا یہ من التور ہوگیا۔(۱)

باب الوضو بالمد

امام بخاری نے اس باب کو ذکر فرما کر اشارہ فرمادیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ خوب پانی نکلا اور لوگوں نے استعمال کیا جیسا کہ باب گزشتہ کی آخری روایت سے معلوم ہوا مگر بھائی اسراف نہ کرے بلکہ ایک مد استعمال کرے کہ یہی مقدار مسنون ہے۔(۲)

باب المسح علی الخفین

مسح علی الخفین قیاس کے بھی خلاف ہے اور نص قرآنی کے بھی، کیونکہ قرآن پاک میں اس کے غسل کا حکم ہے لیکن چونکہ مسح علی الخفین کی روایات ستر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہیں اور بعض نے اسی سے زائد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا ہے اور یہ روایات حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں بلکہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں تو یہ بھی صحیح ہے اس سے زیادۃ علی الکتاب جائز ہے۔ مسح علی الخفین کا ائمہ میں سے کوئی منکر نہیں ہے سب کے یہاں جائز ہے ہاں روافض اور خوارج، مسح علی الخفین کے قائل نہیں ہیں۔ روافض، خوارج باہم ضد ہیں۔ مگر یہاں دونوں ایک ساتھ ہیں۔ روافض تو یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اہل بیت سے مسح علی الرجلین کی روایات مروی ہیں اس لئے مسح علی الخفین کچھ نہیں۔ حالانکہ خفین سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں مسح علی الرجلین اور ہے مسح علی الخفین اور ہے اور خوارج یہ کہتے ہیں کہ یہ نص قرآنی کے خلاف ہے مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ یہ روایات مسح علی الخفین ستر بلکہ اسی (۸۰) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں اور حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں اس لئے ان سے زیادۃ علی الکتاب جائز ہے۔ یہی وجہ کہ ہے یہ فرق مبتدعہ مسح علی الخفین کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت امام مالک وحضرت امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اہلسنت کی پہچان مسح علی الخفین کا جائز قرار دینے والا لکھی گئی ہے۔ فرماتے ہیں من علامات اھل السنة والجماعة ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وان تری المسح علی الخفین۔ یعنی روافض

---

(۱) باب الوضو من التور: اعتراض یہ ہے کہ تور کہتے ہیں پتھر کے پیالہ کو اور پہلے باب من حجارہ سے وضو کرنے کو بیان کردیا ہے تو اسے دوبارہ کیوں لائے شراح کے نزدیک یہ تخصیص بعد التعمیم ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس باب سے محض تور کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر تو اس حدیث ماقبل میں آچکا ہے بلکہ یہاں اور بات بتلائی ہے وہ یہ کہ پہلی حدیث میں تو ماء فی التور ہے اور اس باب میں من التور ہے تو اول کا مطلب یہ ہے کہ اس برتن کے اندر وضو کیا جائے اور من التور کا مطلب ہے کہ برتن سے لے کر وضو کیا جائے تو دونوں صورتوں کا جواز بتلانا مقصود ہے۔ حدثنا مسدد قال حدثنا حماد۔ شراح حدیث کے نزدیک یہ روایت بے جوڑ ہے کیونکہ اس کے اندر قدح کا ذکر ہے حالانکہ یہ باب تور کا ہے نیز قدح کا ذکر پہلے آچکا۔ لیکن میرے نزدیک اس میں بے جوڑ ہونے کی کوئی بات نہیں کیونکہ اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں وضو کیا۔ اس اعتبار سے یہ پہلے باب میں گزر گیا۔ دوسری حیثیت اس کے اندر یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے پانی لے کر وضو کیا ہے اس اعتبار سے اس کا تعلق اسی باب سے ہے۔ (کذا فی تقریرین)

(۲) باب الوضوء بالمد: چونکہ پہلے اوانی کا مسئلہ تبعاً آگیا تھا اب مقدار ماء کا مسئلہ بھی تبعاً ذکر کرتے ہیں اس میں بعض شراح مسلم نے یہ لکھ دیا ہے کہ ایک مد سے زائد سے وضو کرنا احناف کے نزدیک ناجائز ہے یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ بعض لوگوں نے شوافع سے نقل کیا ہے کہ ایک سے زائد سے وضو کرنا ناجائز ہے یہ ہوسکتا ہے کہ ان کا مذہب ہو مگر احناف کے نزدیک کوئی حد متعین نہیں ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ نہ اسراف کرے اور نہ کمی۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

کی طرح خلفاء ثلاثہ کو برا نہ کہے اور خوارج کی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ان دونوں فرقوں کی طرح مسح علی الخفین نہ کرے۔

وان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

یہاں اس روایت میں اختصار ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں گئے ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خفین پر مسح فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر انکار کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح فرمایا ہے اور جب مدینے جانا تو اپنے باپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھ لینا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو باتیں ارشاد فرمائیں اولا تو نعم فرمایا یعنی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی الخفین فرمایا ہے تو یہ درست ہے اور دوسری بات بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد فرمائی. اذا حدثک شیئا سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلاتسال عنہ غیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ بیان کریں گے صحیح کہیں گے۔ لہٰذا دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ خود حضرت ابن عمر سے مرفوعاً مسح علی الخفین کی روایت منقول ہے پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیوں نکیر فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن روایات میں مرفوعاً مسح علی الخفین کا ذکر ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں۔ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس میں احتمال ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ ہو وہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہو گیا تو معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مراسیل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبیل سے ہے اور مراسیل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالاتفاق مقبول ہیں۔

ان سعیدا فقال عمر لعبداللہ:

یہاں ان کا اسم ذکر کر دیا اور خبر محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسح کیا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار پر۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنے باپ سے دریافت کر لینا۔ الی آخر الحدیث تو اس قدر ذکر فرما کر پوری حدیث کی طرف اشارہ فرما دیا. یمسح علی عمامتہ وخفیہ۔ یہاں اس حدیث میں عمامہ کا لفظ زیادہ کر دیا۔ مسح علی العمامہ ظاہریہ اور حنابلہ کے یہاں تو جائز ہے مگر ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ وشافعی ومالک کے یہاں جائز نہیں ہے۔ یہاں مالکیہ وشوافع نے بخاری کی حدیث چھوڑ دی۔ اگر حنفیہ چھوڑ دیں تو ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ بہر صورت یہ حدیث حنابلہ وظاہریہ کے موافق اور ائمہ ثلاثہ کے مخالف ہے۔ ظاہریہ تو یہ کہتے ہیں کہ بلاتوقیت جائز ہے اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مسح علی العمامہ جائز ہے ان شروط کے ساتھ جو علی الخفین میں ہیں یعنی طہارت پر پہنا گیا ہو اور مقیم کے لئے یوم ولیلۃ اور مسافر کے لئے ثلاثۃ ایام ولیالیھا اسی کے ساتھ ان کی کتابوں میں ایک شرط اور بھی لکھی ہوئی ہے وہ یہ کہ علی ھیئۃ المسلمین ہو۔ کفار اہل ذمہ کی طرح نہ ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شملہ لٹکا کر داڑھی کے نیچے سے لا کر دوسری طرف کو باندھ دیتے ہیں تو چونکہ اس میں نکالنے میں مشقت ہوتی ہے جیسے خفین کے اندر اس لئے یہاں بھی مسح جائز ہے۔ مگر یہ روایت چونکہ ائمہ ثلاثہ کے خلاف پڑتی ہے اس لئے اس کے

متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

ایک تو سب سے قوی ہے اور وہ، وہ ہے جس کو امام محمد نے موطا میں ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں بلغنا انه کان فترک اور بلاغات امام محمد معتبر ہیں۔ لہٰذا یہ ہوا کہ مسح علی العمامہ منسوخ ہوگیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی خاص سفر کا واقعہ ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ امرنا ان نمسح علی العصائب والتساخین. یعنی حضور ﷺ نے عذر کی بناء پر جبائر پر مسح کا حکم فرمایا۔ اسی طرح کسی وجہ سے مسح علی العمامہ بھی ہوا ہوگا، اور تیسرا جواب حنفیہ وشافعیہ کے اصول پر چلتا ہے وہ یہ کہ فرض مسح علی الرأس مطلق المسح ہے، عندالشوافع اور ربع راس ہے عندالاحناف تو ممکن ہے کہ فرض کی ادائیگی مسح راس سے کرلی ہو اور تکمیل سنت کے لئے عمامہ پر مسح کیا ہو اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں مگر مالکیہ کے یہاں یہ جواب درست نہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں استیعاب راس بالمسح فرض ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ مسح علی الراس قرآن پاک سے ثابت ہے اور مسح علی العمامہ کا ذکر اخبار آحاد میں ہے جو محتمل ہیں۔ لہٰذا قطعی کو ظنی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔ اور حنفیہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں مسح علی ناصیة وعمامة وارد ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل فرض تو مسح علی الناصیہ سے ادا ہوگیا اور باقی تکمیل سنت کے لئے تھا، ان جوابات تو یہ کے ہوتے ہوئے یہ توجیہ کرنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ درست فرمارہے تھے۔ دیکھنے والے نے یہ سمجھا کہ اس پر مسح فرمارہے ہیں یا اس کے علاوہ اور دوسرے جوابات کی اس وقت ضرورہوتی جب یہ مذکورہ جوابات نہ ہوتے۔

باب اذا ادخل رجليه وهما طاهرتان

یہاں اس باب میں ایک اور مسئلہ بیان فرمادیا کہ مسح علی الخفین کے لئے یہ ضروری ہے کہ رجلین کو پاک موزوں میں داخل کیا ہو اس طہارت سے مراد ائمہ اربعہ کے نزدیک تو طهارت من الانجاس والاحداث جميعا ہے اور ظاہریہ کے نزدیک طہارت من الانجاس شرط ہے طہارت من الاحداث شرط نہیں۔ جمہور کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب طہارت مطلق بولی گئی ہے تو اس سے طہارت کاملہ مراد ہوگی۔ خواہ وہ انجاس ہو یا احداث دعهما فانی ادخلتهما طاهرتين یہاں حضور اقدس ﷺ نے چھوڑنے کے امر کو معلل فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے رجلین مبارکین بحالت طہارت داخل فرمائے ہیں لہٰذا ترجمہ ثابت ہوگیا۔

باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق

امام بخاری نے من لم یتوضا مما مست النار جیسی مختصر عبارت کو چھوڑ کر یہ طویل عبارت اختیار فرمائی اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ظاہر باب ہی سے یہ معلوم ہوگیا کہ امام بخاری کا میلان حنابلہ کے مذہب کی طرف ہے کہ حنابلہ کے یہاں لحم ابل کے استعمال سے وضو ضروری ہے اور جمہور کے نزدیک کسی بھی مما مست النار سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ کان اخر الامرين من رسول الله ﷺ ترک الوضوء مماغيرت النار۔ لیکن امام ابوداؤد وضوء مما مست النار کے قائل ہیں جیسا کہ ان کے ابواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو ترک الوضوء مما مست النار کا باب قائم فرمایا اور پھر باب التشديد فی ذلک منعقد فرمادیا وہ فرماتے ہیں کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ایک مخصوص واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔ واکل ابوبکر وعمر وعثمان رضی الله عنهم لحما فلم یتوضؤا. چونکہ امام بخاری لحم الابل سے وضو

کے قائل ہیں۔اس لئے جہاں مطلقا اکل لحم وعدم توضی کا ذکر ہوتو وہ امام بخاری کے نزدیک لحم الشاۃ پر محمول ہوگا۔ یحتز من کتف شاۃ چھری سے کاٹ کرکھا رہے تھے۔اس پر اشکال یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں چھری سے کاٹ کر کھانے کی ممانعت ہے۔شراح نے اس کا جواب یہ دیا کہ وہاں بیان اولویت ہے اور یہاں بیان جواز ہے مگر میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس باب پر محمول ہے کہ چھری ہی سے کھائے اور بخاری کی روایت اس پر محمول ہے کہ چھری سے کاٹ کر ہاتھ سے کھائے جیسا کہ قربانی کا گوشت کچھ کچا ہوتو کاٹ کر اور پھر ہاتھ سے کھالیا جائے۔

فصلی ولم یتوضأ:

یہ عدم توضی باکل لحم الشاۃ ہوگئی۔مگر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے باب میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں ایک سویق دوسرے لحم شاۃ تو حضرت امام بخاری نے لحم شاۃ سے عدم توضی کی روایات تو باب میں ذکر فرمادیں مگر سویق کی کوئی روایت ذکر نہ کی۔شراح نے جواب دیا کہ قیاس سے ثابت فرمادیا کہ جب لحم شاۃ جس میں دسومت وچکنائی ہوتی ہے جب اس سے وضو نہیں فرمایا تو سویق کے اندر تو بدرجہ اولیٰ وضو نہ ہوگا۔کیونکہ اس میں تو دسومت ہوتی ہی نہیں۔یہاں امام بخاری کا مقصود عدم وضو مما مست النار کو ثابت کرنا ہے مگر معلوم نہیں کیا بات ہے کہ شراح نے یہاں ترجمہ قیاس سے ثابت فرمایا حالانکہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے تو یہ بھی ہے کہ جب کسی باب کی روایت میں کوئی فائدہ جدیدہ ہوتا ہے تو اس پر تنبیہ کرنے کے لئے نیا باب، باب در باب باندھ دیتے ہیں۔یہاں جو روایت آنے والے باب میں آرہی ہے اس کے اندر سویق کا ذکر ہے اور ترجمہ میرے نزدیک اس سے ثابت ہو رہا ہے مگر چونکہ روایت میں مضمضہ کا لفظ تھا اس لئے امام بخاری نے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے بطور فائدہ جدیدہ کے ایک نیا باب باندھ دیا اور تنبیہ فرمائی کہ وضو سویق کے کھانے سے تو نہ کی جائے لیکن چونکہ اس سے منہ بھر جاتا ہے اس لئے کلی کرلینی چاہئے۔

باب من مضمض من السویق ولم یتوضأ

ترجمۃ الباب کی غرض میں گزشتہ باب میں بتلا چکا۔ادنیٰ خیبر یعنی خیبر کے قریب جگہ ہے ثم دعا بالازواد چونکہ حضور اقدس ﷺ ساتھ کھانے کے عادی تھے اکیلے نہ کھاتے تھے اس لئے سب کو بلایا تا کہ ساتھ نوش فرمادیں اور اگر کسی کے پاس کچھ ہوتو دوسرے بھی اسے کھائیں. عن میمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل عندھا کتفا۔اس روایت پر علامہ عینی وعلامہ کرمانی کو اشکال پیش آرہا ہے کہ یہ بے جوڑ کہاں سے آگئی کیونکہ باب تو من مضمض من السویق کا ہے،علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ یہ نساخ کا تصرف ہے علامہ عینی کی بھی یہی رائے ہے۔دراصل سب کو یہ اشکال اس وجہ سے پیش آرہا ہے کہ اس کو مستقل باب سمجھا جارہا ہے لیکن اگر اس کو باب در باب مان لیں تو کوئی بھی اشکال نہیں ہوگا۔اس صورت میں نہ تو باب سابق کے ترجمہ کو قیاس سے ثابت کرنا پڑتا ہے اور نہ ہی اس روایت کو بے موقع ماننا پڑے گا۔بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ پہلا ہی باب ہے فائدہ جدیدہ کے طور پر درمیان میں باب در باب منعقد کردیا۔

باب هل يمضمض من اللبن

چونکہ بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ دودھ پینے کے بعد کلی کرنی چاہئے اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے باب باندھ دیا. شرب لبنا فمضمض یہاں اشکال یہ ہے کہ روایت مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور کلی فرمائی پھر ترجمہ میں لفظ هل لانے کی کیا ضرورت رہی؟ شراح جواب دیتے ہیں کہ چونکہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ولم يمضمض ہے اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے ترجمہ میں لفظ هل لے آئے کہ غور کرلو جس طرح یہاں مضمضہ کا ذکر ہے دوسری جگہ عدم مضمضہ کا ذکر ہے اور میری رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مضمضہ باللبن کو معلل فرمادیا کہ اس کے اندر دسومت ہوتی ہے تو امام بخاری نے لفظ هل سے اس طرف اشارہ کردیا کہ اگر اس میں دسومت نہ ہو تو پھر کوئی ضرورت نہیں۔ (١)

باب الوضوء من النوم الخ

نعسه کے معنی اونگھ کے ہیں اور خفقه اونگھ کی وجہ سے سر کا ہلنا۔ یہاں باب میں اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ کے دو جز قرار دیئے ہیں۔ ایک وضو من النوم دوسرا من لم ير من النعسه والنعستين وضوء اور روایت جو ذکر فرمائی ہے وہ نعسه کی ہے نوم کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ اس کا جواب بعض لوگوں نے یہ دیا کہ نوم اور نعسه سے مراد ایک ہی ہے تو گویا ترجمہ میں بس ایک ہی چیز ہے اور من لم ير من النعسه الخ وضو من النوم کی تفصیل ہے۔ اور بعض نے یہ کہا کہ نوم سے چونکہ نقض مشہور تھا اس لئے اس کی روایت ذکر نہیں فرمائی۔

نوم ناقض وضو ہے یا نہیں؟ اس کے اندر تین مذہب ہیں۔ سلف کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ نوم مطلقاً ناقض ہے۔ اور سلف ہی میں دوسری جماعت کی رائے اس کے بالکل خلاف ہے کہ نوم کی کوئی قسم بھی ناقض نہیں ہے۔ اور ائمہ اربعہ جمع بین الروایات فرماتے ہیں نوم کی بعض انواع ناقض ہیں اور بعض انواع ناقض نہیں ہیں۔ اور جمع بین الروایات کا مطلب یہ ہے کہ نقض وضو بالنوم کی روایات مختلف ہیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقض ہے اور دوسری روایت سے جس میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے سونے لگتے. حتى تخفق رؤسهم تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقض نہیں۔ اب پھر انواع ناقضہ وغیر ناقضہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک النوم متكنا على شي لو ازيل لسقط ناقض وضو ہے اور امام شافعی کے نزدیک النوم قاعدا ممكنا مقعدته من الارض تو ناقض نہیں ہے اور باقی انواع ناقض ہیں اس لئے کہ نوم فی نفسہ تو ناقض نہیں ہے بلکہ چونکہ مظنہ خروج ریح ہے اس لئے ناقض ہے اور جب یہ صورت ہو تو پھر خروج ریح کا مظنہ نہیں رہتا ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک نوم ثقیل ناقض ہے اور نوم خفیف ناقض نہیں مثلاً اس طرح سو رہا ہو کہ ذرا سی حرکت ہو تو جاگ جائے اور حنابلہ کے نزدیک نوم یسیر ناقض نہیں ہے بلکہ نوم کثیر ناقض

---

(١) باب هل يمضمض الخ امام بخاری اپنا ترجمہ لفظ هل سے بسا اوقات اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے باندھتے ہیں اور بسا اوقات روایت کی باریکی و دقت کے لحاظ سے باندھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہاں دوسری صورت زیادہ بہتر ہے وہ یہ کہ لفظ هل بڑھا کر یہ بتلا دیا کہ کلی صرف اسی دودھ کے بعد کرنی چاہئے جس میں دسومت ہو اور جس دودھ میں دسومت نہ ہو جیسے آج کل سپریٹا کا دودھ اس کو پی کر کلی کرنا ضروری نہیں۔ (كذا في تقريرين)

ہے۔یسیر کا مطلب ہے ایک آدھ منٹ سونا اور اس میں ایک قید بھی ہے وہ یہ کہ قاعدا ہو یا قائما ہو کیونکہ روایات میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سونا انہیں دو صورتوں میں منقول ہے تو مالکیہ اور حنابلہ میں فرق یہ ہوگا کہ ان کے نزدیک لیٹا ہوا آدمی اگر ہلکی نیند سو رہا ہے تو اس سونے کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور حنابلہ کے یہاں حالتین میں ہو اور خفیف اگر لیٹ کر ہوگی تو وضو ختم ہو جائے گا۔

فان احدکم اذا صلی وھو ناعس:

اس سے ترجمہ بطور لطیف ثابت فرمایا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ بحالت نعس سے منع فرما رہے ہیں۔اگر نعس سے وضو ٹوٹ جاتا تو صلوۃ بحالت نعسہ لکھنا کیسے صحیح ہوتا۔کیونکہ وضو جب ٹوٹ گیا تو نماز کہاں رہی؟ لعلہ یستغفر فیسب نفسہ سونے میں آدمی کو پتہ نہیں چلتا وہ کہنا چاہے گا اللّٰھم اغفر اور زبان سے نکل جائے گا اللّٰھم لاتغفر دعا کرے گا اللھم ارزقنی کی اور زبان سے نکل جائے اللھم لا ترزقنی اور یہ سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی خاص ساعات اجابت ہیں اس میں جو بھی منہ سے نکل جائے گا وہ قبول ہوگا اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے لئے بددعا نہ کرے۔ایک ڈوم کہیں جا رہا تھا نیند آرہی تھی چلتے چلتے ہوئے کہنے لگا کہ اے اللہ! ایک گھوڑی دیدے۔راستے میں گاؤں کا سردار کھڑا تھا۔اتفاق سے اس کی گھوڑی نے بچہ دیا اب وہ اسے کیسے لیجاتا۔اس نے جو ڈوم کو دیکھا تو بلایا کہ او ڈوم! یہاں آ۔اور اس کے کندھے پر بچہ لاد دیا۔ڈوم نے کہا کہ اے اللہ! مانگی تھی نیچے کو مل گئی اوپر کو۔یعنی مانگی تھی اس لئے تاکہ میں سوار ہو جاؤں وہ الٹی خود ہی مجھ پر لد گئی۔اس لئے چاہیے کہ آدمی حدیث کی دعاؤں سے دعا کرے کیونکہ وہ بالکل جامع مانع ہوتی ہیں اگر وہ یوں دعا مانگ لیتا اللھم اعطنی مرکبا اتبلغ بہ سفری۔تو پھر کندھے پر کیوں لادنا پڑتا۔

باب الوضوء من غیر حدث

اس ترجمہ کی دو غرضیں بیان کی جاتی ہیں ایک تو ان لوگوں پر رد کرنا جو ہر وقت کی نماز میں مستقل وضو کے قائل ہیں گو حدث نہ ہو۔ اور دوسرے وضو من غیر حدث کا استحباب بیان کرنا ہوا۔استحباب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہو جائے گا اور ان لوگوں پر رد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فعل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو فرماتے ہیں. کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضا عند کل صلوۃ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں فرمارہے یجزی احدنا الوضوء مالم یحدث.

باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ

صغائر تو حسنات سے معاف ہو جاتے ہیں اور کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے یہ تو قاعدہ ہے اور ویسے اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ کبائر کو تو معاف فرمائے اور صغائر پر عذاب دیدے۔ترجمۃ الباب کی غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عدم استتار من البول کبیرہ نہیں ہے بلکہ صغیرہ ہے۔جیسے کہ ابن بطال نے کہا ہے۔کیونکہ روایت میں وما یعذبان فی کبیر آیا ہے تو امام بخاری فرماتے ہیں کہ عدم تستر عن البول کبائر میں سے ہے اور ما یعذبان فی کبیر کا مطلب یہ ہے کہ جس امر کے اندر وہ معذب ہو رہے ہیں وہ ان معذبین کی نظر میں کوئی اہم چیز نہیں تھی۔یا یہ کہ اس سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔نیز خود حدیث کے الفاظ بلی انہ لکبیر ہے پھر کہاں کبیر کی نفی ہوئی؟ دوسری بات یہ ہے کہ بخاری نے من بولہ فرما کر ایک مسئلے کی طرف اشارہ فرمادیا وہ یہ کہ تعذیب اپنے

بول پر ہو رہی تھی اور اس سے نہ بچنا کبیرہ ہے کیونکہ بول انسان ناپاک ہے بخلاف بول حیوان کے کہ وہ طاہر ہے اس میں دو مشہور قول ہیں۔ایک تو یہ کہ ماکول اللحم حیوانات کا بول پاک ہے یہی مالکیہ وحنابلہ کی رائے ہے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ سارے حیوانات کے ابوال ناپاک ہیں یہی حنفیہ وشافعیہ کا مذہب ہے اور امام بخاری اس مسئلے میں مالکیہ وحنابلہ کے ساتھ ہیں اسی لئے من بولہ فرمایا عن منصور عن مجاهد عن ابن عباس آگے بلاترجمہ آرہا ہے اس میں مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان طاوس کا واسطہ مذکور ہے۔امام دارقطنی نے سند حدیث الباب کو منتقدات میں شمار کیا ہے اور امام ترمذی نے واسطہ طاؤس ہونا راجح قرار دیا ہے مگر یہ کچھ بھی نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے براہ راست بھی سنا ہو اور طاؤس کے واسطے سے بھی سنا ہو لہٰذا دونوں طرح روایت کیا کبھی بذکر الواسطہ اور کبھی بحذف الواسطہ۔

بحائط من حيطان المدينة اومكة .

امیہ او شک کے لئے ہے صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے. فسمع صوت انسانين فی قبورهما یہ دونوں معذبین کون تھے مسلمان تھے یا کافر؟ اس میں دونوں قول ہیں اور روایت سے دونوں ہی کی تائید ہوتی ہے۔فرمارہے ہیں وما يعذبان فی كبير تو اگر کافر ہوتے تو وہاں تو اکبر الکبائر ہوتا اور آخر میں فرمارہے ہیں۔لعله يخفف عنهما حضور ﷺ تو دعا فرمائیں اور پھر اس میں بھی لعل کے ساتھ تخفیف کو فرمادیں اور وہ بھی ایک زمان موقت تک تو معلوم ہوا کہ کافر تھے اور مستقل روایات دونوں فریق کی الگ الگ مؤید موجود ہیں۔ ثم قال بلی 'ماقبل میں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا نفی اس چیز کی تھی کہ وہ معذبین اس کو کبیرہ نہیں سمجھتے تھے حالانکہ وہ کبیرہ تھا اور یا یہ کہ وہ فی نفسہ کوئی امر عظیم نہیں تھا جس سے بچنا دشوار ہوتا۔لہٰذا اس سے تعارض نہیں رہتا کہ جس کی نفی اسی کا اثبات ہو رہا ہے۔کیونکہ یہاں اثبات نفس کبیرہ کا ہے. فوضع على كل قبر منهما كسرة یہ وضع حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے یا عام؟ یہ مسئلہ کتاب الجنائز کا ہے۔وہاں باب وضع الجريدة على القبر میں یہ مضمون آجاوے گا۔(۱)

باب ماجاء في غسل البول

انسان کا بول تو سب کے نزدیک ناپاک ہے مگر بول ماکول اللحم میں اختلاف ہے۔حنفیہ کا قول واحد اور امام شافعی کا قول راجح یہ ہے کہ ناپاک ہے۔اور مالکیہ کا قول واحد اور حنابلہ کی راجح روایت یہ ہے کہ طاہر ہے امام بخاری اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں اسی لئے وہ فرمارہے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ لا يستتر من بوله فرمایا سوائے اذا تبرز لحاجته اتيته چونکہ بول براز کے لئے لازم ہے۔اس لئے جب براز فرمایا ہوگا تو بول بھی فرمایا ہوگا۔اور پھر پانی سے طہارت فرمائی۔لہٰذا طہارت من البول ثابت ہوگئی۔(۲)

---

(۱) باب من الكبائر الخ : کبیرہ کی تعریف میں مختلف قول ہیں۔مشہور یہ ہے کہ کبیرہ وہ ہے جس کے متعلق کوئی وعید آئی ہو۔من حيطان المدينة او مكة۔راجح یہ ہے کہ یہ مدینہ کا واقعہ ہے کیونکہ ایک روایت میں بقیع کا ذکر ہے اور ایک روایت میں ہے . من دفنتم اليوم او كما قال اور یہ مدینہ منورہ میں ہی ہوسکتا ہے مکہ میں نہیں ہوسکتا ہے میرے نزدیک اقرب یہی ہے کہ یہ دونوں مسلمان تھے چنانچہ جس روایت میں من دفنتم اليوم وارد ہوا ہے وہ اس کے لئے واضح دلیل ہے۔اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ کافر تھے ان کا استدلال ان يخفف سے ہے کہ اگر مسلمان ہوتے تو ان سے عذاب بالکل رفع ہو جاتا۔(كذا في تقريرين)

(۲) باب ماجاء في غسل البول :باب کے اندر صرف بول کا ذکر ہے اور حدیث میں ہے کہ اذا تبرز لحاجته اس سے صرف براز سمجھ میں آرہا ہے لہٰذا ترجمہ کا ثبوت کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ دراصل براز جنگل کو کہتے ہیں اور جنگل عام ہے خواہ بول کے لئے اس میں جایا جائے یا براز کے لئے تو امام بخاری نے اس کے عموم سے استدلال فرمایا۔

باب

یہ باب حضرت شاہ صاحب کے نزدیک یہاں بے محل اور بے موقع ہے اور بعض نسخ میں یہاں باب کا لفظ نہیں ہے وہی صحیح ہے اور حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں یہ باب کا لفصل من الباب السابق نہیں ہوسکتا بلکہ بظاہر یہ تشحیذ اذہان کے لئے ہے اور باب کون البول موجبا بعذاب القبر مناسب ترجمہ ہوسکتا ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد فرضیت غسل ماانتشر من البول علی المحل ثابت کرنا ہے اور میرے نزدیک وجوب استجمار من البول کا ثابت کرنا ہے چونکہ باب سابق سے وجوب غسل بول کا شبہ ہوتا تھا اس لئے امام بخاری نے یہ باب ذکر فرمادیا۔ اور اس میں روایت وہی صاحب القبرین والی ذکر فرمائی اور اس میں جملہ لا یستتر سے امام بخاری نے اشارہ فرمادیا کہ مقصود تنزہ اور تستر ہے بول سے بچنا ہے چاہے جس طور سے ہو پانی ضروری نہیں تو میرے نزدیک حضرت امام بخاری نے ان لوگوں پر رد فرمادیا جو یہ کہتے ہیں کہ استجمار بدعت ہے اور پیشاب کے لئے ڈھیلا استعمال کرنا کہیں ثابت نہیں۔

عن مجاهد عن طاؤس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ:

یہاں اس سند میں مجاہد ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بواسطہ طاؤس نقل کرتے ہیں اور اس سے قبل جو سند گزری ہے اس میں عن مجاہد عن ابن عباس ہے اور طاؤس کا واسطہ مذکور نہیں۔ دار قطنی نے بلا واسطہ والی سند کو منتقدات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے منقطع روایت ذکر فرمادی۔ امام بخاری کی طرف سے حافظ ابن حجر نے جواب دیا کہ اس میں کیا استحالہ ہے کہ ایک بار تو مجاہد نے طاؤس کے واسطے سے سنی پھر براہ راست ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سن لی ہو اور اس کے متعلق جہاں پہلی سند آئی ہے تفصیل گزر چکی ہے۔ (١)

باب ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم

چونکہ مساجد کے پاک صاف رکھنے کا حکم روایات میں وارد ہوا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسجد میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگے تو اس کو روک دینا چاہئے ورنہ ان اوامر کا خلاف لازم آئے گا۔ تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ جب کوئی شخص مسجد میں پیشاب کرنے لگے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اپنے پیشاب سے فارغ ہو جائے۔ کیونکہ جب پیشاب چل پڑتا ہے تو رکتا نہیں۔ لہٰذا اگر روکا تو اور تلوث کا خوف ہے۔ لہٰذا مسجد کا تطہر اس میں ہے کہ اسے فارغ ہونے دے۔

باب صب الماء علی البول

چونکہ روایت سابقہ میں یہ مذکور تھا کہ جب وہ آدمی پیشاب سے فارغ ہوگیا تو پانی کا ڈول اس کے پیشاب پر ڈالدیا گیا۔ اس پر اشکال بظاہر یہ ہوتا ہے کہ پانی ڈالنے سے تو وہ اور پھیل جائے گا۔ لہٰذا اور ناپاکی پھیلے گی تو حضرت امام بخاری نے فرمایا کہ اگر صب کیا جائے گا اور خوب پانی ڈالا جائے گا کہ جس سے پانی بہنے لگے اور پیشاب مغلوب ہوجائے تو وہ جاری پانی کے طور پر ہو جائے گا۔ اور پاک

---

(١) بـــاب: حافظ ابن حجر باب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے باب میں جو حدیث تھی اس میں تو اس پیشاب کے دھونے کا ذکر تھا جو ذکر وغیرہ پر لگ جائے یا بدن کے کسی حصہ پر لگے۔ اور یہ الگ باب اس لئے باندھا کہ اس کے اندر اس بول کے غسل کا ذکر ہے جو کپڑوں وغیرہ پر لگ جائے۔ (س)

ہو جائے گا یہ اوجہ ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ باب کی غرض حنفیہ پر رد کرنا ہے اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ زمین کو کھودا جائے تو امام بخاری نے فرمادیا کہ کھودنے کی ضرورت نہیں بلکہ پانی ڈالدو۔ احناف کہتے ہیں کہ پانی ڈالنے سے یہ کہاں لازم آگیا کہ کھودنے سے طہارت حاصل نہ ہوگی کیونکہ جب ناپاک مٹی دور کردی گئی تو نجاست بھی ختم ہوگئی۔ اب باقی طاہر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ پیشاب خشک ہونے کے بعد زمین پاک ہوجاتی ہے۔ حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ پانی ڈالنا بھی طہارت کا ایک طریقہ ہے لہٰذا اس طریقہ سے کسی اور دوسرے طریقہ کی نفی لازم نہیں آتی۔

باب بول الصبیان

بعض علماء نے کہا ہے کہ بول صبی امام شافعی کے نزدیک طاہر ہے مگر یہ نقل غلط ہے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بول الصبیان ناپاک ہے البتہ ظاہر یہ سے طہارت منقول ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ بول صبی کا غسل ضروری نہیں بس رش کافی ہے تو اس سے طہارت بول صبی کہاں سے لازم آتی ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کہ احناف کے یہاں تلوار اور جوتا وغیرہ مسح سے پاک ہوجاتے ہیں تو اس سے نجاست کا طاہر ہونا کہاں سے لازم آگیا بلکہ بول تو سب کے نزدیک ناپاک ہے ہاں اس کی تطہیر کا کیا طریقہ ہے؟ اس میں اختلاف ہے شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک **رش فی بول الغلام وغسل فی بول الجاریۃ** ہوگا اور حضرت امام شافعی کی دو روایتیں اور ہیں مگر ان کے یہاں مرجوح ہیں۔ ایک یہ کہ یہ دونوں میں غسل ضروری ہے جیسا کہ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں رش کافی ہے۔ امام بخاری نے ترجمہ بول الصبیان کا ذکر فرمایا ہے اب احتمال یہ ہے کہ بچیوں کا وہی حکم امام بخاری کے نزدیک ہو جو بچوں کا ہے۔ تب تو بخاری اس قول ثالث کے قائل ہوں گے۔ لیکن صبیان کا اطلاق صرف ذکور پر ہوتا ہے اور حدیث بھی بچے کی ذکر فرمائی ہے اس سے بظاہر یہ احتمال ہوتا ہے کہ بخاری امام شافعی کے ساتھ ہیں کہ رش بول صبیان میں ہوگا۔ **فاتبعہ ایاہ** حنفیہ ومالکیہ کہتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ یہ اتباع غسل ہی تو ہے اور جو بعض روایات میں بول صبی وصبیہ میں تفریق وارد ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ چونکہ بول صبیہ میں عفونت ولزوجت ہوتی ہے تو اس میں کثیر علاج کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے غسل سے تعبیر فرمادیا۔ اور بول صبی میں عفونت ورطوبت اتنے درجہ کی نہیں ہوتی اس لئے اتنے علاج کی بھی ضرورت نہیں۔ اس لئے اس کے غسل کو رش سے تعبیر کردیا۔ (۱)

---

(۱) باب بول الصبیان . حدثنا عبداللہ بن یوسف الخ اس حدیث پاک میں جس بچے کو حضور اکرم ﷺ کے پاس لانے کا ذکر ہے مشہور یہ ہے کہ وہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ممکن ہے کہ بنت محصن کے لڑکے ہوں جیسا کہ بعض شراح کی رائے ہے حضور ﷺ کی گود میں جن چند بچوں نے پیشاب کیا ہے ان کے نام کسی شاعر نے ان اشعار میں جمع کئے ہیں:

قد بال فی حجر النبی اطفال
حسن حسین ابن الزبیر بالوا
وکذا سلیمان بن ھشام
وابن ام قیس جاء فی الختام

(کذا فی تقریرین)

باب البول قائما وقاعدا

امام بخاری نے ترجمہ میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک بول قائما دوسرے بول قاعدا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاری نے قائما کی روایت تو ذکر فرمادی لیکن قاعدا کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی اور یہ یہاں نہیں چل سکتا کہ جب امام بخاری ترجمہ میں چند اجزاء ذکر فرمائیں اور روایت کسی کی ذکر نہ فرمائیں تو امام بخاری اس کو رد فرماتے ہیں جیسا کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ہے۔ ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر یہ سنو کہ امام بخاری نے باب الصلوة قبل الجمعة وبعدها میں بھی بعد والی روایت ذکر نہیں کی تو ابن قیم اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کے نزدیک جمعہ سے پہلے سنن ہیں اس لئے وہ روایت ذکر نہیں کی۔ ابن القیم کا یہی مذہب تھا اس لئے امام بخاری کے باب کو اس پر حمل فرمایا اور اس باب میں یہ اس لئے نہیں چل سکتا کہ بول قاعدا تو عین سنت ہے پھر اس کو کیسے رد فرمائیں گے۔ اب اس کے بعد علماء نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ کہ امام بخاری کے اصول میں سے ہے کہ جب کوئی روایت ان کی شرط کے موافق نہ ہو تو امام بخاری اس کی طرف ترجمہ سے اشارہ فرمادیتے ہیں چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا۔ ایک آدمی نے کہا انظر والیه یبول کما تبول المرأة یعنی تستر کے ساتھ بیٹھ کر یہ حافظ ابن حجر کی توجیہ ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے جیسا کہ میں نے ابھی بتلایا کہ بول قاعدا مشہور تھا اس لئے شہرت کی بناء پر اس کو ذکر نہیں فرمایا اور شہرت پر اکتفا کیا۔ اور جیسا کہ میں نے باب الوضوء من النوم میں یہ کہا تھا کہ امام بخاری نے یہاں نوم کی روایت ذکر نہیں فرمائی تو بعض نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ شہرت کی بناء پر اکتفاء کرلیا۔ کیونکہ یہ تو مشہور ہے نوم ناقض ہے اس کے علاوہ اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں۔ اب بول قائما کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک سنت بول قاعدا ہے اور قائما خلاف اولیٰ بلکہ مکروہ ہے اور حنابلہ کے یہاں مطلقا جائز ہے اور مالکیہ کے یہاں اگر نظائر بول کا احتمال نہ ہو تو جائز ہے۔ مثلاً چھت پر بیٹھ کر نیچے پیشاب کرے بشرطیکہ نیچے کوئی نہ ہو۔

فبال قائما:

یہ روایت ترمذی شریف کی روایت کے خلاف ہے، کیونکہ ترمذی شریف کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے من حدثکم ان النبی ﷺ کان یبول قائما فلا تصدقوه اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے علم کے اعتبار سے ہے یا یہ کہ عادت کی نفی فرمارہی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ روایت حنفیہ وشافعیہ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک بول قائما خلاف اولیٰ ہے بلکہ مکروہ ہے۔ ان کی طرف سے اس روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی پیشاب جس طرف کو فرمار ہے تھے وہ اونچی جگہ تھی اگر بیٹھ کر فرماتے تو پیشاب کے اپنے اوپر آنے کا احتمال تھا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ بعض آثار میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے گھٹنے مبارک میں زخم تھا جس کی وجہ سے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو سب سے اولیٰ جواب ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ بیان جواز کے واسطے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ چوتھا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دیر تک بیٹھنے کے بعد اگر کھڑا ہو جائے تو پھر جلدی سے بیٹھا نہیں جاتا اور آپ کو اس وقت پیشاب کا تقاضا بہت تھا اور بہت دیر تک بیٹھے بھی رہے تھے لہٰذا کھڑے ہونے کے بعد کھڑے کھڑے ہی پیشاب فرمادیا اس کے علاوہ اور بھی جوابات ہیں۔

باب البول عندصاحبه والتستر بالحائط

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاری کا قاعدہ ہے کہ جب کسی روایت سے متعدد مسائل ثابت ہوتے ہوں تو ان پر متعدد ابواب باندھ کر ان مسائل کو ثابت فرماتے ہیں چونکہ اس روایت سے ایک اور مسئلہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے اسی کو پھر ذکر فرمادیا اور ایک جدید باب باندھ کر اس مسئلے کو بھی ثابت فرمادیا کہ کسی آدمی کے قریب پیشاب کرنا دیوار وغیرہ کی آڑ میں جائز ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ دوسری روایت میں ہے اذا ذهب المذهب ابعد۔ یعنی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو بہت دور تشریف لے جاتے تو اس سے چونکہ دور جانے کی عادت معلوم ہوتی تھی اس لئے حضرت امام بخاری نے یہ ترجمہ باندھ کر اشارہ فرمادیا کہ قریب میں کسی چیز کی آڑ لے کر بھی استنجا کر لینا کافی ہے اور جائز ہے اور دور جانا صرف مستحب ہے اور میرے نزدیک ترجمہ کی غرض بول و براز میں فرق کرنا ہے کہ اذا ذهب المذهب ابعد پاخانے پر محمول ہے یعنی براز کے وقت دور تشریف لے جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ براز میں تعفن اور خروج ریح بالصوت ہوتی ہے جس سے حیا ہوتی ہے اور پیشاب میں یہ بات نہیں ہوتی تو اشارہ فرمادیا کہ پیشاب کے لئے دور جانا ضروری نہیں بلکہ قریب ہی میں تستر کے ساتھ فارغ ہو جائے۔

فانتبذت منه:

انتباذ کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایت میں ہے اذا ذهب المذهب ابعد اس لئے انہوں نے سوچا کہ جب حضور اقدس ﷺ کسی عذر کی وجہ سے دور تشریف نہ لے جاسکتے تو لاؤ میں ہی دور ہو جاؤں۔ فاشار الی فجئته حضور اکرم ﷺ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ قریب آجاؤ۔ اور قریب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کھڑے ہو کر پیشاب فرما رہے تھے ممکن تھا کہ کوئی کھڑا ہوا سمجھ کر سامنے آجائے لہٰذا ان کو قریب کر لیا تا کہ اگر کوئی آئے تو اس کو روک لیں۔ فقمت عند عقبه یعنی میں حضور اکرم ﷺ کے قریب ایڑیوں کے پاس پردہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ (۱)

باب البول عندسباطة قوم

روایت وہی قدیم ہے ترجمہ جدید باندھ دیا چونکہ بظاہر روایت سے اشکال ہوتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے دوسرے کی سباطہ پر بلا اجازت کیسے پیشاب فرمالیا کیونکہ اجازت کا کوئی لفظ یہاں نہیں ہے اور سباطہ دوسرے آدمی کی ملک ہے لہٰذا تصرف فی ملک الغیر بدون اذنه لازم آیا۔ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا کہ کہ حضور اکرم ﷺ کو دلالۃً اجازت تھی۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ حضور پاک ﷺ کے بول و براز طاہر تھے لہٰذا اس سے کوئی نجس نہیں ہوا۔ لہٰذا اجازت کی کیا ضرورت ہے اور میرے نزدیک وہ جواب ہے جو امام بخاری اپنے ترجمہ سے دے رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے سباطہ قوم پر پیشاب فرمایا اور سباطہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوڑی ڈالی جاتی ہے تو امام بخاری نے اشارہ فرمادیا کہ سباطہ تو پیشاب پاخانے کے واسطے ہوتا ہی ہے وہاں اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اب بھی اگر کوئی

---

(۱) باب البول عندصاحبه الخ اس باب سے امام بخاری تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اگر بول و تغوط کا تقاضا ہو تو ابعاد ضروری نہیں اور التستر بحائط سے یہ بتلا دیا کہ ابعاد ہو یا امر مقاربت تستر ہر حال میں ضروری ہے (کذا فی تقریر مولوی احسان لاہوری)

کسی کی کوڑی پر پیشاب پاخانہ ڈالدے تو وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا۔

کان ابوموسیٰ اشعری یشددُ فی البول:

تشدید کی وجہ وہ روایت ہے جو پہلے گزر چکی۔ جس میں وارد ہے کہ استنزھوا من البول الخ اوراس تشدید کی صورت یہ تھی جیسا کہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بوتل بنا رکھی تھی اس کے اندر احتیاط سے پیشاب کرتے تھے تاکہ پیشاب کے رشاش اوپر نہ پڑیں اور پھر ڈھیلے سے صاف کرتے اور اس بوتل کو دور جا کر آہستہ سے اس کا پیشاب پھینک دیا کرتے۔

ان بنی اسرائیل اذا اصاب ثوب احدھم:

حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بنی اسرائیل میں سے کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو کاٹ دیا کرتے تھے۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ جب وہ اتنا تشدد کرتے تھے تو ہمیں بھی غایت احتیاط برتنی چاہیے۔ یہاں اس روایت میں تو اتنا ہی ہے اور ابوداؤد میں جلد احدھم اور دوسری روایت میں جسد احدھم ہے۔ بخاری کی روایت میں تو اس کا جھگڑا نہیں ہے صرف تنبیہ کردی۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ بنو اسرائیل کے تمرد وسرکشی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان پر احکامات میں کچھ تشدد فرمادیا تھا۔ ان ہی تشدیدات میں سے یہ بھی ہے کہ اگر بدن کو کوئی نجاست لگ جائے تو چمڑا کاٹ ڈالیں مگر میرے حضرت نور اللہ مرقدہ بذل المجہود میں جسد والی روایت کو صحیح نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ انہیں جسم کاٹنے کا حکم نہیں تھا بلکہ ثوب وغیرہ پر اگر لگ جائے تو اس کے کاٹنے کا حکم تھا اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ روایت میں جو جلد احدھم ہے تو اس سے ان کی جلد مراد نہیں بلکہ چمڑہ پوستین وغیرہ مراد ہے جو وہ لوگ بطور لباس استعمال کرتے تھے۔ کسی راوی نے جلد سے مراد ان لوگوں کی جلد لے کر روایت بالمعنی کے طور پر اسی کو جسد سے تعبیر کردیا۔

قال ابوحذیفة لیته امسک:

جب حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشدیدات سنیں تو فرمانے لگے کہ اگر ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تشدیدات سے رک جاتے تو اچھا ہوتا اور پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے۔ اور کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا اگر اتنا تشدد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر کیوں پیشاب فرماتے؟(۱)

باب غسل الدم

دم حیض، دم استحاضہ، دم نفاس، دم مسفوح، سب بالاتفاق ناپاک ہیں پھر حضرت امام بخاری نے باوجود مسئلے کے اتنے واضح

---

(۱) باب البول عند سباطة قوم وفیه اذا اصاب الخ: ابوداؤد شریف میں اس جگہ چار لفظ منقول ہیں جلد احدھم، ثوب احدھم، جسد احدھم، اصابھم من البول۔ حضرت ابوموسیٰ اتنی زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے کہ بوتل میں پیشاب کیا کرتے تھے اور اسے دور پھینکوایا کرتے تھے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

ہونے کے اس پر کیوں باب باندھ دیا اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ روایت میں تنضحہ کا لفظ مذکور ہے یعنی نضح کا حکم ہے اور بول صبیان میں گذر چکا ہے کہ نضح سے مراد چھڑکنا ہے تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ یہاں نضح سے مراد چھڑکنا نہیں ہے بلکہ غسل مراد ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ اسی طرح بول صبیان میں نضح سے مراد چھڑکنا نہیں ہے بلکہ غسل خفیف مراد ہے۔ **قال تحتہ ثم تقرصہ و تنضحہ بالماء**۔ حضور ﷺ نے اس عورت کے سوال پر فرمایا کہ پہلے اس کو کھرچ دے پھر اس کو رگڑ دے پھر اس کو ذرا سے پانی سے دھو دے اس کی وجہ یہ ہے کہ خون جامد ہوتا ہے کپڑے سے چپک جاتا ہے اگر یونہی پانی ڈالا جائے تو بہت سا پانی خرچ ہو جائے گا اس لئے حضور ﷺ نے اس کی ترکیب بتلادی کہ اولا اس کو کھرچ دے اور پھر اسکو رگڑ دے تا کہ نرم ہو جائے اور پھر ذرا سے پانی سے دھو دے یہاں نضح سے مراد بالاتفاق غسل ہے کیونکہ خون بالاتفاق ناپاک ہے اسی طرح احناف بول صبیان میں کہتے ہیں کہ وہاں بھی نضح سے مراد غسل ہے۔

انی امراۃ استحاض فلااطھر :

یعنی جب مجھے خون آنا شروع ہوتا ہے تو بس رکنا جانتا ہی نہیں مسلسل چلتا رہتا ہے تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سوچا کہ جیسے حیض کے زمانے میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح استحاضہ کے اندر بھی شاید نماز وغیرہ نہیں پڑھی جاتی ہو اس لئے حضور پاک ﷺ سے دریافت کیا اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **لا انما ذلک عرق** . یعنی نماز وغیرہ مت چھوڑو بلکہ پڑھتی رہو یہ کوئی حیض کا خون نہیں بلکہ یہ تو ایک رگ کا خون ہے جو کسی مرض یا رکضۂ شیطان کی وجہ سے کھل جاتی ہے اور اس سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ **فاذا اقبلتک حیضتک فدعی الصلوۃ واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم** ۔ یہ مسئلہ باب الاستحاضہ کا ہے کہ اقبال حیض وادبار حیض سے کیا مراد ہے، اقبال بالمدۃ مراد ہے یا اقبال بالتمیز، اسلئے یہ مسئلہ وہاں بھی آئے گا۔

وقال ابی ثم توضیٔ لکل صلوۃ :

ہشام کہتے ہیں کہ میرے باپ عروہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ **ثم توضیٔ لکل صلوۃ** الخ ۔ یہ مسئلہ بھی باب الاستحاضہ کا ہے وہیں کلام کروں گا مختصرا یہاں بھی سن لو کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مستحاضہ جو وضو کرے گی وہ ہر نماز کے لئے کرے گی یا ہر وقت صلوۃ کے لئے ہوگا؟ حنفیہ وحنابلہ کے ہاں تو ہر وقت صلوۃ کے لئے اور شافعیہ کے یہاں ہر نماز کے لئے اور مالکیہ کے نزدیک اس پر دم استحاضہ سے وضو واجب ہی نہیں اس کی وجہ جیسا کہ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں اختلاف مناط ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مناط نقض وضو مخرج معتاد و خارج معتاد ہے اور یہاں خارج معتاد نہیں ہے گو مخرج معتاد ہے۔ اس مضمون کو یاد رکھنا میں آگے چل کر مزید کلام کروں گا۔ (۱)

---

(۱) **باب غسل الدم** . غسل دم اجماعی مسئلہ ہے اس لئے امام بخاری پر اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے یہ ترجمہ کیوں باندھا؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کی کتاب ہے اگر اس میں مسئلہ اجماعی کا ذکر بھی آجائے تو کیا حرج کی بات ہے۔ حضرت امام بخاری نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ اول روایت میں اس دم کا ذکر ہے جو کپڑے پر لگ جائے اور ثانی روایت میں اس دم کے غسل کا ذکر ہے جو بدن پر لگ جائے (کذا فی التقریرین)

باب غسل المنی و فرکه الخ

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں ایک غسل المنی، دوسری فرک المنی۔ تیسری غسل مایصیب من المراۃ۔ مگر روایت صرف غسل المنی کی ذکر فرمائی ہے اور کسی چیز کی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ سب سے پہلے مسئلہ سنو! منی کے اندر شافعیہ کے مختلف اقوال ہیں ان کا اور حنابلہ کا قول راجح یہ ہے کہ طاہر ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ناپاک ہے جیسا کہ حنفیہ و مالکیہ فرماتے ہیں اور تیسرا قول شافعیہ کے یہاں یہ ہے کہ مرد کی منی پاک ہوتی ہے اور عورت کی ناپاک۔ اب حضرت امام بخاری نے صرف غسل المنی کی روایت ذکر فرمائی ہے۔ شراح بالخصوص مالکی شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری غسل المنی میں ہمارے ساتھ ہیں، ہمارے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ نجاست منی پر تو متفق ہیں مگر اس کی طہارت کا کیا طریقہ ہے؟ مالکیہ تو فرماتے ہیں۔ لابد من غسل فی الرطب و الیابس۔ اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ رطب میں غسل ضروری ہے اور یابس میں فرک بھی کافی ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے صرف غسل منی کی روایت ذکر فرمائی ہے اور فرک کو باب کا جزء قرار دیتے ہوئے بھی فرک کی روایت ذکر نہیں فرمائی اور امام بخاری کے اصول میں سے یہ بات گذر چکی ہے کہ جب ترجمۃ الباب میں چند چیزیں ذکر فرمائیں اور روایت کسی ایک کی بھی ذکر نہیں فرمائیں تو امام بخاری کے نزدیک وہ مقبول نہیں ہیں لہذا معلوم ہوا کہ امام بخاری فرک کے قائل نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب ترجمہ میں کوئی چیز ذکر فرمائیں اور اس کی روایت ذکر نہ فرمائیں تو وہاں کسی روایت کی طرف اشارہ فرمادیا کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی اشارہ فرمادیا اس صورۃ میں امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہوں گے کہ غسل کی تو روایت ذکر فرمادی اور فرک کی روایت کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اب رہا تیسرا جزء غسل مایصیب من المراۃ. اس کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ اس بناء پر بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ غلط ہے اور کسی کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا کیونکہ اس کا مستقل باب آگے، باب غسل ما یصیب من فرج المراۃ آرہا ہے۔ اور وہاں روایت بھی ذکر ہے یہاں تو روایت بھی نہیں اب اگر اس قول کو صحیح مان لیا جائے تو تکرار لازم آئے گا۔ (۱) اور بعض شراح جواب دیتے ہیں کہ امام بخاری کا ارادہ روایت لکھنے کا تھا مگر اعجلتہ المنیۃ لیکن یہ میرے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ میری تحقیق کے مطابق بخاری شریف ۲۳۳ھ میں مکمل ہو چکی تھی اور ۲۵۶ھ میں امام بخاری کا انتقال ہے تو کیا اتنی بڑی مدت میں ان کو روایت نہ مل سکی۔ ایک جواب یہ دیا گیا کہ امام بخاری کو نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی، یہ بھی غلط ہے کیا وہ تیئس سال کی مدت میں نظر ثانی بھی نہ کر سکے؟ اور بعض شراح کا یہ کہنا ہے کہ ان کی شرط کے مطابق روایت نہیں ملی، ایک جواب یہ بھی دیا گیا کہ یہاں بیاض تھی جس کو بعد میں آنے والوں نے ختم کر دیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں۔ مگر میرے نزدیک ان میں سے کوئی بھی پسندیدہ

---

(۱) (یہی باب بخاری شریف میں صفحہ تینتالیس ۴۳ پر آرہا ہے لیکن اس سے تکرار نہیں ہوا کیونکہ دوسری جگہ اصالۃً ہے اور یہاں تبعاً۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

نہیں ہے اور میری رائے ان سب کے مقابلے میں یہ ہے کہ امام صاحب نے اس جزء کی روایت ذکر فرمائی ہے ایسے ہی آنے والا باب بھی مکرر نہیں ہے بلکہ دونوں بابوں کی غرض الگ الگ ہے جس کی وضاحت اس طرح ہے کہ میرے نزدیک یہاں دو مسئلے ہیں ایک تو یہ کہ اگر منی امراۃ لگ جائے تو اسکے دھونے کا حکم کیا ہے دوسرے اگر عورت کے فرج کی رطوبت لگ جائے تو اس کے دھونے کا حکم کیا ہے تو امام بخاری نے یہاں منی امراۃ کے دھونے کا حکم بیان فرمایا ہے اور اس کی نجاست احناف اور مالکیہ کے درمیان متفق علیہ ہے اور رطوبت فرج مراۃ کی طہارت ونجاست میں اختلاف ہے جو اپنی جگہ آجائے گا۔

کنت اغسل الجنابة :

میں یہ جو کہہ رہا ہوں کہ دونوں دو الگ الگ مسئلے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں حدیث میں یہ جملہ آیا ہے. کنت اغسل الخ . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل احتلام نہ تھا بلکہ غسل جنابت تھا اور جنابت میں یہ ہوا کرتا ہے کہ مرد کو جو منی لگتی ہے وہ عورت کی منی لگتی ہے خود مرد کو اس کی منی نہیں لگا کرتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کی منی تو عورت کے رحم میں پہنچ جاتی ہے اور اگر عورت کا رحم اس منی کو قبول نہیں کرتا تو اس صورت میں عورت کی منی پہلے باہر نکلتی ہے اور پھر مرد کی باہر نکلتی ہے۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ جو منی حضور ﷺ کے کپڑے کو لگی تھی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہوگی نہ کہ جناب نبی کریم ﷺ کی۔ لہٰذا غسل منی امراۃ ثابت ہوگیا اور باب مایصیب من فرج المراۃ میں ہے کہ زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ی نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ارایت اذا جامع الرجل امراۃ فلم یمن ۔یعنی اگر کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور منی نہ نکلے تو منی نہ نکلنے کے باوجود مایصیب من فرج المراۃ کا باب باندھا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ رطوبت فرج کے متعلق ہوگا اور قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ جب کھیل کود کیا جائے تو فرج سے رطوبت نکل آتی ہے لہٰذا وہاں اس کا حکم بیان فرمایا اور یہاں اس کا ذکر فرمایا لہٰذا دونوں مسئلے الگ الگ ہو گئے۔

باب اذا غسل الجنابة او غيرها فلم يذهب اثره

ان ابواب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری منی کے حکم میں یا تو مالکیہ کے ساتھ ہیں یا احناف کے ساتھ ہیں۔ اگر فرک کی روایت اس لئے ذکر نہیں فرمائی کہ وہ ان کا مذہب نہ تھا تو وہ مالکیہ کے ساتھ ہیں اور اگر فرک کی طرف اشارہ فرمادیا تو حنفیہ کے ساتھ ہوں گے لہٰذا اس باب کو ان دونوں بیان کردہ احوال پر ہر ایک کی طرف راجع کریں گے، مگر ظاہر یہ ہے کہ مالکیہ کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ غسل جنابت اور دوسری نجاست میں مساوات کردی اور جب دوسری نجاستوں کا غسل ان کے نجس ہونے کی بناء پر ہوتا ہے تو منی کا غسل بھی نجاست کی بناء پر ہوگا اور امام بخاری فلم یذهب اثره . سے یہ بتلا رہے ہیں کہ اگر کسی نجاست کو رگڑ رگڑ کر دھو دیا جائے اور پھر بھی اس کا دھبہ رہ جائے تو یہ مضر نہیں ہے مگر باب میں جو روایت ذکر فرمائی تو اس کی پہلی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اثرات جو کپڑے میں باقی ہیں وہ غسل کے تھے نہ کہ منی کے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا انها كانت تغسل الخ ثم اراه فيه:

اراہ کی ضمیر بظاہر منی کی طرف راجع ہے اسلئے کہ وہی اقرب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تغسل سے جو غسل سمجھ میں آتا ہے اس کیطرف ہو۔ اب ترجمہ کیونکر ثابت ہوا، امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ وہ استدلال بکل محتمل فرماتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر روایت کے اندر مختلف احتمالات ہوں تو امام بخاری ہر احتمال سے استدلال فرماتے ہیں۔ یہاں بھی اسی قبیل سے ہے ۔ (۱)

باب ابوال الابل والدواب والغنم الخ

میں ماکول اللحم کے ابوال کا حکم اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک بالکل نجس ہیں اور حنابلہ کی دونوں روایتیں ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک طاہر ہیں اور یہی امام بخاری کا مذہب ہے۔ یہاں امام بخاری نے بالتصریح فرمادیا۔ **وصلی ابو موسی فی دار البرید** ۔ دار البرید کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانے میں یہ ریل گاڑی تو تھی نہیں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈاک بھجوانے کا انتظام فرمایا۔ دار البرید کہتے ہیں ڈاک گھر کو۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ دس، دس، بارہ، بارہ میل پر چوکیاں مقرر کی گئی تھیں اور وہاں چند آدمی اور چند گھوڑے رکھ دیئے تھے تاکہ اگر بالفرض مدینہ کی ڈاک پہنچانی ہوئی تو ایک آدمی مدینہ کی ڈاک لے کر گھوڑے پر چل دیتا اور دار البرید پہنچ کر اس گھوڑے کو چھوڑ دیتا اور دوسرا گھوڑا لے کر وہاں آئی ہوئی ڈاک لے کر مدینے آجاتا۔ اور وہاں مدینہ میں اگر دوسری جگہ کا آدمی آیا ہوتا تو وہ اس ڈاک کو لے جاتا تھا۔ ورنہ اس کی چوکی سے ایک آدمی جہاں کی ڈاک ہوتی دوسرا گھوڑا لے کر دوسرے دار البرید میں پہنچا دیتا تھا **وهلم جرا** ۔ تو حضرت امام بخاری حضرت ابو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے استدلال فرما رہے ہیں کہ ابو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار البرید اور گوبر پڑنے کی جگہ نماز پڑھی باوجودیکہ جنگل پاس تھا اگر چاہتے تو وہاں جا کر نماز پڑھ لیتے معلوم ہوا کہ بول الماکول طاہر ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ انہوں نے خاص گوبر کے اوپر نماز پڑھی ہوگی بلکہ کوئی کپڑا اس کے اوپر بچھا کر پھر نماز پڑھی ہوگی اور طبیعت بھی اس سے اباء کرتی ہے کہ صاف جگہ کو چھوڑ کر گوبر پر نماز پڑھی جائے جس سے اس کے کپڑے اور بدن وغیرہ ملوث ہوں اور اگر ایسا ہوا بھی ہو تو یہ صرف حضرت ابو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہوگا کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خود اسکے بارے میں مختلف رہے ہیں۔

---

(۱) ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ عورتوں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے حیض کے نشانات کے متعلق سوال کیا کہ وہ باقی رہ جاتے ہیں ان کا کیا کریں؟ آپ نے فرمایا کہ حیض کے دھبوں پر کچھ زردی پھیر دیا کرو۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دھبہ کو زائل کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ جمہور کا یہ مذہب نہیں بلکہ جمہور کے نزدیک کپڑا اس وقت پاک ہوگا جب پانی میں نجاست کے رنگ کا اثر ختم ہو جائے خواہ نشانات باقی رہیں یا نہ رہیں۔ تو اس باب سے امام بخاری نے جمہور کی تائید فرمائی۔

(کذا فی تقریر مولوی سلیمان)

قدم اناس من عكل او عرينة:

یہ روایت کتاب الدیات، کتاب استتابۃ المرتدین کے اندر آئے گی، عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ آئے اور آ کر اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور کچھ دن مدینہ میں رہنے کے بعد انہوں نے حضور پاک ﷺ سے کہا کہ مدینہ کی آب و ہوا ہمارے موافق نہیں ہے۔ ہم جنگل کے رہنے والے ہیں۔ لہٰذا ہمیں جنگل میں جانے کی اجازت فرمادیں۔ حضور اکرم ﷺ نے غایت شفقت سے ان کو اجازت دیدی کہ ابل صدقہ میں جا کر رہیں اور ان کے ابوال والبان پی لیا کریں وہ گئے اور صحت مند ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے یہ کیا کہ حضور پاک ﷺ کے راعی کو قتل کر دیا اور اونٹ وغیرہ بھگا کر لے گئے۔ حضور پاک ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے وہ پکڑ لئے گئے۔

فامر هم النبی ﷺ بلقاح وان يشربوا من ابوالها:

اس سے مالکیہ نے استدلال کیا کہ اگر پیشاب ناپاک ہوتا تو حضور اقدس ﷺ اس کے شرب کا کیوں امر فرماتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی علاج نہ ہو اور کوئی طبیب حاذق کہہ دے تو جائز ہے اور حضور اقدس ﷺ جو سب سے بڑے طبیب ہیں آپ نے اس کے شرب کی اجازت دی پھر کیا اشکال ہے۔

فامر فقطع ايديهم الخ:

یہ حضور پاک ﷺ نے جزا بالمثل دی۔ چونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے راعی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اس لئے حضور اقدس ﷺ نے انکے ساتھ بھی ایسا ہی فرمادیا اب یہ جزاء بالمثل جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ کتاب القصاص کا ہے وہیں پر آئے گا۔

قال ابو قلابة :

یہ روایت بالتفصیل باب القسامۃ میں پونے دو صفحات میں آرہی ہے۔ قسامۃ میں اختلاف ہے کہ یمین صرف مدعا علیہم سے لی جائے گی یا مدعی و مدعا علیہم دونوں سے۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ صرف مدعا علیہم سے اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اولا مدعی سے لی جائے گی اگر اس نے کسی شخص پر دعوی کیا اور بینہ قائم کر دیا تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ مدعا علیہ سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں، مالکیہ فرماتے ہیں کہ لیا جائے گا۔ اور ائمہ فرماتے ہیں کہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ابوقلابہ مالکیہ کے خلاف ہیں مالکیہ اس حدیث سے قصاص پر استدلال کرتے ہیں۔ ابوقلابہ جواب دیتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو قتل و سرقہ و کفر بعد الاسلام اور محاربہ مع اللہ والرسول ﷺ کی وجہ سے قتل فرمایا نہ کہ قصاصا۔

فی مرابض الغنم:

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں اور مرابض غنم نہیں بلکہ مبارک ابل میں پڑھے مگر کپڑا بچھالے تاکہ نجاست نہ لگے۔ اور مرابض میں نماز پڑھنے سے یہ کہاں لازم آیا کہ پیشاب وغیرہ پر نماز پڑھی ہے۔ (۱)

---

(۱) باب ابوال الابل، وفيه من عكل او عرينة: یہ شک راوی نہیں ہے بلکہ یہ ایک روایت کے مطابق سات آدمی تھے، تین عکل کے اور چار عرینہ کے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آٹھ آدمی تھے۔ اس صورت میں آٹھواں آدمی بھی اور قبیلہ کا ہوگا۔ اس کے بعد روایت کے اندر وہ سزا مذکور ہے جو حضور اقدس ﷺ نے ان لوگوں کو دی اس پر اعتراض ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اتنے رحیم و شفیق ہونے کے باوجود ان کے ساتھ اس بیدردی کا معاملہ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے =

باب ما یقع من النجاسات الخ

امام بخاری طہارت ماء میں ظاہریہ اور مالکیہ کے ساتھ ہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کے احد الاوصاف الثلاثہ میں تغیر نہ ہو۔ یہاں امام بخاری فرماتے ہیں کہ جیسے پانی کا حکم ہے گھی کا بھی وہی حکم ہے کہ جب تک اس کے بو مزہ وغیرہ میں فرق نہ آئے اس وقت تک وہ مضر نہیں۔ وقال الزهری لاباس بالماء الخ یہی مذہب امام مالک وامام بخاری کا بھی ہے۔ لاباس بریش یعنی ریش میتہ، میتہ کا جز ہے۔ اگر پانی میں گر جائے تو اس کو ناپاک نہ کرے گا مگر یہ ریش کی نجاست ان کے یہاں ہے ہمارے یہاں طاہر ہے۔ لہٰذا اگر پانی میں ریش میتہ پڑ جائے اور اس پر نجاست وغیرہ نہ لگی ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔

وقال الزهری فی عظام الموتیٰ:

ہمارے یہاں مطلقا طاہر ہیں اور مالکیہ کے یہاں مذبوح کی پاک ہیں۔ [۱]

القوها وماحولها الخ

امام بخاری نے اس روایت کے اطلاق سے استدلال فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقا یہ فرمایا کہ فارہ اور ماحول کو نکال کر

= حضور ﷺ کے راعی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا تھا۔ اور قرآن شریف کے اندر ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ اس کے بعد حضرت امام نے ایک جملہ ذکر فرمایا۔ قال ابو قلابة فهولاء سرقوا الخ یہ بہت مجمل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قسامت کے اندر اگر پچاس آدمی قسم کھا کر کسی شخص پر قتل کا شبہ ظاہر کریں تو آیا اس شخص قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا یا نہیں حنابلہ، مالکیہ کے نزدیک جائز ہے۔ شوافع اور حضرات حنفیہ کے نزدیک اس کو قصاص میں قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانے میں اکابر اور علماء حضرات کو جمع فرمایا اور قسامہ کے متعلق مشورہ فرمایا تو سب نے یہی فیصلہ فرمایا کہ قصاص لیا جائے گا۔ اسی مجمع میں حضرت ابوقلابہ بھی تھے ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سوال کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی شخص پر زنا کی تہمت لگادی جائے اور پچاس آدمی اس کے زنا کرنے پر قسمیں کھالیں تو بتلاؤ کہ حد لگائی جائے گی یا نہیں۔ سب نے انکار فرمادیا پھر ایسے ہی چوری کے متعلق انہوں نے دریافت کیا کہ قسامت کی صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا سب نے انکار فرمادیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب قسامت سے حد واجب نہیں ہوتی تو قصاص میں اس کا قتل کیسے ہوگا۔ اس پر کسی دوسرے شخص نے ابوقلابہ سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تو عکل وعرینہ والوں سے قسامت کے بعد قصاص لیا گیا تھا لہٰذا جائز ہونا چاہئے۔ اس پر حضرت ابوقلابہ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا جو یہاں امام بخاری نے ذکر کیا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو قسامۃ کے بعد قتل قصاص میں قتل نہیں کیا گیا اور وہاں قسامت نہیں بلکہ ان لوگوں نے تو حضور اکرم ﷺ کے راعی کو قتل کر دیا تھا اور یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے اور مرتد کی سزا قتل ہی ہے اس بناء پر ان کو قتل کیا گیا۔ اب یہاں ایک چکی کا پاٹ سنو۔ وہ یہ کہ اس جملہ کی بنا پر اور اس واقعہ کی بناء پر یہ مشہور ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت امام بخاری قسامت کے قائل نہیں ہیں یہ غلط ہے بلکہ یہ دونوں حضرات قسامت کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے اندر قصاص میں قتل کرنے کا انکار کرتے ہیں۔ بہرحال اس حدیث سے امام بخاری نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ابل کا بول پاک ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے پیا ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ حضور پاک ﷺ کو وحی کے ذریعہ صرف ان کے متعلق یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی شفا اسی میں ہے۔ اس وجہ سے بطور دوا کے استعمال کی اجازت دیدی ہو۔ دوسری حدیث امام بخاری نے ذکر فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مرابض غنم میں نماز پڑھی جس سے بول غنم کی طہارت پر استدلال کیا گیا ہے مگر اس کے جوابات وہی ہیں جو اوپر حضرت ابوموسیٰ اشعری کے ذکر البرید میں نماز پڑھنے کے متعلق دیئے گئے ہیں۔ اب یہ کہ وہاں آپ نے نماز کیوں پڑھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غنم کے اندر مسکنت ہوتی ہے تو آپ کو ان سے ایک قسم کی مناسبت تھی اس لئے آپ وہاں کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے۔ (س)

(۱) شوافع کے یہاں عظام موتی مطلقا ناپاک ہیں۔ اور حنفیہ کے یہاں مطلق طاہر بشرطیکہ ان پر رطوبت نہ ہو۔ ان کے اقوال کے نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ یہ سب اشیاء پاک ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی اگر دودھ پانی وغیرہ میں گر جائے گا تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔

باقی کھالو۔ مائع وجامد میں فرق نہیں فرمایا۔ لہٰذا خواہ جامد ہو یا مائع اس کی یہی صورت ہوگی اور وہ نجس نہیں ہے اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ بخاری کی روایت عام نہیں ہے بلکہ جامد پر محمول ہے کیونکہ ابوداؤد کی روایت میں خود حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کان جامدا فالقوھا وماحولھا وان کان مائعا فلا تقربوہ ۔لہٰذا جمعا بین الروایات یہ کہا جائے گا کہ بخاری کی روایت جامد پر محمول ہے نیز اگر مائع پر مانا جائے تو حدیث کے معنی صحیح نہ ہوں گے کیونکہ مائع کے اندر ماحول ہوتا ہی نہیں وہ تو سب ایک ہی ہے۔

قال معن حدثنا مالک الخ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ روایت مسانید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے یا مسانید میمونہ سے تو حضرت امام بخاری نے معن کا قول نقل فرما کر اشارہ فرما دیا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مسانید حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے۔

اللون لون الدم والعرف عرف المسک:

امام بخاری کا استدلال اس سے اس طرح پر ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ تغیر اوصاف کو طہارت ونجاست میں دخل ہے پہلے خون تھا ناپاک۔ اب خوشبودار بن کر پاک ہوگیا۔ اسی طرح اگر نجاست پڑ جائے اور وہ اوصاف کے اندر کوئی تغیر پیدا کرے تو پھر وہ ناپاک ہوگا ورنہ نہیں۔ (١)

باب البول فی الماء الدائم

امام بخاری کا مسلک مسئلۃ المیاہ میں امام مالک کے موافق ہے اس مذہب کے موافق نھی عن البول فی الماء الراکد تعبدی ہوگی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی سد اللباب فرمائی گئی ہے اس لئے کہ ایک کو دیکھ کر دوسرا آدمی بھی پیشاب کرے گا اور انجام کار پانی ناپاک ہوجائے گا۔

نحن الآخرون السابقون:

اس کا کیا مطلب ہے؟ شراح فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ماء دائم میں پیشاب کرنے کی ممانعت اس بناء پر ہے کہ جب پانی میں پیشاب کرے گا تو وہ پانی سے آخر ہوگا۔ اور جب کوئی اس سے وضو یا غسل کرے گا تو اول ہوگا لہٰذا نجاست کا استعمال ہوگیا اس لئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ یہ وجہ بہت اچھی ہے یہ جملہ نحن الاخرون السابقون جہاں کہیں آتا ہے شراح اس کی مناسب توجیہ فرماتے ہیں مگر حقیقی وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد شاگرد ہیں ان میں سے ایک عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج ہیں دوسرے ہمام بن منبہ۔ ان دونوں کے پاس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کے صحیفے ہیں تو ہمام ابن منبہ کا صحیفہ تو حضرت امام مسلم کے پاس ہے اور ابن ہرمز کا صحیفہ حضرت امام بخاری کے پاس ہے اور دونوں اپنے صحیفوں سے روایت لیتے ہیں۔ مگر ہر ایک کی ادا اور انداز روایات لینے میں جدا جدا ہے۔ حضرت امام مسلم تو جہاں کہیں روایت لیتے ہیں وہاں یوں کہتے ہیں حدثنا ھمام بن منبہ قال ھذا ماحدثنا بہ ابوھریرۃ عن رسول اللہ ﷺ. اور امام بخاری جب ابن ہرمز کے صحیفے سے روایت لیتے ہیں تو سب سے پہلے نحن الاخرون السابقون ذکر کرتے ہیں اور پھر اصل روایت جو مقصود ہوتی ہے اس کو ذکر فرماتے ہیں اور یہ جملہ نحن الاخرون ابن ہرمز کے صحیفے کی پہلی حدیث ہے تو اس کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے اس روایت کو پہلے ذکر فرما دیتے ہیں۔ لا یبولن

(١) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس حدیث سے امام بخاری نے ان لوگوں پر رد فرما دیا جو یہ کہتے ہیں کہ اگر اوصاف ثلثہ میں سے دو وصف بدل جائیں گے جب حکم بدلتا ہے کیونکہ یہاں صرف ایک وصف (ریح) بدلا ہے جس کی بناء پر حکم بدل گیا۔

احدکم فی الماء الدائم الخ ظاہریہ کے نزدیک یہ نہی تعبدی ہے اور جمہور کے نزدیک پانی ناپاک ہو جائے گا۔

باب اذا القی علی ظہر المصلی قذر

چونکہ نجاسات کا ذکر فرمارہے تھے اسلئے ایک مسئلہ جو اس سے متعلق تھا اس کو بھی ذکر فرمادیا کہ اگر کسی پر حالت نماز میں نجاست پڑ جائے تو مسئلہ کیا ہے؟ حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ کے نزدیک نماز ٹوٹ جائے گی اور مالکیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت الثواب ان کے نزدیک شرائط صلوۃ میں سے نہیں ہاں اگر چاہے تو وقت کے اندر اعادہ کرے۔ اوزاعی وغیرہ کے نزدیک طہارت ابتداء صلوۃ کے لئے شرط ہے لہٰذا اگر کوئی وسط صلوٰۃ میں نجاست وغیرہ ڈالدے تو کوئی حرج نہیں ہے، شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس مسئلہ میں اوزاعی کے ساتھ ہیں۔ و کان ابن عمر ہم یہ کہتے ہیں کہ پہلے تو یہ ثابت ہو جائے کہ وہ خون قدر درہم سے زائد تھا۔

ثم ادرک الماء :

ہم بھی تیمم کے اندر یہی کہتے ہیں اور بقیہ ان کا مذہب ہے فانبعث اشقی القوم یہ عقبہ بن ابی معیط تھا وضعہ علی ظہرہ بین کتفیہ امام بخاری نے اس سے استدلال فرمایا ہے۔ امام مالک کے مسلک پر تو جواب کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک طہارت سنت ہے لیکن یہ حدیث جمہور کے خلاف ہے۔ امام نووی نے جواب دیا کہ حضور اقدس ﷺ کو پتہ ہی نہیں چلا کہ آپ کی پشت مبارک پر کیا ڈالا گیا اور بعض نے جواب دیا کہ سلا جزور خشک تھی اور اس میں نجاست وغیرہ بھی بھری گئی اور پھر ڈلوایا تھا اور نجاست اپنے معدن میں مضر نہیں ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ یہ واقعہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ سے پہلے کا ہے جیسا کہ حافظ نے کتاب التفسیر میں لکھا ہے وانا انظر الخ اس لئے کہ اگر میں کچھ کرتا تو وہ مجھ کو مارتے۔

ویحیل بعضهم علی بعض :

یعنی ایک دوسرے کو مذاق میں کہہ رہے تھے کہ اس نے رکھا ہے یا یہ کہ آپس میں ایک دوسرے کو اشارہ کر رہے تھے حضور اکرم ﷺ کی طرف اور مذاق کرتے تھے کہ ذرا دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے؟ حتی جاءت فاطمة فطرحته عن ظهره وہ بچی اسی خاندان کی تھی ان سے کیا بولتے وعد السابع فلم یحفظه یہ سابع عمارہ بن ولید ہے۔(۱)

---

(۱) باب اذا القی الخ باب کی یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔ احناف جواب میں یہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ وثیابک فطهر جس سے طہارت ثیاب کے شرط ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے یہ اسی واقعہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حافظ نے فتح الباری جلد آٹھ میں بیان کیا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ طہارت کا حکم اس واقعہ کے بعد ہے اس سے پہلے طہارت ضروری ہی نہیں تھی او لغیر القبلة اگر اپنی تحری سے قبلہ متعین کر کے نماز پڑھی تو نماز جائز ہوگی لیکن اگر بغیر تحری کے نماز پڑھی اور پھر غلطی کا علم ہوا تو نماز نہ ہوگی۔ بسلا جزور سلا بچہ دان اور جزور اونٹ کو کہتے ہیں۔ اللهم علیک بقریش. یہ نبی اکرم ﷺ کی بددعا ہے حالانکہ حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ کسی کے لئے بددعا کرنے کی نہیں تھی ایسی صورت میں اس حدیث پر اور اسی طرح جن جن احادیث میں سے کسی بھی قسم کی بددعا کا ذکر ہے سب پر اعتراض ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ تعلیم فعلی کے لئے تشریف لائے تھے اور ہر شے کی تعلیم اس کو کر کے دکھائی ہے تو جو چیزیں شان نبوت کے خلاف نہیں ان کو آپ نے خود کر کے دکھلا دیا ان ہی میں سے یہ بددعا بھی ہے۔ یہاں ایک بات سب کے لئے قابل غور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی یہ دعا بدر کے موقعہ پر تقریباً پندرہ سال بعد پوری ہوئی اس سے معلوم ہو گیا کہ دعا کا فوراً قبول ہونا ضروری نہیں کبھی کبھی تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔ (کذا فی تقریر بن)

باب البزاق والمخاط ونحوه في الثوب

چونکہ نجاست وغیرہ کا ذکر چل رہا تھا اس لئے مصنف نے تھوک کا حکم بیان فرمادیا وجہ یہ ہے کہ حضرت سلمان وبعض تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ بزاق نجس ہے اور بعض کا مذہب ہے کہ ہر ایک کا اس کے حق میں پاک اور دوسرے کے حق میں ناپاک ہے امام بخاری کی غرض اس باب سے رد کرنا ہے فدلک بها جلده، اس سے امام بخاری نے طہارت ریق پر استدلال کیا ہے اور یہ جو کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا یہ سب عشق ومحبت کی باتیں ہیں۔

عناب لب لعاب دہن شربت وصال
یہ نسخہ چاہئے ترے بیمار کے لئے

باب لا يجوز الوضوء بالنبيذ ولا بالمسكر

مسکر سے بالاتفاق وضو کرنا ناجائز ہے پھر امام بخاری نے اس کو کیوں ذکر فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری وضو بالنبیذ کو ناجائز ثابت فرمارہے ہیں اور نبیذ کی روایت ملی نہیں اس لئے مسکر کی روایت سے استدلال فرمالیا اور چونکہ مسکر کی روایت ذکر فرمائی ہے اس لئے اس کو ترجمہ میں بھی ذکر فرمادیا۔ اب رہا یہ سوال کہ امام بخاری نے مسکر کی روایت سے نبیذ کے مسئلے کو کس طرح ثابت فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری کا استدلال اس طرح ہے کہ نبیذ مقدمہ مسکر ہے اور مقدمہ شے خود شے کے حکم میں ہوا کرتا ہے لہٰذا جس طرح وضو مسکر سے ناجائز ہے اسی طرح نبیذ سے بھی ناجائز ہوا۔ لیکن اس کا جواب ہوسکتا ہے کہ پھر تو پانی بھی مقدمہ نبیذ ہونے کے سبب ممنوع ہونا چاہئے۔

نبیذ اصل میں منبوذ یعنی پھینکے ہوئے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ پانی کہلاتا ہے جس میں کھجور وغیرہ ڈال دی گئی ہو۔ اور اس کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ پانی میں کھجور وغیرہ ڈالدی اور وہ شیریں ہوگیا۔ اس سے وضو کرنے میں ہمارے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں کسی قسم کی نبیذ سے وضو جائز نہیں حتی کہ اس قسم سے بھی جائز نہیں۔ حالانکہ یہ مسکر نہیں ہے مگر اس صورت میں اختلاف ایک اور اصل کلی مختلف فیہ پر مبنی ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے اصول میں ہے کہ اگر پانی کے اندر کوئی شی جامد طاہر مل جائے اور اس کی ماہیت میں فرق نہ آئے تو اس سے وضو جائز ہے اور شوافع وغیرہ کے نزدیک جب پانی کے اندر کوئی شی مل گئی تو وہ اپنے اطلاق سے نکل گیا۔ لہٰذا اس سے وضو جائز نہیں۔ حنفیہ کا مذہب اقرب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے غسل کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ اس کو بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے۔ شوافع وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ غسل تعبدی ہے غسل نجاست نہیں ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ كان رسول الله ﷺ يغسل راسه بالخطمي. شوافع فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ماء قراح سے دھولیتے ہوں گے۔ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ خود ابوداؤد میں ہے وكان يجتزی به. اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضور پاک ﷺ کے اونٹ پر حیض آگیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا انفست اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب تو فارغ ہو تو پانی میں نمک ڈال کر غسل کرلینا۔ یہاں حضور پاک ﷺ نے ان کو پانی میں نمک ڈال کر غسل کرنے کو فرمایا۔ اور اس کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اتنا اہتمام فرمایا کہ مرتے وقت وصیت کی کہ میرے غسل کے پانی میں نمک ڈالا جائے۔ حنابلہ نے یہ روایت دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ نمک مستثنیٰ ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر تم پہلے ہی ایک اصل اور قاعدہ مقرر نہ کرلیتے تو تمہیں اتنے استثناءات اور تاویلات کی ضرورت

نہ پیش آتی۔ دوسری قسم نبیذ کی اس قسم کے بالکل مقابل ہے کہ اس میں اسکار پیدا ہوجائے اس میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ اس قسم سے وضو کرنا جائز نہیں۔ اور تیسری قسم یہ ہے کہ پانی میں چھوارے وغیرہ ڈال کر پکالیا جاوے۔ اس قسم میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے بعض جائز کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں پھر بعض حضرات نے امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مسئلہ جواب التوضی بالنبیذ کے قول سے رجوع کرلیا ہے۔ اور اگر رجوع نہ بھی ثابت ہو تو بھی کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ کسی شی طاہر کے ملنے سے اگر ماہیت میں فرق نہ پڑے تو اس سے وضو جائز ہے اور یہاں فرق نہیں پڑتا۔ اور علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چودہ راویوں نے وضو بالنبیذ کی حدیث نقل فرمائی ہے۔

وکرهه الحسن وابو العالية :

یہ حضرت حسن کا مذہب ہوگا اور ان کی کراہت امام صاحب پر حجت نہیں جیسا کہ امام صاحب خود تابعی ہیں اور ابو العالیہ سے یہاں امام بخاری نے مجملاً نقل فرمایا ہے۔ ان کا اثر تفصیل کے ساتھ دار قطنی میں مذکور ہے۔ بذل کے اندر میرے حضرت نے اس کو نقل فرمایا ہے انہوں نے جب وضو بالنبیذ سے منع کیا تو کسی نے کہا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تو کرتے تھے تو ابو العالیہ نے فرمایا کہ وہ تمہاری نجس انبذہ نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ ابو العالیہ کی کراہت اس کی شدت وغلیان کی وجہ سے تھی اور ممکن ہے کہ حسن نے بھی اسی قسم کو مکروہ سمجھا ہو۔

وقال عطاء:

یہ ان کا مذہب ہے کل شراب اسکر فهو حرام اور نبیذ مقدمہ شراب ہے اور مقدمہ الشے شے کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا وہ بھی حرام ہے اور حرام سے وضو جائز نہیں فثبت الترجمة.

باب غسل المرأةُ اباها الدم

شراح فرماتے ہیں کہ استعانت فی ازالة النجاسة کو بیان فرمایا اور میرے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ پہلے میں قریب ہی میں بیان کرچکا ہوں کہ استعانت فی الوضو کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ دوسرا صرف پانی لاوے اور دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرا پانی ڈالے اور متوضی خود اپنے اعضاء دھوئے اور تیسری صورت یہ ہے کہ متوضی خود کچھ نہ کرے دوسرا شخص پانی بھی ڈالے اور دھوئے بھی۔ تو امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اگر مجبوری کی بناء پر ایسا کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود دھوتی تھیں۔

وقال ابو العالية امسحوا على رجلي:

ابو العالیہ کے اس قول سے بھی میری تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے دوسرے پیر کے مسح کا امر فرمایا اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ وہ مریض ہے اس کو تکلیف ہوگی۔

بای شیئ دوی جرح النبی ﷺ :

حضور اکرم ﷺ کو غزوۂ احد میں چہرہ انور پر چوٹ آئی تھی اس کے متعلق پوچھ رہے ہیں کہ کیا دوا حضور ﷺ کو لگائی گئی تھی۔ فاخذ حصير فاحرق. جب پانی ڈالنے سے خون بند نہ ہوا تو ایک بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی۔ راکھ کو خون روکنے میں ایک

خاصہ ہے۔ اسی وجہ سے بچوں کی ختنہ کے بعد اس مقام پر راکھ لگادیتے ہیں۔

باب السواک

اشکال یہ ہے کہ نجاسات وغیرہ کا ذکر چل رہا تھا۔ تو مسئلہ سواک کو کیوں بیان کیا؟ اس کو تو سنن الوضو کے ساتھ بیان کرتے اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب کو مسئلہ وضوء سے الگ ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ مسواک وضو کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ جب بھی ضرورت ہو کرلے۔ جیسا کہ فقہاء حنفیہ وغیرہ کہتے ہیں مسئلہ یہ ہے مسواک جمہور کے نزدیک سنت ہے اور بعض ظاہر یہ کہتے ہیں کہ واجب ہے۔ اور ابن حزم کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن واجب ہے اور باقی ایام میں سنت ہے۔ اع اع حاشیہ میں اہ اہ اور نسائی میں عاعا ہے یہ سب اس کی آواز کی تعبیرات ہیں جو مسواک کے اندر کی جانب کرتے ہوئے پیدا ہوئی تھیں کسی نے کچھ تعبیر فرمادیا اور کسی نے کچھ اختلاف کچھ نہیں ہے سب کا مآل ایک ہے۔

باب دفع السواک الی الاکبر

چونکہ مسواک بظاہر اشیاء مستقذرہ میں سے ہے کیونکہ اس سے منہ صاف کیا جاتا ہے اس لئے اس سے ایہام ہوتا تھا کہ بڑے کو دینا کہیں ادب کے خلاف نہ ہو تو امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ نہیں بلکہ مسواک ایک بڑی چیز ہے مطہرۃ فم ہے لہٰذا بڑے کو ہی دینی چاہئے۔

(فائدہ:)

علماء نے لکھا ہے کہ مسواک میں ستر فوائد ہیں جس میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مرتے وقت شہادتین یاد دلاتی ہے۔

باب فضل من بات علی الوضوء

یہ ترجمہ میرے نزدیک شارحہ ہے اور اس سے امام بخاری روایت کی دو طرح شرح فرمارہے ہیں ایک تو یہ کہ روایت میں ہے اذا اتیت مضجعک فتوضأ وضوءک للصلوۃ تو اس لفظ اذا سے ایہام ہوتا تھا کہ جب سونا چاہے تو اس وقت وضو کرے چاہے پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو۔ تو امام بخاری نے بتلادیا کہ مقصود نوم علی الوضو ہے۔ اب چاہے پہلے سے وضو ہو یا اسی وقت وضو کرے اور دوسرے یہ کہ فتوضأ کے امر سے بظاہر ایجاب کا شبہ ہوتا ہے کہ کیونکہ مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے تو امام بخاری نے یہاں سے تنبیہ فرمادی کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب و فضل کے لئے ہے۔

فائدہ:

اگر کوئی شخص باوضو سوئے تو برے خوابوں سے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ رہتا ہے اور اگر آیت الکرسی بھی پڑھ لے تو نور علی نور ہے۔ ثم اضطجع علی شقک الایمن یہ ہمارے نزدیک بہت معمولی سی بات ہوگئی اور اگر کوئی طبیب کچھ کہہ دے تو اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے اطباء کے نزدیک بائیں پہلو پر سونا بہتر ہے اس لئے کہ اس صورت میں نیند اچھی طرح آتی ہے مگر اس میں مضرت یہ ہے کہ بائیں طرف قلب ہے تو بائیں کروٹ سونے میں سارا دباؤ اور بوجھ دل پر ہوگا اور ممکن ہے کہ بخارات دل پر چھاجائیں اور ضعف قلب لاحق ہوجائے لیکن کسی کو اہتمام نہیں ہے اگر کوئی جدید تحقیق کا آدمی کچھ کہہ دے تو اس کو نہ معلوم کیا سے کیا سمجھ لیا جاتا ہے؟ حالانکہ یہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جدید سائنس والوں کی تحقیق یہ ہے کہ جب شہوت سے منی خارج ہوتی ہے تو بدن کے سارے مسامات سے

جراثیم باہر نکل آتے ہیں اگر فوراً غسل کر لے تو وہ جراثیم دھل جائیں گے اور صحت خوب اچھی رہے گی ورنہ پھر وہی جراثیم بدن میں داخل ہو جائیں گے۔ اور صحت پر برا اثر پڑے گا۔ اور اسی طرح ان کی تحقیق یہ ہے کہ مردوں کے لئے داڑھی کے بال اور عورتوں کے لئے سر کے بال پائریا کے مادے کے لئے جاذب ہیں۔ حضرت اقدس ﷺ بہت اس کا امر فرما چکے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا.

رغبة ای فی احسانک ورهبة ای من من معاتبتک فانت علی الفطرة. ای فطرة الاسلام التی فطر الناس علیها فردتها علی النبی ﷺ

یعنی میں نے ان کلمات کو یاد کرنے کے واسطے حضور اکرم ﷺ کے سامنے دہرایا تو جب میں **اللهم امنت بکتابک الذی انزلت** پر پہنچا تو اس کے بعد میں نے **ونبیک** کے بجائے **ورسولک** کہہ دیا کیوں کہ رسول کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے تو اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **لا ونبیک الذی ارسلت** یعنی **رسولک** مت کہو بلکہ **ونبیک الذی ارسلت** کہو۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ادعیہ میں ماثورہ کا اتباع کرنا چاہئے۔ اگر چہ ان صحابی نے ایک اعلیٰ لفظ کہا کیونکہ رسول کا درجہ نبی سے بڑھ کر ہے مگر وہ لفظ کہاں سے آتا جو زبان مبارک سے نکلا تھا۔ (۱)

---

(۱) باب فضل من بات الخ وفیه واجعلهن آخر ماتکلم. حافظ ابن حجر کے نزدیک اس آخر سے کتاب الوضوء کے اختتام کی طرف اشارہ ہے اور حافظ کی رائے کے ساتھ میری اپنی ایک رائے چل رہی ہے وہ یہ کہ کتاب کے ختم کی طرف اشارہ نہیں بلکہ خود تیرے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان مظاهری)

كتاب الغسل

امام بخاری نے وضو سے فراغت کے بعد غسل کو شروع فرمادیا اور دو آیتیں استبرا کا واستدلالا علی وجوب الغسل ذکر فرمائیں۔ ایک سورۂ مائدہ کی دوسری سورۂ نساء کی۔ مگر امام بخاری نے یہاں ترتیب قرآنی کے خلاف کر دیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آیت نساء پہلے ہوتی اور آیت مائدہ بعد میں کیونکہ سورۂ نساء مائدہ پر مقدم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت مائدہ مجمل ہے اور آیت نساء مفصل۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اجمال کے بعد تفصیل ہوا کرتی ہے اس لئے آیت مجملہ کو اولا اور آیت مفصلہ کو ثانیاً ذکر فرمادیا۔

باب الوضوء قبل الغسل

اس باب سے امام بخاری کی غرض کیا ہے؟ بعض شراح فرماتے ہیں کہ ظاہریہ کے نزدیک وضو فی الغسل واجب ہے، اور باقی لوگوں کے یہاں واجب نہیں تو امام بخاری اس باب سے اسی اختلاف کو بتلا رہے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وضو قبل الغسل کوئی مستقل سنت ہے یا غسل کا جزو ہے اور تشریفاً وتکریماً مقدم کر دیا گیا ہے اس میں ثمرۂ اختلاف یہ ظاہر ہوگا کہ اگر کوئی شخص قبل الغسل وضو کرے تو جو لوگ مستقل سنت نہیں مانتے ہیں بلکہ غسل کا جزء قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک یہی دھونا غسل مفروض کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ اور جو اس کو جزء نہیں مانتے ہیں ان کے نزدیک دوبارہ دھونا ضروری ہوگا۔ لاداء فرض الغسل مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا باب صفحہ اکتالیس پر مستقلا آرہا ہے اس لئے میرے نزدیک یہ مسئلہ وہاں کا ہے اور اگر وہاں کا نہ ہو تو ہم وہاں یہ توجیہ کریں گے کہ امام بخاری وہاں یہ بیان فرمارہے ہیں کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ جب وضو کرنے کے بعد غسل کرے گا تو ہاتھ ادھر ادھر جائے گا اور امام بخاری نے وضو من مس الذکر کا کوئی باب نہیں باندھا تو معلوم ہوا کہ وضو من مس الذکر کے قائل نہیں ہیں اور شوافع کے یہاں اگر ہاتھ پہنچ جائے تو دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔ تیسری غرض باب کی جو میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے وہ یہ کہ امام بخاری یہ بیان فرمارہے ہیں کہ وضو قبل الغسل کی کیا صورت ہوگی؟ آیا پاؤں پہلے دھویا جائے گا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ظاہر ہے یا بعد میں دھوئے گا جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں مصرح ہے۔ یہاں امام بخاری نے الوضو قبل الغسل باب باندھ کر دونوں طرح کی روایات ذکر کر دیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی۔ اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ پورا وضو کرے اور پیر بھی دھوئے ان کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ہے احناف کی بھی یہ ایک روایت ہے اور مالکیہ کے نزدیک اگر مستنقع الماء میں ہو تو بعد میں دھوئے ورنہ پہلے دھوئے۔ یہی حنفیہ کا ایک قول ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وحدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اختلاف کو اسی اختلاف احوال پر حمل کیا ہے تو اس صورت میں جمع بین الاخبار ہے اور بعض نے جمع اس طرح کیا ہے کہ وضو کرتے وقت اولا بھی دھولے عملا علی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور پھر بعد میں دھولے عملا علی حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ واللہ اعلم

باب غسل الرجل مع امرأته

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا ناجائز ہے تو امام بخاری اس پر رد فرماتے ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے امام بخاری ایک دوسرے کے عضو مستور کے دیکھنے کا جواز ثابت فرمارہے۔

ہیں کیونکہ جب ایک دوسرے کے ساتھ غسل کرے گا تو یقیناً ایک دوسرے کے عضو پر نظر پڑے گی۔ اور میرے نزدیک ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ جیسا امام بخاری نے ماقبل میں وضوء من فضل المراۃ کو ثابت فرمایا تھا۔ یہاں سے غسل من فضل المراۃ کا اثبات فرمارہے ہیں کیونکہ جب ایک ساتھ غسل کریں گے تو جس وقت ایک پانی لے گا تو وہ پانی اب اس کے لئے فضل بن جائے گا۔

باب الغسل بالصاع ونحوه

امام بخاری نے ونحوہ کا لفظ بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ روایات میں جو صاع کا لفظ غسل النبی ﷺ میں آتا ہے وہ تحدید کے لئے نہیں بلکہ مراد اس کے قریب قریب ہے واخو عائشة یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رضاعی بھائی تھے ان کا نام عبداللہ بن یزید بتلایا جاتا ہے۔ باناء نحو من صاع یہ ترجمہ کا ثبوت ہوگیا اور لفظ نحو کی تصریح یہاں آگئی۔ وافاضت علی راسہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردہ کرلیا اور سر کھول لیا کیونکہ وہ محرم تھے اور اگر سر نہ کھولتیں تو غسل کی کیفیت کیسے معلوم ہوتی؟

فقال رجل مایکفینی یہ رجل حسن بن محمد بن الحنفیہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں کثیر الشعر ہوں۔ میرے لئے کافی نہیں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کان یکفی من ھو اوفیٰ منک شعرا وخیرا منک ثم امنا فی ثوب ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم تو ابواب ستر عورت میں آئے گا۔ البتہ یہاں اس میں اختلاف ہے کہ امامت کس نے کرائی؟ حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرائی اور فرماتے ہیں کہ جس نے حضور اقدس ﷺ کی طرف نسبت کی اس کو وہم ہوگیا۔ اور علامہ عینی کی رائے ہے کہ حضور پاک ﷺ نے کرائی۔ والصحیح ماروی ابو نعیم اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ روایت مسانید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے یا مسانید میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت امام بخاری فیصلہ فرماتے ہیں کہ صحیح وہ ہے جو ابو نعیم نے روایت کی یعنی مسانید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ کیونکہ ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت کی ہے۔ (۱)

باب من افاض علی رأسه ثلثا

شراح نے اس باب کی کوئی غرض نہیں بیان فرمائی مگر چکی کا پاٹ یوں ہے کہ یہاں ایک اہم اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمادیا اور وہ اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ غسل میں دلک ہے یا نہیں؟ مالکیہ کے یہاں فرض ہے اور جمہور کے یہاں فرض نہیں امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ افاض بڑھا کر جمہور کی تائید فرمائی ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ اما انا فافیض علی راسی ثلثا۔

یہ روایت ابوداؤد و بخاری میں اسی طرح مختصر ہے۔ مسلم شریف میں تفصیل سے مذکور ہے کہ ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس ﷺ کے پاس غسل کا ذکر فرمارہے تھے کوئی کہتا تھا کہ میں تو اتنی بار پانی ڈالتا ہوں اور کوئی کچھ کہتا تھا حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی میں تو تین بار سر پر پانی ڈالتا ہوں۔ اب جس کو صرف مسئلہ سے کام ہے وہ تو حضور پاک ﷺ کا صرف قول مبارک ذکر

---

(۱) باب الغسل الخ نحو بڑھا کر اشارہ کردیا کہ صاع کی قید تحدید کے لئے نہیں۔ بعض لوگوں نے علامہ باجی سے نقل کیا ہے کہ یہ غسل بالصاع کا مسئلہ باب الغسل سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کو باب الاوانی میں ذکر کرنا چاہئے تھا تو یہاں سے امام بخاری نے بتلا دیا کہ یہاں اسی برتن کی قید نہیں ہے بلکہ اس جیسا کچھ ہی ہوا ایسی صورت میں اس کا تعلق اسی باب سے ہو جائے گا۔

کردیتا ہے۔اور جس کو واقعہ بیان کرنا مقصود ہے وہ سارا واقعہ بیان کرتا ہے۔

اتانی ابن عمک :.

یہ مجاز ہے اور ابن عم سے مراد ابن عم والدک ہے یعترض بالحسن بن محمد بن الحنفیہ یہ وہی ہیں جو پہلے گزرے ہیں۔ یہاں یہ سن لو کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ دونوں دو واقعے ہیں۔روایت سابقہ میں تو مقدار ماء کا ذکر تھا اور یہاں کیفیت غسل کا ذکر ہے۔ لیکن میرے نزدیک دو واقعے کہنے کی کچھ وجہ ظاہر نہیں ہوئی جب کہ وہی حسن بن محمد بن الحنفیہ ہیں اور وہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لہٰذا صرف اتنی سی بات ہے کہ وہاں مقدار بیان کرنی تھی اس کو بیان کردیا۔اور یہاں کیفیت مقصود تھی اس کو ذکر فرمایا۔ فتدبر

باب الغسل مرة واحدة

اقرب یہ ہے کہ امام بخاری کو اس بات پر تنبیہ کرنی ہے کہ جس طرح وضوء میں درجہ فرض مرۃ مرۃ ہے اسی طرح غسل میں بھی فرض ایک بار دھونا ہے اور بعض علماء مثلاً ماوردی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وضوء میں تو ثلثاً ثلثاً وارد ہے مگر غسل میں یہ قید نہیں ہے اس لئے اس میں تثلیث وغیرہ کچھ نہیں ہے لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک غسل میں بھی تثلیث مستحب ہے۔ مذاکیر یہ جمع باعتبار انثیین اور قضیب کے ہے. ثم مسح یدہ بالارض اس پر کلام آگے آئے گا۔(۱)

باب من بدأ بالحلاب او الطیب الخ

اول تو حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ کے سارے ابواب معرکۃ الآراء ہیں۔مگر یہ باب ان معارک الآراء ابواب میں سے ہے جن میں شراح نے بڑی کوششیں کیں مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ امام بخاری کی کیا غرض ہے؟ ایک جماعت تو پکار اٹھی۔

من ذاا لذی یسلم من الغلط :

غلطی سے کوئی مبرا نہیں ہے امام بخاری بھی غلطی میں پڑ گئے کہ حلاب کو طیب سمجھ لیا غسل سے پہلے خوشبو کا کیا کام؟ جو لوگ امام بخاری کے ہمنوا ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں حلاب بالحاء نہیں ہے بلکہ بالجیم ہے کاتب کی غلطی سے نقطہ نہیں لگا اس لئے وہ بالحلاب رہ گیا ان لوگوں نے امام بخاری کے ترجمۃ الباب کی خاطر حدیث میں تصرف کردیا یہ بڑی جسارت ہے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے تھا۔مگر محققین ان دونوں صورتوں سے الگ ہیں اور مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حلاب کے مشہور معنی یعنی دودھ کا برتن مراد نہیں ہے بلکہ یہ محلوب کے معنی میں ہے اور اس سے مراد وہ چیز ہے جو کسی چیز سے کھینچی گئی ہو یعنی عصارة البذور ۔عرب کا دستور یہ تھا کہ وہ نہانے سے قبل خاص بذور کا عصارہ اپنے ابدان میں ملا کرتے تھے جیسا کہ خوشبو قبل الغسل استعمال کرتے تھے لہٰذا اب حلاب وطیب میں تنافر نہیں رہا۔

اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حلاب کہتے ہیں اس برتن کو جس میں دودھ دوہا جائے اور جس برتن میں دودھ جاتا ہے اس میں چکنائی وغیرہ لگی ہوئی ہوتی ہے۔اور وہ چکنائی ساری خوشبو کی اصل ہوتی ہے تو امام بخاری کا ذہن ابتداء حلاب سے اس چکنائی کی طرف

---

(۱) باب الغسل مرة واحدة. اس باب کو منعقد کرنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے کہ سور کلب کا دھونا سات مرتبہ تھا اور غسل بھی سات مرتبہ تھا۔تو اب امام بخاری یہاں سے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام کا حکم تھا اب ایک مرتبہ کا غسل بھی کافی ہے۔(کذا فی تقریر مولوی احسان لاھوری)

گیا اور چونکہ وہ ساری معطرات کی اصل ہے اس لئے اس سے طیب کی طرف گیا اس وجہ سے لفظ طیب بڑھادیا اور حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے الطیب سے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ فرمادیا جو باب من تطیب ثم اغتسل وبقی اثر الطیب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو خوشبو لگائی اور حضور ﷺ اس وقت اپنی ازواج پر دور فرمارہے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے غسل فرمایا ہے تو یہاں پر خوشبو لگانے کے بعد غسل کرنا ثابت ہو گیا اور بداء ۃ بالحلاب روایت الباب سے ثابت ہو گیا۔

لہٰذا ترجمہ کے دونوں جزء ثابت ہو گئے ور مقصد یہ ہے کہ دونوں ہی جائز ہیں، اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ کان یغسل راسه بالخطمی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل سے قبل بعض چیزیں تطیب وتنظیف بدن کے لئے استعمال فرماتے تھے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ترجمہ بداء ۃ بالحلاب او الطیب میں تردد کر فرما کر اشارہ فرمادیا کہ پانی کے علاوہ اور کوئی چیز استعمال کرنا ثابت نہیں ہے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ترجمہ میں دو چیزیں حلاب اور طیب ذکر فرمائی تھیں لیکن روایت صرف ایک کی یعنی حلاب کی ذکر فرمائی دوسرے کی نہیں ذکر کی۔

دعا بشیئ نحو الحلاب:

روایت بالکل واضح ہے حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹ کا دودھ دوہا جائے چونکہ اس وقت متعدد برتن ہر کام کے لئے مستقلا نہیں ہوا کرتے تھے اس لئے اسی برتن میں دودھ نکال لیا اور اسی میں دوسرے وقت پانی لے کر غسل کر لیا فقال بهما علی راسه قال افعال عامہ سے ہے جہاں جیسا موقع ہو وہاں ویسے ہی اس کے معنی کر لئے جاتے ہیں یہاں اس کے معنی اشارہ کرنے کے ہیں۔(۱)

باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة

چونکہ مسئلہ مختلف فیہا تھا اور اہم تھا اس لئے مستقل باب باندھا۔ حنفیہ کے نزدیک غسل میں دونوں واجب اور وضو میں سنت ہیں اور حنابلہ کے یہاں تین روایتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں، دونوں میں واجب ہیں۔ دوسرے یہ کہ دونوں دونوں میں سنت ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ استنشاق دونوں میں واجب ہے اور مضمضہ دونوں میں سنت ہے۔ شوافع و مالکیہ کے یہاں دونوں دونوں میں سنت ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ ثم اتی بمندیل فلم ینفض بها استعمال نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس قسم کے تکلفات سے دور تھے۔

---

(۱) باب من بدأ بالحلاب او الطیب: تم لوگوں کو معلوم ہے کہ بخاری شریف میں سب سے زیادہ اہمیت اس کے تراجم کو حاصل ہے اور علماء نے ان کے اندر خوب باریکیاں پیدا کی ہیں لیکن اس کے باوجود چند تراجم ایسے ہیں جواب بھی پوری طرح حل نہیں ہوئے انہی میں سے ایک باب یہ بھی ہے۔ جس کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری کے مداحین نے پورا زور لگا رکھا ہے اور جو لوگ معترض ہیں ان کا اعتراض ہے کہ دیکھو امام بخاری کو عربی بھی نہیں آتی حلاب کے معنی طیب کے سمجھ کر باب میں طیب کا لفظ بڑھادیا لیکن یہ دونوں فریق افراط تفریط میں مبتلا ہیں اس سے بہتر یہ ہے کہ اعتدال رکھا جائے اور توجیہ کی جائے چنانچہ بعض لوگوں نے توجیہ کی ہے کہ آدمی میں فی حد ذاتہ خوشبو ہوتی ہے مگر پسینہ اور میل کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے تو جب آدمی رگڑ رگڑ کر اور مل کر نہائے گا تو میل اور پسینہ کی بدبو ختم ہو جائے گی اور ذاتی خوشبو پیدا ہو جائے گی اب دلک کے بعد حلاب کے ذریعہ غسل کرے گا تو حلاب اور طیب دونوں پائے گئے ایک توجیہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ خطمی کے ذریعہ غسل فرمایا کرتے تھے اور اس میں طیب ہوتی ہے تو اس روایت کی طرف اشارہ ہے۔

باب مسح الید بالتراب

روایت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جب حضور اکرم ﷺ دست مبارک سے منی وغیرہ دھوتے تھے تو ہاتھوں کو زمین پر یا دیوار پر رگڑا کرتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آبدست وغیرہ لینے کے بعد ہاتھ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اس بدبو کو زائل کرنے کے لئے مٹی کا استعمال فرماتے تھے اب اللہ کے احسان سے صابون کی کثرت ہوگئی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ وہ بدبو جو ہاتھوں میں باقی رہ جاتی ہے وہ کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے اور ہمارے یہاں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ بدبو نجاست کے اجزاء لطیفہ غیر مرئیہ ہیں جو لوگ بدبو کی اصل اجزاء غیر مرئیہ نجاست کو قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مٹی سے دھونا ضروری ہے اس لئے کہ یہ ازالہ نجاست کے قبیل سے ہے اور اس کا زائل کرنا ضروری ہے اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ بدبو وہ ہوا ہے جو ہاتھ کے پانی اور نجاست کے اتصال کے وقت ہاتھ سے لگی ہوئی تھی اور نجاست کے اتصال سے مکیف بکیفیة النجاسة ہوگئی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں ان کے نزدیک اس کا ازالہ ضروری نہیں ہے۔ اب یہاں ایک اشکال یہ ہوسکتا ہے کہ ہوا تو ایک جسم ہے جو حرکت کرنے سے ہٹ جاتی ہے تو جب فراغت ہوگئی تو ہاتھ وہاں سے ہٹ گیا۔ لہٰذا وہاں کی ہوا وہیں رہ گئی اور ہاتھ دوسری ہوا میں داخل ہوگیا اس کا جواب یہ ہے کہ استنجا کرتے وقت جب ہوا اور پانی کی ملاقات ہوگئی تو وہ ہوا پانی بن کر ہاتھوں کو لگ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ خشکی کے بعد بدبو جاتی رہتی ہے۔ فتدبر

یہ بحث اصل میں حضرت گنگوہی کی ہے جو انہوں نے ابوداؤد کی تقریر میں فرمائی ہے یہ تقریر بذل میں بھی نقل کی گئی ہے۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ جب اس بدبو میں یہ اختلاف ہے تو کیا عجب ہے کہ امام بخاری نے انقی کے لفظ سے ان لوگوں کی تائید فرمائی ہو جن کے نزدیک اس بدبو کا ازالہ واجب نہیں بلکہ صرف اولیٰ ہے۔

باب هل یدخل الجنب یده فی الاناء

اگر ہاتھ پر کوئی نجاست بظاہر لگی ہوئی ہو تو پھر سب کے نزدیک بالاتفاق پانی ناپاک ہوجائے گا اور اگر نجاست نہ لگی ہو تو ظاہریہ کے نزدیک ناپاک ہوجائے گا اور جمہور کے نزدیک ناپاک نہ ہوگا ودخل ابن عمر والبراء بن عازب الخ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر جنبی پانی میں ہاتھ ڈالدے تو وہ ناپاک ہوجائے گا۔ شراح نے اس کو بخاری کی روایت سے رد کردیا مگر میرے نزدیک رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ بخاری کی روایت محدث پر محمول کرلو اور ابن ابی شیبہ کی روایت جنب پر محمول ہے بلکہ اس میں تو جنابت کی تصریح ہے۔ (۱)

باب من افرغ بیمینه علی شماله فی الغسل

میرے والد صاحب کی رائے یہ ہے کہ بعض جگہ یہ بات مشہور ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا یہ عورتوں کا کام ہے

---

(۱) باب هل یدخل الجنب یده: چونکہ نجاست حکمیہ مثل نجاست حقیقیہ کے ہے اور اگر کسی کے ہاتھ پر حقیقی نجاست بول و براز میں سے مثلاً کچھ لگا ہوا ہو تو اگر وہ ہاتھ ڈالدے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے ایسے ہی یہ وہم ہوتا تھا کہ حکمیہ کی صورت میں بھی مثلاً اگر جنبی اپنا ہاتھ ڈالدے اگرچہ ظاہراً اس کے ہاتھ پر کچھ نہیں ہے تو وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہوگا۔ چونکہ اس کے اندر اختلاف ہے بعض کے نزدیک ناپاک ہوجاتا ہے اور بعض کے نزدیک ناپاک نہیں ہوتا تو اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ هل بڑھادیا۔ بما ینتضح من غسل الجنابة یہ ترجمة الباب کی دلیل ہے اس ترجمة الباب سے امام بخاری کا مقصد یہ بھی بتلانا ہے کہ ادخال ید سے پہلے ید کا دھونا ایجابی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ (کذا فی تقریرین)

توامام بخاری نے اس پر رد فرمادیا۔اور میری رائے یہ ہے کہ غسل میں دو چیزیں ہوا کرتی ہیں ایک پانی ڈالنا اور دوسرے ملنا۔تو اب امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان میں جو افضل ہوگا وہ داہنے ہاتھ سے کیا جائے گا اور چونکہ پانی ڈالنا ملنے سے افضل ہے اس لئے دائیں سے پانی ڈالا جائے گا اور بائیں سے رگڑا جائے گا۔

ثم افرغ بيمينه على شماله فغسل فرجه:

یہاں پر شراح یہ اشکال کرتے ہیں کہ ترجمہ میں افراغ باليمين على الشمال في الغسل ہے اور روایت میں الافراغ باليمين على الشمال في غسل الفرج ہے تو ترجمہ عام ہے اور روایت خاص ہے بعض دوسرے شراح نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ ''غسل فرج'' غسل ہی میں ہوتا ہے لہٰذا باقی میں قیاس سے ثابت فرمالیا۔مگر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے دوسری روایت کی طرف جو ابھی گزری ہے جس میں فرمایا گیا ہے فافرغ بيمينه على يساره فغسلها اس کی طرف اشارہ فرمادیا۔

باب تفريق الغسل والوضوء

میری رائے ہے کہ امام بخاری اس باب سے موالاۃ پر رد کرنا چاہتے ہیں چونکہ مالکیہ موالاة في الغسل والوضوء کے قائل ہیں اس لئے امام بخاری ان پر رد فرما رہے ہیں اور جمہور کی تائید فرما رہے ہیں اور یہ تائید غسل میں تو بالذات ہے اور وضو میں بالتبع انه غسل قدميه بعد ماجف وضوئه یہ عدم موالاۃ فی الوضو ہوگئی۔ ثم تنحى من مقامه فغسل قدميه یہ عدم موالاۃ فی الغسل ہوگئی پاؤں باہر نکل کر دھوئے تو موالاۃ کہاں باقی رہی؟

باب اذا جامع ثم عاد ومن دار على نسائه الخ

اس باب کی دو غرضیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہر ہر بیوی سے جماع فرمایا۔ ويغسل عند هذه وهذه اور اس کے بعد ارشاد فرمایا هذا ازكى واطيب واطهر اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک ہی غسل میں سب کو نمٹا دیا۔امام ابوداؤد نے اسی دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔تو بہت ممکن ہے کہ امام بخاری کی غرض ترجمۃ الباب میں في غسل واحد بڑھا کر اسی کی طرف اشارہ کرنا ہو اور اسی کو راجح بتلانا ہو۔اور دوسری غرض یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ معاد پر وضو واجب ہے یا نہیں؟ ظاہریہ کے نزدیک غسل مذاکیر و وضو واجب ہے اور جمہور کے نزدیک واجب نہیں تو امام بخاری نے في غسل واحد فرما کر ظاہریہ پر رد فرمایا اور اشارہ فرمادیا کہ بس ایک غسل ہی کافی ہے اس لئے کہ وضو کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔

يرحم الله اباعبدالرحمن:

یہ روایت کتاب الحج کی ہے یہاں مختصر ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ما احب ان اصبح محرما انضح طيبا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے اس قول پر رد فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن پر رحم فرمائے۔ابوعبدالرحمن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے۔ كنت اطيب رسول الله ﷺ یہ ترجمۃ الباب کی غرض ہے۔

كان النبي ﷺ يدور على نسائه:

اس روایت پر دو اشکال ہیں۔ایک فقہی دوسرا تاریخی فقہی اشکال یہ ہے کہ ایک ساعت میں کیونکر دور فرمایا کرتے تھے؟ اور اس کی

کیا صورت ہوتی تھی جب کہ قسمت واجب ہے تو دوسری کی نوبت کے درمیان کیونکر دور فرماتے تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ صاحبۃ النوبۃ سے اجازت لے کر ممکن ہے کہ دور فرمایا ہو اور حنفیہ کے مسلک پر تو کوئی اشکال ہی نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ پر قسمت واجب ہی نہیں تھی۔ دوسرا اشکال جو تاریخی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تمام بیویاں گیارہ تھیں مگر ان کا اجتماع نہیں ہوا اس لئے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے پہلی اہلیہ محترمہ ہیں اور ان کا انتقال ہجرت سے پہلے ہی ہو گیا تھا اور دوسری بیوی حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں ان کا وصال حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہو گیا تھا اور سب سے آخری نکاح جو حضور اکرم ﷺ نے کیا ہے وہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمرۃ القضا ۷ھ میں فرمایا ہے اور ان دونوں ازواج کا انتقال پہلے ہی ہو گیا تھا تو اب صرف نو بیویوں کا اجتماع ہوا اور یہ واقعہ ۷ھ کے بعد سے لے کر وفات کے درمیان کا ہے۔

اب اشکال یہ ہے کہ جب گیارہ کا اجتماع نہیں ہوا تھا تو پھر یہ کہنا کہ حضور اکرم ﷺ گیارہ ازواج پر ایک ساتھ دور فرمایا کرتے تھے کہاں تک صحیح ہے؟ جب کہ ازواج کی تعداد اس موقعہ تک صرف نو ہے۔اس کا ایک جواب تو حضرت امام بخاری دے رہے ہیں کہ تعداد ازواج موطوءۃ فی الساعۃ الواحدۃ میں روایات مختلف ہیں۔ایک روایت میں گیارہ دوسری میں نو ہیں یہی نو والی روایت راجح ہے۔اور دوسرا جواب یہ ہے کہ راوی کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بیک ساعۃ گیارہ عورتوں سے وطی فرماتے تھے اب یہ ضروری نہیں کہ وہ منکوحہ ہوتی تھیں یا ملک یمین لہٰذا جب اعم ہے تو پھر یہ روایت صحیح ہو جاتی ہے اس لئے کہ نو تو ازواج مطہرات ہو گئیں اور دو باندیاں جن میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور دوسری حضرت ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

قال قلت لانس او کان یطیقه:

قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہا کہ آیا یہ جو تم بیان کرتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ عورتوں سے وطی فرماتے تھے تو کیا حضور ﷺ میں اتنی طاقت تھی؟ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان ایک بار وطی کر لیتا ہے تو قوت سست پڑ جاتی ہے اگر بہت زیادہ قوی ہو تو ایک بار اور کر لے گا تو انہوں نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے یہ سوال کیا اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلاثین یعنی کیوں نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کو تیس مردوں کی قوت دی گئی تھی۔

یہاں اس روایت میں تو تیس مردوں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں سو مردوں کے بقدر قوت کا ہونا مذکور ہے۔ظاہر ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام سو عورتوں سے کر سکتے تھے تو حضور اکرم ﷺ تو ان سے بھی زیادہ قوی تھے۔

وقال سعید عن قتادۃ ان انسا حدثہم تسع نسوۃ. یہ امام بخاری کا جواب ہے۔(۱)

---

(۱) باب اذا جامع الخ اشکال یہ ہے کہ آپ نے جس رات میں تمام ازواج پر دور فرمایا ہے اس میں کسی نہ کسی کی باری ضرور ہو گی تو اس کی باری میں سب پر دور کس طرح صحیح ہو گیا؟ اس کے علماء نے مختلف جوابات دیئے ہیں اول یہ کہ آپ نے دوسری کی رضامندی سے ایسا فرمایا۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کوئی دن ایسا ہو جس میں باری سب کی پوری ہو چکی ہو اور پھر ابتداء کا وقت ہو تو ایک رات ایسی نکالی جس میں باری کی ابتداء نہیں فرمائی، بلکہ بعد میں فرمائی۔ تیسری یہ کہ باری رات میں ہوا کرتی تھی اور ممکن ہے کہ یہ دن کا واقعہ ہو۔ (کذا فی تقریرین)

باب غسل المذی والوضوء منه

میرے نزدیک اس باب کی مختلف غرضیں ہوسکتی ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذی کے اندر ائمہ کے مختلف اختلافات ہیں۔ ایک غرض یہ ہوسکتی ہے کہ طحاوی شریف میں امام طحاوی نے مذی کے بارے میں ایک جماعت کا مذہب نقل کیا ہے کہ مذاکیر کا غسل واجب ہے۔ اس جماعت میں حنابلہ بھی شامل ہیں کہ ان کے یہاں بھی ذکر (قضیب) کا غسل واجب ہے اور ظاہر یہ کے نزدیک قضیب کے ساتھ انثیین کا دھونا بھی ضروری ہے اور جمہور کے نزدیک صرف موضع مصاب یعنی جس جگہ مذی لگی ہو کا دھونا ضروری ہے تو ممکن ہے کہ امام بخاری نے غسل المذی فرما کر جمہور کی تائید اس اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائی ہو اور دوسری غرض یہ ہوسکتی ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مذی میں کلوخ کافی ہے یا نہیں؟ حنابلہ کے یہاں ماء کا ہونا ضروری ہے اور ہمارے یہاں دو روایات ہیں۔ راجح یہ ہے کہ کافی ہے اور اسی طرح شوافع کے یہاں دو روایات ہیں تو ممکن ہے کہ امام بخاری نے غسل کے لفظ سے حنابلہ کی تائید کی ہو اور تیسری غرض یہ ہوسکتی ہے کہ امام طحاوی نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ مذی کے خروج کے بعد وضو کرنا فی الفور ضروری ہے ائمہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں بلکہ تاخیر بھی جائز ہے۔ تو ممکن ہے کہ امام بخاری نے والوضوء منه بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ موجب وضو تو ہے مگر فی الفور نہیں اس لئے کہ کوئی لفظ جو فور پر دلالت کرے یہاں ذکر نہیں فرمایا اور ممکن ہے کہ غسل کے لفظ سے امام بخاری کا مقصود حنابلہ کی ایک جماعت پر رد کرنا ہو کیونکہ ان کے نزدیک منی کے اندر رش کرنا کافی ہے فامرت رجلا یا تو حضرت مقداد رضی اللہ تعالی عنہ ہیں یا حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ ہیں واغسل ذکرک جن روایات سے پورے ذکر کا دھونا اور جن روایات سے مع الانثیین دھونا ثابت ہوتا ہے اس کے متعلق جمہور فرماتے ہیں کہ وہ نظافت وعلاج پر محمول ہے۔

باب من تطیب ثم اغتسل الخ

شاہ صاحب کی رائے یوں ہے کہ اگر کوئی غسل میں دلک نہ کرے حتی کہ جو خوشبو غسل سے قبل لگائی تھی اس کا اثر غسل کے بعد بھی باقی رہا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے جو اس ریح کے ازالہ کا عدم وجوب پہلے بیان فرمایا ہے تو اسی کو یہاں بھی بیان فرمارہے ہیں کہ خوشبو مضر نہیں تو بدبو بھی مضر نہ ہوگی۔ کیونکہ دونوں از قسم ریح ہیں۔ مااحب ان اصبح محرما انضح طیبا۔ یہ وہی روایت ہے جس کو وہاں بالاختصار ذکر فرمایا ہے۔ (۱)

باب تخلیل الشعر حتی اذا ظن انه قد اروی الخ

شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ تخلیل شعر ضروری نہیں ہے بلکہ پانی کا بالوں کی جڑوں میں پہنچالینا کافی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی غرض ایک اور اختلافی مسئلہ کو بیان کرنا ہے وہ یہ کہ ائمہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ غسل

---

(۱) باب من تطیب الخ. اس باب سے قبل ابواب میں غسل سے قبل نجاست کے زائل کرنے کا ذکر تھا۔ اب یہاں غسل سے قبل خوشبو لگانے کا ذکر فرمارہے ہیں کہ اگر طہارت وغسل سے قبل خوشبو لگالے تو اس سے غسل میں فرق نہیں پڑتا۔ وذکرت لها قول ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول یہ ہے کہ احرام کے غسل سے قبل ایسی خوشبو اگر لگالی جائے جس کی خوشبو احرام کے باندھنے کے بعد بھی آتی رہے تو ایسی خوشبو لگانا جائز نہیں اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے فعل سے رد فرمادیا کہ میں لگاتی تھی۔ (س)

جنابت اور غسل محیض میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ حنفیہ و مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے اور حنابلہ کے نزدیک فرق ہے کہ حالت جنابت میں نقض ضفائر ضروری نہیں ہے۔ صرف پانی پہنچالینا بالوں کی جڑوں کو کافی ہے اور غسل محیض میں نقض ضروری ہے اور امام بخاری نے ابواب الحیض میں ایک باب ذکر کیا ہے باب نقض المراۃ شعرھا عندغسل المحیض تو میرے نزدیک امام بخاری نے حنابلہ کی تائید فرمائی ہے۔ یہاں تو صرف بلوغ الماء الی اصول الشعر پر اکتفا فرمایا اور غسل المحیض میں نقض الشعر کا ذکر فرمایا۔

باب من توضاء فی الجنابة الخ

میں نے باب الوضو فی الغسل میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض علماء کی رائے ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ غسل میں وضو کرنا کوئی مستقل سنت ہے یا مستقل سنت نہیں ہے بلکہ جزو غسل ہے جولوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ جز ہے ان کے نزدیک اگر وضو کرنے کے بعد ان اعضاء کو پانی نہ پہنچائے تو کوئی حرج نہیں اور جولوگ اس کو مستقل مانتے ہیں ان کے نزدیک پانی دوبارہ غسل کے اندر پہنچانا ضروری ہے، اگر نہ پہنچایا تو غسل متحقق نہ ہوگا۔ میں نے وہاں (محولہ بالا) باب میں بیان کیا تھا کہ اس کا محل یہ باب ہے اور میں نے تم کو باب کھول کر بھی دکھلایا تھا اسی واسطے یہ بات انسب ہے کہ اس مضمون کے اندر بالکل نص ہے اور وہاں میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اگر اس باب کی غرض یہ نہ ہو تو میں اور توجیہ کروں گا۔ وہ توجیہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب ہوتا ہے یا نہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب نہیں ہوتا اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں واجب ہے۔ تو امام بخاری نے اس باب سے وضو من مس الذکر کے قائلین پر رد فرمادیا اس لئے کہ جب کوئی پہلے وضو کرے گا اور پھر غسل کرے گا تو اس کی وجہ سے ہاتھ ادھر ادھر پہنچے گا ذکر کو بھی پہنچ جائے گا اور اس کے بعد وضو کرنے کو لکھا نہیں معلوم ہوا کہ یہ قائل نہیں اور اس کا کوئی باب بھی ذکر نہیں فرمایا۔ میرے نزدیک تو امام بخاری نہ مس ذکر سے وضو کے قائل ہیں اور نہ مس مرأۃ سے وضو کے قائل ہیں اور ان دونوں میں سے کسی کا باب بھی ذکر نہیں فرمایا۔ (۱)

باب اذا ذکر فی المسجد الخ

امام بخاری اس باب سے سفیان ثوری اور اسحٰق بن راہویہ پر رد فرما رہے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھول کر بحالت جنابت مسجد میں چلا گیا اور جانے کے بعد اسکو یاد آیا تو اب اس کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں بلکہ فوراً تیمم کرے اور پھر نکلے۔ اس لئے کہ اولاً وہ ناسی ہونے کی وجہ سے معذور تھا اب ذاکر ہونے کی وجہ سے اس پر ذاکر کے احکام جاری ہوں گے اور چونکہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہونے کی وجہ سے عادم الماء ہے لہٰذا تیمم کرے اور جمہو کا مذہب یہ ہے کہ فوراً نکل جائے امام بخاری جمہور کی تائید فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بحالت جنابت مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور یاد آنے کے بعد بلا تیمم کئے واپس تشریف لے آئے۔ نیز جتنی دیر میں تیمم کرے گا اتنی دیر بحالت جنابت مسجد میں مکث ہوگا اس لئے جلدی ہی نکل جائے۔

ثم خرج الینا وراسه یقطر فکبر فصلینا معه:

یہ روایت بڑی معرکۃ الآراء ہے بالخصوص سنن کے اندر اس میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے آپ کو یاد آ گیا

---

(۱) باب من توضاء الخ اس باب کی روایت ثم غسل جسدہ سے بظاہر باب ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر غالباً وہ ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ مقصود بقیہ جسد کے غسل کو ثابت فرمانا ہے اور یہ جسد عام ہے لہٰذا یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں فغسل سائر جسدہ صراحۃ مذکور ہے۔ (ن)

کہ آپ ﷺ جنب ہیں تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ٹھہرنے کو فرمادیا اور تشریف لے گئے پھر غسل فرما کر آئے اور تکبیر پڑھ کر نماز شروع فرمائی۔ مگر ابوداؤد میں یہ ہے کہ تکبیر کہنے کے بعد یاد آیا اور باہر تشریف لے گئے اس وقت ان لوگوں پر بڑا اشکال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ رکن ہے اس لئے کہ رکن بحالت جنابت شروع ہوا تو کیسے ہوا؟ اس پر مستقل کلام تو ابواب الامامۃ میں آئے گا۔ ہاں ایک اشکال یہاں یہ سن لو کہ اس موقعہ پر تکبیر اور اقامت صلوٰۃ کے اندر فصل طویل پایا گیا علی تعریف الفقہاء لہٰذا اعادۂ اقامت کیوں نہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اعادہ واجب نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بیان جواز کے واسطے ایسا فرمایا ہے اور حضور پاک ﷺ بیان جواز کے واسطے کوئی خلاف اولیٰ کام بھی کریں تو اس پر آپ کو واجب کا ثواب ملتا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے۔ (۱)

باب نفض الیدین الخ

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے ہے کہ امام بخاری کی غرض ماء مستعمل کی طہارت ثابت کرنی ہے اس لئے کہ جب نفض کرے گا تو کپڑے وغیرہ پر چھینٹیں پڑیں گے۔ اور اس کا دھونا کہیں منقول نہیں۔ اور میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے۔ لا تنفضوا ایدیکم فی الوضوء فانها مراوح الشیطان تو امام بخاری نے اس روایت پر رد فرمادیا۔ (۲)

باب من بدأ بشق رأسه الأیمن

اس میں اختلاف ہے کہ غسل کے اندر بدائت کہاں سے کی جائے؟ ہمارے یہاں بھی مختلف اقوال ہیں۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ اولاً دائیں مونڈھے پر پھر بائیں اور پھر سر پر ڈالے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اولاً دائیں پھر سر پھر بائیں پر ڈالے اور بعض کی رائے ہے کہ سر کے دائیں حصے پر پہلے ڈالے پھر بائیں پر یہی امام بخاری کی غرض ہے اور ہمارے یہاں بھی ایک روایت ہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ امام بخاری اس باب سے ظاہر یہ پر رد فرما رہے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک بدائت بالوضو واجب ہے۔ تو امام بخاری نے بدائت بالوضو نہیں بلکہ بدائت بشق راسه الایمن فرما کر ان پر رد فرمادیا۔

باب من اغتسل عریانا وحده فی الخلوة

مقصود عریاناً غسل کا جواز بیان کرنا ہے اور تستر کے ساتھ غسل کرنے کی فضیلت مگر یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں جب کہ غسل

---

(۱) باب اذا ذکر فی المسجد۔ اس باب میں امام بخاری نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس پر تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن ابوداؤد کے اندر ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور اقامت کہی گئی فکبر اور آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے ذریعہ نماز شروع کرادی اس کے بعد جنابت یاد آئی اور ایک روایت میں ہے فانتظرنا التکبیر اس صورت میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے بلکہ اسی پہلی روایت ابوداؤد پر اشکال ہے کہ جبکہ آپ ﷺ نے نماز کی ابتداء جنابت کی حالت میں کی تو نماز شروع ہی نہیں ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ کو استیناف کرنا چاہئے تھا آپ ﷺ نے کیوں نہیں فرمایا؟ چونکہ شراح نے ان دونوں روایتوں کو ایک ہی واقعہ پر محمول کر رکھا ہے اس وجہ سے اشکال ہو رہا ہے ورنہ میرے نزدیک دونوں کا محمل الگ الگ اور دونوں واقعے متعدد ہیں۔ جس حدیث میں ہے کہ انتظرنا التکبیر، یہ تو جنابت والا قصہ ہے اور جس کے اندر فکبر وارد ہوا ہے یہ باب الحدث فی الصلوٰۃ کا قصہ ہے۔ چنانچہ موطا امام محمد کے اندر اس حدیث پر یہی باب منعقد فرمایا ہے۔ اب اشکال مرتفع ہو گیا۔

(۲) باب نفض الیدین: شامی میں لکھا ہے کہ نفض یدین مکروہ ہے مصنف ابن ابی شیبہ کے اندر بھی ممانعت نقل کی گئی ہے لیکن جمہور کے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے اس باب سے جمہور کی تائید فرمائی ہے۔ (س)

خانہ میں ہو اور تستر اس لئے افضل ہے کہ ابوداؤد کی روایت بہز بن حکیم سے ہے وہ فرماتے ہیں۔ قلت یا رسول اللہ! ارایت ان کان احدنا فی الخلوۃ تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا واللہ احق ان یستحی منہ من الناس۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عریانا غسل کرنا خلوت میں بھی جائز نہیں ہے امام بخاری اس پر رد فرما رہے ہیں و کان موسیٰ علیہ السلام یغتسل وحدہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے حیادار تھے اس لئے وہ بنی اسرائیل کی طرح ایک دوسرے کے سامنے غسل نہ فرماتے تھے بلکہ تستر کے ساتھ فرماتے۔

انہ أور:

ای متورم الخصیۃ فذھب یغتسل مرۃ . ای فی خفاء من الناس. یقول ثوبی یاحجر ثوبی یاحجر. اس پر یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک جماد کو کیسے خطاب فرمایا؟ اس لئے کہ جب اس جماد سے ذوی العقول کا سا فعل صادر ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ندا فرمائی۔

فقالوا واللہ مابموسیٰ من باس:

چونکہ عادت الٰہی جاری ہے کہ وہ اپنے اولیاء کی حمایت فرماتے ہیں اور بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اعتراضات کو دفع کرنے کے واسطے پتھر کے اندر حرکت عطا فرما دی اور وہ ان کے کپڑے لے کر روانہ ہوگیا اور بنی اسرائیل کے مجمع کے پاس آ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے تشریف لائے ان کی قوم نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بڑے خوبصورت اور تندرست ہیں تو کہنے لگے واللہ مابموسیٰ من باس۔ موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں ہے. فطفق بالحجر۔ یہاں بھی کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ اس سے ایسا فعل سرزد ہوا ہے جو ذوی العقول سے صادر ہوتا ہے اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آ رہا تھا اس لئے انہوں نے اس کے ساتھ ذوی العقول کا سا معاملہ فرمایا۔ ولکن لا غنی عن برکتک یعنی میں نے جو حرصا جمع نہیں کیا بلکہ چونکہ یہ آپ کی برکت تھی اور میں آپ کی برکت سے کسی حال بھی مستغنی نہیں ہوسکتا اس لئے میں اسے جمع کر رہا ہوں یہاں ایک بات یاد رکھو صوفیہ کا قاعدہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ اولا تو کسی سے طمع نہ رکھو اور اگر کوئی شے بلا اشراف نفس کے آ جائے تو اس کو قبول کرلے ورنہ وہ پھر کبھی نہ آئے گی۔ (۱)

---

(۱) باب من اغتسل عریانا: یہاں سے اس بات کا جواز بتلاتے ہیں کہ اگر آدمی تنہا ننگے ہو کر غسل کرے تو جائز ہے اگرچہ تستر اولیٰ ہے۔ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک تستر واجب ہے اور ننگے ہو کر غسل کرنا جائز نہیں، امام شافعی سے بھی ایسا ہی منقول ہے حدثنا اسحق بن نصر باب کی اس حدیث کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ؟ خدا شرے برانگیزد در آں خیر نہاں باشد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فعل اور آیت قرآنی فبھداھم اقتدہ کے مجموعہ سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ تنہائی میں ننگے ہو کر نہانا جائز ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں تنہا ننگے ہو کر غسل فرمایا لنگی وغیرہ نہیں باندھی۔ اس حدیث میں ایک لفظ ہے وطفق بالحجر ضربا۔ اس پر بعض نے یہ احمقانہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے پتھر کو بے کار مارا کہ ایک بیجان چیز ہے اس کو مارنا تو بیوقوفی ہے لیکن جواب یہ ہے کہ من تزیا بزی قوم الخ یعنی جب کوئی شے دوسرے کا لباس اور شباہت اختیار کرلیتی ہے تو اس کا اثر بھی اس میں آ جاتا ہے تو جب اس پتھر نے کپڑے اٹھا کر بنی اسرائیل میں لا ڈالے تو وہ مثل دابہ کے ہوگیا تو جیسے دابہ کو مارا جا سکتا ہے اسی طرح اس کو مارا گیا۔ (کذا فی تقریرین)

باب التستر فی الغسل

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے باب سابق میں غسل خانہ میں بھی پردہ کے ساتھ غسل کرنے کی فضیلت بیان کی تھی اور یہاں مجمع میں غسل کرنے میں تستر کے وجوب کو ثابت فرمارہے ہیں۔ اور علامہ عینی وقسطلانی وغیرہ نے حافظ کا اتباع کیا ہے اور باب کی یہی غرض بیان کی ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ غرض نہیں اس لئے کہ جب تنہا غسل کرنے کے اندر تستر افضل ہے تو مجمع میں غسل کرنے میں تو تستر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ لہٰذا میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ ہے کہ اگر مجمع کے سامنے لنگی پہن کر غسل کرے تو اس کو نہ چاہئے کہ صرف لنگی پہن کر سب کے سامنے غسل کرے بلکہ یہ کرنا چاہیے کہ کچھ آڑ کرلے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آڑ کئے ہوئے تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمارہے تھے اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لنگی ضرور باندھے ہوئے ہوں گے۔ اور آڑ جو کی جارہی تھی وہ بقیہ بدن کی ہوگی۔ اگرچہ اس کا تستر ضروری نہیں۔

باب اذا احتلمت المرأة

میں اس کے متعلق کلام کرچکا ہوں کہ فلاسفہ کی ایک جماعت تو اس کا انکار کرتی ہے کہ عورتوں کے اندر منی ہوتی ہے اور فقہاء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ منی تو ہوتی ہے مگر چونکہ رحم کا منہ اٹھا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کو احتلام نہیں ہوتا اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اگر ٹانگ اٹھا کر وطی کی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے استقرار حمل کے لئے اور شہوت پوری ہونے کے لئے۔ تو امام بخاری نے اس باب سے یہ ثابت فرمادیا کہ عورت کے بھی منی ہوتی ہے اور اس کو احتلام بھی ہوتا ہے۔

باب عرق الجنب

مقصد یہ ہے کہ عرق جنب طاہر ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنب ہونے کی حالت میں فرمایا تھا۔ ان المؤمن لا ینجس اس سے یہ معلوم ہوا کہ کافر کا پسینہ ناپاک ہے۔ یہی بعض علماء کا مذہب ہے لیکن جمہور طہارت کے قائل ہیں اس لئے کہ کتابیہ سے نکاح کرنا جائز ہے اور جب نکاح ہوگا تو وطی میں پسینہ وغیرہ لگے گا حالانکہ اس کے دھونے کا کہیں حکم نہیں فرمایا ہے۔(۱)

باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق وغیرہ

چونکہ بعض سلف میں اختلاف رہ چکا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب تک غسل نہ کرلیتے تھے گھر سے نہیں نکلتے تھے اس لئے اس پر امام بخاری اس باب سے رد فرمارہے ہیں وقال عطاء یحتجم الجنب چونکہ حضرت حسن بصری سے نقل ہے کہ جنبی بحالت جنابت نہ تو حجامت کرائے اور نہ ناخن کتروائے اور نہ حلق راس کرے بلکہ اگر کرنا ہو تو وضو کرے اس لئے کہ اگر بحالت جنابت حلق راس وغیرہ کیا تو یہ بال و ناخن وغیرہ جنبی ہوں گے ان پر امام بخاری رد فرمارہے ہیں، حضرت عطا کے قول سے۔ کان یطوف علی نسائہ۔

(۱) باب عرق الجنب: چونکہ جنبی نجاست حکمیہ کی وجہ سے ناپاک ہے لہٰذا اس کو پسینہ آئے اور وہ کپڑے کو لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے اندر اختلاف ہے بعض ظاہریہ اور شافعیہ کے نزدیک وہ ناپاک ہے اور جمہور کے نزدیک وہ پاک ہے تو یہاں سے امام بخاری نے جمہور کی تائید فرمائی ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

حضور ﷺ ہر ایک سے ایک رات میں وطی فرماتے تھے تو ظاہر ہے کہ سب ایک جگہ تو ہوں گی نہیں بلکہ اپنے اپنے مکانوں میں ہوں گی لہٰذا حضور اقدس ﷺ کا نکلنا گھر سے بحالت جنابت ثابت ہوگیا۔ وله يومئذ تسع نسوة۔ یہ وہی روایت ہے۔

باب كينونة الجنب فی البيت

چونکہ بعض روایات کے اندر ہے ان الملائكة لاتدخل بيتا فيه كلب ولاصورة ولاجنب۔ اس لئے امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا کہ جنبی کو کلب وصورۃ کے مساوی کرنا صحیح نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کبھی اول شب میں قضائے وطی فرماتے تھے اور استراحت فرما کر غسل فرمایا کرتے تھے اور کبھی اخیر شب میں اور وجہ تاویل یہ ہے کہ جب والی روایت اس صورت پر محمول ہے جب کہ وہ اس حالت میں رہنے کا عادی ہوگیا ہو یا اسوقت اسی حال میں نماز کا وقت گزر گیا ہو۔

باب نوم الجنب

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض نسخ میں یہ ترجمہ ملتا ہے لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلے سے متعلق آگے ترجمہ آرہا ہے اور اگر یہاں ثابت مان لیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ ترجمہ مطلق ہے اور اگلا ترجمہ مقید ہے لہٰذا تکرار لازم نہیں آیا۔(1)

باب الجنب يتوضا ثم نام

ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک واجب نہیں۔ ذكر عمر بن الخطاب۔ بخاری کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابت جو پہنچی تھی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تھی مگر یہ صحیح نہیں بلکہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے جیسا کہ موطا امام مالک کی روایت میں تصریح ہے۔

باب اذا التقى الختانان

ختانان کا اطلاق تغلیبا ہے۔ چونکہ عرب میں عورتوں کے بھی ختنہ کا دستور تھا، اس لئے ختان سے تعبیر کردیا۔ اور التقاء ختانین کنایہ ہے دخول حشفہ وایلاج سے، سلف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رہا ہے انصار کی ایک بڑی جماعت الماء من الماء کہتی تھی اور یہی ظاہریہ کی رائے ہے اور بعض نے اسی کو بخاری کی طرف منسوب کردیا ہے۔ اور اکثر مہاجرین اکسال بدون الانزال سے بھی وجوب غسل کے قائل تھے اور اب یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ و دليلهم حديث اذا التقى الختانان فقد وجب الغسل اور الماء من الماء کی روایت کا جواب امام نسائی نے دیا ہے کہ احتلام پر محمول ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ الماء من الماء اول اسلام میں تھا یعنی اب منسوخ ہے۔ یہ دو جواب دیئے گئے ہیں۔

---

(1) شراح بخاری کے نزدیک یہ ترجمہ بے محل ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ باب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جنبی کے لئے بغیر وضو کے بھی سونا جائز ہے اور گویا رد ہے ظاہریہ پر کیونکہ ان کے نزدیک نوم سے پہلے توضی ضروری ہے اور تائید ہے جمہور کی کہ توضی افضل ہے، واجب نہیں۔ اور نوم کا خاص طور پر ترجمہ اس لئے باندھا کہ بعض آیات واحادیث میں نوم کو اخو الموت قرار دیا ہے تو جیسے یہ مناسب ہے کہ موت اچھی حالت میں آئے اسی طرح اولیٰ یہ ہے کہ نوم بھی اچھی حالت میں (باوضو) آئے لیکن اگر وضو نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ (كذا فی تقرير مولوی احسان)

اذا جلس بین شعبها الاربع:

شعبها الاربع سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں ایک یہ کہ فرج کے شعب اربعہ مراد ہیں۔ حقیقتا تو وہاں شعب اربع نہیں ہیں کیونکہ وہ تو ایک ملبوتری شکل ہے بلکہ مجازاً شعب اربع کہہ دیا۔ جانبین ہی میں شعب گویا مان لئے گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیر مراد ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں ٹانگیں اور دونوں سرین مراد ہیں۔ اس لئے کہ جب وطی کرے گا تو ان دونوں کے درمیان ہوگا اور میرے والد صاحب کی بھی یہی رائے ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ جب ٹانگیں اٹھا کر وطی کرے گا تو اس صورت میں دونوں سرین نیچے اور دونوں پیر اوپر ہوں گے اور وہ ان کے درمیان ہوگا۔

یہاں یہ بات سمجھو کہ حضور اقدس ﷺ نے چھوٹے چھوٹے فقروں میں بہت بڑے بڑے دنیا و آخرت کے مسائل حل فرمادیئے۔ خود دیکھ لو اس حدیث سے جہاں حکم شرعی معلوم ہو گیا تھا وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وطی کا کیا طریقہ ہے؟ اور یہ طریقہ طبی طور سے بھی اولیٰ ہے اور معاشرتی طور سے بھی۔ طبی طور تو اس طرح کہ وطی کرنے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رحم کا منہ منکوس ہوتا ہے تو منہ شرمگاہ کے سامنے آجاتا ہے اور پوری منی اندر چلی جاتی ہے اضاعت (منی) نہیں ہوتی اور استقرار حمل کے اندر معین ہوگی اور معاشرتی یہ کہ لذت زیادہ آئے گی۔ (۱)

باب غسل مایصیب من فرج المرأة

میں باب غسل المنی وفرکه الخ میں بیان کر چکا ہوں کہ وہاں میرے نزدیک غسل مایصیب من فرج المرأة سے اس منی کا غسل مراد ہے جو عورت سے مرد کو لگ جائے اور یہاں پر غسل رطوبت فرج المرأة مراد ہے۔ رطوبت فرج میں حنفیہ وحنابلہ وشافعیہ کے دو قول ہیں ایک طہارت دوسرا نجاست کا اور مالکیہ کا قول واحد ہے کہ نجس ہے۔

قال ابو عبدالله الغسل احوط:

اس میں اختلاف ہے کہ امام بخاری موجبین غسل بالا کسال بدون الانزال میں ہیں یا الماء من الماء کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں الغسل احوط سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری وجوب غسل کے قائل نہیں ہیں بلکہ ظاہریہ کے ساتھ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ الغسل احوط کہنے کا مطلب یہ ہے کہ روایات مختلف ہیں۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ غسل فرض وضروری ہے اور یہی میری رائے ہے۔ (۲)

---

(۱) باب اذا التقی الختانان والغسل احوط۔ یہ مسئلہ اجماعی بن گیا ہے ائمہ اربعہ کے درمیان لیکن صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں مختلف فیہ رہ چکا ہے۔ چنانچہ انصار کی ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ غسل بلا انزال لازم نہیں۔ والغسل احوط سے بعض شراح نے اس پر استدلال کیا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک غسل واجب نہیں بلکہ احتیاطاً ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ احتیاطاً واجب قرار دیتے ہیں جیسے نیند سے وضو کرنا احتیاطاً واجب ہے اس لئے کہ وہاں ریح کا مظنہ موجود ہے مگر ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میلان انصار کے مذہب کی طرف ہے اور یہ مستبعد نہیں۔ (کذا فی تقریرین)

(۲) باب غسل مایصیب: اس باب کا حوالہ ماقبل میں آچکا یہاں ایک لفظ ہے ویغسل ذکرہ اس سے معلوم ہوا کہ مایصیب من فرج المرأة ناپاک ہے جب ہی تو غسل کا حکم دیا جا رہا ہے لہٰذا اس سے شوافع پر رد ہو گیا۔ وذلک الاخر۔ اس لفظ سے میرے نزدیک موت کی طرف اشارہ ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک اختتام باب کی طرف اشارہ ہے۔ (کذا فی تقریرین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحیض

حیض کے معنی تو تم اور کتابوں میں پڑھ چکے ہو گے کہ جمع کے ہیں یا سیلان کے قل ہو اذی. ای الدم الخارج فی الحیض فاعتزلوا النساء فی المحیض یعنی لما علمتم ان الدم الخارج فی الحیض قذر نجس فلا ینبغی القربان فی تلک الحال. ولا تقربوھن. یہ لفظ ہر قسم کے قربان کی نہی کو شامل ہے۔ اپنے عموم کی وجہ سے اس لئے امام بخاری کو جہاں جہاں استثناء ملے گا وہاں وہاں ان مقامات کو اس عموم سے خاص کرتے رہیں گے اور ان پر ابواب باندھتے رہیں گے۔ امام بخاری نے کتاب الحیض کو اس آیت سے اس لئے شروع فرمایا کہ یہ آیت احکام حیض کو جامع ہے اور نیز ابتداء حکم حیض کی آیت ہے۔ اس لئے امام بخاری نے اس کو شمول اور دلالت علی الابتداء کی بناء پر اس آیت سے باب کو شروع فرمایا ہے اور کتاب منعقد کرنے کے اندر یہ کیا کہ صرف حیض کی کتاب باندھی اور استحاضہ ونفاس کو اس میں ذکر فرمایا۔ شراح کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ابواب حیض ہی اکثر تھے اسی اکثریت کی بناء پر حیض کو ذکر فرمایا اور باقی تابع ہو گئے اور میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو حیض ہی ہے اور استحاضہ ونفاس کوئی مستقل نہیں۔ استحاضہ کیا ہے؟ بگڑا ہوا حیض اسی لئے لفظ استحاضہ میں اختلاف ہے کہ اس میں معنی انقلاب پائے جاتے ہیں کہ حیض سے استحاضہ ہو گیا یا کثرت کی رعایت ہے کہ مدت حیض سے زائد ہو گیا اور نفاس کیا ہے وہ بھی حیض ہی کا خون ہے جو ایام حمل میں رحم میں جمع ہوتا رہا چونکہ ایام حمل میں حیض نہیں آتا اس لئے کہ وہ خون بچے کی غذا بنتا ہے اور جو بچ جاتا ہے وہ جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور ولادت کے بعد نکلتا ہے اور چونکہ وہ خون بچے کی غذا بنتا ہے اسی لئے صوفیہ فرماتے ہیں کہ انسان کیا تکبر کرے اور نخوت کرے؟ باپ کی میانی سے نکل کر ماں کی میانی میں آ گیا اور خون کھاتا رہا اور پھر بعد میں میانی ہی سے نکلا تو وہ کس بات پر تکبر اور نخوت کرتا ہے؟

باب کیف کان بدؤ الحیض

یہ تیسرا باب ہے جو کیف کان سے شروع ہوا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ امام بخاری نے کیف کان سے اصالۃً تیس باب منعقد فرمائے ہیں۔ بیس جلد اول میں اور دس جلد ثانی میں ان میں سے یہ تیسرا باب ہے۔ امام بخاری کا مقصد اس باب سے کیا ہے؟ وہ ان کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ بدأۃ حیض کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کب ابتداء ہوئی اور میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ بدؤ الحیض کا سبب کیا ہوا تو ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ فرما دیا جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ میرے نزدیک امام بخاری کیف کان سے وہاں باب منعقد فرماتے ہیں جہاں کسی روایت میں مسائل میں اختلاف ہو تو یہاں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بدأۃ حیض کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچہ کی غذا بنتا ہے اس لئے اس کی ابتداء ہوئی تا کہ وہ ایام حمل میں اس کو کھائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے سے ابتدا ہوئی ان کے زمانے میں دستور یہ تھا کہ مرد وعورت ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوا کرتی تھیں اور مرد جب سجدے میں چلے جاتے تھے تو یہ بیٹھی رہتی تھیں اور ان کو جھانک جھانک کر دیکھا کرتی تھیں اس لئے اس کی سزا میں ان پر یہ چیز مسلط کر دی گئی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام ہی سے حیض کی ابتداء ہوئی۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ ھذا شیء کتبه اللہ علی بنات آدم اور امام بخاری نے بنی اسرائیل والا قول نقل کر کے پھر اس قول کو کہ ابتدائے آفرینش انسان

سے عورتوں کو حیض آتا ہے ترجیح دی اور فرمایا کہ وحدیث النبی ﷺ اکثر دونوں روایتیں ہیں، اکبر بالباء اور اکثر بالثاء اور مطلب یہ ہے کہ حدیث النبی ﷺ اکبر قوة واکثر طاقة یا مطلب یہ ہے کہ حدیث النبی ﷺ اکثر شمولا واکبر قوة ۔اور علماء موجہین فرماتے ہیں کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ابتداء تو حضرت حوا سے ہے اور شدت بنواسرائیل کے زمانہ میں ہوئی ان کی شرارتوں کی بناء پر اور امام بخاری نے ترجمہ میں ھذا شی کتبه الله علی بنات آدم لکھ کر حدیث میں جوامر کا لفظ ھذا امر کتبه الله میں تھا اس کی شرح فرمادی۔

غیر ان لا تطوفی بالبیت:

اس لئے کہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائض کا مسجد میں جانا جائز نہیں ولان الطواف بالبیت صلوة والحائض ممنوعة عن الصلوة فکذا عن الطواف. وضحی رسول الله ﷺ عن نسائه بالبقر ۔چونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن احرام کھول کر متمتع ہوگئی تھیں اس لئے حضور اکرم ﷺ نے دم تمتع کے اندر ان کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔

باب غسل الحائض رأس زوجها

جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ لاتقربوھن سے ہر قسم کے قربان کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اس لئے امام بخاری ان استثناءات کو ذکر فرمائیں گے جو حدیث میں آئے ہیں اور جن میں قربان ثابت ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت شوہر کے سر کو بحالت حیض دھوسکتی ہے اور کنگھی کرسکتی ہے۔ اب یہ سنو! کہ روایت میں صرف ترجیل کا ذکر ہے۔ غسل الراس کا کہیں ذکر نہیں۔ اس لئے شراح بخاری فرماتے ہیں کہ چونکہ ترجیل کے وقت عامۃً غسل بھی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے امام بخاری نے اسے قیاسا ثابت فرمادیا۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ آگے روایت آرہی ہے اس کے اندر غسل کا بھی ذکر ہے تو دوسرے جز سے اس کی طرف اشارہ فرمادیا کانت ترجل راس رسول الله ﷺ ۔ترجیل اور دوسری خدمات میں کوئی فرق نہیں اس لئے اور خدمت بھی کرسکتی ہے۔

باب قرأة الرجل فی حجر امرأته

شراح کی رائے یہ ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ حائض خود قرآن نہیں پڑھ سکتی اب اگر کوئی اس کی گود میں بیٹھ کر پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ امام بخاری نے بتلادیا کہ جائز ہے۔ اور میرے نزدیک ایک اور مسئلہ اختلافیہ کی طرف حضرت امام نے اشارہ فرمادیا۔ وہ یہ کہ اس میں اختلاف ہے کہ جزدان کے ساتھ حائض قرآن اٹھاسکتی ہے یا نہیں؟ حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک اٹھاسکتی ہے اور مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک نہیں اٹھاسکتی تو امام بخاری نے اس سے اس مسئلہ کو ثابت فرمادیا اور احناف کی تائید کی۔

وکان ابو وائل یرسل خادمه الی ابی رزین:

اس سے بھی میری بات کی تائید ہوتی ہے۔

باب من سمی النفاس حیضا

یہاں اشکال یہ ہے کہ روایت سے تو تسمیة النفاس بالحیض ثابت نہیں ہو رہا بلکہ روایت سے تو تسمیة الحیض بالنفاس ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب حیض آگیا تو حضور اقدس ﷺ نے

انفست فرمایا یہاں اطلاق النفاس علی الحیض ہوانہ کہ اطلاق الحیض علی النفاس بعض علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ ترجمہ مقلوب ہے اصل میں یوں ہے باب من سمی الحیض نفاسا۔ اور بعض علمانے جواب دیا ہے کہ سمی، اطلق کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ من اطلق النفاس علی الحیض۔ اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ امام بخاری نے روایت کے الفاظ کو باب میں الٹ دیا۔ دونوں کے اندر احکام میں تلازم ثابت کرنے کے لئے کہ دونوں کے احکام ایک ہیں الاماخص. الا ماخص کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً مدت حیض دس دن تک ہے اور مدت نفاس چالیس دن۔ اب امام بخاری کی اس ترجمہ سے کیا غرض ہے؟ بعض کی رائے ہے کہ محض یہ ثابت کرنا ہے کہ اطلاق النفاس علی الحیض ہوتا ہے اور میرے نزدیک تلازم فی الاحکام بیان کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ یہاں لغت بتلانے کے واسطے نہیں آئے تھے اور نہ ہی امام بخاری کی یہ کتاب لغت میں ہے۔

باب مباشرة الحائض

حائض سے مباشرت کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تو فرماتے ہیں کہ مادون السرّة ومافوق الرکبة جائز نہیں ہے اور اس کے علاوہ بعد الاتزار جائز ہے۔ اور امام احمد بن حنبل اور امام محمد فرماتے ہیں کہ صرف مقام خاص کے اندر مباشرت تو جائز نہیں اور باقی سب جگہ جائز ہے۔ ان حضرات ائمہ اربعہ نے احتیاط برتی اور ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ جوان کو زیادہ جوش ہوتا ہے اس لئے اس حد تک اجازت دیدی۔ امام بخاری اس مسئلہ میں اگلوں کے ساتھ ہیں فی فور حیضتها یہ یباشرها کے متعلق ہے۔

وایکم یملک اربه:

یہ لفظ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے ایک اَرَبُ دوسرے اِرْبُ۔ اول حاجت اور وطر کے معنی میں ہے اور ثانی عضو مخصوص کے معنی میں ہے اور اس جملہ کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ حضور اکرم ﷺ باوجود اتنی قوت اور جوش کے اپنی حاجت پر قابو اور قدرت رکھتے تھے یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی امر خلاف ہوجائے اور تم کو اتنی طاقت نہیں ہے لہٰذا اپنے آپ کو حضور پاک ﷺ پر قیاس مت کرو۔ بلکہ اس میں احتیاط کروایسا نہ ہو کہ من یرتع الحمی وقع فیه کے مطابق کہیں کسی خلاف امر کا ارتکاب ہوجائے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے عضو اور اپنی حاجت پر قابو یافتہ تھے اور باوجود اس کے پھر بھی مباشرت فرماتے تھے تو پھر تم تو اتنے قابو یافتہ نہیں ہو لہٰذا تم کو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ دونوں متضاد وجہیں ہوگئیں۔ (۱)

باب ترک الحائض الصوم

شراح کہتے ہیں کہ نماز کا ترک ظاہر تھا اور اس کے ترک میں قضاء نہیں ہے اس لئے ترک الصلوٰۃ کا باب نہیں باندھا۔ اور میں کہتا ہوں کہ ترک الصلوٰۃ کا باب آگے آرہا ہے یہ وجہ نہیں ہے بلکہ چونکہ ترک الصوم میں قضا ہوتی ہے اور ترک الصلوٰۃ میں قضا نہیں

---

(۱) باب مباشرة الحائض: آیت کریمہ ولا تقربوهن سے مباشرت کی بھی نفی ہورہی تھی یہاں سے اس کا استثناء فرماتے ہیں کہ مباشرت کے معنی ہیں بشرہ کو بشرہ سے ملانا یعنی کھال کو کھال سے ملانا۔ امام بخاری اس مسئلہ میں امام صاحب، امام مالک کے ساتھ ہیں اسی وجہ سے انہوں نے اس باب میں تین حدیثیں وہ ذکر فرمائی ہیں جو سب اتزار کی ہیں۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

ہوتی تو گویا دونوں کا ترک الگ الگ نوع کا ہوا۔ وجوب قضا اور عدم وجوب قضا کے اعتبار سے الگ الگ باندھا اور چونکہ صوم کے اندر قضا بھی ہے اس لئے اس کو مقدم کر دیا۔

فقلن ومانقصان دیننا:

یہ روایت کتاب الایمان میں باب کفر دون کفر کے اندر گزر چکی ہے اور اس پر کلام بھی گزر چکا ہے لیکن ایک اشکال یہ ہے کہ مسلم کی روایت میں ہے فقامت امرأة جزلة جس کا ترجمہ علامہ قاری نے ذکیة فطینة سے کیا ہے۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمانا عام طور پر ہے اور اس سے دو چار افراد مستثنیٰ بھی ہوں گے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم مجموعہ نساء کے لئے مجموعہ رجال کے مقابل میں ہے۔ (۱)

باب تقضی الحائض المناسک کلها الخ

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ باب کی غرض یہ ہے کہ حائض طواف بالبیت نہیں کر سکتی مگر یہ غرض میرے نزدیک صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہو جائے گا۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ حائض عبادات بدنیہ کر سکتی ہے۔ الا ما استثنی اور یہ قریب ہے اور میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ غرض یہ ہے کہ حائض سارے مناسک حج ادا کر سکتی ہے سوائے طواف کے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری قرأة القرآن للجنب کا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ جنب اور حائض میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں قرآن پاک پڑھ سکتے ہیں اور حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک مطلقاً نہیں پڑھ سکتے اور حنفیہ کے نزدیک مادون آیت اور مالکیہ کے نزدیک آیت اور آیتین پڑھ سکتے ہیں، وقال ابراهیم لاباس ان تقرا الأیة امام بخاری یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ جب وہ سارے مناسک ادا کر سکتی ہے تو کیا قرآن نہیں پڑھ سکتی؟ ضرور پڑھ سکتی ہے۔

ولم یر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالقرأة للجنب بأسا:

اور جنب و حائض میں کیا فرق ہے؟ لہٰذا دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

وکان النبی ﷺ یذکر اللہ علی کل احیانه:

اور ذکر کے اندر قرآن بھی داخل ہے۔ اور حضور ﷺ جنبی بھی ہوتے تھے اور جنبی و حائض میں کوئی فرق نہیں لہٰذا حائض بھی پڑھ سکتی ہے۔ فیکبرن بتکبیرهم ویدعون دعا تکبیر جو ذکر الٰہی ہے جب وہ جائز ہے تو قرآن بھی تو ذکر الٰہی ہے وہ بھی جائز ہوگا۔ تعالوا الی کلمة الأیة یہاں یہ بات یاد رکھو کہ تعالوا کے بعد الآیت بھی کہہ رہے ہیں اور اس کے بعد پھر آیت بھی ذکر فرما دی یہ اختلاف نسخ کی وجہ سے ہے کہ ایک نسخے میں اول آیت کے بعد الایة کا لفظ تھا اور دوسرے نسخے میں پوری آیت تھی ناقلین نے دونوں کو جمع کر دیا۔

---

(۱) باب ترک الحائض الصوم: حائضہ کے لئے صوم کی قضا کیوں ہے؟ اور نماز کی کیوں نہیں؟ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ صلوٰۃ بالکل دوام طہارۃ کو مقتضی ہے لہٰذا حائضہ نماز کی اہل نہیں۔ جیسے صائم سو جائے یا احتلام ہو جائے یا اور کوئی نجاست نکل آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر نماز میں پیشاب کا قطرہ نکل آئے یا منی نکل آئے تو نماز ہی ٹوٹ جائے گی اس لئے چونکہ وہ نماز کی اہل نہ تھی اس لئے نماز کی قضا نہیں۔ ہاں روزہ کی اہل ہے اس لئے روزہ کی قضا ہے۔

وقال الحکم انی لاذبح الخ مطلب یہ ہے کہ میں بحالت جنابت ذبح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ذبح باسم اللہ کا حکم فرماتا ہے اور جس پر اس کا نام نہ ہو اس سے منع فرماتا ہے تو اگر میرا ذکر اللہ کرنا بسبب میری جنابت کے معتبر نہ ہوتا تو ذبیحہ حلال نہ ہوتا۔ حالانکہ حلال ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ جائز ہے۔

باب الاستحاضة

یہ بڑا مشکل باب ہے میرے حضرت نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ چالیس سال تک بخاری شریف پڑھائی اور اب تک یہ باب سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ سمجھتا تھا کہ بذل لکھوانے کے وقت سمجھ میں آجائے گا مگر پھر بھی سمجھ میں نہیں آیا مطلب اس بات کا یہ ہے کہ مستحاضہ عورتیں جن کا ذکر ابواب الاستحاضہ میں آتا ہے ان میں اس قدر اختلاف ہے کہ کوئی تعیین نہیں ہوسکتی کہ ہم ایک کے متعلق کوئی حکم مثلاً معتادہ یا متمیزہ ہونے کا قطعاً لگادیں اور جس نے اس کے خلاف لکھا ہو اس کی تردید کردیں۔ اس باب پر جس قدر بسط سے کلام امام ابوداؤد نے فرمایا ہے اور کسی نے نہیں کیا حتی کہ امام بخاری نے صرف ایک باب ذکر فرمادیا اور کوئی اختلاف روایت بھی ذکر نہیں فرمایا۔

فاذااقبلت الحیضة فاترکی الصلوٰة:

اقبال سے کیا مراد ہے؟ اس پر کلام آگے کروں گا۔ فاذاذهب قدرها اس لفظ کو یاد رکھو اس سے ہمیں آگے چل کر کام لینا ہے۔(۱)

باب غسل دم الحیض

میرے نزدیک یہ ترجمہ شارحہ ہے چونکہ حدیث میں نضح کا لفظ ہے جس کے معنی چھڑکنے کے ہیں۔ اس لئے امام بخاری نے بتلا دیا کہ نضح سے مراد غسل ہے۔ جیسا کہ غسل المذی میں فرمایا تھا اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اسی طرح بول صبیان میں نضح غسل کے معنی میں ہے۔ کما قلنا سابقا.

---

(۱) باب الاستحاضة : ابوداؤد میں چونکہ اس کے متعلق بہت سے ابواب ہیں جس کی بناء پر وہاں بہت جھگڑا کرنا پڑتا تھا۔ امام بخاری نے نہایت سہولت دیدی ہے کہ صرف ایک ہی باب ذکر فرمایا ہے اور مسئلہ بتلا دیا کہ استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ جب مدۃ حیض ختم ہوجائے تو ایک مرتبہ غسل کرلو بس یہی کافی ہے اور اب یہ کہ مدت حیض کتنی ہے اس کے متعلق ایک الگ باب اور باندھا ہے۔ امام بخاری نے استحاضہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس باب میں جو احادیث ہیں ان کے اندر تعارض ہے اور نیز وہ احکامات نہیں علاجات ہیں اور میرے نزدیک چونکہ وہ انواع مختلفہ پر محمول ہیں۔ اس وجہ سے جھگڑا نہیں فرمایا۔

حدثنا عبداللہ بن یوسف اس حدیث میں ہے فاذااقبلت الحیضة ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقبال کے معنی ہیں جب خون کالا آنے لگے اور ادبار کے معنی ہیں جب خون کالا ختم ہوجائے تو یہ دو اصطلاحیں ہیں اہل حدیث کی اور ائمہ ثلاثہ اسی سے استدلال کرتے ہیں۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو تم نے اقبال ادبار کے معنی بیان فرمائے ہیں یہ حدیث سے ثابت نہیں بلکہ تمہارے خود ساختہ ہیں۔ لہٰذا یہ ہم پر حجت نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اقبال کے معنی آگے کی طرف آنا اور ادبار کے معنی پیچھے کی طرف جانا۔ لہٰذا اقبال کے معنی ہوئے حیض کا آنا عادت کے ساتھ اور ادبار کے معنی حیض کا چلا جانا عادت کے ساتھ۔ اسی وجہ سے ہمارے نزدیک تمیز کا اعتبار نہیں اور ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ یہاں اقبلت کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے کیونکہ اس کا مقابل ادبرت نہیں آرہا ہے بلکہ اذاذهب قدرها ہے جس سے معلوم ہوا کہ ادبار کے معنی ہیں وقت سے ختم ہونا حیض کا لہٰذا اس سے تمیز پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ (کذا فی تقریر مولوی سلیمان)

باب اعتکاف المستحاضة

غور سے سنو! چونکہ اعتکاف مساجد میں ہوتا ہے اور مساجد کی تطہیر کا حکم مستقذرات ونجاسات سے وارد ہوا ہے اور مستحاضہ کو خون آتا رہتا ہے جو نجس وقذر ہے اس سے بظاہر وہم ہوتا تھا کہ وہ اعتکاف نہ کر سکے گی تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ اعتکاف کرنا جائز ہے۔

اعتكف معه بعض نسائه وهي مستحاضة:

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ازواج رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کو دم استحاضہ نہیں آتا تھا اور اس روایت کا وہ جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے اعتكف معه بعض نساء امته مگر یہ صحیح نہیں بلکہ حضرت ام حبیبہ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو استحاضہ آیا ہے۔ اور خود دوسری روایت میں امرأة من ازواجه اور اس سے اگلی روایت میں بعض امہات المؤمنین کا لفظ مذکور ہے جو ان کے اس قول کی تردید کر رہا ہے۔ (۱)

باب هل تصلي المرأة في ثوب حاضت فيه

روایت سے صاف ظاہر ہے کہ جس کپڑے کو پہن کر عورت نے اپنا زمانہ حیض گزارا ہو وہ زمانہ طہر میں اس کو پاک کر کے اس میں نماز پڑھ سکتی ہے۔ اب جبکہ روایت صاف ہے تو پھر هل سے ترجمہ کیوں باندھا؟ اس کے متعلق میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاری کی نظر میں مختلف روایات ہیں چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے فانسلت فاخذت ثياب حيضتي اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض کا کپڑا دوسرا ہوتا ہے اس لئے امام بخاری نے اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ترجمہ میں هل ذکر فرمادیا۔

قالت بريقها :

جیسا کہ میں نے غسل الدم میں بیان کیا تھا کہ چونکہ اس میں لزوجت ہوتی ہے اس لئے رگڑ کر پھر دھوئے ورنہ پانی بہت بہانا پڑے گا تو یہاں پہلے نرم کرنے کے واسطے تھوک کا استعمال ہوا اور پھر اس کو رگڑ دیا۔ احناف کے یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی انگلی ناپاک ہو اور وہ اس کو چاٹ لے تو وہ پاک ہو جائے گی تو اس مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے۔ (۲)

باب الطيب للمرأة عندغسلها من الحيض

شراح کے نزدیک تاكد الطيب للحائض عند الفراغ من الحيض کو بیان کیا ہے اور میرے نزدیک ترجمہ شارحہ ہے کہ

---

(۱) باب اعتكاف المستحاضة :جن علماء نے یہ کہا ہے کہ ازواج مطہرات کو استحاضہ نہیں آتا۔ وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں استحاضہ نزغہ شیطان کی وجہ سے آتا ہے اور یہ نزغہ سے محفوظ ہیں۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک اعتکاف مستحاضہ جائز ہے۔

(۲) باب هل تصلي الخ ابوداؤد کے اندر ایک روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عورتوں نے دریافت کیا کہ آیا ہم ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتی ہیں جو ایام حیض میں ہمارے بدن پر رہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگر اس کے اندر اثر دم وغیرہ نہ ہو تو پڑھ لو اس روایت کی طرف امام نے اس ترجمہ سے اشارہ فرمایا ہے اور اس کا جواز ثابت فرمادیا لیکن هل بڑھا دیا اور یہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ اگر روایت میں کسی بھی احتمال کی بناء پر غور وفکر کیا جا سکے تو وہ تشحید الاذہان لئے ہل لے آتے ہیں اور یہاں بھی احتمال ہے وہ یہ کہ اس میں نماز کی تصریح نہیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث متقدم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حیض وطہارت کے کپڑے الگ الگ تھے۔ اب یہاں ان دونوں روایتوں کی وجہ سے یہ احتمال ہو گیا کہ نماز کے لئے کوئی اور کپڑا ہوتا تھا یا ایک ہی کپڑا تھا جسے پاک کر کے نماز پڑھ لیا کرتی تھیں۔ (کذا فی تقریرین)

چونکہ مسک کا لفظ آیا تھا اس لئے اس کی شرح فرمادی کہ اس سے خوشبو مراد ہے کسی خاص مسک کی تعیین نہیں البتہ بعض شوافع سے نقل کیا گیا ہے کہ مسک لگانا متعین ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ استقرار حمل میں معین ہے ممکن ہے کہ امام بخاری کا مقصود شوافع کے اسی قول پر رد کرنا ہو۔

كنا ننهى ان نحد على ميت فوق ثلث الا على زوج:

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ غیر زوج پر تین دن سے زیادہ احداد و سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔

قد رخص لنا عند الطهر:

اس سے شراح کا قول ثابت ہوتا ہے۔

کست اظفار:

کست خوشبو کو کہتے ہیں اب رہ گیا اظفار تو یہ لفظ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے ایک اظفار ظفر کی جمع اور دوسرے ظفار۔ اگر ظفار مراد لیں تو یہ ملک یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور اگر اظفار ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک خوشبو نگ کہلاتی ہے وہ ناخن کی شکل کی ہوتی ہے اس لئے اس کو اظفار کہتے ہیں۔

باب دلک المرأة

امام بخاری نے تتبعی بها اثر الدم کی شرح فرمادی کہ اس سے مراد دلک ہے۔

وتاخذ فرصة ممسكة(۱)

یہ لفظ دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ممسکہ باب(۲) افعال سے اور ممسکہ باب تفعیل سے ممسکہ کے معنی بعض لوگوں نے پکڑے ہوئے کے بتلائے ہیں مگر یہ بالکل مہمل ہے۔ کیونکہ ہر کپڑا پکڑا جاسکتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ممسکہ کے معنی متبذلہ کے ہیں یعنی پرانا کپڑا کیونکہ نئے میں اضاعت ہے اور خشونت کی وجہ سے محل مخصوص کے نرم ہونے کی بنا پر خراش کا خوف ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ من مسک ہے مسک کے معنی چمڑے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ چمڑے کا کوئی ٹکڑا ہو۔(۳)

باب غسل المحيض

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس باب میں اور باب غسل دم الحیض دونوں میں غسل بفتح الغین مصدر ہے وہاں غسل ثیاب مراد ہے اور

---

(۱) یہ میم کے فتح کے ساتھ ہے چمڑے کو کہتے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ چمڑے کا تھوڑا سا ٹکڑا لے کر اس سے دم کو صاف کرے کیونکہ وہ دم بہت دن سے لگا ہوا ہونے کی وجہ سے نہایت سخت ہو جاتا ہے جس کے لئے سخت شی ء کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس کو زائل کر دے۔" (کذافی تقریر مولوی سلیمان)

(۲) هکذا فی تقریر ۱۳۸۰ھ و ایضا ان لفظ الممسكة يحتمل ان يكون مفعولا من الافعال ويحتمل ان يكون مفعولا من التفعيل ولكن جزم النووي وتبعه القسطلاني وشيخ الاسلام زكريا الانصاري بالاخير قالوا بضم الميم الاولى وفتح الثانية وفتح السين المشددة اى قطعة من قطن اوصوف اوخرقة مطيبة بالمسك وذكر الضبط الاول ابن رسلان ولكن جوز فتح السين وكسرها ۱۲ محمدی

(۳) باب دلک المرأة وفيه كيف تغتسل: اس جملہ سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہاں دلک مراد ہے۔ یہ کیف ان تین ابواب میں سے نہیں ہے جن میں مستقل کیفیت کو بتلانا ہے اور جن میں کسی تاریخی اختلاف کی طرف اشارہ ہے بلکہ یہ تبعاً آ گیا۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

یہاں غسل بدن۔ اور بعض کہتے ہیں کہ غسل بالضم ہے اور دم الحیض کے اندر غسل بالفتح ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے۔ وہاں غسل الدم کا ذکر تھا اور یہاں نفس غسل کا اور میں نے بیان کیا تھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غسل الجنابۃ اور غسل الحیض میں فرق ہے جیسا کہ حنابلہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ جنابت میں نقض ضفیرہ ضروری نہیں۔

اور حیض میں ضروری ہے۔ امام بخاری اسی کو ثابت فرمارہے ہیں اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔

امر عبدالرحمن لیلۃ الحصبۃ:

لیلۃ الحصبۃ چودھویں ذی الحجہ کی رات کہلاتی ہے اسی میں محصب میں قیام ہوتا ہے۔

باب قول اللہ عزوجل ﴿مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾

اس باب کی غرض شراح کے نزدیک آیت کی تفسیر کرنی ہے مگر اس وقت یہ مسئلہ کتاب التفسیر کا بن جائے گا۔ لیکن شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ادنی مناسبت کی وجہ سے ذکر فرمادیا۔ اور ابن بطال وغیرہ کی رائے ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ حاملہ کو حیض آتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ وحنابلہ کہتے ہیں کہ نہیں آتا ہے اور مالکیہ وشافعیہ کہتے ہیں کہ آسکتا ہے۔

امام بخاری نے قول اول کی تائید فرمائی ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ مگر اشکال یہ ہے کہ روایت میں حیض کے آنے نہ آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری یہ بیان فرمارہے ہیں کہ بچہ خواہ وہ تام الخلق ہو جو مخلقہ کے معنی ہیں یا ناقص الخلق ہو جو غیر مخلقہ کے معنی ہیں تو اب جب وہ پیدا ہوگا تو اس موقعہ پر جو خون آئے گا وہ دم نفاس ہوگا۔ اس لئے کہ بعد ولادۃ الولد جو خون آتا ہے وہ نفاس کا ہوتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ ناقص بھی ولد ہی کہلاتا ہے۔ یا رب نطفۃ یہ چالیس دن تک کہتا ہے اور پھر یا رب علقہ یہ بھی چالیس دن تک کہتا ہے جب نطفہ علقہ بن جاتا ہے اور جب علقہ مضغہ بن جاتا ہے تو چالیس دن تک یا رب مضغۃ کہتا ہے۔ صوفیا نے چلہ کشی کو اسی سے مستنبط کیا ہے کیونکہ ایک چلہ میں آدمی کے اندر تغیر ہو جاتا ہے اور تین چلے میں تکمیل خلقت ہو کر جان پڑجاتی ہے۔ اسی لئے یہ تبلیغ والے بھی تین تین چلے لوگوں سے مانگتے ہیں۔ فیکتب فی بطن امہ۔ آدمی کی سعادت اور اس کی شقاوت ایک ورق وغیرہ پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ الآیۃ

باب کیف تہل الحائض بالحج والعمرۃ

روایت نے بتلادیا کہ غسل کر کے باندھے۔ اس سے امام بخاری نے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمادیا وہ یہ کہ حائض کے احرام کے واسطے غسل کرنا ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک تنظیف کے لئے ہے۔ ظاہریہ کہتے ہیں کہ چونکہ پاکی تو حاصل نہیں ہوئی لہٰذا جو امر فرمایا ہے وہ تعبدی ہوا لہٰذا غسل واجب ہے اس کا جواب یہ ہے یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جب غیر حائض کے لئے مستحب ہے تو حائض کے لئے بدرجہ اولیٰ مستحب ہوگا۔ (۱)

---

(۱) باب کیف تہل الحائض۔ یہ چوتھا باب ہے جو کیف کے ساتھ شروع ہوا ہے۔ اهل بالحج واترک العمرۃ اس جملہ کو ذہن نشین کرلو کتاب الحج میں کام دیگا کیونکہ اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔ (کذا فی تقریرین)

باب اقبال المحیض وادبارہ

اقبال کے معنی لغت میں آگے آنا اور ادبار کے معنی پیچھے جانا۔ جیسا کہ تم کو فاقبل بهما وادبر میں معلوم ہو چکا۔ اس میں اختلاف یہ ہے کہ اس کی حقیقت شرعیہ کیا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقبال حیض کے معنی ایک خاص قسم کے خون یعنی مثلاً دم اسود کا آجانا اور ادبار کے معنی اس دم اسود کا چلا جانا ہے۔ اور وہ حضرات اسی اقبال وادبار کی روایات ہی سے استدلال کرتے ہیں اور سنن کی روایت میں وهو دم اسود یعرف وارد ہے اس سے بھی استدلال کرتے ہیں مگر دہ روایت ضعیف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ روایت اس معنی میں نص نہیں ہیں لہٰذا اس پر اس کو حمل نہیں کیا جائے گا اور جہاں وہ روایت آئے گی وہاں تم کو اس کی توجیہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ لون کا حیض کے اندر کوئی اعتبار نہیں مدار ایام پر ہے ان روایات کی بنا پر جن میں فاذا ذهب قدرها ہے جیسے ابوداؤد و نسائی میں ہے اور مالکیہ کے نزدیک حنفیہ کے بالمقابل صرف تمیز ولون کا اعتبار ہے ایام کوئی چیز نہیں ان روایات کی بنا پر جن میں لون کا ذکر ہے اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک جمعا بین الروایات دونوں کا اعتبار ہے اب اس کے بعد جہاں کہیں لون وایام کے اندر اتفاق ہو جائے وہاں ائمہ کے درمیان مدت حیض میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک ایام کی بنا پر اور مالکیہ کے نزدیک لون کی بناء پر اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک دونوں کی بناء پر۔ لیکن جہاں کہیں اختلاف ہو جائے تو حنابلہ ہمارے ساتھ ہیں اور شافعیہ، مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

لا تعجلن حتی ترین القصة البيضاء:

اس سے بھی حنفیہ کی تائید اس پر ہوتی ہے کہ لون کا کوئی اعتبار نہیں اور قصہ بیضاء اس سفید پانی کو کہتے ہیں جو اختتام حیض کے بعد نکلتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ روئی وغیرہ تری سے پاک رہے۔

باب لا تقضی الحائض الصلوة

باب ترک الحائض الصوم میں شراح کا قول نقل کر چکا ہوں اور اپنی رائے بھی بیان کر چکا ہوں کہ چونکہ صلوۃ وصوم احکام میں مختلف ہیں اس لئے مصنف نے الگ الگ باب باندھا اور قضاء صلوۃ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرج ہے اور صوم میں حرج نہیں ہے اور میری رائے یہ ہے کہ حیض صوم کے منافی نہیں ہے بخلاف صلوۃ کے کہ اس کے منافی ہے اس لئے کہ صوم میں طہارت شرط نہیں ہے اور صلوۃ میں شرط ہے۔ احرورية انت۔ حروراء ایک جگہ کا نام ہے جو خوارج کا مرکز تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے احرورية انت کہہ کر ای اخارجية انت مراد لیا ہے اور اس کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ خوارج نئے نئے مسائل بتلاتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ چیز قرآن میں نہیں ہے یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے اس لئے انہوں نے پوچھا کہ یہ جو نیا مسئلہ تو بتلا رہی ہے کیا تو خارجیہ ہے؟

باب النوم مع الحائض وهي في ثيابها

چونکہ ابوداؤد شریف میں ہے لم ندن یعنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن فرماتی ہیں کہ زمانہ حیض میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں جاتے تھے تو امام بخاری نے ان پر رد فرما دیا اور میرے نزدیک یہ ہے کہ وہاں عدم دنو ان کی طرف سے تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب کر لیتے تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے اور شوہر کے قریب جانے کو جی نہیں چاہا کرتا۔

باب من اتخذ ثياب الحيض الخ

اگر کوئی عورت حیض کے لئے دوسرا کپڑا اپنا لے تو کیا حکم ہے امام بخاری اس کا جواز ثابت فرماتے ہیں کہ یہ اسراف میں داخل نہیں

ہے۔ واخذت ثیاب حیضتی۔ اس روایت کی وجہ سے میں نے باب ھل تصلی المرءۃ میں لکھا تھا کہ چونکہ یہاں دو کپڑوں کی روایت ہے اور وہاں ایک ہے اس لئے امام بخاری نے ھل کے ساتھ ترجمہ باندھ دیا اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی رات کے واسطے دوسرے کپڑے لے لے تو جائز ہے۔

باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين ويعتزلن المصلى

اس اعتزال من المصلی کی وجہ کیا ہے؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ مصلے مساجد کے حکم میں تو ہے نہیں مگر چونکہ حائضہ ونفساء نماز نہیں پڑھیں گی اس لئے انہیں اندر جا کر قطع صفوف کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں دعوۃ المسلمین وعیدین میں تکثیر سواد مسلمین وشرکت فی الدعوات کے لئے حاضر ہونا جائز ہے اور دوسرے علماء کی رائے ہے کہ مصلی چونکہ مساجد کے حکم میں ہے اور حائضہ ونفساء کے لئے مسجد میں جانا ممنوع ہے اس لئے یہ اندر نہیں جاسکتیں عواتقنا ای شوابنا.

اعلی احدانا بأس اذالم یکن لها جلباب:

یعنی اگر ناداری کی وجہ سے کسی کے پاس جلباب نہ ہو اور وہ پردہ کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا لتلبسها صاحبتها یعنی اس کی ہیلی اس کو اوڑھا دے اس سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے کی چادر اوڑھ کر جانے کو فرما رہے ہیں من جلبابها اس کے دو معنی ہیں اول یہ کہ اس کو اپنے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا دیدے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسی کپڑے میں شریک کر لے جو خود اوڑھے ہوئے ہے۔ الا قالت بابی یہ لفظ چار طرح سے پڑھا گیا ہے بابی الف کے ساتھ اور بیبی، ابدال الالف بالیاء کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں ابدال یاء آخرہ کے الف کے ساتھ یعنی بابی وبیبی وبابا وبیبا فقلت الحیض: حیض حائض کی جمع ہے اور اس سے پہلے ہمزہ استفہام ہے الف تعریف کے ساتھ ملکر آ بالمد ہو گیا۔ الیس تشهد عرفة یعنی جب عرفہ وغیرہ میں حاضر ہوسکتی ہے تو مصلّی کے حاضر ہونے میں کیا اشکال ہے؟

باب اذاحاضت فی شهر ثلث حيض

اس باب میں اصل جملہ وما یصدق النساء ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ اس چیز کا باب ہے جس کے اندر عورتوں کی تصدیق کی جاتی ہے۔ حیض کے بارے میں اور حمل کے بارے میں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی ایسی بات کا دعوی کرے جو اسی سے معلوم ہوسکتی ہو مثلاً حیض یا حمل اور اس کا دعوی اس کی تکذیب نہ کرتا ہو تو اس کا قول اس میں معتبر ہوگا لیکن اس سے پہلے اذا حاضت فی شهر ثلث حیض ذکر فرمادیا۔ اس کے مہتم بالشان اور کثیر الاختلاف ہونے کی بناء پر چونکہ اسمیں اختلاف ہے کہ اگر کوئی عورت یہ کہے کہ مجھ کو ایک ہی ماہ میں تین حیض آگئے تو اب اس کا قول معتبر ہوگا یا نہیں امام بخاری کی رائے ہے کہ معتبر ہوگا اس لئے اس کو ذکر فرمادیا۔ اب ائمہ اربعہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ اقل مدت کونسی ہے۔ جس کے اندر اگر عورت انقضاء عدت کا دعوی کرے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ امام احمد سے مشہور یہ ہے کہ اٹھائیس دن اور دو لحظے ہیں اور امام مالک کے نزدیک تیس دن اور چار لحظات ہیں اور امام شافعی کے نزدیک بتیس دن اور لحظتین ہیں اور امام اعظم کے نزدیک ساٹھ دن ہیں اور صاحبین کے نزدیک انتالیس دن ہیں اور یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ اقل مدت حیض اور اکثر مدت حیض کیا ہے اور اقل مدت طہر کیا ہے؟ امام احمد کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن

ہے اور اکثر پندرہ دن ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور مالکیہ کے نزدیک اقل مدت حیض کچھ نہیں ایک لحظہ بھی ہوسکتا ہے اور اکثر دس دن ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اقل مدت حیض ثلثة ایام ولیالیها اور اکثر مدت عشرة ایام ولیالیها ہے اور اقل مدت طہر امام احمد کے نزدیک تیرہ دن ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پندرہ دن ہیں۔ تو جب امام احمد کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن ہے اور اقل مدت طہر تیرہ دن ہیں تو اب انقضائے عدت کی اٹھائیس دن اور لحظتین کے اندر یہ صورت ہوگی کہ ایک لحظہ وہ طہر جس کے اندر طلاق دی اور ایک دن اقل مدت حیض اور پھر تیرہ دن اقل مدت طہر مجموعہ چودہ دن اور ایک لحظہ ہوگیا پھر ایک دن اقل حیض اور تیرہ دن اقل طہر اور ایک لحظہ حیض کا جس کے اندر وہ طہر ختم ہوا یہ بھی چودہ دن اور ایک لحظہ ہوگیا۔ مجموعہ اٹھائیس دن اور دو لحظات ہوگئے اور چونکہ ان کے نزدیک عدت بالاطہار ہوگی۔ لہٰذا ایک لحظہ طہر جس کے اندر طلاق دی اور اس کے بعد تیرہ دن ایک دن کا درمیان میں فاصلہ دے کر اور پھر تیرہ دن درمیان میں ایک دن کا فاصلہ دیکر مجموعہ تین طہر ہوگیا۔ اور مالکیہ کے نزدیک تیس دن اور اربع لحظات اس طرح ہونگے کہ ایک لحظہ طہر جس کے اندر طلاق دی اور پھر ایک لحظہ حیض ایک دن کے بجائے جو حنابلہ کے یہاں ہے اور پھر پندرہ دن اقل طہر اور پھر ایک لحظہ حیض پھر پندرہ دن طہر پھر ایک لحظہ حیض جس کے اندر طہر ثالث ختم ہوا۔ پندرہ پندرہ مل کر تیس ہوگئے جو اقل طہر ہیں اور ایک لحظہ اقل طہر کا جس کے اندر طلاق دی ہے اور تین لحظات حیض کے مجموعہ تیس دن اربع لحظات ہوگیا اور شوافع چونکہ اقل طہر میں مالکیہ کے ساتھ ہیں اور اقل حیض میں حنابلہ کے ساتھ اس لئے پندرہ پندرہ دو طہر ہو کر تیس یوم ہوگئے اور دو دن درمیان میں حیض کے اب سب مجموعہ بتیس ہوگیا اور ایک لحظہ طہر جس کے اندر طلاق دی اور ایک لحظہ حیض جس کے اندر طہر ثالث ختم ہوا۔ اب مجموعہ بتیس دن اور دو لحظات ہوگئے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ عدت بالحیض ہوگی اور اقل مدت حیض تین دن اور اقل مدت طہر پندرہ دن ہیں۔ لہٰذا تین حیض کے مجموعہ ایام نو دن ہوگئے۔ اور درمیان میں دو طہر پندرہ پندرہ دن کے یہ تیس ہوگئے اب مجموعہ انتالیس دن ہوگئے۔ اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں جانب میں اقل ہی مراد لیا جائے طہر کے اندر بھی اور حیض کے اندر بھی بلکہ ایک طرف اگر اقل ہوگا تو دوسری طرف اکثر۔ اور چونکہ اکثر طہر کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے اکثر حیض لیں گے اور چونکہ عدت بالحیض ہے۔ لہٰذا تین حیض اکثر مدت کے اعتبار سے تیس دن ہوگئے۔ کیونکہ اکثر مدت حیض دس دن ہیں اور درمیان میں دو اقل طہر کے تیس دن ہوگئے۔ اب کل مجموعہ ساٹھ ہوگیا۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام بخاری نے جو ایک ماہ کے اندر انقضاء عدت کو بیان فرمایا ہے وہ حنابلہ اور مالکیہ کے مذہب پر تو صادق آئے گا لیکن حنفیہ وشافعیہ کے مذہب پر ایک ماہ کے اندر انقضاء نہیں ہوسکتا۔

لقول اللّٰہ تعالیٰ وَلَايَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ:

آیت شریفہ سے ان کے قول کے معتبر ہونے پر استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مافی الارحام کے کتمان کو حرام قرار دیا ہے اگر ان کے قول کا اعتبار ہی نہ ہوتا تو ان کے کتمان کی تحریم کا کیا فائدہ؟ خواہ وہ کتمان کریں یا ظاہر کریں۔

قال عطاء اقراء ها ماكانت:

یعنی ہم کوئی مدت متعین نہیں کرسکتے جو اس کو آتا ہو وہی اس کا حیض ہے چاہے جتنے دن بھی آئے۔ الحیض یوم الی خمسة عشر یعنی اقل ایک دن ہے اور اکثر پندرہ دن ہیں۔ قال النساء اعلم یعنی پانچ دن بھی ہوسکتے ہیں۔ دعی الصلوة قدر الایام یہ حنفیہ کی تائید ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک عادت معتبر ہے اور یہ لفظ اس پر دلالت کرتا ہے جو لوگ تمیز کا اعتبار کرتے ہیں ان کے خلاف

ہے اور جس روایت میں اقبال وادبار آتا ہے اس سے تمیز کے قائلین استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اقبال سے مراد یہ ہے کہ رنگ ممتاز ومیتز آجائے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ تو آپ نے اس کے معنی متعین فرمالئے ہیں نسائی وغیرہ میں کثرت سے روایات ہیں جو عادت کے اعتبار پر دلالت کرتی ہیں۔

باب الصفرة والكدرة فی غير ايام الحيض

چونکہ ماسبق میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول حتی ترین القصة البیضاء گزر چکا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہرلون حیض ہو اور کنا لا نعد الکدرة والصفرة شیئا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیض کا لون نہیں ہے لہٰذا امام بخاری نے دونوں کی جمع کی طرف اشارہ فرمادیا جیسا کہ ان کا طریقہ ہے کہ روایات مختلفہ کو ترجمہ سے جمع فرماتے ہیں تو یوں جمع فرمایا کہ صفرة اور کدرة کا اعتبار نہ کرنا یہ غیر ایام حیض کے اندر تھا اور حتی ترین القصة البیضاء ایام حیض کے اندر ہے۔ (۱)

باب عرق الاستحاضة

چونکہ پہلے یہ معلوم ہو چکا کہ استحاضہ بگڑا ہوا حیض ہے اور اس روایت مذکورہ فی الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دم عرق ہے تو امام بخاری فرماتے ہیں کہ دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں بلکہ استحاضہ اس رگ سے متعلق ہے جو رحم کے اندر لگی ہوئی ہوتی ہے۔

باب المرءة تحيض بعد الافاضة

یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے یہاں بحیثیت حیض کے ذکر فرمادیا یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین مختلف رہ چکا ہے ایک جماعت جن میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ہیں کی رائے یہ تھی کہ اگر عورت کو طواف افاضہ کے بعد حیض آجائے تو اس کو طواف صدر جو کہ واجب ہے اس کے لئے ٹھہرنا ہوگا اور جمہور کا مذہب حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی روایت کی بناء پر یہ ہے کہ اس کو بلا طواف صدر کئے رجوع جائز ہے یہی ائمہ اربعہ کا مذہب۔ لعلها تحبسنا اس لئے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو رکنا ہوگا اور میری وجہ سے سارے لوگ رک جائیں گے۔ (۲)

باب اذا رأت المستحاضة الطهر

امام بخاری نے صرف اتنا ذکر فرمادیا اور آگے کوئی حکم نہیں لگایا۔ اب یا تو اس سے ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو طہر کی کوئی حد مقرر کرتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب مستحاضہ طہر دیکھ لے تو وہ پاک ہے چاہے کتنی قلیل مدت کیوں نہ ہو اور اس کے لئے طاہرات کے احکام ہوں گے لیکن اس صورت میں امام بخاری ائمہ اربعہ سے الگ ہو جائیں گے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ امام بخاری مالکیہ پر رد

---

(۱) باب الصفرة والکدرة الخ حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تمیز لون وغیرہ کا اعتبار نہیں جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے بلکہ عادت کا اعتبار ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔ (س)

(۲) باب المرأة تحیض بعد الافاضة ۔منیٰ سے واپسی میں دسویں تاریخ کو طواف زیارت کیا جاتا ہے یہ تو رکن میں سے ہے اس کے بعد ایک طواف وداع ہوتا ہے یہ واجب ہے لیکن اگر کسی عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آجائے اور طواف وداع کا موقعہ نہ ملے تو اس کا حکم اس باب سے بتلا رہے ہیں کہ اس کو ترک کردے یہ جائز ہے۔ (س)

فرمار ہے ہیں۔ کیونکہ مالکیہ کے یہاں مسئلہ استظہار میں تین دن یا پانچ دن یا سات دن عادت پر زائد لگاتے ہیں تو امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں بلکہ جب طہر دیکھ لیا بس وہی طہر ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تغتسل و تصلی ولو ساعة:

اس کا مطلب قول اول پر یہ ہے کہ اگر چہ ایک ساعت طہر ہو وہ طہر ہے اسکے اندر نماز پڑھے اور غسل کرے اور میرے قول پر مطلب یہ ہے کہ ایک ساعت اگر دیکھے تو وہ طہر ہے استظہار کچھ نہیں۔ ویاتیھا زوجھا۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ سے وطی جائز نہیں گو وہ نماز پڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ نماز اہم ہے اور جمہور کے نزدیک جب نماز پڑھ سکتی ہے تو وطی بھی اس کے ساتھ کی جاسکتی ہے اس لئے کہ نماز تو اعظم ہے تو جب اعظم جائز ہے تو وطی جو ادنیٰ ہے وہ بدرجہ اولی جائز ہوگی۔

باب الصلوة علی النفساء وسنتها

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ چونکہ نفساء خود نماز نہیں پڑھتی تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ اگر مر جاوے تو اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جاوے اس لئے امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی وہ اگر نماز نہیں پڑھتی تو اپنے ناپاک ہونے کی بنا پر نہیں پڑھتی۔ فقام وسطھا یہ مسئلہ کہ امام میت کے کس حصہ کے مقابل کھڑا ہو۔ سر کے مقابل یا سینے کے مقابل یا وسط یا عجز کے مقابل اس پر امام بخاری مستقل کتاب الجنائز میں صفحہ ۱۷۷ پر باب این یقوم من المرأة والرجل منعقد فرمائیں گے وہاں آجائے گا۔

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے۔ شراح کی رائے یہ ہے کہ سنن کی روایت ہے۔ تقطع الصلوة المرأة والکلب والحمار والحائض۔ لہٰذا امام بخاری اس پر رد فرماتے ہیں کہ حائض قطع صلوة نہیں کرتی اس لئے کہ اس کا لیٹا رہنا اور گزر جانا برابر ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ غرض نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ مسئلہ ابواب السترة کا بن جائے گا مگر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری اس باب سے صلوة الجنازة علی الحائض ثابت فرمار ہے ہیں کہ چونکہ نفساء اور حائض کے احکام یکساں ہیں اس لئے جیسے نفساء پر صلوة الجنازة جائز ہے اسی طرح حائض پر بھی کیونکہ بحالت نجاست مصلی کے سامنے پڑے رہنا اور میت حائض کا پڑا رہنا برابر ہے۔ حدثنا ابو عوانة من کتابه یعنی اپنے حفظ سے نہیں بیان فرمایا اصابنی بعض ثوبه اس جملہ سے غایت قرب بیان کر رہے ہیں۔ (۱)

---

(۱) باب۔ اس کی روایت پہلے بھی کتاب العلم میں گزر چکی کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ کے سامنے لیٹی رہتی تھیں اور آپ ﷺ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ غور سے سنو! اس آخری باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سامنے لیٹی رہتی تھیں تو اس سے موت کی طرف اشارہ ہے۔

(کذا فی تقریر مولوی احسان)

کتاب التیمم

یم کے معنی لغت میں قصد کرنے کے آتے ہیں اور حج کے معنی بھی قصد کے ہیں۔ لیکن اس سے مراد قصد الی معظم الشئی ہے۔ اور چونکہ تیمم کے معنی لغوی کے اندر نیت وقصد داخل ہے۔ اس لئے اگر چہ حنفیہ وضوء میں نیت کو شرط نہیں مانتے مگر تیمم میں نیت ضروری مانتے ہیں۔ کیونکہ معنی شرعی کے اندر معنی لغوی ملحوظ ہوا کرتے ہیں یا اس وجہ سے کہ پانی کی ذات طہارت کے لئے موضوع ہے بخلاف مٹی کے کہ اس سے بجائے طہارت کے اور تلویث ہوتی ہے لہٰذا مٹی سے طہارت حاصل کرنے کے لئے نیت شرط ہے۔ تیمم میں نیت تمام ائمہ کے یہاں شرط ہے۔ البتہ امام اوزاعی سے عدم اشتراط منقول ہے۔ قول اللّٰہ تعالیٰ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا الاٰية۔ امام بخاری آیت شریف سے کیا بتانا چاہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث الباب میں فنزلت آیت التیمم مذکور ہے اور آیت کی کوئی تعیین وارد نہیں ہے۔ امام بخاری نے ترجمہ میں یہ آیت ذکر فرما کر تنبیہ فرمادی کہ آیت التیمم کا مصداق یہ آیت المائدہ ہے اور وجہ اس تفسیر کی یہ ہے کہ دو آیتوں میں تیمم کا ذکر ہے۔ سورۂ نساء میں اور دوسرے سورہ مائدہ میں اور دونوں کو آیت التیمم کہتے ہیں مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ پھر یہ مسئلہ کتاب التفسیر کا ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیت میں صعید طیب جو مذکور ہے اس کی تفسیر فرمانا حدیث الباب سے مقصود ہو مگر یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ صعید طیب کا باب صفحہ انچاس پر آرہا ہے۔ اب میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری ابتداء کتاب میں مبدأ حکم کی طرف اشارہ فرمایا کرتے ہیں یہاں بھی تیمم کی ابتداء کی طرف اشارہ فرمادیا کہ تیمم کی ابتداء اس وقت ہوئی جب کہ یہ آیت نازل ہوئی تیمم کی ابتداء یا تو ۵ھ میں یا ۶ھ میں غزوۂ بنی المصطلق میں ہوئی اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ حدیث کے اندر فنزلت آیت التیمم ہے تو امام بخاری نے آیت ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ آیت التیمم سے مراد یہ آیت شریفہ ہے یہاں فتیمموا کے بعد الاٰية لکھدیا اور پھر صعيدا طيبا ذکر فرمایا حالانکہ وہ خود ہی آیت ہے اس کی وجہ اختلاف نسخ ہے اسی وجہ سے نون کی علامت بھی بنی ہوئی ہے۔ في بعض اسفاره یہ غزوۂ بنو المصطلق ہے۔

حتى اذا كنا بالبيداء او بذات الجيش:

یہاں شک کے ساتھ ہے اور بعض روایات میں صرف بیداء کا ذکر ہے اور بعض روایات میں صرف ذات الجیش کا اور بعض میں اولات الجیش ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ یہ آبادیوں اور پانی کے نام ہیں۔ کیونکہ جس جگہ پانی ہوتا ہے آبادی وہیں ہوتی ہے پھر یسوا على ماء کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مقام نزول یہ آبادیاں نہیں تھیں بلکہ کہیں راستے میں وقتی طور پر نزول ہو گیا تھا اور یہ امکنہ اس کے قریب تھے کسی نے ایک جگہ کو ذکر کر دیا کسی نے دوسری جگہ کو ذکر کر دیا۔ اختلاف ذکر امکنہ کی بھی وجہ معلوم ہو گئی۔

وقال ماشاء اللّٰه ان يقول:

یعنی اولا تو قولا عتاب کیا اور جو کچھ منہ میں آ گیا کہتے گئے اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ہاتھ سے بھی عتاب کیا اور کمر میں ڈک مارا۔ فلا يمنعني من التحرك الخ یعنی میں حضور اکرم ﷺ کی وجہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی اس ڈر سے کہ کہیں بیدار نہ ہو جائیں اور ابو بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کو غصہ میں دیکھ کر خود بھی غصہ فرمانے لگیں۔

ماهي باول بر كتكم ياال ابي بكر:

کہاں تو شکایت کرتے پھرتے تھے اور جب ایسی آسانی دیکھی تو تعریف کرنے لگے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سہولت کی یہ صورت

اس واقعہ کے ساتھ کوئی خاص تو تھی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی اور کوئی صورت پیش آسکتی تھی لیکن جب انہوں نے یہ آسانی دیکھی تو خوش ہوئے اور تعریف کی۔

لم يعطهن احد قبلي:

یعنی یہ پانچ اشیاء میرے خصائص میں سے ہیں۔

نصرت بالرعب ميسرة شهر:

یہاں اشکال یہ ہے کہ جب ایک ماہ کی مسافت سے رعب چھا جاتا تھا تو کفار قتال کرنے کے واسطے کیوں چلے آتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قلبی تاثر اور چیز ہے جوش اور جذبہ اور چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے کفار قتال کرنا نہیں چاہتے تھے مگر ان کو ان کی عورتیں عار دلاتی تھیں۔ اس لئے وہ لوگ مجبور ہو کر میدان میں اترتے تھے۔

جعلت لي الارض مسجدا وطهورا:

بخلاف امم سابقہ کے کہ ان کے واسطے صرف ان کے معابد ہی میں عبادت جائز تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ ان کے واسطے ساری زمین مسجد وطہور تھی۔ اس صورت میں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خصائص میں سے ہوگا نہ کہ ان کی امت کا خصیصہ ہوگا۔

واحلت لي المغانم:

امم سابقہ کے اندر یہ قاعدہ تھا کہ مال غنیمت کو جمع کیا جاتا تھا اور آگ اس کو آکر کھالیا کرتی تھی یہی ہی دلیل قبولیت کی تھی۔

وبعثت الى الناس عامة:

اور حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی اس حیثیت سے کہ ایک ہی امت وہاں تھی۔ (۱)

باب اذا لم يجد ماء ولا ترابا

یہ فاقد الطہورین کا مسئلہ ہے اس کے اندر ائمہ کے مذاہب یہ ہیں کہ امام احمد کے نزدیک اس پر ادا ضروری ہے۔ پھر بعد میں قضا

---

(۱) کتاب التيمم وقول الله عزوجل فلم تجدوا ماء الآیۃ شراح حضرات فرماتے ہیں کہ مصنف نے اس آیت کو ذکر فرما کر باب منعقد فرمایا ہے اس باب سے صعید طیب کی تفسیر کرنی مقصود ہے لیکن یہ میرے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ صفحہ ۴۹ پر ایک باب آرہا ہے "باب الصعيد الطيب" کا اس سے خود اس آیت کی تفسیر فرمائیں گے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ اس باب سے مطلق آیت کی تفسیر کرنی ہے صرف صعید طیب کی نہیں۔ اس پر بھی اشکال ہے کہ اس صورت میں اس کا تعلق باب التفسیر سے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ بعض مرتبہ امام بخاری باب کے بعد آیت ذکر فرما کر اس کے مبدء کی طرف اشارہ فرمایا کرتے ہیں تو یہاں سے تیمم کی ابتداء کی طرف اشارہ کردیا کہ وہ اس آیت سے ہوئی ہے۔ انقطع عقد لي۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار مستعار لیا تھا اور یہ دو مرتبہ مستعار لیا گیا اور دونوں مرتبہ سفر میں گم ہوگیا ایک مرتبہ یہاں اور دوسری مرتبہ قصۂ افک میں فانزل الله عزوجل اس سے میری رائے کی تائید ہوتی ہے کہ امام بخاری کا مقصود باب کے انعقاد سے تیمم کے مبدء کو بیان کرنا ہے۔ اعطيت خمسا اس حدیث میں خمسا کی قید احترازی نہیں۔ علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیات جمع کردی ہیں جواب طبع بھی ہوگئی ہے۔ واعطيت الشفاعة یہاں شفاعت سے مراد شفاعت کبریٰ ہے اگرچہ اور انبیاء علیہم السلام پر بھی شفاعت کریں گے۔ (كذافي تقرير بن)

ضروری نہیں۔ احناف کے نزدیک اس پر قضا ضروری ہے ادا ضروری نہیں اور امام شافعی کے نزدیک ادا اور قضا دونوں ضروری ہیں اور مالکیہ کے نزدیک اس پر نہ ادا ضروری نہ قضا ضروری۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ وحنابلہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اور مالکیہ وشافعیہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور صاحبین تشبہ بالمصلین کا حکم فرماتے ہیں مع وجوب القضاء امام بخاری اس مسئلے میں حنابلہ کے ساتھ ہیں۔ (۱)

باب التیمم فی الحضر اذالم یجدالماء

اگر شہر وآبادی میں پانی نہ ملے تو تیمم کرنے میں ائمہ اربعہ کے یہاں دو قول ہیں۔ بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض منع کرتے ہیں۔ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تیمم کرے وہ کہتے ہیں پانی کا ملنا ممکن نہیں ہے اس لئے تیمم کرلے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسے موقع پر تیمم نہ کرے وہ کہتے ہیں کہ بھلا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آبادی میں پانی نہ ملے۔

ہم لوگ پہلے خود بھی اس چیز کو مستبعد سمجھتے تھے کہ شہر میں پانی نہیں مل سکتا لیکن جب سے یہ ٹنکیاں چلی ہیں کہ جب چاہیں بند کردیں اور جب چاہیں کھولدیں چاہے سارا شہر پیاس سے مرجائے۔ اس وقت سے سمجھ میں آگیا، امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ حضر میں تیمم جائز ہے بشرطیکہ وہاں پانی موجود نہ ہو۔ ولایجد من ینا ولہ یتیمم کیونکہ یہ فاقد الماء کے مثل عدم قدرت علی استعمال الماء میں ہوگیا۔ بمربد النعم یہ ایک مقام کا نام ہے اور آثار نقل کرنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرنا جائز ہے۔

حتی دخلنا علی ابی جھیم بن الحارث ابن الصمۃ الانصاری:

یہاں غور سے سن لو کہ ابوجہیم تین جگہ آئے ہیں۔ ایک تو اسی مقام پر کتاب التیمم میں دوسرے ابواب السترۃ میں تیسرے ابواب اللباس میں جہاں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ایتونی بانبجانیۃ ابی جھم مذکور ہے۔ محققین کی رائے یہ ہے کہ ابواب اللباس میں تو ابوجہم مکبرا ہے اور ابواب السترۃ وابواب التیمم کے اندر ابوجہیم مصغرا ہے اور جو اس کے خلاف کہے وہ غلط ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں ابوجہیم جو ابواب التیمم اور ابواب السترہ میں مذکور ہیں یہ ایک ہیں یا دونوں الگ ہیں۔ اس میں اصحاب رجال کے دونوں قول ہیں۔ اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ یہ الحارث ہیں یا ابن الحارث اس میں بھی دونوں قول ہیں فمسح بوجھہ ویدیہ ثم ردعلیہ السلام اس سے تیمم فی الحضر کے قائلین استدلال کرتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ سلام کے جواب کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے حضور پاک ﷺ نے تیمم فرمایا اور نماز میں فوات نہیں اگر ادا نہ ہو تو قضا پڑھی جاسکتی ہے۔ بخلاف سلام کے کہ اگر اپنے وقت پر جواب نہ دیا گیا تو بیکار ہے یہیں سے حنفیہ نے ایک قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو عبادت فوت ہو لاالی خلف اس کے واسطے تیمم جائز ہے جیسے صلوۃ الجنازہ اور جو فوت ہو الی خلف اس کے واسطے تیمم ناجائز ہے۔ (۲)

---

(۱) یہ مسئلہ فاقد الطھورین کا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو ایسی جگہ بند کردیا جائے کہ وہ کمرہ کسی ناپاک چیز گوبر وغیرہ سے ملوث ہو اور پانی اس کے پاس نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ کیسے نماز پڑھے؟ امام بخاری فرماتے ہیں کہ بلا وضو پڑھ لے اور وہ باب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا تو انہوں نے نماز پڑھی فصلوا بلا وضوء اور بغیر وضو پڑھی۔ بخاری جلد ثانی صفحہ 659 پر بھی یہی ہے تو جیسے ماء ایک مطہر ہے ایسے ہی تراب بھی۔ لہٰذا جس طرح اس کے نہ ہونے کے وقت بلا طہارت نماز کا حکم ہے ایسے ہی طہارت میں بھی ہوگا۔ (س)

(۲) باب التیمم فی الحضر : امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو شہر میں پانی نہ ملے اور نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھ لے یہ امام بخاری کا اپنا مسلک ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس پر اداء مع التیمم اور پھر قضاء ہے مالکیہ کے نزدیک صرف قضا ہے اور حنابلہ وحنفیہ کے دونوں قول ہیں ایک یہ کہ قضا کرے اور ایک یہ کہ تیمم کرکے ادا پڑھے پھر قضا کرے۔

باب هل ينفخ في يديه

یہاں اشکال یہ ہے کہ روایت میں حضور اکرم ﷺ نے نفخ فرمایا لہٰذا لفظ هل کا کیا مطلب ہے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ چونکہ احتمال تھا کہ یہ نفخ مٹی کی وجہ سے ہو یا کسی تنکے وغیرہ کے لگ جانے کی وجہ سے ہو اس احتمال کی بناء پر ترجمہ میں هل کا اضافہ فرمادیا اور یہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ جہاں احتمال ہو وہاں ترجمہ کو هل کے ساتھ مقید کر دیتے ہیں۔ اور میرے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ جو غبار اللہ کے راستے میں ناک میں داخل ہوا وہاں جہنم کی آگ داخل نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے من اغبرت قدماه في سبيل الله لم تمسه النار۔ ان جیسی روایات سے اس گرد کی اہمیت معلوم ہوتی ہے جو اللہ کے راستے میں جسم کو لگا ہو اور تیمم کا گرد بھی اللہ ہی کے واسطے لگتا ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو پھونک نہ ماری جائے بلکہ ایک روایت کے اندر توترب وجهك مصرح ہے جس سے چہرہ کو مترب کرنے کا امر معلوم ہوتا ہے لہٰذا امام بخاری نے ان روایات کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے لفظ هل ذکر کر دیا۔

فقال عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیمم جنب سے منع کرتے تھے اس لئے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کا ایک واقعہ ذکر فرمایا جس میں یہ تھا کہ عمر و عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو غسل کی ضرورت پیش آئی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اس وقت نماز ہی نہیں پڑھی اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمرغ کیا جب حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے ارشاد فرمایا انما يكفيك هكذا فضرب بكفيه الارض ونفخ فيهما ثم مسح بهما وجهه وكفيه۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا تو تیمم کے قائل ہی نہ تھے یا سیاسۃً منع کرتے تھے۔ اب اس قصہ پر اشکال یہ ہے کہ یا تو آیت تیمم نازل ہو چکی تھی یا نہیں اگر نازل ہو چکی تھی تو اس سے تیمم کا طریقہ خود معلوم ہو گیا تھا اس لئے کہ اس میں تو خود فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه وارد ہے تو پھر تمرغ کیوں کیا اور یا نازل نہیں ہوئی تھی تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ تراب مطہر ہے بعض شراح نے جواب دیا کہ ممکن ہے کہ فتيمموا صعيدا طيبا تو نازل ہوا ہو مگر اس کی صورت یعنی فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه بعد میں نازل ہوا ہو۔ میری رائے یہ ہے کہ آیت تیمم میں او لامستم النساء کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ ملامسہ سے کیا مراد ہے بعض حضرات جیسے شوافع وغیرہ تو اس سے لمس بالید مراد لیتے ہیں اور یہ حدث اصغر کی صورت ہے اور احناف جماع مراد لیتے ہیں اور یہ حدث اکبر ہے اگر جماع مراد لیا جاوے تو آیت سے تیمم جنب کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور اگر لمس بالید مراد لیا جائے تو تیمم جنب کا مسئلہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ حدث اصغر کا حکم معلوم ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملامسہ سے لمس بالید مراد لیا ہو اس لئے صرف ہاتھ و منہ پر تیمم کا حکم فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جنابت میں تو غسل واجب ہوتا ہے تو وہاں تو سارے بدن پر مٹی لگانی چاہئے اس لئے انہوں نے آیت کو حدث اصغر کے ساتھ خاص سمجھ کر جنابت کا تیمم سارے بدن پر کیا غسل پر قیاس کر کے۔

باب التيمم للوجه والكفين

اس کے اندر دو اختلاف ہیں ایک مقدار ضربات کے اندر اور دوسرے مکان مسح کے اندر۔ اول اختلاف یہ ہے کہ امام احمد کے نزدیک ضربة للوجه والكفين ہے اور امام ابوحنیفہ و شافعی کے نزدیک ضربة للوجه وضربة للكفين الى المرفقين ہے اور

امام مالک کے نزدیک ایک ضربہ فرض اور ضربہ ثانیہ سنت ہے۔ بعض تابعین کے یہاں ثلث ضربات ہیں ایک للکفین دوسرا للوجہ اور تیسرا للذراعین۔

اور دوسرا اختلاف مکان تیمم میں یہ ہے کہ حنابلہ کے نزدیک کفین فقط فرض ہے اور مالکیہ کے نزدیک کفین کا مسح فرض اور الی المرفقین کا سنت ہے اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک الی المرفقین فرض ہے اور امام زہری وبعض تابعین کے یہاں الی الاباط ہے اور وجہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ امام بخاری حنابلہ کے ساتھ ہیں۔ ثم مسح بهما وجهه و كفيه چونکہ اس میں صرف کفین کا ذکر ہے اس لئے امام بخاری نے اس پر ترجمہ باندھ دیا اور حنابلہ کی تائید فرمائی۔ جمہور جواب دیتے ہیں کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی باعتبار سارے بدن کے تلوث کے۔

قال الحكم وقد سمعت من ابن عبدالرحمن ابن ابزى یعنی میں نے پہلے توذر کے واسطے سے ابن ابزی سے سنا اور پھر براہ راست ابن ابزی سے سن لیا۔ وقال تفل فيهما یعنی نفخ فيهما کے بجائے۔(۱)

باب الصعيد الطيب وضوء المسلم

یہاں امام بخاری نے اس باب سے دو مسئلوں کی طرف اشارہ فرمادیا اول یہ کہ آیت پاک کے اندر ہے فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا اس لفظ صعید کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض علماء سے نقل کیا گیا ہے کہ صعید سے مراد تراب ہے اور یہ قول امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔ اسی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ تراب کے علاوہ اور کسی چیز سے مسح جائز نہیں اور جمہور کی رائے ہے کہ مطلقا وجہ ارض مراد ہے اور ہر جزو ارض سے تیمم کرنا جائز ہے کوئی تراب کی خصوصیت نہیں ہے امام بخاری نے جمہور کی تائید فرمائی ہے کہ صعید سے ساری زمین مراد ہے کیونکہ روایت کے اندر عليك بالصعيد فرمایا گیا ہے اور اس سے کسی چیز کی اور کسی زمین کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں تیمم طہارت ضروریہ ہے لہذا ایک تیمم سے ایک فرض پڑھ سکتا ہے۔ دوسرے فرض کے لئے دوسرے تیمم کی ضرورت ہوگی اور جمہور فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ تیمم سے متعدد فرض پڑھ سکتا ہے۔ امام بخاری نے جمہور کی تائید فرماتے ہیں۔ يكفيه من الماء ارض طیب وضوء مسلم ہے۔ پانی کی طرف سے اس کی کفایت کرے گی۔ لہذا تیمم جب وضو مسلم ہے اور پانی کے قائم مقام ہے تو پھر جیسے وضو سے متعدد فرض پڑھے جاسکتے ہیں اسی طرح اس سے بھی متعدد فرض ادا کئے جاسکتے ہیں۔ وقال الحسن يجزئه التيمم مالم يحدث۔ اس سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے کہ جب تک محدث نہ ہو تو تیمم کافی ہے کسی فرض کی قید نہیں ہے۔ وام ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ وهو متيمم اس سے امام محمد کے قول پر رد فرماتے ہیں۔ امام محمد کی رائے یہ ہے کہ متیمم متوضی کی امامت نہیں کرسکتا۔ ائمہ اربعہ وابو یوسف کے نزدیک کرسکتا ہے۔ لاباس بالصلوٰة على السبخة اس سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے کہ ارض سبخہ پر نماز پڑھنے

---

(۱) باب التيمم للوجه والكفين۔ امام بخاری کا میلان حنابلہ کے مذہب کی طرف ہے اسی وجہ سے انہوں نے باب میں کفین کی تصریح فرمادی اسی طرح روایات بھی وہی ذکر فرمائی ہیں جن کے اندر کفین کا ذکر ہے مرفقین کا نہیں۔ ثم مسح بهما وجهه و كفيه، كفيه کے لفظ سے حنابلہ استدلال کرتے ہیں کہ مسح کفین تک ہوگا اس سے آگے نہیں۔ حنفیہ وشافعیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں مقصود کیفیت اور نوعیت کو بیان کرنا ہے۔ جمیع تیمم کی صورت بیان نہیں کرنی اس لئے کہ ان کو تفصیلی صورت پہلے سے معلوم تھی۔ (كذا فى تقريرين)

اوراس سے تیمم کرنے کے اندر کوئی حرج نہیں یہ بتارہے ہیں اورارض سجدہ عام ہے۔ حتی اذا کان فی اٰخر اللیل وقعنا وقعة چونکہ ساری رات چلے تھے تکان ہوگیا تھا اس لئے آخری رات کے اندر ایک جگہ پڑاؤ کیا اور ایسا پڑ کر سوئے کہ اس پڑنے سے زیادہ شیریں مسافر کے نزدیک اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ فما ایقظنا الاحر الشمس چونکہ ساری رات چلنے کی وجہ سے تھک گئے تھے اسی لئے گہری نیند سو گئے اور پھر صبح کو گرمی پہنچی اس وقت آنکھ کھلی۔ وکان النبی ﷺ اذا نام لم نوقظه حضوراقدس ﷺ کو سوتے ہوئے نہ جگانے کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے اور یہ خبر ہے نہیں کہ کس وقت خواب کا سلسلہ شروع ہو جائے کیونکہ اس کا کوئی وقت ہے نہیں تو ممکن ہے کہ اس وقت خواب میں وحی ہو رہی ہو۔ فکبر ورفع صوته احتمال وحی کی وجہ سے جگانا تو غیر مناسب تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی یہ تدبیر کی کہ زور زور سے تکبیر کہنے لگے تا کہ حضور اکرم ﷺ کے کان مبارک میں آواز چلی جائے اور پھر حضور اکرم ﷺ بیدار ہو جائیں۔

لاضیر او لایضیر۔ یہ او شک کے لئے ہے معنی دونوں کے ایک ہیں وہ یہ کہ یہ تکوینی طور پر کرایا گیا اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس روایت پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی پیر کا کوئی مرید ہوتا ہے گو وہ عامی ہو تو اس کی بسا اوقات یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ جب سے حضرت مرید ہوا بس تہجد کے وقت نیند اڑ جاتی ہے آتی ہی نہیں۔ اور یہاں اجلاء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود سب کے آقا حضور اکرم ﷺ باوجود اتنی صفائے قلب کے کیوں فجر کی نماز میں سو گئے تو جب ایک ادنی سے ولی کی برکت سے ایک عامی کو تہجد کی توفیق ہو جاتی ہے تو یہاں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کے متعلق متفقہ فیصلہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی بھی ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے برابر نہیں ہوتا اور یہاں تو اجلاء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اس کا جواب اور اس قسم کے واقعات کا جواب یہ ہے کہ نبی جو ہوا کرتا ہے وہ تعلیم فعلی کے واسطے آتا ہے لہٰذا جو افعال شان نبوت کے خلاف نہ ہوں گو وہ ہماری نظر میں چھوٹے معلوم ہوتے ہوں مثلاً نماز میں سہو ہو جانا یا سو جانا یا اس قسم کے واقعات وہ نبی سے کرائے جاتے ہیں خود حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ انی لاانسی ولکن انسی لاسن اور جو کام شان نبوت کے خلاف ہوتے تھے وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کروائے گئے۔

چونکہ تعلیم فعلی مقصود تھی اس لئے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زنا صادر ہوا اور اسی طرح بعض دوسروں سے چوری کا صدور ہوا تا کہ حدود جاری کی جا سکیں اب نبی کے تو خدانخواستہ ہاتھ نہیں کاٹے جاسکتے اسی طرح نبی سے زنا کبھی بھی صادر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ شان نبوت کے خلاف ہے لہٰذا اسکے واسطے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اس کی وجہ سے صحابی میں کوئی خرابی نہیں آئی کوئی نقص نہیں آیا اس قسم کے واقعات سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق کسی قسم کی کوئی بے ادبی دل میں نہ لانی چاہیے۔ جیسے کہ حضور اقدس ﷺ پر طریان نسیان کی وجہ سے کوئی خیال دل میں نہیں گزرتا۔ اسی طرح تعلیم فعلی کی تیسری سیڑھی مشاجرات صحابہ ہیں۔ اس کو بھی دنیا میں کرانا تھا اور وہ خلافت راشدہ میں ہوا۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں تو ہو نہیں سکتی تھی کیونکہ جب حضور اکرم ﷺ موجود ہوں گے تو آپ ہی بادشاہ ہونگے اور جو حضور اکرم ﷺ کے ہوتے ہوئے ملک طلب کرے گا وہ باغی ہوگا اور کافر اور خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس لئے کہ ارتداد پھیل رہا تھا اس کے قمع کرنے کی ضرورت تھی اگر

باہم اختلاف ہو جاتا تو معاملہ معلوم نہیں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس لئے کہ اسلامی شوکت کی ضرورت تھی اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہونی چاہئے تھی اور بنیاد بھی پڑگئی تھی مگر چونکہ ثروت کی بناء پر اختلافات ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے زمانے میں کثرت ثروت ہوئی اب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ رہ گیا تھا اور انہی تک خلافت راشدہ تھی اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، الخلافة بعدی ثلثون سنة لہٰذا اماشاجرات صحابہ ان کے زمانے میں رونما ہوئے اور جنگ جمل و جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوئے یہ مشاجرات حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں کسی قسم کا نقص نہیں پیدا کرتے بلکہ اس سے تعلیم فعلی اور مسئلہ خلافت کی تکمیل ہوئی۔

اب یہاں ایک دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ جس شب میں پیش آیا اس کو لیلۃ التعریس کہتے ہیں اور اس حدیث کو لیلۃ التعریس والی حدیث کہتے ہیں۔ تعریس کہتے ہیں آخر شب میں نزول کو چونکہ آخر شب میں نزول ہوا اس لئے اس کو لیلۃ التعریس کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ لیلۃ التعریس ایک ہے یا متعدد؟ جمہور کی رائے ہے کہ ایک ہے۔ مگر واقعات اور روایات میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک مرتبہ کا ہونا کسی طرح نہیں بنتا اس لئے محققین کی رائے ہے کہ کم از کم دو مرتبہ ہوئی اور بعض کی رائے۔ ہے کہ تین مرتبہ ہوئی اور مجھے بھی کوئی اشکال نہیں نہ سہی دو۔ تین بھی ہو سکتی ہیں۔ اور چونکہ اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں اور مختلف طور سے مروی ہیں اس لئے امام بخاری اس سے مختلف جگہوں میں مختلف مسائل ثابت کریں گے جس کو میں بھی اپنی جگہ پر بیان کردوں گا۔ صوفیہ فرماتے ہیں کہ اس شب کے اندر بیدار نہ ہونا بہت عجیب ہے اور اس شب کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انـــــا (میں) نے کھو دیا۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ من یکلونا اس پر حضرت بلال نے عرض کیا "انا" اذانام لم نوقظه لاحتمال انه یوحی الیه فی ذلک النوم۔

ارتحلوا: یہ ارتحال کا امر کیوں فرمایا؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس وجہ سے فرمایا کہ وہ وقت وقت مکروہ تھا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ روایت میں ہے حتی اذا ارتفع الشمس نزل۔ یعنی جب کہ ارتفاع شمس ہوگیا اور وقت کراہت جاتا رہا۔ تو اس وقت نزول فرمایا۔ اور فما ایقظنا الاحر الشمس اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر گرمی کا زمانہ ہو تو دھوپ کی گرمی تو جلدی ہی پڑنے لگتی ہے بالخصوص جب کہ میدان میں ہوں اور خصوصاً عرب کی گرمی کے دن سخت گرم اور راتیں سخت سرد۔ لہٰذا اس سے کوئی اشکال نہیں پڑتا۔ اس کے بالمقابل شوافع وغیرہ کی رائے اس امر کے بارے میں یہ ہے کہ اس وادی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آئی اور نماز قضا ہوئی اس لئے اس وادی کے اندر ایک قسم کی نحوست ہوئی اس لئے ارتحال کا حکم فرمایا چنانچہ ایک روایت میں ہے۔ ھی فان بھا شیطانا۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ فان بھا شیطانا ہمارے خلاف نہیں کیونکہ سورج تو خود بین قرنی الشیطان طلوع ہوتا ہے۔ فان علیک بالصعید اس جملہ کے واسطے پوری روایت کو ذکر فرمایا۔ یسمیه ابو رجا۔ ان کا نام عمران تھا۔ بین مزادتین دو بہت بڑے مشکیزے او سطیحتین او شک راوی کے لئے ہے اور دونوں کے معنی ایک ہیں عھدی بالماء امس یعنی اتنی دوری پر ہے کہ کل میں اسی وقت پانی پر سے چلی ہوں اور مطلب یہ ہے کہ ایک منزل ہے۔ ونفرنا خلوفا جب اس عورت نے دیکھا کہ یہ دو مرد ہیں تو وہ ڈری کہ یہ لوگ پانی کی تلاش میں ہیں کہیں پانی مجھ سے ہی نہ چھین لیں تو اس عورت نے بطور معذرت کے کہا کہ ہمارے مرد گھر خالی چھوڑ کر باہر گئے ہوئے ہیں لہٰذا میں بچوں وغیرہ کے پاس جارہی ہوں۔ خلوف کہتے ہیں پیچھے چھوڑنے والے کو اور خلوفا یا تو خبر ہے کان محذوف کی

یا حال قائم مقام خبر ہے۔

واو کا افواھھما مشکیزہ میں دو منہ ہوتے ہیں ایک اوپر کا جو بڑا ہوتا ہے اور ایک نیچے کا جو چھوٹا ہوتا ہے۔ افواہ اوپر کے منہ کو کہتے ہیں اور غزلاء نیچے کے منہ کو کہتے ہیں۔ افواہ کو اس واسطے بند فرمادیا کہ سارا پانی گر جانے کا اندیشہ تھا اگر اس کو کھول دیتے۔ اور غزلاء چونکہ چھوٹا ہوتا ہے اس لئے اس سے تھوڑا تھوڑا پانی آتا رہا ضائع بھی نہیں ہوا۔ وھی قائمة تنظر۔ وہ عورت کھڑی یہ منظر دیکھتی رہی کہ اس ذرا سے پانی میں کیا کیا ہوگیا۔ سب نے پی بھی لیا۔ برتن بھی بھر لیے اور ایک نے غسل بھی کرلیا۔

یہاں اشکال یہ ہے کہ یہ تصرف فی ملک الغیر تھا یہ کیوں ہوا؟ اصحاب علوم ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایسا اس لئے فرمایا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ مضطر ایسے وقت میں بے اجازت لے سکتا ہے اور حقیقی جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس میں سے کچھ کم نہیں کیا بلکہ وہ تو پہلے سے کہیں زائد بھرا ہوا تھا۔ اجمعوا لھا۔ یعنی ہم نے اس کے پانی سے انتفاع حاصل کیا ہے لہٰذا اس کے بدلے میں اس کے واسطے کچھ جمع کر کے لاؤ۔ ماحسبک یافلانة چونکہ یہاں دیر ہوگئی تھی اس لئے وہ اسی قدر تاخیر سے اپنے گھر پہنچی تو گھر والوں نے دریافت کیا کہ کیا بات تھی جو اتنی دیر ہوگئی۔ اوانہ لرسول اللہ حقا. یعنی اگر وہ ساحر نہیں ہیں تو پھر بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ ولا یصیبون الصرم صرم کہتے ہیں گلہ اور مراد یہاں قبیلہ ہے قال ابو عبداللہ صبا خرج چونکہ حدیث پاک میں صابی کا لفظ آگیا تھا اس لئے اس کی تفسیر فرمادی اور اس سے ان کا ذہن قرآن پاک میں لفظ صابئین کی طرف منتقل ہوا تو ساتھ ہی ساتھ اس کی شرح بھی فرمادی اور پھر آیت کریمہ والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن کی طرف ذہن ہوگیا تو اس کی تفسیر فرمادی۔

باب اذا خاف الجنب علی نفسه

مرض کا مسئلہ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین مختلف فیہ رہ چکا ہے مگر موت کے خوف سے اور پیاس کے خوف سے سب کے نزدیک تیمم کرنا جائز ہے البتہ حدوث مرض کا اگر خوف ہو تو اس میں اختلاف ہے امام بخاری نے متفق علیہ پر مختلف فیہ کو قیاس فرما کر بتلایا ہے کہ جائز ہے اور اب ائمہ کا یہی مذہب ہے کہ خوف مرض کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔ ویذکر ان عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجنب فی لیلة باردة۔ یہ غزوہ ذات السلاسل میں پیش آیا۔ ابوداؤد میں یہ پوری روایت مذکور ہے۔ مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے غسل کی حاجت ہوگئی، سردی زیادہ تھی تیمم کر کے نماز پڑھادی۔ لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کی حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور سردی زیادہ تھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی تقریر اس پر ثابت ہوگئی۔ قال عبداللہ لایصلی حتی یجدالماء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقیہ الامت جنبی کے تیمم کرنے کے بارے میں بڑے سخت تھے اس کو تیمم کی اجازت نہیں دیتے تھے اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ ان حضرات کا مذہب تھا یا سدالباب ایسا کرتے تھے۔ علماء کے اس میں دونوں قول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا مذہب تھا۔ پھر رجوع کرلیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سدالباب منع فرماتے تھے۔ اسی ممانعت میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مناظرہ بھی پیش آیا جو عمر بن حفص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

روایت میں آ رہا ہے۔اور وہی مرتب ہے اور بقیہ روایات میں جو آتا ہے وہ غیر مرتب ہے کہیں اس میں تقدیم ہے اور کہیں تاخیر۔(۱)

باب التیمم ضربة

یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ التیمم ضربة واحد للوجه و الیدین اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک ہے ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین اور مالکیہ کے نزدیک ضربة واحدة فرض اور ضربۃ ثانیۃ سنت ہے اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ التیمم ثلث ضربات ضربة للوجه وضربة للکفین وضربه للذراعین امام بخاری حنابلہ کے ساتھ ہیں اور ان کا مستدل انما یکفیک ان تصنع هكذا ہے۔جمہور اس استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کیفیت مسح نہیں بیان فرما رہے تھے بلکہ اس کی کیفیت کی طرف ایک اشارہ فرمایا تھا۔(۲)

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے۔شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ باب غلط ہے اس لئے کہ یہ روایت پہلے باب کی ہے اور شراح کی رائے یہ ہے کہ چونکہ روایت آتیہ سے ضربة واحدة بالتصریح ثابت نہ ہوتا تھا اس لئے باب باندھ دیا اور مقصود وہی ضربة واحدة ہے اور میرے نزدیک اس کی یہ غرض نہیں بلکہ اس باب سے ایک اشکال کا جواب دینا چاہتے ہیں اور وہ اشکال یہ ہے کہ اگر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آیت تیمم معلوم تھی تو تمرغ کیوں کیا اور اگر معلوم نہ تھی تو ان کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ مٹی پانی کے قائم مقام ہو جائے گی حالانکہ اس کے اندر تو اور بھی تلوث ہوتا ہے۔شراح اس کا جواب دیتے ہیں کہ آیت صرف فتیمموا صعيدا طيبا نازل ہوئی تھی اور اتنا ہی سن رکھا تھا اور اس سے آگے نازل نہ ہوا تھا لہٰذا انہوں نے جیسے غسل کرتے وقت سارے جسم پر پانی بہانے کا مسئلہ سن رکھا تھا ایسے ہی مٹی میں تمرغ کر لیا۔

مگر مجھے اشکال یہ ہے کہ یہ محتاج دلیل ہے اور کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت تیمم کا نزول الگ الگ ہوا ہو کسی مفسر نے یہ بات نہیں لکھی بلکہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ دے رہے ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف علیک بالصعید سن رکھا تھا اور سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آیت سن لینا ضروری نہیں۔لہٰذا انھوں نے علیک بالصعید کے عموم دیکھتے ہوئے تیمم کو غسل پر قیاس کر کے تمرغ کر لیا۔(۳)

---

(۱) باب اذا خاف الجنب :حدثنا بشر بن خالد۔اس حدیث کے اندر ایک واقعہ کا ذکر ہے وہ اس طرح کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جنابت کے لئے تیمم نہیں تھا تو ان میں سے کسی نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تیمم نہ کرے خواہ ایک ماہ اسی طرح گزر جائے اس پر اس رجل نے کہا کہ پھر آپ اس قصہ کے بارے میں کیا کہیں گے جب کہ حضرت عمار اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی سفر میں تھے تو ایک نے تیمم کیا اور پھر وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور پورا واقعہ نقل کیا، اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ بھائی یہاں تو خود صاحب واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تیمم سے انکار کیا ہے اس پر رجل نے کہا کہ پھر آپ آیت تیمم کا کیا جواب دیں گے اس کے اندر تیمم کا ذکر ہے۔اس آیت کا جواب ان پر نہیں آیا اور انہوں نے پوری وجہ ذکر فرما دی۔

(۲) باب التیمم ضربة: اس مسئلہ کے اندر بھی اختلاف ہے کہ تیمم میں کتنی ضربات ہیں۔امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک ہی ضربۃ ہے جس کو یدین اور وجہ دونوں پر پھیر لے۔یہی امام بخاری کا مذہب ہے اسی وجہ سے یہ باب منعقد فرمایا ہے حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک دو ضربۃ ہیں ایک وجہ کے لئے اور ایک یدین کیلئے اور مالکیہ کے نزدیک دو ضربۃ ہیں ایک ضربۃ للوجه والکفین یہ تو فرض ہے اور ایک ضربۃ کفین سے مرفقین تک کے لئے، یہ سنت ہے۔اور امام اوزاعی کے نزدیک تین ضربات ہیں ضربة للوجه وضربة للیدین وضربة للکفین.(س)

(۳) باب علیک بالصعید۔حافظ ابن حجر کے نزدیک اس جملہ سے بطور براعت اختتام کتاب کے طرف اشارہ ہے کہ بس اتنے ابواب اس کتاب التیمم کے اندر کافی ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ علیک بالصعید سے تمہارے خاتمہ کی طرف اشارہ ہے۔مٹی میں مٹی مل گئی انجام دنیا دیکھ لے۔" دوسرے معتزلا لم یصل سے بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔کیونکہ قبر میں بھی اسی طرح ہوتا ہے لیکن پہلا قول زیادہ واضح ہے۔(کذا فی تقریرین)

کتاب الصلوٰۃ

باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء

یہ کیف سے پانچواں باب شروع ہو رہا ہے، میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاری نے تمیں باب کیف سے شروع فرمائے ہیں، اس باب سے کیفیت فرضیت بیان کر رہے ہیں کہ فرضیت کی کیا صورت ہوئی اولا پچاس فرض ہوئیں اور انتہاء پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے حضور اکرم ﷺ بار بار تشریف لے گئے اور تشریف لائے۔ جیسا کہ روایات میں آ رہا ہے اس میں اختلاف ہے کہ اسراء و معراج ایک ہی رات میں ہوئی یا دو راتوں میں۔ اسراء تو بیت اللہ سے بیت المقدس تک کہلاتی ہے اور بیت المقدس سے آسمان تک معراج ہے اب اس میں اختلاف ہے کہ دونوں ایک رات میں ہوئیں یا الگ الگ دو راتوں میں، اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ایک ہی رات میں ہوئیں۔ اور امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے کہ ایک ہی رات میں دونوں ہوئیں۔ اسی لئے **فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء** فرمایا حالانکہ فرضیت آسمان پر ہوئی اور وہ معراج ہے اور پھر **فی الاسراء** فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی رات میں ہیں۔ اور کتاب الانبیاء میں مستقل دو باب آئیں گے۔ ایک باب اسراء کا دوسرا معراج کا اس لئے کہ وہاں مقصود قصہ بیان کرنا ہے۔

فی حدیث ھرقل:

میں نے کہا تھا کہ امام بخاری ہرقل کی حدیث تیرہ جگہ ذکر فرمائیں گے انہی میں ایک مقام یہ بھی ہے۔ اور یہاں یہ ٹکڑا اس وجہ سے ذکر فرمایا کہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تم کو وہ نبی کیا حکم دیتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا۔ **یامرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف** تو چونکہ اس میں صلوٰۃ کا ذکر ہے اس لئے یہ جملہ ذکر فرما دیا۔ نیز امام بخاری نے اس جملہ سے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ فرضیت صلوٰۃ مکہ میں ہوئی کیونکہ ابوسفیان سے حضور اکرم ﷺ کی ملاقات بعد الہجرت ہرقل سے گفتگو تک ثابت نہیں۔

فرج عن سقف بیتی:

دروازہ کو چھوڑ کر سقف (چھت) سے آنا دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے تھا ایک تو یہ کہ جو امور آج کی رات میں پیش آئیں گے وہ خارق عادت اور خلاف معہود ہوں گے۔ اور دوسرے یہ کہ شق صدر کا واقعہ پیش آنے والا تھا بہت ممکن تھا کہ شق صدر کے وقت حضور ﷺ کو یہ خیال گزرتا کہ یہ میرا سینہ شق ہونے کے بعد اب کیسے درست ہوگا تو سقف پھاڑ کر اشارہ کر دیا کہ جیسے یہ باوجود اپنی غلاظت کے درست ہو گیا اسی طرح آپ کا صدر اطہر بھی درست ہو جائے گا۔

ففرج صدری:

یہ شق صدر کہلاتا ہے یہ کتنی مرتبہ پیش آیا؟ ایک تو یہ ہے اور دوسرا مشہور یہ ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جب حضور اکرم ﷺ تھے اس وقت پیش آیا۔ یہی دونوں شق صدر عند المحدثین مشہور ہیں۔ حافظ فرماتے ہیں کہ تیسرا بھی بیان کیا جاتا ہے جبکہ عمر مبارک دس سال کی تھی اور چوتھا بھی بیان کیا جاتا ہے غار حرا میں نزول وحی کے وقت۔ اور پانچویں مرتبہ ہونا بھی بعض لوگوں نے بیان کیا ہے مگر حافظ فرماتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں ہے۔

ثم غسله بماء زمزم:

اس سے زمزم کے پانی کے جنت کے پانی سے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اس لئے کہ جب جنت سے طشت آسکتا تھا تو کیا پانی نہیں آسکتا تھا؟ معلوم ہوا کہ ماءِ زمزم افضل ہے ماء جنت سے۔

ممتلئٌ حكمة و ايمانا:

اب سے پچاس سال پہلے لوگوں کو اس روایت پر بڑا اشکال تھا کہ کوئی ایمان بھی ایسی محسوس چیز ہے جسے طشت میں رکھدیا جائے مگر جب سے بجلی کے ذریعہ سے علاج ہونا شروع ہوا کہ بوتل میں طاقت بھری ہوئی ہے جسے بجلی کے ذریعے سے بدن میں پہنچادیتے ہیں نہ وہ نظر آتی ہے نہ محسوس ہوتی ہے اس وقت سے سب خاموش ہیں اب اگر کوئی کہے کہ ایمان بھی کوئی جسم ہے جو نظر آجاوے اس کا جواب بس یہ ہے کہ یہ برقی طاقت جو بوتل میں ہوتی ہے یہ کیسے نظر آتی ہے؟

فعرج بی الی السماء:

اس روایت پر قدیم اشکال تھا کہ آسمان پر حضور اقدس ﷺ کیسے تشریف لے گئے اس لئے کہ بین السماء والارض کرہ نار و کرہ زمہریر حائل ہیں ان کو کس طرح پار کیا۔

لیکن راکٹ وغیرہ کی سائنسی تحقیقات نے ان سب کا ازالہ کردیا۔

فقال ارسل اليه :

شراح اس کا مطلب یہ قرار دیتے ہیں کہ کیا ان کو نبوت عطا کی گئی ہے، رسالت دی گئی ہے، لیکن میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تو مشہور تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ان کو یہ مرتبہ عطا ہوا کہ فرشتے کو ان کے لینے کے لئے بھیجا گیا؟

فاذا رجل قاعد:

یہ رجل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

کمایاتی علی یمینه اسودة وعلی یساره:

اسودہ سواد کی جمع ہے بمعنی شخص۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ سارے ان کے پاس کیونکر جمع ہوگئے۔ حالانکہ ارواح صالحین علیین میں ہوں گی اور ارواح غیر صالحین سجین میں ہوں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذقت وقتی طور پر حضور ﷺ کی آمد کے اہتمام میں ان سب کو جمع کیا گیا تھا۔ دوسرا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ عالم برزخ ہے اس میں پردہ وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔ ممکن ہے وہ اپنی جگہ ہوتے ہوئے حضور ﷺ کو وہاں سے نظر آرہے ہوں جیسا کہ ایک قول کی بناپر مردہ کو نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں ہوتے ہوئے نظر آویں گے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ عالم مثال کی چیزیں ہیں وہاں پر ان کی صور مثالیہ موجود تھیں۔

اذا نظر قبل یمینه ضحک و اذا نظر قبل شماله بکی:

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نسمات حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور قاعدہ یہ ہے کے اولاد کے اچھے کاموں پر خوشی اور برے

کاموں پر رنج ہوتا ہے۔

مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح:

ابن صالح اس لئے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔

قال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ:

حضور اقدس ﷺ نے ان انبیاء مذکورین کا ذکر فرمایا اور ان کے مراتب سماویہ بھی ذکر فرمائے مگر مجھ کو یاد نہیں رہا۔ ہاں یہ یاد ہے کہ آدم علیہ السلام سماء اول پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سماء سادس پر تھے۔

فلما مر جبریل علیہ السلام بالنبی ﷺ بادریس قال مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح:

سے موخر ذکر فرمایا ہے حالانکہ حضرت ادریس علیہ السلام سارے مورخین کے نزدیک حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں ہیں مگر چونکہ امام بخاری اس کے قائل نہیں ہیں اس لئے موخر فرمادیا اور ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے الاخ الصالح کہا اگر حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہوتے تو الابن الصالح فرماتے اس لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے ساری دنیا ہے۔

ثم مررت بموسیٰ علیہ السلام:

یہ ثم محض ترتیب ذکر کے لئے ہے نہ کہ ترتیب سماوی کے لئے کیونکہ معلوم ہو چکا کہ ترتیب سماوی یاد نہیں رہی تھی۔

قال ابن شهاب:

یہاں سے امام زہری آگے کا واقعہ جو دوسری سند سے سنا ہے اس کو ذکر فرماتے ہیں۔

ففرض اللّٰہ علی امتی خمسین صلوۃ:

چونکہ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مہمان تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کو تحفہ نماز عطا فرمایا اور ہر جگہ کا تحفہ اس مقام کے مناسب ہوتا ہے۔ وہاں کا تحفہ یہ تھا اور ہمارے یہاں کا تحفہ کھانے پینے کی چیزیں بن گئیں۔

فان امتک لا تطیق ذلک:

کیونکہ میں بنی اسرائیل کا امتحان کر چکا۔ وہ دو وقت کی نماز بھی نہ نباہ سکے۔

فقال هی خمس وهی خمسون:

یہ تو تکوینی طور پر طے تھا کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہوگی مگر ثواب چونکہ پچاس نمازوں کا دینا تھا اس لئے پہلے پچاس اور پھر اس کے اندر تخفیف فرمائی۔

فرض اللّٰہ الصلوۃ حین فرضها رکعتین رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوۃ السفر وزیدفی صلوۃ الحضر:

اس حدیث سے ترجمہ تو بالکل واضح طور پر ثابت ہے کہ ابتداء دو، دو رکعتیں تھیں اور انتہاء صلوۃ الحضر میں اضافہ ہوا اور صلوۃ سفر

دو ہی رکعت رہی۔ مگر اس روایت پر دو اشکال ہیں۔ ایک تو یہ کہ **افرت صلوۃ السفر** نص قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کے اندر ہے۔ **لاجناح علیکم ان تقصروا من الصلوۃ**۔ آیت کریمہ کا مقتضی تو یہ ہے کہ قصر فی صلوۃ السفر ہوا ہے اور روایت کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے تھی ویسے ہی رہی۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ خود آیت ہی کے اندر اختلاف ہے کہ آیا یہ صلوۃ السفر کے بارے میں ہے یا صلوۃ الخوف کے بارے میں خود امام بخاری صلوۃ الخوف میں ذکر کریں گے اگر صلوۃ الخوف کے بارے میں ہو تو قصر سے مراد وہ قصر ہوگا جو صلوۃ الخوف میں ہوتا ہے اور اس صورت میں اشکال ہی نہیں رہتا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قصر مجازاً فرمادیا باعتبار صلوۃ الحضر کے چونکہ صلوۃ الحضر اربع رکعات ہے اس لئے اس کے اعتبار سے صلوۃ السفر کو قصر کہہ دیا اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے تو سفر و حضر کی دو، دو ہی رکعات تھیں مگر جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو دونوں میں ایک دم اضافہ ہوگیا اور دو کے بجائے چار ہوگئیں اور پھر ۴ھ میں صلوۃ السفر میں قصر واقع ہوا اور صلوۃ الحضر ایسی ہی رہی اس صورت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول **فاقرت صلوۃ السفر** کے اندر توجیہ کرنی ہوگی کہ **فاقرت** باعتبار مآل کے فرمادیا۔

اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے صلوۃ السفر میں قصر ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتمام کیوں کرتی تھیں جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں روایات میں یہ آتا ہے کہ وہ اتمام کرتی تھیں وہیں یہ بھی آتا ہے **وتاولت کما تاول عثمان** یعنی ان کا اتمام ایک تاویل اور ایک عارض کی وجہ سے تھا وہ یہ کہ وہ یوں فرمایا کرتی تھیں کہ میں ام المومنین ہوں اور یہ سارے میرے بچے ہیں لہٰذا جہاں میں جاؤں گی وہی میرا گھر ہے اور اپنے گھر میں قصر کیسا؟ جملہ **کما تاول عثمان** کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی تاویل کی تھی کہ میں سب کا باپ ہوں بلکہ تمثیل نوع تاویل کے اندر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تاویل ابواب السفر میں آئے گی۔ (۱)

---

(۱) **باب کیف فرضت الصلوۃ ،یامرنا بالصلوۃ** : یہ بھی ترجمہ کا جزو ہے اور بتلاتا ہے کہ نماز کی فرضیت مکہ میں ہوئی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد حضور اقدس ﷺ کی ملاقات ابوسفیان سے نہیں ہوئی صرف 7ھ عمرۃ القضا میں اس کے بعد حجۃ الوداع میں ہوئی ہے لہٰذا یہ جملہ دلیل ہے اس پر کہ جب حضور ﷺ مکہ میں تھے جب ہی نماز فرض ہوئی۔ **فرج عن سقف بیتی**، بعض روایات میں آتا ہے **وانا فی الحطیم** علماء نے اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ آپ ﷺ حقیقت میں تو حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھے اور حطیم میں وہاں سے تشریف لائے تھے اور وہیں شق صدر ہوا۔ **ثم غسله بماء زمزم** حدیث میں آیا ہے کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہ شفا دیتا ہے اور یہاں روایت میں تطہیر قلب کے لئے اس کا استعمال ثابت ہے لہٰذا میری نصیحت ہے کہ جب بھی ماء زمزم پیو تو طہارت قلب کی نیت کرلیا کرو۔ **فعرج بی الی السماء** یہ روایت میں اختصار ہے ورنہ آپ ﷺ کو پہلے بیت المقدس لیجایا گیا اور وہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھائی پھر وہاں سے اوپر تشریف لے گئے۔ **ممتلی حکمة وایمانا** آج سے پچاس سال پہلے اس قسم کی چیزوں پر جنٹل مینوں کی طرف سے بڑی لے دے ہوئی کہ حکمت بھی کوئی چنے یا آٹے کی قسم سے کوئی شے ہے کہ وہ برتن میں لائی جائے میں کہتا ہوں کہ آج کل کثرت سے آثار قیامت ظاہر ہو رہے ہیں اور جو احکام شرعیہ کو خلاف عقل سمجھتے ہیں اللہ میاں ان پر نئی نئی ایجادات کر کے جوتے مار رہے ہیں کہ تم ہماری بنائی ہوئی باتوں کو خلاف عقل و عادت کہتے تھے اب دیکھ لو کہ ہم نے اس کے مشابہ چیزیں پیدا کر دیں اور تم ان کو فوراً مان لیتے ہو پہلے کہا کرتے تھے کہ قیامت میں جب آدمی بہت بڑی تعداد میں ہوں گے تو ان سب تک آواز کس طرح پہنچے گی اسی طرح کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز اتنی دور تک کیسے پہنچ گئی، حق تعالیٰ نے ٹیلی فون، تار اور لاؤڈ اسپیکر ایجاد کرادیا کہ اب تو مان لو۔ اسی طرح کہا جاتا تھا کہ منی تو صرف ذکر سے نکلتی ہے اور حکم پورے بدن کو پاک کرنے کا آج کل کے ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ انزال کے بعد بدن کے سارے مسامات سے ایک زہریلا مادہ نکلتا ہے اگر اسے اچھی طرح صاف کر دیا جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اگر وہ خشک ہو کر اندر واپس چلا گیا تو بہت سے امراض کا اندیشہ ہے بہرحال لوگ اعتراض کرتے تھے کہ حکمت کو برتن میں کس طرح لایا گیا۔ لیکن اب ڈاکٹروں نے بجلی کا ایک ایسا علاج رائج کیا ہے کہ نلکی کے ذریعہ سے کچھ ہوا بھر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں ساٹھ گھوڑوں کی طاقت ہے تین سو گھوڑوں کی طاقت ہے۔ تو ہم دریافت کرتے ہیں یہ طاقت بھی کوئی چنے کی دال ہے کہ برتن میں لائی جاتی ہے۔

باب وجوب الصلوة فی الثیاب وقول اللّٰہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد

حضرت امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ جہاں ائمہ کا اختلاف قوی ہوتا ہے وہ وہاں کوئی حکم نہیں لگاتے اور جہاں کوئی قوی اختلاف نہیں ہوتا وہاں جو ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے اس پر بت الحکم فرمادیتے ہیں۔ یہاں اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ثیاب صلوٰۃ کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ حضرت امام مالک کے نزدیک ثیاب شرط نہیں ہے اور اگر کوئی بلا ثیاب نماز پڑھ لے تو نماز ہوجائیگی بقیہ ائمہ کے نزدیک ثیاب نماز کے لئے شرط ہے اور یہی امام بخاری کے نزدیک راجح ہے اور امام مالک کا قول ان کے نزدیک صحیح نہیں اسی لئے امام بخاری نے وجوب الصلوۃ فی الثیاب کا باب منعقد کیا اور وجوب ثیاب پر خذوا زینتکم سے استدلال فرمایا۔ آیت چونکہ لباس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے امام بخاری کا استدلال صحیح ہے اور زینت سے مراد کپڑے ہیں چونکہ تعری کے مقابل یہ زینت ہیں۔ لباس کے لفظ سے زینت کے لفظ کی طرف عدول فرما کر اشارہ فرمادیا کہ نماز کے وقت اچھے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی چاہئے۔

اور میرے نزدیک اگر کوئی شخص بازار میں بلا شیروانی کے نہ جاسکتا ہو تو اس کو نماز بھی بلا شیروانی پہنے نہ پڑھنا چاہیے۔ اور اگر بلا شیروانی پہنے بازار جانے میں کوئی عار نہ محسوس ہوتی ہو تو پھر نماز بھی بلا شیروانی پڑھ سکتا ہے، اور دوسری غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آیت کریمہ خذوا زینتکم الآیۃ میں اختلاف ہے کہ یہ امر ایجابی ہے یا استحبابی۔ امام بخاری نے باب وجوب الصلوۃ ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ یہ امر ایجابی ہے۔ اب اس کے بعد سنو! کہ امام بخاری نے چار جملے اور ذکر فرمائے ہیں ایک من صلی ملتحفا فی الثوب الواحد دوسرا یذکر عن سلمۃ اور تیسرا من صلی فی الثوب الذی الخ اور چوتھا امر النبی ﷺ ان لایطوف ان چاروں جملوں کو شراح جزو ترجمہ قرار دیتے ہیں اور ہر ایک کو روایت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جملہ اولیٰ ومن صلی ملتحفا سے شراح پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ اگر اس کو جزء ترجمہ قرار دیا جائے تو تکرار ترجمہ لازم آتا ہے اس لئے کہ مستقل آگے باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملتحفابہ آرہا ہے۔ اس کا جواب شراح یہ دیتے ہیں کہ یہاں تبعاً ذکر فرمادیا اور مستقل باب سے اصالۃً ذکر فرمادیا۔ مگر میرے نزدیک ان میں سے کوئی بھی جزو ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایسے جملے کبھی مثبت بفتح الباء الموحدہ ہوتے ہیں اور کبھی مثبت بکسر الباء۔ تو میرے نزدیک یہ مثبت بالفتح نہیں بلکہ مثبت بالکسر ہے مثبت بالفتح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ جزء ترجمہ ہوتا ہے اور اس کا اثبات روایت وغیرہ سے مقصود ہوتا ہے اور مثبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ترجمہ کو ثابت کرتے ہیں۔ اب یہ کیسے مثبت ہوا؟ اس طور پر کہ امام بخاری نے وجوب ثیاب کا باب منعقد کیا اب اس کے بعد من صلی ملتحفا ذکر فرما کر بتاتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک کپڑا ہو تو التحاف کرے تو اگر کپڑا شرط نہ ہوتا تو یہ التحاف وغیرہ کی کیا ضرورت تھی اسی طرح سلمۃ بن الاکوع کی روایت نقل فرمائی ہے جو ابوداؤد میں مفصل مذکور ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں شکار کرتا ہوں اور ایک ہی قمیص ہوتی ہے نماز کے وقت کیا کروں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ازرہ ولو بشوکۃ یعنی گھنڈی لگالیا کرو اور اگر کچھ اور نہ ملے تو کانٹے سے بند کرلیا کرو۔ یہ روایت امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں مگر استدلال اس طرح پر ہے کہ اگر ثیاب شرط نہ ہوتے تو ازرہ کہنے کی کیا ضرورت

تھی؟اورمن صلی فی الثواب الذی یجامع فیہ الخ سے استدلال یوں ہے کہ ایک ہی کپڑا اوراسی کو پہن کر جماع بھی کرتا ہو تو پھر بھی اس کو پہن کر نماز پڑھنے کو فرما رہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ثیاب شرط ہے اور ان لا یطوف بالبیت عریانا سے بالکل واضح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے طواف بالبیت عریانا سے منع فرمایا ہے اور خود ہی ارشاد فرمایا ہے الطواف بالبیت صلوٰۃ تو جب کہ جو چیز صلوٰۃ حقیقی بھی نہیں۔ بلکہ اس کے حکم میں ہے اوراس کو ننگے ہوکر ادا کرنے سے منع فرمایا جارہا ہے تو اصل چیز یعنی نماز وہ کیسے عریان ہوکر پڑھی جاسکتی ہے۔لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا اس سے استدلال اس طرح ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے سوال کو جائز قرار دیدیا۔ حالانکہ اِلسوال ذل اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ثیاب شرط ہے یہ روایت کتاب الحیض میں گزر چکی۔ (۱)

باب عقدالازار علی القفا فی الصلوٰة

امام بخاری نے جملہ ومن صلی ملتحفا فی ثواب واحد سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی طرف اشارہ کردیا تھا اب یہاں سے تین باب باندھیں گے کیونکہ کپڑے تین قسم کے ہوسکتے ہیں یا تو خوب بڑا ہوگا یا متوسط ہوگا یا چھوٹا۔ تو امام بخاری نے بڑے کپڑے کے لئے التحاف کا باب باندھ کر بتلادیا کہ اگر کپڑا بڑا ہو تو اس کو التحاف کرنا چاہئے اور التحاف کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دونوں جانب کو ادھر ادھر ڈال لے اور اگر متوسط ہو تو کندھے پر ڈال لے اور اگر قصیر ہو تو اس کو حقوہ پر باندھ لے یہ باب متوسط کپڑے کے متعلق ہے۔ موضوعة علی المشجب مشجب کی بناوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ تین لکڑیاں نیچے سے چوڑی رکھدی جاتی ہیں اوران کے اوپر کے سرے باندھ دیئے جاتے ہیں، اس پر بیچ میں تو گھڑا وغیرہ رکھ لیتے ہیں اور چاروں کونوں پر کپڑے وغیرہ ٹانگ دیتے ہیں صورت اس کی یہ ہے اینا کان لہ ثوبان یعنی ہم میں سے کس کس کے پاس دو، دو کپڑے ہوتے تھے۔ میرے والد صاحب ایک بار موچیوں کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور شاگرد ڈول بھر بھر کر پانی کے ڈالتے جارہے تھے ایک آدمی جو میرے والد صاحب کے ملنے والوں میں تھے انہوں نے کہا حضرت جی! یہ کیا کررہے ہو یہ تو اسراف ہے۔ میرے والد صاحب نے فرمایا میرے واسطے اسراف نہیں تمہارے واسطے اسراف ہے انہوں نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ میں مولوی ہوں اور تم نہیں وہ کہنے لگے جب ہی تو لوگ الزام دیتے ہیں کہ یہ مولوی اپنے واسطے جو چاہے حلال کرلیں اور دوسروں کے واسطے جو چاہے حرام۔ میرے والد نے فرمایا کہ بات یہی ہے کہ ہمارے واسطے حلال ہے اور تمہارے واسطے حرام۔ انہوں نے وجہ دریافت کی فرمایا پہلے آکر ہم سے پڑھو پھر معلوم ہوجائے گا۔ میرا یہ خیال ہے کہ میرے والد صاحب کی نیت تبرید کی تھی اور اس میں جب تک تبرید نہ ہو پانی ڈالتے جاؤ بخلاف غسل طہارت کے کہ جس وقت وہ حاصل ہوگئی تو اس سے زیادہ مکروہ ہوگئی۔

باب الصلوٰة فی الثوب الواحد ملتحفا بہ

یہ دوسری صورت ہے کہ جب کپڑا بہت بڑا ہو تو التحاف کرے بعض شراح فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ سے ایک اور مسئلہ ثابت فرماتے ہیں وہ یہ کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز نہیں وان کان اوسع من السماء اس لئے

---

(۱) باب وجوب الصلوٰة ویذکر عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ وامر النبی ﷺ ان لا یطوف شراح کو یہی اشکال ہے کہ یہ حدیث صراحۃ ثابت نہیں لیکن میرے نزدیک یہ ترجمہ کے لئے مؤید ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان لاھوری)

امام بخاری جواز الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ثابت فرما رہے ہیں اور ملتحفا قید احترازی نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ صورت ہونی چاہئے، قال الزھری فی حدیثه یہ امام زہری نے ملتحف کی تفسیر فرمائی ہے المتوشح وشاح سے ماخوذ ہے ہار کو کہتے ہیں۔ فصلی ثمان رکعات یہ رکعات ثمانیہ کیسی تھیں اکثر علماء کے نزدیک چاشت کی تھیں اور جو چاشت کے منکر ہیں انکے نزدیک فتح مکہ کے شکریہ میں تھیں۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے متعلق امام بخاری مستقل باب قائم فرمائیں گے وہاں اس کی تفصیل آجائے گی۔

زعم ابن امی:

ابن امی کہہ کر انہوں نے اشارہ کیا کہ دونوں ایک ہی شکم سے پیدا ہوئے اور پھر علی میری مخالفت کرتا ہے اور فلان ابن ہبیرہ کو قتل کرنا چاہتا ہے حالانکہ وہ میرے قریب تھا میری بات مانتا تھا۔

فلان بن ھبیرة:

اس فلان کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نام معلوم نہ ہوسکا۔ اور ہبیرہ ام ہانی کے شوہر کا نام ہے۔ یہ ابن ہبیرہ کون تھا یا تو انہی کا لڑکا تھا یا ہبیرہ کا لڑکا دوسری بیوی سے اور انکا ربیب تھا۔

قد اجرنا من اجرت:

یہ مسئلہ کتاب الجہاد کا ہے اگر عورت امان دیدے تو وہ معتبر ہوگی یا نہیں۔ جمہور کے نزدیک معتبر ہوگی اور اگر اس سے خوف ہو تو صرف قید کرلیا جائے قتل نہ کیا جائے۔ (۱)

باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه

یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ حنابلہ کے نزدیک اگر ایک کپڑے میں نماز پڑھے اور وہ اتنا بڑا ہو کہ تخالف بین الطرفین کیا جاسکتا ہے تو تخالف بین الطرفین واجب ہے اگر ایسا نہ ہو تو ایک قول کی بنا پر نماز نہیں ہوتی اور ایک قول کی بنا پر ترک واجب کا گناہ ہوگا اور جمہور کے نزدیک یہ واجب نہیں اور چونکہ یہ مخالفت دو ہی صورتوں میں ہوسکتی ہے ایک تو یہ کہ کپڑا خوب بڑا ہو یا متوسط ہو۔ اسی لئے امام بخاری نے ان دونوں بابوں کو ذکر کرنے کے بعد اس کو ذکر فرمایا اور ان کا رجحان اس مسئلے میں حنابلہ کے قول کی طرف ہے کہ جعل علی العاتق واجب ہے اور ثوب قصیر کو اس کے بعد ذکر فرما رہے ہیں۔ سمعته او کنت سألته یہ او شک راوی ہے اور پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ خود بیان کر رہے تھے میں نے سنا اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کی درخواست پر انہوں نے سنا مگر مآل میں

---

(۱) باب عقد الازار وفیه قال الزهری فی حدیثه الملتحف ۔ ابن ابی شیبہ میں یہ روایت موجود ہے۔ تقول ذهبت الی رسول الله ﷺ عام الفتح ۔ اس قصہ کے متعلق مغازی میں جو روایت آئے گی اس میں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے اور وہاں نماز پڑھی اور یہاں حدیث میں لفظ ذہبت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور کا گھر تھا ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نہیں تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ انہی کے گھر کا ہے لیکن ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشویشناک حالات کی وجہ سے اپنے خاوند ہبیرہ کی تلاش میں گئی تھیں وہاں انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی (ان کے سگے بھائی) ان کے خاوند کے لڑکے کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ جلدی سے حضور اکرم ﷺ کے پاس گئیں جو کہ ان ہی کے گھر میں قیام پذیر تھے اس لحاظ سے ذہبت کہہ دیا اور چونکہ نبی اکرم ﷺ خود بھی داخل ہوئے اس لئے دخل النبی کہہ دیا۔

(کذا فی تقریر مولوی احسان)

کوئی فرق نہیں ہوگا دونوں صورتوں میں استاذ ہی سے سنا اور سماع ہوا۔ مگر بعض روایتوں میں لو کتبتہ ہے اس صورت میں فرق ہو جائے گا اس کا تقاضا یہ ہے کہ کتابت ہے سماع نہیں۔ من صلی فی ثوب ای ثواب واحد۔ (۱)

باب اذا کان الثوب ضیقا

اس باب سے تیسری صورت بیان کر رہے ہیں وصلیت الی جانبہ یہ اس لئے کیا تاکہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

ماالسری یاجابر:

یعنی اے جابر! یہ رات کا آنا کیسے ہوا؟

فاخبرته بحاجتي:

اور وہ حاجت یہ تھی کہ دشمنوں کی خبر کرنے گئے تھے۔

کھیئة الصبیان:

بچوں کی طرح۔ مطلب یہ ہے کہ جب بچے ناسمجھ ہوتے ہیں تو ان کے گلے میں کپڑے کو باندھ دیتے ہیں تاکہ کہیں گر نہ جائے۔ ہمارے یہاں بھی یہ طریقہ ہے لا ترفعن رؤسکن الخ حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کو مردوں کے پورے طریقے سے بیٹھنے کے بعد سجدہ میں سے سر اٹھانے کا حکم فرمایا ہے یہ اس لئے کہ جب کپڑے چھوٹے ہوں گے اور مرد سجدہ کرتے ہوئے ہوں گے تو اگر عورتوں نے پہلے اپنا سر اٹھالیا تو ممکن ہے کہ مرد کی کسی غیر مناسب جگہ پر نظر پڑ جائے۔

باب الصلوة فی الجبة الشامیة

میری اور شراح کی رائے ہے کہ کفار کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کپڑے کا جواز لبس ثابت کرنا ہے۔ چونکہ اہل کفر نجاست اور پاکی وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے لہٰذا ان کے بنائے ہوئے کپڑوں کا استعمال ممنوع ہونا چاہئے تو امام بخاری اس کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے صرف کراہت منقول ہے اور امام مالک کے نزدیک وقت کے اندر اعادہ کرے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ اصل طہارت ہے اسلئے اس کا پہننا جائز ہے۔ امام بخاری بھی جمہور کے ساتھ ہیں اور بعض مشائخ درس کی رائے یہ ہے کہ اس ترجمہ سے ان کپڑوں کے پہننے کا جواز ثابت کرنا ہے۔ جو علی ہیئة الکفار بنے ہوئے ہوں جیسے پتلون، کوٹ، چسٹر وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں اس لئے کہ روایت اور آثار میں سے کوئی چیز اس کی مساعدت نہیں کرتی۔

فی الثیاب ینسجها المجوس:

اس جملہ سے کفار کے منسوج کپڑے پہننے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) باب اذا صلی فی الثوب الواحد اس باب کے اندر جو روایت ہے اس کا مضمون ماقبل والی روایت میں آچکا ہے۔ فلیجعل اگر اس لفظ کو ایجاب کے لئے مانا جائے تو امام بخاری امام احمد کے شریک ہو جائیں گے اور اگر استحباب کے لئے ہو تو جمہور کے ساتھ ہوں گے اور رد ہوگا امام احمد پر۔

رأیت الزھری یلبس من ثیاب الیمن:

یمن میں کفار وغیرہ رہا کرتے تھے اور مسلمان اس وقت تک عامۃ نساجی نہیں کرتے تھے اس لئے کفار کے بنے ہوئے کپڑے ثابت ہوگئے۔ اب رہا ان کا مصبوغ بالبول کپڑا پہننا یا تو وہ دھو کر پہنتے تھے یا وہ بول ماکول اللحم کا ہوا کرتا تھا اور زہری اس کی طہارت کے قائل ہیں۔

وصلی علی فی ثوب غیر مقصور:

مسلمان اس وقت تک عامۃ نساجی نہیں کرتے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ وہ کفار ہی کے بنے ہوئے ہوں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ منسوج الکفار کا پہننا جائز ہے۔ وعلیه جبة شامیة۔ یہ مقصود ہے۔(۱)

باب کراھیة التعری فی الصلوة وغیرھا

شراح کی رائے ہے کہ اولا لباس فی الصلوۃ ثابت فرمایا ہے اب عموم ثابت فرماتے ہیں خواہ فی الصلوۃ ہو یا فی غیر الصلوۃ مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اس کو ابواب اللباس میں ذکر کرنا چاہئے تھا بلکہ میرے نزدیک غرض یہ ہے کہ سابق کے اندر تو لباس بقدر فرض ثابت فرمایا ہے کہ ستر عورت ضروری ہے اور یہاں بقیہ بدن کے تستر کو ثابت فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس کپڑے ہوں تو اس کو ستر کے علاوہ دوسرے جسم کو بھی ڈھانکنا چاہئے۔

فجعلت علی منکبیک:

پتھر کی رگڑ سے چونکہ بدن چھل جانیکا خطرہ تھا اس لئے ایسا فرمایا۔

فسقط مغشیا:

چونکہ نبی ہونے والے تھے اس لئے جو کام بھی حیا کے خلاف ہوتا اسی کا اثر ہوتا تھا چنانچہ وہ اثر یہاں بھی ہوا۔

فمارؤی بعد ذلک عریانا:

اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے تو امام بخاری نے اس سے استدلال کیسے کرلیا اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ **فما**

---

(۱) باب الصلوۃ فی الجبة الشامیة میں نے سنا ہے کہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس باب سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ چونکہ وہ کپڑے ان کی صنعت پر بنے ہوئے ہوتے تھے تو اس سے وہم ہوتا ہے کہ کفار کی مصنوعات ہمارے لئے جائز نہیں تو یہاں سے بتلادیا کہ جائز ہے تو گویا علامہ شاہ کشمیری کے نزدیک مدار نجاست وعدم نجاست کے احتمال پر نہیں بلکہ صنعت وعدم صنعت پر ہے مگر میرے نزدیک حضرت مولانا کشمیری سے زیادہ شراح والی توجیہ راجح ہے کیونکہ امام بخاری نے باب کی تائید میں جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وقال معمر رأیت الزھری الخ یعنی وہ مصبوغ بالبول کپڑے پہنتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سے نجاست وعدم نجاست کے وہم کو دفع کرنا ہے۔

اب اس کے بعد یہ سنو کہ جمہور کا راجح مذہب یہ ہے کہ کفار کے بنے ہوئے کپڑوں میں بغیر پاک کئے ہوئے اگر نماز پڑھ لے تو نماز مکروہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک اعادۂ صلوۃ فی الوقت ضروری ہے اور بعد الوقت ضروری نہیں اور حضرات صاحبین کے نزدیک جب تک اس کی نجاست متحقق نہ ہو اس سے نماز وغیرہ سب جائز ہے اسی پر ہمارے یہاں فتوی ہے۔ ملک شام حضور ﷺ کے زمانے میں فتح نہ ہوسکا۔ آپ کے بعد فتح ہوا ہے۔ (کذا فی تقریرین)

رؤی بعد ذلک اپنے عموم کی وجہ سے زمانہ ونبوت وغیر نبوت سب کو شامل ہے اور اس شمول سے امام بخاری کا استدلال ہے۔ (۱)

باب الصلوة فی القمیص والسرابیل والتبان والقباء

ان چاروں میں سے اگر ہر ایک الگ الگ ہو اور چادر نہ ہو تو ان میں انفراداً جواز ثابت فرمارہے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کپڑوں کے ساتھ ایک اور کپڑا ہونے کی اولیت بیان کررہے ہوں۔ مثلاً چادر، قمیص۔

اذا وسع اللّٰہ فاوسعوا:

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اولویت ثوبین ثابت فرمارہے ہیں

صلی رجل فی ازار ورداء:

یہ بھی اسی چیز کی دلیل ہے کہ اولویت ثوبین ثابت فرمارہے ہیں۔ تبان جانگیہ کو کہتے ہیں اور جانگیہ وہ کہلاتا ہے جس کو پہلوان کشتی وغیرہ کے وقت پہن لیتے ہیں۔ (۲)

باب مایستر من العورة

یہاں سے ستر کی مقدار فرض بتلاتے ہیں۔ امام مالک کا مشہور قول بلکہ مذہب اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف سوأتین ہیں۔ اور امام احمد کا راجح قول اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ران بھی عورت میں داخل ہے اور احناف کے نزدیک ران کے ساتھ رکبۃ بھی ستر کے اندر داخل ہے۔ امام بخاری مالکیہ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ جیسے مقلد ہیں ویسے ہی وہ آدھے مجتہد بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے تین چیزوں پر میری خلاف طبیعت مجبور کیا گیا ایک تو تقلید مگر یہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے جس کی تقلید کرو۔ انہوں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ ان مذاہب اربعہ میں کونسا افضل ہے تو ارشاد فرمایا گیا کہ سب برابر ہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں مذہب حنفیہ کے ساتھ تدلی الٰہی کو دیکھتا ہوں اس کے خلاف میں خطرات ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ تدلی الٰہی جماعت تبلیغی کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ تدلی سے مراد رحمت خاصہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنا سخت مہلک ہے ایک

---

(۱) باب کراهیة التعری فی الصلوة. وفیه حدثنا مطر بن الفضل. مکہ کی جب تعمیر ہورہی تھی تو آنحضرت ﷺ کی عمر شریف 35,25,15 کے درمیان تھی علی اختلاف الاقوال۔ بہرحال اس وقت وہ لوگ تعمیر میں مشغول تھے اور ان لوگوں کے نزدیک کلهم سوی سوی لاتخف کے تحت ننگے پھرنے میں اشکال نہیں تھا اس لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے ازار کو اتاردو تاکہ پتھر لادتے وقت دقت نہ ہو مگر چونکہ آپ کو نبوت کی دولت ملنے والی تھی اس لئے آپ پر فوراً غشی طاری ہوگئی۔ (کذا فی تقریر مولوی سلیمان)

(۲) باب الصلوة فی القمیص الخ شراح فرماتے ہیں کہ مختلف انواع ثیاب میں الگ الگ جواز صلوۃ ثابت کرنا ہے اور میرے نزدیک امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ دو کپڑے اولی ہیں۔ شراح کا استدلال او کلکم یجد ثوبین سے ہے اور میرا استدلال اذا وسع اللّٰہ فاوسعوا ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی دو کپڑے پر قادر ہو تو اس کے لئے دو کا پہننا افضل ہے۔ فقال لایلبس القمیص۔ شراح فرماتے ہیں کہ ان اثواب کی ممانعت محرم کے لئے ہے حلال ان کو الگ الگ پہن سکتا ہے اور میرے نزدیک یہ ہے کہ ان اثواب کی ممانعت محرم کے لئے ہے اور حلال کے لئے جائز ہے کہ وہ دو دو پہن لے۔ (کذا فی تقریر محمود یونس عفا اللّٰہ عنہ)

بار حضرت اقدس پیران پیر شیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ نے فرمایا۔ قدمی علی رقبة کل ولی ایک بزرگ نے فرمایا الا انا حضرت پیران پیر نے فرمادیا کہ جس کے کندھے پر میرا قدم نہیں اس کے کندھے پر سور کا قدم ہے چنانچہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ حج کو جارہے تھے۔ راستہ میں ایک نصرانیہ پر نظر پڑگئی اور اس پر فریفتہ ہوگئے اور شاگردوں کو رخصت کردیا پھر کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو مریدان وشاگردان کی دعاؤں سے ہدایت دی۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں اور دوسری چیز جس پر مجھ کو مجبور کیا گیا وہ تفضیل شیخین ہے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہوں اس لئے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے داماد اور تمام سلاسل اولیاء اللہ کے مرجع ہیں مگر مجھے تفضیل شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر مجبور کیا گیا اور فرمایا گیا کہ شیخین سے تو ظاہر دین کا تحفظ وبقاء ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باطن شریعت کا اور علوم واسرار کا اور یہ سب ظاہر شریعت کے تابع ہیں اور تیسری چیز جس پر مجھے مجبور کیا گیا وہ اختیار اسباب ہے میرا جی چاہتا تھا کہ اسباب کو ترک کردوں مگر مجھے اس سے روکا گیا ان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی رائے ہے کہ صرف سوأتین عورت ہیں مردوں کے لئے اور متمدن حضرات کے لئے ران بھی عورت ہے۔

الصماء نهى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اشتمال الصماء حضور اقدس ﷺ سے مشتملا وملتحفا نماز پڑھنا روایات میں وارد ہے مگر وہ اس نہی کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ محض اشتمال والتحاف میں تو ہاتھ کھلے ہوتے ہیں اور اشتمال صماء میں ہاتھ اندر بند ہوتے ہیں اس میں گرنے وغیرہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ليس على فرجه منه شیء:

امام بخاری نے اس جملہ سے استدلال فرمایا ہے کہ صرف سوأتین عورت ہیں۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ وہ حضرات لنگی تو پہنتے تھے مگر چھوٹی ہونے کی وجہ سے احتباء کی صورت میں کشف عورت کا اندیشہ تھا اس لئے منع فرمادیا۔

ليس على فرجه منه شیء:

اس سے امام بخاری کا استدلال ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صرف فرج کا لحاظ فرمایا اور ایسے احتباء سے منع فرمایا جو باعث ہو کشف فرج کا تو معلوم ہوا کہ صرف اتنا ہی ستر ہے۔

عن اللماس والنباذ:

یہ زمانہ جاہلیت کی دو بیعیں تھیں انکا ذکر کتاب البیوع کے اندر بھی آئے گا۔ لماس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مبیع کو چھودے خواہ دوسرا آدمی راضی ہو یا نہ ہو یہ بیع ہوجایا کرتی تھی اور نباذ کا مطلب یہ ہے کہ کنکری پھینک دیا کرتے تھے جس چیز پر وہ کنکری گرجاتی وہ بیع ہوجایا کرتی تھی۔

بعثنی ابوبکر فی تلک الحجة:

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ثانیا ۹ ھ میں حج کے واسطے بھیجا اور بہت سے اعلانات دے کر بھیجا ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ برائة من الله ورسوله الى الذين عاهدتم من المشركين الآية۔

اورایک اعلان یہ تھا۔ان لا یحج بعد العام مشرک اور چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنی آواز اتنی کثیر لوگوں کو نہیں پہنچا سکتے تھے اس لئے انہوں نے اعلان کرنے والوں کو مقرر کیا تھا ان میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔(۱)

باب الصلوۃ بغیر رداء

امام بخاری کا مقصد اس باب سے یہ ثابت فرمانا ہے کہ اگر کسی کے پاس دو کپڑے ہوں لیکن وہ پھر بھی ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھے تو یہ جائز ہے۔(۲)

باب مایذکر فی الفخذ

چونکہ فخذ کے اندر اختلاف تھا اس لئے امام بخاری نے یہ باب منعقد فرمایا ہے اور چونکہ امام بخاری اس کے عورت ہونے کے متعلق رائے نہیں رکھتے اس لیے مایذکر بصیغة المجھول ذکر فرمایا۔مگر چونکہ جرہد کی روایت میں غط فخذ کا حکم وارد ہوا ہے اور وہ روایت اگرچہ حدیث انس کے بالمقابل قوی نہیں ہے مگر پھر بھی چونکہ احوط یہی ہے اس لئے اسکی طرف بھی متوجہ فرمادیا کہ اصل تو عورت سوأتین ہیں لیکن ستر فخذ بھی احتیاطا کرنا چاہئے جیسا کہ حدیث جرہد کا مقتضی ہے۔

غطی النبی ﷺ رکبتیہ ۔یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ حضور اقدس ﷺ کنویں کی من پر تشریف فرما تھے اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داخل ہونے کی اجازت چاہی تو اجازت مل گئی۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہی تو ان کو بھی مل گئی مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو آپ نے اپنی ران ڈھانک لی۔تو امام بخاری کا استدلال اس سے یہ ہے کہ اگر رکبہ عورت ہوتا تو اس کو نبی کریم ﷺ پہلے ہی ڈھانکتے۔جو لوگ اس کے عورت ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ کھلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کرتہ ہٹا ہوا تھا اور تہبند نیچے کو تھا اس کو درست فرمایا نہ یہ کہ بالکلیہ ران کھلی ہوئی تھی اس کو ڈھکا اور حضور ﷺ کا یہ فعل اس وجہ سے تھا کہ جب کوئی ایسا ویسا آدمی آئے تو کرتہ درست کرتے ہیں۔

وفخذہ علی فخذی:

امام بخاری پر یہاں اشکال کیا جاتا ہے کہ فخذ پر فخذ ہونے سے اس کا مکشوف ہونا کہاں سے لازم آگیا۔علامہ سندھی نے امام

---

(۱)باب مایستر من العورة :امام بخاری نے حدیث باب ونھی ان یحتبی الرجل سے اس پر استدلال کیا ہے کہ صرف ذکر اور مقعد محل ستر ہے۔اور استدلال اس طرح سے ہے کہ حضور ﷺ نے احتباء سے اس لئے منع کیا ہے کہ ذکر یا مقعد کے نظر آنے کا اندیشہ تھا اور احتباء کی تعریف یہ ہے ان یجلس علی الیتیه وینصب ساقیه ویحتوی علیھما بثوب ونحوہ او بیدہ اور اشتمال سے اس لئے نہی کی کیونکہ ان میں گرنے کا اندیشہ ہے اور اس میں مشابہت بالیہود بھی ہے۔
ولا یطوف بالبیت عریانا زمانہ جاہلیت میں مادرزاد ننگے ہو کر طواف کرنا اچھا سمجھا جاتا تھا اور قریش کے لباس کے علاوہ کسی دوسرے لباس میں طواف کرنے کی اجازت نہ تھی اس لئے جس کے پاس قریش کے دیئے ہوئے کپڑے نہ ہوتے تھے اس کو ننگے طواف کرنا پڑتا تھا۔(کذافی تقریر مولوی احسان)

(۲)باب الصلوۃ بغیر رداء ماقبل میں باب الصلوۃ فی السراویل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقولہ اذا وسع اللہ فاوسعوا گزرا تھا اس سے وہم ہوتا تھا کہ وسعت کی صورت میں ایک کپڑے سے نماز جائز نہیں تو یہاں سے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے یہ باب منعقد فرمایا ہے یہ میری اپنی رائے ہے اور دلیل یہ ہے کہ اس کے اندر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ ان کے کپڑے مشجب پر رکھے تھے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے تو معلوم ہوا کہ وسعت کے باوجود ایسا کرنا جائز ہے اور شراح کی رائے یہ ہے کہ اس باب سے بغیر رداء کے نماز پڑھنے کا جواز بتلا رہے ہیں۔(کذافی تقریر مولوی سلمان)

بخاری کی طرف سے توجیہ فرمائی ہے کہ اگر فخذ عورت ہوتا تو اس کا حائل سے بھی چھونا جائز نہ ہوتا۔ جیسے سوأتین کا۔ علامہ سندھی نے توجیہ اچھی کی مگر یہ کہنا کہ اگر ستر ہوتا تو سوأتین کی طرح اس کا بھی چھونا ناجائز ہوتا یہ کچھ نہیں کیونکہ سوأتین چونکہ محل شہوت ہیں اس لئے ان کا چھونا ممنوع ہے۔ بخلاف فخذ کے کہ وہ محل نہیں شہوت کا۔

فثقلت علی حتی خفت ان ترض فخذی:

یہ وحی کا بوجھ تھا جو حضور اکرم ﷺ پر بوقت نزول ہوا کرتا تھا حتی کہ اونٹنی بھی بیٹھ جایا کرتی تھی۔

وان رکبتی لتمس فخذ نبی اللہ ﷺ:

اس واسطے کہ اونٹ کے چلنے سے جنبش بہت ہوتی ہے بالخصوص جب کہ وہ تیز بھی چل رہا ہو۔

ثم حسر الازار:

اس سے امام بخاری نے استدلال فرمایا ہے کہ فخذین عورت نہیں ہیں۔ جمہور کیطرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں انحسر ہے تو گویا یہاں حسر۔ سے انحسر مراد ہے یعنی وہ خود بخود کھل گئی نہ کہ نبی کریم ﷺ نے اسے خود کھولدی والخمیس یعنی الجیش جیش کو خمیس اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ پانچ طبقوں پر منقسم ہوتا ہے۔ مقدمۃ الجیش، موخرہ، میمنہ، میسرہ، قلب، قلب کے اندر امیر ہوتا ہے مشہور اور چیدہ چیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ فتح و ہزیمت سردار کے اوپر موقوف ہوتی ہے اگر وہ قتل ہو جائے تو گویا لشکر شکست کھا گیا۔

فاخذ صفیة بنت حیی فجاء رجل:

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی خوبصورت اور سردار قوم کی لڑکی تھیں جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لیا تو ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہ! صفیہ آپ کے لئے مناسب ہے کیونکہ وہ قبیلہ کے سردار کی لڑکی ہے اگر آپ اس سے نکاح کر لیں گے تو پھر بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ نے ان کو لے کر آزاد کر دیا اور نکاح فرمایا۔

نبی کریم ﷺ نے جتنے نکاح فرمائے ان میں دینی مصلحتیں تھیں اور وہ کسی شہوت اور تعیش کی بناء پر العیاذ باللہ نہیں تھے اس لئے کہ جب شباب کا زمانہ تھا تو ایک چالیس سالہ عورت سے نکاح کیا اور ترپن (۵۳) سال کی عمر تک دوسری شادی نہیں کی گو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی قبل الہجرت ہو گئی تھی مگر زفاف بعد الہجرت ہوا۔ اگر کہیں موقع ہوا تو میں اس مضمون کو پھر بیان کروں گا۔

یااباحمزة:

یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے۔

قال نفسها:

یہ مسئلہ کتاب النکاح کا ہے۔ اس لئے تفصیل وہیں آئے گی۔ مختصر یہ ہے کہ اس کے قائل صرف امام احمد ہیں اور ائمہ ثلثہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ فلیجیئ بہ یہ اس وجہ سے تھا کہ تا کہ حضور اکرم ﷺ دعوت ولیمہ فرمائیں کیونکہ گھر تو تھا نہیں کہ اپنے

گھر لے جا کر ولیمہ فرماتے۔ (۱)

باب فی کم تصلی المرأة من الثياب

اس سلسلہ میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس قدر کپڑا اس کے ستر کے لئے کافی ہو اس کو استعمال کرے اور بعض کی رائے ہے کہ دو کپڑے لے اور بعض کی رائے ہے کہ تین لے اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ چار کپڑے لے۔ عورت کا تمام بدن ستر ہے۔ الا الوجه والكفين واختلف فی قدمین۔

متلفعات فی مروطهن:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تلفع ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایک ہی کپڑا تھا۔ (۲)

باب اذا صلى فی ثوب له اعلام

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پھولدار کپڑوں کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام بخاری کی غرض ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ اگر نماز میں ادھر ادھر کا خیال آجاوے تو نماز ہو جائے گی اگرچہ پھول دار کپڑوں کو پہن کر اس کا خیال دل میں آجائے۔

صلى فی خميصة:

یعنی ایک کملی میں نماز پڑھی جو ابوجہم نے خدمت اقدس میں ہدیہ کی تھی۔

اذهبوا بخميصتی هذه الى ابی جهم:

حضور ﷺ نے اس کملی کو واپس کرنے کا اور ابوجہم کی موٹی چادر لانے کا حکم اس لئے دیا کہ کہیں ابوجہم کے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا ہدیہ واپس فرما دیا لہٰذا حضور ﷺ نے ان کی انبجانیہ منگوائی تا کہ ان کی دلجوئی ہو اور ان کا دل خوش ہو اور کملی اس لئے واپس فرمادی کہ اس کی وجہ سے نماز میں اس کے پھول اور اس کی خوشنمائی کا خیال آگیا تھا۔

---

(۱) باب مایذکر فی الفخذ وفیه قال ادعوبها : حضور اکرم ﷺ نے ان سے حضرت صفیہ کو اس لئے واپس لے لیا کیونکہ خود آپ کے ان سے نکاح کرنے میں ساری قوم کی دلداری تھی اور عوام کے فائدے کی وجہ سے خواص کے نقصان کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ قال نفسها اعتقها وتزوجها اس سے امام احمد نے استدلال کیا ہے کہ بغیر مہر کے محض اعتاق پر اگر نکاح ہو جائے تو جائز ہے اور وہ اعتاق ہی اس کا مہر ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ جائز نہیں اور اس حدیث کا یہ حضرات پہلا جواب تو امام طحاوی یہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کا آزاد کرنا اگر نکاح سے پہلے تھا تو اب نکاح کے وقت وہ اعتاق مہر نہیں ہوگا اور اگر نکاح کے بعد آزاد فرمایا تو یہاں نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں تھا۔ تو یہاں یہ کہا جائے گا کہ اعتاق پر نکاح نہیں ہوا بلکہ مہر پر ہوا ہے اگرچہ اس وقت مہر مسمی نہ ہو۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اور روایات میں تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نکاح میں رزینہ نامی ایک باندی مہر میں دی تھی اور یہاں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانا ان کے علم پر موقوف ہے۔'' (کذافی تقریرین)

(۲) باب فی کم تصلی المرأة من الثياب وفیه متلفعات فی مروطهن: اس سے امام بخاری نے ترجمہ ثابت کیا ہے کہ اس پر اشکال یہ ہے کہ وہ چادر برقعہ کے طور پر ہوتی تھی یہ نہیں کہ اس کے علاوہ جسم پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں استدلال بکل المحتمل ہے اس لئے کہ احتمال ہے اور کوئی کپڑا نہ ہو۔ اور یہ بھی توجیہ ہوسکتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں کپڑوں کی تنگی تھی ہوسکتا ہے کہ عورتوں کے پاس صرف ایک ہی چادر ہو۔'' (کذا فی تقریر مولوی احسان لاهوری)

اب اس کے بعد یہ سنو! کہ میں ابواب التیمم میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ ابوجہم اور ابوجہیم کی روایات کتب حدیث میں تین جگہ آئی ہیں ایک ابواب التیمم میں دوسری ابواب اللباس اور تیسری مرور فی الصلوۃ میں اور میں وہاں بتلا چکا ہوں کہ ابواب اللباس میں تو ابوجہم صحیح ہے اور جو ابوجہیم کہے وہ غلط ہے اور بقیہ دونوں جگہ (یعنی ابواب التیمم اور ابواب السترۃ میں) ابوجہیم ہے۔

فانها الهتني انفا:

شراح بخاری کی قاطبۃ رائے یہ ہے کہ الهتني کے معنی کادت ان تلهيني کے ہیں یعنی الہاء واقع نہیں ہوا تھا بلکہ واقع ہونے کے قریب تھا اور دلیل اس کی فاخاف ان تفتنني ہے جس کو امام بخاری نے تعلیقاً ذکر فرمایا ہے اور امام بخاری نے اس کو ذکر فرما کر الهتني کی تفسیر فرمادی کہ الهتني سے مراد یہ نہیں کہ الہاء واقع ہو گیا بلکہ قریب تھا کہ واقع ہو جائے تو گویا شراح کے نزدیک روایت اولیٰ مؤول ہے روایت ثانیہ معلقہ کی بناء پر۔ مگر میرے نزدیک تاویل کی ضرورت نہیں اور یہ دونوں لفظ چونکہ حدیث پاک میں آ گئے ہیں اس لئے جب تک ان کے معنی بلا تاویل کے بن سکتے ہوں بنا لئے جائیں۔ چنانچہ یہاں معنی بن سکتے ہیں اور وہ یہ کہ الہاء سے مراد الہاء خفیف ہے یعنی ادھر ادھر کا تھوڑا سا خیال آ جانا اور افتتان یہ ہے کہ ان خیالات وتفکرات کی شدت ہو جائے تو الهتني کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ خیال آیا اور اخاف ان تفتنن کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی بھر مار نہیں ہوئی۔ اب خلاصہ یہ نکلا کہ نفس خیال کا وقوع ہوا۔ مگر ان کی کثرت اور بھر مار نہیں ہوئی۔ اور میرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فقہاء نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر ادھر ادھر کا خیال آ جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی مگر یہ خیالات بہتر نہیں ہیں اور دلیل میں فقہاء اسی روایت کو پیش کرتے ہیں تو اگر الہاء واقع نہیں ہوا تو فقہاء کا استدلال کرنا کیسے صحیح ہوگا لیکن خیالات وغیرہ لانا مکروہ ہوگا اور جس درجہ کا الہاء ہوگا، اسی درجہ کی کراہت ہوگی۔ حتی کہ کبھی تنزیہی اور کبھی تحریمی تک کی نوبت پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد یہ سمجھو کہ اس واقعہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی اور اعادہ نہیں فرمایا تو اس سے نماز کی صحت معلوم ہوئی اور چونکہ حضور اکرم ﷺ نے وہ کپڑا واپس فرما دیا اس سے کراہت معلوم ہوئی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس سے حضور اکرم ﷺ کی شان مبارک میں کسی قسم کا برا خیال نہ لایا جائے کیونکہ آپ تعلیم فعلی کے واسطے تشریف لائے تھے اس لئے حضور ﷺ نے اس کو کر کے دکھلایا کہ اگر ایسا واقعہ پیش آ جائے تو نماز ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کام ہمارے لئے خلاف اولیٰ ہیں ان کے کرنے پر آپ کو واجب پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ اسی واسطے آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی پورا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گناہ ہوئے جیسے چوری، زنا وغیرہ یہ سب بھی تعلیم امت کے لئے تھے اس لئے کہ ان کی تعلیم امت کے لئے ضروری تھی۔ اور یہ سب نبی کی شان کے خلاف تھے اس لئے نبی کے اصحاب سے کرائے گئے۔

باب ان صلى في ثوب مصلب اوتصاوير

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلیب اس صورت کو کہتے ہیں جس پر یہودیوں کے زعم فاسد کے موافق انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی تھی جس کی صورت (+) اس قسم کی ہوتی ہے اور یہ نصرانیوں کے پاس ہوتی ہے وہ بابرکت جانتے ہیں۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ ترجمہ میں دو جز ذکر فرمائے گئے ہیں ایک تصاویر کے متعلق دوسرے مصلب کپڑے کے متعلق۔ اول جزء تو روایت سے ثابت ہو گیا مگر دوسرا جز (ثوب مصلب) وہ روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری بہت سی جگہ

ترجمہ قیاس سے ثابت فرماتے ہیں۔ یہاں بھی قیاس سے اس طرح ثابت فرمادیا کہ جب تصویر والے کپڑے میں نماز ہوجاتی ہے تو مصلب میں تو بدرجہ اولیٰ ہوجائے گی۔ مگر میرے نزدیک تو قیاس سے ترجمہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ خود یہی روایت جلد ثانی صفحہ آٹھ سواسی (۸۸۰) پر آرہی ہے۔ اس میں صلیب کا لفظ موجود ہے تو امام بخاری نے یہاں پر اس آنے والی روایت سے استدلال کرلیا۔

اب یہ کہ مصور کپڑا پہن کر اگر کوئی نماز پڑھ لے تو مذہب کیا ہے؟ حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک نماز ہوجائے گی اور یہ فعل مکروہ ہوگا یہی رائے جمہور کی ہے اور امام بخاری اسی کی تائید فرمار ہے ہیں۔ اور مالکیہ کے نزدیک وقت کے اندر اندر اعادہ کرلے اور اگر وقت میں اعادہ نہ کیا تو پھر اعادہ واجب نہ ہوگا اور حنابلہ کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز نہ ہوگی۔ امام بخاری اسی پر رد فرمار ہے ہیں قرام باریک پردہ کو قرام کہتے ہیں۔ **فانه لا تزال تصاویره تعرض فی صلوتی**۔ جب حضور اکرم ﷺ کی نماز میں وہ تصاویر معارضہ کرسکتی ہیں اس پر بھی آپ ﷺ نے نماز پوری فرمائی اور اس کا اعادہ نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ نماز ہوگئی اور چونکہ ہٹادینے کا حکم فرمایا اس سے اس کی کراہت معلوم ہوگئی۔

باب من صلی فی فروج حریر ثم نزعه

فروج حریر پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس میں نماز پڑھی اور اعادہ نہیں فرمایا۔ لیکن مکروہ ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس کو نکال پھینکا اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ وقت کے اندر اندر اعادہ کرے۔ (۱)

باب الصلوۃ فی الثوب الاحمر

ثوب احمر کے بارے میں روایات بہت مختلف ہیں۔ بعض سے جواز اور بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اس طرح شراح نے سات قول نقل کئے ہیں اور خود احناف کے یہاں باوجود قلت روایات کے اس مسئلہ میں آٹھ روایات ہیں جن کو میں نے حاشیہ الکوکب میں لکھدیا ہے منجملہ ان کے تحریم واستحباب وکراہت بھی ہے۔ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنی تقریرات اور اپنے فتاویٰ میں جو قول اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جن روایات سے پہن لینا ثابت ہے وہ بیان جواز پر محمول ہیں اور جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ خلاف اولیٰ ہونے پر محمول ہیں یعنی فی نفسہ پہننا تو جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اور میرے نزدیک اختلاف روایات اور اختلاف مذاہب کا سبب رنگ کی حقیقت میں اختلاف ہے اور تشبہ بالنساء ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ ان رنگوں پر محمول ہیں جن کے اندر ناپاک چیز کی ملاوٹ کا احتمال ہو۔ مثلاً اب سے چالیس سال قبل یہ مشہور تھا کہ سرخ رنگ میں خون پڑتا ہے لہٰذا جس رنگ میں خون ہوگا روایات منع اس پر محمول ہوں گی۔ اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں خون نہیں پڑتا تو روایات جواز اس پر محمول

---

(۱) باب من صلی فی فروج حریر: فروج ریشم کا وہ چوغہ کہلاتا ہے جس میں چاک کھلے ہوئے ہوں جسے آج کل چسٹر کہتے ہیں اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک صرف مکروہ ہے۔ اب یہ کہ آپ ﷺ نے فروج حریر میں نماز کیوں پڑھی؟ جب کہ وہ مکروہ ہے علامہ عینی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فعل (یعنی فروج ریشم پہننا) تحریم ریشم سے پہلے کا واقعہ ہے ایسی صورت میں حضور ﷺ کا اس کو کالکارہ نکالنا قلب اطہر کی صفائی اور آئندہ جو چیز حرام ہونے والی ہے اس سے نفرت کا اظہار ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اسے قبل التحریم پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں آپ ﷺ نے نماز بیان جواز اور تعلیم کے لئے پڑھی ہے اور یہ بتلادیا کہ نماز تو ہوجائے گی مگر مکروہ ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ ریشم کے استعمال کا گناہ بھی ہوگا۔

ہونگی اور پھر چونکہ سرخ رنگ میں تشبہ بالنساء ہے تو جہاں جیسا تشبہ ہوگا وہاں ویسی ہی کراہت ہوگی۔ مثلا کوئی سرخ قیص پہنے اس کے اندر کراہت ہے کیونکہ یہ تشبہ بالنساء ہے اور اگر یہ رنگ چادر کو دے کر پھر کوئی مرد اس کو پہنے تو اس میں مزید تشبہ بالنساء ہے لیکن رضائی اور لحاف کا استر اگر سرخ رنگ کا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی کوئی کراہت ہے اس لئے کہ یہ خاص نوع عورتوں کے ساتھ خاص نہیں لہٰذا تشبہ بھی نہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر سرخ دھاریاں ہوں تو اس میں بھی تشبہ نہیں لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ خرج النبی ﷺ فی حلة حمراء جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سرخ دھاریوں والا حلہ تھا ان پر کوئی اشکال نہیں ایسے ہی اس میں تشبہ بالنساء بھی نہ ہوا۔

ورأيت الناس والدواب يمرون:

یہ جملہ حدیث مرور بین یدی المصلی سے متعلق ہے اس لئے اسکی بحث ابواب السترۃ میں آئے گی وہاں یہ بھی بتلا دیا جائے گا کہ کس شے کا مرور بین یدی المصلی قاطع صلوٰۃ ہے اور کس شے کا نہیں۔

باب الصلوة في السطوح والمنبر والخشب

حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ جعلت لی الارض مسجدا وطهورا، اس سے بظاہر ایہام ہوتا ہے کہ زمین ہی پر نماز پڑھی جائے تو امام بخاری اس وہم کو دفع فرما رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس مسئلہ کے زیادہ موافق باب الصلوٰۃ علی الفراش ہے جہاں اس مسئلہ سے بحث ہوگی۔ یہاں تو امام بخاری دوسرے اختلافات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں گو یہ اختلافات اب ہمارے نزدیک اس زمانہ میں کچھ نہیں اور کان لم یکن ہو گئے۔ مگر چونکہ امام بخاری کے سامنے یہ اختلافات تھے اس لئے انہوں نے اس پر باب باندھا اور بہت سے اختلافات ایسے ہیں جو بہت زائد شہرت پذیر ہو گئے مثلا مسئلہ رفع الیدین یہ ایک ایسا معرکۃ الآراء نہ تھا جیسا کہ اب ہو گیا۔ بہرحال میرے نزدیک امام بخاری اس باب سے بعض تابعین کے قول پر رد فرماتے ہیں جیسا کہ بعض شراح سے منقول ہے کہ وہ لوگ صلوٰۃ علی السطح کی کراہت کے قائل ہیں نیز اس باب سے مالکیہ پر بھی رد فرما رہے ہیں کہ وہ صلوٰۃ علی المنبر کی کراہت کے قائل ہیں ایسے ہی خشب سے حضرت حسن بصری اور ابن سیرین کے قول پر رد فرما دیا۔ کیونکہ ان سے صلوٰۃ علی الخشب کی کراہت منقول ہے۔

ولم یر الحسن بأسا ان یصلی علی الجمد والقناطیر:

جمد جما ہوا برف۔ اس کے متعلق کوئی اختلاف نظر سے نہیں گزرا۔ مگر کچھ بھی ہو صلوٰۃ علی السطح تو ثابت ہو ہی جائے گی کیونکہ وہ تو مثل سطح کے ہوتا ہے اور صلوٰۃ علی القناطیر سے صلوٰۃ علی السطح صاف طور پر ثابت ہے۔

اذا كان بينهما سترة:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نجاست کے اور اس کے درمیان سترہ معروفہ ہو بلکہ اس سے مراد حائل ہے۔

من ای شیء المنبر:

اس میں اختلاف ہے کہ منبر کب بنا؟ تین قول ہیں ۵ھ و ۶ھ و ۷ھ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو تقریر بخاری جلد اول، (ش).

مابقي في الناس اعلم به مني:

اس لئے کہ وہ سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اس وقت موجود تھے وہ اب انتقال کر گئے۔ بس میں ہی زندہ ہوں اس لئے مجھے اس کی زیادہ خبر ہے۔ هو من اثل الغابة. اثل کے معنی جھاؤ کے ہیں اور غابہ ایک جگہ کا نام ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ غابہ مقام کے جھاؤ سے بنایا گیا تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اثل کے معنی تو جھاؤ کے ہیں اور غابہ خوب گنجان کو کہتے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ گنجان درخت کا جھاؤ تھا مگر اضافت زیادہ واضح پہلی صورت میں ہوتی ہے۔ میرے نزدیک بھی وہی اولیٰ ہے۔

عمله فلان:

اس کا نام میمون بتلایا جاتا ہے۔

ثم رجع القهقرى فسجد على الارض:

چونکہ سجدہ میں سب برابر ہوتے ہیں کوئی کسی کو نہیں دیکھتا اس لئے نیچے اترے نیز اس پر سجدہ کرنا دشوار تھا۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ عمل کثیر پایا گیا اور یہ بالاتفاق مفسد صلوٰۃ ہے گو اس کی جزئیات میں اختلاف ہو اور یہاں تو توالی حرکات پائی گئی۔ بار بار سجدہ کے لئے چڑھنا اترنا نیز خطوات بھی پائے گئے۔ اس لئے کہ پیچھے کو سیدھے ایک دم تو لوٹ نہیں سکتا۔ آہستہ آہستہ اقدام رکھ کر لوٹے گا اور یہ توالی حرکات وخطوات عمل کثیر میں داخل ہیں شراح یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ نماز میں عمل کثیر جائز تھا اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے مبارک یہ ہے کہ رجوع الى القهقرى کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل سیدھے پیچھے کو ہٹے بلکہ ذرا ایک جانب مائل ہو کر رجوع الی القہقری فرمایا اس صورت میں ایک ہی قدم کے اندر رجوع ہو گیا اور توالی حرکات جو پائی گئی وہ ارکان مختلفہ میں تھیں اور جو توالی مفسد اور عمل کثیر میں داخل ہے وہ یہ کہ ایک ہی رکن میں ہو لہٰذا حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل کثیر کے جائز ہونے کے وقت کی روایت ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

قال علي بن عبدالله:

یہ علی بن المدینی ہیں جو امام مشہور ہیں۔

قال انما اردت ان النبي ﷺ:

یہاں بین السطور میں قال کا فاعل شیخ الاسلام کے حوالہ سے علی بن المدینی کو لکھا ہے۔ مگر میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ قال کا فاعل امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہیں اس لئے کہ وہ امام الفقہ ہیں اور مسئلہ بھی علم فقہ کا آرہا ہے۔ لہٰذا اب مطلب یہ ہوگا کہ امام احمد بن حنبل نے علی بن المدینی سے کہا کہ میں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے۔ فلا باس ان يكون الامام اعلى من الناس اس لئے کہ جب حضور اکرم ﷺ لوگوں سے اوپر تھے اور حضور ﷺ امام تھے تو معلوم ہوا کہ امام کا مقتدیوں سے اوپر ہونا جائز ہے۔ اب اس کے اندر اختلاف ہے کہ کتنا اوپر ہو سکتا ہے؟ احناف وشافعیہ (۱) کے یہاں اگر ایک ذراع سے کم اوپر ہے تو کوئی حرج نہیں اور اس سے زائد میں روایات

---

(۱) شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ تعلیم کی غرض سے ارتفاع جائز بلکہ مستحب ہے اور اس کے ماسوا مکروہ ہے۔ (ولیراجع هامش اللامع صفحہ ۱۴۹۔ ۱۲ محمد یونس عفی عنہ)

مختلف ہیں اور مالکیہ اوپر ہونے سے منع کرتے ہیں۔

قال فقلت:

اس قال کے قائل علی بن المدینی ہیں اور یہ الگ ہے ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ان سفیان بن عیینة:

اس کا مطلب یہ ہے کہ علی بن المدینی نے حضرت امام احمد سے فرمایا کہ تمہارے استاذ سفیان بن عیینہ سے اس حدیث کے متعلق کثرت سے سوال ہوتا تھا تم نے ان سے کچھ نہیں سنا؟ حضرت امام احمد نے نفی میں جواب دیا۔

یہاں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک اشکال کیا ہے کہ مسند احمد میں یہی روایت امام احمد نے سفیان بن عیینہ کے واسطے سے نقل کی ہے پھر یہاں نفی کا کیا مطلب؟ اس کا ایک جواب جو حافظ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت مفصل ہے وہ تو انہوں نے ابن عیینہ سے سنی نہیں اور مسند احمد کی روایت جو مختصر ہے وہ انہوں نے ابن عیینہ سے سنی مگر میرے نزدیک اس سے اچھا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اولا سفیان ابن عیینہ سے نہ سنی ہو جب علی بن المدینی سے سن لی تو پھر سفیان بن عیینہ سے اس کے بعد سنی اور پھر ان کے واسطے سے نقل کی۔ ہاں اگر یہ حکم ثابت ہو جائے کہ امام احمد نے یہ سوال علی بن المدینی سے حضرت سفیان بن عیینہ کے انتقال کے بعد کیا ہے تو پھر یہ جواب نہیں چلتا مگر اس کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے۔

ان رسول الله ﷺ سقط عن فرس:

حضور اکرم ﷺ ایک بار گھوڑے پر سوار تشریف لے جارہے تھے۔ گھوڑا بدکا جس کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ داہنی طرف گر گئے جس سے دائیں بازو اور دائیں ساق میں چوٹ آئی اور دائیں قدم میں موچ بھی آگئی۔ بعض روایات میں جحش ساقه الایمن اور بعض میں شقه الایمن اور بعض میں انفکت رجلہ آتا ہے ان سب میں کوئی تعارض نہیں۔

فجحشت ساقه او لتفه:

یہ اوشک راوی ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ احدھما میں جحش ہوا بلکہ راوی کو شک ہو گیا کہ میرے استاذ نے ان دونوں میں سے کونسا لفظ کہا۔

وآل من نسائه شهرا:

حضور اقدس ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے غصہ ہو کر قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک ان کے پاس تشریف نہ لیجائیں گے۔ یہاں ایک اشکال ہے جس سے شراح نے یہاں تو نہیں بلکہ کتاب التفسیر میں تعرض کیا ہے وہ یہ ایلاء کا یہ واقعہ ۵ھ میں پیش آیا اور سقوط عن الفرس کا قصہ ۹ھ کا ہے تو جب ان دونوں میں چار سال کا فاصلہ ہے تو راوی نے دونوں کو کیوں جوڑ دیا؟ اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ کسی راوی کو وہم ہو گیا اور اس نے ان دونوں واقعوں کو ایک ہی زمانہ کا سمجھ کر ایک جگہ جوڑ دیا مگر میرے نزدیک اس کو راوی کے وہم کی طرف منسوب کرنے سے بہتر دوسرا جواب ہے وہ یہ کہ چونکہ دونوں واقعوں میں آپ ﷺ نے مشربہ میں قیام فرمایا تھا اس لئے راوی نے جب سقوط عن الفرس کا واقعہ بیان کیا تو تبعا ایلاء کا قصہ بھی ذکر کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ آپ ﷺ نے دونوں وقت مشربہ میں قیام فرمایا۔

مشربہ غرفہ کو کہتے ہیں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

فصلی بهم جالسا وهم قيام:

یہ وہی سقوط عن الفرس کا واقعہ ہے جس کی بنا پر آپ ﷺ بیٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے۔

واذا صلى قائما فصلوا قياما:

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام راتب کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہئے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں مقتدیوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ امام بخاری اس پر مستقل باب باندھ کر حنابلہ پر رد فرمائیں گے۔ (۱)

باب اذا اصاب ثوب المصلی امرأته اذا سجد

چونکہ مس مرأۃ بعض کے نزدیک ناقض وضو ہے تو ممکن ہے کسی کو یہ وہم ہو کہ اگر نمازی کا کپڑا عورت کو لگ جائے بحالت صلوٰۃ تو یہ باعث کراہت ہوگا۔ اس لئے امام بخاری اس کو دفع فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا مگر میں نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری نہ تو مس مرأۃ سے وضو کے قائل ہیں نہ ہی مس ذکر سے اور نہ ہی قہقہہ سے وہ ان مسائل میں نہ احناف کے ساتھ ہیں نہ شوافع کے ساتھ۔ اور دوسری غرض امام بخاری کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حنفیہ پر رد ہے کیونکہ حنفیہ محاذاۃ امرأۃ کو مفسد صلوٰۃ قرار دیتے ہیں اور یہاں روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میمونہ سامنے ہوتی تھیں بلکہ روایت میں حذاء کا لفظ موجود ہے۔ لیکن اس سے احناف پر رد نہیں ہوتا کیونکہ حنفیہ مطلقا محاذات کو مفسد نہیں مانتے بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ مثلا امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو اور عورت نماز میں اس کے ساتھ شریک ہو۔ لیکن چونکہ امام بخاری عمومات سے استدلال کرتے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ حذاء کے لفظ سے استدلال کرلیا ہو۔

باب الصلوٰۃ علی الحصیر

بعض شراح (۲) نے یہاں حدیث جعلت لی الارض مسجدا وطهورا ذکر کر کے غیر ارض پر جواز صلوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک امام بخاری کی غرض ایک اور مسئلہ کو بیان کرنا ہے وہ یہ کہ غالبا ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ وہ صلوۃ علی

---

(۱) باب الصلوة فی السطوح والمنبر ۔ وصلی ابوهریرة رضی اللہ تعالی عنہ علی ظهر المسجد جمہور کے نزدیک صفوف متصل ہیں تو ظہر مسجد پر اقتداء جائز ہے ورنہ اقتداء جائز نہیں نماز ہو جائے گی۔ عمله فلان مولی فلانة بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ میرا غلام منبر بنانا چاہتا ہے آپ بنوا لیجئے تو آپ ﷺ نے انکار فرمادیا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حکم دیکر اس مولی سے بنوایا تھا۔ لیکن احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس سے فلانہ کی درخواست کرنا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اس نے درخواست کی مگر آپ ﷺ نے انکار فرمادیا پھر بعد میں ضرورت محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے حکم دے کر بنوالیا۔ واذا صلی قائما فصلوا قیاما یہ حدیث امام احمد کا مستدل ہے اس مسئلہ پر کہ اگر امام راتب ہو تو ایسا کرنا جائز ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مقتدیوں کو قیاما اقتدا کرنی چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ مکبر کی حیثیت سے کھڑے ہوکر لوگوں تک تکبیرات پہنچا رہے تھے اور اس وقت تمام صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کھڑے ہوکر نماز ادا کر رہے تھے اور یہ فعل حضور ﷺ کا تمام افعال سابقہ کے لئے ناسخ ہوگا حنابلہ اس قسم کی روایات کی تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ امام نہیں تھے بلکہ وہاں حضرت ابوبکر ہی امام تھے۔ (کذا فی تقریری مولوی سلمان)

(۲) کذا ۱۳۸۰ھ کی تقریر میں ہے کہ امام بخاری نے دو تین باب باندھے ہیں جن کے متعلق مجموعی طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ حدیث جعلت لی الارض مسجدا وطهورا یوں چاہتی ہے کہ ارض ہی پر نماز پڑھنی چاہئے اور جب بوریا وغیرہ بچھا دیا گیا تو ارض پر نماز نہ رہی۔ تو امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زمین پر کوئی چیز بچھا کر اس پر نماز پڑھنا زمین پر نماز پڑھنے کے منافی نہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی ملحوظ ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے حصیر پر نماز پڑھنے کی کراہت منقول ہے وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا کی وجہ سے تو مصنف نے اس کی تردید کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ انتهی ۱۲ محمدی عفی عنہ۔

الحصیر کو مکروہ بتلاتی ہیں اوران کا استدلال آیت شریفہ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا سے ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو کافرین کے لئے حصیر بنایا ہے تو یہاں اشتراک اسمی پایا جارہا ہے لہٰذا اس پر نماز مکروہ ہوگی۔ تو اب امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول پر رد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے تو صلوۃ علی الحصیر ثابت ہے۔

وصلی جابر بن عبداللہ و ابو سعید فی السفینة:

اس سے غیر ارض پر نماز پڑھنا ثابت ہوگیا۔ اس لئے کہ صلوۃ علی الحصیر میں بھی صلوۃ علی غیر الارض ہوتی ہے۔

وقال الحسن تصلی قائما مالم یشق علی اصحابک:

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا یہی مذہب ہے کہ اگر کھڑے ہوکر پڑھ سکتا ہے تو کھڑے ہوکر پڑھ لے ورنہ بیٹھ کر ادا کرے مگر حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کشتی میں ابتداہی سے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے کیونکہ کشتی میں مسافر مشقت میں ہوتا ہے چکر وغیرہ آتے ہیں۔

تدور معها:

کا مطلب علامہ قسطلانی نے یہ لکھا ہے کہ جدھر کشتی کا رخ پھیر لے ادھر ہی نمازی اپنا چہرہ پھیرتا رہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کشتی اگر جانب قبلہ سے پھر جائے اور نمازی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہو تو نماز ہی میں قبلہ کی طرف مڑ جائے۔

ان جدته ملیکة:

جدته کی ضمیر میں اختلاف ہے کہ کس طرف راجع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسحٰق کی طرف راجع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ انس کی طرف راجع ہے۔ حافظ ابن حجر کی بھی فتح الباری میں یہی رائے ہے کہ انس کی طرف ضمیر راجع ہے۔

قوموا فلاصلی لکم:

یہ بطور هل جزاء الاحسان الاالاحسان کے ہے کہ تم نے ہمیں کھانا کھلایا لاؤ ہم تمہیں نماز پڑھائیں۔

والیتیم وراءه:

یتیم کا نام ضمیرہ ہے۔

والعجوز من ورائنا:

اس جملہ سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اگر لڑکا ایک ہو تو امام کے پاس کھڑا ہوگا اور اگر عورت اکیلی ہو تو پیچھے کھڑی ہوگی۔ امام بخاری اس پر مستقل باب باندھیں گے۔ (۱)

---

(۱) باب الصلوٰۃ علی الحصیر، وصلی جابر بن عبداللہ، اس پر اشکال ہے کہ سفینہ کا ذکر حصیر کے باب میں کیسے لے آئے جن لوگوں نے باب کی غرض بتلائی ہے کہ غیر ارض پر نماز پڑھنا جعلت لی الارض کے خلاف معلوم ہوتا ہے ان پر رد ہے ان لوگوں کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ سفینہ اور حصیر دونوں غیر ارض میں سے ہیں مگر میری رائے پر اس سے اشکال وارد ہوگا اور جواب اس کا یہ ہے کہ بعض مرتبہ ترجمہ میں استدلال عادت سے ہوتا ہے تو چونکہ عام طور سے سفینہ کے اندر حصیر بچھانے کی عادت ہے تو اس عادت کے تحت گویا سفینہ میں نماز مثل صلوٰۃ حصیر کے ہے۔

قد اسود من طول مالبس: یہاں بچھونے کو لباس سے تعبیر فرمایا ہے اس سے استدلال ہے کہ بچھانا بھی لباس ہے۔ لہٰذا اگر ریشم کا بستر ہو تو وہ بھی مرد کے لئے ناجائز ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

باب الصلوٰۃ علی الخمرۃ

چونکہ صلوٰۃ علی الخمرۃ کی کراہت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے اس لئے اس پر اسی باب سے رد فرما رہے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ خمرۃ اس چھوٹی سی چٹائی کو کہتے ہیں جو مصلی کے لئے پوری نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں بعض حصہ نماز تو ارض پر ہوگا اور بعض غیر ارض پر، اس کے جواز پر متنبہ فرما دیا۔ (۱)

باب الصلوٰۃ علی الفراش

یہ وہ باب ہے جس کے متعلق میں نے بیان کیا تھا کہ جعلت لی الارض مسجدا وطهورا سے جو وہم ہوتا ہے اس کو باب سے دفع فرما رہے ہیں اور ابواب سابقہ سے ان اغراض کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابوداؤد میں ہے لا یصلی فی لحفنا جس سے عدم جواز فی الصلوۃ فی ثیاب المرءۃ معلوم ہوتا ہے اس کو رد فرما دیا یہ آخری قول حافظ کا ہے۔ والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دفع دخل مقدر فرما رہی ہیں کہ مجھ پر یہ اعتراض نہ کرنا کہ میں پیر کیوں نہیں موڑ لیا کرتی تھی اس لئے کہ چراغ تو تھا نہیں کہ کچھ نظر آ جاتا اور نہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ کا قیام کتنا طویل ہوگا، چار، چار اور پانچ، پانچ پارے آپ پڑھا کرتے تھے اس لئے پیر پھر دوبارہ پھیلاتی تھی۔

باب السجود علی الثوب فی شدة الحر

اس باب سے امام بخاری شوافع پر رد فرما رہے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ثوب متصل پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ منفصل ہونا چاہئے اور جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔

یسجدون علی العمامة والقلنسوة:

یہ ثوب متصل پر سجدہ ثابت ہو گیا۔

فیضع احدنا طرف الثوب:

یہ موضع ترجمہ ہے۔

باب الصلوٰۃ فی النعال

شراح کی رائے یہ ہے کہ ابواب الثیاب چل رہے تھے اور نعال بھی ثیاب میں داخل ہیں اس لئے ذکر فرما دیا اور میرے نزدیک

---

(۱) باب الصلوٰۃ علی الخمرۃ: اس سے پہلے باب منعقد فرمایا تھا۔ باب الصلوٰۃ علی الحصیر اب یہاں سے خمرہ پر نماز کا حکم بتلاتے ہیں۔ خمرہ حصیر سے چھوٹا ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ دہلوی کا ارشاد ہے کہ یہاں سے مقصود دفع توہم ہے اس لئے کہ جعلت لی الارض طهورا سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زمین پر ہی نماز پڑھے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ توجیہ آنے والے باب کے زیادہ مناسب ہے اور میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ وہ خمرہ پر نماز نہیں پڑھتے تھے اور اگر کبھی نوبت آتی تو اسے مٹی سے ملوث کر دیتے تھے۔ میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ خمرہ چونکہ حصیر سے چھوٹا ہوتا ہے تو اس پر نماز پڑھنے کی صورت میں بدن کا بعض حصہ اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے زمین پر رہے گا تو یہاں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر بعض حصہ حصیر پر اور بعض حصہ ارض پر ہو تو نماز میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کذا فی تقریرین

ایک اور غرض یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے فَاخْلَعْ نَعْلَيْکَ اس کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ فی النعل جائز نہ ہو لیکن جب مقام طوی میں خلع نعال کا حکم ہے تو مسجد میں تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہونا چاہئے تو اس وہم کو دفع کرنے کے لئے امام بخاری نے اس کا جواز ثابت فرمادیا۔(۱)

باب الصلوٰۃ فی الخفاف

شراح اس باب کے متعلق بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ خفاف لباس میں داخل ہیں اس لئے اس کا ذکر فرمادیا اور میری رائے ہے کہ صلوٰۃ فی الخفاف کی اولویت بیان فرمارہے ہیں اس لئے کہ ابوداؤد میں ہے۔ **خالفوا الیهود فانهم لایصلون فی نعالهم و لا خفافهم** تو باب سے امام بخاری نے اس کی اولویت کی طرف اشارہ فرمادیا۔

فکان یعجبهم:

وجہ اعجاب یہ تھی کہ اس کا احتمال تھا کہ مسح علی الخفین آیت وضو سے منسوخ ہو گیا ہو مگر حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسح کیا اور یوں فرمایا کہ میں نے تو نبی کریم ﷺ کو مسح کرتے دیکھا ہے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخیر میں اسلام لائے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے مسح کا ذکر فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ آیت الوضو اس کے واسطے ناسخ نہیں۔

باب اذا لم یتم السجود ،باب یبدی ضبعیه

یہ دونوں باب صفحہ ایک سو بارہ پر آرہے ہیں اور دو باب، باب عقد الثیاب اور باب لایکف ثوبه فی الصلوٰۃ صفحہ ایک سو تیرہ پر۔ اب شراح یہ کہتے ہیں کہ یہاں تو ابواب الثیاب چل رہے تھے یہ درمیان میں دو باب سجود کے کیسے آگئے ہو نہ ہو یہ کسی کاتب کا تصرف ہے کہ غلط جگہ پر آگئے اور لباس کے دو باب جو صفحہ ایک سو تیرہ پر آرہے ہیں وہ ابواب السجود میں چلے گئے یہ بھی کاتب کا تصرف ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی بھی یہی رائے ہے اور انہوں نے فربری سے اس کی تائید نقل کی ہے کہ وہ (فربری) فرماتے ہیں کہ بخاری کی نقل میں کہیں کہیں غلطی واقع ہوگئی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ چونکہ بخاری کے نسخوں میں یہ باب یہاں موجود ہے اس لئے اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام بخاری قیاس ونظیر سے ستر عورت کی اہمیت ثابت فرماتے ہیں کہ من شرط لاتصح صلوته کمن ترک رکنا۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ ہر باب اپنی جگہ پر صحیح ہے وہ اس طرح پر کہ امام بخاری ابواب الثیاب ذکر فرمارہے تھے تو امام بخاری باب یبدی ضبعیه منعقد فرما کر یہ بتلادیا کہ اگر کپڑے چھوٹے چھوٹے ہوں تو سجدے میں اخفاء نہ کرے بلکہ ابداء کرے کیونکہ خود نبی اکرم ﷺ نے کپڑے چھوٹے ہونے کے باوجود ابداء کیا اگر کپڑا چھوٹا نہ ہوتا تو بغل کی سفیدی کیسے نظر آتی اور اس کے اثبات کے واسطے باب اذا لم یتم السجود منعقد فرمادیا کہ اگر تجافی نہ کرے گا تو اتمام سجود نہ ہوگا اور وہاں بحیثیت کیفیت سجود کے آرہے ہیں جن پر مستقل کلام ہوگا۔(۲)

---

(۱) باب الصلوٰۃ فی النعال: اس باب کے متعلق مولانا انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمارے ان جوتوں میں نماز نہیں ہوگی بلکہ عرب والے جو جوتے ہوتے ہیں ان میں نماز ہوجاتی ہے۔ واللہ اعلم (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

(۲) باب یبدی ضبعیه الخ حدثنا الصلت بن محمد اس روایت میں ہے ماصلیت اس سے ائمہ ثلاثہ نے اس پر استدلال فرمایا ہے کہ نماز کے اندر اعتدال ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک اعتدال واجب ہے بغیر اس کے بھی نماز ہوجائے گی اور جواب اس کا یہ ہے کہ ماصلیت کاملا اور ہمارا استدلال بھی اس حدیث سے ہے اس کے اندر اخیر میں ہے لو مت مت علی غیر سنة محمد ﷺ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واجب کا درجہ رکھتی ہے فرضیت کی صورت میں ایسا ہرگز نہ فرماتے۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب القبلة

یہاں سے کتاب القبلہ شروع ہورہی ہے اور امام بخاری کو جب لکھنے میں فترت واقع ہوجاتی تھی تو وہ بسم اللہ سے افتتاح فرماتے تھے۔

باب فضل استقبال القبلة

چونکہ شرائط صلوۃ بیان ہورہے تھے اس لئے اولا تو وضو کو ذکر فرمادیا۔ کیونکہ وہ سب سے اہم ہے اور پھر لباس اور پھر استقبال قبلہ کو ذکر فرمایا۔ اور ابتداء اس کی فضیلت سے شروع فرمائی مگر یہاں پر دو اشکال ہیں بلکہ تین اشکال ہیں۔ اول یہ کہ ابھی تو استقبال قبلہ کی فضیلت شروع فرمائی تو ابھی سے کہاں استقبال اطراف رجلین الی القبلہ کے اندر پہنچ گئے۔ حالانکہ اطراف رجلین کا استقبال سجدہ میں ہوتا ہے تو چاہیے یہ تھا کہ اولا استقبال قیام وغیرہ کا ذکر فرماتے اور پھر بتدریج استقبال اطراف رجلین کا ذکر فرماتے، اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ صفحہ ایک سو بارہ پر باب یستقبل القبلة باطراف رجليه آرہا ہے لہٰذا یہ باب مکرر ہوگیا اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ ترجمہ میں اطراف رجلین کا اگر ذکر فرمایا ہے تو اس کی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ اس لئے کہ اگر قال ابو حميد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا (جس میں اطراف رجلین کے استقبال کا ذکر ہے) تو وہ روایت تو اب تک نہیں آئی کہ اسی سے اشارہ ہوجاتا کیونکہ یہ روایت صفة الصلوٰۃ میں آئے گی۔

اب جوابات سنو! امام بخاری نے یستقبل باطراف رجليه القبلة کو جزء ترجمہ نہیں بنایا۔ اور مثبت بفتح الباء قرار نہیں دیا بلکہ مثبت بالکسر قرار دیا ہے اور غرض اس کے ذکر سے استقبال کی تاکید اور فضل استقبال کو منقح کرنا ہے کہ استقبال اس درجہ موکد ہے کہ بحالت سجدہ بھی نہیں چھوڑا جاسکتا اور پاؤں کی انگلیوں تک سے کیا جاتا ہے اور قال ابو حميد سے اس روایت کی طرف اشارہ فرمادیا جو آگے آرہی ہے اب کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہا اس لئے کہ سارے اشکال کا مدار یہ تھا کہ اس کو جزء ترجمہ قرار دیا جاتا اسی وجہ سے تکرار بھی لازم آرہا تھا روایت کی بھی ضرورت ہورہی تھی اور کچھ بے ترتیبی معلوم ہورہی تھی۔ رہا یہ اشکال کہ ترجمہ مکرر ہے۔ اس کا شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ باب یہاں بالتبع ہے اور وہاں صفحہ ایک سو بارہ پر بالقصد آرہا ہے۔ واستقبل قبلتنا اگرچہ استقبال کا ذکر من صلی صلوتنا میں ضمنا آگیا تھا اس لئے کہ نماز استقبال قبلہ ہی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے مگر چونکہ یہود وغیرہ کے یہاں بھی نماز ہے اس لئے ان سے امتیاز کلی وظاہری محض لفظ صلی صلوتنا سے نہیں ہوسکتا تھا۔ گوفی نفسہ تو ہوجاتا تھا اس لیے اس کو واضح کرنے کیلئے واستقبل قبلتنا فرمادیا اس طرح اس میں یہود ونصاری کی بالکلیہ مخالفت ہوجاتی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھتے ہیں اور ہمارا قبلہ کعبۃ اللہ ہے اور مقصود ان چیزوں کے ذکر سے شعائر اسلام کا ذکر کرنا ہے اور بتلانا ہے کہ شعائر اسلام اختیار کرو ورنہ اکل ذبیحتنا کوئی ہمارے ہی ساتھ خاص نہیں یہود بھی کھاتے ہیں۔

له ذمة الله:

یہاں ذمہ سے مراد حفظ باری تعالیٰ میں آجانا ہے اور ذمہ سے ذمہ اصطلاحی مراد نہیں۔

امرت ان اقاتل الناس :

امام بخاری نے اس روایت کو ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ روایت سابقہ صلوۃ واستقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ پر جو مسلم کا حکم لگایا ہے اور

اس کیلئے ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ثابت ہے یہ اس کے لئے ہے جو لاالٰہ الااللہ کا قائل ہو اور اگر اس کا قائل نہ ہو تو چاہے ہزار نمازیں پڑھ لے کوئی فائدہ نہیں۔

الا بحقها:

ای بحق کلمة الاسلام اور حق اسلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کام کرے جس پر اسلام میں حفظ دم نہیں ہے تو پھر حفظ دم وغیرہ نہ ہوگا مثلاً کوئی کسی کو قتل کردے یا محصن زنا کرلے تو پہلا قصاص میں قتل ہوگا اور دوسرا رجم کردیا جائے گا۔

وقال ابن ابی مریم اخبرنا یحی حدثنا حمید الخ:

اس تعلیق کو امام بخاری نے اس لئے ذکر فرمادیا کہ حمید طویل کے متعلق تدلیس کا قول نقل کیا گیا ہے اور انہوں نے حضرت انس سے عن کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور معنعنہ مدلس میں احتمال ہے انقطاع کا اس لئے تحدیث ثابت کرنے کے لئے حدثنا انس ذکر فرمادیا۔

له ماللمسلم وعليه ماعلى المسلم:

یعنی اس کے لئے وہ حقوق ہیں جو ہر مسلمان کے لئے ہوتے ہیں اور اس پر وہ حقوق عائد ہوں گے جو کسی مسلمان پر آتے ہیں۔ (۱)

باب قبلة اهل المدينة واهل الشام والمشرق

میں بیان کرچکا ہوں کہ امام بخاری کی ساری کمائی ان کے تراجم ہیں اور میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ چونکہ امام بخاری کا وظیفہ طرق استنباط ہے اس لئے تعلیم کے لحاظ سے بخاری شریف درجہ ثالث میں ہے گو فضیلت کے لحاظ سے سب سے مقدم ہے اور ساری روایات بخاری صحیح ہیں اگر کسی نے کلام کیا ہے تو غلط کیا ہے تو ان کے تراجم کا اثبات خود ایک معرکۃ الآراء چیز ہے اور پھر میں نے باب من بدأ بالحلاب والطيب میں یہ بتلایا تھا کہ کچھ تراجم ایسے بھی ہیں جن کے اندر شراح ومشائخ نے طبع آزمائی فرمائی ہے اور اپنی کوشش صرف فرمائی ہے اور پھر بھی یہ معلوم نہیں کہ امام بخاری کی غرض ان ابواب سے کیا ہے؟ گو توجیہ ہر جگہ کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی توجیہ بیان کروں گا۔ کیونکہ یہ باب بھی ان ہی ابواب میں سے ہے جو معرکۃ الآراء ہے۔

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں باب قبلة اهل المدينة واهل الشام۔ اہل مدینہ کا قبلہ تو جنوب میں ہے اس لئے کہ مکہ مدینہ سے جنوب کی طرف واقع ہے اور اہل شام کا قبلہ بھی جنوب میں ہے۔ اس لئے کہ شام مدینہ سے شمال کے اندر واقع ہے یہاں تک تو کوئی اشکال نہیں۔ مگر آگے جو والمشرق حضرت امام بخاری نے بڑھادیا یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اہل مدینہ اور اہل شام کا قبلہ تو جنوب میں ہے۔ مگر اہل مشرق کا قبلہ مغرب میں ہوگا نہ کہ جنوب میں جو اہل مدینہ واہل شام کا قبلہ ہے اس لئے بعض شراح کی رائے تو یہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ اشکال اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کو جر کے ساتھ پڑھا جاوے اور اگر اس کو رفع کے ساتھ پڑھا جاوے اور خبر محذوف مانی جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔ اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی۔ والمشرق بخلافهما یعنی قبلة اهل مشرق قبلة اهل مدينه والشام۔ مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ پھر اس مخالفت میں مشرق ہی کیا

---

(۱) باب فضل استقبال القبلة۔ حدثنا عمرو بن عباس الخ اس کے اندر کمال ایمان کی علامات میں سے ایک علامت استقبال قبلہ بھی بتلایا گیا ہے اس سے فضیلت معلوم ہوگئی اور اس کو خاص طور سے اس بناء پر ذکر کیا کہ مدینہ میں یہود ونصاریٰ زیادہ تھے اور وہ لوگ تحویل قبلہ پر اعتراض کرتے تھے اس لئے اہمیت بیان کرنے کے لئے اس کو ذکر فرمادیا ورنہ اس سے بھی زیادہ اہم اور علامات ہیں۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

تخصیص ہے مغرب کا بھی قبلہ ان دونوں کے خلاف ہے۔علامہ عینی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں والمغرب محذوف ہے علی طریقة قوله تعالیٰ سرابیل تقیکم الحر ای والبرد یعنی احد المتقابلین کے ذکر پر اکتفا کرلیا۔ کیونکہ دوسرا خود سمجھ میں آجائے گا۔ مگر پھر اس مجموعے پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں۔ایک تو یہ کہ پھر یہ ترجمہ شان بخاری کے موافق نہیں رہتا کیونکہ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ جو ایک جہت والوں کا قبلہ ہوگا وہ دوسری جہت والوں کا نہیں ہوگا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ والمشرق جو روایت میں مذکور ہے وہ جر کے ساتھ ہے۔اب تم یہ سنو کہ المشرق جر کے ساتھ ہے نہ کہ رفع کے ساتھ۔

اب اشکال جو یہاں پیش آیا اس کی وجہ یہ ہے کہ والمشرق سے عام مراد لیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت امام بخاری کی غرض اس سے عام نہیں ہے بلکہ خاص ہے اور خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے خاص خطے کے لوگ مراد ہیں جو بخارا و مرو وغیرہ کے ہیں۔ یہ علاقے اس زمانے میں مشرق کہلاتے تھے اور شام چونکہ اس سے مغرب میں واقع ہے اس لئے وہ مغرب کہلاتا تھا تو یہاں پر مشرق سے مراد خاص بخارا اور مرو وغیرہ ہیں جو شام کے مقابل میں مراد ہیں۔اور اہل شام ان کے مقابل میں مغرب میں ہیں اور بخارا و مرو وغیرہ سے قبلہ جنوب کی جانب میں ہے۔ لہٰذا جو اہل مدینہ و شام کا قبلہ ہے۔ وہی اہل مشرق خاص یعنی اہل بخارا و مرو وغیرہ کا قبلہ ہوا۔ مگر چونکہ مرو وغیرہ تھوڑا سا مشرق میں دے کر واقع ہے۔اس لئے حضرت عبداللہ بن المبارک سے امام ترمذی نے ترمذی شریف میں واختار ابن المبارک لاهل مروا لتیاسر نقل کیا ہے کہ ذرا سا بائیں طرف کو مائل ہو کر نماز وغیرہ پڑھیں۔اب اشکال نہیں رہا اور کوکب الدری صفحہ ایک سو باسٹھ جلد اول کے حاشیہ میں جہاں حضرت ابن المبارک کا یہ مقولہ ترمذی میں مذکور ہے وہاں بخارا اور مرو مکہ مدینہ اور شام کی صورت بنا کے میں نے واضح کر دیا ہے اور مطلق اہل مشرق کا قبلہ مغرب ہے۔ جیسے ہم بالکل مشرق کے اندر واقع ہیں۔ لہٰذا ہمارا مغرب ہے۔

لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلة:

یہ اہل مدینہ کے لئے ہے اور جو ان کی سمت پر واقع ہیں نہ کہ مطلق اب اس کے بعد امام بخاری نے لقول النبی صلی اللہ علیه وسلم لاتستقبلوا القبلة بغائط او بول ولکن شرقوا او غربوا ذکر فرما کر ایک تو یہ ثابت فرمادیا کہ مشرق و مغرب میں اہل مدینہ ومن علی سمتهم کا قبلہ نہیں ہے۔اسی کے ساتھ ان لوگوں کے قول پر بھی رد فرمادیا جو کہتے ہیں کہ حدیث میں ولکن شرقوا او غربوا کا خطاب عام ہے۔ اہل مدینہ اور انکے غیر سب مشرق و مغرب کی طرف بحالت استنجاء استقبال کر سکتے ہیں خواہ قبلہ سامنے یا پیچھے ہی کیوں نہ ہو۔

اذا تیتم الغائط فلاتستقبلوا القبلة ولا تستدبروها:

استقبال واستدبار میں تین مذہب مشہور ہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ایک تو ظاہر یہ کا کہ نہی منسوخ ہے اور مطلقاً جائز ہے اور دوسرا حنفیہ کا کہ مطلقاً ناجائز ہے۔اور تیسرا ائمہ ثلاثہ کا بنیان کے اندر تو جائز ہے اور صحاری میں ناجائز۔اس کے علاوہ دو قول اور بیان کئے جاتے ہیں ایک استدبار فی البنیان کا اور دوسرے نہی تنزیہی کا۔س کے علاوہ اور بھی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں جو بالکل غیر مشہور ہیں۔

قال ابو ایوب فقدمنا الشام:

نسائی کی روایت میں عن رافع بن اسحاق انه سمع اباایوب الانصاری وهو بمصر یقول ہے علماء نے نسائی کی اس روایت کو غلط قرار دیا ہے اور علماء موجہین فرماتے ہیں کہ قدوم شام میں تھا اور روایت مصر میں بیان کی تھی۔

فوجدنا مراحیض :

مراحیض مرحاض کی جمع ہے جس کے معنی بیت الخلا کے ہیں۔

کناننحرف عنها و نستغفر الله تعالیٰ:

قاعدہ یہ ہے کہ مشغول لوگ جو ہوتے ہیں وہ پاخانہ میں اس وقت جاتے ہیں جب کہ شدت کے ساتھ تقاضا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی حال تھا کہ انتہائی مشغول ہوتے تھے اور جب شدت کے ساتھ طبیعت پر تقاضا ہوتا تب بیت الخلاء کا رخ فرماتے اور جلدی میں اس کا خیال نہ رہتا اور ان مراحیض میں جو کہ قبلہ کی طرف بنائے گئے تھے۔ بیٹھ جاتے مگر جب یاد آ جاتا تو اپنا رخ پلٹتے اور اپنی اس غلطی گونسیا نا سے ہوتی تھی پر نادم ہوتے اور استغفار کرتے تھے۔ بہر حال یہ حضرات اپنے فعل پر استغفار کرتے تھے۔

اور جن لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ ان کے بنانے والوں کے لئے استغفار کرتے تھے یہ غلط ہے اس لئے کہ اس کے بنانے والے تو کفار تھے ان کے لئے استغفار کا کیا مطلب؟

اب تم یہ سنو کہ حضرت امام بخاری نے اس کو وہاں ذکر نہیں فرمایا جہاں استقبال و استدبار کا ذکر ہے بس صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کردی کیونکہ وہ ان کے موافق تھی۔

دوسری بات یہ سنو کہ حضرت ابوایوب کے اس مقولہ سے یہ معلوم ہوا کہ نہی بنیان وصحاری کو عام ہے کیونکہ وہ بنیان کے اندر استقبال ہو جانے پر بھی استغفار کرتے تھے اگر یہ نہی عام نہ ہوتی تو استغفار کا کیا مطلب ہے؟ اور تیسری یہ بات معلوم ہوئی کہ عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب تھا اور اس کا علم اس سے ہوتا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کا صیغہ استعمال کر کے کناننحرف عنها و نستغفر الله فرمایا ہے۔ (۱)

---

(۱) باب قبلة اهل المدينة و اهل الشام: کوکب کے اندر میں نے نقشہ کی صورت یہ بنائی ہے۔ اس نقشے کے اندر جو چار پانچ شہروں کے نام ہیں یہ سب مدینہ کی جانب مشرق میں ہیں مگر جنوب ہی کی طرف مائل ہیں۔ لہٰذا جنوب ہی ان کا قبلہ ہے اگر یہ بالکل جانب مشرق میں ہوتے مکہ سے تو پھر مکہ کی سیدھ میں ان کا نام آتا۔ حالانکہ ان کا نام اس سے ہٹ کر آرہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بالکل مشرق میں نہیں ہیں تاکہ غرب ان کا قبلہ ہو۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث حنفیہ کا مستدل ہے اس بات پر کہ استدبار و استقبال ممنوع ہے۔ (کذافی تقریرین)

مشرق صیف	شمال	مغرب صیف
بخارہ، مرو، بلخ، خوبستان	ہرات، کرمان	مدینة المنورة، مكة المكرمة
مشرق شتاء	جنوب	مغرب شتاء
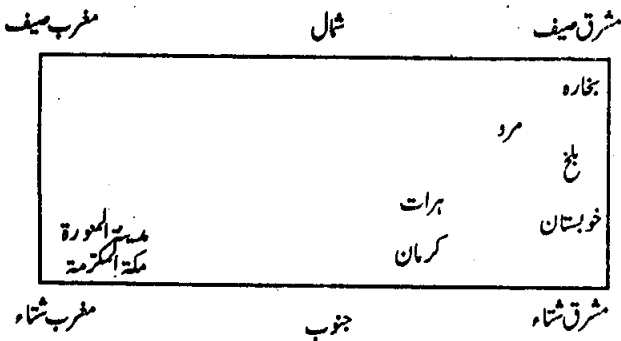
باب قول اللّٰہ تعالیٰ ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلّٰى ﴾

حضرت امام بخاری کی غرض اس باب سے کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اتخذوا امر کا صیغہ ہے اس سے بظاہر وجوب سمجھ میں آتا ہے تو حضرت امام بخاری نے یہ باب منعقد فرما کر بتلا دیا کہ امر ایجابی نہیں ہے اور یہی میرے والد صاحب قدس سرہ کی رائے ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اتخذوا اپنے اطلاق کی وجہ سے مطلقا اتخاذ صلوۃ پر دلالت کرتا ہے۔ تو امام بخاری نے اس کو ترجمہ گردان کر اور روایات ذکر فرما کر بتلا دیا کہ اس سے خاص رکعتی الطواف مراد ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ من مقام ابراھیم کے لفظ سے بظاہر اس مقام کی تخصیص معلوم ہوتی تھی۔ تو امام بخاری نے روایات ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ کوئی تخصیص نہیں بلکہ اس کے آس پاس کا حصہ بھی مقام ابراہیم میں داخل ہے۔ مقام خاص مراد نہیں۔

قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فطاف بالبیت سبعا الخ:

اس سائل کے جواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرما کر اشارہ کر دیا کہ خود حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ لہٰذا اب تم سوچ لو کہ یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور مقصود امام بخاری کا صلی خلف المقام رکعتین ہے۔ خلف المقام یہ تعمیم ہوگئی نیز رکعتیں کی تعیین بھی ہوگئی۔

فقال ابن عمر فاقبلت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدخرج:

حضرت ابن عمر چونکہ سخت متبع سنت تھے اس لئے جب ان کو یہ خبر ملی کہ حضور اکرم ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہ بھی چلے تاکہ یہ دیکھیں کہ آپ نے وہاں جا کر کیا کیا اور جو کچھ آپ نے کیا وہ ہی میں کروں مگر حضور ﷺ باہر تشریف لا چکے تھے۔

قائمابین البابین:

ای بین المصراعین

بین الساریتین اللتین علی یسارہ:

اس میں روایات مختلف ہیں کہ آپ ﷺ نے نماز کہاں پڑھی ایک روایت تو یہ ہے دوسری روایت یہ ہے کہ بین الرکنین الیمانیین پڑھی۔ تیسری روایت میں یہ ہے کہ تین سواری پیچھے تھے اس پر مزید کلام الصلوۃ بین السواری میں آئے گا روایات بھی وہیں آئیں گی۔

فصلی فی وجہ الکعبۃ رکعتین:

اس سے تعمیم بھی ہوگئی اس لئے کہ وجہ کعبہ میں جب پڑھی تو مقام ابراہیم پیچھے رہ گیا تو وہ رکعتیں جو مقام کے ساتھ متعلق ہیں ان کا ایجاب ہی نہ رہا۔

ولم یصل:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صلی ہے اور اس روایت میں لم یصلِّ ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ قاعدہ یہ

ہے کہ جب نفی و اثبات میں تعارض ہو جائے تو اثبات کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مثبت ہے لہٰذا یہی راجح ہے اور بعض علماء نے جمع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کا دخول کعبہ میں دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک فتح مکہ کے موقعہ پر دوسرے حجۃ الوداع میں۔ تو نماز پڑھنا محمول ہے ایک مرتبہ کے دخول پر اور نہ پڑھنا محمول ہے دوسری مرتبہ کے دخول پر۔

وقال هذه القبلة :

اس کا مطلب یہ ہے کہ اب یہ ہمیشہ کے لئے قبلہ بنا دیا گیا۔ اس میں نسخ نہیں ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ** میں جو امر ہے اس سے مقام ابراہیم کا قبلہ ہونا معلوم نہیں ہوتا بلکہ قبلہ تو یہ ہے۔ (۱)

باب التوجه نحو القبلة حيث كان

شراح کی رائے حيث كان میں یہ ہے کہ سفر و حضر جہاں کہیں بھی ہو توجہ الی القبلہ کرے۔ اور چونکہ **فاينما تولوا فثم وجه الله** سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ سفر کے اندر استقبال قبلہ شرط نہیں بلکہ جس طرح بھی بن پڑے پڑھ لے وہی قبلہ ہے۔ کیونکہ آیت سفر کے اندر ہے۔ تو حضرت امام بخاری نے اس وہم کو دفع فرما کر بتلا دیا کہ نہیں مسافر کو بھی توجہ کرنی ہوگی۔ اور میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کی غرض ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی قبلہ کی قبلیت متحقق ہو جائے پس متوجہ ہو جائے۔ خواہ ابتداء صلوٰۃ ہو یا وسط صلوٰۃ ہو یا آخر صلوٰۃ ہو، خواہ مسافر ہو یا مقیم سب کو یہ حکم عام ہے جیسا کہ مسئلہ تحری میں ہے کہ جب بھی جس طرف تحری ہو اس طرف کو رخ کر لے۔

وقال ابوهريرة قال النبي صلى الله عليه وسلم استقبل القبلة:

اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کو حضرت امام بخاری نے كتاب الاستيذان میں ذکر فرمایا ہے۔

---

(۱) **باب قول الله تعالىٰ واتخذوا من مقام ابراهيم** الخ بسا اوقات آیت کو تبرکا ذکر کر دیتے ہیں اور کبھی اس کو ترجمہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں حضرات ائمہ مفسرین کے نزدیک یہ آیت کریمہ تحیۃ الطواف کے متعلق ہے کہ یہ دو رکعت مقام ابراہیم پر پڑھنا واجب ہے۔ **سالنا ابن عمر عن رجل** ۔ دراصل اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ احرام سے محرم کب نکلتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک حدود حرم میں ہونے کے بعد اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے اور بعض حضرات جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں کی رائے یہ ہے کہ جب اس کی نظر بیت اللہ پر پڑے۔ اس وقت احرام ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اب وطی وغیرہ سب ممنوعات اس کے لئے حلال ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک جب تک طواف سعی، اور حلق نہ کرائے اس وقت تک وطی وغیرہ جائز نہیں یہی مسئلہ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

حدثنا مسدد قال نايحيى : اس میں ایک جملہ ہے **الساريتين اللتين على يساره** ۔ بعض روایات میں اس کا عکس آیا ہے یعنی **على يمينه** اور بعض روایات میں **بين العمودين المقدمين** ہے اور بعض میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کے آگے تین ستون تھے۔ ان مختلف روایات کی وجہ سے جگہ کی تعیین میں اختلاف ہو گیا۔ میرے والد صاحب **اعلى الله مراتبه** فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں عام طور سے ستون غیر مرتب ہوتے تھے۔ ہموار اور بالکل خط مستقیم کے ذریعہ سیدھے ایک لائن میں نہیں ہوتے تھے تو اس زمانے میں کعبہ کا نقشہ اس قسم کا تھا۔ اور حضور ﷺ کھڑے تھے کہ یسار میں بھی دو ستون تھے اور یمین میں بھی دو ستون تھے۔ اس طور پر کہ آپ ﷺ کا **بين الساريتين** ہونا بھی صادق آ گیا اور یہ کہ آپ ﷺ کے سامنے دو ستون ہیں کیونکہ جیسے تین ہیں ایسے ہی ادھر ادھر مقابلہ میں دو ہیں۔ انہی کا ذکر کر دیا۔

بیت اللہ

یسار

حضور ﷺ

یمین

ستة عشر او سبعة عشر شهرا:

میں اس کے متعلق کلام کر چکا ہوں۔ اجمالا یہ ہے یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور اخیر رجب میں تحویل قبلہ واقع ہوئی تو جس نے ان دونوں کو مستقل شمار کر لیا اس نے سبعة عشر کہہ دیا اور جس نے دونوں کو ایک ایک شمار کر لیا۔ کیونکہ کچھ دن ربیع الاول کے تھے اور کچھ دن رجب کے تھے تو اس نے ستة عشر کہہ دیا۔

فمر علی قوم من الانصار فی صلوة العصر:

میں اس سے پہلے بتلا چکا ہوں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ تحویل کب واقع ہوئی؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ ظہر کی نماز میں ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ عصر کی نماز میں واقع ہوئی۔ وہاں میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ روایات مختلف ہیں کہ آنے والے شخص نے کس نماز میں اطلاع دی فجر کی نماز میں یا عصر کی نماز میں؟

اور وہاں میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ عصر کا واقعہ مدینہ کے ایک محلہ بنو سالم کا ہے اور فجر کا واقعہ قبا کا ہے۔ اور وہاں میں نے یہ بھی بتلا دیا تھا کہ ان لوگوں نے ایک شخص کی خبر پر کیسے اعتماد کر لیا؟ حالانکہ وہ خبر واحد ہے اور استقبال بیت المقدس قطعی تھا۔

یصلی علی راحلته حیث توجهت:

نوافل کے اندر بالاتفاق ایسا کرنا جائز ہے۔

لاادری زاد او نقص:

یہ سجدہ سہو کی روایت ہے وہاں اس پر کلام آئے گا نیز کلام فی الصلوۃ کے جواز و عدم جواز کی بحث بھی وہیں آئے گی۔

فثنی رجلیه و استقبل القبلة:

یہاں حضور ﷺ نے سجدہ سہو کے واسطے استقبال قبلہ کیا۔ اس سے میرا استدلال ہے اس پر کہ جہاں بھی آخر صلوٰۃ ہو یا اول صلوٰۃ استقبال قبلہ کیا جائے گا۔

فلیتحر الصواب:

ہمارے یہاں اصل تحری ہے اگر یہ نہ ہو تو بناء علی الاقل ہے۔ اور امام شافعی کے یہاں اصل بناء علی الاقل ہے۔ اور تحری کی روایات اس پر محمول ہیں۔ اور امام احمد کے نزدیک امام تحری کرے اور منفرد بناء علی الاقل اور امام مالک کے یہاں بھی بناء علی الاقل اصل ہے اور تحری کی روایات اس پر محمول ہیں۔ (۱)

باب ماجاء فی القبلة الخ

شراح کے نزدیک ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ اگر کسی طرف بھول کر نماز پڑھ لے تو اس کا حکم بتلا رہے ہیں اور من لم یری

---

(۱) باب التوجه نحو القبلة ۔ وفيه حيث توجهت به یعنی نوافل میں باتفاق علماء جس طرف ناقہ چل رہی ہو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے۔ لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لئے اپنی ناقہ کو قبلہ کی طرف کر لے اور پھر جب نماز شروع کر دے تو جس طرف رخ ہو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ جمہور کے خلاف ہے کیونکہ بعض مرتبہ جب اس کو اپنی راہ پر موڑے گا تکبیر تحریمہ کے بعد تو ہوسکتا ہے کہ وہ بدک جائے اور پھر عمل کثیر کی ضرورت پیش آئے۔

الاعادة الخ ماجاء فی القبلہ کا عطف تفسیری ہے اور میری رائے یہ ہے کہ دونوں مستقل ہیں۔ اس لئے کہ اگر صرف من لم یری الاعادة علی من سہا کو بیان کرنا ہے تو روایت صرف ایک ہے جو مساعد ہے اور جس سے سہو معلوم ہوتا ہے اور بقیہ روایات مساعدت نہیں کرتیں۔ اس لئے ان میں تاویل کرنی ہوگی۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ماجاء فی القبلة بطور مسائل شتیٰ کے ہے اور من لم یری الاعادة بمنزلہ جزئیات کے ہے۔ جیسے کتابوں میں مسائل شتیٰ اخیر کتاب میں مصنفین بیان کرتے ہیں اسی طرح امام بخاری نے یہاں مسائل شتیٰ بیان فرمائے ہیں اور ان مسائل میں مسئلہ سہو چونکہ اہم تھا اور اختلافی تھا اس لئے خاص طور سے اس کو ذکر فرمادیا۔

اب ائمہ کا مذہب اس میں یہ ہے کہ اگر کوئی بھول کر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعادہ واجب ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک وقت کے اندر اعادہ کرلے۔ اور ہمارے نزدیک اعادہ نہیں ہے۔ اور یہی حنابلہ وامام بخاری اور جمہور کا مذہب ہے۔ امام بخاری اسی کی تائید بھی فرمارہے ہیں۔

قدسلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ:

یہ حضرت ذوالیدین کی روایت کا ایک ٹکڑا ہے جو مفصلاً اپنی جگہ پر آئے گی۔ استدلال اس سے اس طرح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بھول کر سلام پھیردیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ قبلہ کی طرف سے بھی رخ پلٹ لیا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خبر دینے کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر باقی نماز پوری کی اور سجدہ سہو کرکے سلام پھیرا۔ تو کہنا یہ ہے کہ اگر وہ پہلی نماز صحیح نہیں تھی تو بناء کیسے ہوگئی؟ اور اتمام کیونکر صحیح ہوا؟ اور سجدہ سہو کیسے فرمایا؟ اور اگر حضور ﷺ ابھی تک نماز ہی میں تھے تو بناء تو صحیح ہوئی۔ لہٰذا صلوٰة الی غیر القبلہ ساہیا لازم آئی اور حضور ﷺ نے اس پر بنا کی تو معلوم ہوا کہ صلوٰة الی غیر القبلة سہوا سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

وافقت ربی فی ثلث:

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان چیزوں کو چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منشاء کے مطابق حکم نازل فرمایا اور یہ موافقات عمری کہلاتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقات پندرہ شمار کی گئی ہیں۔ اور اس روایت کا یہ عدد پندرہ کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہوتا اور یہی مطلب ان الحق ینطق علی لسان عمر کا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ابوداؤد کے اندر آتا ہے۔

فنزلت آیة الحجاب:

روایت گزرچکی ہے باب خروج النساء الی البراز کے اندر کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکلیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم نے پہچان لیا سودہ ہے۔ اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی۔

واجتمع نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغیرة علیہ:

غیرت یا تو اس بات میں تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وطی فرمائی یا اس واسطے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں عسل پیا۔ یہ پورا واقعہ اپنی جگہ پر آئے گا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ فرمایا۔ اس پر ان کی بیوی نے ان کو ٹوک دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کون ہوتی ہے بولنے والی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار کی عورتیں تو ہمیشہ اپنے شوہروں کے ساتھ بلاتکلف

دو بدو گفتگو کرتی تھیں اور نساء قریش بالکل چپ بہت زیادہ اپنے ازواج کے سامنے پست رہتی تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہجرت کر کے جب مدینہ آئے تو انصار کی عورتوں سے قریش کی عورتوں نے ان کی عادات واطوار سیکھ لئے۔ خربوزہ خربوزہ سے رنگ پکڑتا ہی ہے بیوی نے عرض کیا اپنی بیٹی کو نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جواب دیتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم حضور کو بلا تکلف جواب دیتی ہو۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آئندہ ہرگز ایسا مت کرنا اور اپنی سوکن کی ریس مت کرنا وہ اپنے حسن کی وجہ سے لاڈلی ہے۔ اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ ہم نے سنا ہے تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ عمر حضور کی ازواج کے بارے میں ہر بات میں ٹانگ اڑاتے ہو۔ غرض واقعہ عسل یا واقعہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشربہ میں قیام فرمایا۔

بیناالناس بقباء فی صلوۃ الصبح :

میں کہہ چکا ہوں کہ قبا کے اندر صلوۃ صبح میں اعلام ہوا اور بنو سالم میں عصر کی نماز میں۔ (۱)

باب حک البزاق بالید من المسجد

چونکہ قبلہ کا ذکر ہو رہا تھا تو امام بخاری نے اس کے ذیل میں مساجد کے احکام ذکر فرما دیئے۔ اس لئے مساجد کے اندر قبلہ کا خاص لحاظ ہوتا ہے اسی طرف کو مساجد بنائی جاتی ہیں۔

یہاں سے لے کر ابواب السترہ تک امام بخاری نے پچپن ابواب مساجد کے متعلق منعقد فرمائے ہیں۔ اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مساجد کے بارے میں تشدیدات و وعیدات کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص مسجد میں انشاد ضالہ کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا ردھا اللہ علیک اور کنز العمال میں مساجد کے آداب میں ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں کسی قسم کا کلام نہ کرے۔ صرف تلاوت، قرآن، ذکر اللہ اور نماز پڑھے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ مسجد میں ضحک قبر کے اندر ظلمت کا سبب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں دو آدمیوں کو زور سے بات کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم یہاں کے باشندے ہوتے تو تمہاری پٹائی کرتا۔ تو امام بخاری نے ابواب المساجد منعقد فرمائے ہیں۔ اور اس کے اندر دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک تو وہ جو امام بخاری کے نزدیک آداب میں ہیں ان کو ثابت فرما دیا۔ جیسے حک بزاق اور دوسرے ان چیزوں کا استثناء فرما دیا جن کا مسجد میں کر لینا جائز ہے گویا ان کے عموم کو مقید فرما دیا جیسے من دعی الی الطعام فی المسجد۔

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ید کی قید لگائی ہے۔ ید کا ذکر صرف ایک روایت میں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ترجمہ کے اندر تعمیم ہے بالید او بغیرہ۔ ید قید احترازی نہیں ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے بالید کی قید سے تولی بنفسہ کی طرف اشارہ فرما دیا کہ خود کرنا چاہئے اب چاہے ہاتھ سے دور کر دے یا کسی اور چیز سے اور حضرت شاہ صاحب کی رائے مبارک اپنے

---

(۱) باب ماجاء فی القبلۃ۔ حدثنا عمرو بن عون اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین موافقات ذکر کئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں پندرہ ہیں۔ ممکن ہے اس وقت تک تین ہی پیش آئے ہوں۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

تراجم میں یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصد بسا اوقات ابواب نہیں ہوتے بلکہ روایات ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں پر بھی غرض ابواب نہیں ہیں۔ بلکہ روایات ہیں۔اور باب الفاظ روایات کا لحاظ کرتے ہوئے تفنن کے طور پر باندھ دیا ورنہ دونوں باب (باب البزاق وباب المخاط) کی غرض ایک ہی ہے اور وہ ہے ان کا ازالہ۔اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے دو باب باندھ کر بزاق ومخاط میں تفریق فرمادی کہ بزاق میں تو ید کافی ہو جائے گا کیونکہ اس کے اندر لزوجت نہیں ہوتی اور مخاط میں ید کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے لئے حصی وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ اس میں لزوجت ہوتی ہے۔

ان ربه بينه وبين القبلة الخ:

اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی کسی سے بات کر رہا ہو اور وہ اسی درمیان میں ان کے منہ پر تھوک دے تو وہ مخاطب کم از کم اس کے ایک تھپڑ تو مار ہی دے گا۔ یہ کلام علی سبیل التشبیہ ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے مکانیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔لہٰذا یہ اشکال نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تو مکانیت سے منزہ ہے اور اس حدیث سے مکانیت ثابت ہوتی ہے۔تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے تو حق تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہیں اپنی عنایت کے ساتھ جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرے تو دوسرا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

فان الله قبل وجهه:

یعنی تم اللہ کے سامنے۔

مخاطا او بصاقا :

یہ او یا تو شک کے لئے ہے یا تنوع کے لئے اور مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی سا ایک تھا اس کو زائل فرمادیا۔

باب حک المخاط بالحصیٰ وقال ابن عباس ان وطئت الخ

یہاں سوال یہ ہے کہ اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ موطی اور مسجد کے اندر فرق کرنا ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ حک بزاق وغیرہ احترام مسجد کی وجہ سے ہوتا ہے۔لہٰذا اس میں رطب ویابس کے درمیان کوئی فرق نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ چونکہ یہ فی حد ذاتہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔اس لئے بہرصورت اس کا ازالہ کرنا ہوگا خواہ رطب ہو یا یابس۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر موطی کے بارے میں ہے کہ وہاں رطب ویابس میں فرق ہوگا اگر رطب ہو تو دھولے اس لئے کہ وہ متقذر ہے اور اگر یابس ہو تو ضرورت نہیں۔علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں بلکہ امام بخاری نے اثر ابن عباس ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ حک یابس کے اندر ہے اور اگر بصاق وغیرہ رطب ہو تو پھر دھونا ضروری ہوگا۔

باب لایبصق عن یمینه فی الصلوٰۃ

شراح نے ان ابواب سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات مذکورہ سے مختلف احکام ثابت ہوتے تھے۔اس لئے حضرت امام بخاری نے ہر ایک پر مستقلا باب باندھ دیا مگر میرے نزدیک ہر ایک باب سے ایک الگ غرض ہے۔چنانچہ اس باب کی غرض یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بصاق عن الیمین کی نہی صلوٰۃ کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے۔صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ سب کو کیونکہ روایات دونوں طرح کی ہیں۔حضرت امام مالک سے تخصیص بالصلوٰۃ منقول ہے اور امام نووی فرماتے ہیں کہ عام ہے اور وجہ اس اختلاف

کی اختلاف فی التعلیل ہے۔ جولوگ عام مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ نہی بصاق الی الیمین کو معلل کیا گیا ہے۔ فرشتے کے دائیں جانب ہونے کے ساتھ اور وہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ لہٰذا نہی عام ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کے احترام کے خلاف ہے۔ مگر اس پر اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ بائیں طرف بھی تو فرشتہ کاتب سیئات ہوتا ہے۔ اس کا وہ حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ ملک الیسار جو کاتب سیئات ہے وہ مامور ہے اور دائیں جانب کا فرشتہ جو کاتب حسنات ہے امیر ہے۔ ویراعی للامیر مالا یراعی للمامور۔ علاوہ ازیں کاتب حسنات کاتب سئیات کو کتابت سیئات سے روکتا ہے لہٰذا اس کا ہم پر احسان ہے اس لئے ہم کو بھی اس کا احترام کرنا چاہئے۔

اور حضرت امام بخاری نے فی الصلوۃ بڑھا کر امام مالک کی تائید کی ہے اور میری بھی یہی رائے ہے کہ نہی صلوۃ کے ساتھ خاص ہے اور جو علت شراح نے بیان کی ہے اور ملک سے کاتبین حسنات کو مراد لیا ہے یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ گو بڑوں سے منقول ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کاتب سیئات گو کاتب سیئات ہے مگر فرشتہ بھی تو ہے اور فرشتے سارے کے سارے مکرم ہیں۔ فُــــمْ عِبَـادٌمُّکْرَمُوْنَ۔ نیز وہ کتابۃ سیئات ازخود نہیں کرتا بلکہ وہ مامور ہے لہٰذا اس کا بھی احترام ہونا چاہئے۔ نیز تھوک نیچے کو گرتا ہے اور فرشتہ اوپر ہوتا ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ درست نہیں کہ ملک سے مراد کاتب حسنات ہو بلکہ اس سے مراد اس کے علاوہ دوسرا فرشتہ ہے جو خاص طور سے نماز کے اندر آتا ہے اور دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کی دائیں جانب آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے قلب کی حفاظت کرتا ہے اور ایک شیطان آتا ہے جو بائیں طرف کھڑا ہو جاتا ہے اور قلب میں وساوس ڈالتا ہے تو اس فرشتہ سے مراد یہ فرشتہ ہے اور یہ چونکہ نیچے کھڑا ہوتا ہے۔ اسلئے اگر تھوکے گا تو وہ تھوک اس پر پڑے گا۔ (۱)

باب لیبصق عن یسارہ

امام بخاری نے اس باب سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ کر دیا وہ یہ کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بصاق فی المسجد جائز ہے اور اس کا دفن نہ کرنا گناہ ہے اور امام نووی فرماتے ہیں بصاق فی المسجد گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے۔ اور میں نے بیان کیا تھا کہ یہ دونوں حضرات قدیم شارحین میں سے ہیں۔ قاضی عیاض مقدم ہیں اور مالکی ہیں اور امام نووی موخر ہیں اور شافعی ہیں تو بسا اوقات معانی حدیث کے بیان کرنے میں دونوں اختلاف کر جاتے ہیں اور پھر انکے بعد آنے والے دو فریق ہو گئے۔ ایک امام عیاض کی موافقت کرتا ہے اور دوسرا امام نووی کی تائید کرتا ہے۔ اسی میں سے یہ اختلاف بھی ہے۔ امام بخاری نے مختار قاضی عیاض کی طرف اس باب سے اشارہ فرمایا ہے، مختار عیاض کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری نے مختار عیاض سمجھ کر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بلکہ چونکہ شہرت امام عیاض ہی کے ساتھ ہوئی تھی اسی لئے ان کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

---

(۱) باب لا یبصق عن یمینہ الخ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد کے اندر بزاق تو جائز ہے لیکن دفن نہ کرنا خطیہ ہے۔ اور علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بزاق خود خطیہ ہے اور اس کا کفارہ دفن ہے اور اختلاف کا ثمرہ مرتب ہوگا کہ اگر تھوک کر فوراً ہارٹ فیل ہو گیا تو قاضی عیاض کے نزدیک گناہ نہیں اور امام نووی کے نزدیک گنہگار ہوگا۔

(کذا فی تقریر مولوی سلمان)

باب کفارة البزاق فی المسجد

اس باب سے حضرت امام بخاری نے امام نووی کے مختار کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

باب دفن النخامة فی المسجد

یعنی نخامہ مسجد کے اندر دفن کرنا جائز ہے۔ علامہ رویانی کہتے ہیں کہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہے لہٰذا اگر مسجد کے اندر دفن کیا گیا تو مسجد ہی میں رہے گا۔ اور حک مسجد کے احترام کیوجہ سے ہوتا ہے تو اب بھی احترام کے خلاف ہوا۔ لہٰذا دفن سے مراد اس کا اخراج ہے۔ حضرت امام بخاری دفن کا جواز ثابت فرماتے ہیں اس لئے کہ اب وہ مٹی کے نیچے چلا گیا۔ اور اس کے نیچے نہ جانے کتنی چیزیں ہوتی ہیں مردے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اس کے خلاف ہے اور دوسری غرض یہ ہے کہ دفن مسجد کے ساتھ خاص ہے۔ مسجد کے باہر نہیں۔ (۱)

باب اذا بدره البزاق

امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں بصاق فی الیسار اور تحت القدم اور فی الثوب کے اندر تسویہ فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ثوب کے اندر لے کر مل دے۔ بلکہ یہ اس وقت ہے جب کہ بصاق اس پر غالب آجائے اور کوئی چارہ نہ ہو تو ایسا کرے گو ترجمہ شارحہ ہے اور میں نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری کے اصول میں سے ہے کہ وہ کبھی ترجمہ شارحہ باندھتے ہیں جس میں ابہام کی توضیح اور خاص کی تعمیم اور عام کی تخصیص ہوتی ہے۔

وروی منه کراهیة:

قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حسین ہوتا ہے تو رنج و غم، خوشی و مسرت اس کے چہرہ سے ظاہر ہو جاتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سے بڑھ کر کون حسین ہوسکتا ہے؟ نہ آپ جیسا کوئی حسین پیدا ہوا نہ ہوسکتا ہے چنانچہ آپ کے غایت حسن کی بنا پر چہرہ انور سے جو بات ہوتی تھی وہ ظاہر ہو جایا کرتی تھی۔ متنبی کے ممدوح کی طرح نہیں کہ غایت سیاہی کی وجہ سے کسی چیز کا اثر ہی ظاہر نہ ہوتا تھا۔ (۲)

باب عظة الامام الناس

امام بخاری نے مصالح مسجد کی طرف اشارہ فرمادیا کہ امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کے احوال کا تفحص کرے۔ اور اگر وہ نماز وغیرہ صحیح نہ پڑھتے ہوں تو ان کو بتلادے اور تنبیہ بھی کرے مگر بھائی! یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے حالات کو پہلے درست کر لے۔ مقصود بالذات تو عظة

---

(۲) باب دفن النخامة فی المسجد: بعض علماء سے دفن نخامہ کی ممانعت نقل کی گئی ہے خلاف احترام ہونے کی بناء پر ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احترام کی مخالفت جب ہے جبکہ وہ خود ناپاک ہو۔ بزاق خود ناپاک نہیں ہے بلکہ استقذار کی وجہ سے اس کو دفن کیا جاتا ہے۔ اور اس حیثیت سے خلاف احترام نہیں۔

(کذا فی تقریر مولوی سلمان)

(۲) باب اذا بدره البزاق میرے نزدیک امام بخاری کی غرض ایک لطیف طریقہ سے تنبیہ کرنا ہے۔ وہ یہ کہ کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ لکن عن یساره او تحت قدمه۔ او یفعل هکذا۔ تو حضرت امام بخاری نے اذا بدره بڑھا کر بتلادیا کہ یہ کپڑے سے بزاق کو رگڑنا نیچے تھوکنے کے مساوی نہیں جیسا کہ لفظ او سے معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ مقید ہے اذا بدره کے ساتھ اور اس کا درجہ نیچے تھوکنے سے کم ہے اور نیچے تھوکنا اس فعل ثوب سے بڑھا ہوا ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

الامام تھا۔ مگر چونکہ حدیث میں هل ترون قبلتي هھنا آیا تھا اس لئے لفظ حدیث کی رعایت میں و ذکر القبلة باندھ دیا اور یہ بتادیا کہ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ میں جدھر دیکھتا ہوں بس ادھر ہی کی مجھے خبر ہوتی ہے اور پیچھے کی خبر نہیں۔ یہ صحیح نہیں بلکہ خبر ہوتی ہے۔

مایخفی علی خشوعکم ولا رکوعکم:

بعض علماء نے رکوع کا لفظ دیکھ کر خشوع کی تفسیر سجود سے کی ہے مگر میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ خشوع کو اپنے عموم پر رکھا جائے تا کہ سارے افعال صلوٰت کو شامل ہو جائے۔ ورنہ صورت اولیٰ میں صرف سجدہ ورکوع کا ذکر ہوگا اور باقی کا نہیں۔ اور جب سارے افعال صلوٰت خشوع کے اندر آ گئے اور پھر خاص طور سے رکوع کو اس واسطے ذکر کیا کہ زیادہ گڑبڑ رکوع کے اندر ہی ہوتی ہے اسی کا اتمام نہیں ہوتا سجدہ کا تو تھوڑا بہت ہو بھی جاتا ہے۔ کیونکہ سجدہ میں سر زمین پر رکھا جاتا ہے اس لئے وہاں تھوڑی دیر رک جاتا ہے بخلاف رکوع کے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی جلد بازی کی وجہ سے ان کا رکوع ہی نہیں ہوتا۔

انی لأراکم من وراء ظهری:

اس روایت کے اندر شراح کے پانچ قول ہیں جن کو مختلف شراح نے الگ الگ ذکر کیا ہے مجھ کو کہیں ایک جگہ نہیں ملے۔ اول یہ کہ التفات کے ساتھ دیکھتے تھے۔ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کی کیا خصوصیت ہے؟ آپ کے علاوہ دوسرا بھی تو التفات سے دیکھ سکتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وحی کے ذریعے علم ہوا تھا یہ اول سے زیادہ صحیح ہے۔ مگر اس صورت میں انی لاراکم کہنے سے زیادہ مناسب انـــــی لاوحـــــی تھا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ جدار قبلہ حضور اکرم ﷺ کے لئے مثل آئینہ کے ہو جاتی تھی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کچھ کرتے تھے وہ حضور ﷺ کو نظر آجایا کرتا تھا۔ عامہ مشائخ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قفا میں دو آنکھیں تھیں جن سے حضور اکرم ﷺ دیکھا کرتے تھے مگر اس کو محققین نے رد کر دیا۔ اس لئے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو آپ کے احوال میں ضرور اس کا تذکرہ ہوتا اور پانچواں قول سننے سے پہلے ایک تمہید سنو وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا میں ممکن نہیں اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ چیز جنت میں ہوگی۔ لیکن معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کے لئے جہت ہو کر مرئی رائی کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رویت کے واسطے جہت کا ہونا اس عالم کے ساتھ خاص ہے عالم آخرت میں جہت ضروری نہ ہوگی۔ تو جیسے آخرت میں سارے آدمی اللہ تعالیٰ کو بلا جہت دیکھیں گے اسی طرح کیا عجب ہے کہ دنیا میں حضور اکرم ﷺ کے واسطے نماز میں یہ خصوصیت ہو کہ آپ مقتدیوں کو بلا جہت دیکھتے ہوں یہی میرے نزدیک راجح ہے۔ (۱)

---

(۱) بـاب عظة الامام الناس: میرے نزدیک ابواب المساجد شروع ہو گئے۔ لیکن اس باب کو مسجد سے تعلق معلوم نہیں ہوتا نیز آگے جو دوسرا جز باب کا ہے یعنی و ذکر القبلة اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں اس کا تعلق بـاب استقبـال القبلة سے ہو گیا ابواب المساجد سے نہ ہوا۔ میری رائے یہ ہے کہ قبلہ کا ذکر تنبیہا واستطرادا آ گیا اور مقصود اول جز ہے اور عام طور سے لوگ جماعت کے ساتھ مساجد میں نماز پڑھتے ہیں اس اعتبار سے یہ ابواب مساجد کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ مـن وراء ظهـری بعض لوگوں نے اس سے علم غیب مراد لیا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خود مصلیوں کے حالات دیکھتا رہتا ہوں اور اس طرح مجھے علم ہو جاتا ہے نیز یہ حالت کلی بھی نہیں خود ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ مسجد میں آئے وہاں جماعت ہو رہی تھی انہوں نے دور ہی سے رکوع کر لیا۔ نماز کے بعد یہ بات آپ ﷺ کو دریافت کرنے پر معلوم ہوئی۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ہانپتا ہوا آیا اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ذرا بلند آواز سے حـمـدا طیبـا کثیـرا مبارکا پڑھا۔ آپ ﷺ نے نماز کے بعد دریافت کیا تب معلوم ہوا کہ فلاں شخص تھا لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ نہ ہوا اور بعض ظاہر یہ اپنے ظاہر بین کی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ اس کے ظاہری معنی مراد ہیں یعنی حضور ﷺ کی گدی میں دو مزید آنکھیں لگی ہوئی تھیں لیکن یہ صحیح نہیں اگر ایسا ہوتا تو ضرور کسی نہ کسی حدیث میں اس کا تذکرہ ملتا جیسے مہر نبوت کہ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ (کذا فی تقریرین)

باب هل يقال مسجد بني فلان

امام نخعی کا مذہب یہ ہے کہ مسجد بنی فلا نا کہنا جائز نہیں اس لئے کہ اضافت مفید ملک ہوتی ہے اور مساجد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کسی کی ملک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان المساجد لله۔ اور جمہور کے نزدیک جائز ہے اور یہ اضافت ان کے نزدیک تعریف کی ہے نہ کہ ملک کے لئے جیسا کہ خود ہمارے شہر (سہارنپور) میں فرخ کی مسجد ''بونے'' کی مسجد مشہور ہے۔

امام بخاری جمہور کی تائید اور نخعی پر رد فرما رہے ہیں۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک گھوڑ دوڑ ہوتی تھی تو روایت میں تو مسجد بنی زریق اضافت کے ساتھ موجود ہے پھر ترجمہ میں لفظ ہل کیوں لائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری چونکہ بہت باریک بین ہیں۔ اس لئے ہل سے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ روایت میں مسجد بنی زریق کا جو لفظ آیا ہے تو ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں وہاں مسجد نہ رہی ہو اور حضور ﷺ کے بعد بنی ہو۔ اور راوی نے تعریف کے واسطے بنی زریق کہہ دیا اس کے اسی نام سے مشہور ہو جانے کی وجہ سے۔

التی اضمرت جن کی خوید کی گئی تھی گھوڑوں کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں اور ایک جگہ باندھے رکھتے ہیں خوب پسینہ نکلتا رہتا ہے جس کو گھوڑے والے صاف کرتے رہتے ہیں اور ان کو نہلاتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خوب چاق وچوبند اور چست ہو جاتے ہیں اور ان میں فربہی وغیرہ نہیں آتی۔ (۱)

باب القسمة وتعليق القنو في المسجد

قسمت انہی استثناءات میں سے ہے جن کا مسجد میں کرنا جائز ہے اور تعلیق القنو ابن بطال کے نزدیک امام بخاری کو غفلت ہوگئی اور اس کی کوئی دلیل نہیں ذکر کی۔ بعض لوگوں نے امام بخاری کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کا ارادہ لکھنے کا تھا مگر لکھ نہ سکے بیاض چھوڑ دی گئی جسے کاتبوں نے ملا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ شرط کے موافق کوئی روایت نہیں ملی، یا بھول گئے وغیرہ وغیرہ مگر میرے نزدیک یہ لفظ صحیح ہے اور حضرت امام بخاری نے اس سے ابوداؤد شریف کی ایک روایت کی طرف جو کتاب الزکوۃ میں ہے اشارہ کردیا۔ اس روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک آدمی نے حشف یعنی ردی کھجوروں کا ایک خوشہ مسجد میں لٹکا رکھا ہے آپ ﷺ کے دست مبارک میں لاٹھی تھی۔ آپ نے اس خوشے میں مار کر فرمایا کہ اگر اس خوشے والا چاہتا تو اس سے بہتر صدقہ کرسکتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہر باغ میں سے ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لئے لٹکایا جائے۔

---

(۱) باب هل يقال الخ۔ شراح اس هل کو قد کے معنی میں لیتے ہیں لیکن یہاں هل اپنے اصل معنی ہی پر ہے۔ سابق بين الخيل التي اضمرت الخ مسابقہ کے معنی گھوڑ دوڑ کے ہیں اور اضمار و تضمیر کہتے ہیں گھوڑوں کو خوید میں رکھنا اور خوید کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کو چند ایام کے لئے سواری وغیرہ سے بالکل معطل کر دیتے ہیں اور ایک جگہ اس کو رکھ کر خوب عمدہ اشیاء کھلاتے ہیں جس سے وہ طاقتور ہو جاتے ہیں پھر ان کی گھوڑ دوڑ ان گھوڑوں کے ساتھ کراتے ہیں جن کو خوید میں نہ رکھا گیا ہو مگر خوید والوں کا میدان مسابقہ پانچ میل اور ان کے غیر کا ایک میل ہوتا ہے کیونکہ پہلی قسم خوب طاقتور ہوتی ہے اور نوع ثانی کمزور ہوتی ہے اسی مسابقہ کا ذکر اس حدیث میں ہے اور حضور ﷺ کے سامنے یہ اضمار تضمیر اور مسابقہ وغیرہ خوب ہوتی تھی کیونکہ یہی اشیاء وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ میں داخل ہیں۔ ثنیۃ الوداع اور حصباء ایک جگہ کا نام ہے اور دونوں کے درمیان کا فاصلہ تقریباً پانچ میل ہے اور مسجد بنی زریق سے حصباء کا فاصلہ ایک میل ہے۔ (کذا فی تقریرین)

اور حضرت امام بخاری کا قاعدہ یہ ہے کہ روایات کی طرف ترجمۃ الباب سے اشارہ کیا کرتے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ قیاس سے ثابت فرمادیا۔ اس لئے کہ روایت میں قسمت الدنانیر کا ذکر ہے اور دنانیر و کھجوریں تقریبا رنگ اور مقدار کے اعتبار سے برابر ہوتی ہیں۔ یہ قیاس بھی صحیح ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے زمانے میں تسبیح کے ہونے پر گٹھلی وغیرہ والی روایات سے استدلال ہوسکتا ہے تو یہاں بھی شرکت فی التقسیم وغیرہ سے استدلال ہوسکتا ہے اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ قسمت و تعلیق قنو چونکہ نفع عامہ کی چیزیں ہیں اس لئے جس طرح قسمت جائز ہے تعلیق قنو بھی جائز ہوگی۔

فانی فادیت نفسی و فادیت عقیلاً:

اس کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ میں غریب ہوگیا ہوں مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اگر یہ معنی ہوں تو اس صورت میں اس روایت کے معنی درست نہ ہوں گے جس میں یہ مضمون ہے کہ حضور پاک ﷺ نے دو سال کی زکوۃ پیشگی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے لی تھی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میرے اخراجات زیادہ ہوگئے تھے۔

فارفعه انت لما علیک من حق العمومیة. قال لا انما نفی النبی ﷺ لان فیه حقا للمسلمین اجمعین. (۱)

باب من دعی لطعام فی المسجد

چونکہ دعوت وغیرہ کرنا امور دنیویہ میں سے ہے اور حدیث میں انما بنیت المساجد لذکر اللہ و الصلوٰۃ وغیرہ وارد ہوا ہے لہٰذا امام بخاری اس کا جواز بیان فرمارہے ہیں اس لئے کہ روایت میں اس کا ثبوت ہے۔

باب القضاء و اللعان فی المسجد بین الرجال و النساء

شراح مثلاً علامہ عینی وقسطلانی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ بین الرجال و النساء یہاں لغو ہے اس لئے کہ لعان تو رجال اور نساء کے ہی درمیان ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بین السطور ھذا حشو لکھا ہوا ہے اور بہت سے نسخوں میں یہ پایا بھی نہیں جاتا۔ میری رائے یہ ہے کہ شراح کو جو اشکال پیش آیا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بین الرجال و النساء کو اللعان سے جوڑ دیا اور اس کے متعلق کردیا میری رائے یہ ہے کہ یہ لعان سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق قضا سے ہے اور مطلب یہ ہوا باب القضاء فی المسجد بین الرجال و النساء اور مقصود بالذات بھی یہی ہے۔ لعان کا لفظ تو روایت کی وجہ سے بڑھادیا کیونکہ اس میں لعان کا ذکر موجود ہے ورنہ اصل مسئلہ تو قضاء کا بیان کیا جارہا ہے اور اس مسئلہ کو امام بخاری نے اسی واقعہ خاصہ سے استنباط فرمایا ہے اور جب قضا بین الرجال و النساء ثابت ہوگئی تو بین النوع الواحد بدرجہ اولیٰ ثابت ہوجائے گا۔ نیز میرے نزدیک لعان کا لفظ لغو نہیں ہے کتاب النکاح کے اندر بھی یہی باب آئے گا مگر وہاں بین الرجال و النساء کا لفظ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں بحیثیت لعان کے ذکر فرمایا ہے اور وہ رجال ونساء ہی میں ہوتا ہے اور یہاں مقصود قضاء بین الرجال و النساء ہے اور جواز فی النوع الواحد جواز فی النوع الآخر کو مستلزم نہیں اس لئے قضا بین الرجال و النساء کا ذکر فرمایا ہے اور جب دونوں میں ثابت ہوجائے گا تو ایک نوع میں بدرجہ اولیٰ ثابت ہوجائے گا۔

---

(۱) باب القسمة الخ۔ باب کی غرض حنابلہ پر رد کرنا بھی مقصود ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایسی چیزیں مسجد میں لٹکانا جائز نہیں اس لئے کہ یہ شور وشغب اور مسجد کے ملوث ہونے کا سبب بن جائے گا۔ امام بخاری نے قنو کے جمع تثنیہ کو اس لئے بیان کیا ہے کہ سورۂ اعراف میں ہے قنوان دانیه قال ابو عبداللہ یہاں سے معانی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ان کے معنی کیا ہیں؟ (کذافی تقریرین)

کمامر اور روایت کا لحاظ کرتے ہوئے لعان کا لفظ بھی ذکر فرمادیا۔

وجد مع امرأته رجلا:

یہ روایت یہاں مختصر ہے۔ کتاب الطلاق میں امام بخاری اس روایت کو مکمل اور متعدد طرق سے ذکر فرمائیں گے اور متعدد مسائل ثابت فرمائیں گے۔ مثلاً یہ کہ لعان ایمان موکدہ بالشھادۃ ہیں یا شہادات موکدہ بالایمان ہیں۔ اور روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی غیر کو پاوے اور وہ آدمی اس کو قتل کردے تو کیا آپ اس کو قصاصاً قتل کردیں گے (حضرت شیخ نے بطور جملہ معترضہ کے یہاں یہ بھی فرمایا کہ یہاں تو اتنی غیرت تھی کہ اگر کسی کو دیکھ لیں تو قتل کرنے کو تیار اور دوسری طرف اہل عرب کا یہ حال تھا کہ دوسرے کا نطفہ نجابت ولد کے لئے عورت کو دوسرے آدمی کے پاس بھیج کر حاصل کرتے تھے۔)

اور اگر بیوی کو قتل نہ کرے تو کیسے برداشت کرے۔ اب اگر کوئی آکر یہ کہہ دے کہ فلاں شخص میری بیوی کے پاس تھا تو چار گواہ طلب کریں گے اور بھلا اس وقت چار گواہ کہاں ہوں گے تو اس وقت آیت لعان نازل ہوئی اور چار شہادتوں کے بجائے چار بار لعان قائم مقام ہوگیا اور پھر حضور اکرم ﷺ نے لعان کرایا۔

اس واقعہ سے ترجمۃ الباب اس طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ لعان کرانا مسجد کے اندر قضاء فی المسجد ہوا اور لعان چونکہ بین الرجال والنساء ہوتا ہے لہذا قضاء بین الرجال والنساء ثابت ہوگیا۔ یہ واقعہ اگرچہ خاص ہے مگر چونکہ قواعد کلیہ واقعات جزئیہ سے ہی مستنبط ہوا کرتے ہیں اس لئے امام بخاری نے قاعدہ کلیہ قضاء بین الرجال والنساء فی المسجد مستنبط کرلیا۔ اب یہ کہ قضا فی المسجد کا کیا حکم ہے؟ ائمہ ثلاثہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قضا فی المسجد اولیٰ ہے، کیونکہ وہاں کوئی روک ٹوک نہیں سب آسکتے ہیں اور امام شافعی کے نزدیک خلاف اولیٰ ہے۔

باب اذا دخل بيتا يصلى حيث شاء

عام شراح کی رائے یہ ہے، کہ ترجمہ کے دو جز ہیں ایک یصلی حیث شاء اور دوسرا حیث امر۔ اب اختلاف لا یتجسس میں ہو رہا ہے کہ کس کے متعلق جز اول کے یا جز ثانی کے، شراح کی رائے یہ ہے کہ جز ثانی کے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ جہاں حکم دیا جائے وہیں پڑھے تجسس نہ کرے اور ادھر ادھر نہ دیکھے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں کے متعلق ہوسکتا ہے۔

اب یہ سنو کہ یہاں روایت سے صرف حیث امر ہوسکتا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے پوچھا تھا کہ کہاں پڑھوں؟ اس پر حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہہ دیا کہ فلاں جگہ، یہ حیث امر ہوگیا اور حیث شاء کا روایت میں کوئی ذکر نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے اصول میں سے یہ ہے کہ ترجمہ میں بسا اوقات روایت کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تو یہاں امام بخاری نے ایک اور طریق کی طرف اشارہ فرمادیا جس کے اندر تخییر کا ذکر موجود ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ھل مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اذا دخل بیتا ھل یصلی حیث شاء او حیث امر اور روایت سے اس کا جواب معلوم ہوگیا ای یصلی حیث امر اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ محل غور وفکر ہے اس لئے کہ روایت کے لفظ سے امر ثابت ہوتا ہے اور بلا نا دلیل ہے اس بات کی کہ اختیار ہے جہاں چاہیں پڑھیں۔

عن محمود بن الربیع:

یہ وہی ہیں جن کی روایت باب متی یصح سماع الصغیر میں گزر چکی۔ یہ حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اس کو امام بخاری نے متعدد جگہوں میں ذکر فرمایا ہے اور متعدد مسئلے ثابت فرمائے ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اولا نماز پڑھی اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعے میں ہے کہ اولا نوش فرمایا اور پھر اس کے بعد نماز ظہر پڑھی۔

باب المساجد فی البیوت

ابوداؤد شریف کے اندر حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط میں ایک روایت ہے جس میں وارد ہے ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا بالمساجد ان نصنعها فی دورنا۔ اس روایت کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم کو اپنے گھروں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کی خاص جگہیں بنانے کا امر فرمایا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم کو اپنے محلّہ میں مسجد بنانے کا امر فرمایا ہے۔ امام بخاری اس روایت کی تائید فرماتے ہیں اور بیوت کے اندر کسی خاص جگہ کو نماز کے لئے خاص کرنے کا استحباب بیان فرماتے ہیں۔ گویا اول معنی کی تعیین کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں۔

وصلی البراء فی مسجد فی داره جماعة:

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے گھروں کے اندر نماز پڑھنے کے لئے مستقل جگہ بنا رکھی تھی۔ یہاں حضرت براء کے اثر میں مسجد کا لفظ مجازاً بول دیا گیا۔ اسی طرح جہاں بھی گھر کے اندر مسجد کا ذکر ہو کیونکہ مسجد شرعی کے اندر ضروری ہے کہ اذن عام ہو اور گھر کی مسجد میں اذن عام نہیں ہوتا اسی طرح حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاتخذہ مصلی فرمایا ہے جس سے اتخاذ المسجد فی البیوت ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درخواست کی کہ گھر کے اندر نماز کے لئے کوئی خاص جگہ بنالیں۔

تنبیه:

ہم نے بیان کیا ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط میں ایک روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹوں کو خط لکھا تھا جس کے اندر روایات لکھیں تھیں۔ ان میں سے چھ امام ابوداؤد نے نقل کی ہیں تین جلد اول میں اور تین ثانی میں البتہ مسند بزار میں تقریباً سو روایات اس خط سے نقل کی گئی ہیں۔ این تحب ان اصلی من بیتک یہاں روایت میں یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچتے ہی فرمایا۔ این تحب ان اصلی من بیتک اور حضرت ام سلیم کے واقعے میں ہے کہ کھانا تناول فرما کر استراحت فرمائی۔ اس کے بعد نماز پڑھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود اصلی نماز پڑھنا تھا اس لئے اس کو مقدم کر دیا اور کھانا تابع تھا اس لئے اس کو موخر فرما دیا اور ام سلیم کے واقعے میں اصل دعوت تھی اور نماز پڑھنا تبعاً تھا برکت کے واسطے اس لئے اس کو موخر فرما دیا۔

فثاب فی البیت رجال:

اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی بزرگ آجاتا ہے تو لوگ اس سے ملنے کے لئے، اس کی زیارت کے لئے آجاتے ہیں ایسا ہی یہاں بھی ہوا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کیا پوچھنا۔

این مالک بن الدخیشن او ابن الدخشن:

یہ کسی راوی کو شبہ ہوگیا کہ مصغر اہے یا مکبر اگر یہ دونوں غلط ہیں صحیح مالک بن الدخشم بالمیم ہے۔

فانا نری وجهه و نصیحته الخ:

اگر ان حضرات نے ان کے نہ آنے پر غصہ کی وجہ سے یہ بات کہی ہے تو اس میں کوئی بات نہیں غصہ میں ایسا ہو ہی جاتا ہے اور اگر غصہ نہ تھا بلکہ واقع میں ایسا سمجھ کر کہا تو انہیں معلوم نہ ہوگا اور حضور پاک ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس لئے آپ ﷺ نے لاتقل ذاک الاتراہ قدقال لااله الاالله یریدبذلک وجه الله فرمایا۔

قال ابن شهاب ثم سألت:

سوال کی وجہ یہ ہے کہ روایت سے بظاہر اہمال عمل سمجھ میں آتا ہے اور دوسری روایات عمل چاہتی ہیں تو انہوں نے سوال کیا کہ آیا یہ صحیح محفوظ ہے یا نسیان کا طریان ہوگیا۔

باب التیمن فی دخول المسجدوغیرہ

میں نے ابتدا میں بیان کیا تھا کہ امام بخاری نے پچپن ابواب مساجد کے ذکر فرمائے ہیں اور ان ابواب میں وہ تین چیزیں ذکر کریں گے۔ایک وہ افعال جو مسجد میں کرنے جائز ہیں۔دوسرے آداب مسجد اور تیسرے وہ امور جن کا مساجد میں کرنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے۔

تو حضرت امام بخاری نے یہاں یہ ادب ذکر فرمایا کہ مسجد میں داخل ہونے کا ادب یہ ہے کہ دایاں پاؤں پہلے داخل کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد متبرک ہے اور دایاں پاؤں مکرم ہے۔لہٰذا متبرک کے لئے مکرم کو استعمال کرے اور مسجد سے نکلنا اس کے خلاف ہے لہٰذا بایاں پاؤں نکالے۔

کان النبي ﷺ یحب التیامن الخ:

امام بخاری نے اس روایت کے عموم سے تیمن فی دخول المسجد پر استدلال فرمایا ہے کہ جب ہر چیز کے اندر تیمن کو پسند فرماتے تھے تو مسجد کے اندر داخل ہونا جو ایک متبرک شے ہے اس میں تو بدرجہ اولیٰ اس کو پسند فرماتے ہوں گے۔

باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة

شراح کی قاطبۃ یہاں یہ رائے ہے کہ ھل قد کے معنی میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت میں مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر ہے اور اس میں تصریح ہے کہ قبور مشرکین کا نبش کیا گیا تھا پھر ھل کو اپنے اصل معنی میں لینا ہی غلط ہے اس لئے یہ قد کے معنی میں ہے اور میرے نزدیک اپنے اصل معنی میں ہے جیسا کہ میں آئندہ بیان کروں گا۔

لعن الله الیهود الخ:

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے انبیاء کی قبور کو مساجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے تو مشرکین کا کیا حال ہوگا لہٰذا اگر وہاں مسجد بنانے کی ضرورت ہو تو مشرکین کی قبور کا نبش کیا جائے گا۔

مایکرہ من الصلوٰۃ فی القبور:

یہ ترجمہ کا جز ہے اور باب کے تحت میں داخل ہے اور اس پر عطف کا نشان بھی لگا ہوا ہے۔اب یہاں سوال یہ ہے کہ کراہۃ صلوٰۃ فی القابر کی امام بخاری نے کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اثر انس بن مالک پر اکتفا کرلیا گیا اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے استدلال یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبور کے پاس نماز پڑھنے پر ٹوکا۔۔اور اعادہ کا حکم نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ مکروہ تو ہے لیکن نماز ہو جائے گی۔ اگر نماز صحیح نہ ہوتی تو اعادہ کا حکم فرماتے۔اب اشکال یہ ہے کہ امام بخاری اس کے بعد ایک باب مستقل باب کراھیة الصلوٰة فی المقابر منعقد فرما رہے ہیں لہٰذا ترجمہ مکرر ہو گیا اور یہ بات اصول میں معلوم ہو چکی ہے کہ اگر تراجم کی غرض ایک ہو اور الفاظ بدل جائیں تو یہ تکرار ہوگا۔اور اگر الفاظ ایک ہوں لیکن اغراض الگ الگ ہوں تو یہ تکرار نہیں ہوتا۔لیکن یہاں دونوں بابوں کی غرض ایک ہی ہے۔شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں کا باب تبعاً ہے اور آنے والا باب قصداً ہے مگر میرے نزدیک اس پر اشکال یہ ہے کہ قصد و تبع کہنے کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب کہ کوئی اور صورت نہ ہوتی اور یہاں اسکے علاوہ ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ میرے نزدیک ھــل اپنے اصل معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا قبور مشرکین جاہلیہ کا نبش کر دیا جائے اور ان کو مساجد بنا دیا جائے۔اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے قبور انبیاء کو مساجد بنانے والوں کو لعنت فرمائی ہے۔تو قبور مشرکین کا کیا حال ہوگا اور اس لئے کہ صلوٰة فی المقابر مکروہ ہے تو میرے نزدیک ومایکرہ من الصلوٰة ترجمہ کا جز نہیں بلکہ لام کے تحت داخل ہے اور قول پر عطف ہے اور یہ بھی ایک علت ہے میرے قول کی بناء پر جب یہ ترجمہ میں داخل ہی نہ رہا تو روایت کی ضرورت ہی نہ رہی۔اس لئے اثر سے ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی تکرار رہا جس کے دفع کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔اب یہاں اشکال یہ ہے کہ ھل اپنے اصل معنی میں کیونکر درست ہو سکتا ہے۔حالانکہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت نبش قبور مشرکین ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری چند ابواب کے بعد باب الصلوٰة فی مواضع الخسف و العذاب منعقد فرمائیں گے اس میں یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بابل کے اندر موضع عذاب ہونے کے سبب نماز پڑھنی مکروہ سمجھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کراہت موضع عذاب ہونے کے سبب سے تھی اور جہاں مشرکین مدفون ہوں گے وہ خود موضع عذاب ہے لہٰذا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ترجمہ میں لفظ ھل لے آئے۔اور اگر کوئی یہ کہے کہ قبور کے نبش کے بعد وہاں کیا رہ گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بابل میں خسف کب واقع ہوا تھا اب بھی وہاں کیا باقی رہ گیا تھا؟ بالکل نہیں لہٰذا جس طرح وہاں باوجود نہ ہونے کے کراہت کی موضع عذاب ہونے کی وجہ سے تو یہ بھی تو موضع عذاب ہو چکا ہے۔

اربعا وعشرين ليلة:

یہ حضور اقدس ﷺ کی ہجرت کا واقعہ ہے اس میں روایات مختلف ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے قبا میں کتنے دن قیام فرمایا۔اس روایت میں چوبیس دن معلوم ہوتے ہیں۔اور خود بخاری شریف ہی کی روایت میں چودہ دن قیام کا ذکر ہے۔ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ایک خلاف واقعہ ہوگی۔تو اس سے پتہ چلا کہ بخاری شریف کی روایات کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری روایات واقعہ کے مطابق بھی ہوں تو حنفیہ اسی قاعدہ کے مطابق تو کہتے ہیں کہ بخاری میں رفع یدین کا ذکر تذکرہ آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ کے مطابق بھی ہو یعنی آپ کا آخری فعل ہو۔اب یہاں دونوں روایات مشکل ہیں۔اس لئے کہ سارے محدثین اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پیر کے دن قبا پہنچے اور پیر ہی کے دن مکہ سے چلے تھے تو پیر کو چلے اور پیر کو قبا پہنچے اور مدینہ میں جمعہ کو تشریف لے گئے اور سب سے پہلا جمعہ بنو سالم میں پڑھا تو ان دونوں دنوں پر اتفاق ہے کہ پیر کو قبا پہنچے اور جمعہ کو قبا سے مدینہ تشریف لے گئے اب روایات

دوطرح کی ہیں ایک چوبیس کی اور دوسری چودہ کی اور دونوں میں سے ایک بھی ان اقوال متفقہ کے پیش نظر صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر چودہ کولیا جائے تو پیر کوحضور ﷺ قبا تشریف لائے اور پیر سے پیر تک آٹھ اور تیسرے پیر تک پندرہ ہو جاتے ہیں لہٰذا چودھواں دن یکشنبہ کو پڑتا ہے حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کو مدینہ گئے۔

اور چوبیس والی روایت بھی نہیں بنتی اس لئے کہ پیر سے پیر تک آٹھ اور تیسرے پیر تک پندرہ اور چوتھے پیر کو بائیس دن ہوتے ہیں اور منگل کو تیئس اور بدھ کو جا کر چوبیس دن ہوتے ہیں پھر بھی جمعہ کو چوبیس دن نہیں ہوتے۔اب یہ دونوں تو صحیح نہیں ہوئے۔لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ چوبیس والی روایت صحیح ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ راوی نے یوم الدخول اور یوم الخروج کوشمار نہیں کیا تو پیر تو یوم الدخول فی قباء تھا اور جمعہ یوم الخروج منہ تھا اب دونوں کو نکال کر چوبیس صحیح ہو جاتے ہیں اور قول متفق سے تعارض بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اب شمار منگل سے ہوگا۔کیونکہ پیر تو نکل گیا۔تو منگل سے منگل تک آٹھ اور تیسرے منگل تک پندرہ اور چوتھے منگل کو بائیس اور بدھ تیئس اور جمعرات چوبیس ہو جاتے ہیں۔

اور جمعہ جو یوم الخروج ہے وہ بھی خارج ہے۔لہٰذا اب بالکل درست ہو گیا۔اب اس سے میری ایک تائید ہوگئی وہ یہ کہ حضور ﷺ نے قبا میں تین جمعوں تک قیام فرمایا۔اور کوئی سا جمعہ دیہات ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھا اور نہ اور کیا بات تھی۔

شافعیہ وحنابلہ فرماتے ہیں کہ اس وقت جمعہ فرض نہیں ہوا تھا اس لئے جمعہ نہیں پڑھا اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ پر جمعہ کی فرضیت مکہ میں ہو چکی تھی۔مگر دار الحرب ہونے کی وجہ سے مکہ میں اقامت جمعہ نہ فرما سکے اور قباء میں گاؤں ہونے کی وجہ سے اور حنفیہ کا استدلال جمعہ کی مکہ ہی میں فرضیت پر اس روایت سے ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رحمت کی دعا فرماتے تھے۔صاحبزادے نے کہا کہ یہ اسعد بن زرارہ کون ہیں؟ جن کے لئے آپ ہر جمعہ کو دعا فرماتے ہیں۔تو فرمایا کہ انہوں نے سب سے پہلے ہمیں جمعہ کی نماز حضور اکرم ﷺ کی آمد سے قبل پڑھائی۔صاحبزادے نے کہا کہ آپ لوگ اس وقت کتنے آدمی تھے تو فرمایا کہ چالیس آدمی تھے۔شافعیہ وحنابلہ اسی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔حنفیہ کہتے ہیں کہ آپ حضرات روایت کے آخری حصہ کو تو لیتے ہیں اس کے پہلے حصہ کو کیوں نہیں لیتے؟ دوسری دلیل حنفیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر جمعہ مکہ میں فرض نہیں ہوا تھا تو اتنی جلدی بنو سالم میں کیسے اطلاع ہوگئی کہ حضور ﷺ جمعہ ادا فرمائیں گے جس کا انتظام کیا گیا۔

حتی القی بفناء ابی ایوب:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کے سامنے اونٹنی جا کر بیٹھ گئی، اس لئے حضور ﷺ نے نزول فرمایا۔

ثامنونی بحائطکم:

یہ دو یتیموں کی زمین تھی۔حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم اس زمین کی قیمت بتاؤ۔انہوں نے کہا کہ ہم تو اس کو بلا قیمت دیں گے۔مگر حضور اکرم ﷺ نے اسے منظور نہ فرمایا۔اور قیمت دے کر زمین لی کیونکہ وہ یتیموں کا مال تھا یہاں روایت مختصر ہے ابواب ہجرت میں پوری آئے گی۔ (۱)

---

(۱) باب ھل ینبش الخ وفیہ متقلدین السیوف۔یہ اس زمانہ کا شعار تھا کہ جب کسی کے استقبال کے لئے جاتے تھے تو تلوار وغیرہ ساتھ لے کر جاتے تھے۔جیسے آج کل شیروانی وغیرہ پہننے کا رواج ہے۔

باب الصلوٰۃ فی مرابض الغنم

یا تو جواز بیان کرنا ہے یا استحباب۔ اگر استحباب ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے حضور اکرم ﷺ بکری کو اس کی مسکنت کی وجہ سے پسند فرماتے تھے[۱]

باب الصلوة فی مواضع الابل

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صلوۃ فی المرابض وفی المعاطن میں کوئی فرق نہیں دونوں جگہ نماز جائز ہے اور حنابلہ کے نزدیک معاطن ابل کے اندر باطل ہے۔ اب بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں کیونکہ روایت جو ذکر فرمائی ہے وہ جواز کی ذکر فرمائی ہے اور پھر ابل کا مستقل ترجمہ اس لئے باندھ دیا کہ حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے اور علامہ سندھی کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری مرابض غنم اور معاطن ابل میں فرق بیان فرما رہے ہیں کہ معاطن اور شے ہے مرابض اور شے ہے لہذا تفریق کرنے سے پھر امام بخاری حنابلہ کے ساتھ ہوں گے۔ حنابلہ کا استدلال یہ ہے کہ ابوداؤد میں مرابض غنم میں اجازت و معاطن ابل میں ممانعت کی حدیث وارد ہے اور فرمایا کہ فانها من الشياطين۔ جمہور فرماتے ہیں کہ ابل کے نفار کی وجہ سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔

رایت النبی ﷺ:

علامہ سندھی کے قول کے مطابق امام بخاری نے صلوة فی معاطن فی الابل اور صلوة الی الابل میں فرق فرمایا ہے کہ صلوة الی الابل صلوة فی معاطن الابل نہیں ہے۔[۲]

باب من صلی وقد امه تنور

تنور و نار وغیرہ کی طرف نماز پڑھنا محمد بن سیرین اور بہت سے تابعین اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے امام بخاری قائلین کراہت پر رد فرما رہے ہیں کہ مقصود نماز میں حق تعالیٰ کی ذات ہے اور جب کوئی اللہ کے واسطے پڑھے تو نار وغیرہ اس کے اندر کوئی ضرر نہیں پیدا کر سکتی اور استدلال اس سے ہے کہ حضور پاک ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ نے نماز کے دوران آگ دیکھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جہنم کی آگ ہے اس کو دنیا کی آگ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نیز وہ نار آپ ﷺ کے اختیار سے آپ ﷺ کے سامنے

---

(۱) باب الصلوة فی مرابض الغنم: وہاں نماز پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جس کے پاس اٹھے بیٹھے اسی کا اثر پڑتا ہے اور بکری سب جانوروں میں مسکین ہے متواضع ہے اسی لیے تمام انبیاء نے بکریاں چرائی ہیں نیز آدمی جب اونٹوں کے ساتھ رہتا ہے تو شدت اور سختی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور گائے بھینسوں کے اثر سے آدمی کی زبان پر گالیاں کثرت سے آنے لگتی ہیں۔ بہر تجزوں اکثر جب بوجھ وغیرہ اٹھایا جائے اور کچھ زبان سے بولا جائے تو اس کا اثر اور وزن کم محسوس ہوتا ہے جیسے چھپر وغیرہ اٹھاتے وقت کتنا شور مچایا جاتا ہے اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شعر پڑھ رہے تھے۔

(۲) باب الصلوة فی مواضع الابل: نبی اکرم ﷺ نے لحوم ابل سے وضو کو ضروری قرار دیا ہے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے چنانچہ حنابلہ کے یہاں اعطان ابل میں نماز نہیں ہوتی اور خود حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے تو ضؤا من لحوم الابل اس سے حنابلہ کو تقویت پہنچی ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس کی تاویل میں تین جوابات دیتے ہیں اول یہ کہ منسوخ ہے۔ دوم یہ کہ وضو لغوی مراد ہے۔ سوم یہ کہ استحباب پر محمول ہے اور حنابلہ وضو سے وضو اصطلاحی مراد لیتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک لحوم ابل ناقض وضو ہیں

(کذا فی تقریر مولوی احسان)

نہیں تھی اور ممکن ہے کہ نار جہنم اپنے ہی مقام پر ہو اور آپ کو وہیں سے دکھلایا گیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پیچھے آگ ہو اور حضور ﷺ نے اسی طرح دیکھ لیا جس طرح مصلین کو نماز کے اندر دیکھ لیتے تھے۔ (١)

باب کراهیة الصلوة فی المقابر

صلوۃ فی المقابر حنابلہ کے یہاں مکروہ تحریمی ہے اور غیر حنابلہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

ولا تتخذوا قبورا۔ اس کے معنی میں مختلف اقوال ہیں اول یہ کہ تشبیہ عدم صلوۃ میں ہے یعنی جیسے مقابر کے اندر نماز نہیں پڑھی جاتی تو تم اپنے گھروں کو اس طرح نہ بناؤ کہ اس کے اندر بالکل نماز ہی نہ پڑھو۔ اور مقصد امام بخار کا یہی ہے اور اسی سے ترجمہ ثابت ہے۔ اس صورت میں لا تتخذوها قبورا جملہ اولی اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم کی تائید ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں اپنے مردے دفن نہ کرو۔ تیسرا مطلب اس کا برعکس ہے یعنی مقابر گھر میں نہ بناؤ۔ کیونکہ قبور سے عبرت حاصل کی جاتی ہے اور اگر قبریں گھروں میں بنائی جانے لگیں تو مقصد ہی فوت ہو جائیگا۔ (٢)

باب الصلوة فی مواضع الخسف والعذاب

ایسے مقامات پر نماز پڑھنا مکروہ ہے لا تدخلوا علی هؤلاء الخ امام بخاری کا استدلال اس سے ہے کیونکہ اگر نماز میں مشغول ہوگا تو بکاء کہاں سے حاصل ہوگا۔ بکاء میں مشغول ہوگا یا نماز میں۔ (٣)

باب الصلوة فی البیعة

بیعہ معابد نصاری کو کہا جاتا ہے صلوۃ فی البیعہ حنابلہ کے نزدیک مطلقا مباح ہے خواہ اس کے اندر تصاویر ہی کیوں نہ ہو اور مالکیہ

---

(١) باب من صلی وقدامه تنور: یہ سارا ترجمہ رد ہے حنفیہ اور ابن سیرین پر کیونکہ احناف کے نزدیک اگر نماز پڑھنے والے کے آگے آگ ہو یا اور کوئی ایسی شئے ہو جو غیر کے نزدیک لائق عبادت ہو تو اس کو سامنے رکھ کر پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسے غروب الشمس کے وقت نماز تشبہ بعبادۃ الغیر کی وجہ سے مکروہ ہے اجماعا لیکن امام بخاری احناف پر رد کر کے اس باب سے جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ماقبل میں تم خود ہی حدیث بیان کر کے آئے ہو کہ جس مکان میں تصاویر ہوں وہاں نماز مکروہ ہے نیز آگے باب الصلوة فی البیعة منعقد فرما کر معبد نصاری میں نماز کی کراہیت ثابت فرمائیں گے رہ گیا امام بخاری کا مستدل کہ حضور ﷺ کو صلوۃ الکسوف میں جنت جہنم دونوں دکھلائی گئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آگ آپ ﷺ کے سامنے نہیں تھی بلکہ وہ اپنی جگہ سے ہی نظر آ رہی تھی اور ممکن ہے کہ دائیں جانب یا بائیں جانب ہو نیز یہ تکوینی امر ہے اس پر اختیاری امور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا"۔ (کذا فی تقریرین)

(٢) باب کراهیة الصلوة فی المقابر اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم۔ اس سے مراد نوافل ہیں کہ گھر کے اندر نوافل پڑھنے چاہئیں اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے فرائض مراد ہوں کہ جب مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز نہ ملے تو گھر کے اندر پڑھا کرو۔ ولا تتخذوها قبورا۔ اس کا مطلب لطیفہ کے طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی تمہارے گھر آئے تو اس کی کچھ خاطر تواضع کر لیا کرو۔ ایسے نہ ہو جیسے قبرستان چلا جائے اور وہاں کوئی پان کھلانے والا بھی نہ ملے ہر طرف خاموشی رہے۔

(٣) باب الصلوة فی مواضع الخسف: اس پر اشکال یہ ہے کہ نماز باعث رحمت ہے تو مواضع خسف میں اور زائد پڑھنی چاہئے تا کہ عذاب کا اثر کم ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز اگرچہ رحمت ہے لیکن دعاء بھی ہے اور مواضع خسف میں اگر زیادہ اخلاص نہ ہو تو رد دعا کا اندیشہ ہے۔ یہ یاد رہے کہ امام بخاری جواز صلوۃ فی مواضع الخسف کے قائل ہیں۔

کے نزدیک تفریق ہے۔اگر تصاویر ہیں تو ناجائز ہے ورنہ جائز ہے اور احناف وشافعیہ کے نزدیک مطلقا مکروہ ہے۔ **قال عمر الخ** ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کا میلان مالکیہ کی طرف ہے۔(۱)

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے اس کا فی الجملہ ماقبل سے تعلق فصل کی طرح پر ہے۔**والجامع الزجر عن اتخاذ القبور مساجد** امام بخاری نے اس باب سے ان لوگوں کے قول کی طرف اشارہ فرمادیا جو مطلقا کراہت صلوۃ فی البیعۃ کے قائل ہیں اور دوسری غرض یہ ہے کہ باب سابق سے صلوۃ فی معبد النصاری ثابت فرمایا تھا اور اس سے صلوۃ فی معابد الیہود ثابت فرماتے ہیں اور یہی میری رائے ہے۔

باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض الخ

ترجمہ کی غرض اشارہ فرمانا ہے اس بات کی طرف کہ اوپر جو کراہت صلوۃ ان مقامات کے متعلق ذکر کی گئی ہے۔وہ خلاف اولیٰ پر محمول ہے۔

باب نوم المرء ۃ فی المسجد

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے دو باب باندھے ہیں۔ایک **نوم المرء ۃ فی المسجد** کا اور دوسرا **نوم الرجال فی المسجد** کا۔بظاہر امام بخاری کی غرض دونوں بابوں سے جواز بیان کرنا ہے۔اس لئے کہ روایات جو ذکر کی ہیں وہ جواز پر دلالت کرتی ہیں مگر **نوم المرء ۃ** کو **نوم الرجال** پر مقدم کردیا اہتمام کی بنا پر۔کیونکہ عورت محل فتنہ ہے اس لئے ممکن ہے کہ عدم جواز کا وہم ہو تو امام بخاری نے اس کو مقدم کرکے جواز کو واضح فرمادیا اور اسی محل فتنہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلقا عورت کو مسجد کے اندر سونا جائز نہیں۔ **وان کانت عجوزۃ** اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے کیونکہ محل فتنہ ہے اور نوم الرجال کے اندر امام مالک کے یہاں تفصیل ہے۔فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سونے کی جگہ نائم کے واسطے نہ ہو تو مسجد کے اندر سو سکتا ہے۔اور اگر جگہ ہو تو سونا جائز نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی ٹھکانا ہو تو باہر سوئے۔

فاعتقوھا فکانت معھم: یہ دستور اس زمانہ کا تھا کہ اگر کسی کے غلام ہوتے اور وہ آزاد کردیتا تو ان کے اخلاق کی بناء پر اس کے ولی نعمت ہونے کے سبب سے اسی کے پاس رہتے تھے کہیں جاتے نہیں تھے ان صحابیہ نے بھی ایسا ہی کیا بلکہ بعض تو ایسے تھے کہ غلامی کو پسند کرتے تھے اور اگر مالک اجازت دیدے اور گھر والے لینے کے لئے آئیں جب بھی جانے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جیسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے گھر والے لینے آئے اور بہتیری کوشش کی۔عار دلائی مگر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ گئے اور حضور ﷺ کی غلامی کو پسند کیا۔

فاتھمونی به: یہ قاعدہ ہے کہ اگر گھر کی کوئی چیز کھو جائے اور بھنگن یا نوکرانی وہاں ہو تو اسی کو متہم کیا کرتے ہیں۔اسی کے موافق

---

(۱) **باب الصلوۃ فی البیعة وقال عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **انا لا ندخل کنائسکم:** یہ مالکیہ کا مستدل ہے مگر اس سے ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو دخول کے متعلق فرمایا ہے نماز کا تو اس میں کوئی ذکر نہیں۔(س)

ان کو بھی متہم کیا گیا۔

فکان لهاخباء فی المسجد: یہ محل ترجمہ ہے اور مقصود بالذات ہے کہ وہ مسجد کے اندر خیمہ ڈال کر رہا کرتی تھیں اور جملہ میں او شک راوی ہے حفش جھونپڑے کو کہتے ہیں۔

فلا تجلس مجلسا الخ: یعنی وہ جب بھی آتیں اور بیٹھتیں تو ایک شعر پڑھا کرتی تھیں۔ یوم الوشاح اس لئے کہ اس واقعہ کی وجہ سے انہوں نے اس قبیلہ کو چھوڑا تھا۔

قدم رهط من عكل: روایت گزر چکی یہ وہی عکل والے ہیں جو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم کو مدینہ کی ہوا موافق نہیں آتی۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے صدقات کے اونٹوں میں چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی اور وہاں جا کر غداری کی اور راعی کو قتل کردیا اور اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ الی آخر القصۃ۔

فكانوا فی الصفة: اور یہ صفہ مسجد کا حصہ تھا اس کے اندر قیام کیا تو یہ قیام فی المسجد ہوگیا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے یہاں مہمانوں کے لئے کوئی مستقل جگہ نہیں تھی، کوئی وفد وغیرہ آتا تھا تو یہیں ٹھہراتے تھے۔

كان اصحاب الصفة الفقراء: یہ حضرات غریب ہوتے تھے ان کے پاس کچھ ہوتا نہیں تھا دین کے واسطے آتے مسجد میں رہتے تھے۔ انہی آثار کی بناء پر امام مالک فرماتے ہیں کہ جس کے گھر کا انتظام نہ ہو وہ مسجد میں سوسکتا ہے۔

فقال این ابن عمک: هذا مجاز فان عليا ليس بابن عم فاطمة الزهراء رضي الله عنها بل هو ابن عم رسول الله ﷺ.

كان بيني وبينه شیء: یعنی کوئی بات ہو رہی تھی۔

فغاضبنی: ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی میں کبھی کسی بات پر ناراضگی ہو جاتی ہے۔

فلم یقل: بكسر القاف من القيلولة۔

هوفي المسجد راقد موضع الترجمة قم اباتراب: اسی دن سے ان کی کنیت ابوتراب ہوگئی۔

رأيت سبعين من اصحاب الصفة: اصحاب صفہ کی تعداد ستر تک پہنچی ہے اور اس سے زائد دو سو تک پہنچی ہے ان کی تعداد میں اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ علم سیکھنے کے لئے آتے تھے اور صفہ میں قیام فرماتے تھے اس لئے کبھی زیادہ ہو جاتے اور کبھی کم ہو جاتے۔ اور یہ صفہ اصل اہل مدارس اور اصل اہل خوانیق ہیں۔ اصل اہل مدارس تو اس لئے کہ یہ لوگ علم حاصل کرتے تھے اور اصل اہل خوانیق اس لئے کہ فیض روحانی مقصد اصلی تھا اور یہ اشکال یہاں نہیں ہوسکتا کہ بعض علماء نے تو مدارس کو بدعت حسنہ میں شمار کیا ہے۔ اس لئے کہ مدارس کی خاص ہیئت مدرسین کا ہونا، ملازمین کا ہونا، اوقات کی پابندی یہ سب کچھ وہاں نہ تھا تو گویا ہیئت خاصہ حادث ہے۔ اور اصل تعلیم و متعلمین حضور ﷺ کے زمانے سے ہیں۔ اسی طرح خوانیق کا حال ہے کہ یہ ہیئت خاصہ نہ تھی۔

باب الصلوة اذا قدم من سفر

یہ تحیۃ القدوم من السفر کہلاتا ہے یہ ائمہ کے یہاں ہے کہ جب سفر سے واپس آئے تو اول مسجد میں جا کر دو رکعت نماز تحیۃ السفر

پڑھے تا کہ ابتداء مقام متبرک سے تلبس ہو اور برکت حاصل ہو اور اس لئے بھی کہ لوگ عام طور سے مساجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔

وکان لی علیه: یہ وہی اونٹ والا واقعہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنا اونٹ فروخت کیا تھا۔ جب مدینہ آئے تو حضور ﷺ مسجد میں قیام فرماتے۔ یہ اپنا قرضہ لینے آئے۔ حضور ﷺ نے پہلے تحیۃ السفر کا حکم فرمایا اور پھر ان کا قرض ادا فرمایا اور خوب فرمایا۔(۱)

باب اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس

یہ باب تحیۃ المسجد کے بیان میں ہے۔ یہاں امام بخاری نے الفاظ حدیث کو ترجمہ بنایا ہے۔ اس لئے کہ تحیۃ المسجد میں پانچ بحثیں ہیں۔ تو الفاظ حدیث کو ترجمہ گردان کران کی طرف اشارہ فرمادیا۔ **البحث الاول اذا دخل** میں دو مسئلے ہیں۔ اول یہ کہ **اذا دخل** اپنے عموم کی وجہ سے شافعیہ کے نزدیک اوقات مکروہہ کو بھی شامل ہے لہٰذا جب بھی داخل ہوگا اس کی طرف تحیۃ المسجد کا امر متوجہ ہوگا۔ اگر چہ وقت مکروہ ہو۔

اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اوقات مکروہہ دوسری روایات کی بناء پر اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ حکم ان کے علاوہ کے لئے ہے۔ حنابلہ اس عموم کو اوقات مکروہہ سے مقید کرنے میں تو مالکیہ اور حنفیہ کے ساتھ ہیں مگر جب خطیب خطبہ وغیرہ پڑھ رہا ہو تو اس وقت یہ حضرات **دخل** کو اپنے عموم پر رکھتے ہیں اور شافعیہ کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ تو دو مسئلے ہوئے۔ ایک اوقات مکروہہ میں اس کو عموم دخول سے مستثنیٰ کرنے میں حنابلہ حنفیہ و مالکیہ کے ساتھ ہیں۔ گویا تین ایک طرف ہیں۔ اور امام شافعی عام رکھتے ہیں اور دخول عند الخطبہ میں حنابلہ شافعیہ کے ساتھ ہیں اور دخول کو اپنے عموم پر رکھتے ہیں۔ سلیک غطفانی کی روایت کی بنا پر۔ اسی طرح اس روایت کی بناء پر۔ جس میں ہے **اذا دخل احدکم المسجد والامام یخطب فلیرکع رکعتین۔**

البحث الثانی:

دخل اپنے اطلاق کی بناء پر اس بات کو متقاضی ہے کہ جب بھی دخول ہو تو تحیۃ المسجد اس وقت پڑھے اور یہی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں۔ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر دخول للجلوس ہو تو پھر اس کو پڑھنا چاہئے۔ اور اگر صرف مرور ہو تو نہیں۔ کیونکہ حدیث کے اندر دخول کا ذکر ہے مرور کا نہیں۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ دخول عام ہے خواہ دخول للجلوس ہو یا للمرور ہو۔ تعمیم کی بناء پر امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

البحث الثالث:

---

(۱) **باب الصلوة اذا قدم من سفر:** آداب سفر میں سے یوں ہے کہ جب واپس آئے تو پہلے مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد پڑھے اور کچھ دیر وہاں بیٹھے تا کہ احباب وغیرہ کو ملنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ صرف نماز پڑھنا تو ہر ایک کے لئے مندوب ہے اور نماز کے بعد بیٹھنا صرف ان کے لئے ہے جن کے احباب دوست زیادہ ہوں۔ اس باب کی حدیث میں قدوم من السفر کا ذکر نہیں۔ لیکن امام بخاری کے اصول میں سے استدلال بالعموم بھی ہے اور یہی حدیث آگے آئے گی جس میں سفر کا ذکر ہے۔''

(کذا فی تقریر مولوی احسان)

فلیرکع کا امر ظاہریہ کے نزدیک وجوب کے لئے ہے اور جماہیر کے نزدیک استحباب کے لئے ہے۔

البحث الرابع:

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک تنفل بر کعة جائز ہے مگر تحیۃ المسجد میں رکعۃ واحدہ کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں رکعتین کی تصریح ہے اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک تنفل برکعۃ ناجائز ہے۔

البحث الخامس:

حنابلہ کے نزدیک قبل ان یجلس کی بناء پر اگر کوئی مسجد میں جا کر بیٹھ گیا تو تحیۃ فوت ہوگیا۔ ہاں اگر فوراً اٹھ کر پڑھ لے تو آتی بالتحیۃ ہوگا۔ اور شافعیہ کے نزدیک عمداً جلوس سے فوت ہو جائے گا اور اگر بھول کر بیٹھ گیا اور جلوس طویل ہو گیا تو بھی تحیۃ فوت ہو گیا، تو حنابلہ اور شافعیہ کے مذہب میں فرق یہ ہوا کہ حنابلہ کے نزدیک مطلقاً بیٹھنے سے فوت ہو جائے گا۔ سواء کان عمدا او سهوا الا ان یقوم علی الفور. اور شافعیہ کے نزدیک جلوس عمد سے فوت ہو جائے گا اب وہ کسی طور سے بھی آتی بالتحیہ نہیں ہوگا اور نسیان کی صورت میں جلوس طویل سے فوت ہوگا تو گویا نسیان میں سب کی رائے ایک ہے اور عمد کے اندر فرق ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مطلقاً فوات اور حنابلہ کے نزدیک فوات بطول المجلس ہوگا اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مطلقاً فوت نہ ہوگا۔ سواء کان الجلوس عمدا او سهوا طال الجلوس او قصر.

باب الحدث فی المسجد

شراح کے نزدیک باب کی غرض جواز کو بیان کرنا ہے اور مطلب یہ ہے اگر مسجد کے اندر بیٹھے بیٹھے ریح خارج کرنے کی ضرورت ہو جائے تو خارج کرنا جائز ہے اور میرے نزدیک بیان جواز کے ساتھ ساتھ خلاف اولویت کو بھی بیان کرنا ہے جس کو میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ ان الملائکة تصلی علی احدکم الخ شراح فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حدث سے صلوٰۃ ملائکہ بند ہو جاتی ہے اور اس کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا کہ کرے یا نہ کرے معلوم ہوا کہ جائز ہے میں کہتا ہوں کہ شراح جو فرماتے ہیں وہ درست ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو ہے کہ فرشتوں کی دعاء سے محروم ہو جاتا ہے لہٰذا جو اس محرومی کا باعث ہو وہ خلاف اولیٰ ہوگا۔

تقول اللّٰهم اغفر له اللهم ارحمه:

یہاں اشکال یہ ہے کہ سورۂ مومن میں ہے ﴿الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا﴾ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ حملة العرش ومن حولهم سارے مومنین کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور و من حول العرش سارے فرشتوں کو عام ہے تو پھر وہ کون سے فرشتے ہیں جو ان جماعت مصلین مادامو فی مصلاهم مالم یحدثوا کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ من حوله عام نہیں ہے بلکہ آس پاس کے فرشتے مراد ہیں اور فرشتوں کی دو جماعتیں ہیں ایک حملة العرش ومن حولهم وہ تو عام مومنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور دوسری وہ خاص جماعت جو صرف مصلین کی جماعت کے واسطے دعائے مغفرت کرتی ہے۔

اور اگر مـن حـولـه کو ہم عام نہ مانیں تو دوسرا جواب یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ مغفرت جب محل مغفور سے مصارف ہو تو رفع درجات کا سبب ہوا کرتی ہے فکذلک ھھنا۔ (۱)

باب بنيان المسجد

ترجمہ کی غرض دو امر ہیں اول بناء مسجد کے اہتمام کو بیان کرنا ہے کہ حضور پاک ﷺ جب ہجرت فرما کر تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد بنانے کا نظام بنایا۔ امر ثانی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے امام بخاری کی غرض ان آثار سے معلوم ہوا کرتی ہے جن کو وہ ترجمہ میں ذکر فرماتے ہیں تو یہاں پر جو آثار ذکر فرمائے ہیں ان میں مسجد کا نقش ونگار سے بالکل صاف ہونا مذکور ہے اور جتنے بھی آثار ذکر فرمائے ہیں ان سے تزخرف کی ممانعت اور سادگی کا مطالبہ معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ان آثار کے پیش نظر امام بخاری کی غرض بناء مساجد میں تجنب عن المزخرفات ہے۔

وزاد فيه عمر وبناه على بنيانه:

یہاں اشکال یہ ہے کہ جملہ اولیٰ چاہتا ہے کہ بناء مسجد تعمیر کی زیادتی کے بعد بدل گئی اور جملہ ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ بناء وہی رہی جو سابق میں باقی تھی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا زیادتی کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانب قبلہ میں بمقدار دو صف کے زیادتی فرمائی تھی اور باقی بناء حال سابق پر رکھی تو جملہ اول جدار قبلہ سے متعلق ہے اور دوسرا جملہ آلات بناء سے متعلق ہے۔

ثم غيره عثمان الخ:

جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ یہ تو روز، روز کا جھگڑا ہے۔ ہر چند سال بعد تجدید کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کی بھی کثرت ہوگئی تو انہوں نے اس کو آگے پیچھے دائیں بائیں جانب ہر طرف سے زیادہ کردیا اور منقش پتھروں سے پختہ بنادی، اس پر حضرت عثمان پر اعتراضات بھی کئے گئے کہ حضور اکرم ﷺ کی بناء کو بدل ڈالا، مگر یہ سب کچھ بمحضر من الصحابہ ہوا۔ اور پھر میرے نزدیک اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زمانہ کے اندر تہذیب وتمدن آچکا تھا، مکانات عمدہ بن رہے تھے تو اگر مسجد کو اس حال پر باقی رکھا جاتا تو مکانات کے مقابلہ میں مسجد کی اہانت ہوتی۔ اس بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب کچھ کرادیا۔

باب التعاون فى بناء المسجد

اما الغرض بيان جواز التعاون فى بناء المسجد دفعا لما يتوهم من عدم جواز ذلک لان النبى ﷺ

---

(۱) باب الحدث فى الصلوة: حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بعض تابعین کے نزدیک حدث اصغر حدث اکبر کے حکم میں ہے لہٰذا جیسے حدث اکبر کے اندر دخول فی المسجد جائز نہیں ہے۔ ثانی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ امام بخاری نے یہ باب منعقد فرما کر اس کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس رائے کا بھی احتمال ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ زیادہ راجح ہو جو میں اب بیان کروں گا۔ سنو! اس سے ایک مسئلہ پر متنبہ فرمادیا وہ یہ کہ مسجد کے اندر بدبودار اشیاء کا لیجانا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ریح بھی بدبودار ہوتی ہے تو اس سے وہم ہوا کہ مسجد میں ریح کا خارج کرنا ممنوع ہے تو یہاں سے جواز بتلادیا البتہ غیر اولیٰ ہے۔ (س)

لماساوم بنی النجار ارض المسجد قالوا لانطلب ثمنه الا الی اللّٰه عزوجل فابیٰ رسول اللّٰه ﷺ ان یقبله هبة فهذا قدیتوهم منه عدم جواز التعاون فی بناء المسجد فاثبت البخاری جوازه واما ان یکون الغرض بیان اولویة التعاون لان المسجد لجمیع المسلمین وفیه فائدتهم فالاولیٰ لهم التعاون فی بنائه وهنا هو الاولیٰ عندی.

مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے آیت کریمہ ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ مسجد کے بنانے میں مسلمانوں سے تعاون لیا جائے گا مشرکین سے مدد نہیں لی جائے گی، ایسے ہی وہ لوگ جو ریاء کی وجہ سے تعاون کریں ان کا بھی تعاون حاصل نہیں کیا جائے گا شراح فرماتے ہیں کہ آیت کو ذکر فرما کر آیت کے اندر عمارت کے دو احتمالوں میں سے ایک احتمال کی تعیین کرنی ہے اور وہ دونوں احتمال یہ ہیں کہ عمارت سے یا تو عمارت ظاہری مراد ہے یا تعمیر معنوی مراد ہے یعنی ذکر اللہ۔

قال لی ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ولابنه:

یہ ان حضرات کا طریقہ تھا اور ہمچو من دیگرے نیست ان کا شیوہ نہیں تھا بلکہ دوسروں کے پاس تحصیل علم کے واسطے بھیجتے تھے اس لئے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ طویل الصحبت ہیں ان کو احادیث زیادہ معلوم ہونگی۔ لہٰذا وہاں جا کر علم حاصل کرو۔

فاخذرداءه فاحتبیٰ ثم انشأ یحدثنا:

جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی حدیث کا ذکر سنا۔ بس کیا تھا سنانے بیٹھ گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ محبوب تھے اور محبوب کی بات ہر شخص کرنا چاہتا ہے۔ پھر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور حضور اکرم ﷺ کا تو کیا پوچھنا۔

تقتله الفئة الباغية:

یہ حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ بڑے متنعم تھے۔ صبح و شام میں نیا جوڑا پہنتے تھے، مگر جب اسلام لائے تو یہاں تک پہنچے کہ ایک چادر بھی مشکل سے ملتی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جماعت میں تھے اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لوگوں سے شہید ہوئے۔ اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جماعت کا باغی ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ جماعت یہ دیتی ہے کہ باغیہ بغاوت سے مشتق نہیں بلکہ بغیہ سے مشتق ہے اب معنی یہ ہوئے تقتله الفئة الباغية ای الطالبة لدم عثمان اور دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ان کو درحقیقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قتل کیا کیونکہ وہی تو قتال کرنے کو لائے تھے۔ لیکن حضرت کو جب ان کا یہ جواب پہنچا تو فرمایا کہ پھر تو حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ کو حضور اقدس ﷺ نے قتل کیا ہوگا۔ کیونکہ وہی تو میدان جنگ میں انہیں لے کر گئے تھے اور پہلا جواب بھی مشکل ہے اس لئے کہ حدیث میں آگے یدعونه الی الجنة ویدعونه الی النار بھی وارد ہوا ہے۔

میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے جماعت خطا پر تھی مگر ان پر اعتراض نہیں اس لئے کہ یہ خطائے اجتہادی تھی اور خطائے اجتہادی میں کوئی گرفت نہیں ہوتی بلکہ اس پر ایک ثواب ملتا ہے اور اگر مصیب ہو تو دو ثواب ملتے ہیں۔ لہٰذا یہاں وہ مثاب ہوئے اور دلیل حضرت علی کے حق پر ہونے کی جہاں بہت سی روایات ہیں ایک روایت یہ بھی ہے "یدعوهم الی الجنة" لکونهم علی الحق ویدعونهم

الی النار لکونهم علی غیر حق ولکنهم لکونهم خاطئین فی الاجتهاد لیسوا معتوبین علی ذلک.(۱)

باب الاستعانة بالنجار والصناع الخ

میں نے بیان کیا تھا کہ امام بخاری نے پچپن ابواب ذکر فرمائے ہیں بعض میں آداب کو بیان کیا ہے۔اور بعض میں کسی دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے تو یہاں کنز العمال کی ایک روایت کی طرف اشارہ فرمادیا۔اس میں ہے. جنبوا مساجدکم صناعکم تو شراح کے نزدیک امام بخاری نے اس باب سے رد فرمایا ہے اور میرے نزدیک اس کے عموم کو مقید فرمادیا اور مطلب یہ ہے کہ یہ نہی جو ابن ماجہ میں ہے اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جب کہ صناع خود اپنا کام مسجدوں میں کرنے لگیں۔اور اگر مسجد کا کام مسجد میں کریں تو کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

فعملت المنبر:

میں منبر کے متعلق صلوٰۃ علی المنبر میں کلام کر چکا ہوں۔(۲)

باب الاستعانة الخ :ابن ماجہ کی روایت کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ قابل استدلال نہیں بخاری کی روایت کے مقابلے میں۔

باب من بنی مسجدا

اچھا اور عمدہ بنانے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں کہ جو جیسی مسجد بنادے گا ویسا ہی مکان جنت میں ملے گا۔عمدہ بنائے گا تو عمدہ ملے گا۔

انکم اکثرتم:

جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کے مسجد میں تغیر کر دینے کی وجہ سے لوگوں نے کثرت سے اعتراضات کرنے شروع کئے تو انہوں نے ان کو خاموش کرانے کے لئے اور اپنی حجت بیان کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے من بنی مسجدا بنی اللہ له مثله فی الجنة ۔لہٰذا میں تو جنت میں اچھا مکان بنانا چاہتا ہوں اس لئے میں نے مسجد بھی عمدہ بنادی۔ میں نے اس سے قبل ایک اور علت اس کی بتلائی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں تغیر وتبدل کیوں کیا۔ دوسری علت یہ ہوگئی۔(۳)

---

(۱)باب التعاون فی بناء المسجد: اس سے پہلے امام بخاری نے ایک حدیث ذکر فرمائی تھی جس میں یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم بنی نجار سے فرمایا ثامنوا نی بحائطکم یعنی مسجد کے لئے تم اپنی یہ زمین قیمت پر دیدو، انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے واسطے دیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لینے سے انکار فرمادیا۔اس سے وہم ہوتا تھا کہ شاید دوسرے کا تعاون مسجد کے بنانے میں ممنوع ہو جائز نہ ہو۔تو مصنف اس باب کو منعقد فرما کر جواز ثابت فرمادیا اور آیت استدلال کے طور پر ہے اور ممکن ہے کہ آیت ہی مقصود ہو یعنی یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ تعاون جائز ہے جبکہ ریا وغیرہ یا اور کوئی غرض فاسد نہ ہو۔

(۲)باب الاستعانة الخ :ابن ماجہ کی روایت کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ قابل استدلال نہیں بخاری کی روایت کے مقابلے میں۔

(۳)باب من بنی مسجدالله وفیه بنی الله له مثله فی الجنة :اس پر اعتراض یہ ہے کہ یہاں مثلہ فرمایا گیا ہے کہ حالانکہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها کے قاعدہ کے مطابق دس مثل ملنا چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں کمیت کے اعتبار سے عشر امثال فرمایا گیا ہے اور حدیث پاک میں مثله نوعیت وکیفیت کے اعتبار سے۔(س)

باب یاخذ بنصول النبل الخ

اگر کوئی جارح چیز لے کر مسجد میں جاوے تو اس کی دھار پر ہاتھ رکھ لے تا کہ کسی کو اس سے زخم نہ لگ جائے اس پر سب کا اتفاق ہے۔

باب المرور فی المسجد

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا ترجمہ ناقص ہے کیونکہ ترجمہ کا مقصد مرور مع النبل فی المسجد بیان کرنا ہے جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے اور ترجمہ مع النبل کا ذکر نہیں ہے۔ میرے نزدیک مطلقا مرور فی المسجد کا جواز بیان کرنا ہے۔ ابن ماجہ میں مساجد کی روایات میں جہاں منہیات کا ذکر ہے وہاں یہ بھی ہے وان تتخذ طریقا کہ حضور پاک ﷺ نے مساجد کو راستہ بنانے سے منع کیا ہے تو امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا اور جواز ثابت فرمادیا اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حضرات احناف فرماتے ہیں کہ روایت ابن ماجہ نہی کے اندر نص ہے اور بخاری کی روایت جواز کے اندر نص نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مرور سے مراد مرور للدخول ہو لہٰذا نص اپنے معنی پر باقی رہے گی۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ اگر یہاں مرور فی المسجد کا ذکر ہے تو ایک ورق کے بعد باب الخوخة والممر آرہا ہے اور مرور وممر ایک ہی ہے یہ مصدر میمی ہے صرف لفظی فرق ہے جو تکرار کے دفعیہ کے لئے موثر نہیں۔ اس کا جواب چونکہ اسی باب میں بہتر رہے گا اس لئے وہیں دوں گا۔ (۱)

باب الشعر فی المسجد

ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ کی جن روایات سے مساجد میں اشعار پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے ان پر رد کرنا ہے اور جواز ثابت کرنا ہے اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں ہے دونوں کا محمل الگ الگ ہے، ممانعت کی روایات ان اشعار پر محمول ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور جواز کی روایات اشعار دینیہ پر محمول ہیں لہٰذا وہ ضرورت کے موقعہ پر جائز ہوں گے اور صرف تفریح کے لئے ناجائز۔

یستشهد اباهریرة:

یہ روایت یہاں مختصر ہے۔ ہوا یہ تھا کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو اس پر نکیر کی، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم گواہی دو کہ میں حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں خود آپ ﷺ کے سامنے منبر پر اشعار پڑھا کرتا تھا۔ (۲)

---

(۱) باب المرور فی المسجد۔ اس سے پہلے جو حدیث تھی اس سے مرور فی المسجد کا جواز معلوم ہوتا تھا۔ یہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے تو اس کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے مستقل باب باندھا ہے اس پر شراح نے اشکال کیا کہ مرور مسجد کا باب تو آئندہ صفحہ 66 پر آرہا ہے لہٰذا تکرار ہوگیا۔ شراح نے ہی اس کا جواب دیا کہ وہاں تبعا آیا ہے اور یہاں اصلا ہے نیز ترجمہ مکرر ہونے کی صورت میں ایک تفریق یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلے مطلق لے جانے کا ذکر تھا اب نصال کو لے جانے کا ذکر ہے۔ (کذا فی تقریرین)

(۲) باب الشعر فی المسجد باب کی یہ روایت یہاں مختصر ہے تفصیلی صفحہ چار سو چھپن (۴۵۶) پر آئے گی۔

باب اصحاب الحراب فی المسجد

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے مسجد کے اندر شہر سلاح سے منع فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں ولا یشھر فیہ سلاحا۔ لہٰذا امام بخاری اس کا جواز ثابت فرمارہے ہیں کہ ضرورت کی بناپر جائز ہے۔

والحبشة یلعبون فی المسجد .

یہ لعب تمرن اور اعداد للمشرکین کے لئے تھا۔ لہٰذا یہ واعدوالھم مااستطعتم میں داخل ہے۔

انظر الی لعبھم:

یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اجنبی مردوں کی طرف کیسے دیکھ رہی تھیں اس کا جواب میں دے چکا ہوں کہ مرد کا عورت کو دیکھنا خواہ شہوت کے ساتھ ہو یا بلا شہوت کے دونوں صورتوں میں ناجائز ہے لیکن عورت کا مرد کو بلا شہوت دیکھنا جائز ہے یہ حنفیہ کا مذہب ہے جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس کے بالمقابل حضور اکرم ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر ہاتھ رکھ دیا تھا جس وقت وہ ایک اجنبیہ کو دیکھ رہے تھے اور یہ دیکھنا شہوت کے ساتھ نہیں تھا۔

باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد[1]

مسجد میں بیع وشرا کرنا ناجائز ہے۔ روایات اس کے متعلق مصرح ہیں اور یہ ہی فقہاء کا مذہب ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ یہاں امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ عقد بیع وشراء ممنوع ہے۔ مسئلہ کا ذکر ممنوع نہیں۔

اور یہی میرے نزدیک راجح ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ غرض یہ ہے کہ اگر مبیع حاضر نہ ہو تو ایجاب وقبول کرنا جائز ہے مگر واضح وہی ہے جو شراح فرماتے ہیں اس لئے کہ ایجاب وقبول کبھی کبھی کثرت کلام اور تنازع کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔ روایت بھی شراح کی مساعدت کرتی ہے کیونکہ اس میں نفس مسئلہ کے بیان کا ذکر ہے کہیں بھی معاملہ بیع من غیر احضار السلعۃ کا ذکر نہیں۔

ذکرته:

یہ مجرد اور مزید یعنی باب تفعیل دونوں سے ضبط کیا گیا ہے مجرد سے تو ظاہر ہے اگر مزید سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے کہہ چکیں تھیں مگر حضور پاک ﷺ کسی اور کام میں مشغول ہو گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوبارہ یاد دلایا۔ (۱۱)

---

(۱) باب ذکر البیع والشراء الخ مسجد میں بیع وشراء ناجائز ہے اور اس کی حدیث میں تصریح بھی ہے۔ جمہور شراح کے نزدیک اس باب کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بیع وشراء کے لفظوں میں کوئی قبح نہیں ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد میں انعقاد بیع لفظ بعت واشتریت کا کہنا جائز ہے بشرطیکہ مبیع مسجد میں حاضر نہ ہو۔ لیکن یہ قول صرف شاہ صاحب کا ہی ہے اور کسی سے بھی منقول نہیں لیکن ممکن ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ معتکف کے لئے بشرط ضرورت احضار مبیع کے بغیر مسجد میں بیع کرنے کی اجازت ہے تو اس پر امام بخاری نے مطلق بیع کو قیاس کر لیا ہو۔ لیکن زیادہ بہتر مطلب وہی ہے جو عام شراح بیان کرتے ہیں۔ نیز شراح کے نزدیک اس حدیث کے لفظ یشترطون شروطا سے ترجمۃ الباب ثابت ہے لیکن میرے نزدیک ترجمہ کا اثبات اس سے ہے کہ یہی حدیث جہاں دوسری جگہ آئے گی وہاں اس کی تفصیل مذکور ہے کہ اس میں حضور ﷺ نے بیع وشراء کا ذکر بھی کیا ہے۔

باب التقاضي و الملازمة فى المسجد

چونکہ ابن ماجہ کی روایت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اس لئے بیان جواز فرمادیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ روایت سے تقاضا تو ثابت ہوتا ہے مگر ملازمت کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتی۔ شراح فرماتے ہیں کہ جب تقاضا کرے گا تو کچھ دیر تو اس کے پاس ہوگا بس یہ ملازمت ہوگئی۔ شراح کا یہ فرمان اگر چہ درست ہے مگر امام بخاری کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ وہ دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرمایا کرتے ہیں تو یہاں بھی امام بخاری نے دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرمادیا جو صفحہ تین سو تہتر (۳۷۳) پر آرہا ہے۔ اس میں فلزمہ موجود ہے جس سے صراحۃ ملازمت ثابت ہوتی ہے۔ (۱)

باب كنس المسجد الخ

ابوداؤد شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص مسجد سے کنکری نکالتا ہے تو وہ اس کو قسم دلاتی ہے کہ تو مجھ کو مت نکال۔ کیوں نکالتا ہے تو ابوداؤد شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد کے اندر کنکری، تنکا خس وخاشاک جو بھی پڑ جائے تو اس کو نہ نکالا جائے۔ امام بخاری یہاں اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ کنکری کا قسم دلانا عام نہیں یعنی یہ بات نہیں کہ جو چیز بھی مسجد میں داخل ہو جائے اس کو مسجد سے نہ نکالا جائے اور کباڑ خانہ بنادیا جائے بلکہ مسجد سے خس وخاشاک کو دور کیا جائے اور ابوداؤد کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں اور اس کی شاخوں کی بنی ہوئی تھی۔ نیچے مٹی بچھی ہوئی تھی۔ جب بارش ہوا کرتی تھی تو مسجد ٹپکنے لگا کرتی تھی اور کیچڑ ہو جایا کرتا تھا ایک مرتبہ ایک صحابی نے کیچڑ دیکھ کر کچھ کنکریاں لا کر ڈال دیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جب دیکھا تو فرمایا ما احسن هذا۔ جب حضور پاک ﷺ نے یہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد میں بہت سی کنکریاں لاکر بچھادیں، تو امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ وہ کنکریاں ضرورت کی وجہ سے تھیں ان پر خس وخاشاک کو قیاس نہ کیا جائے بلکہ وہ تو مسجد کا فرش تھیں۔

میری حجاز میں دو مرتبہ حاضری ہوئی، ایک ۳۸ھ میں دوسرے ۴۲ھ میں۔ دونوں مرتبہ میں نے دیکھا کہ دونوں جگہ (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ) صحن مسجد میں کنکریاں بچھی ہوئی تھیں اب کا حال تو معلوم نہیں۔ مگر دونوں جگہ میں فرق یہ تھا کہ مدینہ منورہ کی کنکریاں نہایت خوبصورت چھوٹی چھوٹی تھیں ان پر بلا کچھ مصلی وغیرہ بچھائے نماز پڑھنے اور بیٹھنے کو جی چاہتا تھا بخلاف مکہ مکرمہ کی کنکریوں کے کہ وہ بہت بڑی بڑی تھیں۔ اور ہم جیسوں کو اگر یوں ہی اس پر چلنے لگیں تو زخمی کر دیں۔ لہٰذا اس پر چلنے کے واسطے ایک خاص قسم کے سلیپر ہوتے تھے اس کو پہن کر چلا کرتے تھے وہ مسجد کے بوابوں کے پاس مسجد سے نکل کر رکھ دی جاتی تھیں اور مسجد میں داخل ہوتے وقت وہ لوگ دیدیا کرتے تھے۔ وجہ فرق دونوں جگہ ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ میں تو شان محبوبیت تھی اور مکہ مکرمہ میں شان عاشقیت اس لئے ہر چیز ہر جگہ مناسب تھی۔

---

(۱) باب التقاضي و الملازمة فى المسجد: مسجد کے متعلق دو چیزیں ذکر کر رہے تھے۔ ایک آداب، دوسرے وہ افعال جو حضور پاک ﷺ سے مسجد میں صادر ہوئے ان کا بیان کرنا بطور استثناء کے ہے مجملہ اس قسم ثانی کے یہ ہے کہ مسجد کے اندر اگر کوئی اپنا قرض مانگے اور مقروض کا پیچھا پکڑے تو یہ جائز ہے اگر چہ اس میں بیع وشراء سے زیادہ شور وشغب کا اندیشہ ہے لیکن جائز ہے اس لئے کہ اس میں حق العبد کا دخل ہے۔ (کذا فی تقریرین)

فسأل النبی ﷺ عنه:

ای لما فقده ﷺ سال عنه ماذا فعل فلان.

فاتی قبره فصلی علیها:

لانه ﷺ کان ماموراً بالصلوٰة علیهم فی قوله تعالیٰ وصل علیهم ان صلوتک سکن لهم ولما جاء فی الحدیث ان هذه القبور مملوئة ظلمة علی اهلها وان الله ینورها بصلوتی علیهم او کماقال علیه السلام ولانه ﷺ کان ولیا لکل مومن فله ان یصلی بعد الدفن کما للولی ان یصلی علی المیت لولم یصل علیه فلا یقاس علی صلوته ﷺ صلوة الغیر۔ (۱)

باب تحریم تجارة الخمر فی المسجد

شراب، سود، بول و براز کا مسجد کے اندر نام لینا بظاہر خلاف ادب ہے حتیٰ کہ سور کا نام نہیں لیتے بلکہ جانور کہتے ہیں۔ تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ اگر چہ یہ اشیاء نجس ہیں اور ان کا نام مساجد میں نہ لینا چاہئے مگر ان کا مسئلہ بتلانا جائز ہے اور اگر ان کا ذکر مسئلہ میں آجائے تو کوئی حرج نہیں۔

فقرأهن علی الناس ثم حرم تجارة الخمر:

یعنی جب حرمت ربوا کی آیات نازل ہوئیں تو حضور پاک ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور آیت ربوا تلاوت فرمائی اور پھر تحریم خمر کو بیان کیا۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ حرمت ربوا کی آیت حضور پاک ﷺ کے انتقال سے کچھ دن پہلے نازل ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کر لیتا اور خوب تحقیق کر لیتا۔ ایک یہ اور دوسرے کلالہ اور تیسرا ربوا۔ اور تحریم خمر اس سے چار پانچ سال پہلے ہے پھر آیت ربوا کے بعد تحریم خمر کا کیا مطلب ہے؟ اس کے تین جواب ہیں ایک تو یہ ہے کہ تحریم پہلے نازل ہو چکی تھی مگر حضور پاک ﷺ نے تاکیداً پھر تحریم ربوا کے ساتھ ساتھ اس کی حرمت کو بھی بیان فرمادیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس وقت تحریم خمر فرمائی، دوسرا جواب یہ ہے کہ نفس حرمت خمر تو ربوا کی حرمت سے مقدم ہے۔ ممکن ہے کہ تجارۃِ خمر ممنوع نہ ہوئی ہو اور وہ ربوا کی تحریم کے بعد ہوئی اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کو بیان فرمادیا، تیسرا جواب یہ ہے کہ راوی نے اس وقت سنا ہو اور اپنے خیال کے مطابق بیان کر دیا۔

---

(۱) باب کنس المسجد وفیه حدثنا بن حرب: امام بخاری اس روایت کو بہت سی جگہ ذکر فرمائیں گے کیونکہ اس سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ مثلاً مردہ کارات کو دفن کر دینا، اس کی قبر پر نماز پڑھنا، ہر باب پر کلام آئے گا۔ بس اتنا یاد رکھو کہ نبی اکرم ﷺ کے اس فعل سے کہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی ہے مطلقاً اور عام استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ فعل صرف حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ آپ مثل ولی ہیں اس لئے آپ ﷺ کو حق تھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھیں۔ رجل اوامرأة یہاں او شک کے لئے ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ عورت کا تھا۔ اس حدیث میں ایک لفظ "یقم" اس سے صرف جھاڑو دینا ثابت ہوتا ہے اور شراح کے نزدیک یقم کے عموم سے خرق، قذی وغیرہ ثابت ہو رہا ہے۔ (کذا فی تقریرین)

باب الخدم للمسجد

شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مسجد کے واسطے خادم رکھنا سنت قدیمہ ہے۔ کما دل علیہ الر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقیل غرضہ بیان جواز الخدم للمسجد۔ اور میرے والد صاحب کی رائے یہ ہے کہ مسجد کے پیسے کے واسطے خادم رکھنے کا جواز بیان فرمایا رہے ہیں۔ (۱)

باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد

امام بخاری یہ بتاتے ہیں کہ اگر قیدی یا قرض دار کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے تو جائز ہے اور روایت جو ذکر فرمائی ہے وہ گزر چکی ہے اس میں ہے فامکننی اللہ منہ واردت ان اربط بساریة من سواری المسجد۔ اس میں اشکال ہے کہ شیطان کو کیسے باندھتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان جب انسان کی شکل میں آتا تو انسان کے لوازمات اس میں آجاتے۔ لہٰذا باندھنے میں کیا اشکال ہے؟ من تزیا بزیّ شیء یاخذ حکمہ۔ مشہور ہے اس میں اشکال ہے کہ روایت میں اسیر کا تو ذکر ہے مگر غریم کا نہیں ہے۔ شراح جواب دیتے ہیں کہ قیاسا علی الاسیر ثابت فرمادیا۔

باب الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر ایضا الخ

یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو تو کیا اس پر غسل ضروری ہے یا نہیں؟ اس پر اشکال ہے کہ اس باب کو ابواب الطہارہ میں ذکر کرنا چاہئے تھا۔ ابواب المساجد میں امام بخاری نے کیوں ذکر کر دیا دوسری چیز وربط الاسیر ہے۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ ربط الاسیر کا مسئلہ تو امام بخاری گزشتہ باب میں ذکر فرماچکے ہیں پھر یہاں تکرار کیوں فرمایا؟ اب پہلے تو مسئلہ سنو۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مسلمان ہو تو اس پر اسلام لانے کی وجہ سے غسل کرنا ضروری ہے اور واجب ہے خواہ موجب غسل پایا گیا ہو یا نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی موجب غسل پایا جا رہا ہو جیسے احتلام، جماع اور عورت کے لئے حیض ونفاس تب تو واجب ہے ورنہ نہیں۔ پھر ان تینوں حضرات کے اندر ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے وہ یہ کہ اگر اسلام لانے سے پہلے کوئی موجب غسل پایا گیا اور اس نے بحالت کفر ہی غسل کر لیا تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک یہ غسل معتبر ہوگا اس لئے کہ ان کے نزدیک وضو اور غسل کے اندر نیت شرط نہیں۔ اور مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ ان کے یہاں وضو اور غسل میں نیت شرط ہے اور نیت کافر معتبر نہیں۔ یہاں امام مالک ایک بات اور فرماتے ہیں وہ یہ کہ اگر اس کو اعتقاد جازم ہو گیا ہو اور اس نے زبان سے کلمہ شہادت نہیں پڑھا اور اس سے قبل غسل کر لیا تو اس جزم واعتقاد کی بناء پر اس کی نیت معتبر ہوگی اور غسل صحیح ہو جائے گا۔

چونکہ امام ابوداؤد حنبلی ہیں اسلئے انہوں نے یہاں اس روایت پر باب باندھا ہے باب الرجل یسلم فیؤمر بالغسل اور امام ترمذی نے باب الاغتسال اذا اسلم باندھا ہے جیسا کہ امام بخاری نے باندھا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ باب امام بخاری کو کتاب الطہارۃ میں ذکر کرنا چاہئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی مستقل ترجمہ نہیں بلکہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ اگر

---

(۱) باب الخدم للمسجد: باب کے اندر جو حدیث آرہی ہے اس سے امام بخاری نے استدلال فرمایا ہے کہ وہ شخص مسجد میں صفائی کرتا تھا یا وہ باندی صفائی کیا کرتی تھی۔ اور آپ ﷺ نے کبھی نکیر نہیں فرمائی۔ اس سے مطلق جواز معلوم ہوا اور چونکہ یہ ضروریات میں سے ہے۔ لہٰذا والد صاحب والی غرض بھی ثابت ہوگئی۔ (س)

روایت باب کے اندر کوئی نئی بات ہو تو بطور فائدہ جدیدہ کے اس پر تنبیہ فرماتے ہیں۔

حقیقۃ یہ باب در باب ہے اور پہلے باب کا جز ہے۔ اب جبکہ اس کو باب سابق کا جز مان لیا تو یہ اشکال نہیں رہتا کہ امام بخاری نے باب سابق کے اندر دو جز ذکر فرمائے ہیں۔ ایک ربط الاسیر دوسرا ربط الغریم۔ لیکن روایت صرف ربط الاسیر کی ذکر فرمائی ہے، غریم کی ذکر نہیں فرمائی تو ربط الغریم کیسے ثابت ہوا؟ اور شراح کے جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی کہ قیاس سے ثابت ہے بلکہ باب کا تکملہ ہے اور ربط الغریم ثابت ہے۔ وکان شریح یامر الغریم سے اور یہ بھی اشکال نہیں ہوتا کہ باب تو امام بخاری نے اغتسال کا باندھا اور ربط الاسیر کہاں سے ذکر فرمادیا۔

فخرج النبی ﷺ:

یہاں روایت مختصر ہے کہ ثمامہ بن اثال کو پکڑ کر لایا گیا اور ان کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ پہلے دن حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ماعندک یاثمامہ انہوں نے جواب دیا ان تقتل تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علی شاکر وان اردت المال فھو لک:

حضور اکرم ﷺ یہ سن کر چلے گئے، دوسرے دن پھر تشریف لائے اور یہی سوال وجواب ہوا تیسرے دن پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور یہی بات ہوئی۔ حضور ﷺ نے جب دیکھ لیا کہ اسلام ان کے قلب میں راسخ ہوگیا تو فرمایا اطلقوہ چنانچہ ان کو چھوڑ دیا گیا۔ وہ ایک باغ میں جو مسجد کے پاس تھا گئے غسل کیا اور مسجد میں آکر مسلمان ہو گئے۔

یہاں اس حدیث میں۔ ہے کہ پہلے غسل کیا۔ بعد میں کلمہ شہادت پڑھا۔ یہ حنفیہ کے موافق ہے کہ کافر کا غسل کر لینا قبل از اسلام معتبر ہے۔

باب الخیمۃ فی المسجد للمرضی

یہ امام بخاری کے نزدیک جائز ہے۔ اکحل ہاتھ میں ایک رگ ہوتی ہے۔ جرحہ دما وہ رگ جو بند تھی اس کا منہ کھل گیا اور اس سے خون جاری ہوگیا اور اسی میں وفات ہوئی۔ یوں کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر قریش سے کوئی جنگ ہونی ہے تو مجھ کو باقی رکھ۔ ورنہ اٹھالے ان کی دعا قبول ہوئی اور اس کے بعد قریش سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

باب ادخال البعیر فی المسجد للعلۃ

جانور اونٹ وغیرہ کو کسی عذر کی بنا پر مساجد میں داخل کرنا جائز ہے، چنانچہ حضور پاک ﷺ نے مرض کی وجہ سے طواف عمرہ، اونٹ پر کیا۔ اور جیسے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مرض کی وجہ سے اونٹ پر طواف کیا۔ بعض شراح نے علت سے مراد ضعف و بیماری لی ہے پھر امام بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث تو ترجمہ کے موافق ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث موافق نہیں ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ یہ اشکال علت سے ضعف مراد لینے کی وجہ سے ہوا۔ حالانکہ علت سے مراد عارض وحاجت ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

طاف النبی ﷺ علی بعیرہ:

بعض کہتے ہیں کہ مرض کی وجہ سے طواف علی البعیر فرمایا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تاکہ آپ کو کوئی تکلیف وغیرہ نہ پہونچائے اور بعض کہتے ہیں کہ تاکہ سارے لوگ دیکھ لیں۔

یصلی الی جنب البیت:

میرے نزدیک یہ چودہ تاریخ فجر کی نماز کا طواف وداع کے بعد کا واقعہ ہے اس کے بعد حضور پاک ﷺ محصب میں تشریف

لائے اور وہاں سے مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے یہ آخری نماز ہے جو نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں ادا فرمائی۔ (۱)

باب

یہ باب بلاترجمہ ہے۔ شراح یہاں عاجز ہو گئے۔ اور انہوں نے کوئی غرض نہیں بیان فرمائی **قیل اراد الکتابة ولم یتیسر له وقیل کان فی الاصل بیاض فوصله بعض الناسخین وقیل سقط من بعض الکتاب وغیر ذلک**۔ لیکن مشائخ نے توجیہ فرمائی ہے کہ احکام المساجد کا ذکر ہو رہا تھا اور باب بلاترجمہ کالفی الجملہ باب سابق سے تعلق ہوتا ہے تو امام بخاری نے اس باب سے مسجد کے اندر بیٹھنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اگر یہ ہو تو پھر میرے نزدیک حدیث پاک **بشر المشائین الی المسجد فی الظلم بالنور التام** کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اور ان دونوں صحابیوں کی روایت ذکر فرمادی جو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، رات اندھیری تھی جب جانے لگے تو ایک نور دونوں کے سامنے آگیا۔ دونوں اس کی روشنی میں چلتے رہے اور جب الگ الگ ہو گئے تو اس نور کے دو ٹکڑے ہو کر ہر ایک کے پاس الگ الگ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو نمونہ کے طور پر وہاں کی چیزیں اور وہاں کا منظر دکھلا دیتے ہیں ان دونوں کو بھی **یسعی نورهم بین ایدیهم** اور **بشر المشائین** والی روایت کا ایک نمونہ دکھلا دیا۔

جس زمانے میں میں فضائل قرآن لکھ رہا تھا تو مجھ کو خواب میں ایک تاج دکھلایا گیا۔ بالکل موتیوں سے بھرا ہوا تھا دھاگہ اتنا باریک تھا کہ نظر نہ آتا تھا۔ اس کا حسن بیان سے باہر تھا۔ اور میرے والد صاحب کی رائے ہے کہ ان دونوں صحابیوں کے پاس جو لکڑی تھی اس کا سرا اونٹ کے منہ کے مثل تھا۔ لہٰذا ادخال البعیر ثابت ہو گیا مگر چونکہ صراحت نہیں ہے اس لیے باب بلاترجمہ باندھ دیا۔ اور باب سابق میں ذکر نہیں فرمایا۔ یہ مضمون بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ اگر مل جائے تو اس سے عمدہ توجیہ نہیں ہو سکتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ کلام فی المسجد کا جواز ثابت فرماتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) **باب ادخال البعیر فی المسجد**: اس سے بھی جواز ثابت کرنا مقصود ہے۔ **قال ابن عباس** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **طاف النبی** ﷺ یہ واقعہ عمرہ جعرانہ کا ہے اور محتمل ہے کہ عمرۃ القضا کا واقعہ ہو۔ اس باب کے اندر جو حدیث آرہی ہے وہ بہت سی جگہ بخاری کے اندر آئے گی جس میں حضور پاک ﷺ کا نماز پڑھانا اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا طواف کرنا مذکور ہے میرے نزدیک یہ چودہ ذی الحجہ بدھ کی صبح کا واقعہ ہے۔

اور اس کے دلائل اور قرائن بہت سے ہیں جو میں وقتاً فوقتاً ذکر کرتا رہوں گا۔ کیونکہ آپ نے تیرہ ذی الحجہ کے دن رمی فرمائی اور پھر محصب میں قیام فرمایا اور چار نمازیں وہاں پڑھیں اور پھر رات کو مکہ کے لئے تشریف لائے اور طواف وداع کیا اور چودہ کی صبح کو نماز فجر پڑھائی۔ (س)

(۱) **باب ادخال البعیر فی المسجد** اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے واپس ہوئے تو رات ہو چکی تھی جب لوٹنے لگے تو ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہو گیا جس کی روشنی میں وہ لوگ چلتے رہے اس کے بعد وہ دونوں جب علیحدہ ہو گئے تو روشنی بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کرامت وخرق عادت ہے۔ آج کل اولیاء اللہ کی کرامات وغیرہ کے متعلق بہت سی کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کرامات کے متعلق کوئی نہیں ملتی۔ حالانکہ ان کی بھی ہزاروں کرامات موجود ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک کرامات وخوارق عادت کوئی بڑی چیز شمار نہیں کی جاتی تھی بلکہ ان کے یہاں اتباع سنت وشریعت کو اہمیت حاصل تھی، اور آج کل کسی سے کوئی خرق عادت صادر ہو جائے تو اس کو بہت بڑا ولی سمجھا جاتا ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

باب الخوخة والممر فی المسجد

باب المرور گزر چکا اور وہاں جو توجیہ میں نے کی ہے اس کی بنا پر یہاں تکرار لازم آتا ہے کیونکہ ممر مصدر میمی ہے۔ کما قال الشراح اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ وہاں بالاصالۃ ذکر فرمایا ہے اور یہاں بالتبع۔ مگر مجھے یہ جواب دینے کی ضرورت اس وقت ہوگی جب کہ میں ممر کو مصدر میمی مانوں۔ میرے نزدیک تو یہ مصدر میمی ہے ہی نہیں بلکہ اسم ظرف ہے اور خوخہ کی تفسیر ہے کیونکہ خوخہ مطلقاً کھڑکی کو کہتے ہیں۔ خواہ ممر ہو یا نہ ہو۔ تو میرے نزدیک امام بخاری نے خوخہ کے بعد ممر کا لفظ ذکر کر کے اشارہ کردیا کہ یہاں وہ خوخہ مراد ہے جو گزرنے کی جگہ کے معنی میں ہے۔

لو کنت متخذا خلیلا:

یہاں سوال یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کی دوستی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسلام سے پہلے تھی۔ اور ضرب المثل تھی۔ لہٰذا اس کا کیا مطلب کہ میں اگر کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب مودت و محبت عام ہے اور خلت اس محبت کو کہتے ہیں جو خلال قلبی ہو کما قال المتبنی

عذل العواذل حول قلبی التائہ　　　وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ

اور حضور پاک ﷺ کا قلب اللہ کی محبت سے بھرا ہوا تھا پھر اس میں دوسرے کے لئے محبت کی جگہ کیسے ہوسکتی تھی اب یہ سنو! کہ حضور اقدس ﷺ کی صفت حبیب اللہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت خلیل اللہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ خلت کا مرتبہ اونچا ہے یا محبت کا۔ بعض محبت کو اعلیٰ مانتے ہیں اور بعض خلت کو۔ اگر ایسا ہو تو یہ جزئی فضیلت ہوگی۔ (۱)

ولکن اخوۃ الاسلام:

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ اخوت اسلام کی ہے تو جس کا اسلام جتنا قوی ہوگا اس کا تعلق بھی اتنا ہی قوی ہوگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام سب سے قوی ہے اس لئے ان کی اخوت بھی سب سے قوی ہے۔

لایبقین فی المسجد باب الخ:

روایت میں باب کا لفظ ہے اور امام بخاری نے ترجمہ کے اندر خوخہ کو ذکر فرما کر ایک اہم بات کی طرف اشارہ فرمادیا وہ یہ کہ یہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ ولایبقین باب الاباب علی ۔ او کما قال ﷺ۔ اب یہاں بخاری اور ترمذی کی روایت میں تعارض ہوگیا۔ بعض علماء نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ترمذی کی روایت کے مقابلہ میں اور بعض علماء موجہین فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی اس طور پر بنی تھی کہ اس کے کنارے مکانات تھے اور ان مکان والوں نے مسجد میں آنے کے لئے اپنے گھروں کے دروازے مسجد میں کھول رکھے تھے اور اس وقت تک جنب اور حائض کا مسجد میں سے ہو کر گزرنا ممنوع نہیں تھا۔ لوگ گزرتے رہتے تھے۔ لیکن جب

---

(۱) بندہ محمد یونس عفی عنہ کہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ خلیل اللہ و حبیب اللہ دونوں تھے۔ چنانچہ حبیب اللہ ہونا تو دارمی وغیرہ میں مصرح ہے اور صحیح مسلم میں ہے ان اللہ قد اتخذ نی خلیلا کما اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔

ممنوع ہوگیا تو حضور پاک ﷺ نے سارے دروازے بند کرنے کا حکم فرمادیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کو مستثنیٰ فرمایا۔ کیونکہ وہ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ اس ممانعت پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دروازے تو سب بند کردیئے مگر چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں کھول لیں تاکہ نماز کے واسطے ان میں سے ہوکر آجایا کریں۔ جب وفات قریب ہوئی تو حضور ﷺ نے یہ سارے خوخے بھی بند کروادیئے۔ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوخہ باقی رکھا اس لئے کہ وہ خلیفہ ہونے والے تھے ان کو ضرورت تھی لہٰذا ان کا خوخہ باقی رکھا۔ تو لفظ خوخہ سے اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ باب سے مراد خوخہ ہے۔

سدوا عنی کل خوخة:

اس روایت کو ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ باب کے اندر لفظ خوخہ اتباع روایت کی وجہ سے لکھا ہے نہ کہ اپنی طرف سے۔ (۱)

باب الابواب و الغلق للكعبة

بعض علماء نے مساجد کے دروازے بند کرنے کو منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ **ومن اظلم ممن منع مساجد الله** میں داخل ہے، لیکن امام بخاری اس باب سے اس کا جواز ثابت فرمارہے ہیں کہ اگر غلق باب مسجد کی حفاظت یا اور کسی مصلحت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔

لو رأيت مساجد بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ:

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے زمانے میں مساجد کے اندر دروازے لگاتے تھے۔ **وفيهم القدوة۔**

ثم اغلق الباب:

یہاں پر دروازے بند کردینے کی وجہ سے **منع الناس عن الدخول** ہوا مگر مصلحت کی بناء پر تھا معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بمصلحت جائز ہے۔ اور یہ بند کرنا جب کعبہ میں جائز ہے تو مسجد میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ بند اس لئے کیا تھا کہ اس میں ہجوم نہ ہوگا اور اس کو سکون قلبی حاصل ہوگا۔

باب دخول المشرک فی المسجد

حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک جائز ہے اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز، شوافع کے نزدیک مسجد حرام میں ناجائز ہے۔ اور اس کے ماسوا میں جائز ہے اور بظاہر ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ انہوں نے ترجمہ میں کوئی قید ذکر نہیں فرمائی۔ مانعین **انما المشركون نجس فلايقربوا المسجد الحرام** سے استدلال کرتے ہیں۔ مجوزین کہتے ہیں کہ اس سے نجاست اعتقاد مراد ہے نہ کہ نجاست جسم۔

---

(۱) باب الخوخة و الممر فی المسجد: ایک ورق پہلے یہی باب گزر چکا یعنی باب المرور فی المسجد اور تمہیں معلوم ہے کہ اگر لفظوں میں فرق ہو اور مفہوم ایک ہی ہو تو یہ تکرار کہلاتا ہے۔ اور بخاری میں تکرار ہے نہیں۔ اس اشکال کے چند جوابات ہیں۔ اول یہ کہ پہلے مستقلاً ذکر فرمایا تھا اب تبعاً ذکر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ وہاں مرور بالنبل مراد تھا یہاں مطلق مرور مراد ہے مگر اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ مرور بالنبل میں مرور مطلق بھی پایا جائے گا تو پھر بھی تکرار باقی رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قید اور اطلاق سے بھی فرق پیدا ہوجاتا ہے۔

باب رفع الصوت فی المساجد

رفع صوت کی ممانعت بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ اسی بناء پر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اس کے برخلاف بہت سی روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے چونکہ روایات مختلف ہیں اس لئے امام بخاری نے کوئی حکم نہیں لگایا۔ صرف دونوں کی طرح کی روایات ذکر کردیں۔ اور علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے پہلے نہی کی روایت ذکر فرمائی اور پھر جواز والی۔ تو جواز والی روایت نہی کی طرف پھیری جاسکتی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ رفع صوت مطلقا منع ہے۔ اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے جلدی سے نکل کر ہاتھ سے اشارہ فرمادیا تاکہ مسجد میں آواز بلند نہ ہو۔ (۱)

باب الحلق والجلوس فی المسجد

مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ مالی راکم عزین ۔ اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ نهی عن الحلق فی المسجد یوم الجمعة ۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے۔ لعن الله من جلس وسط الحلقة ۔ ان روایات کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد کے اندر حلقہ بنا کر بیٹھنا ناجائز ہے۔ ممکن ہے کہ امام بخاری نے ان روایات پر رد فرمایا ہو جن سے نہی معلوم ہوتی تھی اور علماء موجہین فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے باب سے تنبیہ فرمائی ہے کہ جن روایات کے اندر نہی آئی ہے وہ اپنے عموم پر نہیں ہیں۔ لہٰذا عزین والی روایت اس پر محمول ہے کہ اس طور پر بیٹھنے سے انتشار ہوتا ہے اور مقصود اجتماع ہے۔ اس لئے اس سے منع فرمادیا۔ اسی طرح ابوداؤد کی روایت جمعہ کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ حلقہ بنانا اصطفاف مقصود کے اندر مخل ہے اور وسط الحلقہ بیٹھنا چونکہ متمسخرین کا طریقہ ہے اس لئے اس سے منع فرمادیا۔

سال رجل النبی ﷺ وهو علی المنبر:

اور جب حضور ﷺ منبر پر تھے تو لوگ آس پاس حلقہ کئے ہوئے ہی بیٹھے ہوں گے۔

فاستحیا فاستحی الله منه:

میں کتاب العلم میں اس روایت پر مفصل کلام کرچکا ہوں اور وہاں میں نے اس کے دو مطلب بیان کئے تھے۔

---

(۱) باب رفع الصوت فی المساجد: مسجد کے اندر رفع صوت مکروہ ہے لیکن علمی بات کے لئے یا تقریر کے لئے اگر رفع صوت کی ضرور پڑ جائے تو جائز ہے۔ اس باب کے اندر بھی مصنف نے کوئی حکم نہیں لگایا اور روایات باب میں دونوں نوع کی ذکر فرمائی ہیں اور عدم ضرورت عدم جواز پر محمول ہے جن سے جواز و عدم جواز معلوم ہوا اور جمع دونوں روایات میں یہ ہے کہ ایک ضرورت پر محمول ہے حدثنا علی بن عبدالله اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل نقل کیا گیا ہے کہ فحصبنی رجل کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اتنے زبردست جهوری الصوت ہونے کے مجھے مسجد میں آواز نہیں دی بلکہ کنکری کے اشارہ سے بلایا اور نیز جو آدمی گفتگو فرما رہے تھے ان کو دھمکی دی۔ اس سے کراہت رفع صورت کا علم ہوا۔ اور دوسری روایت میں ہے فارتفعت اصواتهما کے باوجود حضور ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی اس سے عدم کراہت پر استدلال ہوسکتا ہے لیکن محققین حضرات کی رائے ہے کہ دراصل یہ روایت اخری بھی روایت اولیٰ ہی کی طرف راجع ہے یعنی اس سے بھی کراہت مفہوم ہو رہی ہے اس وجہ سے کہ اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔ لیکن خود آپ ﷺ نے باوجود ضرورت کے کلام نہیں فرمایا بلکہ اشارہ سے ان دونوں کے درمیان صلح فرمادی تو گویا امام بخاری کا میلان کراہت رفع صوت کی طرف ہے۔ (س)

باب الاستلقاء فی المسجد

یہ آداب میں سے ہے۔اس کی طویل بحث کتاب الآداب میں آئے گی، یہاں غرض ابوداؤدوغیرہ کی ان روایات پر رد کرنا ہے جن میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔علماء موجہین فرماتے ہیں کہ استلقاء فی نفسہ جائز ہے جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ نہ لیٹے اور یہی ابوداؤدوغیرہ کی روایت کا محمل ہے اور میرے حضرت نوراللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ استلقاء کی صورت میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونے کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ پیر پھیلے ہوئے ہوں اور پاؤں پر پاؤں رکھ لے اور دوسری صورت یہ ہے کہ پاؤں موڑ کر گھٹنے پر دوسرا پاؤں رکھ لے۔ پہلی صورت تو جائز ہے اور روایات جواز کا محمل ہے اور دوسری صورت روایات نہی کا محمل ہے۔ نہی اس لئے فرمائی گئی کہ اس میں کشف عورت کا احتمال ہوتا ہے اور بعض حضرات نے فرق کیا ہے کہ اگر لنگی چھوٹی ہو تب تو منع ہے ورنہ نہیں۔ (۱)

باب المسجد یکون فی الطریق

شارع عام کے اندر جو کسی کی مملوک نہ ہو اور اس میں کسی کا ضرر نہ ہو اور وہاں مسجد بنادی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

فابتنی مسجدا بفناء داره :

یہ روایت ابواب الہجرۃ کے اندر پوری تین صفحے پر آئے گی اور کتاب الکفالۃ میں ایک صفحہ کا ٹکڑا آئے گا۔ مختصراً اتنا سن لو کہ جب مشرکین مسلمانوں کو طرح طرح ستانے لگے تو کچھ مسلمانوں نے ہجرت کا ارادہ کرلیا اور جانے لگے۔ چونکہ حبشہ کا بادشاہ رحم دل تھا۔ اس لئے وہیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جارہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا اور نکل پڑے۔ راستہ میں ابن الدغنہ ملا جو اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا کہ ابوبکر! کہاں جارہے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلادیا، کہنے لگا تم جیسا آدمی نہیں جاسکتا۔ تم صلہ رحمی کرتے ہو۔ غریبوں کی خیر وخبر لیتے رہتے ہو۔ میرے ساتھ چلو تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاسکتا۔ عرب میں دستور تھا کہ اگر کوئی کسی کو پناہ دیدیتا تو پھر اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ اور اگر کوئی کرتا تو پھر اس کی لڑائی اس پناہ دینے والے کے سارے قبیلے سے ہوجاتی تھی۔ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس لے آئے، اور ادھر ادھر پھر کر سب کو خبر دی کہ میں نے ابوبکر کو پناہ دی ہے۔ اب ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ قریش نے جب سنا تو کہنے لگے ہمیں تمہارے امان دینے سے کوئی انکار نہیں۔ ابوبکر شوق سے رہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ابوبکر جب قرآن پاک پڑھتے ہیں تو بہت زیادہ روتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے بچے اور ہماری عورتیں ہم سے پھر نہ جائیں۔ اس لئے کہ عورتوں اور بچوں کا دل بہت نرم ہوتا ہے۔ لہٰذا اے ابن دغنہ! تم یہ شرط لگادو کہ وہ قرآن اپنے گھر کے اندر پڑھا کریں۔ اس نے آکر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً تو منظور کرلیا۔ مگر کب تک اللہ کا ذکر چھپاتے۔ دروازے کے سامنے مسجد بنالی۔ اور اس میں قرآن پڑھتے رہے۔ قریش نے اس کی شکایت ابن دغنہ سے کی وہ

---

(۱) باب الاستلقاء فی المسجد: سنن کی ایک روایت میں استلقاء فی المسجد واضعا رجليه علی الاخری کی ممانعت آئی ہے لیکن یہ باب منعقد فرما کر جواز ثابت فرماتے ہیں اور ان روایات پر رد فرماتے ہیں اور علماء موجہین نے دونوں کے اندر جمع فرمادیا کہ محرم ومبیح میں جب تعارض ہو تو محرم راجح ہوتا ہے۔ لہٰذا سنن کی روایت راجح ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جب ان روایات میں نص موجود ہے اس لئے اگر اس ترجمہ کو بیان جواز کے لئے مانا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (کذا فی التقریرین)

آیا اور آکر اپنی شرط یاد دلائی اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا امان واپس دیدیا۔ یہ قصہ میں نے اختصاراً بیان کر دیا۔ مفصل کتاب الکفالہ میں آئے گا۔

باب الصلوٰة فی مسجد السوق

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک کے اندر آیا ہے شر البقاع اسواقھا اور بالکل یہی بات ہے۔ لہٰذا اگر کسی ضرورت سے جائے تو بقدر ضرورت وہاں ٹھہرے اور پھر چلا آوے۔ جیسے بیت الخلاء میں آدمی اتنی ہی دیر ٹھہرتا ہے جتنی اس کو حاجت ہو۔ تو اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ سوق کے اندر نماز نہ پڑھی جائے۔ حضرت امام بخاری نے اس باب سے اس کا جواز ثابت فرمادیا اور یہی اقرب ہے۔ علامہ عینی نے حافظ کے کلام کو رد فرمادیا مگر کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ مساجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت بہت آئی ہے۔ اور بعض روایات میں لاصلوۃ لجار المسجدا لافی المسجد بھی وارد ہے۔ تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ غیر مسجد میں جار مسجد کی نماز نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے امام بخاری اس کا جواز ثابت فرماتے ہیں۔ مسجد سوق میں اگر چہ وہ حقیقۃً مسجد نہیں ہوتی ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حنفیہ پر رد ہے اس لئے کہ مسجد شرعی ان کے نزدیک وہ ہے جس میں اذن عام ہو اور مسجد سوق میں عام اجازت نہیں ہوتی، اور بازار کی مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جو گھر میں بنالی جائے۔ امام بخاری نے جواز ثابت فرمایا ہے کہ مسجد سوق مسجد شرعی ہوسکتی ہے۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے واسطے مسجد اصطلاحی کا ہونا ضروری نہیں اس کے لئے مسجد لغوی کے اندر بھی نماز پڑھنا جائز ہے اور یہ سب سے اقرب ہے۔

وصلی ابن عون فی مسجد الخ:

علامہ کرمانی اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ابن عون کے اثر کا کوئی تعلق ترجمہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ باب تو صلوٰۃ فی مسجد السوق کے بیان میں ہے اور ابن عون کا اثر مسجد البیت کے بارے میں ہے۔ مگر میرے والد صاحب نے ترجمہ کی جو غرض بتلائی ہے اس صورت میں ابن عون کا قول ترجمہ سے غیر متعلق نہیں رہتا۔

کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ غرض یہ ہے کہ نماز کے واسطے مسجد اصطلاحی کا ہونا ضروری نہیں، کیونکہ مسجد اصطلاحی وہ کہلاتی ہے جس میں اذن عام ہو اور مسجد سوق میں اذن عام نہیں ہوتا۔ کیونکہ سوق جب بند ہوگیا تو مسجد بھی بند ہوگئی۔ اس لئے کہ سوق سے مراد مسقف مدور ہے جیسے گوشت کی مارکیٹ۔

صلوۃ الجمیع تزید علی صلوۃ:

اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ فی السوق جائز ہے کیونکہ جب جماعت کی نماز صلوۃ بیت اور صلوٰۃ سوق پر پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ جو اصل صلوٰۃ ہے وہ ان دونوں کے اندر بھی موجود رہتا ہے۔ اب یہاں ایک بحث پچیس درجے اور ستائیس درجے کی ہے۔ اس پر کلام ابواب الجماعۃ میں آئے گا کیونکہ وہاں دونوں قسم کی روایات آئیں گی۔ (۱)

---

(۱) باب الصلوٰۃ فی مسجد السوق۔ ترجمۃ الباب کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط جو ان کے بیٹوں کے نام ہے اس کے اندر یہ ہے کہ اپنے گھروں کے اندر مساجد بناؤ تو یہاں سے بتلاتے ہیں کہ بازار اور گھروں کے اندر مساجد بنانی چاہئیں اور ان کے اندر کبھی نماز پڑھتے رہنا چاہئے۔ روایت میں جو ایک لفظ آیا ہے۔ صلوٰۃ فی سوقہ تو امام بخاری کا استدلال اپنے ترجمہ پر اسی سے ہے۔ (س)

باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ

چونکہ ابوداؤدوغیرہ سنن کی روایات میں ہے اذا عمد احدکم الی المسجد فلا یشبکن یدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبیک جائز نہ ہوتو امام بخاری نے اس کا جواز ثابت فرمادیا۔علمائے موجہین فرماتے ہیں کہ سنن کی روایات اور بخاری کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔اس لئے کہ بخاری شریف کی روایت نفس تشبیک پر محمول ہے اور وہ جائز ہے اور سنن کی روایت مشی الی المساجد پر محمول ہے کیونکہ جب مصلی مسجد کی طرف جاتا ہے تو وہ مصلی ہی کے حکم میں ہوتا ہے اور مصلیٰ تشبیک سے ممنوع ہے تو چونکہ وہ مصلیٰ کے حکم میں ہے۔اس لئے اس پر مصلیٰ کا حکم عائد کردیا گیا۔

شبک النبی ﷺ اصابعہ:

یہ روایت مجمل ہے وقال عاصم بن علی سے اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

سمعت ھذا الحدیث من ابی :

عاصم یوں کہتے ہیں کہ جیسے یہ حدیث میں نے واقد سے سنی اسی طرح اپنے والد صاحب۔سے بھی یہ سنی ہے مگر مجھ کو وہ ترتیب یاد نہ رہی جو والد صاحب نے بیان فرمائی کہ پہلے کیا بیان کیا تھا اور پھر کیا بیان فرمایا۔عن ابیہ کے اندر ابیہ کی ضمیر واقد کی طرف راجع ہے۔

اذا بقیت فی حثالۃ من الناس بھذا:

یہ ابواب الفتن کی روایت ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تشبیک فرما کر اشارہ کردیا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب کہ اچھے اور برے کی تمیز نہ ہو سکے گی اور سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔

ان المؤمن للمؤمن کالبنیان:

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن مومن کے واسطے عمارت کی طرح ہے کہ بعض کو بعض کے ساتھ تقویت ہوتی ہے۔ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں جیسے دیوار کی اینٹیں کہ جب تک ان کے اندر تشبیک کی صورت رہتی ہے تو قوت رہتی ہے۔اور اگر یہ بات نہ ہو بلکہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ رکھ دی جائے تو ایک دم گر جائے گی۔ احدی صلواتی العشی، الظھر والعصر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ظہر مشہور ہے اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں عصر ہے۔محدثین دونوں کو ایک ہی واقعہ پر حمل کرتے ہیں مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وحدت پر حمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ سہو متعدد بار ہوا ہے۔

قال ابن سیرین قد سماھا ابوھریرۃ:

ظاہر یہ ہے کہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تو صلوٰۃ الظہر ہے اور روایت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں عصر کا ذکر ہے کما مر۔

کانہ غضبان:

چونکہ نماز کے اندر سہو واقع ہوا جس کا اثر قلب اطہر پر پڑا۔اور وہ اثر چہرہ سے ایسا ظاہر ہوا جیسے کہ حضور پاک ﷺ کو غصہ آرہا ہو، میں نے اس سے پہلے بھی کہا تھا کہ جو جتنا حسین ہوتا ہے اتنا ہی جلدی تاثر اس کے چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے اور پھر حضور ﷺ کے حسن کا تو کیا پوچھنا۔

وضع يده اليمنى:

وضع يده اليمنى سے لے کر على ظهر كفه اليسرى تک کی جو تشکیل (حضرت نے فرمائی وہ) یہ ہے کہ اولاً داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے کف کی پشت پر رکھے اور انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال لیا جائے اور پھر داہنے رخسارے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر اس طرح رکھے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں تو بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں رہیں۔ مگر ہتھیلی بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی طرف کو ذرا سی الگ ہو۔ والله اعلم

فهاباه ان يكلماه:

اس لئے کہ جس کو جتنا زیادہ بزرگوں سے قرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ ان سے خوف بھی ہوتا ہے۔

قال لم انس ولم تقصر:

حضور اکرم ﷺ نے لم انس اس لئے فرمایا کہ بھولنے والے کو یہ یاد نہیں رہتا کہ مجھ کو بھول واقع ہوئی یا نہیں اور قصر ہوا یا نہیں۔ تو حضور ﷺ نے اپنے ظن کے مطابق فرما دیا۔

فقال اكما يقول ذو اليدين:

حضرت ذوالیدین کے فرمانے کے بعد حضور ﷺ نے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تصدیق فرمائی کہ ذوالیدین جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہ روایت ابواب السہو اور کلام فی الصلوٰۃ میں آئے گی۔ اور ان مسائل پر کلام وہی ہوگا۔

فربما سألوه ثم سلم:

یہ ابن سیرین کے شاگرد کا مقولہ ہے کہ ابن سیرین سے لوگوں نے پوچھا کہ پھر حضور ﷺ نے اس کے بعد سلام بھی پھیرا؟ تو انہوں نے فرمایا ان عمران بن حصين قال ثم سلم۔ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تو نہیں مگر مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے ثم سلم۔ (۱)

باب المساجد التي على طرق المدينة

شراح فرماتے ہیں کہ غرض چونکہ حضور اکرم ﷺ کے حالات کو بیان کرنا ہے اس لئے حضور ﷺ کے اسفار کے راستے کا حال بھی بیان فرما دیا اور مساجد چونکہ اہم تھیں اس لئے ان پر ترجمہ باندھ دیا۔

اور میرے نزدیک امام بخاری نے اس باب سے ایک اہم مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مشاہد اکابر سے استبراک جائز ہے یا نہیں؟ استبراک بمشاہد الاکابر میں دو فریق ہو گئے۔ ایک نے تو بالکل افراط کر دی جیسے مبتدعین اور دوسرے نے بالکل تفریط کر دی

---

(۱) باب تشبيك الاصابع : وقال عاصم بن علی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عاصم بن علی فرماتے ہیں کہ ہم سے اس کو عاصم بن محمد نے بیان کیا اپنے باپ سے لیکن وہ اس کے الفاظ بھول گئے تھے۔ تو انہوں نے اپنے بھائی واقد بن محمد سے اس کی توثیق اور تقویم کرائی کہ میں نے اس کو اپنے باپ سے سنا تھا تم کو بھی یاد ہے تو انہوں نے توثیق فرمائی اور کہا کہ میرے باپ بیان کیا کرتے تھے تو گویا اس حدیث کی سند اگرچہ عاصم بن محمد سے ہے لیکن وہ چونکہ بھول گئے تھے تو اس لئے اپنے بھائی سے پوچھ کر اس حدیث کو بیان فرمایا۔ اذا بقيت في حثالة من الناس حثالہ کہتے ہیں بھوڑ کو یعنی وہ کباڑ اور چوکر جو آٹا چھاننے کے بعد چھلنی میں رہ جاتا ہے اور مطلب یہ تھا کہ جب سب لوگ خلط ملط ہو جائیں گے اس وقت تو کیا کرے گا؟ (س)

جیسے وہابیہ نجدیہ اور ہم اہل دیوبند ان کا طریقہ یہ ہے کہ عقائد کے اندر تو وہابی اور اعمال کے اندر مبتدعین کے ساتھ ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس طرح نہیں کرتے جس سے ان بزرگوں کی شان میں کسی قسم کی گستاخی ہو بلکہ جو ادب ہے اس کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ حضرات کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جو کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔

اب یہ سنو! کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استبراک کے مسئلہ میں بہت زیادہ سخت واقع ہوئے تھے۔ وہابیوں کے قریب قریب تھے حتی کہ اس درخت کو بھی کٹوا دیا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں نے برکت کی نیت سے وہاں اس درخت کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اس پر فرمایا کہ اب درخت کی عبادت ہوگی یہ کہہ کر کٹوا دیا۔ اسی طرح جب حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے گئے تو اولا فرمایا کہ **انی اعلم انک حجر لاتضر ولا تنفع لولا انی رایت رسول الله ﷺ قبلک ماقبلتک ثم قبل** اس کے برخلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالکل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضد تھے۔ جہاں بھی حضور اکرم ﷺ نے کوئی کام کیا وہیں وہ کام حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کرنا چاہتے تھے۔ حتی کہ اگر کسی جگہ حضور ﷺ نے پیشاب کیا تو حضرت ابن عمر بھی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے گو اس وقت حاجت نہ ہو رہی ہو۔ حضرت امام بخاری نے حضرت ابن عمر کے طریقہ کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے استبراک ثابت ہے جیسا کہ حضرت عتبان کی روایت میں گزر چکا کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ سے آکر عرض کیا کہ حضور ﷺ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ لیں میں اسی کو اپنے لئے نماز گاہ بناؤں گا تو یہ استبراک ہی ہوا۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے بالوں سے استبراک کرتے تھے کہ اس کو پانی میں ڈال کر استشفاء کرتے تھے۔

ویحدث ان اباه:

یہ مقولہ موسیٰ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سالم بن عمر یہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امکنہ میں نماز پڑھتے تھے انہوں نے جہاں حضور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

وحدثنی نافع:

اس روایت کو ذکر فرما کر موسیٰ نے یہ بتلا دیا کہ جیسے سالم نے اپنے باپ سے یہ نقل کیا ہے اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مولی حضرت نافع نے بھی ان سے یہی نقل کیا ہے تو اس سے سالم کی روایت کو تقویت ہوگئی کہ صرف وہی نہیں بیان کرتے بلکہ اور بھی بیان کرتے ہیں، ان دونوں کی روایات میں یہاں صرف اس مسجد میں اختلاف ہے جو کہ شرف روحاء پر واقع ہے جیسا کہ بخاری میں آرہا ہے۔

الاانهما اختلفا فی مسجد بشرف الروحاء:

اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ کس جگہ پر ہے۔

هبط من بطن واد:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں نزول فرماتے تھے بلکہ نیچے اترنے کے معنی میں چلتے ہوئے۔

فدحافیه السیل بالبطحا:

پس رو نے اس میں کنکریاں لا کر ڈال دیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب رو چلتی ہے تو کوڑا کرکٹ اور ریت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ سے تیسری جگہ۔

حتی دفن ذلک المکان الذی کان عبداللّٰہ یصلی فیه:

ہاں اس کی محاذات باقی رہ گئی ہے یہاں تک کہ پہلی منزل ہوگئی۔ وان عبداللّٰہ بن عمر نافع نے یہ جملہ آٹھ جگہ ذکر کر کے آٹھ منزلیں گنوائی ہیں۔

وانت ذاهب الی بکه:

اس جملہ کی قید اس وجہ سے لگائی کہ ان اشیاء میں دایاں بایاں اضافی ہے۔

بینه وبین المسجد رمیة بحجر:

چونکہ ان حضرات کے یہاں تیر اندازی کا مشغلہ تھا۔ نشانہ بازی ان کا کھیل تھا۔ اس لئے انہیں ایک مقدار بعد کی معلوم تھی اس لئے کہیں تو رمية الحجر کہہ دیا اور کہیں رمية بسهم بول کر ایک خاص مقدار مراد لیتے تھے۔

العرق:

یعنی چھوٹی سی پہاڑی۔

کان یترک عن یساره وورائه:

یعنی اس مسجد کو بائیں جانب چھوڑتے تھے اور اس سے آگے بڑھ کر پھر پڑھتے تھے۔

تحت سرحة ضخمة:

سرحہ کہتے ہیں بڑے موٹے اور چوڑے درخت کو، ضخمہ سے اس کی مزید تاکید کر دی۔

وانت ذاهب الی هضبة:

ہضبہ اس پہاڑی کو کہتے ہیں جو اونچی نہ ہو۔ رضم من حجارة: چھوٹے چھوٹے سفید پتھروں کو رضم کہتے ہیں۔ عندسلمات الطریق۔ راستہ کے کیکروں کے پاس۔ هرشی ایک جگہ کا نام ہے۔ بکراع شی ای بطرفة۔ مرّ الظهران ایک جگہ کا نام ہے۔(۱)

---

(۱) باب المساجدالتی علی طرق المدینة۔ عرب کا پہلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ اگر منزل بڑی ہوتی تو ظہر کی نماز پڑھ کر چلتے ورنہ عصر کی نماز کے بعد چلتے تھے اور صبح سے دو پہر تک کسی جگہ آرام کر لیا کرتے تھے اور مکہ سے مدینہ کا سفر تقریبا دس، بارہ دن کا ہے درمیان میں آٹھ منزلیں ہوتی تھیں۔ حدثنی نافع عن ابن عمر۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو شاگرد بہت خصوصی ہیں۔ ایک ان کے صاحبزادے حضرت سالم اور ایک ان کے غلام حضرت نافع اور دونوں بہت کثیر الروایات ہیں اور عام طور سے ہمیشہ ایک دوسرے کی موافقت ہی احادیث میں کرتے ہیں۔ صرف چار حدیثوں میں ان دونوں کا اختلاف ہے کہ سالم ان چاروں کو مرفوعا اور نافع موقوفا نقل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب میں متحد ہیں۔ اب ایک بات اسی جگہ سن لو وہ اگرچہ کتاب الحج میں بھی آئے گی، وہ یہ کہ حضور ﷺ نے جو ان مقامات پر نمازیں پڑھی =

باب سترة الامام سترة لمن خلفه

جب جماعت سے نماز ہو رہی ہو تو صرف امام کے سامنے سترہ ہونا کافی ہے ہر ہر شخص کے لئے مقتدیوں میں سے سترہ ہونا ضروری نہیں۔ یہ اجماعی مسئلہ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ سترة الامام سترة لمن خلفه ہے یا امام کا سترہ تو وہ لکڑی ہے اور امام قوم کا سترہ ہے اس میں علماء کے دونوں قول ہیں۔

يصلي بالناس بمنى الى غير جدار:

روایت گزر چکی اس کے مطلب میں اختلاف ہے بعض علماء کی رائے ہے کہ بالکل سترہ نہیں تھا۔ چنانچہ بیہقی نے اس روایت پر ترجمہ باندھا ہے۔ باب الصلوة بمنى من غير سترة اور دوسرا قول یہ ہے کہ سترہ تو تھا مگر جدار نہیں تھی، یہی بخاری کی رائے ہے۔

فمرت بين يدى بعض الصف الخ:

کیونکہ سترة الامام سترةلمن خلفه ہے اور امام بخاری نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ سترة الامام سترة لمن خلفه ہے۔

فلم ينكر ذلك على احد:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حمار وغیرہ قطع صلوٰۃ کا سبب ہوتے ہیں یہ درست نہیں۔ میں نے گدھی چھوڑ دی۔ چرتی رہی کسی نے نکیر نہیں کی۔ اب اگر سترہ تھا تو پھر استدلال نہیں ہوسکتا۔ اور اگر نہیں تھا جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی رائے ہے تو پھر واضح ہے۔

امر بالحربة فتوضع بين يديه الخ:

ثبت بذالک سترة الامام ولما لم توضع للناس ولو وضعت لذكرت فلمالم تذكر ثبت ان سترة الامام سترة لمن خلفه (فمن ثم اتخذها الا مراء)

= ہیں، وہ حجۃ الوداع کے موقع پر پڑھی ہیں۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ مدینہ سے کب چلے۔ چوبیس، پچیس، چھبیس ذیقعدہ جمعرات، جمعہ، شنبہ یہ تینوں قول ملتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ شنبہ کے دن چلے ہیں اور چھبیس ذیقعدہ تھی۔ اگر مہینہ تیس کا ہے اور پچیس ذیقعدہ تھی اگر مہینہ انتیس کا ہے اور یہ اس لئے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ چار ذی الحجہ بروز اتوار چاشت کے وقت مکہ کے اندر داخل ہوئے اور مدینہ سے مکہ تک کل آٹھ منزلیں ہیں تو گویا درمیان میں آٹھ دن لگے ہیں یعنی شنبہ سے شنبہ تک اور یکشنبہ کی چاشت کو آپ مکہ میں داخل ہوئے اور بجائے جمعہ کے شنبہ میں نے اس لئے اختیار کیا کہ روایت کے اندر آتا ہے کہ جب حضور ﷺ تشریف لے چلے تو ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت ادا فرمائی اور عصر کی نماز دو رکعت ذی الحلیفہ کے اندر ادا فرمائی تو اگر جمعہ کا دن ہوتا تو چار رکعت ظہر کی کیسے ہوسکتی ہیں بطن پست زمین، علو اونچی زمین۔ بطحا، کنکریلی زمین، شفیر کنارہ، کثب ریت کے ٹیلے، شرف الروحاء یہ دوسری منزل ہے پہلی منزل ذوالحلیفہ ہے، حافہ کنارہ، رمیۃ بحجر ایک پتھر پھینکنے کی مقدار، العرق چھوٹی پہاڑی، منصرف موڑ، رویثہ تیسری منزل کا نام ہے سرحۃ بہت بڑا کیکر کا درخت وجاہ مقابلہ، بطح ہموار وسیع، بریدالرویثہ رویثہ میں ڈاک گھر، عرج چوتھی منزل کا نام ہے، قلعہ چھوٹا ٹیلہ ہضبۃ عرج کے قریب چھوٹا سا گاؤں ہے۔ رضم بڑے بڑے پتھر۔ سلمات کیکر کی جمع، ہرشی پانچویں منزل کا نام ہے، مسیل رو جس میں بارش کا پانی چلتا ہے۔ کراع کنارہ، غلوۃ ایک تیر پھینکنے کی مسافت کے برابر، ظہران چھٹی منزل کا نام ہے، صفراوات صفراوا کی جمع ہے بمعنی وادی، ذی طوی مکہ سے ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر چھٹی منزل کا نام ہے۔ (کذا فی تقریرین)

یعنی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تو اس غرض کے واسطے ہوتا تھا کہ اگر نماز کی ضرورت ہو اور کوئی سترہ نہ ہو تو اس کو گاڑ کر سترہ بنالیں۔ کہیں استنجا کی ضرورت ہو تو زمین نرم کرلیں۔ ڈھیلے توڑ لیں مگر اس کو اصل قرار دے کر ان امراء نے اختیار کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں میں حربہ لیکر چلتے تھے۔ اور امراء سے مراد امراء بنوامیہ ہیں۔ خلفائے راشدین مراد نہیں اور یہ نکیر فرماتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بہت سی باتوں کی اصل ہوتی ہے مگر اس میں افراط کی بناء پر علماء سد اللباب منع فرمادیتے ہیں کہ ابتداء وہ باتیں عارضی ہوتی ہیں اور پھر لوگ اس کو معلوم نہیں کس حد تک پہنچادیتے ہیں۔ (۱)

باب قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی و السترة

مصلی اسم فاعل من التفعیل و اسم ظرف منہ پڑھا گیا ہے۔ چونکہ سترہ نماز پڑھنے والوں اور گزرنے والوں دونوں کی سہولت کے لئے ہوتا ہے اس لئے مصلی کو سترہ سے بہت دور نہ کھڑا ہونا چاہیے بلکہ قریب کھڑا ہونا چاہئے۔ اب مقدار کیا ہو؟ اس کو امام بخاری بیان فرماتے ہیں، میں نے یہ کہا ہے کہ مصلی اسم فاعل اور مصلی اسم ظرف دونوں پڑھے گئے ہیں، تو جمہور تو اس کو علی بناء الظرف پڑھتے ہیں اور ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی جگہ اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے اور مالکیہ اس کو فاعل کے وزن پر پڑھتے ہیں ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کے درمیان اور سترہ کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہیے جمہور کے نزدیک چونکہ اسم ظرف ہے اس لئے روایت سے معلوم ہوا کہ جتنی دور کے اندر مصلی سجدہ کرتا ہے اس کو چھوڑے پھر ایک ممر شاۃ ہونا چاہئے اور مالکیہ کے نزدیک نمازی اور سترہ کے درمیان ممر شاۃ کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ اب سجدہ کیسے کرے وہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کے وقت پیچھے ہٹ جائے جیسے حضور ﷺ منبر سے نیچے اترے تھے سجدہ کرنے کے لئے۔

---

(۱) باب سترة الامام سترة لمن خلفه۔ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی روایت غیر بخاری کی ہو لیکن مضمون اس کا صحیح ہو تو ان مضامین کی تقویت کرتے ہیں اور جن روایات کے مضامین درست نہ ہوں ان پر رد کرتے جاتے ہیں۔ باب کی یہ روایت ابوداؤد کی ہے اور اس روایت کا مضمون ان کے نزدیک صحیح ہے لہذا اس کی تقویت کی وجہ سے دوسری حدیث ذکر فرمادی اور اس حدیث کو ترجمۃ الباب بنادیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ جو سترہ امام کے لیے ہوتا ہے وہی مقتدیوں کے لیے بھی ہوتا ہے یا مقتدیوں کا سترہ امام ہے اس میں دونوں قول ہیں۔ امام بخاری نے اس باب سے بتلادیا کہ مقتدیوں کا سترہ وہی ہے جو امام کا سترہ ہے نہ کہ خود وہ امام سترہ ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلے گا کہ اگر امام اور اس کے سترہ کے درمیان کوئی شے قاطع نکلے تو وہ امام کے لئے مضر ہوگی اور بقیہ مقتدیوں کے لئے مضر نہیں کیونکہ مقتدیوں کا سترہ تو وہ امام خود ہے اور اگر امام اور مقتدی کے درمیان سے گذرے تو مقتدیوں کے لئے مضر ہوگا اور امام کی نماز صحیح ہوگی۔ بمنی الی غیر جدار۔ مسلم شریف میں بجائے منی کے عرفہ واقع ہوا ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ تعدد واقعہ پر محمول ہے اس پر حافظ نے نکیر فرمائی ہے اور کہا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے۔ اور روایات مشہورہ کے اندر صرف منی واقع ہوا ہے لہذا یہی صحیح ہے اور عرفہ شاذ ہے مصنف نے باب باندھ کر بتلادیا کہ حضور ﷺ نے منی کے اندر جدار کے علاوہ کسی اور شے کو سترہ بنا کر نماز پڑھی اور یہی معنی راجح ہیں فمن ثم اتخذها الامراء۔ یہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہیں سے بادشاہوں نے بنالیا۔ بدعتوں کی جو اب موجودہ خرافات ہیں ان کی ابتداء اور اصل بہت اچھی ہوتی ہے لیکن پھر بعد میں ناجائز اور حرام باتیں اس میں داخل ہوجاتی ہیں ان زیادتیوں کی وجہ سے ناجائز کہنا پڑتا ہے۔ عرس کی اصل یہ ہے کہ جب کوئی شیخ مرجاتا تھا تو اس کے سب مرید آپس میں ملاقات کرنے کے لئے شیخ کی تاریخ وفات پر ایک جگہ جمع ہوا کرتے تھے کیونکہ یہ تاریخ انتقال سب کو معلوم ہوتی ہے لیکن اب بعد میں زوائد اس میں داخل ہوگئے جیسے رقص و سرود وغیرہ اس لئے ناجائز ہے۔ (کذا فی تقریرین)

بين مصلى رسول الله ﷺ وبين الجدار ممر الشاة:

جمہور بین مصلی الخ کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں مالکیہ فرماتے ہیں کہ موضع صلوٰۃ سے موضع قیام مراد ہے۔ (۱)

باب الصلوٰة الى الحربة

امام بخاری نے دو باب باندھے ہیں ایک صلوٰۃ الی الحربہ دوسرا صلوۃ الی العنزۃ کا۔ میرے والد صاحب کی رائے ہے کہ چونکہ بعض اقوام ہتھیاروں کی پرستش کرتے ہیں اس لئے شبہ ہوتا تھا کہ ہتھیاروں کا سترہ بنانا ان کی طرف نماز پڑھنا جائز نہ ہو۔ جیسا کہ احناف کے نزدیک آگ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ممنوع ہے تو حضرت امام بخاری نے اس کا جواز ثابت فرمادیا۔

ومعنا عكازة او عصا او عنزة یہاں سوال یہ ہے کہ اوشک کے لئے ہے اور جب شک ہوگیا تو ترجمہ کیسے ثابت ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ جب ہی تو ان اشیاء کے درمیان شبہ ہوا۔ فثبت المطلوب اور میرے نزدیک او تنویع کے لئے ہے کہ کبھی اس کی طرف کبھی اس کی طرف، اب کوئی اشکال نہیں۔ (۲)

باب السترة بمكة وغيرها

ابوداؤد وغیرہ سنن کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مطاف میں باب بنی سہم کے پاس نماز پڑھتے تھے اور طواف کرنے والے حضور ﷺ کے سامنے طواف کرتے تھے اور حضور ﷺ کے سامنے سترہ نہیں ہوتا تھا۔ اس روایت کی تخریج میں علماء کے درمیان اختلاف ہوگیا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مکہ میں بلاسترہ کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں باب باندھا ہے اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے تو حضرت امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا کہ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ مکہ میں سترہ ضروری نہیں بلکہ مکہ میں آپ نے بطحاء کے اندر سترہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ چونکہ حدیث کے اندر ہے الطواف بالبيت صلوة لہٰذا طائفین کی جماعت ایسی ہی ہے جیسی نماز کی جماعت اس لئے وہ مضر نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مسجد کبیر کے اندر سترہ ہونے کی ضرورت نہیں اور مسجد کبیر کی مثال میں یہ حضرات مسجد مکہ اور مسجد مدینہ اور مسجد بیت المقدس کو پیش کرتے ہیں تو چونکہ یہاں مسجد کبیر تھی اس لئے سترہ کی ضرورت نہیں تھی۔

باب الصلوٰة الى الاسطوانة

غرض یہ ہے کہ اگرچہ مسجد کے اندر سترہ کی ضرورت نہیں مگر اولیٰ یہ ہے کہ کسی ستون وغیرہ کے قریب پڑھے۔ کیونکہ اس سے

---

(۱) باب قدر كم ينبغى الخ۔ باب کے اندر جو لفظ مصلی آیا ہے یہ جمہور کے نزدیک اسم ظرف کا صیغہ ہے اور مالکیہ نے اس کو اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے لیکن جو روایت اس باب میں آرہی ہے وہاں اسم فاعل کے صیغہ کا احتمال نہیں کیونکہ وہاں اضافت کے ساتھ مصلى رسول الله ﷺ الخ اس سے معلوم ہوا کہ ترجمۃ الباب کے اندر بھی اسم ظرف ہے تو گویا اب باب کے ذریعہ مالکیہ پر رد فرمادیا۔

(۲) باب الصلوٰة الى الحربة: حربہ کہتے ہیں چھوٹے نیزے کو اور عنزہ بڑے نیزے کو کہتے ہیں۔ اور عکازہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو چرواہے کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے کونہ پر لوہے کا ایک پنجہ سا بنا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے وہ درخت کے پتے اور شاخیں توڑتا ہے۔ اس جگہ او تنویع کے لئے ہے۔ کیونکہ اگر شک راوی ہوگا تو پھر استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

نمازیوں کے نکلنے میں سہولت ہوگی اور یہ وجوب کا درجہ نہیں۔

الاسطوانة التی عندالمصحف:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں نسخ مصاحف جمع کرائے تو مسجد نبوی میں ایک ستون کے پاس رکھ دیئے گئے۔ تاکہ نماز پڑھنے والوں سے جس کا جی چاہے اس میں دیکھ کر پڑھے تو اس ستون کو اسطوانۃ المصحف کہتے ہیں اور بعض نے یہ کہہ دیا کہ حضور ﷺ نے اپنے زمانے میں مصحف رکھوائے یہ غلط ہے۔

یبتدرون السواری عندالمغرب:

اس پر کلام تو وہاں آئے گا جہاں صلوۃ بعد العصر کا ذکر آئے گا یہاں تو صلوٰۃ الی السواری مقصود ہے وھو ثابت۔

باب الصلوة بین السواری فی غیر جماعة

اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ بین السواری مکروہ ہے یا جائز۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ مطلقا مکروہ ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ امام کے لئے جائز ہے اور مقتدیوں کے لئے مکروہ ہے۔ ہاں اگر صف کے اندر کھڑے ہونے میں تنگی ہو تو جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک امام کے لئے مکروہ ہے اور منفرد اور جماعت کے لئے جائز ہے، شافعیہ کے نزدیک مطلقا جائز ہے۔

امام بخاری نے فی غیر جماعة کی قید لگائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اگر کوئی منفرد نماز پڑھے تو اس کے لئے جائز ہے اور جماعت کے اندر سواری کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے اور غالبا اس کی وجہ سنن کی روایت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ دفعنا بین السواری فتقدمنا وتاخرنا وکنا نتقی ھذا علی عھد رسول اللہ ﷺ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بچا کرتے تھے۔ معلوم ہوا ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فتقدمناو تاخرنا کے مختلف معنی ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ سواری کے درمیان ترتیب نہیں تھی۔ لہٰذا کوئی آگے ہوگیا کوئی پیچھے ہوگیا اور حضرت امام بخاری کی غرض میرے نزدیک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر علی قول المحققین وھو نسخة الحاشیه یا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر کماھو فی الحوض میں باب سابق کے اندر گزرا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو بین الساریتین نماز پڑھتے دیکھا۔ تو اس کو ساریہ کے پاس لاکر کھڑا کر دیا۔ اس سے بظاہر وہم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ بین السواری جائز نہ ہو تو امام بخاری نے اس باب سے اس وہم کو دفع کر دیا اور ممکن ہے کہ چونکہ صلوٰۃ بین السواری کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے ممانعت۔ تو امام بخاری نے دونوں کے اندر جمع فرما کر بتلا دیا کہ ممانعت جماعت کی حالت پر محمول ہے اور جواز کی روایات انفراد پر۔

وقال عمو دین عن یمینه:

اس بارے میں کہ حضور اکرم ﷺ نے کعبہ کے اندر کہاں نماز پڑھی؟ روایات مختلف ہیں۔ بعض کے اندر عمودین عن یمینہ ہے اور بعض کے اندر عمودین عن یسارہ ہے اور بعض کے اندر بین العمودین المقدمین ہے۔ محدثین کی رائے ہے کہ روایات میں اضطراب ہے۔ مگر میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی رائے مبارک یہ ہے کہ ان میں اضطراب نہیں ہے بلکہ وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ اس زمانے

میں بہت زیادہ تمدن تو تھا نہیں لہٰذا ستون کے اندر کوئی خاص ترتیب نہیں تھی۔ ایسا ہی تھا جیسا کہ مسجد نبوی کے اندر کھجوروں کو اوپر سے کاٹ کر ستون کا کام لے لیا گیا تھا اور کسی ستون کو آگے کھڑا کر دیا گیا اور کسی کو پیچھے۔ اسی طرح یہاں بھی تھا جس کی صورت یہ تھی۔

حضور اکرم ﷺ بیچ میں جہاں نقطہ لگ رہا ہے اور جن کے نیچے ایک ہندسہ ہے کھڑے تھے تو یمین کے اعتبار سے [۰۱] عمودین میں یمینہ بھی ہو گیا اور یسار کی بھی ہو گئی اور قدام کی بھی اور اس میں روایات متفق ہیں کہ بیت اللہ چھ ستونوں پر قائم تھا۔ (۱)

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور باب بلا ترجمہ کالفصل من الباب السابق ہوتا ہے۔ علامہ عینی وغیرہ کی رائے ہے کہ اس باب سے سواری کا اثبات بطریق التزام کے ثابت فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ باب سابق کے اندر حضور اقدس ﷺ کے قیام فی الکعبہ کو باعتبار عمود کے بتلایا تھا اور یہاں سے قیام باعتبار مسافت کو بیان فرما رہے ہیں کہ کتنا بعد جدار سے تھا؟ اور میری رائے یہ ہے کہ چونکہ روایت سابقہ کے اندر گزرا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فلاں جگہ نماز پڑھی ہے۔ اس سے بظاہر وہم ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس مقام خاص کو کعبہ من حیث الکعبہ ہونے کے اندر کوئی خصوصیت ہو تو حضرت امام بخاری نے اس وہم کو دفع فرما دیا۔ اور دلیل میرے اس قول کی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ارشاد ہے جو اس باب کی روایت کے اخیر میں ہے۔ یعنی **ولیس علی احد نا باس ان صلی فی ای نواحی البیت شاء.** (۲)

باب الصلوٰة الی الرّاحلة والبعیر والشجر والرحل

اس سے امام بخاری یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ حیوان کو سترہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت امام مالک وامام شافعی کی رائے یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ سترہ سے مقصود گزرنے والوں کی سہولت ہے تو اس جانور کا کیا اعتبار جب چاہے اٹھ کر چل دے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ حیوان کا سترہ بنانا جائز ہے انہی میں حنفیہ وحنابلہ بھی ہیں،

حضرت امام بخاری جمہور کی تائید فرما رہے ہیں۔ امام بخاری کا اصل مقصد تو حیوان کے سترہ بنانے کا جواز بیان کرنا تھا اور رحل

---

(۱) باب الصلوٰة بین السواری وفیہ فتقدمنا وتاخرنا ابن رسلان نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ای بقینا موخرا یعنی ہم پیچھے کو ہو گئے میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہاں کے عمود ہموار نہیں تھے اور سب ایک سیدھ میں نہیں تھے اس لئے ہم میں سے بعض موخر ہو گئے اور بعض نے مقدم ہو کر صف سیدھی کر لی۔ اور میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے بعض آگے کی صف اور بعض پیچھے والی صف میں کھڑے ہو گئے۔ غرض کہ بین الساریتین نہیں کھڑے ہوئے۔ آگے چل کر ہے۔ کنا نتقی علی عهد رسول الله ﷺ اسی بناء پر امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے۔ لیکن حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ اور یہ لوگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہ ان کا اپنا مسلک ہو گا یا اس وجہ سے کہ چونکہ عمودین ہموار نہیں ہوتے تھے اور صف بندی نہیں ہو سکتی تھی اس لئے بچتے تھے۔ امام بخاری کا میلان حنابلہ کی طرف ہے اسی وجہ سے فی غیر جماعة کی قید لگا دی۔ (س)

(۲) باب: میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے باب کے اندر عمودین کے درمیان صلوٰۃ کی تصریح تھی اور اس باب والی روایت کے اندر تصریح نہیں عمودین کی۔ اگرچہ مراد وہی ہے اس لئے دونوں حدیثوں کے درمیان فصل کے لئے باب بڑھا دیا۔ اور بعض مشائخ کی رائے ہے کہ اس روایت سے مقصد استبراک ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ میں بھی متبرک جگہ تلاش کی حالانکہ کعبہ خود سب سے زیادہ بابرکت ہے۔ (کذا فی تقریرین)

لکڑی کی ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے شجر کا استنباط فرمالیا اور رحل کو روایت میں ہونے کی وجہ سے ترجمہ میں ذکر فرمایا اور شجر کو استنباطاً۔ بہرحال امام بخاری نے اس سے جمہور کی تائید فرما کر مالکیہ اور شوافع پر رد فرمادیا اور میں بتلا چکا ہوں کہ جو شخص مذاہب ائمہ سے واقف ہوگا اس پر یہ بات بخوبی واضح ہوگی کہ امام بخاری نے جتنا حنفیہ پر رد فرمایا ہے، شوافع پر بھی رد فرمایا ہے۔

افرأیت اذاھبت الرکاب:

ھبت کا ترجمہ شراح قاطبہ ھاجت وتحرکت سے کرتے ہیں۔ لیکن میرے والد صاحب نے اپنی تقریر میں اس کی تغلیط فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ھبت کے معنی ذھبت کے ہیں میرے نزدیک بھی یہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ شراح جو مطلب بیان کرتے ہیں اس سے کوئی بات اچھی طرح سے ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ اب مطلب یہ ہے کہ جب سواریاں حرکت کرنے لگتیں تو رحل کو سترہ بنالیا کرتے تھے۔ یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بخلاف اس مطلب کے کہ جب سواریاں نہیں ہوتی تھیں اور جنگل میں چرنے کے لئے چلی جایا کرتی تھیں تو کجاووں کو سترہ بنالیا کرتے تھے۔

باب الصلوٰة الی السریر

علامہ عینی وعلامہ کرمانی وعلامہ سندی کی رائے ہے کہ الی علی کے معنی میں ہے اور معنی ہیں سریر پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا۔ مگر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ سترہ بنالے اور اس کے بیچ میں کھڑے ہوکر نماز پڑھے اور یہی زیادہ واضح ہے اس لئے کہ اگر الی کو علی کے معنی میں لے لیں تو یہ باب ابواب السترہ کا نہیں رہے گا بلکہ وہاں کا ہوگا جہاں صلوۃ علی السطح وغیرہ کو بیان فرمایا ہے۔

اعدلتمونا بالکلب والحمار:

یہ نکیر نفس قران بیننا وبین الکلب والحمار پر ہے نہ کہ اس کا مطلب وہ ہے جو شراح بیان کررہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورت کے قاطع صلوٰۃ ہونے پر نکیر فرماتی ہیں اور کلب وحمار سے قطع ثابت ہوتا ہے۔ اب وہ اشکال نہیں ہوگا جو شراح باب لا یقطع الصلوٰۃ شیء کے تحت جہاں امام بخاری نے اس روایت کو ذکر فرمایا کرتے ہیں کہ روایت سے تو یہ معلوم ہوا کہ عورت قاطع نہیں ہے اور کلب وحمار قاطع ہیں واللہ التوفیق۔ (۱)

باب لیرد المصلی من مر بین یدیہ

یہ حدیث کے الفاظ ہیں حضرت امام بخاری نے الفاظ حدیث ہی کو ترجمہ گردان دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ لیرد کا امر کیسا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اباحت کے لئے ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک استحباب کے لئے ہے اور ظاہریہ کے نزدیک وجوب کے لئے ہے اور ساری پر آج کل اہل نجد کا عمل ہے تو امام بخاری نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے الفاظ

---

(۱) باب الصلوٰۃ الی السریر وفیہ فیتوسط السریر۔ علامہ عینی نے اپنے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تخت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے اور حافظ فرماتے ہیں کہ تخت کے اوپر بیچ میں نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ تخت سے نیچے کھڑے ہوتے تھے اس طور پر کہ تخت کا وسط آپ ﷺ کے چہرہ کے سامنے رہتا تھا اس پر علامہ عینی نے اعتراض کیا کہ جب حضور ﷺ تخت سے نیچے کھڑے ہوتے تھے تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس جملہ فانسل من قبلی رجلی لکھنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب حافظ نے یہ دیا ہے کہ حضور ﷺ کے احترام کی وجہ سے سامنے سے ہٹ جاتی تھیں۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

حدیث کو ترجمہ قرار دیدیا اور امام بخاری نے جو روایات ذکر کی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ امام بخاری حرمت کے قائل نہیں ہیں تو کم از کم استحباب کے قائل تو ہیں اور آگے امام بخاری نے وفی الکعبہ بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ رد کے اندر کعبہ اور غیر کعبہ دونوں برابر ہیں اور جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں باب ہے کہ مکہ میں سترہ ضروری نہیں یہاں بھی اس پر رد ہے۔

ورد ابن عمر فی التشهد:

جب بالکل اخیر میں رد فرمایا تو کم از کم مستحب ہوگا مالک ولابن اخیک یہ مجاز ہر عرب کے اندر ہے۔ بڑے کو چچا اور چھوٹے کو ابن الاخ کہہ دیتے ہیں۔

فان ابی فلیقاتله:

اوجز کے اندر اس کے آٹھ مطلب ہیں ان سب کی تفصیل وہاں دیکھ لینا حنفیہ چونکہ جواز الدفع کے قائل نہیں اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ نماز کے اندر افعال جائز تھے۔ اور جب وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ آیت شریف نازل ہوئی تو یہ سب منسوخ ہوگئے۔ یہ ایک مطلب ہوا۔ اور مالکیہ قتال کے معنی کو بددعا پر حمل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے قُتِلَ الْخَرّٰاصُوْنَ کے اندر ہے۔ یہ دوسرا مطلب ہے اور اکثر شراح نے اس کو بعد الصلوٰۃ پر حمل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں تنبیہ کرے کیونکہ اعمال کثیرہ نماز کے اندر ممنوع ہیں لکونها مفسدة لها۔ یہ معنی ثالث ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ یہ متمرد پر محمول ہے جو کسی حال میں مانتا ہی نہ ہو۔ یہ معنی رابع ہے۔

باب اثم المار بين يدى المصلى

میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا وہ یہ کہ اس میں اختلاف ہے کہ فلیدفع اور فلیقاتل کا امر کس وجہ سے ہے بعض کی رائے ہے کہ چونکہ یہ موجب قطع خشوع اور سبب وسواس ہے اس لئے امر فرمادیا۔ اس صورت میں اسکا نفع مصلی کی طرف لوٹ جائے گا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو دفع نہ کرے گا تو گزرنے والا مصلی کے سامنے سے گزرے گا جس کی بنا پر گزرنے والا گنہگار ہوگا۔ لہٰذا اس کو اس وبال سے بچانے کے لئے اس کا امر فرمایا۔ جیسے کوئی اندھا جارہا ہو اور آگے کنواں آجائے اور اس اندھے کے اس کنویں میں گرجانے کا احتمال ہو تو اس مصلی کو نماز توڑ دینی ہوگی۔ اسی طرح یہاں چونکہ گزرنے والا ایک بڑے وبال سے گزر رہا ہے لہٰذا اس سے اس کو بچانا ضروری ہے اور اسی واسطے یہ امر فرمادیا۔ امام بخاری رجحان اسی طرف ہے۔

ارسله الى ابى جهيم:

ابوجہیم اور ابوجہم کی روایات تین جگہ آئی ہیں، ایک لباس میں دوسرے مرور میں تیسرے تیمم میں۔ بحث اس پر مستقلا پہلے ہو چکی۔

قال ابو النظر لاادرى اقال اربعين يوما او شهرا اوسنة:

یہاں تو ابو النظر کو شک ہوگیا۔ مگر امام طحاوی نے معانی الآثار میں اربعین خریفا ذکر فرمایا ہے۔ جس سے اربعین سنہ مراد ہے۔

اس لئے کہ موسم خریف سال بھر میں ایک مرتبہ آتا ہے جب چالیس خریف ہو گئے تو چالیس سال بن گئے۔

باب استقبال الرجل الرجل وھو یصلی

فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا جو مصلی کی طرف منہ کئے ہوئے ہو مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں وہم ہوتا ہے کہ مصلی اس کو سجدہ کر رہا ہے اور حضرت امام بخاری کی رائے ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو مگر یہ ان کی رائے ہے جو فقہاء پر حجت نہیں۔ کیونکہ فقہاء ایہام کی وجہ سے منع کرتے ہیں لیکن خود امام بخاری نے صلوۃ الی التصاویر کو مکروہ بتلایا ہے اور وہاں خلوص کا اعتبار نہیں فرمایا۔

وکرہ عثمان ان یستقبل الرجل وھو یصلی:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کراہت منقول ہے اور یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے جمہور کی تائید ہے اور چونکہ یہ مطلق تھا اور امام بخاری اس کے قائل نہیں۔ اس لئے انہوں نے اس کا مطلب بیان فرمادیا۔

وانما ھذا اذا اشتغل به:

یہ امام بخاری کا مقولہ ہے لیکن ان کی رائے ہے اور اپنی تفسیر ہے۔

مابالبیت ان الرجل الخ:

فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ قطع صلوٰۃ اور چیز ہے اور کراہت اور چیز ہے اور عدم قطع سے کراہت کی نفی کہاں لازم آتی ہے۔

فاکرہ ان استقبله الخ:

امام بخاری کا استدلال اس سے اس طرح ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے کراہت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی کراہت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع تو نہیں فرمایا۔ جمہور فرماتے ہیں کہ آپ نے درست فرمایا۔ کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فعل ہے مگر انہوں نے استقبال کہاں کیا جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت کی نوبت آتی۔ وہ تو خود یہ فرما رہی ہیں کہ میں یہ مکروہ سمجھتی تھی اور چپکے سے پیچھے کو کھسک جاتی تھی۔

باب الصلوٰۃ خلف النائم

ابوداؤد شریف میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوۃ خلف المتحدث والنائم او کما قال ۔ اسی وجہ سے امام مالک صلوۃ خلف النائم کو مکروہ فرماتے ہیں اور جمہور کے نزدیک کوئی کراہت نہیں۔ حضرت امام بخاری جمہور کی تائید فرماتے ہیں اور امام مالک پر رد فرماتے ہیں اور ابوداؤد کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ نائم کے سامنے ہونے میں تشویش کا احتمال ہے اس لئے کہ شاید اس کو ضراط وغیرہ خارج ہو تو خشوع میں فرق پڑے۔

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے باب استقبال الرجل الخ اور باب الصلوٰۃ خلف النائم دونوں کے اندر حضرت عائشہ کی روایت ذکر فرمائی ہے تو جب استقبال ہوا تو خلفیت کہاں ہوئی؟ لہٰذا ترجمہ کا ثبوت کیونکر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام

بخاری کے اصول میں استدلال بکل محتمل ہے۔ یہاں بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کراہیۃ ان استقبلہ سے ہواور یہاں اس طور پر کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ظاہر ہے کہ قبلہ کی طرف چہرہ کر کے سوئیں گی تو صلوٰۃ خلف النائم ثابت ہوگیا۔

باب التطوع خلف المرأة

بعض علماء کی رائے ہے کہ عورت کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ مگر ایسا نہیں بلکہ حضرت امام بخاری کا طریقہ ہے کہ جب وہ کسی مشہور شیئ کے خلاف کو ثابت کرنے پر اترتے ہیں تو اس کو مختلف طرق اور مختلف اسالیب سے ثابت فرماتے ہیں۔ اور چونکہ روایات میں ہے یقطع الصلوۃ المرأۃ والکلب والحمار۔ اور امام بخاری کو اس کے خلاف کو ثابت کرنا ہے تو حضرت امام نے اس کو مختلف ابواب کے اندر مختلف طور سے ثابت فرمادیا۔ مثلاً یہاں امام بخاری کا استدلال یوں ہے کہ جب عورت کا مصلی کے مقابل میں پڑا رہنا قاطع نہیں ہے تو مرور تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔

باب من لا یقطع الصلوٰۃ شی

چونکہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے یقطع الصلوٰۃ المرأۃ والکلب والحمار اور نسائی کے اندر المرأۃ الحائض ہے تو حضرت امام بخاری نے یہ باب باندھ کر اس کے خلاف کو ثابت فرمادیا۔ اور چونکہ دونوں روایتوں میں تعارض ہے اس لئے بعض علماء کی رائے ہے کہ قطع الصلوٰۃ والی روایات ابتداء اسلام پر محمول ہیں اور لا یقطع الصلوٰۃ شی متاخر ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ناسخ ہے۔ اور اکثر علماء ومشائخ کی رائے ہے کہ یہ قطع خشوع پر محمول ہے۔ عورت کا قاطع خشوع ہونا ظاہر ہے اور کتے کی عادت یہ ہے کہ وہ زبان لگاتا ہے تو اس سے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں منہ نہ لگادے اور ناپاک نہ کردے۔ اور گدھے کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کوئی چیز دیکھتا ہے ہے اپنے بدن کو اس سے کھجانا شروع کر دیتا ہے اور اس سے تصادم کرتا ہے لہٰذا ڈر ہے کہ مصلی سے آکر نہ لگ جائے۔

باب اذاحمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ جب بچی کا اٹھانا قاطع صلوٰۃ نہیں تو پھر عورت کا گزر جانا تو بدرجہ اولیٰ قاطع نہیں ہوگا۔

وھو حامل امامۃ بنت زینب:

یہ حضور اقدس ﷺ کی نواسی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی اور ان کو اپنے کاندھے پر بٹھا رکھا تھا۔ جب رکوع وسجود میں جاتے تو اتار دیتے اور جب کھڑے ہونے لگتے تو اٹھالیتے اب اس پر یہ اشکال ہے کہ یہ تو عمل کثیر ہے، جو مفسد صلوٰۃ ہے۔ اس کے مختلف جوابات ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ نماز میں عمل کثیر وحرکات کثیرہ جائز تھیں۔ اور میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ حمل کی نسبت حضور اقدس ﷺ کی طرف مجازی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ خود ہی اترتی اور چڑھتی تھیں اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ جب کہ بچہ لاڈلا ہوتا ہے تو کود کر گردن پر چڑھ جاتا ہے۔ تو حضور اقدس ﷺ جب سجدہ میں ہوتے تو آکر بیٹھ

جاتیں، اور قیام تک لیٹی رہتیں اور جب رکوع وسجود میں جاتے وقت گرنے لگتیں تو اتر جاتیں اور پھر سجدہ سے اٹھتے ہی کاندھے پر بیٹھ جاتیں اور میری توجیہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ تعلیم فعلی کے لئے تشریف لائے تھے تو جتنے امور شان نبوت کے خلاف نہیں تھے وہ تو حضور اقدس ﷺ سے کرائے گئے۔ اور جو منافی شان نبوت تھے وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔

اب سنو! حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مفسد صلوٰۃ توالی حرکات فی رکن واحد ہے۔ اور یہاں ایک ہی رکن میں وضع وحمل جاریہ نہیں ہوتا تھا تو عمل کثیر نہیں پایا گیا حضور اقدس ﷺ نے خود اس کو کر کے دکھایا۔

ولابی العاص :

یعنی وہ جیسے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی ہیں حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر کا نام ابوالعاص ہی ہے۔

باب اذا صلى الى فراش فيه حائض

جب کہ صلوٰۃ علی فراش الحائض قاطع نہیں ہے تو مرور حائض تو بدرجہ اولیٰ قاطع نہیں ہوگا۔ روایت الباب قدمرت فی ابواب الثیاب.

باب هل يغمز الرجل امرأته

اگر یہ مسئلہ مس المرأۃ کا ہے تو امام بخاری پر اشکال ہے کہ اس کو یہاں نہ ہونا چاہئے بلکہ ابواب الوضوء میں نواقض کے بیان میں ہونا چاہئے مگر میری رائے ہے کہ امام بخاری یہ ثابت فرمارہے ہیں کہ جب کہ غمز اور ہاتھ سے چھونا اور ہٹانا قاطع نہیں تو مرور تو کیا قاطع ہوگا۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ روایت کے اندر غمز مصرح ہے۔ پھر ترجمہ میں لفظ ھل کیوں لائے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ جہاں کوئی اختلاف وغیرہ ہوتا ہے تو امام بخاری اس کی طرف باب میں لفظ ھل ذکر فرما کر اشارہ کر دیتے ہیں اور چونکہ مس المرأۃ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مفسد وضوء وصلوٰۃ ہے علی اختلاف فی التفاصیل .لہٰذا اس کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاری کے نزدیک مس مرأۃ اور مس ذکر وغیرہ مفسد نہیں ہے جیسا کہ حنفیہ فرماتے ہیں۔ مگر چونکہ ائمہ ثلاثہ کا اختلاف تھا اس لئے اسکی طرف اشارہ فرمادیا۔ کہ وہ بھی تو اس کی کوئی تاویل کرتے ہونگے اور وہ تاویل یہ ہے کہ ممکن ہے درمیان میں کوئی کپڑا حائل ہو۔

باب المرأة تطرح من المصلى الخ

اس باب میں امام بخاری نے سلا جزور والی روایت ذکر فرمائی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور انہوں نے سلا جزور کو دھکیل کر حضور اکرم ﷺ کی کمر سے اتار دیا تو اس دھکیل نے کی وجہ سے مس ضرور ہوا ہوگا تو جب مس ہو جانا مفسد نہیں تو مرور کیوں کر مفسد صلوۃ ہوگیا۔ اور ممکن ہے کہ حنفیہ پر رد ہو۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک محاذات المرأۃ ناقض صلوٰۃ ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا محاذات ہوسکتی ہے کہ عورت کوئی چیز مصلی کے اوپر سے اٹھائے مگر ہم پر یہ اشکال نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جو محاذات ہمارے یہاں ناقض

ہے وہ یہاں پائی ہی نہیں گئی۔ یہ روایت صفحہ سینتیس (٣٧) پر گزر چکی ہے۔ اور وہاں مفصل کلام بھی ہو چکا ہے۔
الحمد للہ تقریر بخاری جلد ثانی مکمل ہوئی۔ اب آگے کتاب مواقیت الصلوٰۃ سے جلد ثالث شروع ہوگی۔

تمت

﴿حصہ دوم ختم شد﴾

قال الله تبارک وتعالیٰ
وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

تقریر بخاری شریف اردو

﴿حصہ سوم﴾

العلامة المحدث الكبير بركة العصر ريحانة الهند صاحب الفضيلة الشيخ
مولانا **محمد زكريا** الكاندهلوي رحمہ اللہ تعالیٰ
شيخ الحديث بالجامعة مظاهر العلوم سهارنفور الهند

فضيلة الشيخ مولانا **محمد شاهد** السهارنفوري حفظه الله

مكتبة الشيخ
٤٤٥/٣ بهادر آباد كراتشي ٥
0213-4935493
0321-2277910

نام کتاب : تقریر بخاری شریف اردو (حصہ سوم)
افادات : حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالی
جمع وترتیب : حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ العالی
ناشر : مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵ بہادر آباد کراچی ۵

ضروری وضاحت: کتاب ہذا کی کمپوزنگ وتصحیح کا خوب اہتمام کیا گیا ہے لیکن پھر بھی غلطی سے مبرا ہونے کا کون دعویٰ کرسکتا ہے؟ اساتذہ کرام وطلبہ جس غلطی پر بھی مطلع ہوں از راہ عنایت اطلاع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ ادارہ

فہرست مضامین حصہ سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مواقیت الصلوۃ

باب مواقیت الصلوٰۃ وفضلها

ہمارے نسخوں کے اندر اسی طرح ہے اور ہماری تقاریر اسی نسخے کے تحت ہوں گی، اور اسی طرح اکثر نسخوں کے اندر ہے، مگر میرے نزدیک اولیٰ وہ نسخہ ہے جو حاشیہ پر ہے، یعنی کتاب مواقیت الصلوۃ وفضلها وباب مواقیت الصلوۃ اس لئے تقریباً ایک صفحہ تک جتنے ابواب ذکر فرمائے ہیں، ان سب سے فضل صلوٰۃ ہی ثابت ہوتا ہے اور مواقیت کا ثبوت یونہی معمولی طور پر ہے، اور اگر متن کا نسخہ صحیح مانیں تو فضلها کی ضمیر صلوۃ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، اور مواقیت کی طرف بھی، اور فضیلت اس طرح سے ثابت ہوگی، کہ یہ مواقیت اتنے اہم ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کے واسطے دس مرتبہ تشریف لائے، اور اگر ضمیر صلوٰۃ کی طرف راجع کریں تو پھر فضیلت اس طرح ثابت ہوگی کہ نماز ایسی اہم چیز ہے کہ اس کا وقت بیان کرنے کے واسطے حضرت جبرئیل علیہ السلام دس مرتبہ تشریف لائے، پھر نماز کا کیا پوچھنا، مگر میرے نزدیک حاشیہ کا نسخہ اولیٰ ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے اندر مواقیت اور اس کے متعلقات بیان فرمائے ہیں، اور نماز کی فضیلت بیان فرمائی ہے، مثلاً اوقات اور ان کا فضل، ان کی ابتداء وانتہاء اوقات کراہت وغیرہ مگر اس صورت میں فضلها کی ضمیر صلوۃ کی طرف متعین ہوگی کیونکہ ہر باب کے اندر فضل المواقیت کو بیان نہیں کیا گیا۔

اب رہا یہ سوال کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض اس باب سے کیا ہے؟ سنو ایک تو یہ کہ اس سے اوقات کی فضیلت بیان کرنی ہے، اور دوسری غرض یہ ہے کہ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مواقیت کی ابتداء کی طرف اشارہ فرما دیا، اب یہاں ایک بات اور سنو اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوئی نہ کوئی حکمت علماء صوفیہ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق بیان فرمائی ہے اور اس کے اندر مختلف رسائل تصنیف کئے ہیں، جواب نہیں ملتے صرف حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی کا ایک رسالہ المصالح العقلية في الاحكام النقلية ملتا ہے، اب یہاں میں کچھ مصالح بیان کروں گا۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی اس رسالہ میں ہوں۔ مثلاً نماز ہے فجر سے لیکر ظہر تک درمیان میں کوئی نماز نہیں آتی اور پھر عشاء تک دمادم نمازیں آتی ہیں، مشائخ سلوک نے اس ترتیب کی متعدد وجوہ وحکم بیان فرمائی ہیں، جن میں سے دو کو میں یہاں بیان کرتا ہوں، اول یہ کہ ان اوقات کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاص ترتیب رکھ کر دو باتوں کی طرف تنبیہ فرمائی ہے، ایک شکر کے ادا کرنے پر، دوسرے متنبہ کیا ہے عمر کے ڈھلنے پر، صلوۃ فجر چونکہ سونے کے بعد ادا کی جاتی ہے اور نوم اخوالموت ہے تو سونے کے بعد بیدار ہونے پر اس کو فرض فرما کر اشارہ فرما دیا کہ جس طرح سورج غروب ہو کر طلوع ہوا ہے۔ اسی طرح تمہاری زندگی کا آفتاب غروب ہو کر دوبارہ طلوع ہوا ہے۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس کے شکرانے میں اللہ کی عبادت کرو۔

چاہئے تو یہ تھا کہ جب طلوع شمس اشارہ ہے، طلوع حیات کی طرف تو طلوع شمس کے بعد نماز پڑھی جائے مگر اہتماماً اور وقت

کراہت سے بچنے کے لئے طلوع سے پہلے مقدم فرمادی، اب چونکہ گویا دوبارہ پیدائش ہوئی ہے، اور قاعدہ ہے کہ ولادت کے بعد کچھ ایام صباء اور شباب کے گزرتے ہیں تو نصف دن تو صبا اور شباب کا ہوگیا اور سورج ڈھلنے کے بعد جیسے دن کے شباب کو زوال آجاتا ہے اور طفولیت وشباب کے اوقات ختم ہوجاتے ہیں تو یہ اشارہ ہے کہ عمر ڈھلنے والی ہے لہٰذا تیاری کرو تو اب اس کے لئے تیاری کی گئی اور تیاری کے واسطے دمادم یکے بعد دیگرے نمازیں فرض فرمادیں۔ عصر قرب موت پر تنبیہ ہے جو بڑھاپا ہے، اور مغرب کے وقت سورج غروب ہوجاتا ہے یہ اشارہ ہے استحضار موت کی طرف کہ جیسے سورج غروب ہوگیا تمہارا آفتاب حیات بھی عنقریب غروب ہوجائے گا۔ اور عشاء کی نماز دوسری تنبیہ ہے کہ تیاری کرلو کوئی بھی یاد نہیں کرتا۔ دوچار دن زیادہ سے زیادہ ذکر تذکرہ رہتا ہے اس کے بعد سب بھول جاتے ہیں۔ اور جب تک اس کے اثرات رہتے ہیں۔ اس وقت تک تذکرہ رہتا ہے، جیسے شفق عشاء تک باقی رہتی ہے، اور سورج کے اثرات اس کے بقا تک باقی رہتے ہیں، تو زوال کے بعد سے دو نمازیں تنبیہ ہیں کہ کچھ کرلو اور دو نتیجہ ہیں کہ یہ انجام ہونے والا ہے۔ یہ بھی اچھی توجیہ ہے اور دوسری اس سے بھی اچھی اور لطیف ہے، لطیف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بہت سے مسائل واضح ہوجاتے ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوباً مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ﴾ اور فرماتے ہیں (وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا) اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ کے اندر انسان کی تخلیق کی غرض بتلائی کہ انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کو اپنے مالک کی عبادت کے واسطے پیدا فرمایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کا کوئی غلام ہو تو اس غلام کو ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے مولا کی خدمت سے غافل ہو تو جب جناب باری نے انسانوں کو عبادت کے واسطے پیدا فرمایا ہے۔ تو اب ان کو اختیار نہیں کہ کسی آن بھی ذکر اللہ سے غافل ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ کہ ہم کو پیدا فرمایا۔ ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ منجملہ ان کے انسان کا سانس ہے وہ اللہ کی قدرت میں ہے اگر وہ روک لیں تو ہزاروں اطباء ومعالجین بھی ایک طرف ہوکر سانس نہیں جاری کرسکتے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ اس میں امیر غریب، صغیر وکبیر سب ہی شریک ہیں۔ اسی طرح ناک، کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں عطا فرما رکھے ہیں اس میں سب شریک ہیں یہ اللہ کی نعمت عامہ ہے اور کوئی ایسی شے نہیں جو ان نعمتوں کا مقابلہ کرے تو اگر کسی کے اندر ذرا بھی بوئے انسانیت ہو اور کچھ بھی شرافت ہو تو ان انعامات واکرامات کے بعد ایک آن بھی مالک کی عبادت سے غافل نہ رہے لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے، اکرم الکرماء ہے اس کا مطالبہ نہیں فرمایا اور اس کا مکلف نہیں بنایا کہ ہمہ وقت مشغول رہو بلکہ ہمارے ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے اور ہماری ضرورتوں اور مشاغل پر نظر کریمانہ رکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ نصف وقت میرا ہے اور نصف تمہاری ضرورتوں کے پورا ہونے کے لئے ہے۔ اور پھر اس نصفا نصفی میں بھی کریمانہ شان کا لحاظ رکھا اور ایسا نہیں فرمایا کہ احد الملوین کو اپنے لئے خاص فرمالیتے اور احد الملوین بندوں کو عطا فرمادیتے بلکہ ہر ایک ملوین کا نصف اپنے لئے رکھا۔ اور نصف بندوں کے لئے۔

کیونکہ بندوں کی بہت سی ضروریات ایسی ہیں جو دن میں پوری ہوتی ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو رات میں پوری ہوتی ہیں۔

اب یہاں اصول کا ایک مسئلہ ہاتھ آگیا کہ اصل عبادات کے اندر تو یہ ہے کہ سارا وقت محیط ہو اور یہی عزیمت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی

شان کریمی ہے کہ اس نے ہمیں رخصت دیدی اور سارے وقت کے احاطہ کو ہم پر فرض قرار نہیں دیا بلکہ ان اوقات خمسہ کے اندر چند معدود رکعات فرض فرمادیں۔ اور باقی وقت لوگوں کے اختیار پر چھوڑ دیا اور چوں کہ قاعدہ ہے بالخصوص اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ اگر اعمالنامہ میں ابتداء وانتہاء عبادت آجائے تو درمیان میں جو زلات بھی معرض وجود میں آئی ہیں ان کو حق تعالیٰ شانہ معاف فرمادیتے ہیں یہی ایک وجہ منجملہ اور وجوہ کے رسول اللہ ﷺ کی حدیث نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن النوم قبلها والحديث بعدها میں ہے عشاء کی نماز کے بارے میں عشاء کے بعد بات چیت کا نہ ہونا تا کہ عبادت صحیفہ کے اخیر میں ہو اور اسی واسطے فرماتے ہیں کہ دعا کے اول وآخر میں حمد وثناء باعث قبولیت دعا ہے اسی واسطے یہ بھی ہے کہ اگر بچہ لا الہ الااللہ اولا کہے اور پھر اخیر میں لا الہ الااللہ کہے اور مرجائے تو درمیان کی ساری لغزشیں ستر مغفرت میں آجائیں گی۔ اور اسی واسطے ظہر کی نماز میں تعجیل ہے اور عصر کے اندر تاخیر اولیٰ ہے۔ تا کہ صحیفہ کی ابتداء اور انتہاء دونوں عبادت پر ہوں اور یہی وجہ ہے کہ مغرب کی نماز میں تعجیل اولیٰ ہے اور عشاء کے اندر تاخیر۔ اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے رخصت دیدی ہے، لیکن سعداء یہ چاہتے ہیں کہ سارے اوقات اللہ کی عبادت ہی میں صرف ہوں، لہٰذا اس کی صورت یہ فرمائی کہ ظہر کے مقابلہ میں چاشت اور عصر کے مقابلہ میں اشراق رکھدی، یہی وجہ ہے کہ اشراق کا وقت اولیٰ عصر کا وقت ہے، اور چاشت کا وقت اولیٰ ظہر کا وقت ہے، اور یہی محمل ہے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی روایت کا جو شمائل کے اندر ہے، کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی اکرم ﷺ اس کے علاوہ بھی نمازیں پڑھا کرتے تھے؟ تو فرمایا ہاں ایک اس وقت پڑھتے تھے جب سورج مشرق میں اتنی اونچائی پر ہوتا تھا جتنا کہ ظہر کے وقت مغرب میں ہوتا ہے اور ایک اس وقت پڑھتے تھے جب کہ سورج مشرق میں اتنا اونچا ہوتا تھا، جتنا کہ مغرب میں بوقت عصر ہوتا ہے اور مغرب وعشاء کے مقابلہ میں تہجد بارہ رکعات رکھدیں کہ ثلث رات تک عشاء مستحب ہے اور اخیر ثلث شب سے تہجد کا وقت اولیٰ ہے، نیز نزول باری کا وقت ہے۔

ان الصلوة كانت على المومنين كتابا موقوتا:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو استدلالاً یا استبراً کا ذکر فرمایا ہے وهو بالعراق اى امير فيها فان المغيرة كان اميرا فيها فقال عمر لعروة اعلم یہ لفظ تین طرح ضبط کیا گیا ہے ایک على صيغة المتكلم من المجرد، دوسرے على صيغة الامر من المجرد، تیسرے على صيغة الامر من الاعلام اور اس صورت ثالثہ میں س کے معنی اسند کے ہیں اور صیغہ امر یہاں پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس جملہ او جبرئيل هو اقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم کی وجہ سے اعلم امر کا صیغہ مناسب ہے اس لئے کہ حضرت عروہ نے اس کے بعد سند بیان فرمائی۔

كان يصلى العصر والشمس فى حجرتها:

اس روایت سے ایک اور مسئلہ معلوم ہوتا ہے، وہ ہے استعجال عصر کا۔ اس کے اندر تو اختلاف نہیں، مگر اختلاف اس میں ہے کہ وہ وقت کونسا ہے؟ اور کب ہوتا ہے، شافعیہ کے نزدیک ایک مثل پر ہے، اور احناف کے نزدیک دو مثل پر، دونوں اماموں کا مستدل یہ روایت ہے امام طحاوی نے دو مثل پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال صحن کے چوڑے ہونے اور دیوار کے قصیر ہونے پر موقوف ہے اور شوافع کا استدلال دیوار کے لمبے ہونے اور صحن کے چھوٹے ہونے پر ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے حجرہ شریفہ کی دیوار لمبی نہیں تھی، بلکہ اتنی

چھوٹی تھی کہ عروہ کہتے ہیں کہ میں چھت کو ہاتھ لگا دیا کرتا تھا۔ اس سے صاف واضح ہو گیا کہ عصر کا وقت مثلین کے بعد ہے۔ (۱)

باب قول الله تعالیٰ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ الخ

روایت پر کلام گزر چکا۔ سلف کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ تارک صلوۃ کافر ہے اور یہی حضرت امام احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا ہے، ان حضرات نے آیت مذکورہ سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ **و لا تکونوا من المشرکین** کو **واقیموا الصلاۃ** پر مرتب

---

(۱) **کتاب مواقیت الصلوۃ:** اشکال یہ ہے کہ جو الفاظ کتاب کے ہیں اسی پر باب بھی منعقد فرما دیا۔ دونوں میں فرق کیوں نہیں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے اس نسخہ کے اعتبار سے تو باب کے اندر وفضلها کا لفظ آیا ہے، یہ عطف تفسیری ہے، اور ضمیر کا مرجع مواقیت ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اس باب سے مواقیت کی فضیلت بیان کرنی ہے، اور کتاب سے مطلق مواقیت کو بیان کرنا مقصود ہے، اور جن نسخوں کے اندر وفضلها کتاب کے اندر آیا ہے تو گویا ان کے نزدیک کتاب سے تو مواقیت کے احکام اور فضائل بیان کرنے ہیں اور باب سے مواقیت کا مبدأ بتلانا ہے، کہ کہاں سے ابتداء ہوئی۔ اب ایک لطیف بحث سنو! ظاہراً نماز کے مواقیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بے ترتیب ہیں کہ فجر کی نماز اور ظہر کی نماز کے درمیان بہت طویل وقت ہے، اور پھر ظہر وعصر ومغرب وعشاء پے در پے ہیں، ایسے ہی عشاء سے لیکر صبح تک کا وقت بہت طویل ہوتا ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے جو احکام میں غور وفکر کریں، یہ امر بھی قابل غور وفکر ہے اسی کے تحت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک کتاب **المصالح العقلیة للاحکام النقلیة** نامی لکھی ہے اور اس کے اندر احکام کی مصالح اور حکم بیان فرمائی ہیں، اسی طرح دوسرے بعض مشائخ نے بھی حکمتیں لکھی ہیں، چنانچہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز زندگی کی ابتداء ہے اور ظہر کی نماز موت کا وارنٹ ہے، تاکہ اس سے فکر پیدا ہو اور عصر کی نماز پھانسی کا حکم ہے کہ بس اب موت قریب ہے اور مغرب کی نماز پھانسی ہے، کہ اب ختم ہو گیا اور عشاء تک اس کا اثر رہا کہ وہ سولی پر رہا، اس کے بعد وہاں سے بھی پھینکدیا تو ان تنبیہات اور اغراض کے تحت یہ مواقیت مشروع ہوئے۔

حدثنا عبدالله بن مسلمة: اس حدیث کو فضل مواقیت اور فضل صلوۃ دونوں سے تعلق ہے۔ فضل صلوۃ تو ظاہر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر تعلیم دی، ایسے ہی مواقیت کا بھی فضل معلوم ہو گیا کہ اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام دس مرتبہ آئے۔

ثم صلی فصلی رسول الله صلی الله علیه وسلم: اس سے احناف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ فوائت کے اندر ترتیب ہے ورنہ خمس مرات فرماتے، اس مسئلہ میں شوافع ہمارے خلاف ہیں اب ایک اشکال یہاں یہ ہے کہ فصلی پر فاء تعقیب کے لئے ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نماز پڑھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی حالانکہ ایسا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تعقیب کل صلوۃ کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ اجزاء صلوۃ کے اعتبار سے ہے، یعنی آپ ہر ہر جز حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کرنے کے بعد ادا فرماتے تھے، جیسا کہ روایات مفصلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس حدیث سے شوافع نے استدلال کیا ہے، کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مفترض تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام مکلف نہ ہونے کی وجہ سے متنفل تھے ہماری طرف سے اسکے متعدد جوابات ہیں اول یہ کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں متنفل تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اجمالاً صلوٰۃ کی فرضیت ہوئی تھی۔ یعنی اس کے اعتقاد کی فرضیت تھی اور اب عمل کی تعلیم دی گئی، تاکہ عملاً بھی وہ فرض ہو جائے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا تو اب یہ نماز خود ان پر فرض ہو گئی تھی تو گویا یہ اقتداء المفترض بالمفترض تھی۔ تیسرا جواب میرا ہے وہ یہ کہ اس حدیث سے یہ تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں اقتداء المتنفل بالمفترض ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس عمل کے مامور نہیں، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا جا رہا ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام مامور ہیں۔

فقال عمر لعروة اعلم ماتحدث: اس اعلم کو بصیغة المتکلم اور بصیغة الامر من العلم او من الاعلام تینوں طرح پڑھا گیا ہے، یعنی اَعْلَمُ، اِعْلَمْ، اَعْلِمْ، اول صورت میں مطلب یہ ہے کہ میں جانتا ہوں، لیکن اس صورت میں آگے اذان جبرئیل کا فرمانا صحیح نہ ہوگا۔ اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ تو جان لے یعنی ذرا غور وفکر کر لے، بھلا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہیں ماموم ومقتدی بن سکتے ہیں، وہ تو سید الرسل ہیں۔ تیسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ اسند یعنی اس کی سند بیان کرو۔

(کذافی فی تقریر مولوی سلمان)

فرمایا ہے یعنی اقامت صلوۃ کرو اور مشرکین میں سے مت بنو یعنی نماز کو ترک کر کے۔ مگر یہ استدلال ان پر چل سکتا ہے جو مفہوم مخالف کے قائل ہیں اور جو لوگ قائل نہیں ان کے لئے یہ استدلال کوئی نفع نہیں دیتا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو فضائل صلوۃ کے ساتھ جوڑا جائے اسی لئے میں نے گزشتہ باب میں کہا تھا کہ حاشیہ کا نسخہ میرے نزدیک زیادہ اولیٰ ہے، لیکن چونکہ ہمارے نسخے اس کے خلاف ہیں۔ اس لئے اس کے موافق ثابت کرنا ہے اور وہ اس طرح کہ **اقیموا الصلوۃ** میں اقامۃ کی تفسیر **اداء الصلوۃ بارکانھا و شرائطھا و مستحباتھا و آدابھا** کے ساتھ کی جائے اس تفسیر کی بناء پر اس کے اندر وقت خود بخود داخل ہو گیا۔

لہٰذا اب جہاں اقامت کا لفظ آئے گا۔ وہاں مواقیت خود نکل آئے گا۔ اسی طرح سے **البیعۃ علی اقامۃ الصلوۃ** بھی فضائل صلوۃ کے زیادہ مناسب ہے۔ (۱)

باب الصلوۃ کفارۃ

اس باب کا تعلق بھی فضائل کے ساتھ بالکل واضح ہے، اور میقات کے ساتھ اس کو اس طرح ملحق کیا جا سکتا ہے کہ اس کو مواقیت میں ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ وہ نمازیں کفارہ بنیں گی، جو اپنے اوقات کے اندر ادا کی گئی ہوں اور اگر بلا وجہ وقت میں ادا نہ کیا تو بجائے کفارہ ہونے کے اور گناہ ہی ہوگا، **انک علیہ او علیھا** یہ او شک راوی ہے اگر **علیہ** فرمایا ہے تو نقل قول **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** کی طرف ضمیر راجع ہوگی اور اگر **علیھا** ہے تو شراح مقالہ کی طرف ضمیر راجع کرتے ہیں مگر میرے نزدیک فتنہ کی طرف ضمیر راجع کرنا اولیٰ ہے، اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام بتلا رکھے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب کسی کا انتقال ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے اس کی تحقیق فرماتے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان پر نماز جنازہ پڑھی ہے یا نہیں، اگر وہ پڑھتے تو یہ بھی پڑھتے، اور اگر وہ نہ پڑھتے تو یہ بھی نہ پڑھتے، اس خیال سے کہ کہیں یہ منافق نہ ہو۔ **قال ان بینک و بینھا لبابا مغلقا** اگلے جملے سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سمجھ گئے کہ باب کا مصداق کیا ہے، اسی لئے پوچھا تھا کہ **ایکسر ام یفتح** کھولنے کا مطلب طبعی موت اور توڑنے کا مطلب قتل ہے، **فھبنا ان نسأل حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** یہ شقیق کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ پوچھنے سے ڈرے کہ باب کون تھا؟ بات یہی ہے کہ پہلے زمانے میں تو علماء اور اساتذہ سے ان کے تلامیذ اس درجہ ڈرتے تھے کہ بادشاہوں کو حسد ہوا کرتا تھا، حضرت امام زین العابدین کا مشہور واقعہ ہے کہ ہشام بن عبد الملک حج کرنے کے لئے آیا تو لوگوں نے اس کو حجر اسود تک پہنچنے کے لئے جگہ تک نہ دی۔ لیکن جب حضرت امام زین العابدین آگے بڑھے تو سارا مجمع ایک طرف ہو گیا، انہوں نے اطمینان سے طواف کیا اور حجر اسود کی تقبیل فرمائی، کسی آدمی نے ہشام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں تو اس نے جاننے پہچاننے کے باوجود انکار کر دیا، اور کہہ دیا کہ میں نہیں

---

(۱) **باب البیعۃ علی اقام الصلوۃ:** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نماز پر بیعت لی ہے، اس سے نماز کی اہمیت اور اس کا تاکد معلوم ہو گیا۔ اور اس سے فضل صلوۃ کا علم بھی ہو گیا، لیکن اب مواقیت صلوۃ سے کیا تعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اقامت صلوۃ کے معنی میں اوقات کی رعایت ضروری ہے اس سے اوقات کی مناسبت بھی معلوم ہو گئی، اس بیعت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے **نصح لکل مسلم** پر بیعت لی ہے، اس کو دیکھ کر صوفیاء نے یہ کہا کہ بیعت میں چند کلمات عام ہونے چاہئیں اور بعض کلمات مرید کے حال کے مطابق ہونے چاہئیں جیسے رافضیوں کو بیعت کرتے وقت فضیلت شیخین کا اقرار کرانا۔ (کذا فی تقریر بن)

جاننا، مشہور شاعر فرزدق کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فی البدیہہ ایک طویل قصیدہ حضرت امام زین العابدین کی شان میں پڑھا جس میں اس نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو وہ ہیں جن کو عرب کے سنگریزے بھی جانتے ہیں، ان کو عرب بھی جانتے ہیں۔ اور عجم بھی بہرحال بعض تلامذہ کو کسی وجہ سے کوئی خصوصیت حاصل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ استاذ سے بالکل منہ لگے ہوتے ہیں، اور وہ آگے بڑھ کر سوال کر لیتے ہیں، انہی میں سے ایک حضرت مسروق تھے، انہوں نے آگے بڑھ کر سوال کیا: **فانزل الله اقم الصلوٰة** اس سے نماز کی فضیلت معلوم ہوئی کہ کفارۂ سیئات بنادی گئی۔ (۱)

باب فضل الصلوة لوقتها

میرے نزدیک یہ ترجمہ شارحہ ہے، چوں کہ حدیث الباب میں **الصلوة علی وقتها** کو ذکر فرمایا تھا، اس لئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح فرمادی کہ **علیٰ** لام کے معنی میں ہے، اس لئے کہ **علیٰ** سے بظاہر شبہ ہوتا تھا کہ وقت سے پہلے پڑھے کیونکہ علی استعلاء کے لئے ہے، اور مستعلی مستعلی کے اوپر ہوا کرتا ہے، **ولو استزدته لزادني** یعنی اگر میں اور اشیاء کے متعلق سوال کرتا تو نبی اکرم ﷺ اور زیادہ بتلاتے۔ (۲)

باب الصلوٰة الخمس كفارة الخ

اس سے پہلے ایک باب گزرا ہے **باب الصلوة لوقتها** اور ایک باب یہ ہے، **باب الصلوٰة الخمس كفارة** اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان بابوں میں تکرار ہے، کیوں کہ پہلے باب سے جو مقصود ہے، وہی دوسرے باب کا حاصل ہے، یعنی نماز کا کفارہ بننا، اس وقت جب کہ ان کو وقت پر پڑھا جائے اور یہ تاویل کرنا کہ پہلے باب میں اجمال ہے اور یہاں تفصیل یہ تکرار کا اعتراض دفع نہیں کرتی ہے،

---

(۱) **باب الصلوة كفارة** الخ: نماز کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کفارہ بنتی ہے، اسی کو یہاں باب سے بیان فرمارہے ہیں، شراح کے نزدیک باب کا تعلق مواقیت سے یہ ہے کہ وہی نماز کفارہ ہوگی جو اپنے وقت میں ادا کی جائے، اس پر ایک اشکال ہے کہ اگلے صفحہ کے شروع میں ایک باب آرہا ہے، **باب الصلوٰة الخمس كفارة للخطايا** الخ اس میں بھی یہی بات بتلائی گئی ہے لہٰذا یہ باب مکرر ہوگیا۔ شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آنے والے باب میں صلوٰۃ خمس کی قید ہے اور یہ باب مطلق ہے، اس سے دونوں بابوں میں فرق ہوگیا۔ اس پر اشکال ہوا کہ صلوٰۃ خمسہ کے علاوہ باقی نمازیں تو موقت بوقت نہیں ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں ان کے کفارہ ہونے کو مواقیت سے کیا تعلق ہے؟ اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اوقات خمسہ مکروہہ کے اندر تو نوافل نہیں پڑھے جاتے، لہٰذا جو شخص ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں نوافل ادا کرے گا اس کے لئے وہ نوافل کفارہ بن جائیں گے، اس صورت میں مواقیت سے تعلق ہوگیا۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں بابوں میں کوئی تکرار نہیں، کیونکہ درحقیقت پہلے باب سے تو بتلادیا کہ جب نماز اپنے وقت میں ادا ہوگی، تب کفارہ بنے گی، اور دوسرے باب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ خواہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے یا بغیر جماعت کے، تو گویا آئندہ آنے والا باب صرف جماعت یا غیر جماعت کی قید بتلانے کے لئے ہے، اب اس کے اندر "اذا صلاهن لوقت" کی قید اتفاقی اور تبعاً لگادی گئی۔

(۲) **باب فضل الصلوٰة** الخ: حدیث باب میں **احب الی الله** اسم تفضیل کے صیغہ کے ساتھ ہے اور یہ بہت سے اعمال کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے، اور شراح اس کی تاویل میں **من احب الاعمال** سے کرتے ہیں، لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس قسم کی افضلیت کبھی تو حال کی مناسبت سے اور کبھی وقت کی مناسبت سے اور کبھی سائل کی حیثیت کے اعتبار سے بیان کی جاتی ہے، بس اب اشکال نہیں ہوگا۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان ۱۲)

شراح فرماتے ہیں کہ باب سابق میں الصلوۃ مطلقا ہے اور یہاں مقید بالخمس ہے، حاصل یہ ہے کہ پہلا باب عام ہے، دوسرا خاص ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ یہاں اصل چیز جماعت اور غیر جماعت کو بیان کرنا ہے تو گویا باب سابق سے نفس نماز کا کفارہ ہونا اور اس باب سے جماعت اور غیر جماعت دونوں کے اندر اس کا کفارہ ہونا معلوم ہو گیا۔

یمحوا اللہ بہ الخطایا:

احادیث میں جہاں بھی محو خطایا وغیرہ کا ذکر آتا ہے، علماء اس کو صغائر کے ساتھ مقید کرتے ہیں، اس حدیث کے متعلق بھی ان کی یہی رائے ہے۔

شراح فرماتے ہیں کہ یہاں محو خطایا کو غسل کے ساتھ تشبیہ دی اور غسل سے بدن کا ظاہری حصہ صاف ہوتا ہے، اور صغائر بھی ظاہر سے متعلق ہوتے ہیں، بخلاف کبائر کے کہ وہ قلب سے جالگتا ہے اور یہ ہی محمل ہے اس روایت کا جسمیں ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر بندہ توبہ نہ کرے تو وہ نقطہ آہستہ آہستہ قلب کو گھیر لیتا ہے، اور جب کبائر کا تعلق دل سے ہے تو توبہ کی ضرورت ہوگی اور توبہ کہتے ہیں ندامت بالقلب کو لہذا کبائر کا معاف ہونا رونے دھونے سے ہوگا، بخلاف صغائر کے کیونکہ وہ ظاہر سے متعلق ہوتا ہے، لہذا وضو وغیرہ ہی کافی ہو جائے گی۔

باب فی تضیع الصلوۃ عن وقتها

اس باب میں وقت کا بھی ذکر آ گیا اور فضیلت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا اور ترجمہ سے مصنف نے اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ **فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوۃ و اتبعوا الشهوات** کی طرف اور یہ بتا دیا کہ اضاعت صلوۃ اس آیت کی وعید میں داخل ہے، **فقال لااعرف شيئا مما ادركت** الخ یہاں تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مروی ہے اور صفحہ ایک سو پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے **ماانكرت شيئا الا انكم لاتقيمون الصفوف** تو دونوں باتوں میں تعارض ہے اس لئے کہ اس باب کی روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ ضائع کر دیا اور صفحہ سو کی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ سب کچھ ٹھیک تھا، صرف صفوں کے اندر خرابی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اس باب کی روایت جس میں مطلقا ساری اشیاء کی اضاعت کا ذکر ہے یہ دمشق کا واقعہ ہے جیسا کہ روایات کے اندر تصریح ہے، اور جہاں صرف صفوں کے اندر کوتاہی کا ذکر ہے وہ مدینہ کا واقعہ ہے اور صورت یہ ہوئی تھی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نیت سے دمشق تشریف لے گئے کہ وہاں جا کر ولید بن عبدالملک کے پاس حجاج کی شکایت کریں، وہاں جا کر دیکھا کہ ان لوگوں نے جس طرح اور چیزوں کو ضائع کر رکھا تھا نماز کو بھی ضائع کر رکھا تھا اپنے وقت پر ادا نہیں کرتے تھے، یہ منظر دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے بیٹھ گئے۔ اور یہ فرمایا، اور جب وہاں سے لوٹ کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ اتنی مدت کے بعد آئے ہیں، ہمارے اندر کوئی تغیر تو نہیں پایا، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ سب کچھ ٹھیک ہے صرف اتنی بات ہے کہ

صفوں کے اندر سیدھا پن نہیں ہوتا، یہ کوتاہی ہوتی ہے۔

وقال بکر:

اس کو جلی قلم سے لکھنا چاہئے تھا، اور لفظ حدثنا باریک اس لئے کہ روایت کی ابتداء قال سے ہے، حدثنا سے نہیں ہے، اور جن نسخوں میں اس کے خلاف ہے وہ غلط ہے اور وہم ہے۔ (۱)

باب المصلی یناجی ربه عزوجل

یہ ترجمۃ الباب اور حدیث نہایت اہم ہے، غور سے سنو! اللہ تعالیٰ کی دو شانیں ہیں۔ ایک شان مالکیت دوسرے شان محبوبیت۔ اب اگر کوئی شخص بادشاہ تک رسائی حاصل کرے اور اس سے بات کرنے کا موقعہ مل جائے اور بات شروع ہو جائے اور وہ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگے، تو بادشاہ اس کو نکال دے گا، اور مطرود و مردود کر دے گا۔ بس یہ حال وہاں کا ہے، اسی طرح کوئی ہزار عرق ریزیوں کے بعد محبوب تک پہنچے اور محبوب بات کرنے کو تیار ہو جائے، اور پھر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے تو محبوب کیا کرے گا۔ اس کے منہ پر تھوک کر دوسری طرف متوجہ ہو جائے گا، یہی حال حضرت باری کا بھی ہے، بلکہ اس سے اعلیٰ وارفع واولی کیونکہ وہ تو احب المحبوبین ہیں اور ملک الملوک ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھنا چاہئے،، اور ان المصلی یناجی ربه سے نماز کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور مواقیت سے مناسبت یہ ہے کہ جب نماز سے مناجات باری تعالیٰ حاصل ہوتی ہے، تو اس کا اوقات میں ادا کرنے کا اہتمام ہونا چاہئے۔

چنانچہ اگر کسی سرکاری عہدہ دار سے ملنا ہوتا ہے تو پہلے سے اس کی تیاری کی جاتی ہے، اور جب وقت قریب آجاتا ہے تو پھر نظر ہر وقت گھڑی پر رہتی ہے، تو احکم الحاکمین و مالک الملوک کے دربار میں حاضری اور ان سے مناجات کے لئے کتنا اہتمام کرنا چاہئے وہ ظاہر ہے۔

فلا یتفلن عن یمینه:

ص ۵۸ و ۵۹ پر یہ روایت گزر چکی ہے اور وہاں دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت کی علت یہ بیان فرمائی ہے، کہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، اور اس روایت میں فرمایا "فان المصلی یناجی ربه"

شراح فرماتے ہیں اس میں کوئی تعارض نہیں، ایک چیز کی متعدد علتیں ہوسکتی ہیں، اور میرے نزدیک اگر یہ روایت مختصر ہو تو کوئی حرج نہیں، اور مناجات کرنا نھی عن البزاق الی الیمین کا سبب نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب فرشتہ کا ہونا ہے، اور نھی عن البزاق الی القدام کا سبب مناجات ہے، اور دلیل اس کی صفحہ انسٹھ کی وہ روایت ہے، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ (۲)

---

(۱) باب فی تضییع الصلوۃ الخ: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی عادت کے مطابق اب یہاں سے اضداد کو ذکر فرماتے ہیں کہ نماز کو بے وقت پڑھنے سے کیا کیا وعیدیں آئی ہیں؟ اور گویا باب سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے، فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات اس آیت میں اضاعت سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ اخراج الصلوۃ عن وقتها مراد ہے اور بعض نے اخراج عن الوقت المستحب اور بعض نے اخراج عن کل الوقت مراد لیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخراج عن کل الوقت ہی ہے، جس کی تائید روایت سے ہوتی ہے۔ (کذا فی تقریر بن ۱۲)

(۱) باب المصلی یناجی ربه: لاعن یمینه فانه یناجی ربه: یہاں دائیں طرف تھوکنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے، کہ ادھر اللہ تعالیٰ ہیں جن سے تم مناجات کر رہے ہو، اور اس سے قبل کتاب المساجد میں دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت کر کے اس کی علت مَلَک بیان کی گئی ہے، اب یہ تعارض ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ایک شیئ کی دو علتیں ہوں۔ (کذافی تقریری مولوی احسان)

باب الابراد بالظهر فی شدة الحر

شراح کا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ظہر کا وقت ذکر کرنے سے پہلے اوصاف کو کیوں شروع فرمادیا۔ حالانکہ اوصاف موصوف کے تابع ہوتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب ابراد کا حکم دیدیا تو زوال تو خود اس میں آگیا اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ شدۃ اہتمام ابراد بالظہر کی وجہ سے اس کو مقدم فرمادیا، مگر میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ باب سابق میں معلوم ہو چکا کہ نماز کے اندر اللہ تعالیٰ سے مناجات ہوتی ہے، رب العزت سے بات چیت ہوتی ہے، اس میں مسلمان کو معراج ہوتی ہے، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس باب کو سابق باب کے لئے بطور تکملہ کے ذکر فرمایا ہے، کہ جب نماز مناجات مع الرب تبارک وتعالیٰ ہے، تو وہ ابراد کے وقت صحیح ہوگی شدت گرمی میں صحیح نہیں ہوسکتی، کیونکہ گرمی میں آدمی کی طبیعت حاضر نہیں رہتی، لہٰذا ابراد کے وقت پڑھے تاکہ حضور قلب اچھی طرح ہوسکے، اب رہا یہ سوال کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض اس باب سے کیا ہے، تو بہت ممکن ہے کہ ظہر کے اندر تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے جو مختلف اقوال ہیں، ان پر رد کرنا ہو۔

چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں کہ موسم گرما میں تاخیر کرنا اولیٰ ہے، اور موسم سرما میں تعجیل، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ علت تاخیر، حر کا ہونا ہے، لہٰذا اگر گرمی کے موسم میں کہیں گرمی نہ ہو رہی ہو، جیسے شملہ یا منصوری پر کوئی رہنے والا ہو تو تاخیر نہ کرے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رد فرماتے ہیں کہ موسم اور مکان کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ وجہ ابراد شدۃ حر ہے، جب شدت حر ہو خواہ کسی وقت ہو جائے اور کسی بھی مکان میں ہو جائے تو ابراد اولیٰ ہوگا، اور شوافع فرماتے ہیں کہ جس کا مکان مسجد کے قریب ہو یا جو شخص مسجد سے دور ہو مگر سائے میں ہو کر آسکتا ہے، تو اس کے لئے ابراد نہیں ہے، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ جماعت میں تاخیر اور منفرد اتعجیل اولیٰ ہے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی رد فرمادیا کہ انفراد اور جماعت کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ سبب شدت حر ہے، تو میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمہ میں تمام اختلافات کی طرف اشارہ کر کے اس مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کردی۔

فان شدة الحر من فيح جهنم:

عنقریب اسی باب میں روایت کے اندر شدت حر کے فیح جہنم سے ہونے کی وجہ آرہی ہے، واشتکت النار الی ربها الخ یہ ہے اس کے فیح جہنم سے ہونے کی وجہ اکل بعض بعضا۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب آگ کے اندر شدت پیدا ہو جاتی ہے تو شدت کی وجہ سے خود ہی کٹ کٹ کر گرنے لگتی ہے، جیسے لوہا جب کہ بہت گرم ہو جائے تو کٹ کٹ کر گرتا ہے اور جب یہ گرمی فیح جہنم سے ہے تو اگر کسی وجہ سے حرارت معلوم نہ ہو تب بھی ابراد اور تاخیر ہی اولیٰ ہوگی جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ اب یہاں پر دو اشکال ہیں۔ اول تو یہ کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ حرارت وبرودت قرب شمس اور بعد شمس پر ہے، لہٰذا اگر حرارت کا سبب فیح جہنم ہے تو سائے کی جگہ اور دھوپ کی جگہ سب برابر ہونی چاہئے، کیونکہ جہنم کا سانس تو ہر گوشہ میں برابر پہنچتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شے کسی شے کا اثر قبول کرتی ہے تو شی متاثر شی موثر سے اپنی صلاحیت اور قابلیت کے بقدر اس کا اثر قبول کرے گی، جیسے کچی اینٹ اور لوہا دونوں کو دھوپ میں رکھ دیا جائے تو لوہا جلدی گرم ہو جائے گا۔ اور بہت شدید گرم

ہوگا۔ اور کچی اینٹ دیر میں جا کر گرم ہوگی، اور وجہ اس کی یہی ہے کہ لوہے کے اندر حرارت قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے، اینٹ کے مقابلہ میں، اسی طرح فیح جہنم کا اثر پہنچتا ہے، سورج چونکہ سراپا آگ ہے، اس لئے یہ پورے طور پر اس سے متاثر ہوتا ہے اور شدت تمازت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا جہاں جہاں اس کی شعاعیں پڑیں گی، وہیں حرارت زیادہ ہوگی۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر شدت حر فیح جہنم سے ہے اور جہنم عذاب الٰہی ہے تو جو اس کا اثر ہوگا۔ وہ عذاب کا اثر ہوگا۔ اور عذاب کے وقت عبادت اولیٰ ہے، جیسا کہ کسوف کے وقت عبادت اولیٰ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ صلوۃ، رب العزت کے ساتھ مناجات ہے، اور مناجات وانابت کے درمیان شدید گرمی مخل ہوتی ہے، اس لئے تاخیر کرنی چاہئے، اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ مسجد کے اندر اول وقت پہنچے۔ (۱)

باب الابراد بالظهر فی السفر

یہ باب امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابراد بالظهر فی الحر کی مناسبت سے تبعاً ذکر فرمادیا جیسا کہ ابراد بالظهر کو تکملتاً للباب السابق ذکر فرمایا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے اور ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض اس باب سے احناف پر رد کرنا ہو، اس مسئلہ میں کہ احناف فیء التلول والی روایت کو مثلین کی دلیل قرار دیتے ہیں، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیل تم نے کہاں سے بنالی یہ تو سفر کی وجہ سے ہوا ہے، کیونکہ سفر کے اندر جمع تاخیر جائز ہے، لہٰذا وہاں تاخیر کے اندر فیء التلول تک تاخیر ہوگئی، یتفیئو ای یتمیلو چونکہ حدیث میں فیء کا لفظ آیا ہے اس لئے اس کی مناسبت سے قرآن پاک کے لفظ یتفیئو کی تفسیر فرمادی۔ (۲)

باب وقت الظهر عندالزوال

یہ ابتدائے مواقیت ہے، یہاں سے اوقات کا بیان شروع ہو رہا ہے، یہ بات یہاں غور سے سنو کہ اصحاب المواقیت جب اوقات کا ذکر کرتے ہیں تو ظہر سے شروع کرتے ہیں، فجر سے شروع نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ اول نماز جو جبرئیل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو پڑھائی وہ ظہر تھی کیونکہ رات کو تو آپ سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے، اور صبح کو تشریف آوری کے بعد آرام فرمارہے تھے، اسی وجہ سے اس کو الصلوۃ الاولیٰ کہتے ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغ اولاً اجمالی ہوئی اور پھر ظہر کی نماز سے تفصیلی تبلیغ شروع ہوئی۔ اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ظہر کے وقت کی ابتداء زوال کے بعد سے ہوتی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں نہ ائمہ اربعہ کا اور نہ

---

(۱) باب الابراد بالظهر سب سے پہلے ظہر کو بیان فرمایا کیونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو ظہر کی نماز پڑھائی تھی۔ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پہلے ابراد کو بیان فرمایا، حافظ ابن حجر نے اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہاں سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو کہ ابوداؤد شریف میں ہے، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلي بعدالزوال اس کی طرف اشارہ ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

(۲) باب الابراد بالظهر فی السفر: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فی السفر کی قید بڑھا کر بتلا دیا کہ اصل مدار ابراد کا شدت حر پر ہے، باوجود اس کے کہ وہاں سب لوگ جمع رہتے ہیں اور تعجیل میں کوئی دقت بھی نہیں مگر پھر بھی رخصت دے دی گئی۔ (س)

اصحاب ظواہر کا ہاں بعض سلف کا تھوڑا سا اختلاف رہا ہے وہ یہ کہ مابعد الزوال ظہر کا وقت شروع نہیں ہوتا بلکہ جب زوال کے بعد فیء الزوال بقدر تسمہ کے بڑھ جائے وہ وقت ہوگا، ان حضرات کا مستدل ابوداؤد شریف کی روایت، اذا زالت الشمس بقدر الشراک ہے، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ ظہر کا وقت اخیر کیا ہے۔

ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مشہور قول ہے، کہ ظہر کا آخر وقت مثلین تک رہتا ہے، اور صاحبین وائمہ ثلثہ فرماتے ہیں کہ اس کا اخیر وقت مثل واحد تک رہتا ہے، تو ابتداء عصر عند الامام مثلین کے بعد اور عند صاحبی الامام وعند الثلاثۃ بعد المثل ہوگا۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ بعض مالکیہ کے نزدیک ظہر وعصر کے درمیان چار رکعات کے بقدر وقت مشترک ہے، جس میں ظہر وعصر دونوں وقت کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور اس کی وجہ یہ حضرات یہ بتلاتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کی امامت کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے پہلے دن عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ ہر شی کا سایہ اس کے ایک مثل کا ہوگیا اور ظہر کی نماز دوسرے دن ایسے وقت پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اسکے مثل ہوگیا۔ لہٰذا جب پہلے دن عصر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی اور دوسرے دن اسی وقت میں ظہر کی نماز ادا کی تو وقت مشترک نکل آیا۔ اور اس کے بعد بالمقابل بعض شافعیہ اور داؤد کی رائے ہے کہ ظہر وعصر کے مابین بقدر چار رکعات وقت مہمل ہے، تو خلاصہ یہ ہے کہ تین اختلاف ہو گئے، ایک یہ انتہاء ظہر مثل پر ہے، یا مثلین پر، دوسرے یہ کہ وقت مشترک ہے، یا نہیں اور تیسرے یہ کہ وقت مہمل ہے یا نہیں۔

پھر اس کے اندر اختلاف ہے کہ وقت عصر کب ختم ہوتا ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ مثلین پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اور بعض شوافع اور موالک کے نزدیک اصفرار کے وقت ختم ہو جاتا ہے، اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ وقت عصر غروب شمس تک باقی رہتا ہے، یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے، اور ابتدائے وقت مغرب میں کوئی اختلاف نہیں کہ غروب شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، البتہ اختتام کے اندر اختلاف ہے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مشہور یہ ہے کہ مغرب کا وقت بس اتنا ہے کہ اطمینان سے وضو کر کے تین رکعات فرض مطمئن ہو کر پڑھ لے لیکن جماہیر علماء کی رائے یہ ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک باقی رہتا ہے، البتہ حقیقت شفق کے اندر اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق وہ حمرۃ ہے جو سورج کے غروب ہوجانے کے بعد آسمان کے کنارے پر باقی رہے، جب وہ غروب ہو جائے، تب مغرب کا وقت ختم ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شفق سے مراد یہاں وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد آتی ہے اور اس کے ختم ہونے پر سیاہی آتی ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغرب کا وقت اس سفیدی کے غروب تک باقی رہتا ہے، اور عشاء کے وقت کے اختتام میں بعض سلف سے منقول ہے کہ ثلث لیل پر ختم ہو جاتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ وقت عصر الی المثلین رہتا ہے، اور بعض شوافع کی رائے ہے کہ نصف لیل تک رہتا ہے، اور اکثر علماء کی رائے ہے کہ طلوع صبح صادق تک رہتا ہے، اور طلوع الفجر اول وقت فجر ہے اور اس کا آخری وقت طلوع شمس ہے اور بعض کے نزدیک اسفار ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمہ کے اندر عند الزوال کا لفظ بڑھا کر ان لوگوں پر رد فرمادیا، جو یہ کہتے ہیں کہ ظہر کا وقت اس وقت شروع ہوگا، جب کہ فیء الزوال بقدر شراک کے ہو جائے، اور ابوداؤد شریف کی روایت پر رد فرمادیا، یا ان بعض سلف کے قول پر رد فرمادیا جو زوال سے قبل جواز ظہر کے قائل تھے۔

یصلی بالهاجرة:

ای شدة الحر وهو وقت الزوال

مادمت فی مقامی هذا:

یہ روایت گزر چکی ہے، اس سے علم غیب پر استدلال نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود ہی اشارہ فرمایا ہے، کہ جب تک میں اس جگہ میں رہوں گا۔ تو جو کچھ تم پوچھو گے اس کے متعلق خبر دوں گا۔ تو بہت ممکن ہے کہ اس خاص وقت میں اللہ تعالیٰ نے کشف فرما دیا ہو۔ **عرضت علی الجنة والنار** ۔ یہ وجہ ہے آپ ﷺ کے اس فرمانے کی کہ جو کچھ پوچھو گے، خبر دوں گا۔ **فلم ار کالخیر والشر** ۔ یعنی ایک طرف جنت تھی جو خیر ہی خیر ہے، اور دوسری طرف جہنم ہے جو شر ہی شر ہے۔ **یذهب الی اقصی المدینة** ۔ اس سے بعض حضرات نے وقت عصر کے ایک مثل پر ہوجانے پر استدلال کیا ہے مگر ایسے محتملات سے استدلال نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ تو سرعۃ مشی پر موقوف ہے۔ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ نظام الدین سے مدرسہ حسین بخش دہلی آدھ گھنٹے میں تشریف لے جایا کرتے تھے جب کہ اس کی مسافت ساڑھے تین میل ہے۔ (۱)

باب تاخیر الظهر الی العصر

شراح فرماتے ہیں کہ مثل اور مثلین کا جھگڑا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شرط کے مطابق نہیں ہے، اس لئے اس کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ بتلا دیا کہ ظہر کا وقت عصر تک رہتا ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ اس کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے **تاخیر الظهر الی العصر** کا جملہ بڑھا کر ان لوگوں پر رد فرمادیا جو **مابین الظهر والعصر** وقت مشترک یا وقت مہمل مانتے ہیں، مشترک ماننے والوں پر رد اس طرح ہوگیا، کہ ظہر کا وقت عصر تک رہتا ہے، یہ نہیں کہ ظہر و عصر کے درمیان اشتراک ہے، اور قائلین بالوقت المہمل پر اس طرح رد ہوگیا کہ جب منتہائے وقت ظہر وقت عصر تک ہے، تو بیچ میں وقت مہمل کہاں ہوگا۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ ترجمہ شارحہ ہو، کیونکہ روایت الباب میں ہے۔ **صلی بالمدینة سبعا وثمانیا .سبعا.** سے مراد مغرب وعشاء اور **ثمانیا** سے ظہر و عصر ہے، تو چونکہ ظاہر لفظ حدیث سے شبہ ہوسکتا تھا کہ مثلاً ظہر و عصر وقت عصر میں پڑھ لی یا اس کا برعکس اسی طرح مغرب وعشاء مغرب کے وقت میں پڑھ لی یا علی العکس تو تنبیہ فرمادی کہ یہ صورت نہیں بلکہ ظہر کو عصر تک موخر فرمادیا اور پھر عصر کی نماز پڑھی یعنی جمع صوری فرمائی۔ (۲)

---

(۱) **باب وقت الظهر عندالزوال**: ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے، **اذا زال الشمس الخ**، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ وقت ظہر عین زوال کے بعد بلکہ ایک شراک کے بعد شروع ہوگا۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عندالزوال کی قید بڑھا کر بتلا دیا کہ مطلق عندالزوال سے ظہر کی ابتداء ہے، اور ابوداؤد شریف کی روایت مکہ مکرمہ پر محمول ہے، کیونکہ وہ اس اقلیم کے اندر واقع ہے جو خط استواء کے تحت میں نہیں ہے بلکہ کچھ ہٹی ہوئی ہے، اتنی کہ ہر شئے کا سایہ اصلی ایک شراک کے بقدر رہتا ہے تو گویا عین زوال بھی ان لوگوں کے یہاں اس وقت ہے جبکہ بقدر شراک زوال ہوجائے۔ (س)

(۲) **باب تاخیر الظهر الی العصر** : ظہر کا ابتدائی وقت تو پہلے بتلا دیا، اس کی انتہاء کے اندر اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے یہاں ایک مثل تک ہے، اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو مثل تک ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو نہیں چھیڑا کیونکہ ان کے نزدیک مثل کی طرح مثلین والوں کا قول بھی پختہ ہے، میری رائے یہ ہے کہ جہاں تک دلائل کا تعلق ہے، وہاں مثلین راجح ہے اور اس پر بہت سے دلائل مل جائیں گے، مثلاً ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے =

باب وقت العصر

اس کے متعلق کلام گزر چکا ہے کہ اس کی ابتداء مثل پر ہے یا مثلین پر، **والشمس لم تخرج من حجرتها**۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ جملہ حدیث احناف کی دلیل ہے، یا غیر احناف کی، امام طحاوی نے اسکو تاخیر عصر کے مسئلہ پر احناف کی دلیل بتلائی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ دونوں محتمل ہیں۔ اگر حجرہ شریفہ کی دیوار چھوٹی اور صحن چوڑا ہو تو یہ تاخیر کی دلیل بن جائے گی۔ اور اگر دیواریں لمبی ہوں اور صحن چھوٹا ہو تو تعجیل کی دلیل بن جائے گی۔ کیونکہ پہلی صورت میں دھوپ دیر تک باقی رہے گی۔ اور دوسری صورت میں دھوپ جلدی چلی جائے گی، مگر حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے گھر جایا کرتا تھا اور ہاتھ اٹھاتا تو وہ چھت سے جا لگتا تو اس سے معلوم ہوا کہ دیواریں قد آدم تھیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صحن بالکل ذرا سا تو ہوگا نہیں اس میں غسل کی جگہ بھی ہوگی، گرمی میں لیٹنے کی اور کھانا پکانے کی بھی جگہ ہوگی۔ **والشمس قبل ان تظهر** اس جملہ اور جملہ حدیث **والشمس طالعة في حجرتي** کے اندر کوئی تضاد نہیں اس لئے کہ طلوع کے لئے عدم الظہور لازم ہے، جب تک حجرے کے اندر دھوپ رہے گی، دیواروں پر نہ جائے گی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی کا مقصد بھی اس جملہ کو ذکر فرما کر اختلاف الفاظ کی طرف اشارہ کرنا ہے نہ کہ کسی تعارض کی طرف **يكره النوم قبلها والحديث بعدها. لئلا يفوت الفجر او التهجد ،او لانه من عادات اهل الجاهلية ، اوليكون اختتام الصحيفة على العبادة و كان ينفتل من صلوة الغداة** حضور اکرم ﷺ اس وجہ سے غلس میں نماز ادا فرماتے تھے، کہ انصار کھیتی پیشہ تھے، اور زراعت پیشہ لوگ اس کو پسند کرتے ہیں کہ سویرے سے اپنے باغات میں پہنچ جایا کریں، اسی طرح انصار یہ بھی چاہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز بھی پڑھا کریں، اس لئے حضور اکرم ﷺ ان کی رعایت میں نماز کو مقدم فرما دیتے تھے اور غلس میں پڑھتے تھے، اسی طرح عصر کی نماز تقدیم کے ساتھ ادا فرماتے تھے، تا کہ اہل عوالی جو نوبت بنوبت مدینہ میں آتے تھے، وہ سویرے اپنے گھروں کو پہنچ جایا کریں اور عشاء تاخیر سے ادا فرماتے تھے اس لئے کہ اہل زراعت دیر میں آتے تھے، **فوجدنا يصلي**

---

٠ = اپنے زمانہ خلافت کے اندر پوری مملکت میں یہ اعلان ہر شخص کے لئے کر دیا تھا کہ **صل الظهر اذا كان ظلك مثلك، وصل العصر اذاكان ظلك مثليك**، تو اس سے صراحۃ معلوم ہو گیا کہ جب سایہ مثلین ہو جائے، تو عصر کی نماز پڑھو یعنی عصر کا وقت اب شروع ہوا ہے۔ اور ظہر کا وقت اب ختم ہوا ہے، اور یہ اعلان صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی موجودگی میں ہوا کسی نے نکیر نہیں کی تو گویا اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔ تو اگر مثلین تک ظہر کا وقت نہ رہتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے گویا سب کو قضا نمازیں پڑھوائیں۔

صلى بالمدينة سبعا وثمانيا: حضور اکرم ﷺ نے یہ جمع مدینہ کے اندر فرمایا ہے، حنابلہ اور بعض علماء نے یہاں یہ عذر پیش فرمایا کہ یہ مطر کی وجہ سے جمع تھا لیکن جمہور کے نزدیک جمع مطر کوئی چیز نہیں۔ اب یہ کہ پھر یہ جمع کیوں ہوئی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی نے بتلا دیا کہ بھائی یہاں حقیقی جمع نہیں تھی بلکہ ظہر کو مؤخر کر کے اور عصر کو مقدم کر کے نماز پڑھی گئی تھی۔ تو گویا اس جگہ جمع صوری مراد ہے، اب حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ جب یہاں جمع صوری مراد ہے تو ہم اگر سفر کے اندر جمع کر لیں اور اس کی تاویل یہ کر لیں کہ یہ جمع صوری ہے، تو کیا تعذر ہے۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب کے اندر دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی جو کسی نہ کسی کا معمول بہا نہ ہو۔ سوائے دو حدیثوں کے کہ ان پر کسی کا عمل نہیں، ان میں ایک تو یہی حدیث باب ہے، دوسری حدیث وہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص چوتھی مرتبہ شراب پی لے تو اس کو قتل کر دیا جائے، میرے نزدیک ان دونوں حدیثوں پر بھی حنفیہ کا عمل ہے کیونکہ ہم لوگوں نے اس سے جمع صوری مراد لیا ہے، اور اس دوسری حدیث سے سیاستاً قتل کرنا مراد لیا ہے، لہٰذا اب یہ دونوں حدیثیں ہماری معمول بہا ہو گئیں۔ (كذا في تقرير مولوي سلمان)

العصر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا اتباع فرمایا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ تقدیم عوارض کی وجہ سے تھی۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ اور جب یہ عوارض نہیں رہے تو تقدیم بھی نہیں رہی۔ اس سلسلہ میں احناف نے بہت سے دلائل پیش فرمائے ہیں، صاحب ہدایہ فـی تـلـول والی روایۃ سے استدلال کرتے ہیں اور علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دوسری روایت سے استدلال کیا ہے، اور میرا استدلال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے ہے کہ انہوں نے اپنے عمال کو لکھا تھا۔ صل الظهر اذا كان ظلك مثلك، و العصر اذا كـان ظـلـك مثليك تو اگر ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، تو گویا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارے ہی لوگوں کو اپنے زمانہ خلافت میں قضاء نماز پڑھوائی۔ حالانکہ یہ بـمـحـضـر مـن الـصـحـابـه ہوا ہے، کسی سے اس پر نکیر منقول نہیں ہے، باوجود یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک چادر پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسمعوا و اطیعوا کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں، لا نسمع و لا نطیع تو نماز جیسی مہتم بالشان فریضہ کے بارے میں یہ حضرات انکار نہ کریں یہ تو بہت عجیب اور بعید ہے۔ (۱)

باب اثم من فاتته العصر

اس باب پر کلام آنے والے باب کے ضمن میں کیا جائے گا۔ لن یترکم چونکہ حدیث پاک میں وتر اهله و ماله آیا ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آیت شریفہ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ کی طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ بھی اسی معنی میں ہے حدیث میں وتر اهله و ماله اس لئے فرمایا گیا ہے کہ نماز عصر جو قضا ہوتی ہے تو اکثر انہی دو چیزوں کی وجہ سے قضا ہوتی ہے۔ (۲)

باب من ترک العصر

شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ ترجمہ زائد ہے، اس لئے کہ فوات ہر قسم کے فوت کو شامل ہے چاہے وہ فوات عن الجماعة ہو یا فوت عن الوقت المستحب ہو، لیکن میرے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمتین سے ایک لطیف شی کی طرف اشارہ

---

(۱) بـاب وقت العصر الخ: التی تدعونها العتمة: عشاء کا اطلاق چونکہ مغرب وعشاء دونوں پر ہوتا ہے تو مغرب کے ایہام کو دفع کرنے کے لئے یہ جملہ بڑھادیا کہ عشاء سے مراد مغرب نہیں ہے بلکہ وہ عشاء مراد ہے جس کو تم عتمہ کہتے ہو۔ و کـان یـکـره الـنـوم قبلها و الحديث بعدها: اس کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شروع کتاب العلم کے اندر چند ابواب منعقد فرمائے ہیں۔ جو اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً عشاء کے بعد وعظ ونصیحت، تقریر، درس، تکرار وغیرہ بیوی سے بات کرنا یہ سب اس سے مستثنیٰ ہیں۔

و کان ینفتل من صلوة الغداة الخ: صبح کی نماز کے متعلق فرماتے ہیں کہ بہت اندھیرے میں پڑھتے تھے، اس کے اندر شوافع احناف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک غلس کے اندر ہمارے یہاں اسفار میں اولیٰ ہے، بلکہ گویا ہر نماز کے اندر شوافع کے یہاں تعجیل اور ہمارے یہاں تاخیر اولیٰ ہے، اس میں سے غلس اور اسفار ہے، درحقیقت یہ نبی کریم ﷺ سے کثرت سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نماز غلس میں پڑھا کرتے تھے، اسی سے شوافع نے استدلال کیا ہے، اور ہمارے دلائل حضور اکرم ﷺ کے وہ اقوال مبارکہ ہیں جن میں اسفار کے اندر نماز پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔ فیخرج الانسان الی بنی عمرو و بن عوف دارقطنی نے اس پر تنقید کی ہے، اور اس کو منقدات بخاری میں شمار کیا ہے، کیونکہ عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلط ہے، ایسے ہی جس روایت میں قبا کا لفظ ہے وہ غلط ہے اصل لفظ العوالی ہے۔ ۱۲

(۲) بـاب الـم من فاتته العصر: فوت کے معنی ہیں بلا عمد کے چھوٹ جانا، اور ترک کے معنی ہیں، قصداً اور عمداً چھوڑ دینا لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ جب فوت بلا عمد کے ہوا تو اس پر اثم کیوں ہے؟ اس کا جواب میرے ذہن میں یہ ہے کہ اثم کا لفظ لاکر اس باب کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ یہ وعید جو آئی ہے کہ وتر اهله و ماله تو یہ تشبیہ دراصل اخروی نقصان کے اندر ہے اگرچہ ظاہراً دنیاوی نقصان معلوم ہوتا ہے۔ (س)

فرمادیا وہ یہ کہ باب اول کی روایت میں وتر اهله وماله آیا ہے اوراس باب کی روایت میں حبط عمله آیا ہے،اور حبط اعمال، مال ودولت اور اہل وعیال کے چھین لئے جانے سے بہت اشد ہے،تو چونکہ دونوں وعیدیں شدید ہیں،اوران میں بھی ایک بہت ہی اشد ہے اوراس کے مقابلہ میں دوسری اہون ہے تو دونوں کے لئے مستقل ترجمہ منعقد فرمادیا۔نیز اہل ومال چھن جانے کی وعید اہون تھی اس لئے اس پرفوات کا ترجمۃ باندھا،جس کے اندر عدم اختیار کے معنی غالب ہیں اور حبط عمل کی وعید اہم تھی اس لئے اس پر ترک کا ترجمہ باندھا جس کے اندر قصد کے معنی پائے جاتے ہیں تو گویا اشارہ فرمادیا کہ مال واہل کے چھن جانے کی خبر تو اس وقت ہے جب کہ بلاقصد ہوجائے اوراگر قصد سے ہوتو پھر حبط عمل تک پہنچ جانے کا خوف ہے،اب اس کے بعد سنو! کہ فوت سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں،قیل الفوات عن الوقت المستحب، وقیل عن الجماعة، وقیل عن الوقت کاملاناسیا.

باب فضل صلاة العصر

شراح یہاں یہ اشکال کرتے ہیں کہ روایت کے اندر عصر وفجر دونوں کا ذکر ہے پھر عصر ہی کو کیوں ذکر فرمایا؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ترجمہ کا مطلب ہے باب فضل صلوة العصر علی سائر الصلوة الا الفجر. اورعلامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ سرابیل تقیکم الحر،ای والبرد کے قبیلہ سے ہے،یعنی یہاں پر بھی والفجر محذوف ہے،مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حضرات کواشکال کیوں پیش آرہا ہے؟ کیونکہ فضل فجر کا باب مستقل آرہا ہے،اور یہی روایت وہاں بھی ذکر فرمائی ہے اور یہاں پر صرف صلوۃ عصر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر ابواب العصر چل رہے ہیں،اورآگے جب ابواب الفجر آئیں گے،تو فجر کا فضل بتلائیں گے،انکم سترون ربکم. اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رویت جنت میں ہونا برحق ہے،اور چونکہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں ساری مخلوق اس کو کیسے دیکھے گی؟ تو بتلادیا کہ کما ترون القمر یعنی جس طرح قمر کی رویت عام ہے اس کی بھی عام ہوگی۔ فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس ۔اس آیت شریفہ سے بھی حنفیہ استدلال فرماتے ہیں،اسفار فجر پر۔اس لئے کہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ایسی روایت لیتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہوتو چونکہ قبل طلوع الشمس فرمایا ہے،اوراس کا مطلب یہی ہے کہ اسفار میں ہو اس لئے کہ جب یوں کہا جاتا ہے کہ مجھے سورج طلوع ہونے سے پہلے ملنا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اندھیرے میں مل لینا۔

یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل وملائکة بالنهار : یہ کون سے ملائکہ ہیں ملائکہ حفظہ ہیں یا ملائکہ کاتبین اس میں دونوں ہی قول ہیں،ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ وہ فرشتے مراد ہیں جو انسان کی حفاظت کے لئے متعین ہیں۔اور بعض نے کہا ہے کہ کاتبین مراد ہیں۔ (۱)

---

(۱) باب فضل صلوة العصر الخ وفيه انکم سترون ربکم الخ. اہل سنت والجماعت کے نزدیک قیامت میں اللہ عزوجل کا دیدار ہونا ہر مسلمان کو نصیب ہوگا۔ یہاں پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ سب لوگ ایک دم کیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو حضور اکرم ﷺ نے تشبیہ دے کر بتلادیا کہ جیسے دنیا میں چاند کھلا ہوا ہوتو سب لوگ اس کو ایک دم دیکھ لیتے ہیں ایسے ہی وہ رویت بھی ہوگی،اس حدیث سے معتزلہ پر رد ہے وہ لوگ رویت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔

قبل طلوع الشمس وقبل غروبها: ان دو اوقات کو خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ ان دو وقتوں میں تمام دنیا کے انسانوں کے اعمال کا بجٹ فرشتے اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں،تاکہ ان دو وقتوں میں اللہ کے سامنے عبادت ہی میں مشغول ہوں، فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس یہ آیت شریفہ مستدلات حنفیہ میں=

باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب

اس سے معلوم ہو گیا کہ عصر کا وقت غروب تک ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا، اب یہاں اس سے مقصود کیا ہے سنو! حدیث کے الفاظ یہ ہیں، من ادرک رکعة من الفجر فقد ادرک الفجر. ومن ادرک رکعة من العصر فقد ادرک العصر، اور باجماع امت یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے، چنانچہ رواۃ نے اس کے بعد فلیضف الیهما اور فلیتمها جیسے الفاظ کو روایت بالمعنی کے طور پر ذکر فرمایا ہے، اب حنفیہ فرماتے ہیں کہ تم نے جو معنی مراد لئے ہیں وہ احادیث نہی کے خلاف ہیں، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کو قضا پڑھے تو ایک رکعت پر اکتفا نہ کرے، جس پر وہ قادر تھا بلکہ اس میں دوسری رکعت ملالے، اور پوری نماز پڑھے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ باب الامامة سے متعلق ہے یعنی اگر کوئی امام کے ساتھ شریک ہو، اور کوئی رکعت چھوٹ گئی ہو تو اس کو پوری پڑھ لے اور یہ سمجھ کر کہ حضور اقدس ﷺ نے بعد العصر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور امام کے نماز پڑھنے کے بعد، بعد العصر ہو گیا ایک رکعت پر اکتفا نہ کرے۔ کیوں کہ یہ بعد العصر نہیں ہوا۔

اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک رکعت امام کے ساتھ مل گئی تو ساری مل گئی، لہٰذا اپنی نماز پوری کرلے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ادراک وقت پر محمول ہے، یعنی اگر حائض طاہر ہوئی، یا صبی بالغ ہوا اور بعد الطہارۃ والبلوغ ایک ہی رکعت کا وقت ملا تو یہ سمجھ کر کہ مجھے ایک ہی رکعت کا وقت ملا، نماز ادا نہ کرے تو یہ غلط ہوگا۔

میری اس تقریر پر کوئی اشکال نہیں ہوتا لیکن اگر یہ تقریر اس طرح کی جائے کہ اس حدیث کا تقاضا تو جواز کا ہے، اور احادیث نہی منع کو چاہتی ہیں، لہٰذا اب ہم قیاس سے ترجیح دیں گے، اور قاعدہ یہ ہے کہ محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے، تو احادیث نہی کو ترجیح ہوگی تو اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ تم نے بھی عصر یومہ کو خاص کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب روایات میں تعارض ہو جائے تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور قیاس عصر کے جواز کا مقتضی ہے، اس لئے کہ وہ ناقص وقت ہونے کی وجہ سے ناقص ہی واجب ہوئی، لہٰذا وقت ناقص میں ناقص ادا ہو جائے گی، اور فجر کی نماز کامل واجب ہوئی، اور اب وقت ناقص ہے تو کامل ناقص کیسے ادا ہوگی۔ نحن کنا اکثر عملا یہ دلیل ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کرنی چاہئے ورنہ اکثر عملا نہ ہوگا۔

فقالوا لاحاجة لنا الی اجرک :

علماء کی رائے ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعے سے متعلق ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ روایت سابقہ کے اندر فحجروا آیا ہے اور اس روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے فقالوا لاحاجة لنا کہہ دیا، مشائخ نے دونوں کے درمیان جمع اس طرح فرمادیا کہ اول میں ان کے صلحاء کا حال بیان کیا گیا ہے اور دوسرے میں ان کے برے لوگوں کا ذکر ہے۔

= سے ہے کہ صبح وعصر میں تاخیر اولیٰ ہے کیونکہ قبل الطلوع وقبل الغروب سے عرفاً ان کے قرب مراد ہیں۔ ملائکة باللیل وملائکة بالنهار جمہور کے نزدیک ان ملائکہ سے کاتبین مراد ہیں جو اعمال نامے پر مقرر ہوتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے خاص جماعت فرشتوں کی مراد ہے، جو محض جماعت کی نماز میں شرکت کرنے کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ وهو اعلم بهم اللہ تعالیٰ اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ آخرت کا معاملہ دنیاوی معاملات کی طرح ہے کہ شاهد، خفیہ پولیس (فرشتے) وغیرہ سب کچھ وہاں وہی ہونگے جو دنیاوی عدالتوں میں ہوتے ہیں اور صوفیا نے اس سے تصوف کا ایک مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ جب حجامت وغیرہ بنوائے تو وضو کرلے تاکہ بال وغیرہ طہارت کی حالت میں جدا ہوں۔ ۱۲

باب وقت المغرب

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی کے مشہور قول پر مغرب کا وقت اتنا ہے کہ تین رکعات یا پانچ رکعات یعنی تین فرض اور سنتیں پڑھ سکے، اور جمہور کے نزدیک مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے، اور غروب شفق کے بعد معاً عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی اس باب سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی کے مشہور قول پر رد فرما رہے ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا، کیونکہ اگر بقدر تین رکعات یا پانچ رکعات کے وقت ہوتا تو جمع کیسے ہو جاتا، اس لئے کہ جمع صوری وقت موسع میں ہو سکتا ہے، شفق کا جھگڑا کہ وہ حمرۃ ہے یا بیاض، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی کی شرط کے مطابق نہ تھا، جیسے مثل اور مثلین، اس لئے اس سے تعرض نہیں فرمایا **کنا نصلی المغرب مع النبی صلی الله علیه وسلم** الخ مغرب کے بعد مواقع نبل زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ تک نظر آسکتے ہیں اور یہ حضرات اپنے گھروں کو آتے تھے اور پھر مواقع نبل دیکھتے تھے، تو معلوم ہوا کہ یہ حضرات بڑے سریع السیر تھے، اب عصر کی نماز میں تم خود سمجھ لو کہ اگر وہ حضرات اپنے گھروں کو سورج کے زرد ہونے سے پہلے پہنچ جاتے ہوں تو کیا بعید ہے؟

رہ گئی حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی وہ روایت جس میں آتا ہے کہ **کنا نصلی العصر ثم یخرج الانسان الی بنی عمرو بن عوف فیجدهم یصلون العصر** تو یہ ہم پر وارد نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے کہ پندرہ منٹ بعد پڑھتے ہوں اور حضور اقدس ﷺ کو ان کے اس پڑھنے کا علم رہا ہو اور آپ ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہ فرمائی ہو، **قدم الحجاج فسئلنا**، چونکہ امرائے بنو امیہ نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے، اس لئے جب حجاج آیا تو انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے اوقات صلوت رسول اللہ ﷺ کے متعلق سوال کیا، **والمغرب اذا وجبت** اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں کہ مغرب کا وقت غروب شمس کے بعد فوراً شروع ہو جاتا ہے، **والعشاء احیانا واحیانا** اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ عشاء کی نماز کبھی جلدی سے پڑھ لیتے، اور کبھی تاخیر سے ادا فرماتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات انصار زراعت پیشہ تھے، اور مہاجرین تجارت پیشہ، مگر وہ انصار کے مقابلہ میں کم تھے اور میں نے پہلے بھی بتلایا ہے کہ بہت سی احادیث کا مطلب مشائخ کو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے، وہ اس بناء پر کہ مشائخ کے خدام یہ چاہتے ہیں کہ اپنے شیخ اور اپنے حضرت کے ساتھ نماز پڑھیں، اور اس کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایک بوڑھے میاں ہر جمعہ کو ستر میل اپنے گھر سے گنگوہ اس لئے آتے جاتے تھے، تاکہ حضرت گنگوہی کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ سکیں، تو پھر یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کیوں نہ چاہتے ہوں گے، کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہر نماز ادا کریں، اور ان زراعت پیشہ لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کھیتوں میں بہت سویرے چلے جاتے ہیں، اور چونکہ حضرات انصار کھیتی کرتے تھے اور اس میں سویرے جایا کرتے تھے، ادھر ان کی خواہش آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی ہوا کرتی تھی، اس لئے نبی اکرم ﷺ ان کی خاطر میں فجر کی نماز غلس میں پڑھا کرتے تھے، تو یہ ایک عارض کی وجہ سے ہوا، لیکن اصل حکم جو ہے یعنی افضلیت اسفار کا اس کی ہم کو ترغیب دی اور ارشاد فرمایا **کلما اسفرتم فهو اعظم لاجورکم** بہرحال کہنا یہ ہے کہ یہ حضرات جب عشاء کی نماز میں جلدی جمع ہو جاتے تو آپ جلدی نماز پڑھا دیتے اور جب دیر سے جمع ہوتے تو دیر سے پڑھاتے، بخلاف صبح کے وقت اس میں چونکہ سب جمع ہو جاتے تھے، اس لئے ایک ساتھ پڑھا دیا کرتے تھے۔

والصبح کانوا او کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلیها بغلس:

اس جملہ کے اندر دو لفظ ہیں، کانوا اور کان ان میں اول کی خبر تو مفقود ہے، اور ثانی کی خبر **یصلیها بغلس** ہے، اب اس میں

اختلاف ہوگیا، شراح کے درمیان، کہ اول کی خبر کہاں ہے؟ اور اصل عبارت کیا ہے؟ ان ہی امور کی وجہ سے یہ جملہ شراح کے نزدیک بڑا معرکۃ الآراہے، اگرچہ مشہور شراح علامہ عینی، حافظ کرمانی وغیرہ نے تو اس کو بہت سہل کردیا، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ او شک راوی ہے کہ آیا استاذ نے **والصبح کانوا یصلونها بغلس** کہا تھا یا **والصبح کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلیها بغلس** کہا تھا، درحقیقت ان دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضور اکرم ﷺ صبح کی نماز ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے، تو جب حضور ﷺ نے نماز پڑھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی پڑھی اور جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پڑھی تو نبی اکرم ﷺ نے بھی پڑھی اور اگر لفظ **کانوا** ہو تو **یصلیها** سے اس پر اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ وہ **کان النبی صلی الله علیه وسلم** کی وجہ سے فرمادیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو **یصلونها** لکھتے۔

اور قدماء شراح فرماتے ہیں کہ او تنویع کے لئے ہے، ابن بطال فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ **کان یصلی العشاء احیانا یعجل واحیانا یتاخر حسبما اجتمعوا والصبح کانو امجتمعین او لم یکونوا مجتمعین کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلیها بغلس**، یعنی نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز کبھی تو جلدی پڑھ لیتے اور کبھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دیر سے آنے کی وجہ سے تاخیر سے ادا فرماتے، مگر صبح کے اندر انتظار نہیں فرماتے تھے، چاہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع ہوں نہ ہوں۔ بس غلس میں پڑھ لیا کرتے تھے، ابن المنیر جو بخاری کے شارح ہیں وہ بھی اسی کے قریب قریب کہتے ہیں، وہ یہ کہ تقدیری عبارت یہ ہے "**کانوا مجتمعین او کان النبی صلی الله علیه وسلم وحده یصلیها بغلس**" حاصل تو وہی ہے جو ابن بطال کے کلام کا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ ابن بطال نے ساری تقدیری عبارت ایک ہی جگہ نکالی اور ابن المنیر نے دو جگہ مقدر مانی، ابن التین فرماتے ہیں کہ **کان** تامہ ہے **یصلیها بغلس** مستقل جملہ ہے، اس کا مطلب بھی وہی ہوا کہ فجر کی نماز میں انتظار نہیں فرمایا کرتے تھے،

صلی النبی صلی الله علیه وسلم سبعا جمیعا وثمانیا جمیعا:

روایت گزر چکی تاخیر الظہر کے اندر وہاں اس روایت کو ظہر کی حیثیت سے ذکر فرمایا تھا، اور یہاں مغرب کے لحاظ سے ذکر فرمادیا کیونکہ جمع بین المغرب والعشاء اسی وقت ممکن ہے جبکہ مغرب کا وقت الی العشاء ممتد ہو۔

باب من کره ان یقال للمغرب العشاء و
باب ذکر العشاء والعتمة ومن راٰہ واسعا

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ **لا یغلبنکم الاعراب علی اسم صلوتکم المغرب یقولون العشاء الا وهی العتمة** یعنی یہ دیہات کے لوگ تم پر غلبہ نہ پا جائیں اس بات میں کہ جیسے وہ مغرب کو عشاء کہتے ہیں (حالانکہ وہ مغرب ہے) تم بھی عشاء کہنے لگو اس لئے کہ قرآن وحدیث میں اس کا نام مغرب آیا ہے، نیز احکام کے اندر اشتباہ لازم آئے گا۔ اسی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے، کہ **لا یغلبنکم الاعراب علی اسم صلوتکم العشاء یقولون العتمة الا وهی العشاء** یعنی جیسے اعراب واہل بادیہ عشاء کو عتمہ کہتے ہیں، تم ان کو دیکھ کر عتمہ نہ کہو کیونکہ وہ تو عشاء ہے اور قرآن وحدیث میں اس کا نام عشاء رکھا گیا ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلا جز تو صحیح ہے، اس لئے اس پر تو باب باندھ دیا لیکن دوسرا جز حجت نہ تھا، اس لئے فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عشاء کو عتمہ کہہ دیا جائے اسلئے باب ذکر العشاء والعتمہ ذکر فرمایا اور فرمایا من رآہ واسعا عشا کو عتمہ کہنا دو وجہ سے جائز ہے، اول یہ کہ مغرب پر عشاء کا اطلاق کرنے میں تو التباس ہے، اور عشاء پر عتمہ کا اطلاق کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مغرب میں تو کوئی ایسی روایت نہیں جس سے اس پر عشاء کا اطلاق جائز معلوم ہوتا ہے، بخلاف عشاء کے کہ کثرت سے روایات میں عشاء پر عتمہ کا اطلاق کیا گیا ہے، لیکن چونکہ قرآن پاک میں من بعد صلوٰۃ العشاء مذکور ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ عشاء کہے، لیکن اگر عتمہ کہے تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، یہ مشترک کلام ان دونوں بابوں پر ہو چکا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب ثانی کے اندر بہت سے آثار نقل فرمائے ہیں جن میں بعض سے عتمہ اور بعض سے عشاء کا اطلاق معلوم ہوتا ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مقصود ان آثار کے نقل کرنے سے یہ بتلانا ہے کہ اطلاق عتمہ علی العشاء جائز ہے کوئی حرج نہیں، فان رأس ماۃ سنۃ اس پر کلام اپنی جگہ آئے گا۔ (۱)

باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے ابواب ترتیب وار ذکر فرما رہے ہیں، چنانچہ یہاں پر مغرب کے بعد عشاء کی نماز کے متعلق بیان فرما رہے ہیں، عشاء کی نماز میں کوئی تحدید نہیں کی بلکہ جب لوگ جمع ہو جائیں اسی وقت پڑھا دی جائے۔ (۲)

باب فضل العشاء

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مصنف نے جو روایت اس باب کے اندر ذکر فرمائی ہے اس سے عشاء کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ انتظار عشاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا باب کے اندر ایک مضاف مقدر ہے، باب فضل انتظار صلوۃ العشاء۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ بھی کوئی بات ہوئی بلکہ ایسا کرنا چاہئے کہ مصنف کا ترجمہ ثابت ہو جائے لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہوگی، باب فضل صلوۃ العشاء التی ھی تشرع لھا الانتظار یعنی عشاء ایسی افضل نماز ہے کہ اس کے واسطے انتظار کرنا مشروع ہے، بخلاف اور

---

(۱) باب من کرہ ان یقال للمغرب: اس باب پر ایک اعتراض ہے، وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جب ترجمہ کے اندر باب من کرہ الخ کہیں تو اس سے اشارہ ہوتا ہے، اس بات کی طرف کہ یہ مصنف کی رائے نہیں ہے دوسرے لوگوں کا مذہب ہے تو اس باب کے اندر من کرہ الخ سے یہ معلوم ہوا کہ کراہت خود مصنف کے نزدیک نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کے نزدیک ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے یہ لفظ بڑھا کر تھوڑی سی گنجائش کی طرف اشارہ فرما دیا کہ مخالفت، مطلق نہیں بلکہ لا یغلبنکم سے خود سمجھ میں آ رہا ہے کہ مبالغہ کی ممانعت ہے، لہٰذا کبھی کبھی استعمال کر لینے میں حرج نہیں۔

(۲) باب وقت العشاء اذا اجتمع۔ شراح حضرات نے اس باب کی غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اگر عشاء کی نماز جلدی پڑھی جائے تو اس کو عشاء اور اگر تاخیر سے پڑھی جائے تو اس کو عتمہ کہتے ہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ نے ان کے قول پر رد فرمایا ہے، کہ خواہ موخر ہو یا معجل ہو ہر صورت کے اندر اس کو عشاء کہیں گے، میرے نزدیک اس باب کی غرض ایک دوسری ہے وہ یہ کہ اس باب سے مصنف نے عشا اور فجر کے درمیان حضور ﷺ کے معمول میں فرق بتلا دیا کہ صبح کے اندر حضور غلس میں پڑھ لیتے تھے مگر عشاء کے اندر وقت متعین نہیں تھا۔ کبھی جلدی اور کبھی تاخیر سے۔ (س)

نمازوں کے کہ اس کے اندر انتظار نہیں ہوتا۔

دونوں شراح کے کہنے کا مطلب ایک ہی ہے، صرف فرق یہ ہے کہ حافظ نے پہلے مقدر مان لیا اور علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بعد میں، مگر میری رائے ان دونوں سے الگ ہے جس کو میں ابھی آگے چل کر قریب میں بیان کروں گا۔

فقال ما ینتظرھا: یہ حضور ﷺ نے تسلی کے واسطے فرمایا کہ تم ایسے لوگ ہو کہ سوائے تمہارے اور کوئی انتظار نہیں کرتا، **قدموا معی فی السفینۃ**، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اصحاب الہجر تین تھے، حبشہ کی طرف ہجرت کی جب مدینہ منورہ میں آئے تو سفینہ کے اندر بیٹھ کر آئے، **لیس احد من الناس یصلی ھذہ الساعۃ غیرکم**، اس کا مطلب یہ ہے کہ صلوات خمس میں سے چار تو امم سابقہ کے اندر بھی پڑھی گئی ہیں، فجر حضرت آدم علیہ السلام پر اور ظہر حضرت عزیر علیہ السلام اور عصر حضرت یونس علیہ السلام پر اور مغرب کی نماز حضرت داؤد علیہ السلام پر فرض تھی، انبیاء کی تعیین پر اختلافات ہیں اور عشاء کے متعلق مشہور ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات پر فرض ہوئی اور چونکہ امت محمدیہ افضل الامم ہے، لہٰذا اس کی چیزیں بھی افضل ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ صوم محرم چونکہ امم سابقہ کا روزہ ہے، اس سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور صوم عرفہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کا روزہ ہے، اس لئے اس سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، لہٰذا صلوۃ العشاء کی فضیلت ثابت ہوئی، اور یہ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ حضرت شاہ صاحب کے کلام سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔ (۱)

باب النوم قبل العشاء

نوم قبل العشاء کے اندر روایات دونوں طرح کی وارد ہیں، نہی کی بھی اور وہ روایات بھی جن سے نوم قبل العشاء کا جواز معلوم ہوا ہے روایات نہی خوف فوات پر محمول ہیں اور جن روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے ان کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جمعا بین الروایات فرماتے ہیں کہ یہ اس حالت پر محمول ہیں جب کہ نیند کا غلبہ ہو جائے اور یہ صورت ہو جائے کہ بجائے دعا کے بددعا نکلے، اور **لعلہ یستغفر فیسب نفسہ** کی حالت تک پہنچ جائے، **ماینتظرھا احد من اھل الارض غیرکم**، اسکا مطلب شراح یہ بتلاتے ہیں اور سارے لوگ نماز عشاء پڑھ کر سو گئے اب صرف تم ہی انتظار کرتے ہو، اور میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمہارے ساتھ خاص ہے

---

(۱) **باب فضل العشاء**: یہ باب بھی معرکۃ الاراء ہے اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں، چونکہ واقعہ ایک ہے، اس لئے شراح نے دونوں روایتوں کو ایک ہی قرار دیا ہے، اور پہلی روایت کے اندر **ماینتظرھا احد من الارض** اور دوسری روایت میں **ماصلی ھذہ الساعۃ احد غیرکم** دونوں کا مآل اور مطلب ایک ہی نکالا ہے یعنی تم لوگوں نے ہی اس وقت نماز پڑھی ہے تمہارے علاوہ کسی نے نماز نہیں پڑھی کیونکہ اسلام کا اس وقت تک افشاء نہیں ہوا تھا، میرے نزدیک یہ دونوں روایتیں الگ الگ ہیں، اور ہر ایک کا مفہوم الگ الگ ہے، اول روایت کے اندر ہے کہ **ماینتظرھا الخ** اس کا مطلب ہے کہ تم نے جواب تک انتظار کیا ہے اس کا ثواب تم کو ملے گا۔ کیونکہ اسوقت کسی نے بھی اس نماز کا انتظار نہیں کیا اور دوسری حدیث کے اندر **ماصلی ھذہ الساعۃ** یعنی یہ تمہاری ہی نماز ہے، کسی اور نے ایسے وقت کے اندر نماز نہیں پڑھی، اب اس معنی کے اعتبار سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ عشاء کی نماز امت محمدیہ کی خصوصیت میں سے ہے، اس سے پہلے کسی امت پر یہ نماز نہیں تھی لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب یہ ہماری نماز ہے تو اہمیت کا تقاضا ہے کہ اس کو جلدی پڑھیں، نہ کہ تاخیر سے اس کا جواب یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے اندر تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ صحیفہ کے اندر وہ اخیر میں آئے گی تو گویا صحیفہ کا زیادہ تر حصہ نماز سے پر ہو گا۔ (س)

اور اہل ارض دوسری امم جن پر یہ فرض نہیں وہ اس کا انتظار نہیں کرتے۔ **قال و لا یصلی یومئذ الا بالمدینة** یہ راوی کی اپنی رائے ہے اپنے فہم کے مطابق **لامرتھم ان یصلوا ھکذا ای بالتاخیر لتکون العبادة فی آخر الصحیفة لا غیر. فاستبث عطاء ای سالته للتحقیق.**

باب وقت العشاء

قیل آخره الی ثلث اللیل وقیل الی نصف اللیل وقال الجماهیر من العلماء آخره الی آخر اللیل وعندی ان البخاری مال الی ان آخر وقت العشاء الی نصف اللیل ولکن قال المشائخ انه یخرج علی ھذا من مذاھب العلماء المشھورین فینبغی ان یقال انه رحمه الله ذکر فی الباب آخر وقت العشاء المستحب ، قلت ظاهر صنیعه انه رحمه الله لم یرد ھذا. فانه ذکر فی ابوابه اوائل الوقوت واواخرھا فھکذا فی ھذاالباب.

باب فضل صلاة الفجر و الحدیث

میں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کمائی ان کے ابواب کے اندر ہے، اسکے اندر انہوں نے اسرار ونکات ودیعت کر رکھے ہیں، اول تو ان کے ابواب کا ثابت کرنا ہی مشکل امر ہے، پھر بعض تراجم تو ایسے معارکۃ الآراء ہیں کہ اب تک امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض متعین نہ ہوسکی، انہی میں سے **ترجمة الحلاب** ہے، انہی میں **قبلة اھل المشرق والشام** ہے، اوران ہی ابواب میں یہ باب بھی ہے اور یہی وہ باب ہے جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ **فضل الفجر** کا باب آگے ابواب کے اندر آرہا ہے، لہٰذا یہاں باب **فضل العصر** کے اندر **باب فضل العصر علی سائر الصلوات سوی الفجر** کہنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، اور نہ ہی اس کو **سرابیل تقیکم الحر** کے قبیل سے ماننے کی ضرورت ہے، جیسا کہ علامہ عینی فرماتے ہیں، اب یہاں تک تو ٹھیک ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس سے **فضل الفجر** ثابت فرمایا مگر آگے جو انہوں نے **والحدیث** بڑھادیا یہ مشکل بن گیا۔ پتہ نہیں چلتا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض اس سے کیا ہے؟ بعض علماء نے تو کہہ دیا کہ سہو کاتب ہے، اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ تقدیری عبارت یہ ہوگی، **باب فضل الفجر وباب الحدیث الوارد فی ذلک**، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس طرح سے ترجمہ ثابت ہوگیا۔ مگر اس طریقہ سے ترجمہ واضح نہیں ہوا کیونکہ یہ تو ہر باب میں کہا جاسکتا ہے ''باب ہے فلاں کے بیان میں'' ''اور'' اس حدیث کے بیان میں جو اس میں وارد ہے اور بعض اکابر کی رائے ہے کہ جو روایت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس باب کے اندر ذکر فرمائی ہے، وہ بہت اہم ہے اس لئے اس میں رویت جناب باری تعالیٰ کا ذکر ہے، **وھو من اھم الاشیاء** اس لئے اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فضیلت فجر ثابت فرماتے ہوئے اس حدیث کی فضیلت کو بھی ثابت فرمادیا اب تقدیری عبارت ہوگی، **باب فضل صلوة الفجر وباب فضل الحدیث الوارد فی ھذا الباب** اور یہ توجیہ یقیناً علامہ عینی کی توجیہ سے اولی واوجہ ہے، اور یہ میرے والد صاحب کی توجیہ ہے اور میری رائے ہے کہ اگر حدیث سے مراد حدیث اصطلاحی نہ ہو بلکہ حدیث لغوی یعنی بات کے معنی میں ہو تو زیادہ اچھا ہے اور چونکہ ابھی روایت گزری ہے، **والحدیث بعد ھا** تو اس سے بالکل کراہت معلوم ہوتی ہے، اس لئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو بڑھا کر اس کے جواز بعد العشاء کی طرف اشارہ فرمادیا، ظاہر ہے **انکم سترون ربکم** یہ بات جو ہوئی ہے، یہ عشاء کے بعد کی ہے، اس لئے کہ ضوء قمر نصف لیل کے قریب ہی جاکر پھیلتی ہے، اور اس کی روشنی عام ہوتی ہے لیکن تصریح نہیں ملی اگر مل جائے تو کیا کہنا، **من صلی البردین دخل الجنة** بردین سے مراد عصر، فجر ہے،

کما صرح فی روایة اخرٰی اوراس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ ملا ئکة اللیل وملا ئکة النہار کے اجتماع کا وقت ہوتا ہے، لہٰذا یہ افضل الاوقات ہوا اور بعض علماء نے اس جگہ ابوداؤد کی روایت کی وجہ سے (جس کے اندر یہ ہے کہ جو شخص ان دونوں پر قناعت کرے وہ اس کے لئے کافی ہے) یہ ترجمہ باندھا ہے، باب من اکتفی علی البردین لیکن صحیح یہ ہے کہ کفایت نہ ہوگی، بلکہ یہ کسی خاص شخص کے بارے میں ہے، جیسا کہ حضرت امام احمد سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس کو شخص خاص پر حمل کیا ہے۔ (۱)

باب وقت الفجر

اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فجر کا اول وقت بتلا رہے ہیں، کنت اتسحر فی اھلی یہ حضرات ایسا کرتے تھے کہ اپنے گھر سے سحری کھا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تا کہ وہاں ایک دو لقمے کھا کر برکت حاصل کریں، جیسا کہ دوسری روایت میں ہے، یہاں ادراک صلوة فجر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر فرمایا ہے اور اپنے گھر سے اس لئے کھا کر چلتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بار نہ ہو، یہاں اس باب کے اندر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اول الاوقات کو ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اور اوقات کے اندر اول الاوقات وآخر الاوقات کو ذکر فرماتے آئے ہیں، اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الاوقات میں نماز پڑھنا رمضان کے ساتھ خاص تھا۔

باب من ادرک من الفجر رکعة

جیسے اور اوقات کے اندر اس کے اواخر کو بیان فرمایا اسی طرح آخر وقت فجر کو بیان فرمایا۔

باب من ادرک من الصلوٰة رکعة

چونکہ کثرت سے روایات کے اندر آیا ہے من ادرک رکعة من العصر فقد ادرک العصر ومن ادرک رکعة منَ الفجر فقد ادرک الفجر اس سے بظاہر اس حکم کا اختصاص فجر اور عصر کے ساتھ معلوم ہوتا تھا، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ یہ کوئی ان دونوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ اور نمازوں کا بھی یہی حکم ہے، کہ اگر کوئی اور نمازوں کے اوقات سے صرف بقدر رکعت پالے تو پوری نماز فرض ہوگی، اور علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ باب اول سے ادراک وقت اور اس باب سے ادراک صلوٰۃ مقصود ہے۔ (۲)

---

(۱) باب فضل صلوة الفجر والحدیث صاحب خیر جاری نے باب کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے، کہ اصل عبارت یہ ہے باب فضل صلوٰة الفجر والحدیث المشہور فیه، ان کی اور علامہ عینی کی تاویل میں صرف لفظوں کا فرق ہے، حضرت اقدس گنگوہی کے ایک شاگرد حضرت مولانا محمد حسن صاحب مکی ہیں، انہوں نے حضرت کی تقریر سے ایک توجیہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حدیث سے مراد کلام الناس ہے اور مقصود یہ ہے کہ فجر کے بعد بات کرنا مکروہ ہے لقولہ فسبح بحمد ربک کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ وقت وقت تسبیح ہے نہ کہ بات چیت کرنے کا، فقط۔

(۲) باب من ادرک من الصلوٰة رکعة: اس سے بتلایا کہ احادیث کے اندر فجر اور عصر کی تخصیص احترازی نہیں بلکہ یہ حکم تو ہر نماز میں ہے کہ من ادرک رکعة من الصلوٰة فقد ادرک، لیکن فجر اور عصر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بعد نماز کا پڑھنا طلوع وغروب تک ممنوع ہے، تو کسی کو وہم نہ ہو کہ شائد ممنوع وقت کے اندر وجوب نہیں ہوگا۔ اس حدیث کا لفظ من ادرک رکعة من الصلوٰة ہے لیکن ترجمہ میں اسے تبدیل کرکے من ادرک من الصلوٰة رکعة کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کا ذہن تیز ہونے کی بناء پر فوراً ایک حدیث سے دوسری حدیث کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، تو ترجمہ والے لفظ بیہقی کی حدیث کے تھے، تو اس طرح تبدیلی کرکے اشارہ کر دیا کہ دونوں عبارتوں کے مؤدی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (کذا فی تقریرین)

باب الصلوة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس

یہاں سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اوقات منہیہ کے ابواب ذکر فرمائے ہیں، اور تین چار ابواب مسلسل ذکر کئے ہیں، اور ان کا ذکر صرف اوقات منہیہ کے بیان کے واسطے فرمایا ہے اوقات منہیہ میں روایات مختلف وارد ہوئی ہیں ایک روایت میں ہے، نهى رسول الله ﷺ عن الصلوة عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعنداستوائها حتى تزول وعند ما تضيف للغروب حتى تغرب (روایت بالمعنی ہے) اور دوسری روایت میں ان اوقات میں تحری صلوٰۃ کی ممانعت وارد ہے، تو پہلی روایت اطلاق کے درجہ میں ہے خواہ قصد ہو یا نہ ہو اور تحری کا مطلب یہ ہے کہ بالقصد انہی اوقات میں پڑھے، اور تیسری روایت ہے کہ نهى رسول الله ﷺ عن الصلوٰة بعدالفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب، ان اختلاف روایات کی وجہ سے چند اختلاف ہو گئے، ائمہ ثلاثہ نہیں بلکہ دو اماموں، امام شافعی اور امام احمد (یہ نہیں بلکہ دو اماموں جو میں نے کہا ہے یہ جان کر کہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ ارتفاع شمس میں جواز صلوٰۃ کے قائل ہیں) کا مذہب یہ ہے کہ ان اوقات خمسہ کے اندر فرائض مطلقا جائز ہیں۔ ادا ہوں یا قضا اور نوافل مطلقا نا جائز، لہٰذا یہ نہی کی روایات ان حضرات کے نزدیک نوافل پر محمول ہیں لیکن امام شافعی تھوڑا سا اختلاف کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نوافل ذوات الاسباب فرائض کی طرح ہیں ان کے حکم میں ہیں اس بناء پر اگر کوئی اوقات منہیہ میں مسجد جائے تو تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے، میں نے "نہیں بلکہ دو اماموں" امام شافعی اور امام احمد کہہ کر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کو خارج کیا تھا، کیوں کہ وہ ارتفاع کے وقت جواز کے قائل ہیں، کیونکہ وہ عمل اہل مدینہ کو لیتے ہیں، جیسے امام ابوحنیفہ اوفق بالقرآن کو لیتے ہیں، اور امام شافعی بھی تھوڑا سا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں، وہ یہ کہ ان کے نزدیک یوم الجمعہ مستثنیٰ ہے۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اوقات نہی دو طرح کے ہیں ایک تو اوقات ثلثہ یعنی وقت طلوع، وقت ارتفاع، وقت غروب ان اوقات ثلاثہ میں مطلقا کسی قسم کی نماز پڑھنی جائز نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اوقات میں قباحت ہے، اور دوسرے بعدالفجر حتى الطلوع اور بعد العصر حتى الغروب ان دونوں وقتوں میں نوافل کی ممانعت ہے۔، اور فرائض جائز ہیں۔ کیونکہ نفس وقت میں کوئی خرابی نہیں اب اس کے بعد ائمہ اربعہ وظاہریہ کا اختلاف ہے، وہ یہ کہ ائمہ اربعہ آپس کے اختلافات کے ساتھ فرماتے ہیں نہی عن التحری کی روایات، روایت مطلقہ کی طرف راجع ہیں اور تحری کی تخصیص محض بیان قبح کے لئے فرمادی ہے اور ظاہریہ کے نزدیک روایت مطلقہ نہی عن التحری کی روایات کی طرف راجع ہیں اگر یہ اختلاف تمہارے ذہن میں رہیں گے تو پھر تم کو بخاری شریف کے تراجم میں مزا آئے گا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جس کو جتنا زیادہ اختلاف روایات اور اختلاف ائمہ پر عبور ہوگا اس کو اتنا ہی زیادہ بخاری کے تراجم میں لطف آئے گا اور ان کی باریکیاں اس پر منکشف ہوں گی۔

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے ترجمہ سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمادیا، اول یہ کہ نہی کی روایات اطلاق پر باقی ہیں، تحری کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ ترجمہ مطلق رکھا ہے، تحری کا اس میں کوئی ذکر نہیں فرمایا اور دوسرے یہ کہ حتى ترتفع الشمس سے اشارہ فرمادیا کہ بعض روایات میں جو حتى تطلع الشمس آیا ہے، وہاں طلوع سے مراد ارتفاع شمس ہے، حتى تشرق الشمس گویا مصنف نے شرح فرمادی کہ شروق سے مراد ارتفاع ہے۔

حدثنی ناس بھذا:

اس کو ذکر فرما کر اختلاف الفاظ کی طرف اشارہ فرمادیا کیونکہ پہلی روایت میں رجال مرضیون اوراس روایت میں ناس کا لفظ ہے نیز اختلاف سند کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

نھی عن بیعتین:

یہ دونوں بیوع بیع منابذہ اور بیع ملامسہ ہیں، یہ زمانہ جاہلیت کی خاص بیعیں ہیں، منابذہ تو یہ ہے کہ کنکری پھینک کر بیع کرتے تھے، اور ملامسہ خاص طور سے چھو دیتے تھے، جس سے بیع تام ہو جاتی، اس کی تفصیل بیوع جاہلیت میں آئے گی۔

وعن لبستین:

ایک اشتمال صماء اور دوسرا احتباء ہے اشتمال صماء تو یہ ہے کہ اس طرح ایک کپڑے کو لپیٹے کہ اس میں سے ہاتھ وغیرہ نہ نکل سکیں خوب لپیٹ لے اور احتباء یہ ہے کہ گوٹ مار کر بیٹھ جائے۔ وعن الملامسة والمنابذه ان کو نباذ ولماس بھی کہتے ہیں۔

باب لا یتحری الصلوة قبل غروب الشمس

یہاں پر شراح نے کوئی تعرض نہیں فرمایا جہاں مطلقا ممانعت صلوۃ بعد الفجر وارد ہے وہیں بعد العصر کی بھی ممانعت مطلقا وارد ہے، اور جہاں نہی عن التحری وارد ہے وہاں بھی دونوں کے اندر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جہاں نہی مطلق ہے وہاں سیاق ایک ہے، اور جہاں نہی عن التحری ہے، وہاں بھی دونوں کا سیاق ایک ہے، پھر کیا بات ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی نے فجر کے اندر تو مطلقا باب باندھا، تحری کا ذکر نہیں فرمایا اور غروب کے اندر تحری کو ذکر فرمایا۔ (۱)

مشائخ فرماتے ہیں کہ تفنن عبارت ہے اور میرے والد صاحب تقریر میں فرماتے ہیں کہ باب اول سے تو جمہور کے مذہب کی طرف اشارہ فرمایا، اوراس سے ظاہریہ کے مذہب کی طرف گویا دونوں بابوں سے الگ الگ اختلاف علماء کی طرف اشارہ ہے، اور چکی کا پاٹ یوں ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی مجتہد ہیں، اور روایات تحری کی بھی اور مطلقہ بھی دونوں طرح کی وارد ہیں۔ اور سیاق برابر ہے مگر فجر میں کوئی روایت معارض موجود نہیں کہ جس سے صلوٰۃ بعد الفجر کا جواز بھی معلوم ہوتا ہو بخلاف بعد العصر کے کہ اس میں نہی کے خلاف ایسی روایات موجود ہیں جس سے صلوٰۃ بعد العصر کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور وہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہما کی روایات ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بعد العصر دو رکعت پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا تو وہاں معارض نہ ہونے کی وجہ سے اطلاق کو اختیار فرمایا اور یہاں معارض ہونے کی وجہ سے تحری کو اختیار فرمایا تو یہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی

---

(۱) یہ اشکال مزید وضاحت کے ساتھ دوسری تقریر میں اس طرح ہے کہ بعض روایات میں جو ارتفاع شمس وغروب شمس کا ذکر ہے اس کا تعلق فجر وعصر دونوں سے ہے، ایسے ہی جن روایات میں تحری سے ممانعت ہے وہ ممانعت بھی فجر اور عصر دونوں کو شامل ہے، تو جب دونوں جگہ یعنی فجر اور عصر کو دونوں نقل شامل ہیں، تو پھر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی نے صلوۃ فجر کا باب باندھ کر اس میں تو طلوع کا صیغہ استعمال کیا اور صلوٰۃ عصر کا جو باب باندھا اس میں تحری کا صیغہ استعمال کیا حالانکہ احادیث کے مضمون کا تقاضا ہے، کہ سب ایک ہیں۔ لہذا جیسے یہ باب قائم کیا کہ الصلوة بعد الفجر حتی ترتفع ایسے ہی عصر میں اس طرح باب قائم فرماتے کہ الصلوة بعد العصر حتی تغرب، یا پھر جیسے یہ باب قائم فرمایا کہ باب لایتحری الصلوة قبل غروب الشمس ایسے ہی فجر میں یہ باب قائم فرماتے کہ باب لاتتحری الصلوة قبل طلوع الشمس غرض کہ مصنف نے یہ جدت کیوں اختیار فرمائی۔ (س)

کا مذہب ہے اور اس میں کوئی بعد نہیں کیوں کہ وہ مجتہد ہیں۔ اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں تحری کی روایات اور روایات مطلقہ ذکر فرما کر اشارہ فرمایا کہ روایات مطلقہ تحری کی روایات کی طرف راجع ہیں جیسا کہ باب سابق میں اس کا عکس فرمایا ہے کہ تحری کی روایات روایات مطلقہ کی طرف راجع ہیں۔

یہاں ایک بہت مفید اور کارآمد بات سنو موطا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اندر بھی نهی عن الصلوة وقت استواء الشمس کی روایت موجود ہے مگر پھر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ جواز صلوٰۃ وقت استواء کے قائل ہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جہاں کسی امام کا قول کسی روایت کے خلاف ہوتو یوں کہتے ہیں کہ ممکن ہے ان امام کو وہ روایت نہ پہنچی ہو۔ یہ کہہ دینا مطلقاً صحیح نہیں، دیکھو یہاں روایت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کو پہنچی ہے، لیکن پھر بھی اس کو چھوڑ دیا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام کسی وجہ ترجیح کی بناء پر کسی روایت کے خلاف دوسری کو ترجیح دیتا ہے مثلاً ائمہ کے یہاں وجوہ ترجیح مختلف ہیں۔ انہی میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل اہل مدینہ وجوہ ترجیح میں سے ہے چونکہ اہل مدینہ کا عمل اس وقت صلوٰۃ پڑھنے کا تھا، اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کو ترجیح دی اور جیسے کہ احناف کے یہاں وجوہ ترجیح میں سے اوفق بالقرآن اور راوی کا افقہ وغیرہ ہونا ہے، اور شوافع کے یہاں سند کا قوی ہونا یا ثقاہت رواۃ ہے۔

باب ما يصلى بعد العصر من الفوائت ونحوها

ابھی میں نے بیان کیا تھا کہ اوقات منہیہ پانچ ہیں ان کے درمیان ائمہ ثلاثہ کے یہاں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور حنفیہ کے یہاں تفریق ہے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب سے اشارہ فرمادیا کہ نہی نوافل پر محمول ہے، اور فوائت جائز ہیں، مگر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ونحوها بڑھادیا جس کی وجہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس کے قائل ہیں، شافعیہ تو ونحوها کا مطلب یہ قرار دیتے ہیں کہ اس سے ذوات الاسباب تحیۃ صلوۃ الکسوف وغیرہ مراد ہے، کیونکہ وہ بھی ان اوقات میں پڑھی جائے گی، اور حنفیہ کہتے ہیں کہ جب ذوات الاسباب نوافل ہیں تو وہ فوائت کے مثل کیسے ہوسکتی ہے؟ اس لئے ''ونحوها'' سے مراد وہ نماز ہے جو فوائت کے مثل ہیں۔ جیسے صلوٰۃ الجنازہ وسجدۂ تلاوت شغلنی ناس الخ یہ ابتداء ہوئی لم یکن رسول اللہ ﷺ یدعها سرا ولا علانية اس سے مراد یہ ہے کہ گھر میں یعنی اہل خانہ سے حضور اقدس ﷺ اخفاء نہیں فرماتے تھے، کیونکہ ابھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت گزری ہے، لایصلها فی المسجد اور یہ انتہا ہوئی کہ پھر مداومت فرمانے لگے۔ (۱)

---

(۱) باب مایصلی بعد العصر الخ وفیہ وقال کریب عن ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے بعد العصر نماز پڑھی مگر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے معلوم ہوا کہ صرف ایک مرتبہ پڑھی ہے جب کہ آپ ﷺ کے پاس وفد آیا تھا اور اس کی وجہ سے ظہر کے بعد والی رکعتیں پڑھی ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اکثر روایات میں ملے گا کہ حضور ﷺ نے اکثر نماز عصر کے بعد نوافل پڑھے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں ایک ہی مرتبہ بطور قضاء کے پڑھی ہوگی، مگر چونکہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی کام کو شروع فرماتے تو اس کو پابندی سے فرمایا کرتے تھے، تو گویا اس کے بعد ہمیشہ آپ ﷺ نے رکعتیں بعد العصر پڑھی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک یہ نماز صرف حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے چنانچہ ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ جس میں صراحت کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نماز عصر کے بعد رکعتیں پڑھتے تھے، اور ہم لوگوں کو منع فرمایا کرتے تھے، اب آگے راویت میں جو اس نماز کے متعلق آرہا ہے کہ ماترکھما اس سے مراد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ترک نسخ ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے بالکلیہ نہیں چھوڑا۔

وہ پانچ اوقات جن میں نماز پڑھنا جائز نہیں یہ ہیں۔ طلوع، بعد الفجر، نصف النہار، بعد العصر، غروب

باب التبکیر بالصلوٰۃ فی یوم غیم

ابر کے زمانہ میں نماز کو جلدی پڑھنا چاہئے تا کہ کہیں وقت نہ نکل جائے یہ تو ترجمۃ الباب کا ترجمہ ہے، اس پر کلام آگے آرہا ہے۔

فقال بکروا بالصلوٰۃ الخ:

اس پر کلام گزر چکا ہے۔

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تبکیر کا باب باندھ دیا ہے، اور روایت کے اندر بکروا بالصلوٰۃ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے، جو موقوف ہے، تو اگر اس سے استدلال ہے، تو موقوف سے استدلال ہو رہا ہے حالانکہ مصنف کا موضوع استدلال بالمرفوع ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد "من ترک صلوۃ العصر الخ" یہ عصر کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اگر استدلال ہوگا بھی تو صرف عصر پر ہوگا ان دونوں اشکالوں کا ایک ہی جواب ہے، وہ یہ کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا استدلال بکروا بالصلوٰۃ سے ہے، اور چونکہ بکروا بالصلوٰۃ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے ماخوذ ہے اس لئے وہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ مسئلہ مستنبط فرما لیتے تو جب ائمہ استنباط فرما سکتے ہیں، تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا استنباط بھی ہوگا۔ لہٰذا استدلال مرفوع سے ہوا گویا بالواسطہ ہے، اور چونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عصر کی کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ مطلقا بکروا بالصلوٰۃ فرمایا، لہٰذا تعمیم صحیح ہے اور عصر کے ساتھ استدلال خاص نہ رہا۔

باب الاذان بعد ذھاب الوقت

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ الباب میں بعد ذھاب الوقت سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ فائتہ کے لئے اذان اس وقت کہی جائے گی جبکہ قضاء انقضاء وقت کے بعد ہی ہو یہ نہیں کہ اگر دس سال بعد قضا کرے تو اذان کہے اور یہ ہی علماء کا مذہب ہے، اس کے بعد ائمہ میں اختلاف ہے کہ اگر جماعت کی نماز فوت ہو جائے اور جماعت سے قضا کرنا چاہے تو کیا اس کے لئے اذان ہوگی؟

حنفیہ و حنابلہ کے یہاں ہوگی اور مالکیہ کے یہاں اذان نہیں ہوگی، اور شوافع کے یہاں دونوں قول ہیں، اس لئے ناقلین مذہب کبھی ان کو ہمارے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور کبھی مالکیہ کیساتھ، مالکیہ کہتے ہیں کہ اس میں تجہیل ہوگی اس لئے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ بیوقت اذان کیسی ہے؟ اور جمہور کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کے فعل سے استدلال ہے، لو عرست بنایا رسول اللہ یہ لیلۃ التعریس کا واقعہ ہے، اور میں اس پر کلام کر چکا ہوں کہ لیلۃ التعریس کتنی مرتبہ ہوئی، جمہور کی رائے ہے کہ ایک مرتبہ ہوئی اور محققین کی رائے ہے کہ دو مرتبہ ہوئی، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہوئی فقال بلال انا او قظکم صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو کچھ کھویا وہ بلال کی انا نے کھویا، پیارو انانیت سے بہت بچو اور اپنے دلوں سے اس کو بالکل نکال دو، اللہ تعالیٰ اصل مقصود ہیں، اگر ذلت برداشت کرنے میں ان کی رضاء ہے تو یہ ہی عزت ہے۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار تمکین
وہ نہیں سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

اللہ کی نظر میں عزیز رہو۔ گومخلوق کتنا ہی حقیر سمجھے ایسا نہ ہو کہ انانیت سے ان کے یہاں سے رد کر دیا جائے، فاذن بالناس بالصلوة یہ جمہور کا مستدل ہے۔ فلما ارتفعت الشمس وابیاضت قام فصلی حنفیہ کہتے ہیں کہ نفس وقت میں کراہت تھی، اس لئے بیاض شمس کا انتظار فرمایا۔

باب من صلی بالناس جماعة بعدذهاب الوقت

اگر جماعت کی نماز فوت ہوگئی ہو تو جماعت سے پڑھے یا فرادیٰ، ائمہ اربعہ کے نزدیک جماعت سے پڑھے، اور بعض سلف کا اس میں اختلاف رہا ہے وہ فرادیٰ کے قائل تھے، اس کی طرف اشارہ فرمادیا اور اذان کے اندر اختلاف گزر ہی چکا ہے۔ فصلی العصر بعد ما غربت الشمس یہاں یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ یوم الخندق میں صرف عصر کی نماز قضاء ہوئی اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ شغل عن اربع صلوات ظهر وعصر ومغرب وعشاء عشاء اس طور پر کہ اپنے وقت معہود کے بعد پڑھی گئی۔ بعضوں نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے، اور علماء موجہین توجیہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں یوم خندق ایک ہی دن نہیں، ممکن ہے کہ کسی ایک دن صرف عصر کی نماز فوت ہوئی ہو۔ اور دوسرے کسی دن چار نمازیں فوت ہوئی ہوں اور عصر والی روایت بخاری کی شرط کے مطابق تھی۔ اس لئے اس کو ذکر فرمادیا۔ (۱)

باب من نسی صلوة فلیصل اذا ذکرها

ترجمۃ الباب میں "ولا یعید الا تلک الصلوة کا مطلب یہ ہے کہ سنن کی روایت میں ومن الغد للوقت وارد ہوا ہے اور اس کا بظاہر مطلب یہ ہے، (جیسا کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے) کہ جب یاد آئے اس وقت پڑھے، اور پھر جب دوسرے دن اس کا وقت آئے تو پھر پڑھے لہذا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس پر رد فرمادیا کہ صرف اسی نماز کا اعادہ ہوگا۔ یہ نہیں کہ کل پھر اسی کو پڑھے گا۔ اور علماء موجہین کے نزدیک دونوں کے معنی صحیح ہیں، اور اصل تو من الغد للوقت تھا، لیکن بعض رواۃ نے روایت بالمعنی کے طور پر ایسا نقل کر دیا جس سے مقضیہ کا تکرار اعادہ معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ مراد نہیں ہے اور من الغد للوقت اس لئے فرمادیا کہ حدیث کے مشہور الفاظ یہ ہیں کہ من نام عن صلوة او نسیها فلیصلها اذا ذکرها فان ذلک وقتها اس سے بظاہر ایہام ہوتا ہے، کہ اب صلوٰۃ مقضیہ کا وقت بدل گیا اور وقت التذکیر وقت بن گیا تو اس وہم کا دفعیہ ومن الغد للوقت فرما کر فرمادیا۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ :

اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز قائم کرو میرے یاد دلانے کے وقت اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو مگر یہاں اول مطلب ہی مراد ہے۔

قال موسیٰ قال همام سمعته یقول بعد وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ :

مطلب یہ ہے کہ روایات دو طرح کی ہیں، ایک لذکری دوسری للذکری، مگر کس کی روایت میں کونسا جملہ ہے یہ متعین نہیں،

---

(۱) بباب من صلی بالناس جماعة اس باب کے ضمن میں ایک بات سنو غزوۂ خندق کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ صلوۃ الخوف کی آیت سے پہلے ہوا یا بعد میں؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت خوف پہلے نازل ہوئی اور غزوۂ خندق بعد کا واقعہ ہے تو ان کے نزدیک کثرت ازدحام کی وجہ سے اب بھی قضا جائز ہے، اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صلوٰۃ خوف کا نزول غزوہ کے بعد ہوا ہے ان لوگوں کے نزدیک اب یہ قضا جائز نہیں ہے۔

اس لئے ہر ایک پر نسخہ کی علامت بن رہی ہے۔(۱)

باب قضاء الصلوات الاولیٰ فالاولیٰ

اگر متعدد نمازیں قضاء ہو جائیں تو امام شافعی کے نزدیک مطلقاً ترتیب نہیں ہے اور امام احمد کے نزدیک مطلقاً ترتیب ہے، اگر دس برس بعد یاد آئے کہ میری فلاں نماز قضاء ہوئی تھی، تو ساری قضا کرنی ہوگی، اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ وحنفیہ کے نزدیک پانچ تک ترتیب واجب ہے، اور اس سے بڑھ جائے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی، اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک نسیان سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، اور مالکیہ کے نزدیک ساقط نہیں ہوتی۔(۲)

باب مایکرہ من السمر بعد العشاء

حدیث شریف میں ہے، نهى النبی ﷺ عن النوم قبل العشاء والحديث بعدها۔ اس پر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السمر کا ترجمہ باندھ کر اشارہ فرمادیا کہ ممانعت مطلق بات کرنے کی نہیں ہے بلکہ سمر سے ممانعت ہے، اور چونکہ سمر کا لفظ آیا تھا، اس لئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ سامر اسی سے مشتق ہے، اور اس کی جمع اسمار ہے، اور چوں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ حافظ قرآن ہیں کوئی لفظ قرآن کا آجائے تو ان کا ذہن فوراً آیت قرآنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ذہن سامرا تهجرون کی طرف چلا گیا اور وہاں سامر اجمع ہے، تو فرماتے ہیں کہ سامر یہاں یعنی قرآن پاک میں جمع کے معنی میں ہے۔

باب السمر فی الفقه والخير بعد العشاء

یہ باب سابق سے استثناء ہے کہ سمر فی الفقہ والخیر جائز ہے، لا يبقى ممن هو على ظهر الارض احد، میں اس حدیث پر

---

(۱) باب من نسی صلوة الخ ابوداؤد ونسائی میں روایت ہے، من نام عن صلوة او نسيها فليصلها اذا ذكرها فان ذلك وقتها ومن الغد للوقت اسی مضمون کی روایت اس باب میں بھی ہے، مگر ان دونوں کی روایت مذکورہ میں یہ زیادتی ہوتی ہے، ومن الغد للوقت، اس کا مطلب بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ اگر کسی شخص کی کوئی نماز قضا ہو جائے تو جب یاد آئے اس وقت پڑھے اور پھر اگلے دن دوبارہ اس نماز کو اس وقت میں پڑھے مثلاً اگر نماز فجر کسی کی قضا ہوگئی تو جب یاد آئے ایک تو اس وقت پڑھے اور پھر اگلے دن فجر کے وقت اس نماز کو دوبارہ پڑھے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر اس کے ذریعہ رد فرمایا ہے اور اس حدیث میں جو زیادتی ہے، اس کا مطلب جمہور نے یہ بیان فرمایا کہ فان ذلك وقتها سے یہ وہم ہوتا تھا کہ قضاء ہو جانے کے بعد اگر یاد آئے تو یہی وقت ہوگا۔ اس نماز کی ادا ہمیشہ اسی وقت پڑھنی چاہئے۔ مثلاً فجر کی نماز اگر قضاء ہوگئی اور طلوع شمس کے بعد اس کو وہ نماز یاد آئی تو فان ذلك وقتها اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کل کو بھی طلوع شمس ہی اس فجر کا وقت ہے بلکہ ومن الغد بعد الوقت یعنی اپنے وقت پر پڑھے۔

(۲) باب قضاء الصلوات الاولیٰ فالاولیٰ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ باب منعقد فرماکر اپنی طرف سے فیصلہ فرمادیا کہ میں شافعیہ کے ساتھ نہیں ہوں بلکہ حنفیہ ومالکیہ کے ساتھ ہوں، اور جو روایت باب کے اندر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پانچ سے چونکہ کم تھیں، الہٰذا ترتیب فرمائی۔۱۲

کلام کر چکا ہوں کہ محدثین اس ارشاد کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ اگر سو سال بعد کوئی صحبت نبوی کا دعوی کرے تو وہ کذاب ہے ہاں حیات خضر کے متعلق بات رہ جاتی ہے، اس کے متعلق میں نے کہا تھا، کہ کلام اپنی جگہ پر آئے گا جو لوگ ان کی حیات کے قائل ہیں، وہ اس کی مختلف توجیہات کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ اس وقت پانی پر تھے، فوھل الناس اور خوف اس وجہ سے ہوا کہ وہ حضرات یہ سمجھے کہ اب سے سو سال بعد قیامت آجائے گی۔

باب السمر مع الاھل والضیف

یہ بھی از قبیل استثناء ہے کہ بیوی اور مہمان کے ساتھ بعد العشاء بات چیت جائز ہے، اس لئے کہ عامة بیوی سے بعد العشاء ہی بات چیت کا موقعہ ملتا ہے، اور اس کا بھی حق ہے۔ وان لزوجک علیک حقا، اور مہمان کے لئے کوئی وقت متعین نہیں جب چاہے آجائے عشاء کے بعد اگر آئے گا تو اس کی مہمان نوازی کرنی ہوگی۔ اس سے کھانے پینے کے متعلق پوچھنا ہوگا۔ ان اصحاب الصفة اصحاب صفہ طلبہ تھے، علم سیکھتے تھے، اور انہیں کو مدارس کا ماخذ قرار دیا جاتا ہے، پیارو! تم ان کے قائم مقام ہو تو ان کے جیسے بن جاؤ۔

وان اربع فخامس اور سادس:

یا تو او شک کے لئے ہے، یا تنویع کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر طعام زائد ہو تو سادس کو لے جائے ورنہ خامس کو۔

فانطلق النبی ﷺ بعشر:

اس لئے کہ حضور تو حضور ہیں اور اس کے ساتھ آپ ﷺ کی برکت بھی ہے۔

قال فھو انا وابی وامی ولا ادری ھل قال وامرأتي وخادم الخ:

اس میں اختلاف ہے کہ وخادم کا عطف کس پر ہے، علامہ کرمانی کی رائے ہے کہ احتمال تو دونوں ہیں، کہ امی پر ہو، یا امراتی پر ہو مگر ثانی یعنی امراتی پر عطف ہونا لفظا اقرب ہے ایسا ہی شرح کرمانی میں ہے اور حاشیہ میں جو یہ لکھا ہے کہ احتمال کے امراتی پر عطف ہو یا امی پر اور ثانی اقرب ہے لفظا اور اس کو علامہ کرمانی کا قول قرار دیا ہے، یہ غلط ہے، اس لئے کہ امی پر عطف ہونا یہ لفظا اقرب نہیں، لہذا کاتب کو سہو ہو گیا۔

اور علامہ عینی کی رائے ہے کہ امی پر عطف ہے اور فرق دونوں کے اندر یہ ہے کہ اگر امراتی پر عطف ہو، جیسا کہ کرمانی کی رائے ہے، تو خادم بھی لا ادری کے تحت داخل ہوگا، اور مشکوک ہو جائے گا، اور اگر امی پر عطف ہو، جیسا کہ عینی کہتے ہیں تو اس صورت میں وہ متیقن ہوگا، اور شک صرف امرأتي میں ہوگا۔ اور یہی میری بھی رائے ہے۔

وان ابابکر تعشی:

اس سے میرے والد صاحب نے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ میزبان کو مہمان کے ساتھ کھانا ضروری نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ استنباط بہت دقیق ہے، اور اس مسئلے پر امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کتاب الاطعمہ میں مستقل ترجمہ منعقد فرمائیں گے،

قال ای عبدالرحمن فاختبات

اس لئے کہ میرے اوپر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برسیں گے، کہ تو نے مہمانوں کو کیوں نہیں کھلایا۔

یاغنثر :

یعنی اے ناک کٹے!

کلوالاھنیئا:

یعنی یہ تم نے کیا کیا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تک نہ آئیں گے نہیں کھائیں گے۔

فقال واللہ لااطعمہ:

اس روایت میں تقدیم وتاخیر ہوگئی، بخاری کی اکثر جگہوں میں یہ واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہمانوں کو گھر لے گئے، تو گھر والوں سے کہہ دیا کہ ان کو کھانا کھلا دینا اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے، گھر والوں نے مہمانوں کی تواضع کی انہوں نے کہہ دیا کہ جب تک ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں آئیں گے، اس وقت تک نہیں کھائیں گے، جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو معلوم فرمایا کہ کھانا کھایا یانہیں، کہا گیا کہ نہیں، بیٹے کو بلایا اور پوچھا کہ مہمانوں کو کھانا کیوں نہیں کھلایا بیٹے نے کہہ دیا کہ انہوں نے کھایا ہی نہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیوں نہیں کھایا، انہوں نے کہا جب تک تم نہیں کھاؤ گے، ہم نہیں کھائیں گے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھالی، واللہ لا آکل ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی اس وقت تک نہیں کھائیں گے، جب تک تم نہیں کھاؤ گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم توڑدی، اور فرمایا "انما کان ذلک من الشیطان" اور پھر کھانا کھالیا اور ان مہمانوں نے بھی کھالیا۔

وایم اللہ ماکنا ناخذا للقمۃ:

یہاں تقدیم وتاخیر ہوگئی، اولا اکل ہوا اور پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمادیا، یااخت بنی فراس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی قبیلہ بنی فراس کی تھیں یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ الآن اکثر منھا قبل ذلک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اپنے حق پر ہونے کے پھر اپنے آپ کو پست کیا اور خود ہی قسم توڑ دی، اس کی جزا اللہ نے یہ عنایت فرمائی کہ اس طعام کے اندر یہ برکت ہوئی کہ کھاتے جاتے تھے، اور نیچے سے بڑھتا جاتا تھا، خود بھی کھایا مہمانوں کو بھی کھلایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور وہاں بارہ عریفوں اور ان کی جماعت نے اس سے سیر ہو کر کھایا اور یہ کوئی عجب نہیں، جیسا کہ تم کو معلوم ہو چکا ہے، کہ ایک پیالہ دودھ سو سے زیادہ کو کافی ہو گیا، جیسا کہ اصحاب صفہ کے واقعہ میں گزرا۔

عقد ای معاھدہ ففرقنا اثنی عشر رجلا:

یعنی ہم نے بارہ آدمی الگ کئے۔ مع کل رجل منھم اناس ان بارہ میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جماعت تھی اور حاشیہ کا نسخہ ہے۔ فعرفنا جس کے معنی عریف اور چودھری بنانے کے ہیں۔ اور دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ بارہ جماعتیں کردیں جن کے

ایک ایک سردار تھے، اور اناس جمع ہے کم از کم ہر ایک کے ساتھ تین تین ہوں گے۔ تو مجموعہ چھتیس ہوگیا۔ یہ تو علی سبیل التنزل ہے، ورنہ اللہ جانے کہ کتنے تھے۔ کمافی الروایۃ اس سے اندازہ کرو کہ کتنے لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھانا کھایا۔ اب یہاں پر میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ اور شراح رضوان اللہ علیہم میں اختلاف ہوگیا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ شراح فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ایک قوم کفار سے معاہدہ تھا وہ مدت ختم ہوگئی، جو مقرر ہوئی تھی، کفار خدمت اقدس میں مزید میعاد بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے، ان میں بارہ سردار تھے، اور ان کے ساتھ ان کے اتباع تھے اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میعاد ختم ہوگئی تھی، لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب چھانٹے اور ان کی سرکردگی میں لشکر بھیجا، تاکہ وہ کفار سے جا کر جنگ کریں، تو شراح کے فرمانے پر وہ بارہ اور ان کے اتباع کفار میں سے تھے، اور والد صاحب کے فرمانے پر سب کے سب مسلمان تھے، لفظ حدیث دونوں کو مشتمل ہے، اور مجھ کو اب تک باوجود تلاش کرنے کے یہ واقعہ کہیں نہیں ملا۔ (۱)

---

(۱) باب السمر مع الاهل والضیف: ترجمۃ الباب میں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مذکور ہے، اس میں کچھ تقدیم و تاخیر ہوگئی، حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو خوب ڈانٹا تو اس کے بعد وہ مہمانوں کے پاس گئے اور فرمایا کہ کھاؤ، ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کے بغیر نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھالی کہ میں تو نہیں کھاؤں گا اس پر مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فکر ہوئی کہ مہمان بھوکے رہیں گے، اس لئے فوراً ایک لقمہ کھالیا اور یہ فرمایا کہ انما ذلک من الشیطان اس کے بعد سب لوگوں نے کھانا کھایا، اس کھانے میں خوب برکت ہوئی۔ اپنی بیوی سے دریافت فرمایا کہ اے اخت بنی فراس! پہلے زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے انہوں نے فرمایا کہ اب زیادہ ہے اس کے بعد وہ کھانا صبح کو حضور اکرم ﷺ کے پاس لے گئے، حضور ﷺ کے یہاں بارہ سردار دوسرے قبائل کے مہمان بن کر آئے ہوئے تھے، اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے، سب نے مل کر وہ کھانا کھایا۔ یہ ہے پورا قصہ مگر اس روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قسم کھانے کے بعد ایک لقمہ کھانے کا ذکر بعد میں ہے، اور اپنی بیوی سے زیادتی طعام کا ذکر پہلے ہے یہ تقدیم و تاخیر ہوگئی، یہاں پر حافظ ابن حجر نے براعۃ اختتام کے متعلق سکوت فرمایا ہے، لیکن میرا مطلب (یعنی موت کی طرف اشارہ کرنا) فمضی الرجل سے صاف ظاہر ہے۔ (کذا فی تقریرین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الاذان

باب بدأ الاذان الخ

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ چونکہ احکام صلوٰۃ بیان فرمارہے ہیں، اس لئے اس کے متعلقات وشرائط بیان فرما کر اب اذان کا ذکر فرماتے ہیں، اور اذان جماعت کے واسطے ہوتی ہے، اس لئے اس میں جماعت کا بھی ذکر فرمادیا۔ میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ وہ ابتداء حکم کی طرف ان آثار وآیات سے اشارہ کرتے ہیں، جو باب میں مذکور ہوں، تو بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں جو دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں، ان سے استبراک وتیمن کے ساتھ ساتھ بدأ الحکم کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہو، اس طور پر کہ یہ دونوں آیات مدنی ہیں تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیات ذکر فرما کر بتلا دیا کہ بدأ اذان مدینہ منورہ میں ہوئی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیفیت بدأ اذان بیان کرنی ہو اور وہ، وہ ہے جیسا کہ روایت میں ہے۔

اب یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ آیت کریمہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ خاص ہے اس لئے کہ اذان جمعہ سے متعلق ہے، اور باب عام ہے، تو ترجمہ کیوں کر ثابت ہوا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت کے بارے میں منقول ہے کہ مشروعیت اذان اس سے ہوئی لہٰذا حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعمیم کی بناء پر استدلال فرمایا۔ اب اشکال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جب ابواب میں حدیث ایک ذکر فرماتے ہیں تو آیات دو کیوں ذکر فرمائیں، اس کا جواب بعض نے دیا کہ نداء کا صلہ کبھی لام آتا ہے اور کبھی الیٰ اس لئے اس پر تنبیہ فرمانے کے لئے ذکر فرمادیا یہ کچھ نہیں ہے اصل میں چونکہ بعض کی رائے ہے جیسا کہ ابھی گزرا کہ اذان کی مشروعیت و اذا نودی للصلوۃ والی آیت سے ہوئی ہے، اس لئے اس کو ذکر فرمایا، مگر وہ آیت چونکہ جمعہ کے متعلق ہے اس لئے تعمیم ثابت کرنے کے لئے دوسری ذکر فرمادی، اور اس میں مختلف اقوال ہیں کہ اذان کی مشروعیت کس سے ہوئی، اول یہ ہے کہ آیت و اذن فی الناس بالحج سے لی گئی، دوسرا قول یہ ہے کہ لیلۃ الاسراء میں اذان سنی اس سے لی گئی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لی گئی۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ سے مشروعیت ہوئی، پانچواں قول یہ ہے کہ رویا عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مشروعیت ہوئی، وھو المشھور "عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ذکروا النار والناقوس" یہاں یہ روایت مجمل ہے، اور سنن کی روایت میں واقعہ کی تفصیل ہے، ابوداؤد میں ہے کہ نماز میں تین تغیر واقع ہوئے اور روزے کے اندر بھی تین تغیر واقع ہوئے نماز کے تغیرات ثلاثہ میں سے ایک یہ ذکر کیا ہے، کہ لوگ مسجد میں آتے تھے، اور نماز پڑھ کر چلے جاتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسی صورت ہونی چاہئے کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھا کریں، اس لئے کہ اجتماع میں بہت فوائد ہیں۔ جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ فضائل نماز میں ایک مستقل فصل میں اس کو بیان کیا ہے، فلتراجع تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے عرض کیا کہ آگ جلادی جائے، لوگ اس کو دیکھ کر جمع ہوجایا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں تشبیہ بالمجوس ہے، کسی نے دف بجانے کا مشورہ دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں یہود کے

ساتھ تشبیہ ہے، اور کسی نے ناقوس کا مشورہ دیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تشبیہ بالنصاریٰ ہے، کسی نے کہا کہ اونچی جگہ پر ایک جھنڈا لہرا دیا جایا کرے تا کہ لوگ نماز کے وقت پر مطلع ہو جایا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے بھی انکار فرمایا اور فرمایا کہ یہ کافی نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے، تو وہ جھنڈا کیسے دیکھیں گے۔

جب تبلیغ کا ابتدائی دور تھا تو کچھ لوگوں نے چچا جان (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) سے عرض کیا کہ تبلیغی جماعت کے واسطے کوئی جھنڈا ہونا چاہئے، جیسا کہ مجاہدین کے پاس ہوتا ہے، چچا جان نے فرمایا کہ زکریا کے مشورہ پر موقوف رکھو جب میں نظام الدین حاضر ہوا تو میرے سامنے مسئلہ پیش ہوا، میں نے ایک دم انکار کر دیا کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے جھنڈے کے متعلق گفتگو ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے رد فرما دیا تھا۔ لہٰذا اب جو جماعت نماز کی طرف بلانے کو نکلتی ہے اس کے لئے جھنڈا نہ ہونا چاہئے۔

غور سے سنو! حضور اکرم ﷺ نے باوجود شدت ضرورت کے تشبیہ بالکفار سے احتراز فرمایا میرے پیارے بچو! تم کو کفار کے تشبہ سے بچنا چاہئے، **فذکروا الیھود والنصاری** روایت میں اختصار ہے، اسلئے کہ نار یہود کا طریقہ نہیں بلکہ مجوس کا شعار ہے، جیسا کہ روایت مفصلہ میں ہے، تو گویا یہ بطور تمثیل کے راوی نے بیان کر دیا، **فامر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة** یہاں بھی اختصار ہے، اس لئے کہ معا اسی مجلس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا امر نہیں فرمایا گیا، کیونکہ یہ حکم تو حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کے بعد ہوا، اور وہ اس مشورے سے متاخر ہے، اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اگر خواب دیکھا ہے تو عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کی طرف ایک ہی روایت اذان کی ہے، اور بڑے بڑے صحابہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نہیں دیکھا اور اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا بھی تھا تو اس کو بھول گئے تھے، پھر حضرت عبداللہ کے کہنے کے بعد یاد آیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور چونکہ جب حضرت عبداللہ بن زید نے مجلس میں یہ بات سنی تو ان کو اس کا فکر ہوا اور اتنی فکر ہوئی کہ سب کچھ چھوڑ کر مسجد میں جا پڑے کہ جب تک کوئی صورت نہ بن جائے مسجد سے نہ نکلوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ مجاہدہ کے بدلہ میں اپنا راستہ دکھلا دیتے ہیں تو ان کو خواب میں اذان دکھلا دی اور حضرت ابوبکر و عمر کو اتنا اہتمام نہیں ہوا، اس لئے وہ نہیں دیکھ سکے، اب رہا یہ سوال کہ خواب تو حضرت عبداللہ نے دیکھا اور نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو اذان کہنے کا حکم فرمایا؟ باوجودیکہ حضرت عبداللہ نے عرض بھی کیا کہ خواب میں نے دیکھا ہے، لہٰذا میں ہی اذان دوںگا مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلال صیّت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان میں اللہ کی عظمت کا اعلان واعلام ہے، اور حضرت بلال نے چونکہ مکہ معظمہ میں کفار کے ہاتھوں سخت تکلیف میں ہونے کے باوجود اللہ کی احدیت کا نعرہ بلند کیا اور اعلان کیا اسلئے اللہ نے حضرت بلال کو اس کے ساتھ نواز دیا کہ جب بلال نے زمانہ کفر میں اعلان احدیت کیا تو اب اسلام کے عروج کے زمانہ میں بھی وہی اعلان کریں گے۔

میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے گو انصار سے یہ بھی منقول ہے کہ عبداللہ بن زید بیمار تھے، اس لئے حضرت بلال کو اذان کہنے کا امر فرمایا۔

فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰة:

یہ روایت یا تو مجمل ہے یا مؤول، اس لئے کہ اذان کی مشروعیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے سے نہیں ہوئی، لہٰذا یا تو یہ کہا جائے کہ یہ روایت مجمل ہے، اور اصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب کچھ حضرت عبداللہ کے خواب کے بعد کیا،

یا مؤول ہے کہ اذان سے اذان متعارف مراد نہیں بلکہ اذان لغوی اعلان بالصلوٰۃ مراد ہے یعنی کوئی نماز کے وقت الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ دیا کرے۔(۱)

باب الاذان مثنی مثنی

مثنی مثنی اثنین سے معدول ہے، تو اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب مثنی اثنین اثنین سے معدول ہوا تو تکرار تو ایک مرتبہ مثنی کہنے سے حاصل ہو گیا اب دو مرتبہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، دو مرتبہ کہنے سے تو چار مرتبہ ہو جائے گا۔ بعض تو کہتے ہیں کہ بعض نسخوں میں ایک ہی مرتبہ ہے، اور راجح یہ ہے کہ الفاظ روایت کے اتباع میں فرما دیا کیونکہ ترجمہ کے جو الفاظ ہیں وہی مسند طیالسی کے الفاظ ہیں اور بعضوں نے جواب دیا کہ یہ تکرار انواع سے ہے یعنی ہر وقت کی اذان میں تکرار ہو گا اور مثنی مثنی ہو گی ترجمۃ الباب کی غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہے، جو ترجیع کے قائل ہیں کیونکہ ترجیع میں شہادتین چار مرتبہ ہو جائیں گے، حنفیہ وحنابلہ ترجیع کے قائل نہیں اور یہ بھی ممکن ہے، کہ ترجمہ شارحہ ہو، اس لئے کہ روایت میں ہے ان یشفع الاذان اور شفع کے معنی ہیں، ضم کے تو ممکن ہے کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ مطلقاً ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ میں ملا کر کہتا چلا جائے چاہے ایک وقت میں کتنے کہہ ڈالے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ مراد یہ ہے کہ دو۔ دو کلمہ تثنیہ مراد ہے، **وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ** اس میں اشکال یہ ہے کہ مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ متحد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ میں تو پوری اقامت مراد ہے، اور مستثنیٰ میں صرف قد قامت الصلوٰۃ مراد ہے۔(۲)

---

(۱) باب بدأ الاذان الخ: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الرحمۃ کا اصل مقصد تو نماز کو بیان کرنا ہے مگر چونکہ نماز سے قبل چند چیزیں ضروری ہیں، اس لئے ان کو بیان فرماتے ہیں، مثلاً اذان، امامت، صفوف، جماعت وغیرہ اور تقریباً صفحہ ایک سو ایک پر جا کر باب ایجاب التکبیر وافتتاح الصلوٰۃ کا باب منعقد فرمائیں گے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب کے ذیل میں دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں اول آیت میں تو ابداء اذان کا ذکر نہیں ہے اور دوسری آیت خاص ہے جمعہ کی اذان کے ساتھ اور باب مطلق اذان کا ہے لہٰذا ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہوئی اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ ہر خاص میں عام پایا جاتا ہے۔ لہٰذا دوسری آیت میں مطلق صلوٰۃ کے لئے اذان کا ذکر ہو گیا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اذا نودی للصلوٰۃ الآیۃ یہ بدأ اذان کے وقت ہی نازل ہوئی تھی لہٰذا اس کو تو بدأ سے مناسبت ہو گئی اور اول آیت کو مطلق اذان سے مناسبت ہو گئی ہے خواب میں سب سے پہلے اذان حضرت عبداللہ بن زید کو بتلائی گئی اس کے بعد بیس صحابہ کو بتائی گئی۔ (کذا فی تقریرین)

(۲) باب الاذان مثنی مثنی یہ معدول ہے، اثنین اثنین سے اور ثانی اول کے لئے تاکید ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہر نماز کی اذان کے متعلق مثنی مثنی ہے تو گویا اس لفظ سے تعمیم اذان مقصود ہے، اب یہ کہ باب کی غرض کیا ہے؟ شراح فرماتے ہیں کہ ایتار جو کہ اقامت میں ہوتا ہے، اذان کے اندر نہیں ہوتا اس فرق کے لئے باب قائم فرمایا۔ میری رائے ہے کہ اس باب سے شافعیہ و مالکیہ پر رد ہے کیونکہ ان کے یہاں ترجیع ہے، احناف وحنابلہ کے یہاں ترجیع نہیں اس کی تائید مقصود ہے اور دلیل یہ ہے کہ ملک منزل من السماء کی اذان میں ترجیع نہیں تھی اور حضرت بلال کی اذان میں بھی ترجیع نہیں تھی، البتہ ابو محذورہ کی روایت میں ترجیع ہے اور اسی سے ان دونوں حضرات نے استدلال کیا اور یہ کہا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے، لہٰذا اول تمام اذانوں کے لئے ابو محذورہ کی حدیث ناسخ ہو گئی۔ امام احمد بن حنبل کی طرف سے جواب دیا گیا کہ فتح مکہ کے بعد جب حضور مدینہ تشریف لائے اور ۹ھ اور ۱۰ھ اور ۱۱ھ میں جو اذانیں حضرت بلال نے دی ہیں، ان میں ترجیع نہیں ہے لہٰذا یہ اذان ابو محذورہ کی اذان کے لئے ناسخ بنے گی۔

باب الاقامة واحدة الا قوله قدقامت الصلوٰة

جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ مولف نے مثنٰی مثنٰی سے شفع کی تفسیر فرمادی، اسی طرح یہاں ان یوتر الاقامة میں ایتار کی تفسیر فرمادی کہ ایک ایک بار ہے، اس لئے کہ بظاہر لفظ ایتار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایتار ہونا چاہئے، خواہ ایک بار ہو یا اس سے زائد اب جس طرح اذان میں اختلاف ہے، اسی طرح تکبیر میں بھی اختلاف ہے، ایک حنفیہ وغیر حنفیہ میں۔ دوسرے غیر حنفیہ میں۔ حنفیہ وغیر حنفیہ میں اختلاف ہے کہ احناف فرماتے ہیں کہ الفاظ اقامت مثنٰی مثنٰی ہیں۔ جیسا کہ اذان میں ہے، اور غیر حنفیہ فرماتے ہیں کہ افراد اقامت ہوگا۔

اب پھر غیر احناف میں اختلاف قدقامت الصلوٰة میں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کے بھی افراد کے قائل ہیں، اور حنابلہ وشافعیہ اس کی تثنیہ کے قائل ہیں، مالکیہ کہتے ہیں کہ الا الاقامة کا لفظ مدرج ہے، جیسا کہ ایوب کی روایت میں ہے، اصل حدیث میں نہیں ہے، اور شوافع وحنابلہ اصل حدیث میں قرار دیتے ہیں، حنفیہ ملک نازل من السماء کی اذان سے استدلال کرتے ہیں، کیوں کہ وہ مثنٰی مثنٰی تھی، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حنابلہ وشافعیہ کے قول کو ترجیح دی، وان یوتر الاقامة علماء نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔ اور میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ جملہ قضیہ مہملہ ہے، جو قوت میں جزئیہ کے ہوتا ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے صلوٰۃ خاصہ میں یہ حکم دیا اور وہ صلوٰۃ صبح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ فجر کی اذان ابن ام مکتوم کی اذان سے ملا کر کہا کریں، اور اقامت ایک آدمی کہے، یہ مطلب نہیں کہ ایک کے بعد دوسرا کہے۔

قال اسماعیل فذکرت لایوب فقال الا الاقامة : مالکیہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔

باب فضل التاذین

تاذین کہتے ہیں۔ اذان کہنے کو۔ اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ روایت سے اذان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اذان کہنے کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے، بعض حضرات جواب دیتے ہیں کہ جب اذان کی فضیلت ثابت ہوگئی تو اذان کہنے کی فضیلت بھی ثابت ہوگئی۔ میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت کے موافق ترجمہ سے ان روایات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ان کی شرط کے موافق نہیں ہیں، اور ان سے اذان کہنے والوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جیسے المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیامة وغیر ذلک **وله ضراط،** ضراط کے معنی ہیں، گوز مارنا، شیطان یہ فعل کیوں کرتا ہے؟

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس لئے کرتا ہے تا کہ اذان کی آواز اس کے کانوں میں نہ آسکے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب قریب میں شور ہو رہا ہو تو دور کی بات سنائی نہیں دیتی، اور بعض فرماتے ہیں کہ اپنے اس نازیبا فعل سے اذان کے ساتھ تمسخر کرتا ہے، جیسا کہ دور از تہذیب کمینوں کا طریقہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو تمسخر سوجھتا ہے تو ایک اٹھ کر دوسرے کے منہ پر ٹھائیں سے گوز مرتا ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ گوز نکلنے کی وجہ یہ ہے کہ اذان کی وجہ سے اس پر بوجھ پڑتا ہے، کیونکہ اذان کا ہنٹر اس پر لگتا ہے، جیسے کہ تانگہ والا گھوڑے کو چابک مارے تو وہ گوز مارنے لگے۔

حتی اذاقضی التثویب:

چونکہ تکبیر میں الفاظ اذان ہوتے ہیں اس لئے وہ اس وقت بھی بھاگ جاتا ہے، لیکن جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔

حتی یخطر بین المرء ونفسہ الخ:

یہاں اشکال یہ ہے کہ اس روایت سے اذان کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، نماز کے مقابلہ میں کیوں کہ شیطان اذان سے تو بھاگ جاتا ہے، لیکن نماز کے وقت آجاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اشیاء کے کچھ خواص ہوتے ہیں، جو اس سے افضل کے اندر نہیں ہوتے مگر ان میں نہ ہونے سے اس مفضول کا افضل ہونا لازم نہیں آتا، جیسے سنا دست آور ہے۔ مگر خمیرہ مروارید میں یہ بات نہیں تو اس سے سنا کا افضل ہونا خمیرہ مروارید کے مقابلہ میں سمجھ میں نہیں آتا، اسی طرح یہاں اذان میں یہ خصوصیت ہونے سے کہ اذان کہنے کے وقت شیطان بھاگ جاتا ہے، نماز پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ (۱)

باب رفع الصوت بالنداء

غرض اذان اعلام ہے، مگر چوں کہ اس میں اللہ کی توحید اور شہادت رسول اور شعائر اسلام کا اعلان ہے، اس لئے صرف قدر ضرورت پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خوب رفع صوت مطلوب ہے، اس لئے کہ ہر رطب ویابس شہادت دے گی۔

وقال عمر بن عبدالعزیز اذن اذانا سمحافا عتزلنا:

سمح کے معنی ہیں سادگی اور متانت کے، اور مطلب یہ ہے کہ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اذان کہو۔

شراح فرماتے ہیں کہ اس کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں اور میرے نزدیک اس کے ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ ترجمۃ الباب سے رفع الصوت معلوم ہوا۔ اب بہت ممکن تھا کہ کوئی یہ سمجھ لے کہ مقصود رفع صوت ہے، خواہ جس طرح بھی ہو، گلا پھاڑ کر ہو تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ رفع صوت تو مطلوب ہے مگر اس میں غلو نہ کرے۔ (۲)

---

(۱) **باب فضل التاذین:** اس باب پر اشکال یہ ہے کہ حدیث الباب کو باب سے کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ تاذین کے معنی ہیں اذان کہنا، تو باب سے معلوم ہوا کہ اذان کہنے کی فضیلت معلوم ہوگی، اور روایت سے مطلق نفس اذان کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، نہ کہ اذان کہنے کی، شراح نے اس کا جواب دیا کہ جب اذان کی فضیلت معلوم ہوگئی تو اذان کہنے کی بھی ضمنا معلوم ہوگئی میری طرف سے جواب یہ ہے کہ آئندہ آنے والا باب در باب ہے اور اسکے اندر اذان کہنے کی فضیلت بتلائی گئی ہے کیونکہ اسکے اندر رفع صوت بالاذان کی فضیلت بتلائی گئی ہے اور رفع صوت ہی اذان کہنا ہے، یہاں ایک بات اور سنو روحانی اشیاء کے خاص خاص اثرات ہوتے ہیں، لہٰذا کسی خاص اثر سے تفضیل نہیں دی جاتی اذان کا خاص اثر یہ ہے کہ اس میں خاص اعلام واعلان ہوتا ہے، اور نماز میں اخفاء ہے، اسی وجہ سے شیطان اذان کی آواز سن کر بھاگ جاتا ہے، مگر نماز کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (کذا فی تقریر ین)

(۲) **باب رفع الصوت بالنداء:** اذان کی آواز جتنی بلند ہو سکے کرنی چاہئے تاکہ جتنے زیادہ شاہد قیامت میں بن سکیں، اچھا ہی ہے، اس کے بعد جو اثر نقل کیا ہے، اس کو بظاہر رفع الصوت سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی، اس لئے حافظ کی رائے ہے کہ یہ ترجمۃ الباب کی قید ہے یعنی رفع الصوت بالنداء بلا تطریب حضرت اقدس گنگوہی نے اس طرح سے مناسبت پیدا کی کہ تطریب صوت میں رفع الصوت ناممکن ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

باب مایحقن بالاذان من الدماء

ممکن ہے کہ حکم بیان کرنا مقصود ہو اور ممکن ہے کہ فضیلت بیان کرنی ہو، حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ اس وقت تک کفار کی کسی آبادی پر حملہ نہیں کرتے تھے، جب تک کہ صبح نہ ہو جائے۔ اگر صبح ہونے کے بعد اذان کی آواز آجاتی تو حملہ نہیں فرمایا کرتے تھے، اور اگر نہ سنتے تو حملہ فرمادیتے، یہ فضیلت بھی ہوگئی، اس لئے کہ محض اذان کی وجہ سے محفوظ رہے، اور حکم یہ ہوا کہ مسئلہ یہ ہے کہ جب کہیں اذان سن لے تو وہاں حملہ کرنا جائز نہیں، معلوم نہیں کہ کتنے مسلمان قتل ہو جائیں۔

وان قدمی لتمس قدم النبی صلی اللہ علیہ وسم قد سبق الکلام علیہ، واللہ محمد والخمیس : میں بتلایا جاچکا کہ خمیس اس لشکر کو کہتے ہیں، جو پانچ اجزاء پر مشتمل ہو، میمنہ، میسرہ، مقدمہ، موخرہ، قلب

باب مایقول اذا سمع المنادی

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب اختلاف روایات قوی ہو، یا ائمہ کا اختلاف قوی ہو، تو ترجمہ میں کوئی حکم نہیں لگاتے یہاں چونکہ دو روایتیں ہیں، ایک **اذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعینہ الفاظ اذان دہرائے اور دوسری روایت میں حیعلہ کے بدلے میں حوقلہ ہے اور دونوں صحیح ہیں، اس لئے کوئی حکم نہیں لگایا، اب علماء کا پھر اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ **فقولوا مثل مایقول المؤذن** مجمل ہے، اور دوسری روایت مفصل ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مفصل مجمل پر قاضی ہوا کرتی ہے لہٰذا مجمل کو مفصل کی طرف راجع کیا جائے گا۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ دونوں وارد ہیں، لہٰذا اختیار ہے اور بعض حنابلہ سے منقول ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔

فقال مثلہ الی قولہ واشھدان محمدارسول اللہ:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہیں تک جواب میں اکتفا فرمایا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہاں تک بعینہ الفاظ اذان دہرائے اور اس کی دلیل روایت آئندہ ہے۔(۱)

باب الدعاء والنداء

شراح نے غرض مصنف سے کوئی تعرض نہیں کیا اور میرے نزدیک انشاء اللہ یہ غرض ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ جواب اذان واجب ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں اس میں دونوں قول ہیں، ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے، **للامر الوارد فی الجواب**، اور ہمارے

---

(۱) **باب مایقول اذا سمع المنادی :** میری رائے یہ ہے کہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ توسع بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے جو چاہے کہہ لے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ صرف شہادتین تک اذان کا جواب دیا جائے گا۔ (ن)

یہاں وجوب کا ایک قول ہے یہ بہت سخت ہے، اور سنیت کا دوسرا قول ہے یہی ایسر ہے اور حضرت امام طحاوی نے اس روایت سے عدم وجوب جواب اذان پر استدلال فرمایا ہے، جب اذان کے ساتھ یہ دعا پڑھے گا تو جواب کیسے دے گا؟ تو بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہو کہ جواب واجب نہیں۔ (۱)

باب الاستهام في الاذان

میری رائے یہ ہے کہ مصنف کی غرض اذان کی فضیلت بھی بیان کرنی ہے اور استہام کے معنی بھی، اس لئے کہ استہام جیسے قرعہ اندازی کے معنی میں آتا ہے، ایسے ہی تیراندازی کے معنی میں بھی آتا ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ یہاں قرعہ اندازی کے معنی میں ہے۔ (۲)

باب الكلام في الاذان

حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، اور غیر حنابلہ کے نزدیک اگر فصل یسیر ہو تو مکروہ ہے اور اگر فصل طویل ہو جائے تو مفسد ہے، حنابلہ نے روایت باب سے استدلال فرمایا ہے، کہ حضرت ابن عباس نے الصلوٰۃ في الرحال کا امر فرمایا۔ جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس میں روایات مختلف ہیں کہ یہ کب کہا؟ ابوداؤد کی روایت سے علی اثر الاذان معلوم ہوتا ہے، خود بخاری شریف میں صفحہ اٹھاسی

---

(۱) باب الدعاء عند النداء، حلت له شفاعتي حلت کے معنی حلال ہونے کے نہیں ہیں۔ بلکہ نازل ہونے کے معنی میں ہے روایت کے اندر دعا میں ایک لفظ آیا ہے وسیلہ بعض نے کہا ہے اس سے مراد مقام محمود ہے مگر وہ تو دعا کے اندر مستقل آ رہا ہے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ عطف تفسیری ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وسیلہ سے مراد ایک خاص مرتبہ ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ارجو ان اکون الخ یعنی میں ہی امید کرتا ہوں کہ اس مرتبہ کا مستحق میں ہوں گا۔ یہ بات تو واضح ہے کہ آپ ﷺ نے یہ تواضع کی وجہ سے فرمادیا کیوں کہ یہ مرتبہ تو آپ ﷺ کو یقیناً ملے گا۔

(۲) باب الاستهام في الاذان استہام کے معنی قرعہ اندازی اور تیراندازی دونوں کے ہیں۔ مگر حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد کا اثر باب میں نقل فرما کر بتلادیا کہ یہاں اول معنی مراد ہیں اور باب کی غرض یہ ہے کہ اذان جوق پر رد فرمایا ہے یعنی ایک مسجد میں صرف ایک ہی اذان ہونی چاہئے، بغیر ضرورت شدیدہ کے ایک سے زائد اذان نہ ہونی چاہئے، کیونکہ اگر متعدد اذانیں جائز ہوتیں، تو پھر استہام کی نوبت کیوں آئی؟ لیکن اگر کسی جگہ ضرورت ہو مثلاً جامع مسجد وغیرہ یا بڑی مساجد تو وہاں جائز ہے۔ بعض شراح نے ایک غرض اس باب کی یہ بیان فرمائی ہے کہ احناف کے نزدیک قرعہ اندازی منسوخ ہے تو اس کے ذریعہ احناف پر رد کرنا مقصود ہے مگر ہم لوگوں پر رد نہیں ہوگا کیونکہ ہم قرعہ کے حجت لازمہ ہونے کا انکار کرتے ہیں مطلق اس کے منکر نہیں۔ مگر میرے نزدیک یہ غرض بیان کرنا یہاں اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ آئندہ چل کر ایک باب آئے گا "باب القرعة في المشكلات" وہاں یہ غرض چل سکتی ہے اور یہاں چونکہ وضو کا بیان ہے لہٰذا وہ غرض اس کے مناسب نہیں ہے۔

حدثنا عبدالله بن يوسف اس میں آیا ہے کہ ولو يعلمون ما في التهجير الخ یہاں ایک اشکال ہے کہ اس سے تہجیر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا سویرے پڑھنا چاہئے، حالانکہ شریعت نے گرمی میں ابراد کا حکم دیا ہے لہٰذا یہ تہجیر کی فضیلت کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد میں جانے کے لئے تہجیر کی فضیلت بیان کی گئی ہے تاکہ سویرے سے جا کر بیٹھ جائے، اور ابراد کا تعلق نماز سے ہے، اور یہ حکم نماز کے لئے ہے۔ نیز اول میں فضیلت جزئیہ ہے اور ابراد کے اندر حکم عامہ ہے۔

پرآنے والا ہے، کہ حضور ﷺ نے اذان کا حکم دیا، ثم یقول علی اثرہ الا صلوا فی الرحال اور اگر ہو بھی اذان کے درمیان میں تو یہ حضرت ابن عباس کا فعل ذاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے تو صرف الصلوٰۃ فی الرحال ثابت ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان حنابلہ کی طرف ہے، لاباس ان یضحک وھو یوذن او یقیم، علامہ عینی نے اعتراض فرمایا کہ باب تو کلام فی الاذان کا ہے اور اثر ضحک کا لہٰذا اس کو باب سے کوئی تعلق نہیں، میرے نزدیک یہ اعتراض درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تو اثبات بالاولیٰ ہوا۔ کیونکہ جب ضحک جائز ہے تو کلام بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ ر د غ اس کے معنی کیچڑ کے ہیں۔

باب اذان الاعمی اذا کان له من یخبره

علامہ نووی نے شرح مسلم میں یہ نقل کر رکھا ہے کہ حنفیہ وظاہریہ کے یہاں اذان اعمیٰ درست نہیں، یہ نقل حنفیہ سے غلط ہے ممکن ہے کہ ظاہریہ سے صحیح ہو۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر عمی حاذق ہو اور وقت کی اس کو اطلاع ہو جاتی ہو یا وہ خود تو حاذق نہیں لیکن اس کو کوئی بتلا دیتا ہو تو جائز ہے۔ (۱)

باب الاذان بعد الفجر

ابن بطال نے اعتراض کیا ہے کہ یہ ترجمہ شان بخاری کے موافق نہیں ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ کتاب حدیث کی ہے، کہیں سیدھا باب اگر باندھ دیا تو کیا حرج ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں اگر اذان بعد الفجر کا باب منعقد فرمایا ہے تو پھر اذان بعد الزوال وبعد المغرب بھی منعقد کرنا چاہئے، ایک دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس باب کے بعد باب الاذان قبل الفجر آ رہا ہے ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ اولا قبل الفجر اور پھر بعد الفجر کا باب باندھتے اس اعتراض میں اور شراح نے بھی موافقت کی ہے، مگر میرے نزدیک دونوں اعتراض ساقط ہیں اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ اذان فجر جو صحیح اور معتبر ہے وہ تو وہ ہے جو بعد الفجر ہے اور قبل الفجر والی اذان صلوٰۃ کے لئے نہیں بلکہ لیرجع قائمکم وینبه نائمکم ہے، اور چونکہ اذان بعد الفجر ہی اصل تھی اس لئے اس کو مقدم فرمایا۔ اور قبل فجر کو بالتبع ذکر فرما دیا۔

اعتکف الموذن للصبح :

جب صبح کے انتظار میں رکا رہا تو اذان لامحالہ بعد الصبح ہی ہوگی وھو المرام۔ (۲)

---

(۱) باب اذان الاعمی الخ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد ابن ابی شیبہ کی ان روایات پر رد کرنا ہے جن میں اذان اعمیٰ کے عدم جواز کو بیان کیا گیا ہے۔ (ن)

(۲) باب الاذان بعد الفجر میرے نزدیک امر بلال ان یشفع الاذان الخ کی منجملہ توجیہات میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ اذان ابن ام مکتوم کے ساتھ جوڑ کر کہے اور تکبیر اکیلے کہے، اس توجیہ کو یہاں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ واقعہ تو صرف فجر کا ہے، اور امر بلال عام ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان یشفع الاذان الخ قضیہ مہملہ ہے اور وہ حکم میں جزئیہ کے ہوتا ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

باب الاذان قبل الفجر

جب اصل اذان کوذکر فرمایا تو اس کو بھی تبعاً ذکر فرمادیا۔ اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صبح کی اذان ہے، اور حنفیہ کے نزدیک یہ صبح کی اذان نہیں ہے، بلکہ تذکیر کے لئے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے لیرجع قائمکم وینبہ نائمکم

جواز ان قبل الفجر کے قائل ہیں، ان میں اختلاف ہے کہ دوبارہ بعد طلوع الفجر ضروری ہے، یا نہیں بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں۔ اور جمہور ضروری کہتے ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں جب نماز کے لئے ایک اذان ہوگئی تو دوسری کی کیا ضرورت ہے، بعض حنفیہ نے اخو صداء والی روایت سے استدلال کیا ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا انا اخاصداء اذن ومن اذن فھویقیم ابوداؤد میں یہ روایت ہے اور اس میں دوسری اذان کا ذکر نہیں ہے، ولیس ان یقول الفجر، فجر دو ہیں ایک کاذب دوسرے صادق۔ کاذب تو مستطیل ہوتی ہے اور صادق عریض۔ (۱)

باب کم بین الاذان والاقامة ومن ینتظر الاقامة

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول میں معلوم ہو چکا ہے کہ کبھی امام صاحب اپنے ترجمہ سے کسی روایت پر رد فرماتے ہیں اور کبھی تائید کرتے ہیں، تائید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ روایت شرط کے مطابق نہیں، مگر مضمون صحیح ہوتا ہے، اس کو اپنی کسی روایت سے موید کرتے ہیں، یہاں بھی ایک روایت ترمذی میں ہے، اجعل بین اذانک واقامتک قدر مایفرغ الآکل من اکلہ الشارب من شربہ والمعتصر اذا دخل لقضاء حاجتہ. مضمون تو امام کی شرط کے مطابق تھا، مگر الفاظ شرط پر نہ تھے، لہٰذا امام نے اپنی روایت بین کل اذانین صلوٰۃ سے تائید فرمادی، اس لئے کہ جب اذان و اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہوگا۔ تو اس وقت میں کھانا بھی کھایا جاسکتا ہے، اور پانی بھی پیا جاسکتا ہے، استنجاء بھی پاک ہوسکتا ہے، لہٰذا وقت نکل آیا۔

یبتدئون السواری :

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کثرت سے مغرب سے قبل نوافل پڑھتے تھے، شافعیہ کے نزدیک اسی وجہ سے دو رکعت قبل المغرب اولیٰ ہے، اور حنفیہ اس کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اول امر پر محمول ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ صحابی نے کسی کو یہ نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ کبھی ہم بھی پڑھتے تھے، صحابی سے تابعی نے پوچھا اب کیوں نہیں پڑھتے؟ تو فرمایا کہ مشغولیت کی وجہ سے، اگر مستحب ہوتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیوں چھوڑتے؟

---

(۱) باب الاذان قبل الفجر: حافظ ابن حجر چونکہ شافعی ہیں اور شافعیہ کے یہاں قبل الفجر بھی اذان جائز ہے، اس لئے وہ یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی کے ساتھ ہیں اور اسی وجہ سے وہ دونوں قسم کے باب لائے ہیں لیکن میں بتلا چکا ہوں کہ یہاں تقدیم وتاخیر اس وجہ سے ہے کہ یہاں اذان قبل الفجر جائز نہیں ہے اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اذان قبل الفجر لیرجع قائمکم وینبہ نائمکم کی مصلحت کی وجہ سے تھی، ورنہ اس کی تقدیم وتاخیر کی کوئی وجہ ظاہری سمجھ میں نہیں آتی۔

(کذا فی تقریر مولوی احسان)

باب من ينتظر الاقامة

روایات میں بکثرت تبکیر وتہجیر کے فضائل وارد ہوئے ہیں تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اقامت کا انتظار کرتا ہے اور اول وقت میں نماز کے لئے نہ جائے، تو جائز ہے، حافظ کی رائے ہے کہ تبکیر وتہجیر مقتدیوں کے لئے ہے۔ امام اقامت کے وقت نکلے، فان الامام ينتظر ولا ينتظر، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ اگر کسی کا مکان مسجد کے قریب ہو اور وہ وضو کر کے اپنے گھر بیٹھا اقامت کا انتظار کرتا ہے تو اس کو تبکیر کا ثواب ملے گا۔

ثم اضطجع على شقة الايمن:

اس کا حکم مستقل باب میں آرہا ہے اس میں آٹھ مذاہب ہیں۔

حتى ياتيه المؤذن للاقامة:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام کے لئے تبکیر کا حکم نہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ امام تھے، اور جو علماء کہتے ہیں کہ اگر گھر مسجد کے متصل ہو تو ثواب ملتا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا گھر متصل تھا، اور جن لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ اول وقت میں نہ جانا جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اول وقت میں تشریف نہیں لے گئے۔

باب بين كل اذانين صلوة لمن شاء

بعض روایات میں چونکہ لمن شاء کا لفظ نہیں آتا اس سے بظاہر ایہام وجوب سمجھ میں آتا تھا اس لئے لمن شاء بڑھا کر اس کو دفع فرمادیا اور بتلادیا کہ ان دونوں رکعتوں کا پڑھنا واجب نہیں۔

باب من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد

بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض اس باب سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رد کرنا ہے، اسلئے کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ سفر میں دو اذانیں ہوں۔

وقيل رد على اذان الجوق في السفر فانه يحتاج اليه في الامصار، اذا كانت المساجد بحيث لايصل صوت المؤذن الى جانب آخر واما في السفر فلاحاجة اليه، وهواختيار والدي رحمه الله تعالىٰ، وقيل المراد بالمؤذن المكبر والمعنى الاكتفاء بالتبكير التكبير فقط وعندي ان في رواية مالك بن الحويرث كما ياتي اذا انتما خرجتما فاذنا ثم اقيما ثم ليؤمكما اكبر كمافاظاهره اذان الاثنين ولذا قال بعض العلماء بمقتضى هذه الرواية فردالمصنف ذلك بان المشروع اذان واحد.

باب الاذان للمسافر الخ

اس باب کی غرض کیا ہے؟ شراح کا اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ اذان اجتماع کے لئے ہوتی ہے،

لہٰذا اگر جماعت ہو تو اذان کہی جائے، اور اگر کوئی ایک ہی آدمی ہو اور وہ نماز پڑھے، تو اس کو اذان کہنے کی ضرورت نہیں، مگر یہ بعید ہے اسلئے کہ ابھی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت ابوسعید خدری کی روایت نقل کر آئے کہ حضرت ابوسعید خدری نے شاگرد سے فرمایا، انــی اراک تحب الغنم و البادیة فاذا کنت فی غنمک، او بادیتک فاذنت بالصلوٰۃ فارفع صوتک بالنداء . الحدیث۔ اور وہاں شاگرد منفرد تھے، اور میرے والد صاحب اس کے بالکل خلاف فرماتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اذان کی مشروعیت گو اجتماع کے لئے ہے، مگر چونکہ اذان کی مصالح بے شمار ہیں۔ اور اس کے فوائد ہزار ہا ہزار ہیں۔ لہٰذا اگر چہ جماعت نہیں پھر بھی اذان کہے، اور میرے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ جماعت میں اگر امیر ہو تو اذان کہی جائے ورنہ نہیں تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس پر ردفرما رہے ہیں کہ اذان ایک مستقل چیز ہے، وہ امیر پر موقوف نہیں ہے اور میرے اس قول کی وجہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ جملہ ہے، وکذلک وبعرفة وجمع وذکر اشیاء احفظها او لا احفظها ذکر کا فاعل مالک بن الحویرث ہیں۔ اور یہ مقولہ ابوقلابہ کا ہے، یہ ابوقلابہ یوں فرماتے ہیں کہ میرے استاذ مالک بن الحویرث نے بہت سی چیزیں ذکر فرمائی ہیں، جس میں کچھ تو میں یاد رکھتا ہوں اور کچھ یاد نہیں رکھتا، اس او کے اندر اختلاف ہے کہ یہ کیا ہے؟ بعض شراح کی رائے ہے کہ شک راوی ہے، اگر شک راوی ہے، تو اس صورت میں یہ مقولہ ابوقلابہ کے شاگرد کا ہوگا۔ اس لئے کہ شک کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد کو شک ہو گیا کہ اس کے استاذ نے کیا الفاظ فرمائے تو یہاں ابوقلابہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میرے استاذ ابوقلابہ نے فرمایا وذکر اشیاء یعنی مالک بن الحویرث نے مجھ سے بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں۔ لیکن اس کے بعد میرے استاذ ابوقلابہ نے احفظها فرمایا، یا لا احفظها فرمایا۔ اس میں ان کو شک ہو گیا۔

مگر حافظ ابن حجر نے اس پر ردفرمایا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ یہ تنویع کے لئے ہے، علامہ عینی نے تو یہاں حافظ پر ردفرمادیا۔ مگر جب گیارہویں جلد میں یہی مقولہ آیا تو وہاں اسی کو اختیار کر لیا، اور تنویع کا مطلب یہ ہے کہ کچھ باتیں یاد ہیں اور کچھ بھول گیا۔

باب هل یتبع المؤذن فاه ههنا وههنا

یہاں پر شراح نے دو ترکیبیں بیان کی ہیں، اول یہ ہے کہ المؤذن فاعل ہو اور فاه مفعول ہو اور دوسرے یہ کہ المؤذن مفعول اور فاه یتبع کا فاعل بنے مگر دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی ہوگا۔ وہ یہ کہ مؤذن اپنے منہ کو ادھر ادھر پھیرے، بہر حال شراح قاطبۃً اور مشائخ واساتذہ مجتمعۃً یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ کیا تحویل وجه عند الحیعلتین کرے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک تحویل کرے گا، اور مالکیہ کے یہاں ضروری نہیں چاہے کرے چاہے ترک کردے، اور جو آثار ذکر کئے گئے ہیں، ان کی غرض یہ ہے کہ تحویل میں کوئی حرج نہیں ہے، اور میرے نزدیک یہاں پر ابواب الاذان ختم ہو رہے ہیں، اور اب آنے والے باب سے ابواب الجماعة شروع ہو رہے ہیں، لہٰذا جیسے مصنفین کتاب کے آخر میں ایک باب مسائل شتی کا ذکر فرماتے ہیں، اسی طرح حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ باب بطور مسائل شتی کے ذکر فرمادیا، اور ان آثار مذکورہ فی الباب سے مصنف کی غرض صرف تحویل

وجہ نہیں ہے، بلکہ مختلف مسائل ہیں۔

ویذکر عن بلال انہ جعل اصبعیہ فی اذنیہ الخ:

شراح فرماتے ہیں کہ جب اذان کے وقت کان میں انگلی داخل کرنے نہ کرنے میں کوئی فرق نہیں کہ حضرت بلال داخل کرتے تھے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل نہیں کرتے تھے، تو اسی طرح تحویل میں ہے۔ خواہ کرے یا نہ کرے اور میرے نزدیک ایک دوسرا مسئلہ ہے، وہ یہ کہ اذان کہتے ہوئے کیا انگلیاں کانوں میں داخل کرے یا نہ کرے؟ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے کہ نہ کرے، اس لئے کہ انہوں نے حضرت بلال کا اثر بصیغہ تمریض نقل کیا جس سے اثبات ہوتا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر بصیغہ جزم نقل کیا جس سے نفی ہوتی ہے۔

وقال ابراھیم لاباس ان یوذن علی غیر وضوء:

شراح فرماتے ہیں کہ جب اذان وضو کے ساتھ اور بلا وضو دونوں طرح جائز ہے تو اذان ونماز میں فرق ہوگیا۔ نماز میں تو ممنوع ہے اور اذان میں نہیں، اور میرے نزدیک ایک دوسرا مسئلہ ہے وہ یہ کہ آیا اذان بلا وضو کہے یا باوضو۔ (۱)

باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ

میرے نزدیک یہاں سے ابواب الجماعۃ شروع ہو رہے ہیں اور منجملہ مسائل جماعت کے یہ بھی ہے کہ آیا **فاتتنا الصلوٰۃ** کہنا جائز بھی ہے یا نہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خود ہی غرض بتلادی کہ **و کرہ ابن سیرین ان یقل فاتتنا الصلوٰۃ** اور وجہ کراہت یہ ہے کہ اس میں ایہام نسبت **قصور الی الصلوٰۃ** ہوتا ہے، بلکہ **لم تدرک** کہنا چاہئے تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ سے ایسا کہنا ثابت ہے، آپ ﷺ کا ارشاد واضح بھی ہے اور قابل اتباع بھی۔

باب ماادرکتم فصلو اومافاتکم فاتموا

چونکہ ابھی روایت میں یہ لفظ آگیا تھا اور مسئلہ وسیع الاختلاف ہے، اس لئے مستقل باب باندھ دیا اولا یہ سنو کہ یہ حدیث دو طرح سے نقل کی گئی ہے، ایک **ماادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا**، اور دوسرے **ماادرکتم فصلوا ومافاتکم فاقضوا** تو **ماادرکتم فصلوا** تو دونوں میں مشترک ہے، مگر آخری جملہ میں اختلاف ہوگیا، کیونکہ ایک **مافاتکم فاتموا** ہے دوسرے میں **فاقضوا**، اول کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز آخر کی رہ جائے اس کو تام کرلو، اور ثانی کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز پہلی رہ گئی ہے اس کو پورا کرلو۔

---

(۱) **باب ھل یتبع المؤذن فاہ**: شراح نے اس باب کی غرض میں لکھا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک چونکہ التفات نہیں کرے گا تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انکی تردید میں باب منعقد فرمایا ہے مگر دسوقی جو مالکیہ کی فقہ میں ایک مستند کتاب ہے اس کے اندر انہوں نے اپنا مذہب یہ لکھا ہے کہ سب برابر ہے، جیسے چاہے کرے، جمہور کے نزدیک التفات اولیٰ ہے، اور اگر منارہ پر ہے اور وہ تنگ ہے تو منہ کو دونوں جانب نکالے، مالکیہ کے نزدیک منہ نکالنے کی ضرورت نہیں، اسی طرح کانوں کے اندر انگلیاں دینا، جمہور کے نزدیک ہے مالکیہ اس کا بھی انکار کرتے ہیں اور امام کا میلان بھی بظاہر اس مسئلہ میں مالکیہ کی طرف ہے، بہرحال امام بخاری نے باب کے اندر **ھل** لاکر ان مسائل کے اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (س)

اسی اختلاف روایت کی بناء پر ائمہ میں باہم اختلاف ہوگیا، حضرت امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فاتموا والی روایت راجح ہے، اور امام ابوحنیفہ فاقضوا والی روایت کو راجح قرار دیتے ہیں، اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ دونوں روایتوں میں جمع فرماتے ہیں کہ اتموا باعتبار افعال کے ہے اور فاقضوا باعتبار اقوال کے ہے، جو حضرات فاتموا کی ترجیح کے قائل ہیں وہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ لفظ روایات کثیرہ میں وارد ہے۔ حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ صرف فاتموا اور فاقضوا میں روایات منحصر نہیں، یہاں اگر تعارض ہوگیا تو دوسری روایت میں فلیقض ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے فاقضوا والی روایت راجح ہوگی، اس میں اختلاف یوں ہوگا کہ ایک آدمی امام کے ساتھ رکعت رابعہ میں شریک ہوا، جو حضرات فاتموا کو راجح قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں وہ رکعت مع الامام اس کی پہلی نماز ہوگی، اور باقی جو منفرداً پڑھے گا وہ اس کی آخری نماز ہوگی اس لئے کہ اتمام کے معنی ہیں پورا کرنا۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے کوئی ناقص چیز ہے، جس کو وہ پورا کرے، اب اس کی صورت کیا ہوگی؟ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ رکعت مع الامام اس کی ابتدائی نماز ہوگی لہٰذا جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھے گا تو یہ اس کی دوسری رکعت ہوگی، اس کو پورا کرنے کے بعد جلوس کرے گا، اور تشہد پڑھے گا۔ اور پھر تیسری اور چوتھی رکعت پڑھے گا۔ اور آخر میں بیٹھے گا اور جو حضرات فاقضوا کو راجح قرار دیتے ہیں۔ جیسے حضرت امام صاحب اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تو ان کے نزدیک اس نے جو ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھی ہے، وہ اس کی اخیر نماز ہوگی، اور اس کی تین ابتدائی رکعات فوت ہوگئیں، لہٰذا امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کو قضا کرے گا، اب جب وہ قضا کرنے والا ہوگا تو وہ امام کے سلام کے بعد جب اٹھے گا تو ثناء اور تعوذ بھی پڑھے گا اور فاتحہ اور ضم سورت بھی کرے گا، اور نیز امام کے سلام کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر قعدہ اولیٰ کرے گا۔ اور پھر تیسری پڑھ کر قعدہ اخیرہ کرے گا۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دونوں روایتوں میں جمع فرما دیا کہ اتمام تو افعال میں ہوگا، لہٰذا امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب دوسری رکعت کے لئے اٹھے گا تو اس کو پوری کر کے بیٹھے گا، کیونکہ امام کے ساتھ والی پہلی تھی، اور یہ دوسری ہے، اور اقوال کے اندر قضاء ہے، لہٰذا قرات بھی کرے گا اور ضم سورت بھی۔ حضرت امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں جو امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، صرف تھوڑا سا فرق ہے جو اوجز المسالک میں مذکور ہے کہ اقوال میں صرف قرائت ہے یا ثناء وغیرہ بھی ہے، اور اب فتویٰ انہی کے قول پر ہے اور میری رائے ہے کہ اختلاف لفظی ہے، اس لئے کہ جو حضرات اتمام کے قائل ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں کہ قرات کرے گا۔ اس رکعت میں جس میں وہ امام کے سلام کے بعد شروع کرنے والا ہوا ہے۔

اور بعض سلف کے نزدیک اتمام حقیقی ہے بالکل قرائت نہیں کرے گا۔ اور بعض سلف سے منقول ہے کہ قرائت اور ضم سورت سب ہی کچھ کرے گا۔ امام کے ساتھ والی رکعت میں اس لئے کہ یہ اس کی اول نماز ہے، اب یہاں ایک دوسرا مسئلہ ہے، جو کتاب الجمعہ سے متعلق ہے، وہ یہ کہ یہ روایت (خواہ فاقضوا کے لفظ کے ساتھ ہو یا فاتموا کے لفظ کے ساتھ) حنفیہ کی اس بات پر تائید کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد میں آیا اور امام کو دیکھا کہ اس نے دوسری رکعت کا رکوع بھی کرلیا اور وہ پھر امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو وہ جمعہ ہی پورا کرے گا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ظہر پوری کرے گا، دار قطنی وغیرہ کی روایت میں من ادرک رکعۃ من الجمعۃ فقد ادرک سے استدلال کرتے ہیں، احناف فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مافاتکم فاتموا یا فاقضوا، تو مافاتہ کے اتمام یا قضاء کا امر فرمایا ہے اور مافاتہ جمعہ ہے، لہٰذا جمعہ کی قضاء کرے گا۔

باب متى يقوم الناس اذا راؤ الامام

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت میں دو جملے ہیں، ایک جملہ نہیں ہے تا کہ یہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے کہ اذا ظرف ہے تو کس کا ہے اور اگر شرط ہے تو اس کی جزا کیا ہے؟ بلکہ اولا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال قائم کیا کہ متى يقوم الناس ؟ اور پھر خود ہی اس کا جواب دے دیا کہ اذا رأو ا الامام اس میں اختلاف ہے کہ مقتدی کس وقت کھڑے ہوں حنفیہ کے نزدیک جب مکبر حى على الفلاح پر پہنچے، اور شافعیہ کے نزدیک تکبیر ختم ہو جانے کے بعد، اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر شروع ہونے پر اور اسی پر آج کل عمل ہے، اور اسی کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا میلان ہے۔ اور حنابلہ کے نزدیک جب مکبر قد قامت الصلوٰة کہنے لگے۔

باب لا يقوم الى الصلوٰة مستعجلا وليقم بالسكينة والوقار

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ ایک روایت ذکر فرماتے ہیں اور اس سے کوئی مسئلہ ثابت کرتے ہیں، تو پھر اس سے جتنے مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کو ابواب منعقد فرما کر ثابت کرتے رہتے ہیں، یہاں پر میرے نزدیک غرض یہ ہے کہ چونکہ قرآن پاک میں فاسعوا الى ذكر الله آیا ہے جس سے بظاہر سعی یعنی دوڑنے کا امر عندالاذان معلوم ہوتا ہے تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ سعی یہاں پر دوڑنے کے معنی میں نہیں بلکہ شدت اہتمام کے معنی میں ہے۔

باب هل يخرج من المسجد لعلة

مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے نکل کر جانے لگا، تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اما هذا فقد عصى ابا القاسم صلى الله عليه وسلم اس سے بظاہر ایہام ہوتا ہے کہ خواہ بضرورت نکلے یا بلاضرورت عاصی ہو جائے گا، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ اگر کسی ضرورت سے نکلے تو جائز ہے، لیکن جس روایت سے استدلال فرمایا ہے، اس کے اندر احتمال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو یا حاجت خاصہ پر محمول ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ روایت اس سے مقدم ہو یا موخر لہٰذا ترجمہ میں لفظ هل ذکر فرمایا، وقد اقيمت الصلوٰة یہ روایت مشکلات میں شمار کی گئی ہے اشکال ابواب الامامۃ میں آئے گا، میں نے یہاں پر تم کو تنبیہ کردی ہے، تا کہ تمہیں یاد رہے، اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو روایت ان کے مذہب کے موافق ہو اس کو تو اس کی اصل جگہ میں ذکر فرماتے ہیں اور اگر ان کے مذہب کے موافق نہ ہو تو اس کو کسی اور جگہ ذکر فرماتے ہیں۔

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع فرمادی تھی، پھر اس کے بعد نکلے یا شروع نہیں فرمائی تھی بلکہ شروع کرنے سے قبل ہی نکل گئے تھے، بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کردی تھی، اور بعض روایات میں ہے کہ شروع نہیں فرمائی تھی، جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع فرمادی تھی، وہ فرماتے ہیں کہ اگر امام بھول کر بلا وضو نماز پڑھادے اور پھر اس کو یاد آئے تو مقتدیوں کی نماز ہوگئی، اور امام کی نماز نہیں ہوئی، لہٰذا میں تنبیہ کرتا ہوں کہ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع نہیں فرمائی تھی، پھر یہ سنو! کہ بعض روایات میں تو یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور تکبیر تحریمہ کہی اور پھر انصراف فرمایا

اور لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو، اور دوسری روایت میں ہے کہ انتظرنا ان یکبر انصرف شراح نے ان دونوں کو ایک ہی واقعہ پر حمل کیا ہے، کہ تکبیر کے بعد پھر تشریف لے گئے اور حنفیہ نے بھی یہی کہا ہے لیکن انہوں نے فکبر والی کو انتظرنا ان یکبر والی پر محمول کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ دونوں روایتیں دو واقعوں پر محمول ہیں، انتظرنا ان یکبر تو حالت جنابت پر محمول ہے، حضور اکرم ﷺ کو غسل کی حاجت تھی، مسجد میں تشریف لائے اور ابھی تکبیر نہیں فرمائی تھی کہ یاد آگیا اور قبل ان کبر فی الصلوٰۃ من الصلوات ثم اومأ الیهم بیده ان امکثوا والی روایت حدث پر محمول ہے، یہاں درمیان صلوٰۃ میں ایسا ہوا اگر حضور ﷺ پر نوم کا غلبہ ہوسکتا ہے تو کیا حدث لاحق نہیں ہوسکتا۔

ہوسکتا ہے اور یہ چیز کوئی شان نبوت کے خلاف نہیں، اس سے تکمیل تعلیم فعلی ہوتی ہے، اور میری دلیل یہ ہے کہ یہ کبر والی روایت حدث پر محمول ہے کہ حضرت امام محمد نے اسی روایت پر باب الحدث فی الصلوٰۃ کا باب باندھا ہے، مولانا عبدالحی صاحب نے امام محمد پر اعتراضات کیے ہیں، جو میرے حضرت نے بھی نقل کیے ہیں، مگر جوابات بھی دیئے ہیں، لیکن میرے نزدیک کوئی اشکال ہی نہیں، جب حضور پاک ﷺ پر نوم کا غلبہ ہوسکتا ہے تو لحوق حدث میں کیا اشکال ہے؟ جبکہ منافی شان نبوت بھی نہیں ہے، اس پر مفصل بحث اوجز میں مل جائے گی۔

باب اذا قال الامام مکانکم حتی اذا رجع انتظروه

اگر نماز سے پہلے ہو تو کوئی خلجان نہیں امام کا انتظار کیا جائے اگر نماز میں یہ بات پیش آجائے تو استخلاف ضروری ہے۔ (۱)

باب قول الرجل ماصلینا

جیسے ابن سیرین فاتتنا الصلوٰۃ کہنے کی کراہت کے قائل ہیں، ایسے ہی امام نخعی ماصلینا کہنے کی کراہت کے قائل ہیں، کیونکہ یہ ایک قسم کی بے اعتنائی اور رعونت ہے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں کہ ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں، حضرت شاہ صاحب نے اصول تراجم میں لکھا ہے کہ بسا اوقات تراجم بظاہر قلیل الجدوی ہوتے ہیں، مگر فی الواقع وہ ایک معنی کو لئے ہوتے ہیں، اور غزیر الفائدہ ہوتے ہیں، اس کی مثال حضرت شاہ صاحب نے اسی باب کے ذریعہ سے دی ہے کہ بظاہر یہ کوئی بات نہیں ہوئی، مگر اس

---

(۱) باب اذا قال الامام الخ: یہاں سے یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر امام کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو انتظار کرنا چاہئے اور اس کا انتظار اولیٰ اور بہتر ہے مگر اس سے وہ امام مراد ہے جو تنخواہ نہ لے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو روایت اس کے اندر ذکر فرمائی ہے، اس کا ذکر دوسری کتب کے اندر بھی ہے، مگر فرق دونوں میں اتنا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ سے قبل حضور اکرم ﷺ واپس لوٹ گئے، اور دوسری روایت میں ہے کہ فکبر یعنی حضور ﷺ نے تکبیر شروع فرمادی تھی، اس کے بعد واپس لوٹے، اس روایت سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے۔ اس مسئلہ پر اگر مقتدی امام سے پہلے تکبیر کہہ لے اور پھر امام کہے اور دونوں کی اخیر میں ایک دوسرے کے ساتھ مشارکت ہو جائے تو کافی ہے، ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ وہاں حضور ﷺ نے دوبارہ تکبیر کہی پہلی تکبیر کافی نہیں ہوئی، اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، اب یہاں حدیث میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ تکبیر کے بعد اگر کسی ضرورت کی وجہ سے امام باہر جائے تو شافعیہ کے نزدیک مقتدی کھڑے ہو کر انتظار کریں گے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں انتظار نہ ہوگا بعض شراح نے کھینچ تان کے بعد ترجمہ کی یہ غرض بیان کی ہے لیکن یہ محض تکلف ہی تکلف ہے۔ (کذا فی تقریر ین)

کا باطن یہ ہے کہ یہ نخعی پر رد ہے، جو اس کی کراہت کے قائل ہیں، اور میں نے پہلے کہا ہے کہ بخاری شریف کے پڑھنے پڑھانے میں اسی کو لطف آئے گا جو اختلاف آثار وغیرہ پر مطلع ہو۔ ثم صلی العصر میں یہ بتلا چکا ہوں کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ صرف عصر کی نماز فوت ہوئی اور ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار نمازیں فوت ہوئیں اور اس میں محدثین وموجہین کے اقوال میں نقل کر چکا ہوں۔(۱)

باب الامام تعرض له الحاجة بعدالاقامة

حاصل یہ ہے کہ بعد التکبیر امام کو نماز شروع کرنی لازم نہیں اگر کسی ضرورت سے کچھ دیر کر دے تو جائز ہے، البتہ فقہاء نے بیان فرمایا ہے کہ اگر زیادہ تاخیر ہو جائے تو تکبیر کا اعادہ ہوگا۔ یناجی رجلا کسی اہم بات میں گفتگو ہو رہی تھی۔

باب الکلام اذا اقیمت الصلوٰة

قدقامت الصلوٰة کے بعد بعض علماء نے کلام کو مکروہ کہا ہے، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواز ثابت فرما دیا۔(۲)

باب وجوب صلوة الجماعة

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول میں سے ہے کہ جہاں اختلاف ائمہ یا اختلاف روایات زیادہ وسیع ہوتا ہے وہاں کوئی حکم نہیں لگاتے بلکہ ترجمہ مجمل ذکر فرماتے ہیں مگر جہاں کوئی ایک روایت یا مذہب دلائل سے واضح ہو جائے تو اس پر حکم لگا دیتے ہیں یہ اس کی مثال ہے۔

یہاں جماعت میں پانچ مذاہب ہیں، اول بعض ظاہریہ کے نزدیک جماعت شرط صحت صلوٰة ہے اگر ترک کر دی گئی تو نماز ہی نہ ہوگی۔

اور حنابلہ کے یہاں راجح یہ ہے کہ واجب ہے ترک کرنے سے ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ نماز ہو جائے گی یہ دوسرا قول ہے اور ائمہ ثلاثہ کے مذہب میں ایک قول یہ ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے یہ تیسرا قول ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ سنت موکدہ ہے یہ قول رابع ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے یہ قول خامس ہے اب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجحان ظاہریہ کی طرف ہو یا حنابلہ کے قول راجح کی طرف ہو دونوں محتمل ہیں وقال الحسن ان منعته امه عن العشاء فی الجماعة اس سے استدلال یوں

---

(۱) باب قول الرجل ماصلینا۔ الخ: یہاں پر روایت میں واللہ ماکدت ان اصلی آیا ہے اس باب پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ یہ جملہ مفہوم ومآل کے اعتبار سے ماصلینا کے معنی میں ہے۔ ایسے ہی آگے چل کر روایت میں ہے ماصلیتها اس سے بھی میرے نزدیک یہ باب ثابت ہو سکتا ہے اگرچہ دوسرے علماء نے اس کا انکار فرما دیا کیونکہ یہ قول الرجل نہیں ہے بلکہ قول الرسول ہے۔ مگر چوں کہ حضور ﷺ کے قول سے استدلال اس کے جواز پر کیا ہے، لہٰذا قول الرجل ماصلینا حضور ﷺ کے اس قول کی وجہ سے جائز ہے۔ (س)

(۲) باب الکلام اذا اقیمت الصلوٰة الخ: اس باب کی غرض وغایت بھی وہی ہے جو اس سے قبل والے باب کی تھی، البتہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں خطبہ سے استثناء کرنا مقصود ہو کہ خطبہ کے درمیان کلام جائز نہیں۔ (ن)

ہے کہ اطاعت والدین واجب ہے اور ترک واجب جب ہی ہوگا، جب کہ اس کے مثل یا اس سے قوی موجود ہو عرقا سمینا کا ترجمہ چکنی کھیر اور مرماتین کہتے ہیں دو تیروں کو۔

باب فضل صلوة الجماعة

بعض شراح فرماتے ہیں کہ مذاہب خمسہ دو بابوں میں آگئے اس لئے کہ وجوب کے اندر شرط اور وجوب اور فرض کفایہ آگیا، اور سنت موکدہ واستحباب فضل میں آگیا تو گویا دونوں بابوں سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مذاہب کی طرف اشارہ فرمادیا۔ مگر میرے نزدیک یہ غرض نہیں ہے بلکہ جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے فضائل بیان فرمائے ہیں اسی طرح یہاں بھی جماعت کی فضیلت بیان فرمائی۔
قد صلى فيه بعض علماء نے اس روایت کی بناء پر کہا ہے کہ تکرار جماعت مسجد میں جائز ہے، مسئلہ وسیع ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حنفیہ قائل نہیں بلکہ احناف بھی فرماتے ہیں کہ اگر امام راتب کسی مسجد کا نہ ہو تو جائز ہے اور کیا معلوم کہ وہ مسجد ایسی ہی رہی ہو کہ اس میں کوئی امام نہ ہو، تفضل بخمس وعشرين درجة دونوں روایتوں میں اعداد میں اختلاف ہو گیا، اس کے بہت سے جوابات اوجز میں منقول ہیں، ان پر ایک جواب جو قاعدہ کلیہ کے طور پر ہے، اور ہر ایسی جگہ چل جاتا ہے جہاں کسی روایت سے کچھ کم ثواب معلوم ہوتا ہے اور دوسری روایت سے زیادہ ثواب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی غایت تضرع وغیرہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رافت ورحمت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ پر بہت زیادہ ہے، اور روز افزوں ہے، لہٰذا کم مقدار ابتداء پر محمول ہوگی، اور زیادہ انتہاء پر اسلئے کہ اللہ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ کوئی چیز دے کر لے لے۔

امام ترمذی نے پچیس درجہ والی روایت کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ وہ بہت سے صحابہ سے مروی ہے اور ستائیس والی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متفردات اور غرائب میں سے ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ سری اور جہری میں فرق ہے، سری میں پچیس اور جہری میں ستائیس، اور چوتھا جواب یہ ہے کہ ہر نماز میں پچیس اور صبح وعصر میں ستائیس، اور پانچواں جواب یہ ہے کہ قلت وکثرت کے اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے، اگر قلیل ہے تو پچیس درجہ اور اگر کثیر ہے تو ستائیس درجہ، چھٹا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف احوال پر مبنی ہے بعض نمازیوں کے اعتبار سے، ایک جواب یہ ہے کہ چونکہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں زیادتی ہے اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہے، لہٰذا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو ترجیح ہوگی عامۃ روایات میں تفضل بسبع وعشرين درجة اور بخمس وعشرين درجة ہے مگر ایک روایت میں تضعف بخمس وعشرين ضعفا ہے ضعفا مضاعف یہ ہے کہ ایک کو دو اور دو کو چار اور چار کو آٹھ پچیس بار تک تضعیف کرتے چلے جاؤ، اس صورت میں پچیس والی ستائیس والی پر کروڑوں درجہ بڑھ جائے گی، فضائل نماز میں اس کو تفصیل سے دیکھ لینا۔ (۱)

---

(۱) باب فضل صلوة الجماعة، حدثنا عبدالله بن يوسف جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جماعت نہ واجب ہے نہ سنت بلکہ محض ایک فضیلت کا درجہ رکھتی ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ اس کے اندر جماعت کو پچیس گنا موجب ثواب قرار دیا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ نفس فضیلت اس کے اندر بھی ہے جو بغیر جماعت کے ہو۔ حدثنا ابو موسىٰ بن اسماعيل اس روایت میں وارد ہوا ہے، تضعيف على صلوته: چونکہ دوسری روایات میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے، لہٰذا اس کے اعتبار سے یہاں تضعف کے معنی تزیید وتنقیص کے ہیں، مگر اس کے لغوی معنی دو چند ہونے کے ہیں، ایسی صورت میں اگر پچیس تک ہر عدد کو دو چند کردیں مثلاً دو دونی چار، چار دونی آٹھ۔ آٹھ دونی سولہ۔ سولہ دونی بتیس۔ اسی طرح پچیس تک کرتے چلے تو بائیس کروڑ کے قریب تک ایک نماز کی مقدار پہنچے گی،

فائدہ: حدیث میں خمس وعشرین کے بعد ضعفا کا لفظ آیا ہے اس کا اگر حساب لگایا جائے تو کل تعداد تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس (۳۳۵۵۴۴۳۲) ہوتی ہیں۔ (کذا فی تقریرین)

باب فضل صلوة الفجر فی جماعة

ترجمہ کی غرض صلوة الفجر فی جماعة کی فضیلت بیان کرنی ہے، لہٰذا روایت ایسی ہونی چاہئے جس سے مقصود حاصل ہو مگر فضیلت صلوۃ فجر اگر ثابت ہوتی ہے تو مذکورہ روایت فی الباب صرف ایک سے ثابت ہوتی ہے، وہ ہے ان قران الفجر کان مشهودا والی روایت اور جماعت کے ساتھ وہ بھی شراح روایات مذکورہ فی الباب کو کھینچ کر سب سے صلوٰۃ الفجر فی الجماعت کے ثابت کرنے کی کوشش فرماتے ہیں، اور سب کا خلاصہ تقریبا یہ ہے کہ چونکہ نماز فجر میں مشقت زیادہ ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ المثوبة علی قدر المؤنة لہٰذا فضیلت ثابت ہو جائے گی، اور پھر جماعت میں بدرجہ اولیٰ، اور میرے نزدیک یہ باب در باب ہے۔ اصل تو یہاں فضل صلوٰۃ الجماعۃ ہے، مگر چونکہ اس باب کی بعض روایات سے ایک نئی بات ثابت ہوتی تھی، اس لئے بطور فائدہ جدیدہ کے اس پر مستقل باب باندھ دیا، اب ساری روایتوں کو اس باب سے جوڑنے کی ضرورت نہیں رہی۔

لیکن باب فی الباب کے واسطے ضروری یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسی روایت ہو جس سے وہ باب ثابت ہوتا ہو تو یہاں پر وہ پہلی روایت ہے، جس سے فضل صلوة الفجر فی الجماعة ثابت ہوتا ہے، اس طور پر کہ تفضل صلوة الجميع صلوة احدكم وحده بخمس وعشرين جزء سے تو جماعت کی فضیلت ثابت ہوگئی، اور تجتمع ملائكة الليل والنهار فی صلوة الفجر سے فضیلت صلوۃ فجر ثابت ہوگئی اور جب الگ الگ دونوں کی فضیلت ثابت ہوگئی تو دونوں کو ملا دیا جائے گا تو وہ فضل صلوۃ الفجر فی الجماعۃ بھی ثابت ہو جائے گی اور باقی دو روایتوں سے باب سابق ثابت ہو رہا ہے وہ اس سے متعلق ہیں۔

باب فضل التهجير الى الظهر

یا تو غرض یہ ہے کہ ماسبق میں ابردوا بالصلوة سے ابراد کا حکم کر دیا گیا ہے، بصیغہ امر اور امر مطلق وجوب کے لئے ہوتا ہے، جس سے ایہام ہوتا ہے کہ ابراد واجب ہے اور اگر اس کے خلاف کرے تو ترک واجب سمجھا جائے گا، تو اس کو دفع فرما دیا یا یہ غرض ہے کہ تہجیر کے معنی ہیں، دوپہر میں جانا اور ابراد کا حکم صلوٰۃ سے متعلق ہے، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر تو ابراد ہی کرے وہی اولیٰ ہے، للاوامر التی وردت، لیکن اگر کوئی شخص مسجد میں دھوپ میں جائے اور وہاں جا کر اللہ اللہ کرتا رہے اور نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے تو چونکہ اجر علی قدر المشقت ہے، لہٰذا اس کو یہ فضیلت الگ حاصل ہوگی،

الشهداء خمسة:

میں بتلا چکا ہوں کہ حصر مقصود نہیں، بلکہ یہ تو بطور مثال کے ہے۔

والغريق وصاحب الهدم:

یہاں پر اشکال ہے کہ باوجود اس کے کہ ہدم وغرق اسباب شہادت ہیں، پھر ان سے پناہ مانگی گئی چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی دعاء ہے اللهم انی اعوذبک من الغرق والهدم وغيره وغيره، اس کا جواب میں دے چکا ہوں کہ ثمرہ کے اعتبار سے تو یہ چیزیں شہادت ہیں مگر چونکہ اس میں اچانک سخت تکلیف ہوتی ہے، تو ممکن ہے کہ شدت تکلیف کے وقت میں کوئی کلمہ خلاف نکل جائے اور قاعدہ

ہے کہ انما العبرۃ بالخو اتیم تو کیا پتہ خاتمہ بالخیر نہ ہو سکے اس لئے اللہ تعالیٰ سے اس سے استعاذہ کیا گیا۔

باب احتساب الاثار

احتساب کے معنی ثواب کی نیت کرنا۔ آثار سے مراد آثار اقدام ہیں، شراح نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا کہ مصنف کی اس سے کیا غرض ہے مگر میرے نزدیک ایک لطیف شے کی طرف اشارہ کر دیا وہ یہ کہ باب سابق میں تہجیر کی فضیلت ثابت فرمائی تھی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب دھوپ کے وقت کوئی گرمی میں چلتا ہو تو لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہے اور اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ علیکم السکینة والوقار لہٰذا دونوں میں کچھ جوڑ نہیں کھاتا، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گو گرمی میں دھوپ میں چلنے سے تکلیف ہوتی ہے مگر لمبے لمبے اقدام نہ اٹھائے کیونکہ یہ آثار بھی اللہ کے یہاں باعث اجر ومثوبہ ہیں، تو پھر اگر تھوڑی سی مشقت سے یہ اجور حاصل ہوں تو ان کو نہ چھوڑے بلکہ سکون ووقار کے ساتھ چلے، کیونکہ آثار کا ثواب ملتا ہے، لہٰذا سکینہ ووقار پر تنبیہ فرمادی۔ قال مجاهد خطاهم چونکہ سورہ یٰس شریف میں آثارہم کا لفظ آیا ہے اور آثار اقدام سے امام کا ذہن مبارک اس طرف منتقل ہوا لہٰذا اس کی بھی تفصیل فرمادی۔

باب فضل صلوة العشاء فی جماعة

صفحہ اسی پر فضل صلوٰۃ العشاء گزر چکا ہے اور وہاں میں نے یہ بتلایا تھا کہ شراح کے نزدیک اس سے فضیلت عشاء ثابت نہیں ہوتی، بلکہ انتظار کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مضاف مقدر ہے اور علامہ عینی دوسرے طریقے سے توجیہ کرتے ہیں، اور میری رائے یہ ہے کہ فضل ہی مراد ہے، اس طور پر کہ عشاء امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ کے ساتھ خاص ہے، بہر حال جو بھی کچھ ہو اس میں اور اس میں کوئی تکرار نہیں اس لئے کہ وہاں تو فضل صلوۃ العشاء مطلقا ثابت کرنا ہے اور یہاں فضل صلوۃ العشاء فی الجماعہ مقصود ہے۔

باب الاثنان فما فوقهما جماعة

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے یہ ہے کہ جو روایت ان کی شرط کے موافق نہ ہو تو اس پر رد فرماتے ہیں اور جو روایت شرط کے موافق باعتبار الفاظ کے نہ ہو مگر اس کے معنی درست ہوں تو حضرت امام اس کی اپنی روایت سے تائید فرماتے ہیں، اب یہاں چونکہ ابن ماجہ کی روایت میں الاثنان فما فوقهما جماعة وارد ہے اور وہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شرط کے موافق نہیں ہے، ورنہ شرط کے موافق کیا ہوتی؟ ابن ماجہ کی ہے اگر ابوداؤد ونسائی کی شرط کے مطابق ہو جائے تو بھی بسا غنیمت ہے، مگر چوں کہ اس کا مضمون امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے، اس لئے اس کی طرف اپنے ترجمہ سے اشارہ فرمادیا، اور اپنی روایت سے استنباطا ثابت فرمادیا۔[1]

باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰة

شراح فرماتے ہیں کہ مولف کی غرض یہ ہے کہ مقتدیوں کو اگر کچھ دیر ہو جائے تو تضجر نہ کرنا چاہئے بلکہ سکون ووقار کے ساتھ بیٹھا

---

(۱) باب الاثنان فما فوقهما جماعة: مقصد یہ بتلانا ہے کہ جماعت کا اطلاق اگرچہ تین پر ہوتا ہے مگر دو پر بھی جماعت کا اطلاق نماز میں ہو سکتا ہے، اور دو آدمی اگر جماعت کریں تو کافی ہے، اور دو آدمیوں کی جماعت سے بھی پوری جماعت کا ثواب ملے گا۔ (س)

رہے، تاکہ جماعت بڑھ جائے، کیونکہ جماعت کثیرہ میں ثواب زیادہ ہے اور یہ صحیح ہے اور اس کے ساتھ میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض اس بات پر تنبیہ کرنی ہو کہ جو ثواب روایت میں وارد ہوا ہے، وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو نماز کا انتظار کرتا ہو،

سبعة يظلهم الله في ظله:

جیسا کہ میں الشہداء خمسۃ میں بیان کر چکا ہوں کہ عدد حصر کے لئے نہیں ہوتا، ایسے ہی یہاں بھی عدد حصر کے لئے نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ایسے لوگ ہیں جن کو سایۂ ربانی نصیب ہوگا۔ اوجز میں نوے آدمیوں کے متعلق یہ مرتبہ نقل کیا گیا ہے، ان میں سب سے اہون یہ ہے کہ مغرب کے بعد کی دو نفلیں نہ چھوڑے، ظاہر یہ ہے کہ سنت کے بعد کی دو رکعتیں مراد ہیں۔

اجتمعا عليه وتفرقا عليه:

یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دونوں یکجا ہوتے ہیں، تو اس کا مبنیٰ حب فی اللہ ہوتا ہے اور جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو اس کا مبنیٰ بھی یہی ہوتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ ان کا تعلق اور جوڑ ایک دوسرے سے محض حب فی اللہ کی بناء پر ہے۔ اور اگر ایک دوسرے سے محض حب فی اللہ کی بناء پر ہے اور اگر ایک دوسرے سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کا مبنیٰ بھی اللہ ہی ہوتا ہے یا تو تفرقا اور اجتماعا سے مراد مجلس کا اجتماع ہے اور تفریق ہے یا اجتماع و تفریق قلبی مراد ہے۔ طلبته امرأة ذات منصب وجمال الخ ایک تو یہ کہ کوئی ایسی ویسی عورت حرام کاری کے لئے بلائے، اس کی طرف تو طبعاً رغبت نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی روپیہ پیسہ والی اور حسن و جمال والی عورت بلائے اور پھر وہ اپنے آپ کو محض خوف الٰہی کی وجہ سے اس سے بچائے تو یہ فضیلت اس کے لئے ہے: حتی لاتعلم شماله ماتنفق يمينه مسلم شریف میں اس کا عکس ہے، یعنی حتی لاتعلم یمینه ماتنفق شماله واقع ہوا ہے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی روایت میں قلب واقع ہو گیا، اور میرے مشائخ کی رائے ہے کہ اس کو مقلوب کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ دونوں صحیح ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ بے شمار خرچ کرتا ہے، ادھر سے بھی ادھر سے بھی اور کثرت کی بناء پر نہ داہنے کو بائیں کی اور نہ بائیں کو داہنے کی خبر ہوتی ہے، اور مراد اس سے کثرت انفاق ہے۔

باب فضل من خرج الى المسجد ومن راح

حدیث پاک کے الفاظ من غدا الى المسجد وراح ہیں، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غدا کو خرج سے کیوں بدل دیا؟ شراح فرماتے ہیں کہ یہ از قبیل تفنن ہے، غدو صبح کے جانے کو کہتے ہیں اور رواح شام کے جانے کو، اور چونکہ رات کو بھی جانا ہوتا ہے، اس لئے غدا کو خرج سے بدل کر تعمیم فرما دی، تاکہ رات اور دن کے جانے کو شامل ہو جائے۔

یہاں ایک چکی کا پاٹ سمجھو یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ان سب سے آگے بڑھ کر یہ فرماتے ہیں کہ غدوہ لغۃً صبح کے وقت کام کرنے کو کہتے ہیں، اور مطلقاً کسی کام کرنے کو بھی کہتے ہیں۔

قال تعالىٰ واذ غدوت من اهلك تبوئ المومنين الآية تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہاں غدا سے عام

معنی مراد لئے ہیں، اس لئے اس کو خـروج سے تعبیر کر دیا اور راح کے معنی جس طرح شام کو نکلنے کے آتے ہیں، اسی طرح لوٹنے کے معنی میں بھی آتا ہے تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غدا کو خروج سے بدل کر تعمیم کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ہر وقت کے خروج کو عام ہے اور راح کے معنی متعین کر دیئے کہ رجوع کے معنی میں ہے، اس لئے کہ خرج اپنے عموم کی بناء پر شام کے نکلنے کو بھی شامل ہو گیا لہٰذا اب راح کے معنی رجوع کے ہوں گے تو اب مطلب باب کا یہ ہوا کہ مسجد میں آنے اور جانے دونوں کا ثواب ہوتا ہے، چونکہ بظاہر ایہام ہوتا تھا کہ مسجد میں جانے کا ثواب ہو کیونکہ عبادت کے لئے جا رہا ہے، مگر نکلنے اور لوٹنے کا ثواب نہ ہو، تو اس پر تنبیہ فرمادی کہ اس پر بھی ثواب ہوگا اور چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ ترجمہ سے روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اس لئے میرے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ تصرف کر کے مسلم اور ابوداود کی روایت کی طرف اشارہ فرمادیا جس میں یہ ہے:

عن ابی ابن کعب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال کان رجل لااعلم احدا من الناس ممن یصلی القبلة من اهل المدینة ابعد منزلا من المسجد ذلک الرجل و کان لاتخطئه صلوة فی المسجد فقلت لو اشتریت حمارا ترکب فی الرمضاء والظلمة فقال ماحب ان منزلی الی جنب المسجد فنمی الحدیث الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فساله عن ذلک فقال اردت یارسول اللّٰہ ان یکتب لی اقبالی الی المسجد ورجوعی الی اهلی اذا رجعت فقال اعطاک اللہ ذلک کله انطاک اللّٰہ مااحتسبت کله اجمع .

تو اس روایت میں یہ ہے کہ وہ صحابی فرماتے ہیں میرے لئے میرا اقبال اور رجوع لکھا جائے، اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مسجد کو جانا اور لوٹنا دونوں لکھا جاتا ہے اسی طرح کتاب الجہاد کی روایت میں غدوۃ کروحۃ وارد ہے۔

باب اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبة

صبح کی سنتوں کے علاوہ ساری سنتوں میں اتفاق ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس وقت کوئی اور نماز پڑھنا خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے اور اگر پڑھ رہا ہو تو جلدی سے پوری کر لے یا دو رکعت پر سلام پھیرے مگر سنت فجر میں اختلاف ہے کہ اگر فرض ہو رہے ہوں تو اس وقت سنتیں پڑھیں یا نہ پڑھیں کیا کرے؟ ظاہر یہ فرماتے ہیں کہ جب نماز شروع ہوگی، اسی وقت ساری سنتیں ختم ہو جائیں گی، اور اگر اب تک شروع نہیں کی تو اب شروع نہ کرے، اور اگر شروع کر دی تھی تو فوراً ٹوٹ گئی، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک شروع کرنا ناجائز ہے، اور اگر پڑھ رہا تھا اور پھر نماز شروع ہوگئی تو جلدی سے پوری کر لے، اور احناف و مالکیہ کے نزدیک سنت فجر اور سنتوں سے ذرا الگ ہے اور بنی اس کا وہ روایات ہیں جن سے اس کی تاکید معلوم ہوتی ہے، مثلاً لا تدعوها ولو طردتكم الخيل ، ان ہی روایات کی بناء پر بعض وجوب کے قائل ہیں خود احناف کے یہاں حسن کی روایت امام صاحب سے وجوب کی ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وتر جو کہ سنت ہیں ان سے زیادہ موکد ہے، لہٰذا اس کو پڑھ لینا چاہئے، اب اختلاف اس میں ہے کہ کس طرح پڑھے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت پڑھے جبکہ کسی رکعت کے فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو اور مسجد سے باہر پڑھے یہ دو شرطیں ہیں، اور احناف کے نزدیک اگر ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو صفوف سے علیحدہ ہو کر پڑھ لے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے شافعیہ و حنابلہ کے موافق ہے۔

اور الصحیح اربعا سے استدلال ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان صحابی پر نکیر فرمائی تو معلوم ہوا کہ نہ پڑھے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ان صحابی نے سنتیں صف میں کھڑے ہوکر پڑھیں تھیں اور یہ صورت اربعا کو ظاہر کررہی تھی، ورنہ اگر کسی نے ایک جگہ دو رکعت پڑھیں اور پھر دوسری جگہ بدل کر دو رکعت پڑھ لیں، تو اس کو اربعا نہیں کہا جاسکتا۔

اب امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی پر ایک اشکال ہے کہ انہوں نے ترجمہ عام باندھا ہے، **اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ** کے ساتھ اور روایت خاص ذکر فرمائی، گو فجر کے ساتھ خاص ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ترجمہ میں الصلوۃ پر الف لام عہد خارجی کے لئے ہے، اور اس سے مراد خاص نماز یعنی نماز فجر ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ احکام کلیہ تو جزئیات ہی سے ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا ایک جزئی سے استنباط فرمایا، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ بقیہ تو اجماعی ہیں، اور یہی صرف اختلافی ہے، اس لئے اسی کو خاص طور سے ذکر فرمادیا، چوتھا جواب علامہ عینی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ روایت میں جو علت بیان کی گئی ہے، اس کی بناء پر وہ دوسری نمازوں پر بھی صادق آسکتی ہے۔

چنانچہ اگر ظہر کی نماز کھڑے ہونے کے وقت اگر کوئی سنتیں پڑھے یا عصر و مغرب وعشاء کے وقت ایسا کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، لہٰذا حدیث عام ہے، اگرچہ ذکر صرف فجر کی نماز کا ہے، اور باب بھی عام ہے،

عن عبداللّٰہ بن مالک ابن بجینۃ:

یہاں پر بحینۃ سے پہلے ابن کا الف لکھا بھی جائے گا، اور اس کو پڑھا بھی جائے گا، کیونکہ بحینۃ مالک کی ماں یا باپ نہیں بلکہ یہ مالک کی بیوی اور عبداللہ کی ماں ہیں، تو یہ عبداللہ کی صفت ہوئی۔

یقال لہ مالک ابن بجینۃ :

یہ وہم ہے۔

عن حفص عن عبداللّٰہ ابن بجینۃ:

اس کو تنبیہ کے واسطے ذکر فرمایا ہے کہ مالک ابن بحینۃ وہم ہے۔

باب حدالمریض ان یشھدالجماعۃ

حد بالحاء المہملۃ اور جد بالجیم دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، اگر جیم ہو تو مطلب یہ ہے کہ مریض کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جماعت میں حاضر ہو جب تک کہ اس کے امکان میں ہو کہ جماعت کی نماز نہ چھوڑے۔

اور اگر حاء مہملہ ہو جیسا کہ ہمارے نسخہ میں ہے تو پھر یا تو انتہاء کے اعتبار سے ہوگی یا ابتداء کے اعتبار سے، شراح جیسے علامہ عینی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کی غرض یہ ہے کہ اس حد تک آنا چاہئے، اور اس کے بعد نہیں۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اس حد تک تو ضرور جانا چاہئے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے ہیں، اور اگر حالت اس سے بھی آگے ہو جائے تو بھی جانا جائز ہے، دونوں میں فرق ہو گیا وہ یہ کہ شراح کے نزدیک اس کے بعد نہ جانا چاہئے اور میرے نزدیک اگر اس حد کے بعد ہو تو بھی جانا جائز ہے، السیف یعنی رقیق القلب فقال انکن صواحب یوسف جب حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا مروا ابابکر فلیصل بالناس تو حضرت عائشہ نے

حضرت حفصہ سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ سے کہو کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم کریں کیونکہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقیق القلب ہیں۔ چنانچہ حضرت حفصہ نے یہ درخواست پیش کردی اور دونوں اصرار کرتی رہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ انکن صواحب یوسف اس کا مشہور مطلب تو یہ ہے کہ جیسے وہ ایک غلط کام پر اصرار کر رہی تھیں اسی طرح تم کرتی ہو، یا تشبیہ کثرت سے اصرار کرنے میں ہے۔

اور میرے اکابر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے صواحبات یوسف زبان سے تو یہ کہتی تھیں کہ زلیخا کی مطاوعت کرلو، مگر اپنے ناز وانداز سے یہ بتلا رہی تھیں کہ ہم بھی کچھ ہیں، اسی طرح تم زبان سے تو کچھ کہتی ہو اور دل میں کچھ رکھتی ہو۔ اور دل میں وہ چیز تھی جو صحاح کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اس واسطے کہہ رہی تھیں کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری دن ہے، اب اگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا کر مصلی پر کھڑے ہو جائیں گے تو لوگ تشاوم کریں گے، اور حضرت حفصہ سے (جیسا کہ غیر صحاح کی روایت میں) منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں اس لئے کہہ رہی تھی کہ جس کو آج امامت مل جائے گی کل اس کو خلافت مل جائے گی، اس لئے کہ امامت صغریٰ مقدمہ ہے امامت کبریٰ کا۔

فخرج ابوبکر یصلي:

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پنجشنبہ کی عشاء سے لیکر دوشنبہ کی صبح تک سترہ نمازیں پڑھائیں، جب نبی اکرم ﷺ کو افاقہ ہوتا تو باقتداء حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ لیتے اور کبھی خود امامت فرماتے۔

جلس عن یسار ابی بکر:

اس پر کلام ابواب الصفوف میں آئے گا۔

ھو علی ابن ابی طالب:

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ نام نہ لینے کی وجہ غصہ وغضب نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جانب میں متعین نہیں تھے۔ (۱)

---

(۱) باب حد المریض ان یشهد الجماعة: لفظ حد دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے، ایک الجد بمعنی کوشش یعنی حضور اکرم ﷺ نے اپنی پوری کوشش کے بعد جماعت میں شرکت کی، دوسرے الحد بالحاء المہملہضبط کیا گیا ہے اس کے دو مطلب ہیں: اول یہ کہ مریض کو اس حد تک ضرور نماز میں شریک ہونا چاہئے جب تک کہ وہ دو آدمیوں کے سہارے سے چل سکتا ہو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مریض کو اس حد تک جانا جائز ہے، اور کوئی مضائقہ نہیں اس سے آگے نہیں جانا چاہئے، فافهم الفرق بینهما فانه دقیق لطیف۔ حدثنا ابراهیم بن موسیٰ الخ اس روایت میں حضور اکرم ﷺ کی تکلیف کا ذکر ہے اور یہ کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے آپ ﷺ اجازت لے کر حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف لائے تو اس قصہ کو نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ باب میں نماز جماعت کا ذکر ہے، تو اس کو باب سے کیسے مناسبت ہوگی، بعض نے تو کہا ہے کہ جب آپ ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے تو درمیان میں نماز پڑھ کر تشریف لے گئے تھے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگرچہ اس حدیث کو نماز جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر چونکہ اس سے قبل حدیث میں یهادی بین رجلین وارد ہوا ہے، تو اس حدیث سے ان دونوں کی تعیین کی ہے کہ وہ حضرت عباس تھے اور دوسری جانب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس حدیث کے ذکر کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اس میں ان دو آدمیوں کی تفصیل آگئی جو گزشتہ حدیث میں مجملا آئے تھے۔ (کذا فی تقریرین)

باب الرخصة فی المطر الخ

حاصل یہ ہے کہ بارش ان اعذار میں سے ہے، کہ اگر اس کی وجہ سے جماعت ترک کر دی جائے تو جائز ہے۔

باب هل يصلى الامام بمن حضر

حاصل یہ ہے کہ بارش ان اعذار میں سے ہے جس کی وجہ سے جماعت کو چھوڑا جا سکتا ہے، یہ عذر متفق علیہ ہے اب وہ چوں کہ الاصلوا فی الرحال فرمایا تھا اور صلوا امر کا صیغہ ہے، جس سے ایہام ہوتا ہے کہ بارش کے وقت رحال میں نماز پڑھنا واجب ہے، اس لئے باب هل يصلى الامام بمن حضر باندھ کر تنبیہ فرمادی کہ امر ایجابی نہیں ہے، اگر مسجد میں امام لوگوں کو جماعت سے پڑھادے تو جائز ہے۔ قال سالت اباسعيد الخدرى یہ روایت مختصر ہے، لیلۃ القدر کی روایت میں اسطرح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، حدثنی عبدالله بن منير سمع هارون بن اسمعيل ثنا على بن المبارك قال حدثنى يحى بن ابى كثير قال سمعت اباسلمة بن عبدالرحمن قال سالت اباسعيد الخدرى رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت هل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر ليلة القدر قال نعم اعتكفنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم العشر الاوسط من رمضان الحديث

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال کیا تھا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں اختلاف بہت ہے، اکیسویں شب تیئسویں شب، ستائیسویں شب وغیرہ وغیرہ متعدد اقوال ہیں، اس لئے سوال فرمایا، انہوں نے جواب دیا۔ اور یہ بارش اکیسویں شب کو ہوئی، جیسا کہ دوسری روایات میں ہے، فوكف المسجدلى مصلى النبى صلى الله عليه وسلم، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو ابواب السجود میں بھی ذکر کریں گے، اس لئے کہ اس میں جبہہ اور ارنبہ پر مٹی لگے ہوئے ہونے کا ذکر ہے، وكان رجلا ضخما یہ وہی عتبان بن مالک ہیں، ان کی روایت سے ترجمۃ الباب کیونکر ثابت ہوا۔

بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ چوں کہ حضرت عتبان اپنی مسجد کے امام تھے، جب وہ بارش کے اندر مسجد میں نہیں جاتے تھے، تو اور لوگ پڑھتے رہے ہوں گے، لہٰذا یہ صلوة بمن حضر ہوگیا، یہ محتمل ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حصیر پر انہوں نے پانی چھڑکا یہ تو بارش ہوگئی، اور نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھائی یہ صلوة بمن حضر ہے، یہ چیز امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے زیادہ لائق ہے اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اسی قسم کے باریک استدلال فرماتے ہیں۔

باب اذا حضرت الطعام واقيمت الصلوٰة

چونکہ حدیث میں اذا وضع العشاء واقيمت الصلوٰة فابدؤ ابالعشاء وغیرہ اس قسم کے الفاظ وارد ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو کھانے کے لئے موخر کرنا جائز ہے اور یہ بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے واسطے نماز کو موخر کیا جائے، نیز شرح السنۃ کی روایت میں ہے، (جیسا کہ مشکوۃ میں بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، لاتوخر الصلوة لطعام ولالغيره، تو ان عقلی ونقلی دلیلوں کا تقاضا یہ ہے کہ موخر نہ کرے، اب ان دونوں میں تعارض ہوگیا، جس کی بناء پر علماء کو توجیہ کی ضرورت پیش آئی، شافعیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مذکور فی الباب فساد طعام پر محمول ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کھانے کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت اجازت ہے، یہ اصل توجیہ امام غزالی کی ہے، مگر چونکہ وہ شافعی ہیں، اس لئے ان کی طرف نسبت کردی، اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ قلت طعام پر محمول ہے، کہ کھانا تھوڑا ہوا ور کھانے والے زیادہ ہوں اور یہ ڈر ہو کہ اگر نماز پڑھنے چلا گیا تو

سارا کھانا نمٹادیں گے تو اس وقت کھانا کھالے پھر نماز پڑھے اور حنفیہ وحنابلہ فرماتے ہیں کہ اجازت اس وقت ہے جب کہ شغل قلب کا اندیشہ ہو، یعنی اگر نہ کھائے گا تو اس کا خیال کھانے کی طرف لگا رہے گا۔ اگر ایسی صورت ہو تو اولا کھانا کھالے پھر نماز پڑھے، اسی طرف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان ہے، کیونکہ حضرت ابوالدرداء کا انہوں نے مقولہ نقل کیا ہے، جس میں ہے حتی یقبل علی صلوۃ وقلبہ فارغ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک آثار مذکورہ فی الباب سے معلوم کیا جاتا ہے، حضرت امام طحاوی اپنی مشکل الآثار میں فرماتے ہیں کہ صائم کے ساتھ خاص ہے، اور صلوۃ سے مراد صلوٰۃ خاص یعنی مغرب کی نماز ہے، قبل ان تصلوا صلوۃ المغرب یہ جملہ امام طحاوی کی تائید کرتا ہے اور جہاں عشاء کا لفظ آتا ہے وہاں اس سے مراد مغرب ہے، کیونکہ عشاء کا اطلاق مغرب پر بھی ہوتا ہے، وذهب مدنی یہ دفع ایہام فرمادیا۔

باب اذا دعی الامام الی الصلوٰۃ وبیدہ مایاکل

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس باب سے کیا غرض ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ الامام کی قید احترازی نہیں ہے، چونکہ حضور اکرم ﷺ امام تھے، اس لئے ترجمہ میں امام کا لفظ ذکر فرمادیا اور غرض امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ ہے کہ فابدءوا بالعشاء کا حکم اس وقت ہے جبکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور اگر کچھ کھالیا ہو تو پھر پہلے نماز پڑھے اور بعد میں کھائے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الامام کا لفظ ذکر فرمایا تو قید ہی ہوگا اور غرض یہ ہے کہ اذا اقیمت الصلوٰۃ فابدءوا بالعشا کا امر عام لوگوں کے واسطے ہے، اور امام کے لئے یہ ہے کہ وہ اولا نماز پڑھائے اسی لئے حضور ﷺ نے اس وقت کھانا چھوڑ دیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عوام کے مشغول بالطعام رہنے سے لوگوں کا کوئی حرج نہیں ہے امام ان کو نماز پڑھا دے گا۔ لیکن اگر امام خود ہی مشغول ہوگا تو لوگ اس کی وجہ سے مشغول ہوں گے اور اس کے انتظار میں ٹھہریں گے۔

باب من کان فی حاجة اهله فاقیمت الصلوٰۃ فخرج

یہ دوسرا استثناء ہے، اور مطلب یہ ہے کہ صرف کھانے کی اجازت ہے دنیا کے سارے دھندوں کا یہ حکم نہیں ہے کہ ان سب سے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھے کیونکہ دنیا کے دھندے تو رات دن چلتے ہی رہتے ہیں، اگر سب کو کھانے کے حکم میں کر دیا جائے تو لازم آئے گا کہ پھر نماز ہی نہ پڑھے۔ (۱)

باب من صلی بالناس وهو لایزید الا ان یعلمهم الخ

چوں کہ حدیث پاک میں آتا ہے: انا اغنی الشرکاء عن الشرک، یہ حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی اخلاص سے عبادت نہ کرے بلکہ دکھلانے کے لئے کرے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس سے بالکل بے نیاز ہوں مجھ سے اس کے ثواب وغیرہ کا تعلق نہیں جس کے دکھلانے کے لئے کرتا ہے، اس سے ثواب طلب کرے، اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جہنم میں سب سے پہلے تین آدمی ڈالیں جائیں گے، ایک عالم مرائی، دوسرے مجاہد مرائی اور تیسرے سخی مرائی۔ تو اس سے بظاہر ایہام ہوتا تھا کہ اگر کوئی تعلیم کے واسطے نماز پڑھے تو ان وعیدوں میں داخل ہو جائے گا۔

---

(۱) باب من کان فی حاجة اهله الخ: مقصد ترجمہ کا یہ ہے کہ جماع کو مرجوح اور جماعت کو راجح قرار دیا جائے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر نماز کے وقت جماع کرے تو اس سے جو اولاد پیدا ہوگی، وہ والدین کی نافرمان ہوگی۔ (ن)

تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو مستثنیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تعلیم دینے کے لئے نماز پڑھے تو یہ اس کے اندر داخل نہیں ہے، اس لئے کہ مدار نیت پر ہے، حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، انما الاعمال بالنیات اور یہاں چونکہ اس کی غرض تعلیم ہے، اس لئے وہ اس وعید میں داخل نہیں، کیونکہ یہ دکھلاوا تو دین ہے، اسی واسطے صوفیا فرماتے ہیں کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المریدین کیونکہ وہ متبوع ہیں لوگ ویسا ہی کریں گے جیسا ان کو کرتے دیکھیں گے، فکان شیخنا یجلس اذا رفع راسه من السجود الخ شافعیہ نے اس حدیث سے جلسۂ استراحت پر استدلال کیا ہے اور جو جلسۂ استراحت کے مسنون ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ جوابا کہتے ہیں کہ جب شاگرد نے پوچھا کہ کیسے پڑھتے تھے تو کہا کہ ایسے ہی پڑھتے تھے، جیسے اور لوگ پڑھتے ہیں، مگر رکعت ثانی سے پہلے بیٹھ کر پھر اٹھتے تھے، تو خود ہی معلوم ہو گیا کہ جمہور صحابہ کا عمل اس کے خلاف تھا صرف مالک بن الحویرث جلسۂ استراحت کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آخر میں حاضر ہوئے نبی اکرم ﷺ اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے، اس لئے جلسہ استراحت فرما کر پھر اٹھتے تھے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ انی قد بدنت۔

باب اهل العلم والفضل احق بالامامة

مسئلہ یہ ہے کہ احق بالامامۃ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعلم ہے، پھر اقرأ ہے، اور امام احمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک اقرأ ہے، پھر اعلم ہے، کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے۔

ما كنت لاصيب منك خيرا:

اس سے اشارہ فرمایا یوم الغسل کے واقعہ کی طرف وہاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پٹی پڑھائی تھی اور ڈانٹ پڑ گئی، حتی اذا کان یوم الاثنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں اس میں میری رائے یہ ہے کہ ایک نماز میں حضور اکرم ﷺ درمیان میں تشریف لائے۔

كانه ورقة مصحف:

قاعدہ یہ ہے کہ جب مقربین بارگاہ ربانی قریب الموت ہوتے ہیں تو ان پر انوار کی کثرت ہو جاتی ہے، کما شاهدنا ذلک فی المشائخ پھر نبی اکرم ﷺ کا کیا پوچھنا، آپ ﷺ چونکہ رخصت ہونے والے تھے، اس لئے انوار کی کثرت ہوئی، اس کی روشنی محسوس ہوئی اس پر صحابہ سمجھے کہ آپ ﷺ کو صحت ہو گئی، اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے بعد گھر چلے گئے۔

حالانکہ وہ سنبھالا تھا، جیسے مریض جب مرنے کو ہوتا ہے تو مرنے سے قبل اچھا خاصا معلوم ہونے لگتا ہے، اب تشبیہ یا تو انوار میں ہے یا صفائی کاغذ میں ہے یہی وہ آخری نماز ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو پڑھتے دیکھا اور یہی وہ آخری نظر ہے جو آپ ﷺ نے اپنی امت پر ڈالی اور دیکھا کہ لاڈلا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کام سنبھالے ہوئے ہے، اور ان شاء اللہ سنبھال لے گا۔ (۱)

---

(۱) باب اهل العلم والفضل الخ اس سے یہ بتلا دیا کہ احق بالامامۃ اعلم ہے، پھر اقرأ ہے، یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے اور امام احمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک اقرأ افضل ہے، جمہور کا استدلال اس سے ہے کہ ایک روایت میں حضرت ابی بن کعب کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ اقرأ کم ابی بن کعب الخ اور اس خطاب میں تمام صحابہ حتی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل ہیں، تو جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زیادہ قاری حضرت ابی ہیں لیکن پھر بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنایا گیا تو یہ دلیل ہے کہ اعلم مقدم ہوتا ہے اقرأ پر۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ باب منعقد فرما کر جمہور کی تائید فرمائی ہے۔

باب من قام الى جنب الامام لعلة

مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت مقتدی بہت ہوں تو بالاجماع امام مقدم ہوگا اور اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے داہنی طرف کھڑا ہوگا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، لیکن اگر باوجود کثرت مقتدیین کے کسی ضرورت کی وجہ سے امام کے پہلو میں کھڑا ہو جائے، تو جائز ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے کیا۔ (۱)

باب من دخل ليؤمّ الناس فجاء الامام الاول الخ

اگر امام راتب کہیں چلا جاوے، اور نماز کھڑی ہو جائے، اور پھر وہ امام آجائے تو جمہور فرماتے ہیں کہ امام راتب اس امام کی اقتداء کرے، اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ایسی صورت ہوئی تو امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا یا تو امام کی اقتداء کرے یا آگے بڑھ جائے، اور یہ عارضی امام ہٹ جائے، یہی حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے، استدلال حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ بنوعمر بن عوف میں ۵ھ میں یا ٦ھ میں صلح کرانے تشریف لے گئے اور بلال سے کہہ گئے کہ اگر نماز کا وقت ہو جائے تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ دینا کہ نماز پڑھا دیں نماز کا وقت ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضور اقدس ﷺ فرما گئے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ گئے، نماز شروع ہوگئی ابھی ہو رہی تھی کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھ کر تالیاں بجانی شروع کر دیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ نماز میں ادھر ادھر توجہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ جب لوگوں نے بہت زیادہ تالیاں بجائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ پیچھے ہٹنا چاہا تو نبی اکرم نے فرمایا، امکث مکانک مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا اور پیچھے ہٹ گئے، حضور اکرم ﷺ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی، تو اب استدلال اس سے ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ٹھہرے رہنے کا امر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ امام راتب کو اقتداء جائز ہے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ٹھہرے بلکہ پیچھے ہٹ گئے اور پھر نبی پاک ﷺ آگے بڑھ گئے، اس سے معلوم ہوا کہ امام راتب کو آگے بڑھ جانے کا اختیار ہے، جمہور جواب دیتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق رقیق القلب تھے، اور پڑھا نہیں سکتے تھے، بلکہ حصر ہو گیا تھا، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد ما كان لابن قحافة ان يصلى بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم سے معلوم ہوتا ہے اس لئے حضور ﷺ نے نماز پڑھائی۔

اب یہاں پر ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ یہاں پر تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت پیچھے نہیں ہٹے تھے، جبکہ حضور اکرم ﷺ کو کسی وجہ سے فجر کے وقت دیر ہو گئی تھی، تو لوگوں نے حضرت

---

(۱) باب من قام الى جنب الامام لعلة: یعنی باوجود جماعت کے اگر مقتدی کسی علت کی وجہ سے امام کے پاس کھڑا ہو جائے تو یہ جائز ہے، اسی جواز کو بیان کرنے کے لئے یہ باب منعقد کیا گیا ہے۔ (س)

عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے بڑھادیا تھا بعد میں نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو حضور ﷺ نے کھڑے رہنے کو فرمایا۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے رہے اور حضور ﷺ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے، اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں ایک رکعت ہوچکی تھی تو خوف تھا کہ آگے پیچھے ہٹنے میں کوئی گڑبڑ ہوگئی تو نماز ہی چلی جائے گی اس لئے کہ آخری وقت میں تو نماز شروع ہوئی تھی، بخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے کے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حصر ہوگیا تھا، اس لئے پیچھے ہٹ گئے تھے، اور حصر ہونا کوئی قادح نہیں ہے جو جتنا اونچا ہوتا ہے، وہ بڑوں کا اتنا ہی قدرشناس ہوتا ہے۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

جتنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں حضور ﷺ کی عظمت ہوگی وہ ظاہر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں اتنی نہیں ہوگی، بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آس پاس تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں تھے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانب ادب کی رعایت کی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانب امتثال امر کی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ جانب ادب اولیٰ ہے یا امتثال امر، جو ثانی کو افضل کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امر کے اندر آمر کا نص موجود ہے، اور ادب کے اندر وہ اپنے زعم کے مطابق ایک کام کر رہا ہے، نیز آمر کے امر کو نہ ماننا یہ اس کے امر کی اہانت ہے اور جو حضرات ادب کے ملحوظ رکھنے کو افضل قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو بس تم یہ دیکھ لو کہ ادب کس نے کیا اور کس نے امتثال امر کیا اور پھر خود ہی فیصلہ کرلو، ادب کرنے والے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور تم کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون ہیں؟ اور امتثال کرنے والے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اب دونوں کے افعال کا موازنہ کرلو۔

من نابه شي في صلوته فليسبح وانما التصفيق للنساء:

یہ مسئلہ مستقلاً آگے آرہا ہے جمہور تفریق فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورت تصفیق کرے گی۔ اور مرد تسبیح پڑھے گا، اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دونوں تسبیح پڑھیں گے، مالکیہ فرماتے ہیں کہ انما التصفیق للنساء علامت کے طور پر فرمایا ہے مگر چونکہ سنن کی روایات میں فلیسبح الرجال لیصفق النساء آیا ہے۔ اس لئے ائمہ ثلث تفریق کے قائل ہیں۔ (۱)

---

(۱) باب من دخل لیؤم الناس الخ: باب کی اس حدیث سے احناف کے ایک اصول کی تائید ہورہی ہے کہ جب امام قرأت سے عاجز ہوجائے تو دوسرے شخص کو امام بنادیا جائے، یہاں پر ایسا ہی ہوا کہ حضور ﷺ کے آنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرأت سے عاجز ہوگئے تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر امامت کی من نابه شي في صلوته الخ۔ اس میں تسبیح کا امر ہے اور من نابه عام ہے عورت کے لئے اور مرد کے لئے اسی بنا پر مالکیہ فرماتے ہیں کہ مرد و عورت دونوں کو سبحان اللہ کہنا چاہئے جمہور کے نزدیک مرد کے لئے تسبیح اور عورت کے لئے تالی بجانا ہے۔ اور استدلال دوسری روایت سے ہے کہ انما التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ حضرات مالکیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کا تعلق نماز سے نہیں بلکہ مطلق ایک عادت بیان فرمائی ہے ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اس جملے کے بعد اتنی عبارت اور ہے فلیسبح الرجال ویصفق النساء یہ دلیل ہے کہ آپ نے یہ مسئلہ نماز ہی کے متعلق بیان فرمایا ہے۔

باب اذا استووا فی القرأة فلیومھم اکبرھم

یا تو غرض مراتب امامت کو بیان کرنا ہے کہ اگر یہ ہو تو یہ نماز پڑھائے اور اگر وہ ہو تو وہ نماز پڑھائے یا غرض دفع ایہام ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ولیؤمکم اکبرکم اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ولیوم اقرأکم کیوں نہیں فرمایا؟ تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ چونکہ دونوں ساتھ ہی آئے تھے، اس لئے علم کے اندر تو دونوں برابر تھے، اب فرق سن کا تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اکبرکم فرمادیا اس صورت میں یہ ترجمہ شارحہ ہوگا۔

باب اذا زار الامام قوما فامّھم

سنن کی روایت میں ہے من زار قوما فلایومھم ولیومھم رجل منھم اور دوسری روایت میں ہے، لایومن الرجل الرجل فی سلطانہ ولایقعد فی بیتہ علی تکرمتہ الاباذنہ۔ ان روایات کا تقاضا ہے کہ اگر امام کہیں جائے تو وہ نماز پڑھائے، کیونکہ حکم عام ہے، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہی عالم لوگوں کے واسطے ہے، اور امام کو چونکہ ولایۃ عامہ حاصل ہے اس لئے وہ پڑھا سکتا ہے، لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو تو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ہی بلایا تھا پھر اجازت وغیرہ کا کیا مطلب؟

اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ حضرت عتبان نے حضور ﷺ سے نماز پڑھنے کی درخواست کی تھی۔ امامت کرنے کو نہیں کہا تھا کسی کے پیچھے پڑھ لیتے پھر حضور ﷺ نے پڑھائی مگر اشکال وہی ہے، یہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے استدلال کے موافق جواب ہوجائے گا مگر جب انہوں نے بلایا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضور ﷺ وہاں جاکر کسی کی اقتداء کریں گے۔ (۱)

باب انما جعل الامام لیؤتم بہ

روایت مذکور فی الباب بطرق متعددہ کثرت سے منقول ہیں، اسی بناء پر جمہور نے اس کو معمول بہا قرار دیا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے سارے اجزاء معمول بہا ہیں مگر واذا صلی جالسا فصلوا جلوسا۔ یہ مستثنیٰ ہے اس لئے کہ یہ جحش ساق والا واقعہ ہے، جو ۵ھ میں پیش آیا اور حضور اقدس ﷺ نے مرض الوفات میں ۱۱ھ میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیچھے کھڑے ہوکر پڑھی۔

---

(۱) باب اذا زار الامام قوما فامھم: ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف میں ہے، کہ بغیر اجازت کے دوسرے کی جگہ نماز نہ پڑھاؤ۔ ان احادیث کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ باب منعقد فرمایا ہے، اب یہ کہ مقصود اس باب سے کیا ہے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان روایات سے امیر المومنین امام اعظم کا استثناء مقصود ہے کہ اس کو اجازت ہے کہ وہ ہر شخص کی جگہ پر نماز پڑھائے کیونکہ اس کو ولایت عظمیٰ حاصل ہے، اس بناء پر امام کی قید احترازی ہوگی۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام کی قید اتفاقی ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ ان روایات میں جو نہی وارد ہوئی ہے، نماز پڑھانے سے یہ وجوبی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی پڑھادے تو بلا کراہت نماز ہوجائے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ بعض روایت میں جو الا باذنہ کا استثناء آیا ہے تو اس باب سے اس کی طرف اشارہ ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عتبان سے اجازت لے کر نماز پڑھائی۔ (کذا فی تقریر مولوی سلمان)

مسئلہ مختلف فیہ ہے جمہور کے نزدیک اگر امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر پڑھے تو مقتدیین کھڑے ہو کر پڑھیں گے، مگر امام احمد کے نزدیک بشروط بیٹھ کر پڑھیں گے، امام احمد نے اس روایت سے استدلال کیا ہے، وقد سقنا جوابه. ثم یقضی الرکعة الاولیٰ بسجودها۔ چونکہ سجدہ کے ترک ہو جانے کی وجہ سے وہ رکعت نہیں ہوئی تھی، والناس عکوف فی المسجد ینتظرون النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلوة العشاء یہ پنجشنبہ کی شام کا واقعہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یہ جحش ساق والا واقعہ ہے۔(۱)

باب متی یسجد من خلف الامام

یہ ترجمہ ترجمہ شارحہ ہے، روایت میں ہے واذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا۔ فاتعقیب کے لئے ہوا کرتی ہے، اور تعقیب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شے دوسری شے کے بعد ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقتدی امام کے رکوع سے فراغ کے بعد رکوع کرے اور سجود سے فراغ کے بعد سجود کریں۔ لہٰذا حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دفع فرمایا کہ نہیں بلکہ امام کے ساتھ کرے گا اور روایت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے امام رکن کو شروع کرے پھر اس کے بعد مقتدی کرے، اس سے تقدم نہ کرے۔

قولہ حدثنی البراء وھو غیر کذوب۔ میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ اس میں اختلاف ہے کہ استاذ کا پڑھنا افضل ہے یا شاگرد کا پڑھنا افضل ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ استاذ کا پڑھنا افضل ہے وہ کہتے ہیں کہ جب استاذ پڑھے گا۔ تو ساری باتیں ٹھیک ٹھیک پڑھے گا۔

اب سنو! اس میں اختلاف ہے کہ یہ مقولہ کس کا ہے؟ اور ھو کا مصداق کون ہے؟ محققین علماء حافظ ابن حجر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت براء کے شاگرد کا مقولہ ہے اور ھو کی ضمیر حضرت براء کی طرف راجع ہے، اور علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ حضرت براء کے تلمیذ کے تلمیذ کا مقولہ ہے، اور ھو کی ضمیر حضرت براء کے تلمیذ کی طرف راجع ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت براء صحابی ہیں، موثق ہیں، ان کی توثیق کی ضرورت نہیں۔ فان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم کلھم عدول اگر ان کی توثیق ہوگی تو اس قانون کے خلاف ہوگا۔ فریق اول حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ قواعد نحویہ کے موافق یہی ہے کہ حضرت براء کی طرف ضمیر لوٹائی جائے باقی یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خود موثق، وعدول ہیں ان کی توثیق کی ضرورت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطور توثیق کے ذکر نہیں کیا بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا تھا: حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق

---

(۱) باب انما جعل الامام لیوتم به: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد اس باب سے حنابلہ پر رد اور ائمہ ثلاثہ و جمہور کی تائید کرنا ہے۔ وقال الحسن فیمن نسی سجدة حتی قام بسجدة، حضرت حسن بصری نے من نسی سجدة کے متعلق جو مسئلہ ذکر کیا ہے وہ متفق علیہ ہے، اس میں امامت کا ذکر نہیں ہے اس لئے تبعاً یہاں لایا گیا ہے۔ یعنی اس کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں ہے ھکذا قال الشاة انور نور اللہ مرقدہ اور میرے نزدیک اس میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ کوئی شخص امام کی اقتداء کر رہا تھا اور قیام کی حالت میں سو گیا جب وہ جاگا تو امام سجدہ کر کے دوسری رکعت میں پہنچ چکا تھا، تو اس مقتدی پر لازم ہے کہ وہ سجدہ کر کے امام کے ساتھ مل جائے اس لئے کہ سجدہ رکن صلوٰۃ ہے لہٰذا اس کے ترک سے نماز ہی نہیں ہوگی اس صورت میں امامت کے مسئلہ سے کچھ مناسبت ہو جائے گی۔

(کذا فی تقریرین)

المصدوق تو جیسے حضرت ابن مسعود کا کلام توثیق نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی توثیق مراد نہیں ہے بلکہ تاکید اور کلام میں قوت پیدا کرنے کے لئے فرمایا اور یہی میری رائے ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کذوب صیغہ مبالغہ ہے تو جب مبالغہ کی نفی کردی تو اصل ماخذ باقی رہا جس کا مطلب یہ ہوا کہ کذوب تو نہیں ہیں مگر کبھی کبھی صدور کذب ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کا کلام جیسا نفی مبالغہ کے لئے ہوتا ہے اسی طرح مبالغہ فی النفی کے لئے ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِیْدِ ، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلام تو نہیں ہاں نعوذ باللہ ظالم ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ظلم اللہ تعالیٰ سے صادر ہو ہی نہیں سکتا۔ (۱)

باب اثم من رفع رأسه قبل الامام

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لفظ اثم سے تنبیہ فرمادی کہ وعید باعتبار اثم کے ہے اور ممکن ہے کہ اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا ہو۔ حنابلہ کا ایک قول اور ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ جو کوئی امام سے پہلے رکوع وسجدہ سے سر اٹھائے تو اس کی نماز باطل ہے جمہور کے نزدیک یہ فعل مکروہ ہے تاہم نماز ہو جائے گی۔

اویجعل الله صورته صورة حمار:

یہ او شک کے لئے ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہو گیا کہ شک شعبہ کو ہوا اور یحول الله رأسه رأس حمار اور یجعل الله صورته صورة حمار میں کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے اس لئے کہ جب صورت بدلے گی تو سر بدل جائے گا اور جب سر بدل جائے گا تو صورت بھی بدل جائے گی۔ اب یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے، یا مجاز پر اس میں دونوں ہی قول ہیں، جو لوگ مجاز پر محمول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے بلادت وحمق سے کیونکہ حمار حمق کے ساتھ مشہور ہے۔ اور جو حقیقت مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حقیقت کے ماننے میں کوئی استحالہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قادر ہے اب ان پر اشکال ہوگا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلاما میں مسخ واقع ہو حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام مسخ سے محفوظ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جن روایات میں مسخ کی نفی کی گئی ہے، اس سے مسخ عمومی مراد ہے اور عموم کی نفی سے فرد خاص کی نفی لازم نہیں آتی۔

باب امامة العبد والمولیٰ

مولیٰ آزاد کردہ غلام۔ چونکہ سلف میں امامت عبد کے بارے میں اختلاف رہا ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بدون مجبوری کراہت منقول ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ باب باندھا اور وہ آثار وروایات ذکر کیں، جن سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ مسئلہ امامت العبد یہ تو مقصود ہے۔

---

(۱) باب متی یسجد من خلف الامام: حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ لفظ متی سے اس لئے ابہام پیدا کیا ہے کہ سجدہ میں لوگوں کے احوال مختلف ہوا کرتے ہیں، امام کے بھی احوال مختلف ہوتے ہیں اور مقتدی کے بھی، کبھی امام ضعیف الحرکۃ ہوتا ہے، اور کبھی سریع الحرکت۔ مقتدی بھی دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا امام سریع الحرکۃ کے حکم کو تو ترجمۃ الباب میں قال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر فرمادیا اور بطیی الحرکت امام کے حکم کو حدیث سے ثابت کیا ہے۔

(کذا فی تقریر مولوی احسان)

اب ایک دوسرا مسئلہ بھی بیچ میں آگیا وہ یہ کہ **وکانت عائشة** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **یومها عبدهاذکوان من المصحف** اس جملہ میں **من المصحف** کا کیا مطلب ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سامنے رکھ کر اور اس میں دیکھ کر پڑھتے تھے، جیسے نصاریٰ انجیل سامنے رکھ لیتے ہیں اور اس میں دیکھ کر پڑھتے ہیں، اگر اس کا یہ مطلب ہو تو مسئلہ اختلافی ہوجائے گا۔ حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی، اور صاحبین اور امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے، اور مالکیہ کے یہاں تراویح میں گنجائش ہے، اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ نوافل میں گنجائش ہے، اس وقت یہ اثر احناف کے خلاف ہوجائے گا۔ احناف فرماتے ہیں کہ **من المصحف** کا مطلب جو تم نے قرار دیا ہے وہ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا بعض حصہ نماز میں پڑھا کرتے تھے پوری سورت نہیں پڑھتے تھے، اور مطلب یہ ہے کہ نمازوں میں پوری سورت کا پڑھنا طوال واوساط وقصار میں علی التفصیل اولیٰ ہے، مگر یہ ذکوان قاری تھے، اس کی رعایت نہیں کرتے تھے بلکہ کہیں سے پڑھ دیتے تھے، جیسا کہ فی زمانناقراء کرتے ہیں کہ سورت کاملہ نہیں پڑھتے بلکہ کہیں سے بیچ میں سے اور کہیں ابتداء انتہاء میں سے پڑھ دیتے ہیں اور من تبعیضیہ ہے۔

العلامۃ الامام الہمام شمس الائمہ السرخسی کی توجیہ ہے، جو مبسوط میں ہے، اور یہی راجح ہے اور اگر مان لیا جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں دیکھ کر پڑھتے تھے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن کھلا ہوا ہوتا تھا اور آیت آیت دیکھ کر پڑھتے چلے جاتے تھے بلکہ میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سامنے رکھا ہوا ہوتا تھا اور پڑھتے چلے جاتے اور جب کہیں شبہ ہوتا تو نماز سے فارغ ہوکر قرآن میں دیکھ لیا کرتے تھے، جیسا کہ آج کل تراویح میں ہوتا ہے، کہ جب کوئی سامع نہ ہو تو دیکھ کر اسی طرح سناتے ہیں یعنی سامنے رکھ کر اور جب کہیں اٹک جاتے ہیں تو فراغت کے بعد کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا کیا ہے، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو منع فرمایا ہے اور ان کی نہی احری بالقبول ہے ان کے اعلم ہونے کی وجہ سے اور قاعدہ ہے کہ **اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال**۔

وولدا لبغی والاعرابی:

کیونکہ عامۃ ولد بغی اور اعرابی میں جہل غالب ہوتا ہے اور نیز لوگ نفرت کرتے ہیں اس لئے ان کی امامت مکروہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک مطلقا مکروہ ہے۔

والغلام الذی لم یحتلم:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر محتلم لڑکے کی اقتداء مطلقا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک فرائض میں تو نہیں نوافل میں جائز ہے۔

یومهم اقرأهم لکتاب الله:

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احق بالامامۃ اقرأ کو قرار دیا ہے اور مسجد میں عبد اور ولد البغی اور اعرابی سب ہی آتے ہیں اس لئے یہ حکم سب کی طرف متوجہ ہوگا جو اقرأ ہوگا۔ وہ احق ہوگا اور اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ عبد یا ولد الزنا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ بھی ہوسکتا ہے، تو پھر اس کو امامت کرنا بھی جائز ہوگا۔

ولایمنع العبد من الجماعة بغیر علة:

یہ دلیل کا تتمہ ہے۔

وان استعمل الحبشی:

اور چونکہ جو امیر ہوتا ہے وہی نماز بھی پڑھاتا ہے تو جب عبد حبشی امیر ہو سکتا ہے تو نماز بھی پڑھائے گا لہٰذا امامۃ العبد ثابت ہوگئی۔
کان راسہ زبیبۃ یہ کنایہ ہے بدصورتی سے۔

باب اذالم یتم الامام واتم من خلفہ

یصح عندالشافعیۃ مطلقا بشرط عدم علم المقتدی بتقصیر الامام فی الصلاۃ ولا یصح عندالحنفیۃ مطلقا ویصح عندالمالکیۃ والحنابلۃ فیما اذا صلی بھم ناسیا محدثا.

حنفیہ کا استدلال الامام ضامن والی حدیث سے ہے، اور جو صحت کے قائل ہیں وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عواقب کے اعتبار سے ہے چنانچہ دوسری روایت میں ہے یمیتون الصلوٰۃ عن اوقاتھم دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ شرائط وارکان پر محمول نہیں ہے بلکہ خشوع وخضوع میں تقصیر کرنے پر محمول ہے۔ (۱)

باب امامۃ المفتون والمبتدع

یہ باب امامۃ العبد میں آسکتا تھا مگر مالکیہ چونکہ بہت شدت کرتے ہیں حتی کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ ساری نمازیں اپنے گھر پڑھا کرتے تھے صرف جمعہ کی نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے، اور آخر میں آخر وہ بھی مسجد میں ادا کرنا چھوڑ دی، کسی نے دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ بعض لوگ اپنا عذر بھی نہیں بتلا سکتے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مستقل باب باندھ دیا، اور جمہور کی تائید فرمائی، جمہور فرماتے ہیں کہ ابوداؤد میں صلوا خلف کل بروفاجر آیا ہے، ویصلی لنا امام فتنہ بعض لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ امام فتنہ سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں مگر یہ غلط ہے بلکہ اس سے مراد کنانہ بن بشر ہے جو باغیوں کا سرغنہ تھا اس کا مسجد پر تسلط تھا، وہی نماز پڑھاتا تھا۔

لاتری ان یصلی خلف المخنث الامن ضرورۃ:

مخنث دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے اسم فاعل اور اسم مفعول کے وزن پر، اسم فاعل ہونے کی صورت میں اس کا ترجمہ ہیجڑے کے ساتھ کریں گے، اور اسم مفعول کے وزن پر ہونے کی صورت میں اس کا ترجمہ لوطی ہوگا جو لواطت کراتا ہو۔ تو فرماتے ہیں کہ ایسے قبیح کام

---

(۱) **باب اذالم یتم الامام:** حنفیہ کے نزدیک امام کی نماز کے فساد سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مقتدیوں کو امام کی نماز کے فاسد ہو جانے کا علم نماز میں ہو گیا تو ان کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا میلان ائمہ ثلاثہ کی طرف ہے، اور استدلال حدیث الباب سے ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وان اخطاء والفلکم وعلیھم الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان امراء کی نماز کے فساد سے مقتدیوں پر اثر نہیں پڑتا۔ احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر تو کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کیونکہ اگر امام نے رکوع چھوڑ دیا اور سیدھا سجدہ میں چلا گیا اور مقتدیوں نے اپنے رکوع کو پورا کر لیا، تو پھر بھی کسی کے نزدیک کسی کی بھی نماز نہ ہوگی، تو یہاں امام کے فساد صلوۃ سے مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہوگئی ہے، لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ حدیث سنن پر محمول ہے فرائض پر نہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اوقات پر محمول ہے یعنی یہ بات حضور اکرم ﷺ نے بتلائی ہے کہ اخیر زمانہ میں امراء کا حال یہ ہوگا کہ وہ تاخیر سے نماز پڑھیں گے، لہٰذا تم اپنی نماز پڑھ لیا کرو۔ (س)

کرانے والے کے پیچھے نماز پڑھنی بضرورت جائز ہے اگر خنثیٰ مشکل ہو تو اس کی امامت جائز نہیں ہے۔ (۱)

باب یقوم عن یمین الامام بحذائه الخ

جمہور کے نزدیک اگر صرف دو آدمی نماز پڑھنے والے ہوں تو مقتدی امام کے دائیں طرف کھڑا ہو اور اس سے آگے نہ بڑھے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھوڑا سا پیچھے کھڑا ہو، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض لفظ سواء سے شافعیہ پر رد کرنا ہے۔

باب اذا قام الرجل عن یسار الامام فحوله الامام الی یمینه

اس کے متعلق باب اذا قام الرجل عن یسار الامام جو آنے والا باب ہے، اور صفحہ سو پر ہے۔ کلام کروں گا۔ قال عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فحدثت به بکیر الخ اس سے دفع وہم فرما دیا۔ (۲)

باب اذا لم ینو الامام ان یؤم الخ

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، اور اس نے امامت کی نیت نہیں کی تھی، اور کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اس کی اقتدا کر لی تو جمہور کے نزدیک جائز ہے اور حنابلہ کے نزدیک فرائض میں صحیح نہیں ہے البتہ نوافل میں صحیح ہے، اور حنفیہ کے نزدیک عورت کے لئے امامت کی نیت کرنا ضروری ہے، اگر نہیں کرے گا تو عورت کی نماز نہیں ہوگی، یہ تین مذہب ہو گئے، حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ نماز نفل تھی، جمہور کہتے ہیں کہ صلوۃ من حیث الصلوۃ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور عورت کے لئے احناف کہتے ہیں کہ چونکہ محاذات المرءۃ مفسد ہے، اس لئے اس کی نیت شرط ہوگی، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی شرط نہیں ہے تو گویا جمہور کی تائید فرماتے ہیں۔

باب اذا طول الامام و کان للرجل حاجة فخرج فصلی

اگر کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اب اقتداء نہیں چھوڑ سکتا اور اگر اقتداء چھوڑ دی تو جہاں سے چھوڑی ہے وہاں سے بنا نہیں کر سکتا بلکہ اس کی نماز فاسد ہو گئی دوبارہ نماز پڑھے، یہ جمہور فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں سے امام کی اقتداء چھوڑی ہے وہاں سے بنا کر سکتا ہے فخرج چونکہ شوافع کے نزدیک بناء صحیح ہے اس لئے شراح شوافع خرج کا مطلب خرج عن الاقتداء کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور شراح غیر شوافع کے نزدیک صحیح نہیں ہے اس لئے وہ اس کا مطلب خرج عن الصلوۃ قرار دیتے ہیں، اور مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ امام نے اتنا طویل کر دیا کہ کوئی بے چارہ قادر ہی نہیں ہے، اور اس نے امام کی نماز چھوڑ کر پھر شروع کی، فانصرف یہ بظاہر جمہور کی تائید ہے کہ فخرج کے معنی فخرج عن الصلوۃ کے ہیں، اور حافظ ابن حجر اس کی توجیہ فرماتے ہیں کہ فانصرف عن الاقتداء قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و لا احفظهما یعنی مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ ان سورتوں کا کیا نام لیا تھا۔

---

(۱) باب امامة المفتون و المبتدع: علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ مفتون غلط ہے فاتن صحیح ہے اس لئے کہ مفتون کے معنی فتنہ میں پڑا ہوا مفتون کے بعد مبتدع کو خاص طور سے ذکر فرمایا ہے اس لئے کہ اس میں ائمہ کے درمیان خصوصی اختلاف ہے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ فتان و مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال لنا محمد بن یوسف: قاعدہ یہ ہے کہ جب اس طرح کے الفاظ آئیں تو یہ مذاکرہ کہلاتا ہے، یعنی یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شاگرد بن کر نہیں لی۔ حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے، مخنث یعنی عورتوں جیسی حرکات کرتا ہو، کبھی یہ فطرۃً ہوتا ہے اس صورت میں کوئی ملامت نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر اس طرح کرے تو قابل عذاب، گناہ و ملامت ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان لاہوری)

(۲) باب اذا قام الرجل عن یسار الامام الخ اس میں وارد ہوا ہے لم تفسد صلوتهما الخ اس جملہ سے حنابلہ پر رد کرنا مقصود ہے کیونکہ ان کے نزدیک مقتدی اگر بائیں جانب کھڑا ہوگا تو اس کی نماز نہیں ہوئی، لہٰذا اس کا تحریمہ بھی فاسد ہو گیا، تو اب اگر امام اس کو دوسری جانب پھیر دے تب بھی اس کی نماز درست نہ ہونی چاہئے حالانکہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ صحیح ہو جائے گی فاسد نہیں ہوگی۔

باب تخفیف الامام فی القیام الخ

چوں کہ روایت میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز میں تخفیف فرماتے تھے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث کی شرح فرمادی کہ اس سے تخفیف فی الارکان مراد نہیں ہے، بلکہ تخفیف فی القراۃ والقیام مراد ہے اور تخفیف کا حکم قراءت میں ہے رکوع وسجود میں نہیں ہے۔

لاتاخر عن صلوۃ الغدامن رجل فلان ممایطیل بنا: یہاں بعض شراح نے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا ہے مگر یہ غلط ہے، اسلئے کہ فجر کی نماز حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں پڑھائی بلکہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی تھی، جیسا کہ دوسری روایات میں تصریح ہے، اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو عشاء کی نماز پڑھاتے تھے، اور یہ ہو نہیں سکتا کہ حضور اکرم ﷺ ایک بات سے منع فرمادیں اور پھر حضرت اس کو دوبارہ کریں۔

لیکن اب اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ترمذی کی بعض روایات میں ہے کہ ممایطول بنامعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی المغرب لہٰذا دو نمازیں تو ہوگئیں اور عود من الصحابی الی مانھی عنه پایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ محدثانہ قاعدہ پر بخاری کی روایات راجح ہے، اور مغرب کی نماز کے متعلق کسی کو وہم ہو گیا، یا یہ کہ وہاں مغرب بول کر عشاء مراد لی گئی ہے، فقد یطلق علیه کما فی حدیث مسلم لایغلبتکم الاعراب علی اسم صلوتکم المغرب یقولون العشاء الا وھی المغرب یاجواب یہ ہے کہ اولا مغرب کا واقعہ پیش آیا مگر چونکہ حضور اکرم ﷺ عشاء میں بہت تاخیر فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت پڑھا کروں تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سمجھ لیا کہ اطالت مقصود ہے، اس لئے اطالت فرمائی۔ والجواب الاول ھو الاصح. (۱)

باب اذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء

ماشاء کا مطلب ہے بقدر ماشاء چاہے پورا وقت پڑھتا رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ما مفعول ہو اور مطلب یہ ہو کہ نماز کے اجزاء میں سے جس کو چاہے طویل کردے اگر یہ مطلب ہو تو مسئلہ مختلف فیہ ہو جائے گا۔ آگے مستقل ایک باب میں آرہا ہے۔

باب من شکی امامه اذاطول

اگر کوئی شخص امام کی شکایت کردے تو یہ اس کی اہانت نہیں ہے، اور یہ شکایت گناہ نہیں ہے، چونکہ امام محترم ہوتا ہے تو وہم ہو سکتا تھا

---

(۱) باب تخفیف الامام فی القیام: اس سے قبل والی روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الفتان فرمایا تھا، ایسے ہی ایک روایت میں آیا ہے، من ام قوما فلیخفف تو ان روایات سے تخفیف کا ثبوت ملتا ہے امام بخاری یہ باب منعقد فرماکر تخفیف کی تفصیل وشرح فرمادی کہ تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ قیام وقرأت میں تخفیف ہو، رکوع وسجود میں تخفیف مراد نہیں۔ اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دوسرا باب منعقد فرمایا باب اذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء الخ اس سے تنبیہ ہے کہ یہ تخفیف کا حکم امام کے لئے ورنہ منفرد کو اختیار ہے کہ جتنی چاہے لمبی نماز پڑھے۔ ماشاء کے دو مطلب ہیں اول یہ کہ قراۃ کو جتنا جی چاہے طویل کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو چاہے طویل کرے خواہ قرات کو یا رکوع وسجود کو۔ (س)

کہ اس کی شکایت کرنا بے ادبی ہو اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دفع ایہام فرمادیا، مما یطیل بنا فلان، یہاں بین السطور میں فلان کی شرح میں قسطلانی سے نقل کر کے لکھا ہے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ او ابی ابن کعب مگر یہ غلط ہے اصل یہ ہے کہ جہاں اطالت صلاۃ کا ذکر ہو اور مجمل ہو تو وہاں تو دونوں کا احتمال ہے، لیکن جہاں تفصیل ہو تو عشاء اور بعض روایات صحاح میں مغرب کا ذکر ہے تو حضرت معاذ مراد ہیں اور جہاں صلوٰۃ الغداۃ ہے وہاں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں، فشکا الیہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غایت اعتقاد و محبت میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتے تھے، اور پڑھا بھی کرتے تھے، اور نبی اکرم ﷺ عامۃ ثلث لیل تک تو دیر فرمایا کرتے تھے، اور کبھی کبھی نصف رات بھی ہو جایا کرتی تھی، اس کے بعد جا کر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے، اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ کہ سورۂ بقرہ پڑھا کرتے تھے، تو اس رجل سے نہ رہا گیا، اور اس نے نماز توڑ کر اپنی نماز الگ پڑھی اور پھر نبی اکرم ﷺ سے اس کی شکایت بھی کردی۔ فلولا صلیت بسبح اسم ربک الاعلیٰ۔ امام شعبہ کا مقولہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ تفصیل سور حدیث مرفوع میں ہے، اور بعض کی رائے ہے کہ یہ موقوف ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے تو سورۃ کذا وسورۃ کذا ثابت ہے۔ (۱)

باب الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالها

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایجاز اکمال کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی نماز کے بارے میں منقول ہے یوجز الصلوۃ ویکملها۔ (۲)

باب من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی

شراح بخاری فرماتے ہیں کہ اب تک حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تخفیف صلوٰۃ کو نقل فرمایا ہے وہ رعایۃ للمقتدین تھا، اب یہ باب منعقد فرما کر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر غیر مقتدین کی رعایت سے نماز کو مختصر کردے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ بچوں کی رعایت فرما کر نماز کو مختصر کرتے تھے، مگر میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ نہیں جو شراح فرماتے ہیں، کیونکہ حضور اقدس ﷺ ان بچوں کی ماؤں کی رعایت سے اختصار فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ روایات میں ہے، مخافۃ ان تفتتن امہ لہٰذا یہ مقتدی کی رعایت ہوئی نہ

---

(۱) باب من شکی امامه اذا طول حدثنا آدم بن ابی ایاس: اس روایت میں اخیر میں واقع ہوا ہے کہ احسب هذا فی الحدیث الخ اس کے متعلق شراح نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد آخر کا جملہ ہے یعنی فانه یصلی وراء ک الکبیر الخ اس کے متعلق راوی کہتے ہیں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ یہ حدیث کے اندر ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس جملہ کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس جملہ سے قبل جو سورتوں کی تعیین آئی ہے کہ فلولا صلیت بسبح اسم ربک الاعلیٰ الخ اس کی طرف اشارہ ہے چونکہ روایات کے اندر اختلاف ہے۔ بعض میں سورت کی تعیین ہے، اور بعض میں ابہام ہے اور سورۃ کذا و کذا واقع ہے، تو اس لئے راوی نے تنبیہ کردی کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ تعیین حدیث ہی میں ہے۔

(۲) باب الایجاز فی الصلوۃ واکمالها: اس سے مقصود یہ ہے کہ نماز کے اندر ایجاز اور اکمال دونوں کا ایک دم ہونا منافی نہیں بلکہ ایجاز باعتبار قراءت کے اور اکمال باعتبار ارکان کے ہوتا ہے۔

کہ غیر مقتدی کی تاہم اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ غیر مقتدی کی رعایت سے نماز کو مختصر کیا جاسکتا ہے، اب جب غیر مقتدی کے لئے نماز کو مختصر کیا جاسکتا ہے، تو اگر کوئی نماز میں شریک ہونا چاہے اور امام کو معلوم ہو جائے تو اطالت بھی جائز ہوگی۔ کیونکہ اس میں مقتدی کی رعایت ہوئی، اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ ان کی شان کے موافق ہے تو یہ ترجمہ کی دوسری غرض ہوئی، یعنی آنے والے کے لئے نماز میں تطویل کی جاسکتی ہے لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، بعض جواز کے قائل ہیں، اور بعض انکار کرتے ہیں حتی کہ بعض علماء شرک کا خوف بتلاتے ہیں۔ خود احناف کے یہاں جواز و عدم جواز میں دونوں قول ہیں اور مخافۃ للشرک بھی منقول ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اگر امام کو اطلاع ہوگئی کہ فلاں آرہا ہے اور اس نے اس کی رعایت کرتے ہوئے نماز طویل کردی تو یہ ناجائز ہے اور اگر یہ خبر نہیں کہ کون آرہا ہے تو جائز ہے، کیونکہ یہ اعانت علی ادراک الصلوٰۃ ہے۔ جو لوگ عدم جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آنے والے کی رعایت کی جائے اور یہ بے چارے جو ابتدا سے موجود ہیں ان کی رعایت نہ کی جائے، بلکہ ان کی رعایت کی جاوے گی۔

اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ چونکہ احادیث میں حضور اقدس ﷺ کی نماز کے متعلق قریبا من السواء وارد ہوا ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں اعتدال ہو اول اور آخر مساوی ہوں تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اعتدال تو اصل ہے لیکن اگر نماز شروع ہونے کے بعد کوئی عارض پیش آجائے، مثلاً بارش ہونے لگے، تو تخفیف کردے، یا بچہ کے رونے کی آواز آجائے تو تخفیف کردے۔ (۱)

باب اذا صلی ثم ام قوما

یہ مسئلہ اقتداء مفترض خلف المتنفل کا آگیا حضرت امام شافعی کے نزدیک اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے اور مبنی اس کا حدیث الامام ضامن ہے، اور قاعدہ ہے کہ ضعیف قوی کا ضامن نہیں ہوسکتا، لہٰذا مفترض تو متنفل کے لئے ضامن ہوسکتا ہے لیکن متنفل مفترض کا ضامن نہیں بن سکتا۔ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں دونوں قول ہیں۔ بخاری شریف کی روایت سے تو کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے اندر تو صرف اتنا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ پڑھتے اور پھر اپنی قوم کو پڑھاتے تھے، اب یہ بھی احتمال ہے کہ حضور ﷺ کے پیچھے فرض پڑھتے رہے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بہ نیت نفل پڑھتے رہے ہوں گے، جب احتمال ہوگیا تو اس قصہ سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور ظاہر یہ ہے کہ بہ نیت نفل پڑھتے رہے ہوں گے، ایسا نہیں کہ ان کی نماز کو خراب کریں، ہاں جھگڑا وہاں ہے جہاں یہ ہے کہ ھذہ فریضۃ وتلک نافلۃ مگر وہ بھی احناف کے موافق ہے، اس لئے کہ ھذہ کا اشارہ قریب کے لئے ہوتا ہے، اور تلک بعید کے لئے مستعمل ہے۔

---

(۱) باب من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی: اس ترجمۃ الباب کی دو غرضیں ہیں، اول یہ کہ گذشتہ روایات میں تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے اور ان کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدیوں کے احوال کا لحاظ رکھا جائے تو یہاں سے بتلاتے ہیں کہ مقتدی کے خارجی احوال کا بھی لحاظ ہوگا۔ جیسے کہ یہاں بچہ کی وجہ سے تخفیف کی گئی۔ اسی طرح آج کل اگر اسٹیشن پر نماز ہوتی ہو اور سیٹی بج جاوے تو تخفیف کی جائے گی۔ دوسری غرض یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ کی نماز معتدل ہوا کرتی تھی، اور اکثر ارکان برابر ہوتے تھے اور اس معمول کا تقاضا یہ ہے کہ نماز جس نوع سے شروع کی ہے اسی نوع پر ختم ہو اگر مخففا شروع کی ہے تو مخففا ہی ختم ہونی چاہئے۔ اور اگر مطولا ابتداء کی ہے تو پھر مطولا ہی اس کا اختتام بھی ہو۔ لیکن یہاں سے تنبیہ کررہے ہیں کہ اگر مطولا شروع کی ہے اور پھر درمیان میں کوئی عارض پیش آجائے تو تخفیف کرسکتا ہے۔ (ن)

اور امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ ایک فرض نماز دو مرتبہ پڑھی جا سکتی تھی۔

باب من اسمع الناس تکبیر الامام

روایت میں مرض الوصال کا قصہ ہے، اور حضور اقدس ﷺ کی یہ حاضری شنبہ کے دن ظہر کی نماز میں ہوئی تھی، اور ترمذی وغیرہ کی روایات میں جو سترہ نمازیں آئی ہیں، میرے نزدیک یہ ان سے مستثنیٰ ہے اور سترہ کا عدد اغلبی ہے، امام کے اعتبار سے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان جمہور کے قول کی طرف ہے، کہ اگر امام بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی کھڑے ہوکر پڑھے، اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حمیدی کا قول پہلے نقل کر چکے، حنابلہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ **اذا صلی الامام الراتب جالسا فالمقتدون ایضا** وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اس نماز میں مقتدی تھے، ورنہ سترہ کا عدد پورا نہیں ہوتا۔ (۱)

باب الرجل یاتم بالامام ویاتم الناس بالماموم

امام شعبی نے حدیث باب سے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے وہ یہ کہ صف اول مقتدی ہوتی ہے، امام کی اور امام ہوتی ہے، صف ثانی کی، اسی طرح صف ثانی امام ہوتی ہے صف ثالث کی **وھلم جرا** اور ان کا استدلال **ائتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم** سے ہے، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس مسئلہ میں امام شعبی کے ساتھ ہیں، مگر جمہور کے نزدیک امام ہی سب کا امام ہوتا ہے، اب ثمرہ اختلاف اس صورت میں نکلے گا کہ ایک آدمی نماز میں رکوع کے اندر آ کر شریک ہوا امام نے تو سر اٹھا لیا مگر مقتدیوں نے ابھی سر نہیں اٹھایا اور یہ آنے والا ان کے پیچھے کھڑا ہوا تو ان حضرات کے نزدیک اس آنے والے کو رکوع مل گیا، کیوں کہ وہ صف اول کا مقتدی ہے اور ابھی

---

(۱) **باب من اسمع الناس تکبیر الامام**، اس سے اگلا باب **باب الرجل یاتم بالامام ویاتم الناس** الخ ایک ہی مضمون سے متعلق ہیں اور دونوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کا قصہ ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد نبوی میں سترہ نمازوں کی امامت فرمائی اور نبی اکرم ﷺ جب خفت پاتے تو نماز کے لئے جماعت میں شریک ہوکر کبھی امامت فرماتے اور کبھی اقتداء فرما لیتے، حنابلہ **انما جعل الامام لیوتم بہ** کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ جب امام راتب معذور ہو جائے، اور بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھیں گے۔ اور اس قصہ کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی امام تھے، اس پر اشکال یہ ہے کہ آپ کے یہاں یعنی حنابلہ کے یہاں امام کے یسار پر کھڑا ہونا مفسد صلوٰۃ ہے اور یہاں حضور ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یسار پر تھے، اس کی توجیہ وہ یہ کرتے ہیں کہ عذر تھا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس امامت میں تین احتمال ہیں، اول یہ کہ حضور امام تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبلغ تھے، دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے، اور قوم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء کر رہی تھی، لہٰذا دو امام ہو گئے، تیسرا احتمال یہ ہے کہ امام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور حضور اکرم ﷺ عذر کی وجہ سے بائیں طرف بیٹھے تھے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا احتمال تو بہت بعید ہے، اس لئے اس کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا، بقیہ دو احتمال قریبی تھے، اس لئے ان پر باب باندھ دیئے، پہلا باب جمہور کے مطابق ہے اور دوسرا امام شعبی کے مطابق۔ اس مقام پر قاطبۃً شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جمہور کے خلاف اپنے استاذ شعبی کی رائے کے موافق ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اگلے باب **باب الرجل یاتم بالامام** الخ میں آ رہا ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن **قال کذا** کہیں تو وہ ان کا مذہب نہیں ہوتا۔ اور دوسرا ترجمہ جزم سے باندھا ہے، لہٰذا دوسرے باب سے ان کا مذہب ظاہر ہے، لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ یہ اصول کلی نہیں ہے۔ (کذافی تقریر مولوی احسان)

تک وہ رکوع ہی میں ہے، لہٰذا اس نے اپنے امام کو رکوع میں پالیا اور جمہور کے نزدیک اس کو رکوع نہیں ملا، کیونکہ وہ امام کی اقتداء کررہا ہے، تاکہ ان مقتدیوں کی اور ائتموا بی ولیاتم بکم من بعد کم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم میری اقتداء کرو اور تمہارے پیچھے جو مقتدی ہیں وہ تمہاری اقتدا کریں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خوب غور سے میرے افعال کو دیکھو اور ان کا اتباع کرو کیونکہ میرے بعد اور امتی تمہاری اقتداء کریں گے، اور جیسا تم کروگے، ویسا ہی وہ کریں گے، میں تو رہوں گا نہیں کہ مجھ سے پوچھیں یا مجھ کو دیکھیں۔

باب هل یاخذ الامام اذاشک بقول الناس

اگر امام کو شک ہوگیا، اور پیچھے سے مقتدیوں نے لقمہ دیا، تو حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ ان کے قول پر عمل نہ کرے جب تک کہ اس کو خود یقین نہ ہوجائے اور ابوداؤد کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے اندر ہے، لم یسجد حتی یقنہ اللہ احناف کے نزدیک اگر امام کو یقین ہو پورے ہوجانے کا تو لقمہ لینا جائز نہیں اور مقتدیوں میں سے جن کو یقین ہو کہ امام کو شک ہوا وہ پھر سے پڑھیں اور جن کو شک نہیں ہوا ان پر اعادہ نہیں، حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ یاخذ بقول عدلین اور مالکیہ کے نزدیک اگر امام کو شک ہو تو عدلین کا قول لے گا اور اگر شک نہ ہو تو نہ لے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب کے اندر ھل بڑھا کر اختلاف ائمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

باب اذابکی الامام فی الصلوٰۃ

اگر نماز میں صوت کے ساتھ رو پڑے تو عند الشافعیہ نماز فاسد ہوگئی، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر دنیا کے لئے صوت کے ساتھ رویا ہو تو فاسد ہے ورنہ نہیں۔ (۱)

باب تسویة الصفوف عندالاقامة و بعدھا

تسویۂ صفوف مامور بہ ہے، تکبیر کے درمیان میں اور تکبیر کے بعد بھی کرنا چاہئے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ اس لئے فرمادی کہ ابھی ایک باب گزرا، متی یقوم الناس اذارأوا الامام عندالاقامة وہاں میں ائمہ کے اختلافات بیان کرچکا ہوں کہ کس کے نزدیک کب کھڑا ہونا چاہئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تکبیر کے فوراً بعد نماز کھڑی ہوجانی چاہئے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ اگر صفوف میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس کو تکبیر کے بعد بھی درست کرلے۔ اولیخالفن اللہ بین وجوھکم ، اماھذا کنایة عن المسخ بان یخالف الوجوہ الانسانیة الی غیرھا من الحیوانات فیکون بمعنی او یجعل اللہ صورته

---

(۱) باب اذا بکی الامام الخ اگر بلا آواز کے روتا ہے تو بالاتفاق نماز صحیح ہے کوئی فساد لازم نہیں آئے گا اور اگر آواز کے ساتھ روتا ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا دنیاوی وجسمانی مصائب کی وجہ سے روتا ہے یا دین کی وجہ سے، اگر اول صورت ہے تو بالاتفاق نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر اللہ کی یاد میں جنت یا جہنم کے ذکر سے روتا ہے تو اس میں اختلاف ہے، امام شافعی کے نزدیک مفسد صلوٰۃ ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس باب سے جمہور کی تائید فرما کر شوافع پر رد فرمایا ہے۔ (س)

صورة حمار كما مر او عن ايقاع المخالفة بينهم بان يخالف كل احد غيره ولا يوافقه وهو الاوجه لما ورد فى بعض الروايات او ليخالفن الله بين قلوبكم فمخالفة الوجوه هو صرف وجه كل واحد عن غيره بسبب البغض فيما بينهم وعدم الموافقة بين قلوبهم. فانى اراكم خلف ظهرى قدسبق الكلام على هذا المقام.(1)

باب اقبال الامام على الناس عندتسوية الصفوف

یہ باب سابق کا تکملہ ہے کہ تسویہ صفوف اقامت تکبیر کے بعد ہوتو امام کو مناسب ہے کہ منہ پھیر کر دیکھ لے کہ صفیں درست ہوئیں یا نہیں تو یہ امام کا ادب ہوا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ غرض بیان جواز ہے۔

باب الصف الاول

شراح فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی کی غرض صف اول کی فضیلت بیان کرنی ہے، اگر ایسا ہوتو کچھ بعید نہیں مگر اس صورت میں بخاری کا ترجمہ نہیں رہے گا۔ بلکہ اور اصحاب کتب حدیث کا ترجمہ ہو جائے گا۔ حافظ ابن حجر نے ایک دوسری جگہ توجیہ فرمائی ہے جو یہاں چل سکتی ہے کہ آخر حدیث کی کتاب ہے اس لئے بعض ابواب ایسے ہی سیدھے سادے آگئے، مگر میرے نزدیک جب امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی کا ترجمہ ٹھہرا تو پھر اس میں کوئی باریکی ہونی چاہئے بہت سے ایسے مقامات ہیں کہ شراح نے وہاں ہتھیار ڈال دیئے کہ یہاں ترجمہ سیدھا سادہ ہے مگر ایک چکی کا پاٹ ہے جو چل رہا ہے۔

یہاں میرے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی کی غرض یہ ہے کہ صف اول کے مصداق میں اختلاف ہو رہا ہے کہ کیا ہے؟ جمہور فرماتے ہیں کہ صف اول وہ ہے جو امام کے متصل ہوتی ہے، اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ صف اول کا مصداق وہ لوگ ہیں جو مسجد کے اندر پہلے آجائیں ان ہی میں حافظ ابن عبدالبر بھی ہیں تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی اس باب سے صف اول کا مصداق متعین فرمارہے ہیں، اور جمہور کی تائید کرتے ہوئے ابن عبدالبر پر رد کررہے ہیں۔ ابن عبدالبر پر رد فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر خصوصیت کے ساتھ رد ہے، کیونکہ وہ تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی سے متاخر ہیں بلکہ یہ قول انہی سے ظاہر ہوا اس لئے اس کی طرف نسبت فرمادی اور

---

(1) باب تسوية الصفوف: امام کو ہر وقت اقامت سے پہلے اور اقامت کے بعد اور اس کے دوران میں تسویہ صفوف کا اہتمام کرنا چاہئے، اس ترجمہ کی اقرب غرض یہ ہے کہ تسویہ صفوف مقتدیوں کا تو فریضہ ہے ہی كما يظهر من الحديث اسی طرح امام کا بھی ادب یہ ہے کہ وہ تسویہ صفوف کا اہتمام کرے، اور شراح کے نزدیک عندالاقامة وبعدها سے تعمیم مقصود ہے، لیکن حدیث سے بعدها ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت گنگوہی اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں عموم حدیث سے استدلال کیا گیا ہے اور میرے نزدیک بکل الاحتمال استدلال ہے، لیکن میرے نزدیک بعدها سے مقصود یہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ امام تکبیر کب کہے بعض علما کے نزدیک جب قدقامت الصلوة کہا جائے اور بعض علماء کے نزدیک جب مقیم اقامت سے فارغ ہوتو فوراً تکبیر کہہ دے، ان دونوں قولوں کا تقاضا یہ ہے کہ امام کو تکبیر میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ ان دونوں اقوال کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی اب یہ فرمارہے ہیں کہ تعجیل کی بہ نسبت بڑی چیز تسویہ صفوف ہے۔ (ف)

استدلال یوں ہے کہ فرماتے ہیں، ولو یعلمون مافی الصف المقدم لاستھموا تو اگر صف اول کا مصداق وہ لوگ ہوتے جو مسجد میں پہلے آویں تو اس میں قرعہ اندازی کے کیا معنی جو چاہتا اپنے گھر سے مسجد میں سویرے آجاتا۔(۱)

باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا ترجمہ باندھا چونکہ روایات دو طرح کی ہیں ایک روایت میں ہے، اقامة الصف من حسن الصلوٰة جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اقامت الصف کو نفس صلوٰۃ میں کوئی دخل نہیں صرف اس کے ذریعہ سے حسن پیدا ہوجاتا ہے اور دوسری روایت میں ہے فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوٰة اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر اقامۃ الصفوف منتفی ہوجائے تو صلوٰۃ بھی منتفی ہوجائے گی، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اقامة الصف من تمام الصلوٰة کا باب باندھ کر تنبیہ فرمادی کہ نہ تو یہ بالکل ماہیت الصلوٰۃ میں داخل ہے کہ اس کے انتفاء سے انتفاء صلوٰۃ ہوجائے اور نہ ہی اس کو نماز سے بالکلیہ الگ رکھا جائے بلکہ یہ متممات صلوٰۃ اور اس کے مکملات میں سے ہے اور روایت میں من تمام الصلوٰة نہیں ہے۔

باب اثم من لم یتم الصفوف

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ذکر فرمائی ہے، اس میں یہ ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ ہم میں کوئی منکر چیز آپ نے دیکھی، تو انہوں نے فرمایا ما انکرت شیئا الا انکم لا تقیمون الصفوف، اور چونکہ منکرات کے بہت سے مراتب ہیں، اسلئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ یہ انکار اثم کی وجہ سے تھا اور اس روایت کے متعلق ماسبق میں کلام کرچکا ہوں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف صفوف کے اندر تغیر پیدا ہوا تھا، اور روایت متقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری چیزیں بدل گئی تھیں۔ میں اس تعارض کا جواب پہلے بھی دے چکا ہوں کہ یہ مدینہ کا واقعہ ہے، جب وہ شام سے تشریف لائے اور وہ شام کا واقعہ ہے۔

---

(۱) باب الصف الاول: ابن عبدالبر نے ایک قول نقل کیا ہے کہ صف اول کا مصداق وہ شخص ہے جو مسجد میں سویرے آوے، خواہ اس کو صف اول میں جگہ ملے یا نہ ملے۔ کیونکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ سویرے آکر آگے بیٹھتے ہیں مگر کسی بڑے کے لحاظ ملاحظہ میں وہ پیچھے ہوکر دوسرے کو آگے جگہ دیدیتے ہیں تو اس شخص کو جو پیچھے ہٹ گیا صف اول کا ثواب ملے گا مگر جمہور کے نزدیک یہ معنی معتبر نہیں ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب منعقد فرماکر جمہور کی تائید فرمائی ہے اور دوسرے قول کو رد فرمایا ہے، اور اس شخص کے متعلق جمہور کہتے ہیں کہ اس کو سویرے آنے کا ثواب ملے گا صف اول کا ثواب نہیں ملے گا، اور جمہور کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا قول لاستھموا ہے کیونکہ اگر صف اول کا مصداق امام کے پیچھے والی صف نہ ہو بلکہ مطلق سویرے آنے والا خواہ وہ کسی صف میں ہو مراد ہو تو پھر قرعہ اندازی اور استھام کی کیا ضرورت؟ اب اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ایثار بالقرب جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اپنے کسی نیکی کے کام کو دوسروں پر ایثار کردینا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً یہی کہ صف اول میں بیٹھا ہوا ہے کوئی استاذ یا بڑا آدمی آجائے، تو خود پیچھے ہٹ جائے اور ان کو جگہ دیدے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض کے نزدیک مکروہ ہے، دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس کو آگے جگہ اس وجہ سے دیتا ہے کہ وہ دنیا دار ہے، رئیس ہے اور بہت پیسے والا ہے تو جائز نہیں ہے اور اگر دیندار ہونے کی وجہ سے دیتا ہے کہ ہمیشہ پابندی سے نماز پڑھتا ہے، صف اول کا اہتمام کرتا ہے، لیکن آج کسی عذر سے تاخیر ہوگئی تو ایسی صورت میں صف اول میں جگہ دینی چاہئے، اور کیا بعید ہے کہ اس ایثار کا ثواب صف اول کے ثواب سے کہیں زیادہ بڑھ جائے۔

اب ترجمہ کی غرض کیا ہے؟ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ترجمہ شارحہ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بتادیا، کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ترک واجب پر تھا، اور یہ اس لئے بتادیا کہ انکار کبھی ترک السنۃ پر بھی ہوتا ہے، اور اکثر شراح فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ اتمام صفوف سنت ہے یا واجب؟ تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب منعقد فرما کر وجوب کو ثابت فرمادیا۔

باب الزاق المنكب بالمنكب و القدم بالقدم فی الصف

چونکہ تسویۂ صفوف کا ذکر فرمارہے تھے اس لئے بطور تکملہ کے یہ بیان فرمادیا کہ تسویہ اس طرح ہوگا۔ ہمارے زمانے کے اہل حدیث ٹخنوں سے ٹخنے ملانے پر بہت زور دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مراد محاذات ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے منکب اور قدم دونوں کے الزاق کو ذکر فرما کر اسی طرف اشارہ فرمادیا، اس لئے کہ قدم کے ساتھ قدم کا الزاق حقیقی نہیں ہوسکتا، اور اگر ہو بھی جائے تو الزاق المناکب نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ سارے لوگ ایک ہی قد کے نہیں ہوتے، کسی کا قد بڑا ہوتا ہے اور کسی کا چھوٹا، اور پھر الزاق منکب ذکر فرمایا، اس سے پتہ چلا کہ حقیقی مراد نہیں، اور جب حقیقی مراد نہیں تو مجازی مراد ہوگا، اور الزاق مجازی محاذات سے حاصل ہوتا ہے، فثبت ماقلت و اللہ اعلم (۱)

باب اذا قام الرجل عن يسار الامام الخ

یہی وہ باب ہے، جس کے متعلق میں نے بـاب اذا قام الرجل عن يسار الامام الخ پر پہنچ کر یہ کہا تھا کہ میں اس باب پر کلام آگے کروں گا، بظاہر دونوں ترجموں میں تکرار ہوگیا، اس لئے کہ دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ یہاں خلفه بڑھادیا اور وہاں نہیں ہے، یہاں تمت صلوته فرمایا ہے اور وہاں لم تفسد صلوتهما ۔ یہاں واحد کا صیغہ ذکر کیا اور صلوته فرمایا، اور وہاں تثنیہ کا ذکر فرما کر صلوتهما فرمایا۔ شراح فرماتے ہیں کہ رفع تکرار کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہاں دو کی نماز کا ذکر ہے اور یہاں ایک کی نماز کا وہاں خلفه نہیں ہے اور یہاں ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ اتنے سے رفع تکرار نہیں ہوتا کیونکہ لـم تـفسد اور تـمت دونوں کا مطلب ایک ہی ہے فرق صرف لفظی ہے، اور صـلـوتـهـمـا کے اندر صـلـوتـه خود داخل ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں، دونوں پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ تنبیہ فرمائی ہے ایک تو یہ کہ اگر مقتدی اپنے موقف کو چھوڑ دے مثلاً اسکو داہنے جانب کھڑا ہونا چاہئے، اور وہ بائیں طرف کھڑا ہوگیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز صحیح ہوجائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے اور حنابلہ کے نزدیک فاسد ہوجائے گی۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب سابق سے یہ مسئلہ بیان فرمایا اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تقدم مقتدی علی الامام مفسد صلوٰۃ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا کہ پیچھے سے کھینچ کر لائے اگر مقتدی کو آگے سے لائے گا تو

---

(۱) باب الزاق المنكب بالمنكب الخ یہاں پر الزاق سے غایۃ محاذات مراد تھے، اور دلیل اس پر یہ ہے کہ ایک روایت میں آداب میں سے یہ بتلایا گیا ہے کہ مصلی اپنی دائیں جانب جوتے نہ رکھے کیونکہ اسطرف ملک یمین ہے، اور بائیں جانب بھی نہ رکھے، کیونکہ اس کے پاس جو دوسرا شخص جماعت میں کھڑا ہے اس کا وہ یمین ہے، لہٰذا اس کو چاہئے کہ اپنے قدمین کے درمیان جوتوں کو رکھ لے، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دائیں اور بائیں جانب کچھ نہ کچھ جگہ ضرور ہے، جس کے اندر جوتا رکھ سکے ورنہ حضور اکرم ﷺ کیوں منع فرماتے؟ (س)

فاسد ہو جائے گی، اور باب سابق سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جمہور کی تائید فرمادی اور حنابلہ پر رد فرمادیا اس طرح کہ وہ اپنے غیر موقف میں کھڑا ہوا پھر بھی اس کی نماز فاسد نہ ہوئی۔

باب المرأة وحدها تكون صفا

بعض سلف کی رائے ہے کہ جب کوئی لڑکا یا مرد اگر اکیلا ہو اور دوسرا امام ہو، وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا، اسی طرح اگر صرف ایک عورت ہو تو وہ بھی دائیں طرف کھڑی ہوگی، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس پر رد فرمارہے ہیں کہ وہ الگ کھڑی ہوگی، کیونکہ وہ خود مستقل ایک صف ہے چنانچہ ام سلیم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑی نہیں ہوئیں بلکہ پیچھے الگ کھڑی ہوئیں۔

باب ميمنة المسجد والامام

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سارے ہی ابواب ٹیڑھے ہیں جن میں سے کچھ گزر بھی چکے، مثلاً باب الحلاب والطیب۔ باب قبلة اهل المشرق والشام، اس کے علاوہ اور بھی ابواب اسی نوع کے آگے آویں گے، جن میں شراح کے اقوال نقل کرتا رہوں گا۔ اور اپنی رائے بھی بیان کرتا رہوں گا۔ اس باب کے متعلق شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی غرض میمنۃ الامام ومیمنۃ المسجد کی فضیلت بیان کرنا ہے، یہ ہم نے مان لیا مگر پھر میمنۃ الامام اور میمنۃ المسجد دو کیوں ذکر فرمائے؟ جب کہ میمنۃ الامام ہی میمنۃ المسجد ہوتا ہے اور اس کا برعکس صرف ایک کو ذکر فرماتے، بعض شراح مثلاً حافظ ابن حجر نے اس سے بڑھ کر ایک اور بات فرمائی، وہ یہ کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اصولوں میں سے ہے کہ ترجمہ میں بسا اوقات ان روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شرط کے موافق نہ ہوں، اور چونکہ حضرت براء کی روایت ہے کہ ہم داہنی طرف بیٹھتے تھے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوں اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، اس جواب کو بھی ہم مان لیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ یہ تو میمنۃ الامام ہوگیا پھر میمنۃ المسجد کیوں ذکر فرمادیا؟ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ شریف کی روایت پر رد فرماتے ہیں، اس لئے کہ اس میں ہے۔ من عمر ميسرة المسجد فله كفلان من الاجر، یہ توجیہ میرے نزدیک پہلی دونوں توجیہوں سے بہتر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے میمنۃ الامام تو ذکر فرمادیا کیوں کہ روایت میں تھا مگر روایت میں چونکہ مسجد کا ذکر نہیں تھا اس لئے مسجد کا لفظ ذکر فرماکر اس روایت پر رد فرمادیا میری رائے یہ ہے کہ چونکہ بظاہر میمنۃ الامام اور میمنۃ المسجد میں تخالف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ میمنۃ الامام تو ظاہر ہے کہ اس کے داہنی طرف ہوگا، اور مسجد کا چہرہ چونکہ امام کے چہرہ کی طرف ہوتا ہے، لہٰذا اس کا میمنۃ امام کا میسرہ ہوگا، کیونکہ ہمیشہ مواجہ کا میمنۃ دوسرے کا میسرہ ہوتا ہے، اس لئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دفع فرمادیا کہ جو امام کا میمنہ ہے، وہی مسجد کا میمنہ ہے، دونوں ایک ہی ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

باب اذا كان بين الامام وبين القوم حائط وسترة

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اس لئے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان امور میں کوئی فرق نہیں ہے، حائل ہو یا اختلاف مکان ہو، کوئی شی مانع اقتداء نہیں اور ائمہ اربعہ میں باہم اختلاف ہے، حضرت امام اعظم

کے نزدیک اگر امام کا حال معلوم ہوتا ہے تو حائل مانع نہیں ہے، اور اختلاف مکان مانع ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اختلاف مکان مانع نہیں ہے، اور حائل مانع ہے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ ان اشیاء میں سے کوئی چیز مانع عن الاقتداء نہیں ہے، اس لئے سب پر رد فرماتے ہیں، یصلی من اللیل فی حجرته، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس سے استدلال فرمایا ہے، احناف فرماتے ہیں کہ حجرہ سے مراد بوریہ کا حجرہ ہے، جس کو حضور اقدس ﷺ نے اعتکاف کے لئے بنالیا تھا، اور اس سے انتقالات امام معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ان خشیت ان تکتب علیکم صلوة اللیل، جیسے نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کرلی اور پھر وہ اللہ نے ان پر فرض کردی اسی طرح یہاں ڈر ہوا کہ اللہ تعالیٰ رغبت دیکھ کر فرض نہ فرمادیں پھر مشقت میں پڑ جائیں اور نباہ نہ ہوسکے، تو مورد عتاب الٰہی ہوں، یہ حضور اکرم ﷺ کی غایت شفقت ہے کہ خشیة افتراض علی الامامة کی بناء پر نبی اکرم ﷺ نہیں نکلے۔ (۱)

باب صلوٰة اللیل

کوئی جوڑ اس باب کا یہاں نہیں ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں یہاں پر یہ باب نہیں ہے، اور اس کا حذف ہی بہتر ہے کیوں کہ اس کا کوئی موقعہ نہیں اور فرماتے ہیں کہ روایت میں جو صلوٰة اللیل آیا ہے، وہ کسی کاتب سے مکرر ہوگیا کسی نے یہ سمجھ کر کہ باب کا لفظ ساقط ہوگیا یہاں پر باب بڑھادیا اور واقع ہوا تھا سطر کی ابتداء میں، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ صلوة تہجد فی الجماعة کو بیان کرنا ہے یہ توجیہ پہلی دونوں توجیہوں سے بہتر ہے، مگر اشکال یہ ہے کہ صلوٰة تہجد کے ابواب تو مستقل آرہے ہیں، یہاں اس کا موقعہ نہیں۔

یہاں ایک توجیہ جس کو حافظ ابن حجر نے رد کردیا، لیکن میرے نزدیک یہاں وہی توجیہ بہتر ہے یہ کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جب کسی شی کے اثبات پر آتے ہیں تو اس کو مختلف طور سے ثابت فرماتے ہیں، تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس باب سے یہی مسئلہ سابقہ ثابت فرمایا ہے، اس طور پر کہ جب تاریکی شب جو ایک حائل ہے، وہ مانع عن الاقتداء نہیں تو اسی طرح اور حائل بھی مانع نہ ہوں گے، آخر حائل میں مانع کیا ہے؟ دونوں برابر ہیں۔ جیسے امام اس میں مخفی ہوتا ہے ایسے ہی اس میں بھی مخفی ہوتا ہے۔

---

(۱) باب اذا کان بین الامام الخ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں ابومجلز کا قول نقل فرما کر شوافع پر رد فرمایا ہے، کیونکہ ابومجلز کا کہنا ہے کہ اگر امام اور قوم کے درمیان دیوار وغیرہ کوئی حائل ہو تو اس کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی، اور قال الحسن لاباس ان نصلی سے حنفیہ پر رد فرمادیا کہ اختلاف مقام سے مثلاً امام اور مقتدی کے درمیان کوئی نہر وغیرہ حائل ہو تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (س)

باب ایجاب التکبیر و افتتاح الصلوٰۃ

اگر واوٴ عاطفہ ہے تو یہاں سے دو مسئلے بیان کر دیئے گئے، ایک مسئلہ تکبیر تحریمہ کا اور دوسرا مسئلہ بطور تنبیہ افتتاح صلوٰۃ کا، اور حاصل یہ ہے کہ یہاں تک مقدمات ومتعلقات وشرائط بیان فرمائے اور اب یہاں سے افتتاح صلوٰۃ شروع ہوتا ہے، جیسے تمہارے فقہاء باب صفۃ الصلوٰۃ ذکر فرماتے ہیں اور یہ اقرب ہے اس لئے کہ ایجاب التکبیر الگ ہو جائے گا اور افتتاح الصلوٰۃ الگ مضمون، اور اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس میں امام ابوحنیفہ کی طرف جھک جائیں گے، چونکہ حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ صلوۃ سے خارج ہے اور یہاں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اولا ایجاب تکبیر، اس کے بعد افتتاح صلوٰۃ فرماتے ہیں، اگر تکبیر داخل صلوٰۃ ہوتی تو تکبیر کے ساتھ ہی افتتاح ہوجاتا۔ وقال تعالیٰ وذکر اسم ربہ فصلی اور یہ بھی احتمال ہے کہ واوٴ مع کے معنی میں ہو، پھر اس صورت میں مسئلہ ایک ہی رہ جائے گا، اور مطلب یہ ہوگا کہ تکبیر تحریمہ مع افتتاح صلوٰۃ کا باب ہے، اور تکبیر تحریمہ بالاتفاق بین الائمۃ الاربعۃ فرض ہے، صرف اختلاف شرطیت ورکنیت کا ہے، حضرت امام اعظم کے نزدیک شرط ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن ہے اور بعض سلف مثلاً اوزاعی وغیرہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ سنت ہے، اس صورت میں اس باب سے اوزاعی وغیرہ پر رد ہوگا،

یہاں ایک اشکال اور ہے وہ یہ کہ ترجمہ میں ایجاب ذکر فرمایا اور حدیث کے کسی لفظ سے ایجاب ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اذا کبر الامام فکبروا امام کے اتباع فی التکبیر کا حکم ہے خواہ تکبیر واجب ہو یا غیر واجب، بعض علماء نے جواب دیا کہ مقتدی پر وجوب تو امر فکبروا کی وجہ سے ثابت ہوگیا، رہ گیا امام کا معاملہ تو وہ اس طور پر ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ امام ہوتے تھے، اور وہ اپنے فعل سے بیان واجب فرماتے تھے، کیوں کہ بیان واجب واجب ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ تکبیر واجب ہے، کیوں کہ آپ نے تکبیر واجب کا بیان اپنے فعل سے فرمایا ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ اگر اذا کبر فکبروا کی وجہ سے تکبیر مقتدی پر واجب ہے تو تحمید بھی اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد کی وجہ سے واجب ہونی چاہیئے، اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ قائل ہوں، جیسا کہ بعض ظاہریہ کا مذہب ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ترجمہ شارحہ ہے، چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر فرض ہے، یا سنت تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرضیت کو ترجیح دی، فجحش شقہ الایمن، میں اس کے متعلق کلام کر چکا ہوں کہ یہ ۵ھ میں مدینہ منورہ میں پیش آیا۔(۱)

باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ مع الافتتاح

یہ رفع الیدین کی بحث ہے جس کو معرکۃ الاراء مسائل میں سے سمجھا جاتا ہے مگر میری طبیعت اس میں لگتی نہیں اس لئے کہ تم جو

---

(۱) باب ایجاب التکبیر و افتتاح الصلوۃ۔ تکبیر کا مصداق کیا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے امام صاحب، اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر وہ لفظ جو عظمت باری پر دلالت کرے، اور امام مالک وامام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا مصداق صرف اللہ اکبر ہے، اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ اکبر اور الاکبر میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے اللہ اکبر کے ساتھ اللہ الاکبر بھی کہہ سکتا ہے امام ابو یوسف کے نزدیک ان دونوں لفظوں کے ساتھ اللہ کبیر بھی کہہ سکتا ہے، اذا فکبروا اشکال یہ ہے کہ اذا شرطیہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام تکبیر کہے تو تم بھی کہو اور اگر وہ نہ کہے تو تم بھی نہ کہو، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، اسکا جواب یہ ہے کہ اذا یہاں وقت کے معنی میں ہے، کہ اس سے محض وقت بتلانا ہے کہ کس وقت کہے، (س)

اپنے اساتذہ کے یہاں سنتے چلے آئے ہو وہی بحثیں بار بار کیا کریں، طبیعت تو تراجم بخاری میں لگتی ہے، نیز اس میں دو تین دن خرچ کرو اور پھر کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا، اور اصل وجہ یہ ہے کہ میں نے ۱۳۴۰ھ میں جب مشکوۃ شریف پڑھائی تو میں نے مسائل مختلف فیہا تلاش کئے اس میں مجھے صرف چار رکعات میں دوسو سے زائد اختلافات ملے، اور وہ سارے اس سلسلہ میں تھے، کہ فلاں چیز فلاں امام کے یہاں اولیٰ ہے، اور فلاں کے یہاں نہیں اور یہ چیز ان کے یہاں مستحب ہے، اور ان کے یہاں مستحب نہیں، اور ایک چیز ایک کے یہاں سنت ہے، دوسرے کے یہاں مسنون نہیں، ان ہی میں رفع یدین ہے، آمین بالجہر ہے، فاتحہ خلف الامام ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ان ہی چند کی کیا خصوصیت ہے، اور باقی کے متعلق کیوں کلام نہیں کرتے، کیا وجہ ہے کہ یہی چند مسائل معرکۃ الاراء بن گئے؟

سنو! اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی چند مسائل نااہلوں کے ہاتھوں میں آگئے، علامات قیامت کی احادیث میں ایک حدیث ہے، **اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة** اور ہمارے اکابرین میں سے بعض نے اس کا یہ مطلب بتلایا ہے کہ ہر وہ شی جو کسی نااہل کی زیر نگرانی آجائے، بس اس کی قیامت آگئی، اسی طرح یہاں بھی اور یہی حال مسلم لیگ اور کانگریس کا ہے، اتنا اختلاف ایک دوسرے میں کہ تکفیر، تفسیق، تذلیل سب کچھ کر گزرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کام نااہل لوگوں کے ہاتھ میں آگیا، جہاں تک مسئلہ کا تعلق مسئلہ ہونے کی حیثیت سے ہے اور مسائل کی بھی حیثیت یہی ہے اور جہاں تک اختلاف ائمہ کا تعلق ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت ہے ان ائمہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول مستنبط کئے ہیں اور استنباط میں اختلاف ہوتا ہی ہے، جو روایت اصول کے خلاف ملے اس کا جواب دیدیا، اور تاویل کردی اصل یہ ہے کہ ائمہ کے درمیان ہونے والا جھگڑا، جھگڑا ہی نہیں ہوتا۔ اس کو تو لوگ جھگڑا سمجھتے ہیں، جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے، میں یہی بیان کروں گا، اور خلاصہ اس کا صرف یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے مختلف روایات وارد ہیں، جن کو ائمہ نے اپنے اپنے اصول کے موافق بعض کو بعض پر ترجیح دی، اور وہ اصول بھی مسلم اور روایات کی صحت بھی مسلم۔ ان میں کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں۔ اختلافات صرف ترجیح میں ہیں مثلاً یہی رفع یدین ہے، اس میں بہت سے مسائل مختلف فیہ ہیں۔ اصول کے ماتحت ہو کر، چنانچہ اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ہے بعض علماء کی رائے ہے کہ اقتداء میں واجب ہے اسکے برخلاف بعض مالکیہ سے بدعت نقل کیا گیا ہے، اور جمہور کہتے ہیں کہ سنت ہے نیز ایک اختلاف اس میں یہ ہے کہ رفع یدین کہاں کہاں ہوگا۔ یہی وہ اختلاف معرکۃ الآراء ہے اس کو میں بعد میں بتلاؤنگا۔ نیز یہ کہ رفع یدین کب کرے؟ کب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے یا بعد میں، یا پہلے؟ اس میں علما کے تینوں قول ہیں۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مقارنت ہے، اور یہی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے اور طرفین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اولاً رفع کرے پھر تکبیر کہے، اور اس اختلاف کی اصل وجہ اختلاط مناط ہے ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مناط **اعلام اصم** ہے۔ اس لئے مقارنت ہونی چاہئے اور طرفین کے نزدیک مناط یہ ہے کہ رفع نفی کے لئے ہے، اور اللہ اکبر اثبات ہے، اور لا الہ الا اللہ میں نفی ثابت پر مقدم ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

اور بعضوں کے نزدیک اولاً تکبیر ہوگی، پھر رفع، یہ تین قول ہو گئے، نیز یہ کہ کہاں تک رفع کرے احناف کے نزدیک اذنین تک ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک منکبین تک مالکیہ کا ایک قول منکبین کا ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے تخییر منقول ہے، اور امام شافعی سے ملا علی قاری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس طرح اٹھائے کہ کفین منکبین کے مقابل میں اور ابھامین شحمتین کے مقابل اور انگلیاں فروع اذنین

کے مقابل ہوں اس صورت میں کوئی اختلاف ہی نہیں رہا۔ اور مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ پہلا رفع (تکبیر تحریمہ والا) منکبین تک اور اس کے علاوہ اس سے کم ہوں گے، ثدیین تک، یہ چار اختلاف ہو گئے، نیز یہ کہ عورت و مرد میں رفع کے بارے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

احناف کہتے ہیں کہ ہاں فرق ہے، عورتیں اپنے ہاتھوں کو مردوں کے مقابلہ میں کم اٹھائیں گی، لانہ استر لھا مرد تو اذنین تک اور عورت ثدیین تک لوگوں نے لکھ دیا کہ حنفیہ تفریق کرنے میں منفرد ہیں، یہ غلط ہے بلکہ حنابلہ کی دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ عورت مرد سے کم اٹھائے گی، دوسری یہ کہ بالکل نہیں اٹھائے گی۔ نیز یہ کہ گرمی و سردی میں کوئی فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ ائمہ اربعہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ بتلایا جاتا ہے کہ گرمی میں سردی سے زیادہ اٹھائے، اس لئے کہ گرمی میں ہاتھ وغیرہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں، اور سردی میں کپڑوں کی وجہ سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں، جیسا کہ وائل بن حجر کی روایت میں تصریح ہے، جو ابوداؤد میں مروی ہے نیز یہ کہ رفع کی کیا صورت ہوگی؟ یعنی ہاتھوں کو کیسے رکھے! بطون کف کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے، یا بطون کفین خدین کی طرف ہوں، اس میں حنفیہ کے دونوں قول ہیں۔ نیز یہ کہ انگلیاں کیسے رکھے؟ حنابلہ کے نزدیک غایۃ الضم اور شافعیہ کے نزدیک غایۃ التفریق اور مالکیہ کے نزدیک مخفی رکھے، اور حنفیہ کے نزدیک علی حالھا چھوڑ دے، اور سحنون مالکی کے نزدیک ظہر کف تو زمین کی طرف اور بطون آسمان کی طرف رکھے، یہ یہاں تک آٹھ اختلاف ہو گئے۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ اس رفع کی حکمت کیا ہے؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ اس کی حکمت اعلام الاصم ہے، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ سارے اعضاء مستقبل قبلہ ہو جائیں، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اسکی حکمت استعظام ما دخل فیہ ہے، علامہ شعرانی شافعی میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں (یہ میزان کبریٰ علامہ شعرانی کی تالیف ہے جس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے، کہ ائمہ میں باہم حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے) کہ رفع یدین کی حکمت طرح دنیا ہے اور چونکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ بہت بڑے بزرگ تھے، جہاں ایک بار طرح دنیا فرمادیا پھر وہ لوٹ کر آتی ہی نہ تھی، بالکل استغراق ہو جاتا تھا، لہٰذا انہوں نے ایک ہی بار رفع کا قول اختیار فرمایا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے متاخر ہیں، ان کے زمانے میں دنیا کا غلبہ کہیں زیادہ ہو گیا تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ یہ ایک مرتبہ میں نہیں جاتی تو شروع کرتے ہوئے بھی اور رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع کا حکم فرمادیا، اوجز المسالک میں اس کی دس وجوہ لکھی ہیں، اگر تمہارا جی چاہے تو وہاں دیکھ لینا، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے محل رفع میں اختلاف ہے کہ کہاں کہاں کرے اسی طرح ان مواقع میں بھی اختلاف ہے۔

اب سنو! حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ کہیں بھی نہ اٹھائے، مگر ان کا مشہور قول حنفیہ کی طرح ہے یعنی سوائے رفع عند تکبیرۃ الاحرام کے اور کہیں نہیں، اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اس کے علاوہ دو جگہ رفع اور ہے، ایک رکوع میں جاتے ہوئے دوسرے رکوع سے اٹھتے ہوئے مگر پھر ان میں باہم اختلاف ہو گیا کہ رکوع سے اٹھتے ہوئے جو رفع یدین ہوگا، وہ انتقال کا وظیفہ ہے یا قومہ کا شوافع کے نزدیک انتقال کا وظیفہ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک قومہ کا وظیفہ ہے، اسی اختلاف پر ایک اور اختلاف مبنی ہے وہ یہ کہ شافعیہ کے نزدیک چونکہ رفع یدین عند الرفع من الرکوع وظیفۂ انتقال ہے لہٰذا اٹھنے کے ساتھ کرے اور حنابلہ کے نزدیک چونکہ قومہ کا وظیفہ ہے، لہٰذا کھڑے ہو جانے کے بعد کرے، چونکہ امام ابوداؤد حنبلی ہیں، جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اس لئے انہوں نے

روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ واکثر ماکان یقول ابی سفیان بعد مایرفع، اس میں یہ بھی اختلاف ہے کہ دو رکعت سے اٹھتے ہوئے رفع یدین ہے یا نہیں؟ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ لیکن متاخرین شافعیہ وحنابلہ جیسے بیہقی ابن المنذر وغیرہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کے قائل ہیں، جیسا کہ باب باندھیں گے یہ حضرات شوافع جو رکعتین سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کے قائل ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہمارے امام شافعی سے منقول ہے، اذا صح الحدیث فھو مذھبی (میں کہتا ہوں کہ یہ صرف حضرت امام شافعی ہی سے نہیں بلکہ ائمہ اربعہ سے منقول ہے) تو یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب ہمارے امام کا مقولہ اذا صح الحدیث الخ ہے تو ہمیں یہاں پر حدیث صحیح مل گئی۔ لہٰذا وہی ان کا مذہب ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تو صحیح ہے کہ امام کا مقولہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی ہے لیکن یہ تو اسی وقت کہا جائے گا کہ رفع یدین عندالرفع من الرکعتین امام شافعی کا مذہب ہے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ روایت امام شافعی کو تو نہیں پہنچی اور تم کو پہنچ گئی۔ لیکن جب امام کو روایت پہنچ گئی اور انہوں نے اسے رد کر دیا، تو پھر تم کون ہوتے ہو کہ امام نے جس چیز کو قبول نہیں فرمایا تم اسی کو ان کے سر پر تھوپ رہے ہو، اذا صح الحدیث یہ صرف ائمہ اربعہ ہی کا ارشاد نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کا اعتقاد ہے، مگر یوں ہی کہہ دینا کہ چونکہ امام کا مقولہ ہے، لہٰذا یہ امام کا مذہب ہوگا، مدعی سست گواہ چست کے مرادف ہے، جیسے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف رفع یدین مذکور ہے، اس لئے وہی امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اذا صح الحدیث فھو مذھبی فرما چکے ہیں، حالانکہ موطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفع یدین والی روایت مذکور ہے اور پھر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اس پر عمل نہیں فرماتے ہیں، جیسا کہ مدونہ وغیرہ میں ان کا مذہب منقول ہے جو مالکیہ کی بہت ہی معتبر کتاب ہے، معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک روایت پا کر کسی علت کی بناء پر اس کو چھوڑ دیا، اور وہ علت ہے عمل اہل مدینہ کا اس کے خلاف ہونا۔

یہیں سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ معمول بہا بھی ہو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہ حدیث صحیح ہے پھر بھی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ معمول بہا ہونے کے لئے صرف صحت کافی نہیں بلکہ واقعہ کے مطابق بھی ہونا ضروری ہے، مثلاً بخاری شریف میں نبی اکرم ﷺ کے قبا میں قیام کئے جانے کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک میں مدت قیام چودہ دن ہے، دوسری روایت میں چوبیس دن ہے ظاہر ہے کہ ایک واقعہ کے مطابق ہوگی، حالانکہ دونوں بخاری کی روایتیں ہیں، اور صحیح ہیں۔

اب سنو! رفع یدین بہت سی روایات سے ثابت ہے اور ہر خفض ورفع میں ثابت ہے اس کے بعد اس میں بالاتفاق بین الائمۃ الاربعہ نسخ ہوا، اب جھگڑا اس میں صرف یہ ہے کہ کتنا منسوخ ہے؟ اور کتنا باقی ہے؟ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں سالم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو نہیں لیتا اس لئے کہ سالم اور ابو حمید ساعدی کی صحیح روایات میں فی کل خفض ورفع، رفع یدین ثابت ہے اور بخاری کی روایت میں لایفعل ذلک فی السجود ہے، تو اگر سالم کی روایت لے لوں گا تو تعارض بین النفی والاثبات لازم آئے گا، اور قاعدہ ہے کہ جہاں بین النفی والاثبات تعارض ہو، وہاں اثبات کو ترجیح ہوتی ہے، لہٰذا فی رفع وخفض والی روایت کو ترجیح ہو جائے گی۔

اب جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ میں سالم کی روایت نہیں لیتا تو اگر حنابلہ یہ کہیں کہ ہمارے امام کا فرمان یہ ہے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی اور سالم کی حدیث صحیح ہے، لہٰذا امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے تو ان کی یہ بات کبھی بھی درست نہ ہوگی۔

اب احناف اس وجہ سے کہ ابو حمید ساعدی کی حدیث میں اضطراب ہے تین جگہ اور تین سے کم اور فی کل خفض و رفع رفع یدین نقل کیا گیا ہے اس کو نہیں لیتے اور چونکہ بہت سی روایات میں فی کل خفض و رفع ثابت ہے، اور روایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند البخاری میں لا یفعل ذلک فی السجود وارد ہے، تو شافعیہ وحنابلہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند البخاری کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ یہ اسند اور اقوی ہے اور ان کے اصول میں سے اوثق کی روایت کو ترجیح دینا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ اوفق بعمل اہل مدینہ کو لیتے ہیں، انہوں نے دیکھا کہ اہل مدینہ رفع یدین نہیں کرتے اس لئے فرمادیا، لم یثبت یہ قول (۱) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مدونہ میں منقول ہے، جس کو اوجز میں نقل کیا گیا ہے، ان شئت فارجع الیہ اور ان سب سے اونچے حنفیہ ہیں اور یہ میں اس وجہ سے نہیں کہتا کہ میں خود حنفی ہو، بلکہ واقعہ یہی ہے اور یہی حقیقت ہے کیونکہ ان کے اصول مطردہ میں سے یہ ہے کہ جب دو روایتوں میں تعارض ہو جائے، ایک تو اصح اور اسند ہو، اور دوسری صحیح ہو مگر اس سے کم درجہ کی ہو تو اصح کو ترجیح دے کر اس سے کم درجہ والی کو مرجوح قرار دے کر چھوڑتے نہیں، کیونکہ وہ بھی تو صحیح ہے، قابل احتجاج ہے اس لئے اگر خارج سے کوئی قرینہ کسی ایک کی ترجیح کا مل جائے، تو جس کے موافق قرینہ ملے اسی کو ترجیح دیتے ہیں، مگر یہ اس وقت کرتے ہیں جبکہ دونوں میں توفیق و تطبیق ممکن نہ ہو، ورنہ تطبیق دیتے ہیں۔

اسی طرح احناف کے اصول مطردہ میں سے یہ ہے کہ اگر دو روایتوں میں تعارض ہو جائے اور ان میں سے ایک اوفق بالفاظ قرآن ہو تو اسی کو ترجیح دیتے ہیں، اس لئے کہ روایات میں کثرت سے روایت بالمعنی روایات ہیں، اور روایت بالمعنی میں تغییر کا احتمال ہے اور الفاظ قرآنیہ قطعی ہیں، ان میں تغییر کا احتمال نہیں ہے، لہٰذا جو روایت الفاظ قرآن کے زیادہ موافق ہوگی، اسی کو لیں گے، اسی قاعدہ مطردہ پر سب روایات صلوٰۃ کو ایک مسطر پر ناپ لیا اور وہ یہ ہے، قوموا للہ قانتین ای ساکتین ساکنین۔

اب جہاں روایات صلوٰۃ میں اختلاف ہو، فیما بین الحرکۃ والسکون، تو سکون کو لیں گے، لانہ اوفق بالقرآن، اب ہم کہتے ہیں کہ رفعات ثلاثہ کے غیر میں تو ہم کو کلام نہیں اس لئے کہ سب نے بالاتفاق اس کے ماسواء کو چھوڑ دیا، اب رفعات ثلاثہ رہ گئیں، اس میں دو روایتیں وارد ہیں، ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس میں رفع عند تکبیرۃ الاحرام وعند الرکوع وعند الرفع منہ تینوں کا ذکر ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت رفع عند تکبیرۃ الاحرام کے علاوہ کی نفی ہے، لہٰذا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت لے لیں گے، کیونکہ یہ اوفق بالقرآن ہے، اسی طرح آمین بالجہر وبالسر ہے، چونکہ بالسر اوفق بالقرآن

---

(۱) فی الاوجز ص ۲۰۳/۱ فی المدونۃ قال مالک واعرف رفع الیدین فی شیء من التکبیر الصلوۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوۃ قال ابن القاسم وکان رفع الیدین عند مالک ضعیفا الا فی تکبیر الاحرام. ۱۲ محمد یونس غفرلہ

ہے،اس لئے احناف نے اس کو اختیار کرلیا۔

دوسرا کلیہ یہ ہے کہ بالاتفاق نماز حرکت سے سکون کی طرف چلی ہے، مثلاً پہلے کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا، پھر منسوخ ہوگیا، جیسا کہ ابوداؤد میں ہے، کہ احیلت الصلوٰۃ ثلثۃ احوال اوراس میں کلام کرنا بھی مذکور ہے، لہٰذا پہلے حرکت تھی، اس کے بعد سکون ہوا، لہٰذا سکون کو لیا جائے گا، اور یہ مطلب ان بعض احناف کا ہے، جن کی عبارت فی الباب سے معلوم ہوتا ہے، کہ چونکہ سکون موخر ہے، اس لئے حرکت منسوخ ہے، لہٰذا رفع یدین منسوخ ہے، اور غیر رفع معمول بہ ہوگا۔ یعنی ان کی مراد نسخ حقیقی نہیں بلکہ مثل نسخ کے ہے، اس مسلمہ بات کی بناء پر کہ نماز حرکت سے سکون کی طرف آئی ہے، نہ کہ نسخ حقیقی، اس لئے کہ نسخ حقیقی کے لئے کوئی تصریح ہو، پھر نسخ کا قول ہوسکتا ہے، لہٰذا جب ابن مسعود وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات میں تعارض ہوگیا، تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مذکورہ بالا قواعد کی بناء پر راجح ہوگی، روایتیں دونوں صحیح ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر اعتراض کیا گیا کہ یہ روایت مضطرب ہے، موقوف ہے، ضعیف ہے، لیکن یہ اعتراض لغو ہے، اس لئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت محدثین کے قواعد کے موافق صحیح ہے، ہاں اگر کوئی لم یعد کو صحیح نہ کہے، اور یوں کہے کہ کسی اور روایت میں یہ لفظ نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ابن عمر کی روایت پر عامل ہے، اب لم یعد کا لفظ اس کے موافق نہیں پڑتا تو اس کو غلط کہتے ہیں۔

اب اس کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صرف لفظ لم یعد ہے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ غلط ہے، مثلاً ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نسخ تطبیق معلوم نہ تھی، یہ ساری حماقت کی باتیں ہیں اگر وہ لوگ ایسا کہتے ہیں تو پھر ہم بھی (گو ہمارا طریق طعن وتشنیع نہیں ہے، بلکہ ہم ان کے ظلم برداشت کرتے ہیں) جیسا کہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یوں کہیں گے، کہ جیسے تم حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو موقوف کہتے ہو، ہم بھی کہتے ہیں کہ ابن عمر کی روایت موقوف ہے اس لئے کہ ابن عمر کے دو شاگرد ہیں، ایک سالم دوسرے نافع۔ سالم تو مرفوع نقل کرتے ہیں، اور نافع موقوف نقل کرتے ہیں امام ابوداؤد نے نافع کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

ان محدثین کا ظلم سنو، جیسا کہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہم ظلم برداشت کرتے ہیں، چار روایات ایسی ہیں کہ ان کو حضرت سالم تو مرفوع نقل کرتے ہیں، اور حضرت نافع ان کو موقوف نقل کرتے ہیں اس کے علاوہ دونوں ساری روایتوں میں رفعاً ووقفاً متفق ہیں، تو تین (۱) میں تو نافع کو مقدم کرتے ہیں اور رفع یدین میں سالم کو مقدم کرتے ہیں، احناف فرماتے ہیں کہ جیسے اور مسائل میں نافع کی موقوفات کو ترجیح ہے، اسی طرح یہاں بھی ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

اب ایک بات اور سنو! امام ابوداؤد کی طرف سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے لم یعد پر اعتراض کیا ہے، کہ کسی نے یہ نہیں کہا، اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عمر کی روایت میں رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین منقول بھی ہے، اور نہیں بھی ہے، لہٰذا تم بھی اس کا انکار کردو۔ ابن عمر کی روایت مضطرب ہے، کوئی رکوع میں جاتے وقت رفع نقل کرتا ہے اور کوئی نقل نہیں کرتا، اسی طرح اس میں اختلاف

---

(۱) اسی طرح ۱۳۸ کی تقریر میں بھی ہے مگر اوجز ص ۱/۲۱۴ میں دو روایتوں کے متعلق بعض محدثین سے منقول ہے کہ نافع کی روایت موقوف کو ترجیح دی ہے لیکن حافظ ابن عبدالبر کی رائے ہے کہ چاروں میں سالم کا قول مقدم ہے ۱۲/محمد یونس غفرلہ

ہے کہ یہ رفع انتقال کے ساتھ ساتھ ہے یا کھڑے ہو جانے کے بعد قومہ میں، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اس روایت کے موطا میں راوی ہیں اور پھر مدونہ میں لم یثبت فرماتے ہیں اب اگر اتنا بڑا متفق علیہ امام ایک حدیث کو نقل کر کے لم یثبت کہہ دے تو کیا یہ اس امام کا انکار نہیں ہے، اگر نسائی اور ابوداؤد حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو لم یثبت کہہ دیں اور وہ معتبر ہو، تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا لم یثبت فرما دینا بدرجہ اولیٰ معتبر ہوگا۔

ایک اعتراض یہاں اور ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نسخ تطبیق کا پتہ ہی نہیں چلا اسکا جواب اللہ معاف کرے، یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کو وضو کرنا نہیں آتا تھا، وضو کرتے ہوئے آنکھوں میں پانی ڈالتے تھے، اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابن عمر خود وضو فرماتے ہیں اذا سمعنا الاذان توضانا فخرجنا ، اب تم خود ہی بتلاؤ کہ تکبیر سن کر تو وضو کرتے تھے اور پھر پیچھے کھڑے ہوتے اس لئے کہ اصحاب صفہ جو دو سو کے قریب تھے پہلے ہی سے مسجد میں ہوا کرتے تھے، تو کیا وہ رفع یدین دیکھنے کے لئے آگے چلے جایا کرتے تھے، خدا معاف کرے یہ سب لغو اور فضول باتیں ہیں، مگر بات یہ ہے کہ جیسا کہنا ویسا سننا، ورنہ میرے والد صاحب نے ابوداؤد کی حدیث کی توجیہ کی ہے، کہ توضانا اذا سمعنا کی جزاء نہیں ہے بلکہ اس کی جزا خرجنا ہے اور توضانا بتقدیر قد حال ہے سمعنا کی ضمیر سے اور تقدیری عبارت ہے، اذا سمعنا الاقامة وقد توضانا خرجنا ،لیکن اس توجیہ کے بعد بھی حنفیہ بطور الزام کے کہہ سکتے ہیں کہ جب ابن عمر اقامت کے بعد مسجد میں جاتے تھے، تو وہ تو پیچھے کھڑے ہوتے تھے، پھر رفع یدین کہاں سے دیکھ لیا؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنوت فی الصبح کے قائل نہیں، حضرات شافعیہ قائل ہیں اور اعتذار یہ کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر بچے ہونے کی وجہ سے دور کھڑے ہوتے تھے اس لئے وہ قنوت سن نہیں سکتے تھے احناف فرماتے ہیں کہ بچے ہونے کی وجہ سے پیچھے کھڑے ہوتے تھے، اور قنوت نہیں سن پاتے تھے، تو کیا وہ رفع یدین دیکھنے کے لیے آگے جایا کرتے تھے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت آگے ہوتی تھی، آخر کیسے دیکھتے تھے، احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ عدم رفع کی ترجیح کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ رفع یدین کے ناقلین یا تو وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو احداث اور نو عمر تھے، اور یا وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو ایک دو بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آخر یہ بڑے بڑے صحابہ ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہاں چلے گئے تھے؟ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں تھے، باوجود اتنے کثیر الروایہ ہونے کے انہوں نے اس کو کیوں ذکر نہیں کیا ابوحمید نے جب یہ کہا کہ انا اعلمکم بصلوٰۃ رسول اللہ ﷺ تو ان دس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جن کے سامنے کہا تھا، جواب میں کہا ما کنت اقدمنا صحبة ولا الزمنا ، پھر آخر کیا بات ہے، صاحب بدائع تو یہ فرماتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ سے عدم رفع نقل ہے، حنفیہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں بہت دنوں تک ابن عمر کے ساتھ رہا، اور ان کو میں نے سوائے تکبیرۃ الاحرام کے اور کہیں رفع کرتے ہوئے نہیں دیکھا آخر حضرت ابن عمر کی روایت اور وہ اپنی مروی کے خلاف کرتے ہیں یہ کیا بات ہے؟

سنو! حنفیہ فرماتے ہیں کہ روایات فعلیہ میں تو تعارض ہو گیا اور روایت قولی ترک رفع پر سالم عن المعارضہ ہے، لہٰذا وہ مقدم ہوگی۔

اور وہ روایت حضرت جابر بن سمرہ سے مسلم میں مروی ہے مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ ۔اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اعتراض فرمایا کہ بعض جاہل بے وقوف ناواقف اس سے ترک رفع پر استدلال کرتے ہیں

حالانکہ یہ سلام کا واقعہ ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سلام پھیرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر فرمائی جیسا کہ دوسری روایت میں ہے، حضرت نے بذل میں جواب دیا کہ اعتراض کرنے والوں نے غور نہیں کیا، اصل بات یہ ہے کہ جابر بن سمرہ کی دو روایتیں ہیں، اور دونوں الگ الگ ہیں، دونوں میں الگ الگ قصہ مذکور ہے، اس لئے کہ دونوں کا سیاق مختلف ہے، اور رفع یدین کے متعلق روایت میں تو ہے، **خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن رافعوا ایدینا فقال مالی اراکم** الحدیث اور سلام والی روایت میں ہے **کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم احدنااشار بیدہ من عن یمینہ ومن عن یسارہ فلاصلی قال مابال احدھم** الحدیث سیاق کے اختلاف سے معلوم ہوگیا کہ دونوں الگ الگ روایتیں ہیں اس لئے ایک کو دوسری روایت سے خلط کرنا درست نہیں ہے۔

اس کے بعد تم یہ سنو کہ رفع یدین کے قائلین کہتے ہیں کہ اسی صحابہ سے رفع یدین مروی ہے، اور تواتر تک پہنچاتے ہیں مگر یہ غلط ہے، ان روایات کو پہلے لاویں اگر کسی صحابی کے متعلق منقول ہے کہ وہ رفع یدین کرتے تھے تو اس سے تمہارا رفع کیسے ثابت ہوگیا؟ ہم تو خود کہتے ہیں کہ رفع یدین کرتے تھے، مگر وہ احناف پر حجت نہیں تا آنکہ یہ ثابت نہ ہوجائے کہ رفع سے مراد رفعات ثلاثہ ہیں اور یہ نہ معلوم ہوجائے کہ اس کے علاوہ نہیں ہے اس لئے کہ تین مرتبہ سے زائد کا قائل تو وہ بھی نہیں اور اگر تین سے کم ہو تو وہ ان کی حجت نہیں، اس کا جو جواب وہ لوگ دیں گے وہ ہم بھی دیدیں گے، اس کے بعد مصنف نے ایک باب اور منعقد فرمایا ہے **باب الی این یرفع یدیہ** اس پر کلام کیا جاچکا۔

باب رفع الیدین اذاقام من الرکعتین

اس پر خاص طور سے اس لئے ترجمہ باندھا کہ ائمہ اربعہ میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں سوائے متاخرین شافعیہ وحنابلہ کے۔ اور حافظ ابن حجر نے سب پر رد فرمایا ہے مگر سارے محدثین کی رائے ہے کہ رفع کرے، اور یہی امام بخاری کی رائے ہے، **ورفع ذلک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم** یہ بتلایا کہ جیسے ابن عمر سے یہ موقوفا مروی ہے اسی طرح مرفوعا بھی نقل کیا گیا ہے۔

باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ

پرسوں کے سبق میں بتلایا تھا کہ جب میں نے ۱۳۴۰ھ میں مشکوۃ شریف پڑھانی شروع کی اور اختلاف ائمہ تلاش کئے تو صرف چار رکعات میں جو اختلافات ملے وہ دوسو سے زائد تھے، اور اکثر ان میں اولویت واستحباب کے اختلافات ہیں، اسی میں ایک **وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ** ہے، اس میں تین اختلافات ہیں۔ اول یہ کہ وضع ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک **وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ** سنت ہے، اور امام مالک کے نزدیک نوافل میں جائز ہے، اور فرائض میں ناجائز ہے اور دوسرا قول مالکیہ کے یہاں یہ ہے کہ فرائض میں جائز ہے اور جب فرائض میں جائز ہے تو نوافل میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ اور اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ اصل تو ارسال ہے لیکن اگر کوئی وضع کرے تو جائز ہے۔

اب یہاں بھی وہی ترجیح والی بات آگئی چونکہ وضع وارسال دونوں طرح کی روایات ہیں مالکیہ نے اپنے اصول کے مطابق ارسال کو اصل قرار دیا اور باقی روایات کو مؤول یا بیان جواز پر محمول کیا اور ائمہ ثلاثہ نے اپنے اصول پر وضع کی روایات کو راجح قرار دیا، اس

ئے کہ وضع کی روایات مصرح ہیں اور روایات ارسال مجمل ہیں لہٰذا وضع کی روایات راجح ہوں گی، مالکیہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے نہی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الاعتماد فی الصلوۃ اور نوافل میں ضرورۃ اجازت دی ہے اور وضع بھی ایک قسم کا اعتماد ہے اور ٹیک لگانا ہے بلکہ با قاعدہ سواری ہے، امام بخاری عید میں با قاعدہ سواری ثابت کریں گے، لہٰذا ممنوع ہے لیکن چونکہ نوافل میں قیام طویل ہوتا ہے اس لئے ڈر ہے کہ انگلیوں میں کہیں خون نہ اتر آئے، لہٰذا اس عارض کی وجہ سے اجازت ہے کہ نوافل میں باندھ لے اور وضع والی روایات باقی حالات میں بیان جواز پر محمول ہیں، یا مؤول ہیں، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے، من السنة ان یضع الرجل علی یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوۃ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ صحابی کا استنباط ہے، حضور اکرم ﷺ کو کبھی کرتے ہوئے دیکھا اور پھر کہہ دیا جیسے حضرت ابن عباس سجدہ سے اٹھتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے بیٹھ لے اور پھر اٹھے اور اس کے بارے میں من السنة کا اطلاق فرمایا ہے، اور تم اس کو کہتے ہو کہ کبھی ایسا کرتے دیکھ لیا اور پھر انہوں نے ومن السنة فرما دیا مگر اس کا جواب دیا گیا کہ ارسال کی جتنی روایات ہیں وہ مجمل ہیں اور وضع کی مفصل وہ ان پر قاضی ہوں گی، اور ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ومن السنة کہنے کو ان کا استنباط اس لئے قرار دیتے ہیں کہ دوسری روایت میں آ گیا، کان ینهض علی صدور قدمیه ، مالکیہ کہتے ہیں کہ جس روایات سے تم رفع یدین ثابت کرتے ہو، یعنی ابوحمید ساعدی کی روایت ہم اسی سے ارسال ثابت کرتے ہیں، اس میں ہے حتی استقر کل عظیم موضعه اور ہر ہڈی اسی وقت اپنی جگہ ہو سکتی ہے جبکہ ارسال ہو۔

شافعیہ نے جب یہ دیکھا تو جمع بین الروایات فرمایا اور یوں فرماتے ہیں کہ جب ہاتھوں کو اٹھائے تو ارسال کرے پھر اس کے بعد ہاتھ باندھے، احناف وحنابلہ کہتے ہیں کہ کسی روایت سے نصاً یہ ثابت نہیں کہ پہلے ارسال کرے پھر وضع کرے، لہٰذا معاً تکبیر کے ساتھ ہی وضع کرے گا، اب پھر حنفیہ میں اختلاف ہو گیا کہ یہ وضع وظیفہ قرات ہے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کا وظیفہ ہے، حضرت امام محمد سے مروی ہے کہ وظیفہ القراءۃ ہے، لہٰذا جب وظیفہ قراءت ٹھہرا تو جب قراءت شروع کرے اس وقت ہاتھ باندھے، یعنی ثناء وتعوذ میں چھوڑے رکھے، اس کے بعد پھر اختلاف ہے کہ جب وظیفہ القرأۃ دوسرے قول پر نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ قیل وظیفة الذکر وقیل وظیفة القیام اور ہمارے یہاں راجح یہ ہے کہ وظیفۃ الذکر ہے، اسی وجہ سے تکبیرات عیدین میں تکبیر اول کے بعد تو وضع کرتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ذکر مسنون ہے اور اس کے بعد تکبیرات میں وضع نہیں ہے، کیونکہ ان کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اور اس تکبیر کے بعد وضع ہے، اس کے بعد قرأت شروع ہوتی ہے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ موضع وضع کیا ہے؟ احناف کے نزدیک تحت السرہ اور شافعیہ کے نزدیک تحت الصدر فوق السرہ اور حنابلہ کے یہاں دونوں قول ہیں، ہمارے موافق بھی اور شافعیہ کے موافق بھی، اور تیسرا قول جو امام احمد سے منصوص ہے یہ ہے کہ تخییر ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں بارگاہ خداوندی میں حضوری ہوتی ہے، اور جتنی بڑی بارگاہ ہوتی ہے، اس کا ویسا ہی ادب ہونا چاہئے اور غایت ادب یہ ہے کہ منتہائے نظر پر ہاتھ بندھے ہوں یہ نہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جائیں، جیسے کہ بادشاہوں اور بزرگوں کے یہاں قاعدہ ہے کہ خدام بالکل نیچے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو!

لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

شافعیہ فرماتے ہیں کہ عالی بارگاہ میں حاضری ہے اور جتنی بڑی بارگاہ ہوتی ہے، اتنا بڑا ہی نذرانہ ہونا چاہئے، اور دل سے بڑھ کر بارگاہ خداوندی کے لائق اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ وہی محل ایمان ہے، محل انوار ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے اور اس پر اپنی جان نثار کرتا ہے اور زبان سے کچھ کہہ نہیں سکتا تو ہاتھ دل پر رکھ کر اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حاولن تفديتي وخفن مراتبا

ووضعن ايديهن فوق ترائب

یہ ہی وہ نکتہ ہے جسکی بناء پر کتب شوافع میں اس بات کی تصریح ہے کہ سینہ کے نیچے مائل الی القلب ہاتھوں کو باندھے، فوق الصدر کسی کا قول نہیں ہے، آج کل کے اہل حدیث اس کے قائل ہیں، ہاں ایک ضعیف قول امام احمد کا نقل کیا جاتا ہے۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ کیونکر ہاتھ رکھے، حنفیہ کے نزدیک وضع الاکف علی الاکف ہے مگر ہمارے یہاں مستحب طریقہ ہاتھ باندھنے کا یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور انگوٹھے اور خنصر سے ساعد یسریٰ کو پکڑے، مسبحہ اور وسطیٰ اور بنصر کو ساعد پر رکھ لے، تاکہ جمع بین الروایات ہوجائے، اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ساعد یسریٰ کو دائیں ہاتھ سے پکڑے۔

باب الخشوع فی الصلوة

خشوع غایۃ سکون اور غایۃ تطامن کا نام ہے، یوں کہتے ہیں کہ خشوع تو جوارح سے ہوتا ہے اور خضوع قلب سے ہوتا ہے. بہرحال خشوع کامل یہ ہے کہ قلب و جوارح دونوں سے توجہ ہیں اور کوئی ایک کسی طرف ملتفت نہ ہو کیونکہ بظاہر تو خشوع ہوتا ہے مگر قلب متوجہ نہیں ہوتا اور بسا اوقات اس کا عکس ہوتا ہے، جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں کسی ایک بزرگ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حج کو گیا تو ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ استار کعبہ سے چمٹا ہوا رو رہا ہے فرماتے ہیں مگر اس کا قلب بالکل غافل تھا اور منیٰ میں ایک شخص کو کپڑے فروخت کرتے ہوئے دیکھا مگر اس کا قلب ایک دم کے لئے بھی غافل نہ تھا۔

حضرت امام بخاری نے لفظ خشوع اس لئے اختیار فرمایا کہ خشوع فعل جوارح کا نام ہے، اور وہ اختیاری ہے اور خضوع فعل قلب ہے اور وہ غیر اختیاری ہے لہٰذا اختیاری پر باب باندھا کہ وہ اپنا فعل ہے اور مقدمہ ہے خضوع کا اب حضرت امام بخاری کی غرض کیا ہے؟

بعض علماء کی رائے ہے کہ خشوع سے مراد سجود ہے اس لئے کہ حدیث میں خشوع کا مقابلہ رکوع سے کیا گیا ہے، مگر میرے نزدیک یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ سجود تو ابھی بہت دور ہے، ابھی تو قرأت بھی شروع نہیں ہوئی، ابھی سے سجود کہاں آگیا، لہٰذا امام بخاری کے ترجمہ میں خشوع سے سجود مراد نہیں ہوسکتا گو حدیث میں تقابل رکوع کی وجہ سے مراد ہو مگر امام بخاری کے ترجمہ کے لحاظ سے یہاں وہ بھی نہیں، اور میری رائے ہے کہ بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے رفع یدین والے باب سے تو قائلین رفع کے مذہب کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور اس سے حنفیہ کے مذہب کی طرف اشارہ، کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ نماز حرکت سے سکون کی طرف آئی ہے اور خشوع سکون اطراف کا نام ہے۔ لاراکم من بعدی. ای وراء ظهری کماورد فی روایة اخریٰ.

باب مایقرأ بعد التکبیر

حضرت امام بخاری کے اصول سے معلوم ہو چکا ہے کہ جہاں روایات میں قوی اختلافات ہوں وہاں امام بخاری کوئی حکم نہیں لگایا کرتے، یہاں بھی اختلافات روایات صحیحہ کی بناء پر کوئی حکم نہیں لگایا، روایتیں دونوں طرح کی ذکر فرمائی ہیں، حضرت انس کی ذکر کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ پڑھے، اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی ذکر فرمائی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ پڑھتے تھے، بہر حال یہاں بھی بہت اختلاف ہے۔

اول اختلاف یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کچھ پڑھے یا نہ پڑھے مالکیہ کے نزدیک سوائے الحمدللہ کے اور کچھ نہ پڑھے لروایۃ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور جمہور کے نزدیک پڑھے اس میں ایک دوسرا اختلاف جو اسی پر مبنی ہے یہ ہو گیا کہ تعوذ پڑھے یا نہ پڑھے جمہور کے نزدیک پڑھے، اور امام مالک کے نزدیک اسی اصل کے موافق کہ معاتکبیر کے بعد الحمد سے شروع کرے کچھ نہ پڑھے، اب جب کہ جمہور کے نزدیک پڑھے گا تو اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟ صاحب ہدایہ کی رائے ہے کہ قرآن میں چونکہ فاستعذ، استعاذہ سے وارد ہے لہٰذا اتباعاللقرآن استعاذہ پڑھے، اور ہمارا دوسرا قول یہ ہے کہ اعوذ پڑھے، حنابلہ کے یہاں دونوں روایتیں ہیں، صاحب ہدایہ جیسی بھی اور اعوذ والی بھی پھر اس میں اختلاف ہے کہ تعوذ ثناء کے تابع ہے یا قرات کے دونوں قول ہیں، اور ثمرۂ اختلاف مثلاً عیدین میں نکلے گا ان لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ قرات کے تابع ہے وہ فرماتے ہیں کہ تکبیرات زوائد کے بعد پڑھے اور جو ثناء کے تابع ہونے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تکبیرات سے قبل پڑھے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ پہلی رکعت میں یا ہر رکعت میں اور پھر جب تعوذ پڑھے گا تو کہاں پڑھے گا جمہور کے نزدیک قرات سے پہلے اور بعض ظاہریہ کے نزدیک قرات کے بعد اور اذا قرات القرآن فاستعذ سے استدلال ہے کہ استعاذہ کو قرات سے معقب بفاء التعقیب کیا ہے، نیز قرات قرآن سے جو فخر پیدا ہوا ہو اس سے استعاذہ کرے، اور جمہور فرماتے ہیں کہ ہمیں روایت سے معلوم ہو گیا کہ قرات سے پہلے ہونا چاہئے۔

اسی طرح یہ بھی اختلاف ہے کہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے مالکیہ کے نزدیک نہ پڑھے اور جمہور کے نزدیک پڑھے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ جہراً پڑھے یا سراً امام شافعی کے نزدیک جہراً پڑھے اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک سراً پڑھے، پھر اس کی حقیقت کیا ہے؟ جزء فاتحہ ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک جز نہیں ہے اور شوافع کے نزدیک جز ہے اور حنابلہ کے نزدیک دونوں قول ہیں ایک قول ہمارے ساتھ کا ہے دوسرا شوافع کے موافق ہے۔ مگر باوجود اس جزئیہ کے قول کے پھر بھی سراً بہر حال پڑھے گا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ سورت کے ساتھ پڑھے یا نہ پڑھے اسی طرح ثناء پڑھے یا نہ پڑھے، مالکیہ کے نزدیک نہ پڑھے یہ لوگ حضرت انس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نماز وقراءت کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے فرماتے تھے معلوم ہوا کہ اس سے قبل کچھ نہ پڑھتے تھے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت اس پر دلیل ہے، انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ اس کا تک بین التکبیر وبین القراءۃ ماتقول اب کیا پڑھتے تھے حنفیہ کے نزدیک ثناء یعنی

سبحانک اللھم الخ پڑھے۔یہی حنابلہ کا مذہب ہے،ابن قیم نے زاد المعاد کے اندر اس دعا کے لئے وجوہ ترجیح بیان فرمائی ہیں، چنانچہ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو منبر پر بمحضر من الصحابہ لوگوں کو یاد کرایا کرتے تھے۔

اور شافعیہ کے یہاں دعا توجیہ انی وجھت وجھی للذی الأیۃ اور امام ابو یوسف سے جمع منقول ہے پھر اس میں جوانا اول المسلمین ہے ایسے ہی پڑھے یا ازامن المسلمین پڑھے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان اول المسلمین کذب ہے اور مفسد صلوٰۃ ہے،ہماری کتابوں میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے،امام شافعی فرماتے ہیں انا اول المسلمین لان رسولی اول المسلمین، مالکیہ ہر جگہ حضرت انس کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔اور جمہور جواب دیتے ہیں کہ چونکہ ثناء تعوذ اور تسمیہ سراً ہوتا ہے اس لئے اس کو سنتے نہیں تھے، بلکہ الحمد للہ سے سنتے تھے۔لہٰذا اسی کو نقل کیا۔اللّٰھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد.

یہاں اشکال یہ ہے کہ جب کپڑا میلا ہو جاتا ہے تو وہ گرم پانی سے زیادہ صاف ہوتا ہے،اور یہاں ثلج اور برد سے دھونے کی دعا فرمارہے ہیں،اس کا جواب یہ ہے کہ دعا اس مادی میل کے ازالہ کے لئے نہیں بلکہ غیر مادی کے ازالہ کے لئے ہے، جو سبب ہے جہنم کا۔ لہٰذا جس قسم کا دنس ہے اسی قسم کا پانی بھی اس کے لئے چاہئے۔(۱)

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور اس قسم کا باب باب سابق سے فی الجملہ لاحق اور فی الجملہ دور ہوتا ہے اور روایت اس میں کسوف کی ذکر فرمائی ہے اور وجہ مناسبت میں اختلاف ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ فاطال القیام سے مایقرأ بعد التکبیر ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اطالت قیام دعاء ہی کی وجہ سے تو ہوئی،مگر چونکہ یہ لفظ نص فی الدعاء نہیں تھا اس لئے باب بلا ترجمہ سے فصل کر دیا،مگر ثابت کرنا اسی دعا کو ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نماز ساری محل دعا ہے اور حضور اقدس ﷺ آیت رحمت پر دعا اور آیت عذاب پر پناہ چاہتے تھے،اور اس میں ای کرب وانا معھم بھی فرمایا اور یہ بھی دعا ہی ہے،تو امام بخاری اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے ای رب

---

(۱) باب مایقی ابعد التکبیر امام بخاری نے اس کے بعد دوسرا باب منعقد فرمایا ہے جو بلا ترجمہ ہے بعض شراح نے ان دونوں ابواب کی غرض یہ بتلائی ہے کہ اول باب سے تو امام کا مقصد الحمد شریف کو نماز کے اندر ثابت کرنا ہے،اور دوسرے باب کے اندر جو حدیث ذکر فرمائی ہے،اس کے اندر طول قیام کا ذکر ہے،اس سے ضم سورت کی طرف اشارہ فرمادیا۔میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابواب القراءۃ تو مستقل آگے آرہے ہیں بلکہ اس باب کی غرض یہ ہے کہ بعد التکبیر اور قبل القراءۃ تین دعائیں پڑھی جاتی ہیں،ایک ثناء دوسرے تعوذ اور تیسرے تسمیہ تو ان دونوں بابوں سے ان تین اشیاء کو ثابت کرنا مقصود ہے،نیز اول باب سے یہ بیان کیا کہ شروع قراءت کے اندر دعاء وغیرہ پڑھنی چاہئے جیسا کہ حدیث میں حضور ﷺ سے دعا کو نقل کیا گیا ہے،اور دوسرا باب لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اگر درمیان قراءت کے اندر بھی دعا کرتے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ وسعت ہے،اور وسعت کو بیان کرنے کے لئے یہ باب منعقد فرمایا ہے،اللھم باعدبینی وبین خطایای مشہور قول یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کا یہ پڑھنا تعلیم امت کے لئے تھا،لیکن میرا خیال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خطاؤں اور ہماری خطاؤں میں زمین آسمان کا فرق ہے، جیسے کہ عبد اللہ بن ام مکتوم والے مسئلہ میں ڈانٹ پڑگئی،اور عبس وتولی نازل ہوئی،اسی طرح اساریٰ بدر کے مسئلہ میں ڈانٹ پڑی،اس قسم کی یہ چیزیں عصمت کے خلاف نہیں ہے لہٰذا ان کو ظاہر پر محمول کر کے حضور ﷺ کی خطاؤں میں سے شمار کیا جا سکتا ہے۔(کذا فی تقریرین)

وانامعھم کہہ کردعا فرمائی یعنی ابھی تک موجود ہوں تو یہ عذاب کیسا؟ لہٰذا عذاب اٹھالیجئے ،لہٰذا دعا ثابت ہوگئی۔

بعض مشائخ کی رائے ہے کہ باب سابق میں دوطرح کی روایات ذکر فرمائی ہیں ایک روایت سے قرأت سے قبل کچھ پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور دوسری سے نہیں تو یہ باب ذکر فرما کراشارہ فرمادیا، اس روایت کے مضمون کے موافق جس سے ثناء وغیرہ کا پڑھنا معلوم ہوتا ہے، اس بات کی طرف کہ بعد التکبیر میں انحصار نہیں ہے بلکہ وسط میں بھی پڑھ سکتا ہے، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ باب مایقرأ بعد التکبیر میں ایک روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکر کی ہے کہ الحمد للہ سے شروع کرے اور دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ کی ہے دعا والی یہاں باب باندھ کر ضم سورت کی طرف اشارہ فرمادیا، چونکہ تکبیر کے بعد یہ بھی ہوتا ہے مگر اس کے زمان کے تاخر کی طرف الگ باب باندھ کر اشارہ فرمایا کہ ضم الحمد اور دعا موخر ہے۔ اور امام بخاری نے باب سابق سے دعا کا اثبات کیا ہے، تو جیہ ثناء والی روایات تو ان کی شرط کے مطابق ہی نہیں ہیں، ای رب وانامعھم ،حضور اقدس ﷺ نے وانامعھم کہہ کر اس وعدہ کی طرف اشارہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے آیت کریمہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ میں فرمایا تھا کہ ابھی تو میں انہی میں ہوں اور آپ یہ وعدہ فرما چکے ہیں کہ تمہارے ہوتے ہوئے میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔ آخر یہ کیا ہے یہ دعا بھی ہوئی سوائے دعائے اول کے اور وسط میں ہوئی۔ خشاش کیڑے مکوڑے۔ (۱)

باب رفع البصر الی الامام فی الصلوۃ، وباب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ

بعض شراح کی رائے ہے کہ امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام اور جدار قبلہ کی طرف رفع بصر جائز ہے، اور آسمان کی طرف جائز نہیں، پہلے باب سے جواز دوسرے باب سے کراہت ثابت فرمائی، مگر میرے نزدیک امام بخاری نے پہلے باب سے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مقتدی کی نظر کہاں ہو؟ جمہور کے نزدیک موضع سجود پر لانہ غایۃ الخشوع. اور مالکیہ کے نزدیک امام کی طرف ہونی چاہئے اس لئے کہ اس کی وجہ سے اس کے انتقالات کا علم ہوتا رہے گا۔ رایت جھنم اس سے استدلال فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے جہنم کو متمثل فی الجدار دیکھا تو جدار کو دیکھنا ثابت ہوگیا۔

حین رایتمونی.

بعض نے اس سے استدلال فرمایا ہے کہ جب انہوں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا تو نظر الی الامام ثابت ہوگیا۔ بم کنتم تعرفون قراء ته صحابہ میں سے بعض جیسے ابن عباس فرماتے تھے کہ سریہ میں قرأت نہیں ہے اور اکثر فرماتے تھے کہ قراءت ہے اس لئے اس کے متعلق سوال ہوا کرتا تھا کہ قرأت ہے یا نہیں؟

---

(۱) باب: اس باب میں وارد ہوا ہے فاطال القیام اس سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حتی قلت وانامعھم سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ معنی دعا ہے اس نار سے بچنے کے لئے۔ (ت)

چنانچہ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی پوچھا گیا تو جواب دیا کہ ہاں قرأت کرتے تھے، اس پر سائل نے پوچھا کہ تمہیں کیسے پتہ چلتا تھا تو فرمایا باضطراب لحیة ، مگر یہ دلیل تام نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ دعا کی وجہ سے ہو، مگر حضرت ابوقتادہ وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوگیا کہ قرأت کی وجہ سے اضطراب لحیہ ہوتا تھا، کیونکہ ان کی روایت میں ہے، ویسمعنا الآیة احیانا یعنی تعلیما ایسا کرتے تھے اس لئے میں کہتا ہوں کہ آمین میں بھی رفع صوت تعلیما احیانا تھا، اور یہاں جو غرض ہے، یعنی رفع البصر الی الامام وہ اس طرح ثابت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی طرف نظر اٹھائی جب ہی تو اضطراب لحیہ کو دیکھا۔

باب الالتفات فی الصلوٰۃ و باب ھل یلتفت لأمرینزل به الخ

خلاصہ یہ ہے کہ التفات فی حد ذاتہ تو مکروہ ہے اگر ضرورت ہو تو باب ثانی سے استثناء فرمالیا، التفات کی مختلف قسمیں ہیں ایک التفات قلبی ہوتا ہے، کہ قلب دوسری طرف متوجہ ہو جائے، اس التفات کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی، لیکن یہ اعراض عن حضور اللّٰہ شمار ہوگا۔ اور اکمال صلوٰۃ کے منافی ہوگا۔ دوسرے یہ کہ گوشہ چشم سے دیکھے، یہ اول سے اخف ہے، تیسرا یہ کہ گردن پھرا کر دیکھے یہ اختلاس شیطان ہے اور اس میں اول سے اشد کراہت ہے، اور چوتھے یہ کہ تولی صدر کے ساتھ دیکھے یہ مفسد صلوٰۃ ہے، لفوات الاستقبال ۔ اور اصل بات یہ ہے کہ کسی طرف التفات نہ ہو نہ قلب سے نہ جوارح سے بلکہ استقبال کامل الی اللہ ہو۔ (۱)

باب وجوب القرأة للامام الخ

یہ ایک طویل باب ہے اور اگر میں یوں کہوں کہ یہ بمنزلہ کتاب کے ہے، تو صحیح ہوگا اس لئے کہ قرأت میں کئی مسئلے مختلف فیہ ہیں، لہٰذا میرے خیال میں ایک کل باب بمنزلہ کتاب کے باندھ دیا۔ مسئلہ قرأت میں بائیس اختلافات ہیں۔

ان اختلافات کی وجہ سے ایک کلی باب باندھا فی الصلوٰۃ کلھا سے امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ پر رد فرمایا اس لئے کہ وہ جہری میں تو قرائت کے قائل ہیں سری میں نہیں بلکہ جب ان سے کہا گیا تو کہنے لگے کہ خاموش منہ نوچ لوں گا۔ کیا حضور ﷺ ہم سے چھپاویں گے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں پر ساری نمازوں میں قرائت واجب ہونی ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں، یہ امام بخاری کا مذہب ہے مأموم پر تو ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی قراءت واجب نہیں ہے، سوائے امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک کے کہ وہ ایک قول میں وجوب فاتحہ کے قائل ہیں اور اس قول کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں تصریح ہے کہ اگر امام جلدی سے رکوع میں چلا گیا اور اگر مقتدی قرأت فاتحہ میں مشغول ہوتا ہے تو فوات رکوع کا اندیشہ ہے، یا مقتدی کو کوئی عذر پیش آ جائے مثلاً اتنا معذور ہے کہ

---

(۱) باب الالتفات فی الصلوٰۃ الخ باب کی روایت میں وارد ہوا ہے شغلنی اعلام ھذہ حضور ﷺ سے اس قسم کے جتنے افعال منقول ہیں وہ ہمارے لئے خلاف اولیٰ ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کے لئے اس میں ثواب ہے کیونکہ اس طرح سے حضور ﷺ نے تعلیم فعلی کی ہے اور بلغ ما انزل الیه کی تکمیل کی ہے جیسے حضور اکرم ﷺ کا موطا میں ارشاد ہے انی لا انسی ولکن انسی اور اس طرح جن افعال کا صدور نبوت کی شان کے منافی تھا ان کا صدور صحابہ سے کرایا گیا جیسے زنا وغیرہ ان امور کے لئے صحابہ نے اپنے آپ کو تکوینی طور پر پیش کیا، لہٰذا ہمیں ان صحابہ کے متعلق ذرا سا شبہ کرنا بالکل غیر مناسب اور حکما ناجائز ہے۔ (ن)

سجدہ سے اٹھ کر امام کے ساتھ قیام میں شریک ہونا چاہ رہا تھا اتنے میں امام نے رکوع کر دیا تو شافعیہ باوجود اس وجوب کے قول کے فرماتے ہیں کہ قراءت چھوڑ کر رکوع میں چلا جائے امام ابوحنیفہ امام مالک وامام احمد کے کسی قول میں واجب نہیں، اب کیا ہے؟ احناف کے یہاں خلاف اولیٰ ہے اور مالکیہ کے یہاں سری میں اولیٰ ہے، حنابلہ بھی یہ ہی کہتے ہیں مگر یوں کہتے ہیں کہ اگر جہری میں اتنا دور ہو کہ امام کی آواز نہ آتی ہو تو پڑھنا اولیٰ ہے۔ فی الحضر والسفر الخ ابواب الرکوع تک سارے ابواب اس باب کی مثالیں اور توضیحات ہیں، لہٰذا اب یہ اشکال نہ ہوگا کہ جہر فی المغرب کا باب کیوں باندھا؟ لا صلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب سے استدلال کیا گیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ اولا تو روایت مضطرب ہے کما فی ابوداؤد اور اگر مان لیں تو یہ ہم پر وارد نہیں، اس لئے کہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ لہٰذا وہ قاری فاتحہ رہا۔ پھر اس روایت میں بعض اسانید میں وماز اد بھی ہے، اور وماز اد کے ضم کی فرضیت کا کوئی بھی قائل نہیں، شکی اھل الکوفۃ سعدا یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ان کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، کسی کو ان سے عناد ہوا اس نے دار الخلافہ میں حضرت عمر کے یہاں جمیع اہل کوفہ کی طرف سے شکایت لکھ بھیجی حضرت عمر کے یہاں خبر پہنچی اور انہوں نے فوراً حضرت سعد کو معزولی کا حکم بھیج دیا اور ان کی جگہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامل بنا کر بھیج دیا اور حضرت سعد کو طلب کر لیا، فقال یا ابا اسحٰق یہ حضرت سعد کی کنیت ہے۔ ما اخرم ای ما انقص فارکد، ای، فاطول. قال ذاک الظن. حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ یہ اہل کوفہ تمہاری شکایت کر رہے ہیں، کہ تم اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو ان کو حضور اکرم ﷺ کی نماز پڑھاتا ہوں، جیسے حضور پڑھا کرتے تھے، اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، اولین میں قرات طویل کرتا ہوں اور اخیرین میں اختصار کرتا ہوں حضرت عمر نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ ذاک الظن بک یعنی تمہارے ساتھ یہی گمان کرتا ہوں تم ایسا ہی کرتے ہوگے، اور بات یہی ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، اجل صحابہ میں سے ہیں۔

یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر نے منہ پر تعریف کی، حالانکہ منہ پر تعریف کرنے کی ممانعت وارد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ خیال تھا کہ حضرت سعد ناراض ہو گئے ہوں گے، لہٰذا حضرت عمر نے اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ایسا فرمایا، فارسل معہ رجلا او رجلا الی الکوفۃ فسالہ الخ اب حضرت عمر نے تحقیق واقعہ کے لئے حضرت سعد کے ساتھ آدمی بھیجے کہ جا کر معلوم کریں کہ آخر بات کیا ہے؟ وہاں جا کر انہوں نے حضرت سعد کے متعلق پوچھا اور کوئی مسجد نہیں چھوڑی جہاں انہوں نے تحقیق نہ کی ہو، اس واسطے کہ حضرت سعد امیر تھے، جمعہ کے دن لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہی ہیں، ان کو حال معلوم ہوتا ہے، اور پہلے ایک ہی جگہ جمعہ ہوا کرتا تھا، اس زمانہ کی طرح نہیں کہ جہاں چاہے جمعہ قائم کر دیا، وہ لوگ حضرت سعد کی تعریف کرتے تھے، تحقیق کرتے کرتے مسجد بنی عبس پہنچے وہاں بھی دریافت کیا تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور ان سے کہا کہ جب تم قسم دلا کر پوچھتے ہو تو پھر سنو اللہ کے نام کی عظمت کی وجہ سے کہتا ہوں کہ ان سعدا کان لا یسیر بالسریۃ کہ سعد جہاد کرنے نہیں جاتے اور اپنی جان بچاتے ہیں، ڈرتے ہیں، ولا یقسم بالسویۃ اور برابر تقسیم نہیں کرتے اپنوں کو ترجیح دیتے ہیں، ولا یعدل فی القضیۃ اور مقدمات میں انصاف نہیں کرتے، قال سعد اما ان اللہ لا دعون بثلث، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس نے مجھ پر تین الزام لگائے ہیں، اور میں ان کے مقابل میں اس کے لئے تین بددعائیں کرتا ہوں اور پھر تین بددعائیں دیں اور فرمایا۔ اللّٰھم ان کان عبدک کاذبا قام ریاء وسمعتہ فاطل عمرہ. اے اللہ! اگر یہ

تیرا بندہ جھوٹا ہو اور محض ریا اور یہ سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہے کہ میں نے تو حق بات سعد کے مقابل میں بھی کہہ دی تو اس کی عمر طویل کردے اور اس کا فقر بڑھادے اور اس کو فتنوں سے دو چار کر۔ حضرت سعد کی بددعا قبول ہوئی اور اس شخص کی سخت بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں جھک گئی تھیں، فقر کی وجہ سے مانگتا پھرتا تھا اور راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا، اور پھر ذلیل ہوا کرتا تھا۔ یہ تعریض بالفتن ہوگیا اور چونکہ حضرت سعد نے اپنی دعا کو ایک شرط کے ساتھ معلق کیا تھا وہ یہ کہ اگر قائل کاذب ہو تو ایسا فرما اور دعا قبول ہوگئی تو معلوم ہوا کہ وہ شخص کاذب تھا، اور اس نے غلط الزام لگایا تھا، اس کے بعد جب اس کا یہ حال ہوگیا، تو جب لوگ دریافت کرتے تو کہتا کہ حضرت سعد کی بددعا لگ گئی۔

بچو! یہ بات یاد رکھو کہ اہل اللہ کے قلوب کو اپنی طرف سے مکدر نہ ہونے دو، ان کی طبیعت کو تمہاری طرف سے کوئی ملال نہ ہونے پائے ورنہ اس کا اثر ایک نہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کا جب انتقال ہوگیا تو بہت سے لوگ تعزیت کو آئے، ان میں ایک صاحب ایسے بھی آئے، جن کو کشف قبور ہوا کرتا تھا، انہوں نے میرے والد صاحب کی طرف سے بہت سے پیغامات پہنچائے، ان میں ایک یہ بھی تھا، کہ اس سے کہدو کہ بزرگوں کا دل اپنی طرف سے برا نہ ہونے دے اسلئے کہ دنیا میں ان کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے، میں نے کئی سال بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے پوچھا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ بزرگوں کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے، آخر اسکا کیا مطلب ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ناحق کو ترجیح دیں گے، انہوں نے فرمایا کہ ناحق کو تو کبھی ترجیح دیتے ہوتا وہی ہے جو حق ہوتا ہے، خواہ کتنا ہی بڑا بزرگ ہو مگر بات یہ ہے کہ ان اہل اللہ کو جو بھی تکدر ہو جاتا ہے اسکا اثر ہو کر رہتا ہے چاہے جب بھی ہو ان کے قلب کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اسکا کسی نہ کسی دن اثر ظاہر ہوتا ہے۔ (۱)

---

(۱) باب وجوب القراءة للامام والماموم: جس شخص نے مجلس میں کھڑے ہو کر حضرت سعد کی شکایت کی اسکا نام اسامہ بن قتادہ تھا اس نے تین شکایتیں کیں جسکے بدلے میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکو بھی تین بددعائیں دیں، اول اس نے شکایت کی کہ خود جہاد میں نہیں جاتے گویا موت کی خوف سے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اس کے بدلہ انہوں نے دعا دی کہ اطل عمرہ یعنی اسکی شکایت کا ماحصل یہ ہے کہ میں طویل عمر چاہتا ہوں اور موت کے خوف سے نہیں نکلتا۔

اے اللہ! مجھے تو طویل عمر کی ضرورت نہیں، البتہ اس کو ضرور عطا فرمادے۔ دوسری شکایت یہ تھی کہ برابری سے تقسیم نہیں کرتے جس کا حاصل یہ ہے کہ فقر کا مجھے خوف ہے اس لئے میں تھوڑا تھوڑا بے انصافی سے دیتا ہوں، اس پر انہوں نے بددعا کی کہ اطل فقرہ کہ مجھے تو طول فقر نہیں چاہئے البتہ اس کو ضرور عطا کردے، تیسری شکایت تھی کہ معاملات کے اندر بے انصافی کرتے ہیں گویا فتنہ پھیلاتا ہوں، اس کے بدلہ میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وعرضہ بالفتن کہ اس کو فتنوں میں مبتلا کردے، چنانچہ یہ سب بددعائیں اس کو لگیں، حدثنا علی بن عبداللہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی اسی بناء پر شوافع کے نزدیک قرأت فاتحہ نماز کے اندر فرض ہے یہی مالکیہ کا مذہب اور حنابلہ کی ایک روایت ہے، دوسری احناف کے موافق ہے، کہ مطلق قرأت فرض ہے خاص طور سے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے ہماری دلیل حدیث المسی ہے، جس کے اندر فاقرا ماتیسر منک من القرآن الخ اس سے معلوم ہوا کہ مطلق قرأت واجب ہے، البتہ اس حدیث کی بناء پر فاتحہ کی قرأت وجوب کے درجہ میں ہوگی۔

حدثنا محمد بن بشار الخ: یہ حدیث المسی کہلاتی ہے اس کے متعلق ایک لطیفہ سنو! وہ یہ کہ یہ روایت تنقیدات دارقطنی میں سے ہے، مگر سب ائمہ نے اس سے بہت مسائل کے اندر استنباط فرمایا چنانچہ علامہ شعرانی کے بھائی مولانا فضل اللہ صاحب نے اس حدیث سے سینتالیس ہزار نو سو ستتر (۴۷۹۷۷) مسائل مستنبط فرمائے ہیں، ایک اہم بات سنو! قرأت فاتحہ احناف کے نزدیک واجب ہے یہ بات مشہور ہے کہ واجب صرف احناف ہی کے یہاں ہے کسی اور امام کے یہاں نہیں ہے یہ بات صحیح نہیں کیونکہ نفس واجب تو سب کے ہی یہاں ہے، البتہ اس کا نام (واجب) احناف ہی کے یہاں ہے دوسرے ائمہ اس واجب کو دوسرے اسماء سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے احناف کے نزدیک نماز مستحب، سنت، واجب اور فرض سے مرکب ہے، اسی طرح حنابلہ کے نزدیک مستحب، سنت، فرض غیر قطعی اور فرض قطعی سے مرکب ہے، اور شوافع کے یہاں آداب سنت ابعاد اور فرض یہ نماز کے اصل اجزاء شمار کئے جاتے ہیں اور مالکیہ کے نزدیک نماز مندوب سنت غیر موکدہ اور فرض سے مرکب ہے تو گویا تمام ائمہ کے نزدیک نماز کے چار ہی اجزاء ہوئے اور یہ تمہیں معلوم ہے کہ احناف کے نزدیک واجب اور حنابلہ کے یہاں فرض غیر قطعی، شوافع کے یہاں ابعاد اور امام مالک کے نزدیک سنت مؤکدہ کے چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، لہٰذا ایک شی ایک ہی ہوئی، البتہ تعبیر میں فرق ہو گیا کہ احناف نے اس کو واجب سے تعبیر کردیا جیسا کہ شوافع نے اس کو ابعاد سے تعبیر کردیا ہے۔ (کذافی تقریرین)

باب القراءة فی الظهر

میں باب وجوب القراءة علی الامام والماموم میں بتلا چکا ہوں، کہ اصل تو یہ باب ہے، اور اس کے بعد جتنے ابواب، ابواب الرکوع تک آرہے ہیں سب اسکی تفصیل وتمثیل ہیں لہذا اب ہر جگہ اس بات کی تلاش کی ضرورت نہ ہوگی کہ امام بخاری کی یہاں کیا غرض ہے گوکہیں فائدہ جدیدہ بھی حاصل ہو جائے جیسے یہاں ایک فائدہ جدیدہ یہ حاصل ہوا کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک سری صلوات میں قرأت واجب نہیں توان پر اس سے رد ہوگیا کہ ظہر کے اندر قرأت ہے۔

کنت اصلی بهم صلوة رسول الله ﷺ الخ:

یہ وہی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ان کی روایت میں **صلوتی العشاء** اور **مصلوتی العشی** دوطرح کے الفاظ وارد ہیں اگر **صلوة العشاء** ہوتو مغرب اور عشاء مراد ہوگی اور اگر **العشی** ہوتو **صلوتين** سے ظہر وعصر مراد ہوگی اور اس میں لامحالہ ایک صحیح ہے اور ایک وہم ہے لہذا معلوم ہوگیا کہ بخاری میں ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ موافق واقعہ بھی ہو، اب یہاں متن میں **صلوتی العشاء** جو ہے وہ نہیں ہوسکتا اسلئے کہ امام بخاری کا ترجمہ ثابت نہ ہوگا بلکہ جو حاشیہ کا نسخہ ہے یعنی **احدی صلوتی العشی** یہ ہونا چاہئے، **يطول فی الاولی و يقصر فی الثانية** ۔یہ مسئلہ آگے آرہا ہے **باضطراب لحيته** میں نے پہلے بھی کہا تھا، کہ محض اس سے اس بات پر استدلال تام نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ قرأت فرماتے تھے، یہ تو ضرور معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ کچھ پڑھتے تھے، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ یوں ہی منہ کو نہیں ہلاتے تھے لیکن کیا پڑھتے تھے قرأت کرتے تھے اس پر کوئی دلیل نہیں، ممکن ہے دعا پڑھتے رہے ہوں لہذا اسکے ساتھ ایک اور بات لگانی پڑے گی، جو دوسری حدیث میں آرہی ہے **وکان يسمعنا الاية احيانا** ۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ قرأت فرمایا کرتے تھے، اور اسماع آیت تعلیما ہوا کرتا تھا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ کہیں تعلیما آمین بھی زور سے ہوجاتی تھی۔ (۱)

باب القراءة فی العصر

اس کی غرض وہی ہے جو باب سابق کی غرض ہے۔

باب القراءة فی المغرب

شراح نے امام بخاری پر اشکال کیا ہے کہ مغرب میں تو قرأت ہے ہی جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، پھر باب کیوں باندھا؟ بعض علماء نے جوب دیا ہے کہ نوعیت قرات بیان کرنے کے لئے باب باندھا ہے کہ ظہر اور عصر کی قرأت کی نوعیت اور ہے اور عشاء اور مغرب کی نوعیت اور ہے مگر میرے نزدیک یہ ہے کہ امام بخاری کے یہ ابواب، ابواب الرکوع تک **باب وجوب القراءة علی الامام والماموم** کی تفاصیل ہیں، اور گرانہوں نے یہاں یہ جواب دے دیا کہ نوعیت قرات بیان کرنی ہے تو **جهر بالمغرب**

---

(۱) **باب القراة فی الظهر** : اس باب کی حدیث میں وارد ہوا ہے **يطول فی الرکعة الاولی** .اسکے متعلق مستقل باب بھی آرہا ہے اس کے اندر اختلاف ہے کہ دونوں رکعتیں برابر ہوں گی یا کچھ فرق ہوگا، امام احمد اور امام محمد کے نزدیک ہر نماز کی پہلی رکعت دوسری سے طویل ہوگی، امام صاحب، امام ابو یوسف کے نزدیک صرف صبح کی نماز کے اندر پہلی رکعت سے طویل ہوگی، امام شافعی کے نزدیک کسی نماز کے اندر بھی یہ حکم نہیں ہے بلکہ سب برابر ہیں۔ (ن)

جھر بالعشاء میں کیا کہیں گے؟

انها لاخر ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بها في المغرب:

یعنی یہ سورۂ والمرسلات آخری سورت ہے۔ جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب میں پڑھتے ہوئے سنا مگر اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ حضور ﷺ کی یہ آخری نماز ہو۔ اور پھر نبی اکرم ﷺ نے اسکے بعد کوئی نماز نہ پڑھی ہو کیونکہ ممکن ہے بہت پہلے سنی ہو اور پھر دوبارہ سننے کا موقعہ نہیں ملا لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ اس روایت کے بعض طرق میں اخیر میں ماصلى لنا بعد بھی آیا ہے، اسکا تقاضا یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی آخری نماز ہے لہذا اب دو اشکال ہو گئے اول تو یہ کہ پھر حضور ﷺ کی آخری مغرب میں گویا سورۂ والمرسلات پڑھی گئی۔ حالانکہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مغرب میں قصار مفصل پڑھنا اولیٰ ہے، اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ محقق قول علماء کا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی آخری نماز فجر کی نماز ہے جو دوشنبہ کے دن پڑھی گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں تو آخری نماز جو حضور اقدس ﷺ نے پڑھائی وہ جمعرات کی شام کو مغرب کی نماز ہے اور اس کے بعد عشاء سے لیکر دوشنبہ کی صبح تک سترہ نمازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائیں اور میری تحقیق کے موافق سترہ غلطی ہیں ورنہ ظہر کی نماز شنبہ کے دن حضور ﷺ نے پڑھائی ہے جسمیں يهادى بين رجلين تخط رجلاه الارض ہے، وہ دلیل ہے تو ممکن ہے کہ مغرب سے مراد اخیر مغرب ہو جو حضور ﷺ نے پڑھائی مگر پھر مجھ پر اشکال یہ ہے کہ میری تحقیق کے موافق شنبہ کے دن ظہر کی نماز حضور ﷺ نے پڑھائی کما قلت سابقا تو پھر ماصلى لنا بعد درست نہیں ہوتا اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ اپنے اعتبار سے فرمایا ظہر کی نماز میں وہ حاضر نہیں ہوئیں، یا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد جہرا نہیں پڑھائیں، اور تیسرا جواب جس کی طرف حافظ مائل ہیں وہ یہ ہے کہ آخری نماز نبی اکرم ﷺ نے اپنے حجرہ میں مغرب کی نماز پڑھائی وہ مراد ہے، اس میں حضرت ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حاضر تھیں۔

اب دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہ جمہور کے متفق علیہ قول کے خلاف ہو جاتا ہے کیونکہ وہ استحباب قصار في المغرب کے قائل ہیں امام ابوداؤد نے سمعت النبي ﷺ يقرا بطولى الطوليين نقل فرما کر عروہ کے اثر سے اس کے نسخ پر استدلال کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ کیا ضروری ہے کہ پوری پڑھتے تھے، کچھ حصہ پڑھتے ہوں۔ (۱)

---

(۱) باب القراة في المغرب : علماء نے قرآن پاک کی سورتوں کی تقسیم اس طرح فرمائی ہے کہ اول سبع طول اس کے اندر سورۂ اعراف تک سورۂ بقرہ سے لیکر چھ سورتیں ہوتی ہیں ساتویں سورت کے اندر اختلاف ہے کہ وہ کون سی سورت ہے بعض نے سورۂ فاتحہ کو بتلایا کیونکہ وہ اگرچہ چھوٹی سی سورت ہے لیکن ام القرآن ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ سورۂ انفال و برائت ملا کر سات سورتیں ہوتی ہیں اس کے بعد گیارہ سورتیں ہوتی ہیں سورتیں مئین کہلاتی ہیں اس کے بعد بیس سورتیں مثانی کہلاتی ہیں اور پھر اخیر قرآن تک تمام سورتیں مفصل کہلاتی ہیں، اب یہ کہ ان کی ابتداء کہاں سے ہے اس کے اندر اختلاف ہے شوافع کے نزدیک انا فتحنا سے ہے اور احناف کے نزدیک سورۂ حجرات سے اس کی ابتدا ہے پھر مفصل کی تین قسمیں ہیں، طوال مفصل، اوساط مفصل، قصار مفصل۔ شوافع کے نزدیک طوال مفصل سورۂ انا فتحنا سے لے کر سورۂ عبس تک اور ہمارے نزدیک سورۂ حجرات سے لیکر سورۂ بروج تک ہے، اور اوساط مفصل کی انتہاء شوافع کے نزدیک والضحیٰ تک ہے۔

اور ہمارے نزدیک اذا زلزلت الارض تک ہے، اور پھر اخیر تک قصار مفصل ہے اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صبح کی نماز کے اندر طوال مفصل کا پڑھنا اولیٰ اور مستحب ہے، اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا اولیٰ ہے، اور بقیہ کے اندر اوساط مفصل پڑھے۔ (كذا في تقرير مولوى سلمان)

باب القراء ة فی العشاء بالسجدة

چونکہ مالکیہ کے نزدیک اس سورت کا پڑھنا جس میں سجدۂ تلاوت ہو، فرائض کے اندر مکروہ ہے۔ اس لئے کہ عام لوگوں کو اشتباہ ہوگا، اس لئے خاص طور سے اس کے اثبات کیلئے باب باندھا۔

باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین

یہ اجماعی مسئلہ ہے اولیین اس لئے طویل ہونگی کہ اسمیں ضم سورۃ ہے، اور اخریین میں ضم سورۃ نہیں ہے۔

باب القراء ة فی الفجر

وقالت ام سلمه رضی اللّٰه عنها قرأ النبی ﷺ بالطور:

یہ کتاب الحج کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، اور پہلے پوری روایت بھی گذر چکی، میری رائے میں یہ چودہ ذی الحجہ کی صبح کی نماز کا واقعہ ہے، حضور اقدس ﷺ جب حج سے فارغ ہوگئے تو رات ہی میں مکہ میں طواف وداع کرنے آئے اور چودہ ذی الحجہ کی صبح کو کعبہ کے پاس صبح کی نماز پڑھی اور اس میں سورۂ والطور پڑھی اور پھر طواف وداع کیا اور فراغت کے بعد مدینہ منورہ رخصت ہوئے، **یقول فی کل صلوة یقرأ** یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رد کرنے کیلئے فرمایا۔

باب الجهر بقراء ة صلوة الفجر

طفت وراء الناس یہ وہی صلوۃ الفجر (بمکۃ) عند طواف الوداع والا واقعہ ہے **عامدین الی سوق یا ضمه عکاظ** حضور اقدس ﷺ جب پیدا ہوئے تو جنات کا آسمان پر جانا بند کر دیا گیا، اور اگر کوئی جاتا بھی تو اس کو شہاب مارتے تو دوڑتا، جنات یہ دیکھ کر سخت پریشان ہوئے اور یہ سوچا کہ آسمان پر تو جانے سے رہے اب اطراف عالم میں پھر کر معلوم کرنا چاہئے کہ کیا بات ایسی پیش آئی جس سے ہمارا آسمانوں پر جانا بند ہوگیا۔ وہ اسی تلاش میں پھرتے رہتے تھے کہ اچانک ایک دن حضور اقدس ﷺ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں جاتے ہوئے آپ ﷺ نے بطن نخلہ میں جو مکہ کے قریب ایک مقام ہے۔ جہاں نخیل کے باغات تھے نماز پڑھی، آپ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ وہ جنات جو تحقیق کیلئے نکلے تھے آپہنچے، انہوں نے جب یہ دیکھا تو کہا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمارا آسمانوں پر جانا بند ہوگیا حضور اقدس ﷺ کی دل چیر دینے والی قرأت تھی، اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ کا کلام تھا، وہیں مسلمان ہوگئے، اور یہ ہی سب سے پہلا گروہ جنات کا ہے، جو مسلمان ہوا پھر یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے کہا کہ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَباً یَّهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَدًا جب یہ قصہ ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن پاک میں اس طرح بیان فرمایا، قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ الآیہ، یہاں ایک چیستان (پہیلی) یہ ہے کہ وہ حدیث بتلاؤ جس کو محدثین نے اپنے اساتذہ سے سنا اور انہوں نے اپنے اساتذہ سے یہاں تک کہ وہ حدیث صحابہ کرام سے سنی گئی۔ اور پھر صحابہ نے حضور اکرم ﷺ سے سنی اور حضور اقدس ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اور پھر اللہ نے اپنے بندوں سے سنی وہ یہ ہی حدیث ہے۔

باب الجمع بین السورتین فی رکعة الخ

امام بخاری نے یہاں ابواب القرأۃ کی مختلف فروع وجزئیات کو جمع فرمادیا اس لئے کہ حضرۃ الامام کے نزدیک ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اور دوسروں کے یہاں اختلاف ہے۔

تماۃ بالخواتیم :

یعنی سورتوں کی آخری آیات کو پڑھنا مثلا ایک رکعت میں سورۂ جمعہ کا آخری رکوع اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون کا آخری رکوع پڑھے یہ ائمہ کے یہاں جائز تو ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اس لئے کہ اولیٰ تو طوال الی القصار علی التفصیل ہے۔

وبسورۃ قبل سورۃ:

مثلا یہاں پہلی رکعت میں قل ھو اللہ احد اور دوسری رکعت میں تبت یدا ابی لھب وتب پڑھے۔ائمہ کے یہاں یہ مکروہ ہے، اور امام بخاری نے جو استدلال کیا ہے، وہ ترتیب عثانی سے پہلے کا واقعہ ہے، اب چونکہ ترتیب عثانی پر اجماع ہوگیا اس لئے اس کے خلاف مکروہ ہے۔

وباول سورۃ :

یہاں بھی وہی ہے۔

حتی اذاجاء ذکر موسیٰ وھارون وذکر عیسیٰ:

سورۂ مومنون کے آخر میں یہ ذکر ہے۔

حبک ایاھا اوادخلک الجنة:

لیکن اس سے اس کا استحباب یا جواز کہاں لازم آیا؟

ھذا کھذا الشعر :

ھذا کے معنی ہیں قطع کرنا، اس جملہ کا مطلب شراح کے نزدیک یہ ہے کہ شعر کی طرح سے جلدی جلدی پڑھ ڈالا، اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ اشعار تو خوب الحان سے پڑھے جاتے ہیں، اس کا جواب ان لوگوں نے یہ دیا کہ عرب میں جلدی جلدی اشعار پڑھتے تھے، لیکن میرے نزدیک اس کا اگر یہ مطلب ہوتا تو اچھا تھا کہ شعر یعنی بال کاٹنے کی طرح سے جلدی جلدی کچ کچ کر ڈالا مگر مجھ کو کہیں اس کی تائید نہیں ملی۔

باب یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب

تقریبا اجماعی مسئلہ ہے اور تقریبا کا مطلب یہ ہے کہ امام شافعی کی ایک روایت میں ضم سورت بھی ہے اور بقیہ ائمہ کے یہاں نہیں

توامام بخاری نے اس باب سے امام شافعی کے اس قول پر رد فرمادیا۔

باب اذااسمع الامام الخ

یعنی لایفسدوان کان تعلیما فبالاولی وان کان آیتین .

باب یطول فی الرکعة الاولی

وهو مذهب احمد ومحمد رحمهماالله تعالی واما الحنفیة فقالو ا باطالة اولی الفجر فقط . اعانة للناس علی ادراک الجماعة ، واختلف عن الشافعی فقیل یطول فی اولیٰ کل فی صلوة ومذهبه الصحیح مساوات الاولیین وغرض الامام اثبات الاطالة فی الکل . قال الجمهور وهو محمول علی الاطالة بالثنا ء والتعوذ والتسمیة،

باب جهر الامام بالتامین

یہ بھی ان معارک الاراء مسائل میں سے ہے، جن کے متعلق میں نے کہا تھا کہ جہلاء نے حد سے زائد بڑھادیا ورنہ جتنا بڑھایا گیا اتنی ان مسائل کی اہمیت نہیں، روایت جہر وسر دونوں طرح کی وارد ہیں، ائمہ نے اپنے اصول کے مطابق ایک کو اصل قرار دیا اور دوسری کو عارض پر محمول کیا، شافعیہ وحنابلہ کے اصول میں یہ ہے کہ وہ اصح کو مقدم کرتے ہیں اسی طرح اس روایت کو جسمیں وسائط کم ہوں، فرجحوا فا وافق اصلهم ، اور مالکیہ کے اصول میں یہ ہے کہ اصل عمل اہل مدینہ ہے، کہ وہی مہبط وحی ہے، اور پھر امام مالک کے اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں کچھ زیادہ بعد نہیں ہے، اور احناف کے اصول میں ایک اصل یہ ہے کہ وہ روایت متعارضہ میں اوفق بالقرآن کو لیتے ہیں، اس لئے کہ روایت میں روایت بالمعنی کا احتمال ہے بخلاف قرآن پاک کے وقال الله تعالی وقوموا لله قانتین فامر بالسکوت والجهر حرکة بمقابلة السر و اتفقو اعلی ان امر الصلوة رجع من الحرکة الی السکون فقلنا روایات الجهروالارتجاج اما منسوخة اومؤولة اما النسخ فلانه لماال امرالصلوة من الحرکة الی السکون کان الجهر محمولا علی الابتداء والسر علی آخر الزمان فیکون الجهر منسوخا اما التاویل فبان یقال انه علیه الصلوة والسلام قدجهر للتعلیم فلایرد روایة اللجة وفی روایة الارتجاج حتی یسمعها من یلیه من الصف الاول ولاینکر الاحناف هذا القدر بل ینبغی الاسرار والاخفاء لان فیه نوعان من التضرع.

یہاں آمین میں بھی مختلف مسائل مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ اسکا حکم کیا ہے اکثر ظاہریہ کی رائے ہے کہ واجب ہے اور اس کے برخلاف فرقہ امامیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ بدعت ہے اور نماز فاسد ہو جائے گی اور ابن حزم ظاہری سے منقول ہے کہ امام کے کے لئے تو مستحب ہے اور مقتدیوں کیلئے فرض ہے، جنہوں نے مطلق وجوب کا قول اختیار کیا ہے، وہ حضرات امنو ا سے استدلال کرتے ہیں، ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ خطاب مقتدیوں کو ہے لہٰذا ان پر تو آمین واجب ہوگی اور امام کے متعلق اذا امن الامام فرمایا ہے لہٰذا اس پر مستحب ہے اور ائمہ اربعہ میں سے حنابلہ کے نزدیک مسنون ہے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں سنت ہے،

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ آمین کون کہے گا، حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مشہور یہ ہے کہ صرف مقتدی کہے، لما جاء فی الحدیث اذا قال الامام و لاالضآلین فقولو آمین فقسم وظیفة الامام و المقتدی بان جعل حظ الامام القول بولا الضآلین وحظ المقتدی التامین اور مالکیہ کے یہاں اذاامن الامام فامنو ا والی حدیث بھی ہے اورانہوں نے حدیث اول کوترجیح دی ہے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ امام مقتدی دونوں کہیں لقوله علیه الصلوة و السلام اذا امن الامام فامنوا.

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ جہرا کہے یا سرا۔ احناف کے یہاں سرا اور حنابلہ کے یہاں جہرا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول قدیم تو حنابلہ کے موافق ہے، اور قول جدید حنفیہ کے۔ اور مالکیہ کے یہاں بھی دونوں روایات ہیں، تو اصل اختلاف حنفیہ وحنابلہ میں ہے اب یہاں ایک بات سنو! وہ یہ کہ ہمارے یہاں تو قاعدہ یہ ہے کہ اگر امام سے دوقول مروی ہوں تو جو آخری ہوگا وہ لیا جائے گا۔ اور وہی راجح ہوگا۔ اور شوافع کے یہاں جدید وقدیم دونوں برابر ہیں۔ اور اس میں اصحاب الترجیح جسکو ترجیح دیں گے، وہ راجح ہوگا۔ یہاں پرآ کر شوافع کے یہاں بہت اختلاف ہوگیا، کبھی تو وہ یوں کہتے ہیں کہ ماموم کیلئے دوقول ہیں۔ اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ یہ دوقول تو امام کیلئے ہیں۔ اور ماموم تو بالاتفاق تامین بالسر کرے گا۔ لامع میں یہ مضمون دیکھ لیا جائے۔ لاتفتنی بآمین ، چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحہ پڑھتے تھے، اس لئے اگر امام جلدی جلدی پڑھ لیتا تو یہ رہ جاتے اور امام کے ساتھ آمین نہ کہہ سکتے اس لئے یہ فرمایا، وسمعت منه فی ذلک خیرا . خیر بالیاء المثناة التحتانية اور بالموحد ة التحتية ۔ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، اگر اول ہو تو مطلب یہ ہے کہ اس کی فضیلت سنی اور اگر ثانی ہو تو مطلب یہ ہے کہ حدیث مرفوع سنی۔

باب فضل التامين

تمہیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ امام بخاری کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جو روایت انکی شرط کے مطابق نہ ہو وہ بسا اوقات اس پر رد فرماتے ہیں جبکہ وہ ان کے نزدیک صحیح نہ ہو اور بسا اوقات جبکہ اس کا مضمون صحیح ہو تو ترجمہ سے اسکی تائید کرتے ہیں یہاں ابوداؤد وغیرہ میں ایک روایت ہے جس میں یہ ہے کہ آمین طابع ہے، اس کی طرف امام بخاری نے اشارہ فرما کر تائید فرمادی۔

باب جهر الماموم بالتامين

مذہب تو معلوم ہو چکا کہ ہمارے یہاں سر ہے، اور حنابلہ کے یہاں جہر ہے، اور شافعیہ کے ہاں اختلاف ہے اور مالکیہ کے یہاں راجح سر ہے، اب یہاں اشکال یہ ہے کہ ترجمہ روایت سے ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ روایت میں کہیں بھی جہر ماموم کا ذکر نہیں ہے، بعض علماء نے جواب دیا ہے، اور یہ اسہل ہے کہ ترجمہ شارحہ ہے اور شارحہ ہونیکا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری بتلاتے ہیں کہ روایت میں جو آمین مقتدی کا امر وارد ہوا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ جہر کے ساتھ کہے، ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری کا ترجمہ ثابت ہوگیا، سرآنکھوں پر۔ مگر ہم تو ان کی تفسیر کو نہیں مانتے، وہ ہم پر حجت نہیں۔

دوسرا جواب بعض حضرات نے دیا کہ جب قول کا لفظ مطلقا بولا جاتا ہے تو اس سے زور سے ہی بولنا مراد ہوا کرتا ہے، اور اگر آہستہ سے بولنے کے متعلق کہا جائے تو اس کو سر سے مقید کرتے ہیں اور حدیث میں فقولوا آمین وارد ہے، لہٰذا ترجمہ ثابت ہوگیا، ہم کہتے ہیں کہ ہم نے تسلیم کرلیا کہ ترجمہ ثابت ہوگیا، مگر یہ بات کہ جب قول بولا جاوے تو اس سے یہی مراد ہو جو آپ نے کہا ہے مسلم نہیں ہے۔

حدیث میں ہے،اذاقال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنالک الحمد . زور سے تحمید کرنا چاہئے ، ولم یقل بہ الخصم .اسی طرح حدیث پاک میں ہے،اذا رکع قال سبحان ربی العظیم واذا سجد قال سبحان ربی الاعلی ، لہذاتسبیحات کوزور سے کہنا چاہئے ، وھو لیس بقائل بذلک ، ونعیم المجمر ۔بہت سے روات کےاوصاف میں وارد ہےاور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات مسجد میں دھونی دینے کا کام کرتے تھے۔

باب اذارکع دون الصف

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک ترک موقف سے نماز فاسد ہو جاتی ہے،اور بقیہ ائمہ کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی لہذا اگر کوئی وضوکر کے چلا اور امام رکوع میں چلا گیا اب اسے یہ خوف ہو کہ اگر میں صف میں جا کر ملونگا تو میری رکعت چلی جائے گی ،بس اس نے وہیں پیچھے صف سے الگ رکوع کرلیا اور بدون توالی حرکات کے آہستہ آہستہ پھر صف سے جاملا تو اسکی نماز عندالثلاثہ ہوگئی ،مگر ایسا کرنا مکروہ ہوگا اور حنابلہ کے نزدیک نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔اس لئے کہ اس نے اپنا موقف چھوڑ دیا ، جمہور کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ابوبکرہ سے زادک اللہ ولاتعد ۔فرما کر اس فعل سے منع فرمایا ہے،مگر اعادہ صلوۃ کا امر نہیں فرمایا حنابلہ کہتے ہیں کہ آخر حضور اقدس ﷺ نے اس فعل کے کرنے سے منع فرمادیا لہذا اب اگر کرے گا تو کافی نہ ہوگا۔جمہور جواب دیتے ہیں کہ یہ لفظ لاتعد جس طرح مجرد سے ضبط کیا گیا ہے،اسی طرح بعض روایت میں اعادہ سے لاتعد ضبط کیا گیا ہے،لہذا حضور ﷺ نے اعادہ سے منع فرمایا ہے معلوم ہوا کہ نماز ہوگئی ،اعادہ واجب نہیں مگر روایت مشہورہ مجرد سے ہے حضرت امام بخاری نے جمہور کی تائید کی ہے۔

باب اتمام التکبیر فی الرکوع

ابوداود میں ہے، کان النبی ﷺ لایتم التکبیر ۔یعنی جب سجدہ میں جائے اور رکوع سے سر اٹھائے تو حضرت امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا اور یہ اقرب ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ حیا کی وجہ سے جہوری الصوت نہ تھے ،اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جہوری الصوت تھے،اور زمانہ فرقہ پرستی کا ہوگیا تھا،علوی تو حضرت علی کی ہر ایک بات میں اقتداء کرتے تھے ،اور عثمانی حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی اقتداء کرتے اور ان دونوں حضرات کی آوازوں میں جہر وعدم جہر طبعی تھا،مگر ان پارٹی بازوں نے پارٹی بنالی تو حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں جو اموی عمال وامراء تھے،وہ حضرت عثمان کی اقتداء میں یا تو بالکل آہستہ کہتے یا کہتے ہی نہ تھے تو چونکہ اس سنت میں اسکا وہم تھا اسلئے محدثین نے یہ ابواب اتمام التکبیر فی الرکوع وفی السجود کے باندھے تاکہ کہیں تکبیرات بالکل نہ چھوٹ جائیں۔

باب اتمام التکبیر فی السجود

اس کی ایک غرض تو وہ ہے جو پہلے بیان کی گئی اور دوسری غرض اس باب کی خاص یہ ہے، کہ مسئلہ یہ ہے کہ تکبیر صلوۃ پورے انتقال کے ساتھ ہو مطلب یہ ہے کہ انتقالات صلوۃ کی ابتداء سے ان کی انتہاء تک تکبیر حاوی ہونی چاہئے تو چونکہ رکوع میں تو خیر کچھ نہیں سجود میں عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ سجدہ میں پہنچنے سے پہلے ہی تکبیر ختم کردیتے ہیں اور اگر کوئی آگے بڑھا تو رکوع کی حد تک پہنچتے پہنچتے ختم کردیتا

ہے۔ اور کوئی اس سے آگے جاتا ہے تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ پورے انتقال کو حاوی ہونی چاہئے۔

باب التکبیر اذاقام من السجود

یا تو نفس تکبیرات کا اثبات مقصود ہے یا مطلب یہ ہے کہ پورے انتقال کو تکبیر حاوی ہونی چاہئے کما مر ص ۱۱۴ پر باب یکبر اذانھض من السجد تین آرہا ہے تو کہنا یہ ہے کہ یہاں من السجود آیا ہے اور وہاں من السجدتین ہے، اور ظاہر بات ہے کہ نہوض سجد تین ہی سے ہوگا۔ ایک سجدہ سے تو ہوگا نہیں، لہذا دونوں میں کوئی فرق بظاہر نہیں ہوا، اس پر کلام آئندہ کرونگا۔

باب وضع الاکف علی الرکب فی الرکوع

چونکہ تصریح کے ساتھ روایات میں نسخ تطبیق اور وضع الاکف علی الرکب کا امر وارد ہوا ہے اس لئے نہ ائمہ اربعہ میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف ہے اور نہ ظاہریہ کا کوئی اختلاف ہے، مسئلہ مجمع علیہ ہے، البتہ سلف صالحین میں بعض صحابہ جیسے حضرت ابن مسعود اور بعض تابعین کا اختلاف تھا کہ یہ حضرات تطبیق کے قائل تھے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ تشبیک کر کے ان کو رکوع میں بین الفخذ ین رکھے لیکن نسخ صریح کی وجہ سے جماہیر امت اس کے قائل نہیں ہیں۔

باب اذا لم یتم الرکوع

عدم اتمام رکوع وسجود یہ ہے کہ اعتدال نہ کرے، رکوع کی حقیقت جھکنا ہے اور سجود کی حقیقت پیشانی کو زمین پر رکھنا ہے، اب اگر کوئی صرف اتنے ہی پر اکتفاء کرے اور کچھ وقفہ نہ کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اعتدال فی الارکان فرض ہے، اور یہ ہی حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے، اور حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں اول یہ کہ اعتدال واجب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے، وجوب کے قول پر اگر کسی نے ترک کردیا تو تارک واجب ہوگا۔ اور ترک واجب کی وجہ سے اعادہ واجب ہوگا۔ اور بنا بر قول سنیت تارک سنت ہوگا۔ اور اعادہ مسنون ہوگا۔

اب شراح حنفیہ یوں کہتے ہیں کہ چونکہ اختلاف وسیع تھا، اسلئے امام بخاری نے کوئی حکم نہیں لگایا۔ جیسا کہ ان کی عادت ہے، کہ جب اختلاف وسیع ہو تو کوئی حکم نہیں لگاتے ہیں، اور شراح شافعیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ روایت سے واضح تھا کہ کیا مقصود ہے، اسلئے کوئی حکم نہیں لگایا، اسکا جواب یہ ہے کہ جب امام کے اصول میں یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے، تو اب پھر روایت سے ظہور کا کیا مطلب ہے، اگر یہی ہے تو امام کو کہیں بھی حکم نہیں لگانا چاہیئے تھا، بس روایت سے واضح ہوجاتا۔ ماصلیت یوں کہتے ہیں کہ صحابی نے کہا کہ تونے نماز نہیں پڑھی اور صحابی کا قول غیر مدرک بالرائے حکم میں مرفوع کے ہوا کرتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ صرف اتنا ہی دیکھا اور ولو مت مت علی غیر الفطرۃ الخ کو نہیں دیکھا فطرۃ سے مراد سنت ہے جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے تصریح کے ساتھ اور ہم بھی کہتے ہیں، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ تارک سنت ہوگا۔ اور اگر وہ اسی حالت پر مر گیا تو تارک سنت ہو کر مریگا۔

باب استواء الظھر فی الرکوع

یہ باب سابق کا تکملہ ہے، اس باب سے طریقہ اعتدال بتلادیا ہے یہ کہ سر کو اتنا جھکایا جائے کہ ظہر کے برابر ہوجائے۔

باب حد اتمام الرکوع

اب اعتدال کی مقدار بتاتے ہیں کہ مقدار اتمام کیا ہونی چاہئے؟ اور اسمیں حضرت براء کی روایت ذکر فرمائی جو مشہور ہے، بخاری شریف میں کئی جگہ آئے گی۔ قریبا من السواء اس کے تین مطلب ہیں، اول یہ کہ قریب سے قرب تام مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر رکوع ایک منٹ کا تو سجود بھی ایک ہی منٹ کا اور اگر سجود ایک منٹ کا تو مابین السجدتین اور قومہ بھی ایک ہی منٹ کا۔ سوائے قیام وقعود کے اس لئے کہ اس میں برابری ہو ہی نہیں سکتی۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرب سے تناسب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجود قومہ وجلسہ سب مناسب ہوتے یہ نہیں کہ ایک چیز تو ایک گھنٹہ کی اور دوسری چیز ایک منٹ کی۔

اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ مساوات سے مساوات النظیر بالنظیر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت کا رکوع دوسری رکعت کے رکوع کے برابر اور ایک رکعت کا سجدہ دوسری رکعت کے سجدہ کے برابر وعلی ھذا القیاس۔ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ قیام وقعود میں مساوات نہیں ہوسکتی اول دو قیاموں میں فاتحہ اور ضم سورت دونوں ہوتا ہے اور ثانیین میں صرف فاتحہ، اسی طرح اول قعدہ میں صرف تشہد اور ثانی میں درود وغیرہ بھی ساتھ ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے، اور ابوداود میں مسدد اور ابن بشار کی روایت میں بہت گڑبڑ ہے، یہاں اشکال یہ ہے کہ ترجمہ روایت سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ترجمہ حد اتمام رکوع اور روایت میں ایک دوسرے کی مساوات مذکور ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اعتدال بھی ہو، ایک سیکنڈ میں مساوات ہوجائے دونوں ذرا ذرا سی دیر کے ہوں، علامہ سندھی نے اسکا جواب دیا کہ بعض امور کا حکم خارج ہوتا ہے، یہاں بھی ہمیں خارج سے مقدار معلوم ہوگئی، ان روایات سے جنکے اندر تسبیحات رکوع وسجود کا ذکر ہے اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آخر یہ بھی تو ایک حد ہے کہ ایک دوسرے کے مساوی ہوتے تھے،

باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعه با لا عادة

یہ ترجمہ شارحہ ہے اور حدیث جو ذکر فرمائی ہے، وہ فقہاء ومحدثین کے یہاں حدیث المسئی فی الصلوۃ کے نام سے مشہور ہے، میں نے تنبیہ اس لئے کردی کہ کہیں تمہاری نظر پڑے کہ فی حدیث المسی کذا اور تم اس کو نہ سمجھ سکو حالانکہ اس سے فقہاء نے کثرت سے مسائل پر استدلال کیا ہے۔ اور چونکہ حضور اقدس ﷺ نے ارجع فصل فانک لم تصل فرمایا اور اس کی وجہ حدیث میں ذکر نہیں کی گئی۔ تو حضرت امام بخاری نے اس کی وجہ ذکر فرمادی کہ رکوع وسجود پوری طرح ادا نہیں کیا تھا، اس لئے اعادہ کا امر فرمایا۔
ثم اقرأ ماتیسر منک من القرآن۔ حضور اکرم ﷺ نے ماتیسر کے پڑھنے کا امر فرمایا ہے، وعلم منه انه لا تجب الفاتحه لا نه مقام تعلیم ولم یذکر الفاتحة.(۱)

(۱) باب امر النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ چونکہ حضور اقدس ﷺ نے مسیئ الصلوۃ میں اعادہ کے حکم کی وجہ بیان نہیں کی تھی اس لئے اس ترجمہ سے اس وجہ کو بیان کردیا۔

باب الدعاء فی الرکوع

چونکہ حضرت امام مالک کے نزدیک دعا فی الرکوع مکروہ ہے، لہذا یہ باب ان پر رد کرنے کے لئے باندھ دیا، امام بخاری اور جمہور ائمہ کے یہاں جائز ہے مگر خلاف اولی، کیونکہ اولی یہ ہے کہ تسبیحات رکوع پڑھے، اللّٰھم اغفرلی حضور اقدس ﷺ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا کے نزول کے بعد کثرت سے اللّٰھم اغفرلی پڑھتے تھے اور یہ آیت شریفہ اخیر زمانہ میں نازل ہوئی، ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی ابتدائی نعی ہے اور یہیں سے میں نے استنباط کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے نائبین کی طرف رجوع زیادہ ہو تو سمجھو کہ اب وقت قریب ہے اسلئے کہ فتح مکہ کے بعد آیت نازل ہوئی اور اسکے بعد حضور اقدس ﷺ کی طرف رجوع عام ہو گیا تھا،

باب مایقول الامام ومن خلفه اذا رفع راسه الخ

اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک امام فقط سمع الله لمن حمده اور مقتدی فقط ربنا لک الحمد کہے، لقوله علیه الصلوة والسلام اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لک الحمد فقسم وظیفة الامام والماموم. بقیہ ائمہ فرماتے ہیں کہ امام تسبیح تحمید دونوں کے درمیان جمع کریگا اسلئے کہ جب دوسروں کو ترغیب دیتا ہے تو خود ضرور کرنا چاہئے، مالکیہ وحنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں امام کی تحمید ماموم سے موخر ہو جائے گی، وقال علیه الصلوة والسلام انما جعل الامام لیوتم به فهھنا قلب الموضوع اور مقتدی بالاتفاق جمع نہ کرے، مگر حضرت امام شافعی کے احد القولین میں تسمیع کرے گا۔ اور منفرد بالاتفاق جمع کرے گا۔

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ مایقول الامام تو روایت الباب سے ثابت ہوتا ہے مگر مایقول من خلفه یہ جز ثانی ثابت نہیں ہوتا، اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے، انما جعل الامام لیوتم به۔ لہذا امام کی اتباع کرے گا مگر یہ غلط ہے چونکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ تسمیع کرے گا۔ بلکہ اسکا جواب یہ ہے کہ اگلا باب، باب در باب ہے مگر چونکہ روایت سے ایک نئی بات یعنی فضل اللّٰھم ربنا لک الحمد معلوم ہوتا تھا اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کیلئے باب باندھ دیا اور اس روایت میں فقولوا ربنالک الحمد وارد ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ مقتدی تحمید نہیں کریگا اور اللّٰھم ربنا لک الحمد کی فضیلت فان من وافق قوله قول الملائکة سے ثابت ہوگئی۔

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے حاشیہ کا نسخہ باب القنوت ہے اور اسی کو بعض شراح نے ترجیح دی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قنوت کی صرف ایک روایت ہے اور باقی روایتوں میں قنوت کا ذکر ہی نہیں، اور پھر امام بخاری قنوت کو ابواب الوتر میں ذکر کریں گے یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ امام بخاری قنوت فی الفجر کے قائل نہیں چونکہ ابواب الوتر میں تو قنوت کو ذکر کیا ہے مگر ابواب الفجر میں ذکر نہیں کیا، حافظ ابن حجر کے نزدیک رجوع الی الاصل ہے یعنی مایقول الامام والماموم، اور علامہ عینی فرماتے ہیں فضیلت اللّٰھم ربنالک الحمد ہی مقصود ہے مگر چونکہ روایت سے نصا ثابت نہیں ہوتی تھی اسلئے باب باندھ دیا اور میری رائے یہ ہے کہ اذکار دو قسم کے وارد ہیں

معمول بہا اور غیر معمول بہا معمول بہا وہ اذکار ہیں جو نبی کریم ﷺ سے کثرت سے منقول ہیں اور غیر معمول بہا وہ ہیں جو کسی عارض کی وجہ سے فرمایا ہو اب جو معمول بہا ہیں ان کو اولا ذکر فرمایا اور جو معمول بہا نہیں ہیں ان کو اس باب سے ذکر فرمایا مثلاً قنوت وارد تو ہے مگر معمول بہا نہیں،

باب الطمانية حين يرفع راسه من الركوع

یہ باب قومہ کے اعتدال کے بیان میں ہے قام حتی نقول قدنسی۔ اتنا طویل قیام حنابلہ کے یہاں مستحب ہے اور شافعیہ کے یہاں مفصلہ صلوۃ ہے اور حنفیہ و مالکیہ کے یہاں جائز ہے کبھی کبھی حضور ﷺ کو جب خاص تجلی ہوتی تو ایسا ہوا کرتا تھا اور یہی وجہ کہ صحابہ قدنسی کہتے تھے ورنہ اگر عادت شریفہ یہ ہوتی تو پھر قدنسی کہنے کی کیا ضرورت ہوتی کیونکہ وہ تو روز کی عادت ہوئی۔ (۱)

باب يهوى بالتكبير حين يسجد

اشکال (۲) یہ ہے کہ روایت میں یکبر حين يهوى ساجدا ہے لیکن امام بخاری نے ترجمہ میں اسکا عکس کر دیا۔ اسکا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ مقارنت تکبیر للهوى پر تنبہ کرنے کیلئے عکس کر دیا۔ وكان ابن عمر يضع يديه قبل ركبتيه یہاں اشکال یہ ہے کہ یہ ترجمہ ترجمۃ الباب کے مناسب نہیں ہے، اسکا بعض شراح نے تو یہ جواب دیا ہے کہ یہ جز ترجمہ ہے مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ اگر جز ہے، تو روایت سے ثابت ہونا چاہیے حالانکہ ثابت نہیں ہوتا۔ بعض شراح نے دوسرا جواب دیا ہے، کہ کبھی لفظ ترجمہ خاص ہوا کرتا ہے اور اس سے مراد عام ہوتا ہے تو یہاں ترجمہ کے لفظ تو خاص ہیں مگر غرض عام ہے یعنی بیان کیفیت سجود اور وہ عام ہے فعل وقول کو ابن عمر کے اثر سے کیفیت فعلیت ثابت ہوگئی یا یہ کہ اصل تو کیفیت قولی کو ذکر کرنا تھا مگر کیفیت فعلی کو تبعاً ذکر فرمادیا۔

اب یہاں مسئلہ سنو! ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اولاً گھٹنے پھر ہاتھ پھر سر رکھے اور امام مالک کے نزدیک اولاً ہاتھ پھر گھٹنے اور پھر سر رکھے اور انہوں نے حضرت ابن عمر کے اثر سے استدلال فرمایا ہے، جمہور کی دلیل وائل بن حجر کی روایت ہے اس میں وضع ركبتيه قبل يديه وارد ہوا ہے اور وہ مرفوع ہے اور حضرت ابن عمر کا اثر موقوف ہے فيرجح المرفوع على الموقوف، اللهم انج الوليد بن الوليد یہاں پر دو مسئلے ہیں ایک قنوت کا وہ تو باب القنوت میں آئے گا۔ اور دوسری بحث اللهم اجعلها سنين كسني يوسف کی یہ کتاب الاستسقاء میں آئے گی۔ قوله كذا جاء به معمر ان دو سطروں میں بخاری نے تین چیزیں الگ الگ ذکر فرمائی ہیں اول كذا جاء به معمر یہ سفیان کا مقولہ انہوں نے اپنے شاگرد علی بن المدینی سے یوں پوچھا کہ جیسے میں نے بیان کیا اسی طرح معمر نے بھی بیان

---

(۱) باب الطمانية حين يرفع راسه ، امام بخاری نے اس سے پہلے رکوع و سجود میں اطمینان ہونے کو ثابت فرمایا ہے اب اس باب سے قومہ میں اطمینان کو ثابت فرمارہے ہیں۔

(۲) اور ۱۳۸۰ کی تقریر میں ہے یہاں سے سجدہ شروع ہوتا ہے يهوى بالتكبير حين يسجد یعنی جب سجدہ کرے تو تکبیر کہتے ہوئے لیکن روایت کا لفظ يكبر حين يهوى ساجدا بظاہر لفظ الترجمہ کے معارض ہے میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے تکبیر اور ہوی کے لزوم کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ فقہاء فرماتے ہیں، یعنی تکبیر ہوی کیساتھ اور هو تكبير کے ساتھ ہو۔ ۱۲ محمد یونس غفرلہ

کیا علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ ہیں نے جوابا نعم کہا، سفیان نے ابن المدینی سے معمر کالفظ اسلئے معلوم کیا کہ وہ جس طرح سفیان کے شاگرد ہیں معمر کے بھی شاگرد ہیں قال لقد حفظ یہ گویا سفیان نے معمر کی توثیق وتائید کی، دوسری بات کذا قال الذھری ولک الحمد ابن عیینہ نے بطور تنبیہ کے فرمایا کہ میرے استاذ زہری نے یوں ہی کہا تھا اور بعض لوگ ربنا لک الحمد اور بعض اللّٰھم ربنا لک الحمد نقل کردیتے ہیں (یعنی بلا واؤ کے نقل کرتے ہیں اور اللّٰھم کا اضافہ کرتے ہیں تیسری بات حفظت من شقه الایمن سفیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ سے شقہ الایمن ہی ضبط کیا ہے اور جب ہم اپنے استاذ کے پاس سے نکل کر آئے تو میرا ساتھی ابن جریج بجائے من شقه الایمن کے ساقه الایمن نقل کرنے لگا۔ وانا عندہ یا تو ضمیر زہری کی طرف راجع ہے تب تو اسکا مطلب یہ ہے کہ میں زہری کے قریب تھا، اور ابن جریج پیچھے تھے، اور میں نے شقه الایمن سنا اور انہوں نے ساقه الایمن کیسے سن لیا اور یا ضمیر ابن جریج کی طرف راجع ہے تو اس صورت میں اسکا مطلب یہ ہوگا کہ میں ابن جریج کے پاس ہی تھا، یہ بھی نہیں کہ استاذ سے دوبارہ پوچھ لیا ہوگا، تو ساقه الایمن فرمادیا ہوگا۔ بلکہ میرے پاس تھے اور ساقه الایمن کہدیا اور انا عندہ کے قائل سفیان ہیں۔ (۱)

باب یبدی ضبعیه

اس باب پر پہلے صفحہ چھپن (۵۶) پر کلام ہو چکا ہے۔

باب یستقبل باطراف رجلیه

یہ مسئلہ باب فضل استقبال القبلة میں آیا تھا وہاں اشکال یہ تھا کہ ابھی سے قدم کا ذکر کہاں سے آگیا، وقد وجهنا هنالک بتوجیه نفیس۔ لیکن یہاں پر یہ باب اپنی جگہ پر آگیا۔

---

(۱) باب یھوی بالتکبیر الخ، امام بخاری نے اس باب میں ایک روایت ذکر کی ہے، جس کے آخر میں تین جملے وارد ہوئے ہیں انکے مطلب ومعنی میں خلط ہوجاتا ہے، اسلئے اس کے متعلق سنیئے: اول جملہ کذا جاء به معمر قلت نعم۔ اس روایت کو ابن مدینی نے اپنے استاد سفیان سے نقل کیا ہے تو یہاں علی بن مدینی اپنے استاذ کے قول کو نقل کررہے ہیں کہ مجھ سے سفیان نے فرمایا کہ کیا معمر نے بھی اس حدیث کو اسی طرح نقل کیا ہے چونکہ علی بن مدینی سفیان کی طرح معمر کے بھی شاگرد تھے اس لئے پوچھا تھا، قلت نعم یعنی علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے کہا جی ہاں ایسا ہی نقل کیا ہے اس پر سفیان نے فرمایا کہ لقد حفظ یعنی اس کو صحیح یاد ہے دوسرا جملہ ہے کذا قال الزھری ولک الحمد یعنی زہری نے اس روایت میں ولک الحمد یہ پورا جملہ اسی طرح فرمایا تھا، واؤ کی زیادتی کے ساتھ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اصحاب زہری نے بغیر واؤ کے بھی نقل کیا ہے) تیسرا جملہ ہے حفظت من شقه الایمن، سفیان کہہ رہے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ زہری سے شقه الایمن ہی یاد کیا ہے مگر میرے سبق کے ایک ساتھی ابن جریج بھی تھے۔ جب ہم دونوں سبق سے اٹھکر چلے تو ابن جریج نے کہا کہ میرے استاذ زہری نے ساقه الایمن کہا ہے حالانکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ شقه الایمن کہا ہے، اس جملہ کے اندر درمیان میں آیا ہے وانا عندہ یہ ابن جریج کا مقولہ نہیں بلکہ سفیان کا مقولہ ہے اور عندہ کا مرجع زہری ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں زہری کے قریب تھا اور ابن جریج بہت دور تھے تو یہ وہم کہ میں نے غلط سنا ہے یہ بھی ختم ہوگیا کیونکہ میں بہت قریب بیٹھا تھا۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ عندہ کا مرجع ابن جریج ہوں اور مطلب یہ ہوگا کہ میں ابن جریج کے ساتھ رہا ان سے جدا نہیں اور یہ احتمال کہ شاید ابن جریج نے بعد میں زہری سے پوچھ لیا ہو ختم ہوگیا۔

(کذا فی تقریر مولوی سلمان)

باب فضل السجود

امام بخاری نے اجزائے صلوۃ میں صرف سجود کے فضل کا باب باندھا ہے اور اجزاء کا مثلاً رکوع، قیام، قرات جلسہ بین السجدتین کے فضل کا باب نہیں باندھا۔ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سجدہ خارج الصلوۃ بھی مشروع ہے سجدۂ تلاوت تو بالاتفاق اور سجدۂ شکر بالاختلاف۔ بخلاف رکوع وقیام وغیرہ کے لہذا سجدہ کو ایک مزیۃ اوروں پر حاصل ہے لہذا باب فضل سجود باندھا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تم یہ جان چکے ہو کہ امام بخاری ان روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جوان کی شرط کے موافق نہ ہوں۔ اور اس کی تردید کرتے ہیں یا تائید۔ یہاں حضرت امام بخاری نے ابوداؤد شریف کی ایک روایت کی طرف اشارہ فرمایا اور اس کی تائید فرمائی ہے، اور وہ روایت یہ ہے **اقرب مایکون العبد من ربه راکعاوساجدا فاجتهدوا فی الدعاء فقمن ان یستجاب لکم** اور یہی وہ روایت ہے جو عوام کی اس بات کا ماخذ ہے کہ سجدہ میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ اب یہاں ایک اشکال ہے کہ باب کا تقاضہ یہ ہے کہ سجدہ افضل الاجزاء ہے حالانکہ ایک دوسری روایت میں طول قیام کو افضل اجزائے صلوۃ قرار دیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شئی میں کوئی خاص اثر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شئی اس شئی سے جسکے اندر وہ اثر نہیں ہے افضل ہو جیسے اذان سے شیطان بھاگتا ہے، اور نماز میں آجاتا ہے تو اس سے نماز کے مقابلہ میں اذان کا افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں پر سجدہ کی طول قیام پر فضیلت لازم نہیں آتی، اگر سجدہ میں ایک خصوصیت ہے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ جسمیں وہ خصوصیت نہ ہو وہ اس سے مرجوح ومفضول ہو۔ **ھل نری ربنا** ۔اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل جنت کو جنت میں اللہ تعالی کی رویت حاصل ہوگی، صحابہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم جناب باری کو دیکھیں گے، تو انہیں تعجب ہوا کہ بھلا جب اتنے سارے لوگ ہوں گے تو ایک مجمع کثیر اور ایک بڑا جم غفیر اسکو کیسے دیکھ لے گا؟ لہذا انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے استعجابا سوال کیا، اس پر حضور اکرم ﷺ نے بطور مثال کے فرمایا **ھل تمارون فی القمر لیلة البدر لیس دونه سحاب** یعنی کیا تم اس وقت مماراۃ کرتے ہو جب کہ چودھویں کی رات ہو اور بادل وغیرہ نہ ہوں تو کیا تم اس کے دیکھنے میں کوئی جنگ وجدال کرتے ہو یعنی سب ہی لوگ برابر دیکھتے ہیں، اسی طرح وہاں بھی دیکھو گے، چاند کو شب بدر میں سب ہی دیکھتے ہیں گو جس وقت اولا طلوع ہو اس وقت سب نہ دیکھیں مگر تھوڑی دیر بعد سب ہی دیکھتے ہیں۔ تو جب چاند کو سب دیکھتے ہیں، حالانکہ اس کی اللہ تعالی کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ خالق ہے یہ مخلوق تو اللہ تعالی تو بدرجہ اولی دیکھیں جائیں گے، **کذالک یحشر الناس یوم القیامه** ۔ چونکہ آخرت کا ذکر ہو رہا تھا، اسلئے حضور اقدس ﷺ نے اسکے ساتھ ساتھ آخرت کا ایک منظر بھی بیان فرمادیا کہ محشر میں کیا ہوگا۔ **وتبقی ھذه الامة فیھا منافقون** یعنی کفار جتنے ہیں وہ سب کے سب اپنے معبودان باطلہ کے پیچھے پیچھے جہنم میں ڈالدیئے جائیں گے بلاحساب وکتاب اس کے بعد یہ امت اور منافقین رہ جائیں گے حساب وکتاب کے لئے منافقین اس لئے رہ جائیں گے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں مسلمان کہتے تھے، اور اللہ تعالی کی توحید ظاہر کرتے تھے، **فیاتیھم الله عزوجل فیقول انا ربکم** وہ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالی ایک تجلی میں ظاہر ہوں گے تو چونکہ ہر جگہ امتحان ہی امتحان ہے ایک آخری منزل یہ بھی امتحان کی ہے اس لئے امتحان فرمائیں گے، **انا ربکم** میں تمہارا رب ہوں جب لوگ یہ سنیں گے، تو کہیں گے لا یعنی ہرگز نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ سنیں گے تو کہیں **معاذ الله ان تکون ربنا** ۔ ہم تو یہیں رہیں گے، اور جب ہمارے رب آئیں گے، تو ان کو ہم خود پہچان لیں گے،

فیاتیھم اللہ پھر اللہ تعالی دوسری تجلی میں ظاہر ہوں گے کیونکہ اللہ تعالی کی مختلف شئون اور مختلف تجلیات ہیں۔ مثلا تجلی نوری تجلی ظلماتی اللہ تعالی کا ارشاد ہے، کل یوم ھو فی شان اور پھر ارشاد فرمائیں گے، انا ربکم اس مرتبہ مخلوق مان لے گی۔ اور کہیں گے، انت ربنا پہلی بار انکار کرینگے، دوسری بار پہچان لیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اولا تجلی جو ہوگی وہ غیر مانوس ہوگی، اور ثانیا جو تجلی ہوگی۔ وہ عہد الست کی تجلی ہوگی اس لئے پہچان لیں گے، کیونکہ وہ مانوس ہوگی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ تو محال ہے، کہ اللہ تعالی تشریف لائیں۔ اور کوئی نہ پہچانے بلکہ فیاتیھم اللہ کا مطلب یہ ہے کہ فیاتیھم رسول من اللہ اور انا ربکم کا مطلب ہے انا رسول ربکم اور یہ اقامة المضاف الیه مقام المضاف بحذف المضاف کے قبیل سے ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ فرشتے ہی کا کلام ہے مگر یہ نقل ہے اس کلام باری کی جو فرشتہ لے کر آیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ انا ربکم میں ہمزہ استفہام محذوف ہے، اور چونکہ مقام امتحان ہے اس لئے اسطرح کا خطاب ہوگا۔ فاکون اول من یجوز من الرسول بامته، یہ نحن الاخرون السابقون کے قبیل سے ہے، مگر یہاں اشکال یہ ہے کہ اس امت کے آحاد کا افضل ہونا لازم آتا ہے دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر کیونکہ یہ تو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ پل صراط سے پہلے گذر جائیں گے، اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس کے بعد گذریں گے، اور اس اشکال کے دو جواب ہیں، اول یہ کہ یہ ارشاد امم کے متعلق ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام تو اپنی اپنی منازل پر پہلے پہنچ گئے ہونگے، اس کے بعد پھر لوٹ کر آئیں گے، اور اپنی اپنی امت کو لے جائیں گے، تو سب سے اول حضور اقدس ﷺ اپنی امت کو لینے کے لئے تشریف لائیں گے اس کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام آئیں گے، اور اپنی امم کو لیکر جائیں گے،

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ آپ کی امت کے گذرنے سے امت کی فضیلت اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر لازم نہیں آتی، اس لئے کہ یہ گذرنا خدام کی طرح سے گذرنا ہوگا جیسے وزیر اعظم اور گورنر وغیرہ کہیں جارہے ہوں تو سب سے پہلے وزیر اعظم مع اپنے خدام کے اور پھر گورنر اپنے خدام کے ساتھ گزریگا تو پھر یہاں وزیر اعظم کا گورنر سے افضل ہونا لازم آتا ہے مگر ان خدام کی کہیں برتری لازم نہیں آتی۔ اور چونکہ یہ دن اللہ تعالی کے انتہائی غضب کا ہوگا۔ کما ورد غضب الرب غضبا لم یغضب مثله قبله ولا یغضب بعده او کما قال صلی الله تعالی علیه وسلم۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے بہت قریب اور اللہ کی نہایت عظمت کرنے والے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ بڑے کے قریب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس پر غضب کے وقت ہیبت طاری ہوتی ہے، اسلئے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام رب سلم سلم کہہ رہے ہوں گے، کلالیب آنکڑوں کو کہتے ہیں، السعدان سینڈ کا درخت جسے باغات کی حفاظت کیلئے ان کی باڑ کے کنارے لگا دیا جاتا ہے۔ تخطف الناس باعمالھم وہ آنکڑے چل رہے ہوں گے۔ کنارے کنارے اور مامور ہوں گے اس بات پر کہ جوان میں گناہ گار ہوان کو خراش لگائے، اب بعض تو ایسے ہوں گے، جو کٹ کٹا کر جہنم میں جا پڑیں گے، اور بعض پر خراش آئے گی۔ اور بعض بچ بچا کر پار ہو جائیں گے، ویعرفونھم باثار السجود یہ مقصد ہے روایت کے ذکر کرنے سے اور سجود کی فضیلت اس طرح ثابت ہوئی کہ سارے اعضا تو کوئلہ ہو جائیں گے، صرف اعضائے سجود باقی رہیں گے۔ یہ سجدہ ہی کی فضیلت کی وجہ سے ہے، قد امتحشوا۔ یعنی جھلس گئے ہوں گے، کما تنبت الحبة فی حمیل السیل۔ جیسے کہ دانہ اگتا ہے رو کے کنارے پر ویبقی رجل ایک شخص ایمان کیوجہ سے جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ مگر ان اعمال کی وجہ سے نکالنے کے

بعد فوراً جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ تشبنی ریحها یعنی جھلس دیا مجھ کو ویبقی رجل یا تو ایک ہی شخص ہوگا۔ یا ایک جماعت ہوگی۔ اور جماعت مراد لینے میں کوئی استحالہ نہیں قال ابو سعید الخدری لابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ میں فضائل اعمال میں ایک قاعدہ بیان کر چکا ہوں کہ اقل کو ابتداء پر اور اکثر کو اخیر پر حمل کرتے ہیں لہذا ابو ہریرہ کی روایت لک ذلک ومثله معه والی مقدم ہے، اور حضرت ابو سعید کی روایت لک ذلک وعشرة امثاله موخر ہوگی۔ (۱)

باب یستقبل

یہ باب بھی ص ۵۶ پر گذر چکا ابواب استقبال میں اور وہاں میں نے یہ بتایا تھا کہ یہ باب ہے ہی نہیں، اس سے مبالغہ فی الاستقبال بیان کرنا ہے۔

باب اذا لم یتم سجوده

عدم اتمام سجود میں اختلاف ہے جو لوگ طمانیت کو فرض کہتے ہیں ان کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔ اور جو واجب کہتے ہیں انکے نزدیک واجب الاعادہ ہے، اور سب علی غیر الفطرة سے استدلال کرتے ہیں کما مر۔

باب السجود علی سبعة اعظم

سبعۃ اعظم سے مراد دونوں پیر۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنے اور پیشانی ہے، امام شافعی کے نزدیک اعضائے سبعہ پر سجدہ کرنا فرض ہے، اور یہی حضرات حنابلہ کے یہاں ایک قول ہے ، اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف پیشانی پر سجدہ کرنا فرض ہے، اسلئے کہ سجدہ کی حقیقت وضع الجبهة علی الارض ہے، اور اب احناف پر اشکال یہ ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ اگر کوئی دونوں قدم سجدہ میں اٹھالے تو نماز فاسد ہو جائے گی، تو اگر فرض نہیں ہے تو پھر فاسد کیوں کہتے ہو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں پر فساد امر عارض کی وجہ سے آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ استہزاء ہے لہذا مفسد ہوگیا۔ وهو غیر کذوب علماء اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ صحابی کے متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محتاج تزکیہ نہیں ہیں بلکہ نیچے کے راوی کے متعلق ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ اس میں کیا اشکال ہے کہ صحابی کے متعلق ہو مگر اس سے تزکیہ مقصود نہ ہو بلکہ مزید تقویت روایت اور اسکی تائید مقصود ہو۔

باب السجود علی الانف

امام بخاری نے کوئی حکم تو لگایا نہیں، لہذا اب اس کی غرض کیا ہے، قیل غرضه التنبيه علی ان الانف حکمه حکم

---

(۱) باب یبدی ضبعیه الخ: چونکہ یہ صفت سجود ہے اس لئے اسکے تکملہ کے طور پر اس کی ہیئت بیان کی ہے کہ تجافی ہونی چاہئے باب یستقبل باطراف رجلیه القبلة. یہ باب پہلے گذر چکا ہے، وہاں مبالغہ کے طور پر ذکر کیا تھا اور یہاں سے ہیئت صلوۃ کا ایک جزبیان کیا ہے کہ اصابع رجلین کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے باب اذا لم یتم سجوده. یہ باب پہلے گذر چکا ہے، اور چونکہ اس میں اختلاف وسیع تھا، اس لئے کوئی حکم نہیں لگایا۔ جو لوگ تعدیل کو فرض کہتے ہیں وہ اس بابت کو اپنے موافق لے کر لفظ ماصلیت سے استدلال کرتے ہیں اور بعض نے اس باب کو اپنے ساتھ لیکر لفظ مت علی غیر سنة النبی سے تعدیل کے عدم فرضیت پر استدلال کیا ہے۔

(کذا فی تقریر مولوی احسان)

الجبهةفي وجوب وضعها على الارض كما هو مذهب الاوزاعى فيكون على هذا راى الاوزاعى وهو يؤيد مذهبه واما عندى فغرض المولف رحمه الله تعالى بيان جوازالاكتفاء بالانف فى السجود كما هو مذهب ابى حنيفه رحمه الله وقال صاحباه يجوز ان كان بعذر وقال الائمه الثلاثه لايجوز واستدلال ابى حنيفه رحمه الله بما روى عن النبى ﷺ انه قال امرت ان اسجد على سبعة اعظم على الجبهة واشاره بيده على انفه فكان ذلک دليلا على ان الانف داخل فى الجبهة وقد ذكر البخارى نفسه هذا الحديث فى هذا الباب فهذا اوضح دليل على ما قلنا والله اعلم وقال الجمهور حقيقتها مختلفة ولكن قد سبق ما قال ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ.

باب السجود على الانف فى الطين

قد ورد النهى عن النبى ﷺ عن المثلة لان فيها تغيير خلق الله وقد نهى الله عنه ولذانهى عن الوشم والوشر ولما كان السجود فى الطين يتلوث الوجه بسببه فكان يوهم ان يكون مثلة فنبه البخارى ،على ان ذلک ليس بداخل تحت افراد المثلة

باب عقد الثياب وشدها الخ

قد قلت فى صفحة (٥٦)ان ذكر هذاالباب وكذا باب لا يكف ثوبه فى الصلوة فى ابواب السجود ليس فى محله وكذا باب يبدى ضبعيه ويجافى فى السجود وباب اذا لم يتم السجود الذين ذكرهما فى ابواب الثياب ليس فى محلها وقد قلت ان الشراح اتفقوا على ان هذا من غلط النساخ واما عندى فليس ذلک من غلط النساخ وانما فعله البخارى بنفسه عامداوقد بينا وجه جعل هذين البابين اى باب يبدى ضبعيه الخ وباب اذالم يتم السجود فى ابواب الثياب و املناذكر وجه جعل هذين البابين اى باب يبدى ضعبيه الخ وباب اذا لم يتم السجود فى ابواب الثياب وذكر وجه جعل هذين البابين اى باب عقد الثياب وباب لا يكف ثوبه الخ فى ابواب السجود على هذا المقام فنقول ان الساجد لما كان ماموراباىداء الضبعين والمجافاة وقد يجاف فى الابداء والمجافاةكشف العورة فنبه رحمه الله تعالى بايراد هذا الباب اى باب عقد الثياب على انه لو خاف بالابداء والمجافاةانكشاف العورة فيعقدالثياب ويضمهاوليس الابداء بواجب عليه مخافة انكشاف العورة والله اعلم .

باب لايكف شعرا

قد ورد ان الشعر يسجد كما تسجد اليد ان وهل هذا النهى خاص بالصلوة بانه لو فعل فى اثنا ء الصلوة كان منهيا عنه واما لو كف خارجها وصلى مكفوفا فلاضير فى ذلک ام هو عام قال الداودى بالاول وقال

الجمهور بالثانى(١)

باب التسبيح والدعاء في السجود

ورد عن النبى ﷺ اما الركوع فعظمو افيه الرب واما السجود فاجتهدوا فى الدعا فكان ذلك تقتضى ان وظيفة الركوع هو التسبيح او وظيفة السجدة الدعاء فنبهوا على ان التسبيح يفعل به فى السجود ايضا يتاول القرآن معنى تاويل القرآن العمل عليه والمرادبالقران فسبح بحمدربك واستغفره فانه لما نزلت سورة النصر ونعى بموته ﷺ بان الخطاب قد تم فاجتهد فى التسبيح والاستغفار فكان ﷺ يمتثل ذلك، وكثيرا ما كان يقرء الدعاء المذكور فى ركوعه وسجوده .

باب المكث بين السجدتين

المراد بالمكث بين السجدتين الجلسة قالت الحنابلة باستحباب الاطالة وقالت الشافعية تفسد صلوته ان طالت طولا بائنا واما الحنفية والمالكية فقالو اليس بمفسد ولامستحب . كان يقعد فى الثالثه والرابعة شك من بعض الرواة والمعنى على الكل واحد فان المراد بهذا القعود جلسة الاستراحة فهى تكون بعد الثالثه وقبل الرابعة فالمراد بالثالثة آخر ها وبالرابعة اولها .

باب لا يفترش ذراعيه فى السجود

غرض الامام التنبيه على ان الافتراش يخالف الطريقة المسنونةالثابتة عن النبى صلى الله عليه وسلم فيمكن ان يكون شرحا للحديث الوارد فى الباب ففيه وضع يديه وظاهر معناه وضع كفيه فنبه بان المراد باليدين الذراعان والله اعلم .

باب من استوى قاعدا فى وتر من صلوته ثم نهض

هذاالقعود يسمى بجلسة الاستراحة لم يقل بها احد من الائمة الاربعة الاالشافعى رحمه الله تعالى رحمة

---

(١)باب لايكف ثوبه فى الصلوة۔علامہ داودی کے نزدیک کف ثیاب کی ممانعت نماز کے ساتھ مقید ہے لہذا اگر نماز سے قبل کف ثیاب کرے تو ممنوع نہیں ہے، اور جمہور کے نزدیک اس حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت ہے لہذا نماز سے قبل بھی کف ثیاب نہ کرنا چاہیئے ، باب المکث بين السجدتين : حدثنا سليمان بن حرب اس روایت میں حضرت انس کا یہ فعل نقل کیا گیا ہے، کہ جب وہ رفع راس من السجدة کرتے تو جلسہ کو اتنا طویل فرماتے کہ لوگ یہ سمجھتے کہ سجدہ کرنا بھول گئے، اس سے حنابلہ نے طول مکث پر استدلال کرلیا لیکن جمہور کے طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ آگے جو لفظ نسی آیا ہے یہ دلیل ہے، کہ یہ طول معروف نہیں تھا، ورنہ لوگ یہ کیوں سمجھتے کہ ان کو نسیان ہوگیا۔(س)

واسعة وقالوا هو محمول على حالة الكبر (۱)

باب كيف يعتمد على الارض اذاقا م من الركعة

میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاری نے تیس باب کیف سے باندھے ہیں، بیس جلد اول میں اور دس جلد ثانی میں انہی میں سے ایک یہ بھی ہے مگر روایت میں کہیں کیفیت کا ذکر نہیں ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ جلس واعتمد على الارض ثم قام سے کیفیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا صورت یہ ہوتی تھی کہ اولا قعود فرماتے تھے پھر اعتماد علی الارض ہوتا تھا، پھر قیام ہوتا تھا، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مقصود اثبات کیفیت نہیں ہے بلکہ یہاں پر کیف استفہامیہ ہے، اور سوال کے لئے ہے، اور میرے نزدیک امام کیف سے وہاں باب باندھتے ہیں جہاں کیفیت میں اختلاف ہو اور چونکہ یہاں اختلاف ہے لہذا کیف سے باب باندھ دیا، شوافع اسکے قائل ہیں، اور کیفیت میں اختلاف کرتے ہیں فقال بعضهم يعتمد باسطا كفيه وقيل قابضا وقيل قابضا معتمدا كالعاجن.

باب يكبر وهو ينهض من السجدتين

اس سے پہلے صفحہ ایک سو آٹھ پر ایک باب گذرا ہے، باب اذا قام من السجود وہاں میں نے یہ کہا تھا، کہ دونوں میں بظاہر لفظی فرق ہے، ورنہ معنی ایک ہیں۔ لہذا تکرار ہوگیا، اور اس پر کلام باب يكبر وهوينهض من السجدتين میں آئے گا۔ تو اب سنو! کہ وہاں تو غرض اثبات تکبیر وقت النہوض من السجود بیان کرنی تھی، لرواية ابى داود التى ذكرت هناک ، اور یہاں دو رکعت کے بعد جو تکبیر ہوتی ہے اسکا مقام بیان کرنا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ وہ تکبیر کب ہوگی۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث پاک میں الصلوة مثنى مثنى وارد ہے، لہذا ہر شفعہ مستقل صلوۃ ہوگی۔ تو جیسے ابتداء میں تکبیر تحریمہ ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی تکبیر تحریمہ ہوگی، اور تکبیر تحریمہ چونکہ قائما ہوتی ہے اس لئے یہاں تکبیر اذا قام من الركعتين قیام کے بعد ہوگی، اور یہ تکبیر، تکبیر قیام ہے اور جمہور کے نزدیک یہ تکبیر تکبیر انتقال ہے لہذا اٹھنے کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ امام بخاری يكبر وهوينهض فرما کر جمہور کی تائید فرماتے ہیں اور مالکیہ پر رد فرماتے ہیں۔

باب سنة الجلوس فى التشهد

تشہد میں بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے، اس میں دو طرح کی روایات وارد ہیں۔ ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے، وہ

---

(۱) باب من استوى قاعدا الخ۔ اس باب سے جلسہ استراحت کو ثابت فرمارہے ہیں۔ شوافع کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون ہے اور جمہور کے نزدیک خلاف اولی ہے۔ کیونکہ آنحضور ﷺ سے صدور قدمین پر سجدہ سے اٹھنا کثرت سے مروی ہے۔ شوافع کا استدلال حدیث الباب سے ہے، نیز شوافع یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کا آخری فعل ہے اور قاعدہ ہے کہ انما يوخذ بالاخر فالاخر من فعل رسول الله ﷺ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو آخری عمر میں ضعف ہوگیا تھا اور بدن میں بھاری پن پیدا ہوگیا تھا اس لئے آپ جلسہ استراحت فرماتے تھے۔ خود امام بخاری نے باب کے اندر من استوى کے لفظ سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ ان کی رائے اسکے موافق نہیں ہے۔ (كذافى تقريرين)

فرماتے ہیں کہ سنة الصلوة ان تنصب رجلک الیمنی وتثنی الیسری اور دوسری حضرت ابوحمید ساعدی کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں، رایت النبی ﷺ جلس متورکا ۔ اول حدیث قولی حدیث ہے اس لئے کہ صحابی کا قول ہے اور صحابی کا من السنة کہنا حدیث مرفوع کے حکم میں ہے لہذا حدیث مرفوع ہوئی۔ اور ابوحمید ساعدی والی روایت فعلی ہے، احناف فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمر نے صاحبزادے صاحب کو متربعا بیٹھے دیکھا تو فرمایا۔ انما الصلوة ان تنصب رجلک الخ اس سے معلوم ہوا کہ طریقہ مسنونہ فی الجلوس یہ ہے اور اپنے چارزانو بیٹھنے کی وجہ ظاہر فرمائی فان رجلای لا تحملان. تو معلوم ہوا کہ چارزانو عذر کی وجہ سے بیٹھتے تھے، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ قعود متور کا عذر کی وجہ سے تھا اور جو حضرات مالکیہ نے تورک اختیار فرمایا وہ کسی اور مرجح کے پیش نظر ترجیح دی گئی ہوگی، ورنہ بظاہر تو عمل اہل مدینہ نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر مدنی ہیں اور وہ خود ہی ارشاد فرمارہے ہیں، انما سنة الصلوة الخ تو اصلا اختلاف تو فیما بین الاحناف والموالک ہے کہ احناف قعود علی الرجل الیسری کے قائل ہیں۔ اور مالکیہ تورک کے قائل ہیں۔

حضرات شافعیہ وحنابلہ نے جمع بین الروایات فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی روایت تشہد اول پر محمول ہے، اور حضرت ابوحمید والی روایت اخیر پر محمول ہے، لیکن ایک فرق ہوگیا وہ یہ کہ دونوں میں اس بات میں اختلاف ہے کہ تورک فی الاخیرہ کی علت کیا ہے؟

حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تشہد اول وثانی میں فرق کرنا ہے، لئلا یشتبه علی الناظر اور حضرات شافعیہ فرماتے ہیں کہ تورک کی علت تخفیف ہے، چونکہ تشہد اول قصیر ہوتا ہے اسلئے اس میں تو ضرورت نہیں اور تشہد ثانی طویل ہوتا ہے، اس لئے شریعت مطہرہ نے تخفیف فرمائی کہ متورکا بیٹھ جایا کرے، اب چونکہ علت میں اختلاف ہوگیا، امام احمد کے یہاں تفریق ہے، اور شافعیہ کے یہاں طول القعود ہے، لہذا امام احمد کے نزدیک ان نمازوں میں جن میں دو تشہد ہیں وہاں تو تورک ہوگا۔ کیونکہ تفریق کی ضرورت اسی میں ہے، جیسے صلوة الظہر والعصر والعشاء اور جہاں دو تشہد نہ ہوں جیسے صلوة فجر اور صلوة جمعہ وہاں تورک نہ ہوگا، اور حضرت امام شافعی کے نزدیک چونکہ علت طول قعود ہے اس لئے ہمیشہ قعدہ اخیرہ میں تورک ہوگا، کیونکہ اسی میں طول ہوتا ہے حضرت امام بخاری نے دونوں طرح کی روایات ذکر فرمادیں، اور کوئی حکم نہیں لگایا کیونکہ مسئلہ میں اختلاف قوی ہے، اور روایات دونوں ایک سی قوی ہیں، فاذا رفع راسه استوی حتی یعود کل فقار مکانه بعض اہل حدیث کا طریقہ یہ تھا، کہ جب وہ رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے تو ہاتھوں کو اسی طرح اٹھائے ہوئے سجدے میں چلے جاتے اور یوں کہتے کہ رفع یدین وقت الرفع من الرکوع تو ثابت ہے اور ہاتھوں کا ارسال بعد الرفع حدیث میں کہیں نہیں ہے، اسلئے ایسا ہی کرنا چاہئے لیکن میں اس جملہ سے ارسال ید بعد الرفع پر اس طرح استدلال کرتا ہوں کہ حدیث میں ہے حتی یعود کل فقار مکانه اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ ارسال ید کیا جائے،

باب من لم یر التشہد الاول واجبا

۔ ر دو تشہد کا کیا حکم ہے؟ احناف کے یہاں قرأت تشہد فی القعدتین واجب ہے، اور مالکیہ کے یہاں سنت ہے اور شافعیہ کے نزدیک اول قعدہ میں سنت ہے اور ثانی میں واجب ہے اور اس وجوب سے ہمارا وجوب مراد نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ فرض ہے، اور حنابلہ کے یہاں اول میں واجب اور ثانی میں رکن ہے حضرت امام بخاری فرماتے ہیں۔ من یرا لتشہد الاول واجبا اور واجب سے مراد ان کا واجب ہے یعنی بمعنی الفرض۔

باب التشهد فی الاولی

اتنا تو باب سابق سے معلوم ہوگیا کہ واجب نہیں ہے، یہ واجب نہ ہونا عام ہے اس بات کو کہ مستحب بھی نہ ہو بلکہ مشروع ہی نہ ہو اسلئے امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ واجب تو نہیں ہے البتہ لازم ہے کیونکہ اگر لازم نہ ہوتا تو سجدۂ سہو کیوں فرماتے احناف بھی یہی کہتے ہیں

باب التشهدفی الاخرة

چونکہ تشہد اول وثانی میں جمہور کے نزدیک فرق ہے اسلئے تنبیہ کیلئے مستقل دو باب باندھ دیئے۔ (۱)

باب الدعا قبل السلام

اسکی غرض میں اختلاف ہے بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی غرض محل دعا کو بیان کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو دعائیں حضور اقدس ﷺ سے منقول ہیں ان کو آپ قبل السلام پڑھتے تھے اور بعض دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ شروع صلوۃ کے بعد سے قبل السلام تک سب محل دعا ہے، **وعد فاخلف** اگر ایفاء کے ارادہ سے وعدہ کرے اور پھر وہ کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ ہو سکے تو یہ وعدہ خلافی نہیں کہلائے گی۔ بلکہ وعدہ خلافی یہ ہے کہ ایفا کا ارادہ ہی نہ ہو۔ **سمعت خلف بن عامر يقول في المسيح والمسيح ليس بينهما فرق** مسیح کا اطلاق دجال اور حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ السلام دونوں پر ہوتا ہے، اب اس میں اختلاف ہے کہ دونوں میں کوئی لفظی فرق ہے یا نہیں، ابوداؤد کی رائے ہے کہ دجال کو **مسيح بكسر الميم وتشديد السين** کہتے ہیں، اور حضرت عیسی کو مسیح **بفتح الميم و كسر السين المخففه** کہتے ہیں۔

امام بخاری نے خلف سے نقل کر کے بتادیا کہ دونوں ایک دوسرے پر بولے جاتے ہیں کوئی فرق نہیں ہے، حضرت عیسی پر تو اس لئے بولا جاتا ہے کہ وہ مریضوں کو مسح کرتے تھے، اور وہ اچھے ہو جاتے تھے، اور دجال کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ممسوح العین تھا، **مغفرة من عندك. اى من غير استحقاق منى فانى لا استحق المغفرة مع العصيان لجنابك**۔ (۲)

باب مايتخير من الدعاء الخ

قد رود في الحديث اذا تشهد احدكم فليعوذ من اربع ولذا قال بعض الحنابلة بوجوب التعوذ من اربع

---

(۱) **باب التشهد في الاخرة** ۔ مصنف نے جو تشہد اور التحیات ذکر فرمائی ہے، یہ ابن مسعود کا تشہد کہلاتی ہے ہمارے نزدیک یہی اولی ہے، حنابلہ کا بھی یہ مذہب ہے، امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف ہے، مالکیہ کے نزدیک ابن عمر کا تشہد اور شافعیہ کے نزدیک حضرت ابن عباس کا تشہد اولی ہے، (س)

(۲) **باب الدعا قبل السلام من فتنة المسيح الدجال** ۔ احادیث میں یہ لفظ مسیح اور مسیح دونوں طرح آتا ہے علماء اس میں مختلف ہیں کہ کونسا لفظ حضرت ابن مریم کے لئے ہے اور کونسا دجال کے لئے لیکن لغت کے اعتبار سے دونوں لفظوں کا اطلاق دونوں پر جائز ہے کیونکہ دجال کی ایک آنکھ مسح کردی گئی ہے اسلئے وہ بھی مسیح (ممسوح) ہوا اور ابن مریم جب پیدا ہوئے تو انکا جسم بہت چکنا تھا، کانه ممسوح بالدهن، اللهم انى ظلمت نفسى یہ دعا حضور اکرم ﷺ نے خاص طور سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو بتلائی اس لئے اکثر علماء سے یہی اختیار کرتے ہیں۔

بعد الصلوة فرد البخاری بانه لا یجب التعوذ من اربع بل هو مخیر فی ان یدعو ماشاء ثم اعلموا[1] ان البخاری رحمه الله لم یعقد للصلوة علی النبی ﷺ بابا مع کون الروایات الموجودة علی شرطه وقد ذکرها فی کتاب الدعوات فالظاهر عندی انه لیس بقائل بوجوب الصلوة علیه ﷺ فی الصلوة کما قالت الشافعیة بذلک لذلک واما عندنا فالصلوة علیه ﷺ فی الصلوة لیست بواجبة .

باب من لم یمسح جبهته و انفه حتی صلی

میں بتلا چکا ہوں کہ چونکہ چہرہ وغیرہ پر مٹی لگ جانا بظاہر مثلہ ہے، اس لئے امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ اگر پیشانی پر مٹی لگ جائے تو یہ مثلہ نہیں ہے، اور اس کو اگر بعد الصلوۃ صاف نہ کرے تو یہ ریا نہیں ہے۔ و اللہ اعلم .

باب التسلیم

احناف کے نزدیک تسلیم واجب ہے، اور بقیہ ائمہ کے نزدیک فرض ہے ان کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ہے تحلیلها التسلیم امام بخاری نے اختلاف اور اختلاف روایات کی وجہ سے کوئی حکم نہیں لگایا[2]

باب یسلم حین یسلم الامام

مالکیہ کے نزدیک امام کے ساتھ مقارنت فی السلام جائز نہیں ہے بلکہ مفسد ہے متابعت ضروری اور واجب ہے، اور غیر مالکیہ کے نزدیک اگر مقارنت کرے تو جائز ہے اور نماز ہو جائے گی۔ امام بخاری نے مالکیہ کا رد کیا ہے،

---

(1) ۱۳۸۰ کی تقریر میں یوں ہے سنو! امام بخاری نے صلوۃ علی النبی ﷺ کا کوئی ترجمہ منعقد نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ روایات نہیں ہیں اس لئے کہ امام بخاری نے کتاب الدعوات میں نماز کا درود ذکر فرمایا ہے اس لئے علماء نے استنباط فرمایا کہ امام بخاری کے نزدیک درود شریف نماز میں فرض نہیں؟ مسئلہ اختلافیہ ہے امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور بقیہ حضرات کے یہاں سنت ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ صلوا علیه وسلموا تسلیما کا حکم صلوۃ ہی میں ہے، جمہور فرماتے ہیں آیت میں نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ پھر جمہور کے نزدیک عمر میں ایک مرتبہ درود شریف آیت کے حکم کیوجہ سے فرض ہے، پھر اس کے بعد حنفیہ میں اختلاف ہے کرخی کہتے ہیں کہ ایک بار ایک مجلس میں واجب ہے اور پھر مستحب اور طحاوی کی رائے ہے کہ جب جب ذکر شریف آئے درود شریف پڑھنا واجب ہے ان وعیدوں کی وجہ سے جو تارک درود پر وارد ہیں ۱۲/محمد یونس غفرله

(2) باب التسلیم: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لفظ السلام علیکم فرض ہے اور حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ہے بلکہ واجب کا درجہ رکھتا ہے ہمارا مستدل ابن مسعود کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تشہد کے متعلق ان سے فرمایا تھا اذا فعلت هذا او قلت هذا فقد تمت صلوتک ان شئت تقم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد. اور پھر اختلاف ہے کہ دونوں فرض ہیں یا ایک. جمہور کے نزدیک ایک سلام فرض اور دوسرا سنت ہے لیکن بعض سے نقل کیا گیا ہے کہ دوسرا بھی فرض ہے دو سو مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ سلام بھی ہے، امام بخاری نے اس پر ترجمہ باندھ کر تین مختلف فیہ مسائل پر تنبیہ فرمادی پہلا یہ کہ سلام عند احناف واجب ہے اور بقیہ کے نزدیک فرض ہے، دوسرا اختلاف یہ بتلا دیا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مقتدی کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا ضروری ہے اور امام مالک کے نزدیک بعد میں پھیرنا۔ اور تیسرا مسئلہ تقدم علی الامام فی السلام کا ہے جو جمہور کے نزدیک مفسد صلوۃ ہے، (کذافی تقریرین)

باب من لم یرد السلام علی الامام واکتفی بتسلیم الصلوۃ

ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے امرنا ان نرد السلام علی الامام. اس حدیث کی بناء پر مالکیہ کا مذہب مقتدیوں کے بارے میں یہ ہے کہ وہ تین سلام کریں ایک دائیں دوسرے بائیں طرف تیسرے امام کو۔ اور امام ایک سلام کرے یا دو سلام کرے۔ علی اختلاف الروایات اور دوسرے ائمہ کے نزدیک صرف دو سلام ہیں، امام بخاری نے جمہور کی تائید فرمائی ہے اور مالکیہ اور انکی متدل روایت کی تردید فرمائی اور فرماتے ہیں کہ تسلیم علی الامام کی ضرورت نہیں ہے جمہور ابوداؤد شریف کی روایت کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ امام پر سلام کی نیت کرے جیسے حفظہ وغیرہ پر سلام کی نیت کرے گا فسلمنا حین سلم۔ اس سے حضرت امام بخاری نے اس طرح استدلال فرمایا ہے کہ اگر مقتدی تین سلام کرے گا، تو حین سلم نہیں ہوگا۔ بلکہ بعد ماسلم ہوگا واللہ اعلم

باب الذکر بعد الصلوۃ

ممکن ہے کہ درجہ جواز بتایا ہو اور ممکن ہے کہ سنیت واستحباب کو بتایا ہو اور اگر میں یہ کہوں کہ حنفیہ پر رد فرماتے ہیں تو صحیح ہے اس لئے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں ان کے بعد متصلا اوراد نہ پڑھے، ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اللّٰھم انت السلام الخ کے علاوہ کچھ نہ پڑھے، کنت اعرف انقضاء صلوۃ رسول اللہ ﷺ بالتکبیر بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ نماز کے بعد اللہ اکبر کہتے تھے، اور علماء مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ جہاد کے ساتھ خاص ہے تاکہ جو لوگ ادھر ادھر ہوں وہ تکبیر کی اواز سے انقضاء صلوۃ کو جان لیں۔ اور نمازیں پڑھ لیں اور ہیبت فی قلوب الکفار ہو، اور حضرت امام بخاری کی رائے ہے کہ یہ احتراز نہیں ہے بلکہ مطلقا ذکر مراد ہے، جو بھی ذکر اذکار صلوۃ میں سے ہو اسلئے کہ حضور اکرم ﷺ سے بہت سے اذکار مروی ہیں، اور میرے نزدیک یہ ایام تشریق بمنی پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے اور یہ اس روایت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں منی میں آیا دیکھا کہ نماز ہو رہی تھی۔ فارسلت الاتان ترتع وقد ناھزت الاحتلام. اسی میں یہ بھی ہے کہ جب نماز سے فارغ ہوتے اللہ اکبر کہتے۔ کان ابو معید الصدق موالی ابن عباس . ھذا توثیق لابی معید فاختلفنا بیننا الخ یہ ابوصالح کے شاگرد کا مقولہ ہے یہ حضرت اقدس ﷺ یا کسی صحابی کے الفاظ نہیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ابوصالح کے شاگرد فرماتے ہیں کہ ابوصالح نے تسبحون وتحمدون وتکبرون ثلاث وثلاثین کہا اب اسکے بعد ان کے شاگردوں کا اس کے مطلب میں اختلاف ہوگیا کہ کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ او لاتنتیس مرتبہ سبحان اللہ پھر تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور پھر تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہے، اور بعض شاگرد یہ کہتے تھے کہ یہ نہیں بلکہ سبحان اللہ۔ الحمد للہ اور اللہ اکبر کا مجموعہ کل تینتیس مرتبہ ہوگا۔ یعنی ہر ایک گیارہ مرتبہ۔ اسکے بعد شاگردوں نے ابوصالح سے پوچھا کہ اسکا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا تقول سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر حتی یکون منھم کلھن ثلاثا وثلثین. یعنی انہوں نے فریق اول کی موافقت کی ولاینفع ذالجد منک الجد یہ جملہ دو طرح سے پڑھا گیا ہے ایک یہ کہ ذالجد لاینفع کا مفعول ہو اور دوسرے یہ کہ لاینفع الگ ہو اور ذالجد منک الجد الگ ہو اگر مفعول ہو تو پھر جد کے چند معانی ہیں اور ہر ایک صحیح ہے ایک غنا دوسرے شرف تیسرے کوشش چوتھے دادا (جد) لیکن کوشش کے معنی اگر ہوں تو اکثر مکسور الجیم ہوتا ہے، اور اگر غنا کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہے کہ نہیں نفع دیتا ہے غنی والے کو غنی بدون تیری مہربانی کے اور اگر شرف کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہے کہ شرف

والے کو بدون تیری مہربانی کے شرف نافع نہ ہوگا اور اگر کوشش کے معنی ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ کوشش والے کو بدون تیری مہربانی کے کوشش نافع نہ ہوگی اور اگر جد کا ترجمہ دادا سے کریں تو مطلب یہ ہے کہ نسب والے کو نسب بدون رحمت باری کے نافع نہ ہوگا اور اگر جملہ الگ ہو تو لاینفع ماقبل سے متعلق ہو جائے گا۔ اور ذالجد منادی حرف ندا محذوف کا ہوگا۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے غناء و بزرگی والے! تیری ہی طرف سے غنی و بزرگی ہے، وقال الحسن جد غنی. وتعالی جدک میں جو جد کا لفظ آیا ہے اسکی تفسیر امام بخاری نے اس جملہ سے فرمادی (۱)

باب یستقبل الامام الناس اذا سلم

سلام پھیرنے کے بعد حضور اقدس ﷺ کا دائیں طرف پھرنا اور اسی طرح بائیں طرف اور اسی طرح متوجہا الی الناس ہو کر بیٹھنا ثابت ہے، یعنی تینوں طرح کی روایات ہیں۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں حالتیں جلوس پر محمول ہیں، یا اور کچھ ہے، میرے مشائخ کی رائے ہے کہ یہ تینوں جلوس پر محمول ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کبھی دائیں طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے، اور کبھی بائیں طرف۔ اور کبھی بالکل لوگوں کی طرف متوجہ رہتے، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ دائیں اور بائیں طرف والی روایت انصراف الی البیت پر محمول ہے اور متوجها الی الناس والی صرف جلوس پر محمول ہے، اور چونکہ یہ اختلاف ہے اس لئے محدثین انصراف و استقبال کا مستقل باب باندھتے ہیں۔ اور میرے نزدیک اولی مشائخ کا قول ہے اس لئے کہ انصراف عن الرکان تو اس طرف ہوگا جدھر ضرورت ہو کوئی دائیں یا بائیں کی خصوصیت نہیں، (۲)

باب مکث الامام فی مصلاہ بعد الصلوۃ

یہاں ابوداود کی روایت لایتطوع الامام فی مکانہ پر رد کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے خود تصریح فرمادی اور اگر امام بخاری تصریح نہ فرماتے تو ہم کہتے کہ امام بخاری کی غرض ابورمثہ کی روایت پر رد کرنا ہے، جسکے اندر یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ کان رسول اللہ ﷺ ینفتل کانفتال ابی رمثة۔ اس سے بظاہر ایہام ہوتا ہے کہ انفتال واجب ہے تو امام بخاری نے اسکی تردید فرمادی اور تیسری غرض یہ بھی ہو سکتی ہے کہ گزشتہ ترجمہ میں جو استقبال الامام مذکور ہے، وہ ضروری نہیں ہے، عن امراۃ من قریش چونکہ ہند کی صفت میں اختلاف ہو گیا کہ یہ قریشیہ ہیں یا فراسیہ بعض کہتے ہیں کہ قریشیہ ہیں اور بعض فراسیہ اور احتمال تھا کہ کوئی یہ سمجھے کہ اصل فراسیہ تھا

---

(۱) باب الذکر بعد الصلوۃ۔ باب کی غرض بعض علماء کے نزدیک یہ بتلانا ہے کہ نماز فرائض اور اسکی سنن کے درمیان فصل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ فرضوں کے بعد فوراً سنن کے اندر مشغول ہونا چاہئے دعائیں وغیرہ بعد میں مانگے فرجعت الیہ ضمیر متکلم کا مرجع ان کے شاگرد اور الیہ کا مرجع خود ابوصالح ہیں حافظ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تمام کلمات تینتیس مرتبہ گن لیں تو حدیث پر عمل ہو جائے گا لیکن زیادہ اچھا ہے کہ ہر کلمہ کو تینتیس مرتبہ شمار کرے گویا انگلیاں قیامت میں گویا ہوں گی تو حرکت کی گواہی دیں گی۔ (کذا فی تقریرین)

(۲) باب یستقبل الامام الخ. اس کے بعد ایک باب اگلے صفحہ کے شروع میں ہے باب الانتقال و الانصراف بعض مشائخ کی رائے ہے کہ اول باب سے مقصود یہ ہے کہ امام کو مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔ گویا امام بخاری کا میلان اسی طرف ہے اور دوسرے باب سے مراد امام کا نماز سے فارغ ہو کر اٹھ کر جانا ثابت کرنا ہے۔ (س)

تصحیف ہوکر فراسی ہو گیا، اس لئے حضرت امام بخاری نے دونوں قسم کی روایت ذکر فرما کر تنبیہ کر دی کہ دونوں میں کوئی تخالف نہیں اس لئے کہ بنو فراس قریش ہی کا ایک قبیلہ ہے۔ (۱)

باب من صلی بالناس فذکر حاجته الخ

چونکہ باب سابق سے مکث امام ثابت ہوا تھا اس لئے یہ باب بطور استثناء کے ذکر فرمادیا کہ مکث لازم نہیں ہے اگر کسی حاجت کی وجہ سے فورا اٹھ جائے تو جائز ہے۔ اور دوسری غرض یہ ہو سکتی ہے کہ ضرورت کے درجہ میں تخطی رقاب کی جائے تو جائز ہے۔ لیکن اول توجیہ مقام کے زیادہ مناسب ہے۔

باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال

اس کے متعلق جو کچھ اختلاف علماء کے درمیان تھے، ان کو بیان کر چکا ہوں انفتال وانصراف کا لفظ لا کر بخاری نے بتلا دیا کہ دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں، اگر چہ تکلفا فرق ہو سکتا ہے،

باب ماجاء فی الثوم النیّ

اشکال یہ ہے کہ ابواب المساجد میں ہونا چاہئے پھر اس کو یہاں کیوں ذکر فرمایا، شراح فرماتے ہیں کہ یہ بطور ابواب متفرقہ کے ہے اور میرے نزدیک اس کے ساتھ یہ ہے کہ امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کے استعمال کی کراہت مسجد کیساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ مجامع سے متعلق ہے، لایذاء الناس۔ واللہ اعلم، کراث ایک بدبودار سبزی کا نام ہے جسے گندنا کہتے ہیں الانئیہ۔ یہ روایت اور اسی طرح دوسری روایت میں نتن ہے دونوں کا حاصل ایک ہے اسلئے کہ نتن کچے ہی میں ہوتا ہے، کل فانی ان اناجی من لاتناجی۔ حضور اقدس ﷺ نے یہ اس لئے فرمادیا کہ آپ ﷺ نے خود نوش نہیں فرمایا اور دوسروں کو فرمادیا کہ تم کھاؤ تو اس سے یہ خیال ہوتا کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا آپ ﷺ نے اس کی وجہ بتادی۔

باب وضوء الصبیان الخ

ایجابا واستحبابا کوئی حکم نہیں لگایا، لئلا یوھام۔ یعنی اگر واجب فرماتے تو شبہ ہوتا کہ بچوں پر وضو واجب ہے، حالانکہ بچے مکلف ہی نہیں اور مستحب کہہ دیتے تو شبہ ہوتا کہ بچے بلا وضو بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس لئے ترجمہ مجمل رکھدیا اور یہ بتادیا کہ وضوء للصبیان مشروع ہے فی نفسہ اس پر وضو واجب نہیں ہے لیکن اگر نماز پڑھے گا تو واجب ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے کہ بچہ کب بالغ ہوتا ہے احتلام تو سبب مجمع علیہ ہے اور انبات عانہ میں اختلاف ہے حنابلہ کے نزدیک علامت بلوغ ہے، اور شافعیہ کے نزدیک کافر کے حق میں علامت ہے مسلم

---

(۱) باب مکث الامام الخ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اول باب میں جو استقبال کا ذکر تھا، وہ واجب کا درجہ نہیں تھا۔ دوسری غرض شراح نے یہ بتلائی کہ ابوداؤد شریف میں تطوع امام فی مکانہ کی ممانعت ہے تو امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس پر رد کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ ممانعت اس لئے ہے کہ بعد میں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ ابھی نماز ہو رہی ہے اسلئے منع فرمادیا اور یہ ممانعت مکث کے منافی نہیں۔ (س)

کے حق میں نہیں، اور کافر کے حق میں معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کا قتل عام ہو تو بچوں کا چونکہ قتل جائز نہیں ہے اسلئے بالغ و نابالغ میں اگر تمیز نہ ہو سکے تو زیر ناف کے بالوں پر مدار ہوگا، اور تفریق بین الکافر و المسلم کی وجہ میں یہ سمجھا ہوں کہ کافر تو جھوٹ بول سکتا ہے اور مسلم جھوٹ نہیں بول سکتا، اسلئے مسلم کے حق میں معتبر نہیں، اور کافر کے حق میں معتبر ہے، تیسری چیز عمر ہے، جمہور پندرہ سال کہتے ہیں حنفیہ اٹھارہ سال لڑکے کے حق میں اور سترہ سال لڑکی کے اندر معتبر ہے، وصفوفهم۔ احناف وحنابلہ کے نزدیک بچوں کی صف پیچھے ہوگی۔ اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک بڑوں کے بیچ بیچ میں دو کے درمیان ایک کھڑا ہو، اسلئے کہ وہ شرارت کرتے ہیں، احناف فرماتے ہیں کہ انہیں تنبیہ کردے، نیز حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بچوں کی صف علیحدہ ہوا کرتی تھی۔ علی قبر منبوذ۔ یہ اصل مسئلہ تو کتاب الجنائز کا ہے میں وہاں کلام کروں گا۔ کہ صلوۃ علی القبر جائز ہے یا نہیں، یہاں تو اس روایت سے صرف یہ مقصود ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ابن عباس نے نماز پڑھی اور وہ بچے تھے الغسل یوم الجمعة واجب اس سے متی یجب علیهم الغسل ثابت ہوگیا۔ بات لیلة یہ روایت متعدد مرتبہ گذر چکی ہے یہاں مقصود یہ ہے کہ ابن عباس نے باوجود بچہ ہونے کے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ وضوء کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، ان ناسا یقولون. چونکہ روایت میں ابھی گذرا کہ حضور اقدس ﷺ سو کر اٹھے اور بلا وضو کئے نماز پڑھائی اسلئے راوی نے اسکی وجہ بتادی کہ آپکا قلب مبارک بیدار رہتا تھا، اگر چہ آنکھیں سوتی تھیں تو آپ کو بیداری قلب کی وجہ سے حدث وغیرہ کا پتہ چلتا رہتا تھا۔ ان رویا الانبیاء وحی۔ یہ تائید کیلئے بیان فرمایا کہ انبیاء کے خوابات وحی ہوتے تھے اور وحی کا حفظ اسی وقت ہو سکتا تھا۔ جبکہ قلب بیدار ہو ان جدته ملیکة یہ روایت گذر چکی ہے میرا مقصد یہ ہے کہ یتیم نماز میں شریک ہوا اور صف میں کھڑا ہوا و دخلت فی الصف۔ یہ مقصود بذکر الروایۃ ہے کہ نابالغ ہونے کے باوجود صف میں داخل ہو گئے، وقد مرت الروایة مرارا.
قام النساء والصبیان۔ اس سے امام بخاری نے استدلال فرمایا کہ مسجد میں بچے جاتے تھے اس لئے کہ حضرت عمر کو علم غیب نہیں تھا کہ گھروں کے بچوں کے متعلق فرماتے وقد مر الحدیث ولم یکن احد یومئذ یصلی غیر اهل المدینة۔ اسکا ایک مطلب یہ ہے کہ اہل مدینہ کے علاوہ سب لوگ نماز عشاء پڑھ کر سو چکے ہیں، اس وقت تو صرف اہل مدینہ پڑھتے ہیں اور ایک مطلب یہ ہے کہ عشاء چونکہ اس امت کے خصائص میں ہے اس لئے سوائے اہل مدینہ یعنی مسلمین کے کوئی نہیں پڑھتا۔ (۱)

---

(۱) باب وضوء الصبیان یہاں ترجمہ کے کئی اجزاء ہیں پہلا جز ہے وضوء الصبیان شراح کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کوئی حکم نہیں لگایا نہ وجوب کا نہ استحباب کا، کیونکہ بچے مکلف نہیں ہوا کرتے۔ اگر وجوب کا لفظ لاتے تو غلط ہوتا اور اگر استحباب کا لفظ لاتے تو اسکا مطلب یہ ہوتا کہ بغیر وضو کے بھی نماز جائز ہے اور یہ غلط ہے لیکن بعض متاخرین نے کہا ہے کہ یہاں صحت کا لفظ لا سکتے ہیں۔ علامہ سندھی کی رائے یہ ہے کہ یہاں لفظ وجوب لایا جا سکتا ہے لیکن اس سے مراد وہ وجوب ہے جیسے کہ تطوع پر وضو کرنا واجب ہے، دوسر الفظ متی یجب علیهم الغسل و لاطهور۔ اس میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بلوغ کے بعد واجب ہوگا۔ اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ دس کے بعد واجب ہو جائے گا۔ اور اس روایت سے استدلال کیا کہ جب بچے سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو۔ اور جب دس برس کے ہو جائیں تو انہیں مارو، تیسرا لفظ ہے وحضورهم الجماعة والعیدین والجنائز۔ ان باتوں کو اس لئے ذکر کیا کہ حدیث ابن ماجہ جنبوا مساجدکم۔ کا مقتضی یہ تھا کہ بچوں کو مطلقا مسجد میں نہ لایا جائے لیکن علماء کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، اور اس سے مراد وہ بچے ہیں جو بہت چھوٹے ہوں اور شعور نہ رکھتے ہو۔ امام بخاری کے نزدیک چونکہ روایت ضعیف تھی اس لئے اس پر رد کر دیا۔ (س)

باب خروج النساء الى المساجد بالليل

غرضه بيان ان النساء انمايذهبن الى المساجد فى الليل كماهو راى الحنفية والروايات المطلقة محمولة على المقيدة .

باب صلوة النساء خلف الرجال

عورتوں کی صفوف ہمیشہ مردوں کے پیچھے ہونی چاہئے۔

باب سرعة انصراف النساء الخ

جب یہ بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ ان کی وجہ سے بیٹھتے تھے، تو پھر عورتوں کو جلدی سے لوٹ جانا چاہئے۔

باب استيذان المراة الخ

مطلب یہ ہے کہ نماز کیلئے مسجد میں جانے کے واسطے عورت کو اپنے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، یہ سوچنا کافی نہ ہوگا کہ نماز تو حق اللہ ہے اس میں شوہر سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الجمعة

جمعة بضم المیم وبسکونها دونوں طرح لغت میں ضبط کیا گیا ہے، لیکن ضم میم اشہر ہے اور یہی قرآن پاک کی لغت ہے، اس میں اختلاف ہے کہ یہ اسلامی نام ہے یا جاہلی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نام زمانہ جاہلیت میں بھی تھا یا اسلام میں ہی رکھا گیا اور پہلے اس کا کوئی اور نام تھا علماء کے اس میں دونوں قول ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں جاہلی نام ہے چونکہ حضرت آدم وحضرت حوا علیھما السلام کا اجتماع ھبوط من الجنۃ کے بعد اسی دن ہوا تھا اس لئے اس کو جمعہ کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش کے بعض اکابر اس دن میں کسی جگہ جمع ہوتے تھے اس لئے اس کو جمعہ کہنے لگے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ اسلامی نام ہے اور اسکا جاہلی نام یوم العروبہ ہے، جو لوگ جاہلی کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تعدد اسماء میں کیا حرج ہے،

باب فرض الجمعة لقول اللہ تعالی: ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ الآیة

حضرت امام بخاری نے اس باب سے فرضیت جمعہ بیان فرمائی۔ ہے، اور اپنی عادت کے مطابق آیت کریمہ استبرا کا واستدلالا اول ذکر فرمائی مگر استدلال یہاں زیادہ واضح ہے اس لئے کہ لقول اللہ تعالی فرمایا ہے اب ہمیں اختلاف ہے کہ یہ وجوب کس چیز سے نکلتا ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ فاسعوا سے ثابت ہوتا ہے، کیونکہ یہاں پر سعی کا امر ہے، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ وذروا البیع سے ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ایک امر مباح کو منع فرمادیا، تو اس سے پتہ چلا کہ واجب ہے اور چونکہ فاسعو الی ذکر اللہ میں سعی کا امر فرمایا ہے اور حدیث میں سعی الی الصلوة کی ممانعت ہے، اس لئے حضرت امام بخاری نے رفع اشکال کیلئے اسکی شرح فرمادی کہ فاسعوا فامضوا کے معنی میں ہے، یعنی گو سعی لغت میں دوڑنے کے اور تیز چلنے کے معنی میں آتی ہے، لیکن یہاں مضی الی الصلوة مراد ہے، امام بخاری خود اس پر باب باندھیں گے پھر اس میں اختلاف ہے کہ جمعہ کی فرضیت کہاں ہوئی مکہ میں یا مدینہ میں حنفیہ کے نزدیک مکہ میں ہوئی مگر شرائط نہ پائے جانے کیوجہ سے اقامت جمعہ نہیں فرمایا اور قبا میں گاؤں ہونیکی وجہ سے جمعہ قائم نہیں فرمایا، اور بنو سالم چونکہ مدینہ کے ملحقات میں تھا اسلئے وہاں جمعہ قائم فرمایا۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں فرضیت ہوئی مالکیہ وحنابلہ گول مول ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے آیت کریمہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہ ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ جمعہ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی اس لئے کہ آیت مدنی ہے حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ کیا راستہ میں فرضیت ہوگئی تھی اور آیت راستہ ہی میں نازل ہوگئی حتی کہ حضور اقدس ﷺ نے بنو سالم میں جمعہ ادا فرمالیا اور اسعد بن زرارہ والی روایت حنفیہ کی دلیل ہے عجیب بات ہے کہ شافعیہ اس سے عدد پر تو استدلال کرتے ہیں کہ چالیس آدمی شرط ہیں لیکن فرضیت کو نہیں مانتے نحن الاخرون السابقون یوم القیامة۔ میں اس پر اس سے قبل کلام کر چکا ہوں کہ السابقون یوم القیامة کا مطلب یہ ہے کہ گو ہم زمانہ کے اعتبار سے متاخر ہیں لیکن یہ ہمارا تاخر زمانی ہمارے تقدم رتبی کو مانع نہ ہوگا۔

ثم هذا يومهم الذی فرض عليهم جمعہ کی فرضیت امت محمدیہ علی صاحبها الصلوة والسلام واكمل التحيات واشرف التسليمات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح سے تعظیم یوم السبت یہود کیلئے حکم الٰہی ہے، شریعت موسوی کا ایک خاص حکم ہے اسی طرح یوم الاحد شریعت عیسوی کا ایک خاص دن اور عیسائیوں کے یہاں مبارک دن ہے، لہذا اشکال یہ ہے کہ پھر فاختلفوا کا کیا مطلب؟ کیونکہ بظاہر اسکا مطلب تو یہ ہے کہ اختیار دیا گیا ہے پھر ان لوگوں نے اختلاف کیا اور یہود نے یوم السبت اور نصاری نے یوم الاحد کو اختیار کرلیا اس کا جواب یہ۔ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض احکام ابتدائی ہوا کرتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ اختیار دیکر اپنے بندوں کو آزماتے ہیں۔ شب معراج میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے مختلف پیالے پیش کئے گئے، حضور اکرم ﷺ نے دودھ کا پیالہ منتخب فرمایا اس پر ارشاد ہوا کہ اگر تم شراب کا پیالہ لے لیتے نحوت امتک اور دودھ پینے پر اصبت الفطرہ فرمایا تو چونکہ جمعہ کی روایات دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نہ ہوا ہو بلکہ ہمارے اسلاف نے اس کو چھانٹا پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمادیا کیونکہ بہت سے احکام شوق کی وجہ سے فرض ہوجاتے ہیں كما دل عليه حديث التراويح۔ چنانچہ اس میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے تو صحابہ سے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں آیا کہ کہیں یہ تراویح تم پر فرض نہ ہوجائے، معلوم ہوا کہ شوق کی وجہ سے فرض ہو جاتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جی بہت سی چیزوں کو چاہا کرتا تھا مگر اس خوف سے نہیں کرتے تھے کہ کہیں امت پر فرض نہ ہوجائے، ابوداود کی ایک روایت ہے جس میں یہ ہے کہ ایک تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ ہر جمعہ کو اسعد بن زرارہ کیلئے دعا کرتے تھے، میں نے پوچھا کہ ابا جان! اسعد بن زرارہ کون تھے؟ انہوں نے جواب دیا۔ هو اول من جمع بنا۔ اور قصہ اسکا یہ ہے کہ اسعد بن زرارہ اپنی قوم کی تعلیم کے لئے تشریف لائے وہ ان کو تعلیم دیا کرتے تھے اس میں انہوں نے یہ کہا کہ اگر ایک خاص دن مقرر کرلیتے تو اچھا ہوتا چنانچہ جمعہ کا دن مقرر کرلیا اس میں سب لوگ جمع ہوجاتے اور وہ لوگوں کو تعلیم دیتے اور پھر فراغت کے بعد دو رکعت شکرانہ پڑھا کرتے، اللہ تعالیٰ نے رغبت دیکھ کر فرض فرمادیا۔ اس روایت سے امام ابوداؤد نے جمعه فی القری ثابت فرمایا ہے، اور استدلال اول من جمع بنافی حرة بنی بياضة سے فرمایا ہے، اور اس کا جواب اپنی جگہ پر آئے گا۔ تو جس طرح ہم پر جمعہ ہمارے اسلاف کے اختیار کرنے سے فرض ہوگیا، اسی طرح ابتداء قوم موسیٰ وعیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر تعظیم یوم السبت وتعظیم یوم الاحد فرض نہ تھی مگر انہوں نے اس کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اختیار کی وجہ سے فرض فرمادیا۔ فالناس لنا فيه تبع الخ اولا جمعہ آتا ہے پھر شنبہ اور اس کے بعد یک شنبہ آتا ہے۔

باب فضل الغسل يوم الجمعة

شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حکم نہیں لگایا مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا اسلئے کہ امام بخاری نے تو فضل کا حکم لگایا ہے اور مذاہب علماء اس میں یہ ہیں کہ بعض ظاہر یہ وجوب کے قائل ہیں لكثرة الاوامر، بالغسل فی یوم الجمعة اور متاخرین حضرات حنابلہ کے یہاں قول راجح ومفتی بہ یہ ہے کہ مزدور پیشہ اور کام کرنے والوں کیلئے تو فرض ہے اور جو لوگ کچھ کام کاج نہیں کرتے ان پر فرض نہیں اور انکا استدلال حضرت ابن عباس کی روایت سے ہے۔ جس میں وہ غسل جمعہ کے حکم کی علت بیان فرماتے ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ کام کاج کرتے تھے، اور پھر وہ اسی حالت میں جمعہ کیلئے آتے تھے، اور ان کے کپڑوں سے بدبو آتی تھی،

جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، لو اغتسلتم اور اب یہ بات نہیں رہی، اور بقیہ ائمہ کے نزدیک سنت ہے، اذدخل رجل هو عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، من المهاجرين الاولين. اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنکا ذکر آیت کریمہ والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار۔ میں ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ مہاجرین اولین کون ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ وہ مہاجرین سابقین ہیں جو اصحاب الہجرتین ہیں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہیں جو اصحاب القبلتین ہیں۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ مہاجرین اولین سابقین سے اصحاب بدر مراد ہیں۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں، جو اصحاب الشجرہ کہلاتے ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب الهجرتين ومن المصلين الى القبلتين ومن اصحاب الشجرة ہیں۔ فناداه عمر اية ساعة هذه جولوگ وجوب کے قائل ہیں وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زجر سے استدلال کرتے ہیں۔ اور منکرین وجوب اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ تو حضرت عمر تھے جو صرف زجر پر اکتفاء کرلیا، اگر مار بھی دیتے تو کوئی عجب نہیں تھا، اگر واجب ہوتا تو صرف زجر پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ امر فرماتے کہ غسل کر کے آئیں۔ (۱)

باب الطيب للجمعة

خوشبو کے بارے میں ائمہ اربعہ و اصحاب ظواہر میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ صحابہ میں اختلاف تھا۔ بعض صحابہ وجوب کے قائل تھے اور بعض قائل نہیں اسی واسطے روایات میں بعض حکم لگاتے ہیں اور بعض لا ادری کہہ دیتے ہیں اور اب ائمہ و ظواہر کے یہاں بالاتفاق اولی ہے، قال ابو عبدالله هو اخو محمد بن المنكدر الخ۔ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ سند حدیث میں جو ابو بکر وارد ہے وہ محمد بن منکدر کے بھائی ہیں اور ان کا کوئی نام نہیں ذکر کیا گیا اور ان سے متعدد راویوں نے روایت کی ہے جن میں سے بعض کا نام بخاری میں مذکور ہے، یعنی معروف آدمی ہیں۔ وكان محمد بن منكدر يكنى بابى بكر و ابى عبدالله ۔ یعنی تم کو التباس نہ ہو جائے، محمد بن منکدر کی کنیت ابو بکر بھی ہے، اور ابو عبداللہ بھی ہے۔

باب فضل الجمعة

یا تو صلوۃ جمعہ کی فضیلت بیان کرنی ہے یا ذهاب لصلوة الجمعة کی فضیلت بیان کرنی ہے من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة، غسل الجنابة یا تو منصوب بنزع الخافض ہے اور مطلب یہ ہے کغسل الجنابة یعنی غسل جنابت کی طرح خوب استیعاب سے کرے اور مالکیہ کے یہاں تو دلک بھی فرض ہے حتی کہ اگر ایک قطرہ کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی گئی تو کسی کے یہاں بھی غسل

---

(۱) باب فضل الغسل يوم الجمعة الخ: بچہ پر غسل ہونے نہ ہونے کے اندر صراحت نص نہیں ہے۔ اس لئے لفظ "هل" بڑھایا۔ لیکن روایت میں كل محتلم کی قید یہ بات بتلا رہی ہے کہ بچہ پر واجب نہیں ہے، نیز آگے روایت میں آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں آنکی اجازت دیدیا کرو، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ میں آنا ان کیلئے نہیں اور نہ ان پر غسل ہے اب اس میں اختلاف کہ یہ غسل یوم جمعہ کیلئے ہے یا صلوۃ جمعہ کیلئے۔ دونوں قول ہیں۔ اب میری رائے سنو! کہ روایات کے تتبع و تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ کل تین غسل کا ذکر آتا ہے ایک لكل الاسبوع ، دوسرے غسل يوم الجمعة تیسرے غسل لصلوة الجمعة اول کا تعلق نظافت سے ہے اور اسکا تعلق جمعہ سے کچھ نہیں۔ دوسرے غسل کو نماز سے کوئی تعلق نہیں اور تیسرا غسل وہ ہے جو نماز کے لئے ہو لہذا اگر کوئی شخص نماز سے قبل غسل کرے اور نماز کی جمعہ کے دن کی اور اسبوع کی نیت کرے تو تینوں غسلوں کا ثواب ملے گا۔ (س)

نہیں ہوگا۔ اور اگر دلک چھوڑ دیا تو مالکیہ کے یہاں غسل نہ ہوگا۔ لہذا حاصل یہ ہوا کہ خوب استیعاب و دلک کے ساتھ غسل کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مفعول مطلق ہو۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ غسل جنابت کرے، یعنی پہلے اپنی بیوی سے جماع کرے پھر غسل کرے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ایسا غلط ہے نہیں اور میری بھی یہی رائے ہے اور اس کی وجہ یہ کہ چونکہ جمعہ کا دن اجتماع کا دن ہوتا ہے، اس میں بازاروں میں سے ہو کر جانا ہوتا ہے تو ممکن ہے کسی عورت پر نگاہ پڑ جائے اور بدنظری ہو، بخلاف اسکے کہ جب غسل جنابت کئے ہوئے ہوگا اور جماع سے فارغ ہوگا تو پھر طبیعت آسودہ ہوگی اس وقت طبیعت نہ چاہے گی اور بدنظری سے محفوظ رہے گا۔ اب یہاں ایک فقہی مسئلہ مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ غسل جنابت غسل جمعہ کیلئے کافی ہوگا یا نہیں؟ جمہور کے یہاں کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ مقصد ازالۂ ریاح ہے اور مالکیہ کے یہاں اگر غسل جنابت کے ساتھ غسل جمعہ کی بھی نیت کر لی تو کافی ہو جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ **فاذا خرج الامام** یعنی جب خطبہ کے لئے امام منبر پر آ جائے اور مطلب یہ ہے کہ جانے والے امام کے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے پہلے پانچ قسموں میں منقسم ہو جائیں گے۔

اب پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ساعات خمسہ مذکورہ فی الحدیث کب سے شروع ہونگی جمہور کے نزدیک صبح کی نماز کے بعد سے لیکر امام کے خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہونے تک جتنا وقت ہوگا اسکو پانچ حصوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر مثلاً صبح کی نماز کے بعد سے لیکر **نهوض الامام للخطبة** تک پانچ گھنٹے ہوں تو ایک ایک گھنٹہ ہو جائے گا۔ **فالذاهب فی الاولی کالمهدی بدنة الخ** حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اگر ساعات سے مراد یہ ہو جو آپ فرماتے ہیں تو کوئی بھی بدلہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اسلئے کہ ہم نے نہیں سنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین صبح سے مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہوں اور پھر حضور اکرم ﷺ کی ترغیب کے باوجود چھوڑ دیتے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے ابھی معلوم ہو گیا کہ وہ اذان کے وقت جب کہ خطبہ شروع ہو گیا اس وقت آئے تو جب مہاجرین اولین کا یہ حال تھا تو پھر اوروں کا کیا پوچھنا اسلئے یہ کہا جائے گا کہ یہ ساعات بعد الزوال شروع ہوں گی۔ اور زوال کے بعد سے لیکر **نهوض الامام للخطبة** تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ قسموں میں تقسیم کر لیا جائے گا۔ اگر ایک گھنٹہ ہو تو ۱۲۔۱۲ منٹ کی ساعات ہو جائینگی جمہور فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں زوال کے ہوتے ہی خطبہ کی اذان ہو جایا کرتی تھی اور حضور اکرم ﷺ خطبہ کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت اذان اول تو تھی ہی نہیں یہ تو حضرت عثمان کے زمانے میں زیادہ کی گئی۔ پھر ساعات کہاں ملیں گی، لہذا ساری ترغیب بیکار ہو جائے گی اور یہ کہنا کہ صحابہ سے منقول نہیں ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے اور یہاں جمہور اور مالکیہ کے خلاف چکی کا پاٹ ہے اوجز میں اسکے موافق روایت تلاش کر کے لکھی گئیں ہیں وہاں دیکھو۔ اجمال یہ ہے کہ **ذهاب الی الجمعه** کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض میں **من غدا الی الجمعة** ہے اور غدوہ کے معنی ہیں صبح کو جانا اور بعض میں **من راح** ہے، اور رواح کے معنی ہیں زوال کے بعد جانا اور بعض میں **من بكر** ہے اور تبکیر اور غدوہ ایک ہی ہے فرق یہ ہے کہ تبکیر میں کچھ مبالغہ ہے اور بعض میں **المهجر** کا لفظ ہے، میرے نزدیک **مهجر** والی روایت راجح ہے کیوں کہ تہجیر کے معنی ہیں دھوپ میں جانا اور اس کے مراد لینے میں ہر روایت میں جمع ہو جاتا ہے کیونکہ تبکیر وغدوہ کی روایت مجاز اقرب کیوجہ سے تہجیر والی روایت پر محمول ہو جائیں گی۔ اسی طرح راح بھی اذا اس پر محمول ہو جائے گی اب نہ مالکیہ کا اشکال رہتا ہے اور نہ جمہور کا۔

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کی رائے ہے کہ مالکیہ پر رد کرنا مقصود ہے اور میری رائے یہ ہے کہ مالکیہ کی تائید

ہے حافظ رحمہ اللہ نے حضرت عمر کے انکار سے استدلال کیا ہے اور طریق استدلال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کیا کہ دیر سے کیوں آئے اور وہ زوال کے بعد اذان ہوتے ہی آئے تھے، تو جب اس وقت سے ساعات شروع ہوتی ہیں تو پھر اعتراض کیوں کیا، اور میرا استدلال راح کے لفظ سے ہے کہ باوجود انکار کے حضرت عمر نے رواح کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقصود جمعہ کی فضیلت ثابت کرنا ہو، امر بالاغتسال سے۔

باب الدهن للجمعة

یہ طیب ہی کے قبیلہ سے ہے، اما الطیب فلا ادری اس میں اشکال ہے کہ ابن ماجہ میں ابن عباس کی روایت میں طیب کا ذکر ہے اب یا تو یہ کہا جائے کہ تعارض کی صورت میں بخاری کی روایت راجح ہوگی۔ اور یا یہ کہا جائے کہ ممکن ہے کہ پہلے یاد نہ رہا ہو اور پھر یاد آ گیا ہو لہذا ممکن ہے کہ بخاری کی روایت مقدم ہو اور ابن ماجہ میں مذکور ہے وہ بعد کا واقع ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن ماجہ والی روایت از قبیل مراسیل صحابہ ہو یعنی پہلے معلوم نہ تھا، اس لئے نفی کر دی اور پھر ابو سعید خدری وغیرہ کو سن کر روایت فرمادی، (۱)

باب ما يلبس احسن مايجد

صفحہ ایک سوتیس (۱۳۰) پر باب العیدین میں ایک باب، باب ماجاء فی العیدین والتجمل فیھا آ رہا ہے، حضرت امام بخاری نے جو روایت یہاں ذکر فرمائی ہے وہی وہاں بھی ذکر فرمائی اور الفاظ کے ترجمہ میں فرق فرما دیا۔ میرے نزدیک احسن مایجد سے تو حضرت امام بخاری نے ابواب الجمعہ میں ذکر فرما کر یہ اشارہ فرمایا کہ جمعہ میں نئے کپڑے خریدنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہیں ان میں سے جو اچھا ہو ان کو پہن لے اور عیدین میں اگر نئے کپڑے خرید لے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں اور حضور اقدس ﷺ کا انکار تجمل پر نہیں تھا بلکہ ریشمی ہونے کی وجہ سے تھا۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ تجمل جائز ہے اور انکار امر عارض کی وجہ سے ہے،

باب السواک یوم الجمعة

جمعہ کے دن مسواک کرنا بعض ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے اور جمہور کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور بعض ظاہریہ مثلاً اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اگر مسواک عمداً چھوڑ دی تو جمعہ ہی صحیح نہ ہوگا، میرے نزدیک حضرت امام بخاری جمہور کے مذہب کی طرف مائل ہیں اسی لئے روایت عامہ ذکر فرمائی۔ خاص طور سے جو مسواک فی الجمعة میں وارد ہیں، ان کو ذکر نہیں فرمایا۔ اذاقام من اللیل یشوص فاہ۔ اس روایت پر اشکال ہے کہ یہ ترجمہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اسکا تعلق تہجد سے ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ تاکید مسواک پر استدلال فرماتے ہیں کہ جب نفل کے لئے مسواک کرتے تھے، تو فرض کے لئے بدرجۂ اولی ہونا چاہئے۔ (۲)

---

(۱) باب الدهن للجمعة یہ جمہور کے نزدیک مستحب ہے اور حضرت ابو ہریرہ کے نزدیک واجب ہے۔ (ن)

(۲) باب السواک یوم الجمعة۔ حدثنا محمد بن کثیر۔ اس روایت پر اشکال ہے کہ باب سے اس کو کوئی مناسبت نہیں کیونکہ روایت میں لیل کے مسواک کرنے کا ذکر ہے، اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جب آپ رات کو مسواک کرتے تھے تو جمعہ کیلئے بطریق اولی مسواک فرماتے ہوں گے کہ وہ اس سے اہم ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو ذکر فرما کر یہ بتلا دیا کہ حضور نے بھی رات کو مسواک کی ہے لہذا جمعہ کے دن کی کوئی خصوصیت نہیں رہی، اس صورت میں ظاہریہ پر رد ہو جائے گا۔ (س)

باب من تسوک بسواک غیرہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسواک ایک موکد چیز ہے لہذا اگر کسی سے مانگ کر کرلے تو جائز ہے باوجودیکہ سوال ذلت ہے، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ حضرت امام بخاری کی غرض اس باب سے ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کا ریق اسکے حق میں طاہر اور دوسرے کے حق میں نجس ہے مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے، اسلئے کہ اگر یہ غرض ہوتی تو ابواب الطہارۃ میں جہاں سور کا ذکر آیا تھا۔ وہاں یہ باب ذکر فرماتے روایت مرض الوفات کے زمانے کی ہے یقرأ فی الفجر یوم الجمعة الم تنزیل وھل اتی علی الانسان . قد افرط الشوافع حتی لایقرؤون غیر ھما وفرط الحنفیة حیث ترکوھما عامة .

باب الجمعة فی القری والمدن

قریہ گاؤں چھوٹی آبادی کو کہتے ہیں۔ اور مدن شہر بڑی آبادی کو کہتے ہیں اب میں یہاں پر نہایت جامع اور مختصر بات کہونگا غور سے سنو! حضرت رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو جس دن پہنچے وہ جمعہ کا دن تھا اور حضور اقدس ﷺ نے سب سے پہلے جمعہ مدینہ منورہ میں بنو سالم میں پڑھا۔ اس پر محدثین و مورخین کا اتفاق ہے اور قبا میں چودہ یا چوبیس دن قیام فرمایا اور تحقیق گزر چکی مگر ان ایام میں وہاں جمعہ نہیں پڑھا۔ اور سب سے پہلے مسجد نبوی کے بعد جو جمعہ پڑھا گیا وہ جواثی میں جو قریہ من قری البحرین ہے، اور اتنی مدت میں کتنے گاؤں مسلمان ہوئے مگر کہیں جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ اب چونکہ باوجود بہت سارے گاؤں وغیرہ مسلمان ہوجانے کے پھر بھی قبا اور ان گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھا گیا یہ اجماعی مسئلہ ہوگیا کہ ہر گاؤں میں جمعہ جائز نہیں بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں البتہ اس زمانے کے اہل حدیث جو جی میں آتا ہے وہ کر گذرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب حجة اللّٰــه البالغه میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جمعہ ایک تمدن کو چاہتا ہے اس لئے کہ باوجود متعدد گاؤں کے مسلمان ہونے کے سوائے جواثی کے اور کہیں جمعہ نہیں پڑھا گیا اب جو لوگ جمعه فی القری کے قائل ہیں وہ قریة من قری البحرین سے استدلال کرتے ہیں کہ جواثی کو قریہ فرمایا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ لفظ قریہ سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں مکہ اور طائف پر بھی قریہ کا اطلاق ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے، لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ. چونکہ آٹھ برس تک کہیں جمعہ سوائے مدینہ کے نہیں ہوا اس لئے اتفاق ہے کہ ہر گاؤں میں جمعہ ناجائز ہے اور یہ بھی اتفاق ہے کہ قریہ صغیرہ میں ناجائز ہے۔ البتہ قریہ صغیرہ کی تحدید میں اختلاف ہوگیا۔ اس لئے کہ حضور اکرم سے تو کوئی تحدید مروی نہیں ہے۔ صرف یہ ثابت ہے کہ مدینہ منورہ میں ہوتا رہا۔ اور پھر ۸ھ میں جواثی میں ہوا۔ اور چونکہ امام صاحب کے یہاں ایسے مواقع پر مدار عرف پر ہوا کرتا ہے اسلئے انہوں نے تو عرف پر رکھا اور چونکہ ہر زمانے کا عرف بدلتا رہتا ہے، اس لئے تعریفات فقہاء میں اختلاف ہوگیا۔ ایک زمانے میں یہ تھا کہ وہ گاؤں بڑا ہے جہاں کوئی حاکم یا قاضی ہو، لہٰذا انہوں نے قریہ کبیرہ کی پہچان یہ بتلائی کہ قریہ کبیرہ وہ ہے جہاں کوئی حاکم یا قاضی ہو۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں قریہ کبیرہ کی تعریف کی جہاں ڈاکخانہ پولیس چوکی ہو اور اخیر میں پانچ ہزار کی آبادی کو معیار بنایا۔ اور مالکیہ کے یہاں قریہ عظیمہ وہ ہے جہاں بیوت متصلہ واسواق متصلہ ہوں، ہاں شوافع اور حنابلہ کی شروط آسان ہیں جو ان کی کتب میں مذکور ہیں۔ اب جو یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ ناجائز ہے یہ صرف امام صاحب کا ہی مذہب نہیں بلکہ میرے خیال میں تو امام مالک کا مذہب ان سے بھی زیادہ

سخت ہے اور آج کل جو یہ کر رکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز ہے لہذا جواز کا فتوی دے دیتے ہیں اور پھر وہ جمعہ پڑھتے ہیں۔ اور ادھر یہ کر رکھا ہے کہ احناف کے قول پر متعدد جگہ جمعہ پڑھتے ہیں یہ کسی کے قول پر صحیح نہیں۔ ہاں شوافع کے نزدیک اول جمعہ صحیح ہو جائے گا یہ تلفیق ہے اور تلفیق حرام ہے اور تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ ایک قول ان کا لے لیا اور ایک قول دوسرے کا۔ جیسے کوئی امام شافعی کا قول اس میں اختیار کرے کہ خون سے وضو نہیں ٹوٹتا اور حنفیہ کا قول اس میں لے لے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں۔ اور اس نے مس ذکر بھی کیا اور خون بھی نکلا تو کسی کے نزدیک بھی وضو صحیح نہیں ہوگا۔ لہذا تلفیق سے بچنا ہوگا۔ وانا معه. ای مع الزهری ووقع التسامح من بعضهم اذا رجع الضمير الى رزيق . فكتب ابن شهاب الخ . شراح کے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ رزیق ایلہ کے حاکم تھے، اور وہ ایک جگہ اپنے نوکروں کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے تھے انہوں نے زہری کے یہاں لکھا کہ میں یہاں جمعہ پڑھ لیا کروں۔ ابن شہاب نے اجازت دے دی۔ اور كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته سے استدلال فرمایا۔ میرے نزدیک شراح کا یہ مطلب قرار دینا غلط ہے زہری نے جو جواب دیا اور جو استدلال فرمایا وہ صحیح ہے اور میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ رزیق ایلہ کے حاکم تھے، اور وہ زاویہ میں رہتے تھے، اور کھیتی کرتے تھے، زاویہ ایک گاؤں ہے، تو انہوں نے زہری کو یہ لکھا کہ میں ایلہ کا حاکم ہوں کیا میرے ذمہ جمعہ کے دن ایلہ حاضر ہونا ضروری ہے، امام زہری نے لکھا کہ ہاں تمہارے ذمہ ضروری ہے، کیونکہ تم ایلہ کے حاکم ہو۔ اور وہاں لوگ جمعہ پڑھنے کیلئے جاتے ہیں تو اگر کوئی بات پیش آ گئی تو کیا ہوگا، تم سے سوال ہوگا اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں. كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته۔

میرے اور شراح کے بیان کرنے میں فرق یہ ہے کہ انہوں نے یجمع کا مطلب یہ لیا کہ جمعہ پڑھیں اور میرے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ جمعہ میں حاضر ہوں اور میری دلیل یہ ہے کہ آگے ایک باب آ رہا ہے۔ باب من این یوتی الجمعة اس میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق فرماتے ہیں كان انس فی قصره احیانا یجمع واحیا نالایجمع۔ اور یہاں جو معنی میں نے زہری کے قول کے بتلائے وہی متعین ہیں یعنی حضرت انس کبھی جمعہ میں حاضر ہوتے تھے اور کبھی نہیں حاضر ہوتے تھے، اور شراح نے بھی یہاں اسی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اگر اسکے معنی پڑھنے کے ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ کبھی پڑھتے تھے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے، یہ غلط ہے کیونکہ اگر جمعہ ہوتا تھا تو اسکو نہ پڑھنے کا کیا مطلب؟ اسلئے وہی معنی متعین ہیں۔ اب میں کہتا ہوں کہ جو معنی یہاں مراد لیتے ہیں وہی معنی زہری کے قول میں بھی متعین اور مراد ہیں (١)

باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان

حضرت امام بخاری کی عادت شریفہ یہ ہے کہ جہاں روایات میں اختلاف ہو یا ائمہ میں اختلاف ہو تا وہاں کوئی حکم نہیں لگاتے بلکہ هل بڑھا کر اس سے اختلاف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں غسل یوم الجمعہ کے بارے میں دو طرح کی روایات ہیں ایک یہ کہ غسل الجمعة واجب على كل محتلم اسکا تقاضا یہ ہے کہ غسل جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے خواہ وہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے اس لئے کہ اس

(١) باب الجمعة فی القری الخ جمعہ فی القری کو عوام کالانعام اور نیم مولویوں نے بہت اچھال رکھا ہے ہمارے یہاں ایک مثل ہے، نیم مولوی خطرہ ایمان۔ نیم حکیم خطرہ جان، متقدمین ومتاخرین سب اس پر متفق ہیں۔

حدیث میں نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ **من اتی الجمعة فلیغتسل** اسکا تقاضا یہ ہے کہ غسل جمعہ صرف مصلی کیلئے ہے کوئی ہو۔ چونکہ ان دونوں روایتوں کے عموم میں تعارض ہو گیا اسلئے امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور ان ہی اختلاف روایات کی بناء پر اس میں اختلاف ہو گیا کہ یہ غسل نماز جمعہ کیلئے ہے یا یوم الجمعۃ کے لئے، جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ صلوۃ الجمعۃ کا غسل ہے اور یہی حنفیہ کا راجح قول ہے اور استدلال **من اتی الجمعة فلیغتسل** سے ہے اور اسی طرح اس روایت سے ہے، جس میں ہے کہ لوگ مزدور پیشہ تھے، صوف پہنتے تھے، کام کرتے تھے، اور جب جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے آتے تو بدبو پھیلا کرتی تھی، اس وقت سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا **لو انکم تطهرتم لیومکم هذا**۔ اسی طرح **من جاء منکم الجمعة** سے استدلال کیا جاتا ہے اس تقدیر پر کہ الجمعۃ منصوب ہے اسی طرح **اذا راح احدکم الی الجمعة فلیغتسل** سے استدلال ہے، اور جو حضرات اسکو یوم الجمعۃ کا غسل مانتے ہیں، ان حضرات کا استدلال **غسل الجمعة واجب علی کل محتلم** اور **اذا جاء احدکم الجمعة یرفع الجمعة** سے ہے۔ اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جیسے اور ایام متبرکہ مثلاً عیدین یا امکنۂ متبرکہ مثلاً مکہ میں داخلہ کے وقت غسل ہے اسی طرح یہاں جمعہ کی وجہ سے غسل ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تین قسم کی روایات ہیں ایک **من اتی الجمعة فلیغتسل** اس سے غسل لصلوۃ الجمعۃ ثابت ہوتا ہے دوسری روایت وہ ہے جس سے غسل لیوم الجمعۃ ثابت ہوتا ہے، اور تیسری وہ روایت ہے جس سے ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کرنا معلوم ہوتا ہے، **کما ورد حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام**۔ تو اب میرے نزدیک تین قسم کے الگ الگ مستقل غسل ہو گئے، ایک غسل نماز جمعہ کیلئے۔ دوسرا جمعہ کے دن کا، اور تیسرا ہفتہ میں ایکبار۔ اور یہ غسل نظافت کا غسل ہے، اور کسی ایک میں تدافع نہیں بلکہ ہر ایک مستقل ہے غسل نظافت کی حدیث پاک میں بہت سی نظائر ہیں مثلاً حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو پراگندہ بال والا دیکھا تو فرمایا تو انکی اصلاح کر لینا اور غسل کر لینا او **کما قال رسول الله** ﷺ۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا(1) کہ مدینہ منورہ میں غسل کر کے شامۃ کی طرح آؤ۔ اور غسل **لصلوة الجمعة** تو ظاہر ہے اور غسل یوم الجمعۃ اس لئے کہ اماکن وازمنۂ مقدسہ کے بارے میں غسل وارد ہے تو اگر جمعہ بھی اسی قبیل سے ہو تو کیا بات ہے البتہ اگر کوئی کسی وجہ سے جمعہ کے دن غسل نہ کر سکے تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار تو غسل ضرور کر لینا چاہئے، اور اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز سے پہلے نماز جمعہ یوم جمعہ وغسل الاسبوع سب کی نیت کر کے غسل کرے تو سب کی طرف سے کافی ہو جائیگا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان جمہور کے قول کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ غسل للصلوۃ ہے۔ **ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد** معلوم ہوا کہ ان پر غسل واجب نہیں۔ کیونکہ جمعہ تو دن میں ہوتا ہے اور عورتوں کو رات میں جانے کی اجازت دی جارہی ہے، تو پھر جمعہ میں کیسے حاضر ہو سکتی ہیں۔ **لم تخرجین وقد تعلمین ان عمر یکره ذالک الخ**۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ صبح اور عشاء کی نماز مسجد میں حاضر ہو کر پڑھا کرتی تھیں اور حضرت عمر کو ان کا اور دیگر مستورات کا حرم میں جانا بہت گراں گذرتا تھا مگر منع نہیں کرتے تھے، کراہت تو فساد زمانہ کیوجہ سے تھی اور خاموشی ادبا لرسول اللہ ﷺ تھی۔ اور بات یہ ہے کہ یہ حضرات حضور اقدس ﷺ کے جانثار تھے، اور ان پر حد

---

(1) ولفظ الحدیث "حتی تکونوا کانکم شامة فی الناس"

درجہ ادب کا غلبہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اجازت کے بھی محض غلبہ ادب کیوجہ سے نماز میں پیچھے ہٹ گئے تھے، اور صرف حضرت عمر ہی عورتوں کے جانے کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ دوسرے صحابہ بھی اس کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے لوادرک رسول الله ﷺ مااحدث النساء لمنعهن المسجد کمامنعت نساء بنی اسرائیل ۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسکو مکروہ سمجھتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمر کی بیوی حضرت عمر کے انتقال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں تو حسب معمول مسجد میں جاتی رہیں۔ حضرت زبیر کو بڑا ناگوار گذرا ایک دن جب وہ جانے لگیں تو حضرت زبیر جلدی سے آگے بڑھ گئے اور ان سے راستہ میں ملکر انکی سرین پر تھپڑ مارا اور چلدیئے۔ چونکہ اندھیرا تھا اسلئے وہ حضرت زبیر کو نہ پہچان سکیں۔ یہ صحابیہ وہیں سے لوٹیں۔ اور مسجد میں اگلے دن سے جانا بند کردیا۔ حضرت زبیر نے دریافت کیا کہ اب تم نماز پڑھنے نہیں جاتیں؟ کہنے لگیں بس اب زمانہ نہیں رہا۔

تو کہنا یہ ہے کہ جب خیر القرون میں حضرات صحابہ عورتوں کی اس آمد ورفت کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، تو اب اس دور فتن و فساد میں تو ہرگز نہ جانا چاہیئے۔

باب الرخصة ان لم يحضر الجمعة فی المطر

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بارش ان اعذار میں سے ہے جن کی بناء پر جمعہ کی نماز اور نماز باجماعت کا ترک کرنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ بارش میں نکلنے سے کسی نقصان کا خوف ہو۔ هل صلوا فی بیوتکم میں اس پر کلام کرچکا ہوں کہ اس جملہ کو اذان کے درمیان میں کہے یا بعد الفراغ من الاذان، باب کی یہ روایت امام بخاری باب الکلام فی الاذان میں بھی ذکر کرچکے ہیں۔

باب من این توتی الجمعة

امام ترمذی نے باب باندھا ہے من کم توتی الجمعة یہ پہلے معلوم ہوچکا کہ ہر ہر گاؤں میں باتفاق العلماء جمعہ جائز نہیں بلکہ اس کے لئے ایک قسم کی مدنیت شرط ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس پر تواتر معنوی نقل فرمایا، اور اسی وجہ سے کہ ہر ہر گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ۱ھ سے لیکر ۸ھ تک کسی گاؤں میں جمعہ نہیں ہوا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس جگہ کے آس پاس کے لوگوں پر کہاں تک جمعہ فرض ہے، ایک روایت میں ہے، الجمعة علی من سمع النداء ۔لیکن اسکا مصداق اہل شہر نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ اسکا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شہر میں رہنے والا ہو اور کسی عارض کی وجہ سے وہ اذان نہ سن سکے تو اس پر جمعہ واجب ہی نہیں حالانکہ یہ غلط ہے اور اسکا کوئی قائل نہیں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نواحی مصر میں جہاں تک اذان کی آواز جاسکتی ہو ان پر فرض ہے خواہ وہ اذان سنیں یا نہ سنیں۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ الجمعة علی من سمع النداء مسافر کے بارے میں ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر شہر میں آجائے اور وہاں جمعہ ہوتا ہو تو اس پر حضور فی الجمعۃ فرض ہے، دوسری روایت میں الجمعة علی من آواہ اللیل آتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اتنی دور کے لوگوں پر فرض ہے، جو نماز جمعہ پڑھکر اپنے گھر پہنچ جائیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو تین فرسخ پر ہو اس پر واجب ہے، اور یہ بھی حنفیہ کے یہاں ایک قول ہے اور حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ حکم مصر میں فنائے مصر والے ہیں۔ امام بخاری نے کوئی

حکم نہیں لگایا صرف سرد روایات پر اکتفاء فرمالیا۔قال عطاء اذا کنت فی قریة جامعة ۔ چونکہ اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللّٰہ ۔اسی طرح حدیث پاک الجمعة علی من سمع النداء سے یہ ایہام ہوتا تھا کہ جمعہ میں حاضر ہونا صرف اس پر ضروری ہے جو بالفعل اذان سنے،اسلئے حضرت امام بخاری نے عطاء کا قول نقل فرما کر اس شبہ کو دفع فرمادیا کہ جہاں جمعہ ہوتا ہو تو وہاں کے لوگوں کو حضور فی الجمعۃ واجب ہے خواہ اذان سنیں یا نہ سنیں۔اسی کے ساتھ ساتھ عطاء کے مقولہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قری دو قسم کے ہوتے ہیں ایک قری جامعہ اور دوسرا غیر جامعہ عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ عطاء سے قریہ جامعہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کس کو کہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا الذی له امیر وقاض اور یہی حنفیہ کا ایک قول ہے چونکہ اسکا مدار عرف پر ہے اسلئے تعریفیں بدلتی رہتی ہیں۔

چنانچہ شیخ المشائخ قطب الوقت حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی یہ تھا کہ جہاں پولیس چوکی اور ڈاک خانہ ہو وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے یہ فتوی اس زمانے کا ہے جب کہ بڑی بڑی جگہوں میں ڈاکخانے اور چوکیاں ہوتی تھیں اور اب تو کیا کہنا ہر جگہ ڈاکخانہ اور چوکی ہوتی ہے حضرت کے اس فتوی میں کوئی عدد وغیرہ مروی نہیں۔وکان انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، فی قصرہ احیانا الخ۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بصرہ سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر ایک قصر تھا جہاں ان کی زمین تھی اور وہ کبھی کبھی جمعہ کیلئے بصرہ چلے جاتے تھے۔یہی وہ اثر ہے جس سے میں نے استدلال کیا تھا کہ رزیق نے جمعہ میں حاضر ہونے کے متعلق سوال کیا تھا نہ کہ جمعہ پڑھنے کے متعلق۔اور زہری نے جواب دیا کہ ضرور حاضر ہوا کرو کیونکہ تم وہاں کے حاکم ہو اور حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته .ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی ۔اس سے معلوم ہو کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض نہیں ہے ورنہ انتیاب کے کیا معنی؟ ہمیشہ آنا ضروری ہوتا یہ انتیاب تعلم کی غرض سے ہوتا تھا جیسے حضرت عمر اور انصاری صحابی میں انتیاب ہوتا تھا،اور یہ کہنا کہ یہ لوگ ممکن ہے اپنے گھر جمعہ پڑھ لیتے ہوں صحیح نہیں اسلئے کہ جواثی کی روایت میں گذر چکا کہ مسجد نبوی کے علاوہ کسی جگہ جمعہ سوائے جواثی کے قائم نہیں کیا گیا۔

اب ایک مسئلہ سنو! اصل یہ ہے کہ جمعہ صرف پورے شہر یا قصبہ میں ایک جگہ ہونا چاہیئے مگر اعذار کی وجہ سے مختلف جگہوں میں جواز کا فتوی امام محمد سے منقول ہے شامی نے بھی نقل کیا ہے اور امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر بغداد جیسا کوئی شہر ہو تو اس میں متعدد جگہ جائز۔ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ اجتماع کیلئے ہوتا ہے تو ایک ہی جگہ ہونا چاہیئے نوافل گھروں میں اور صلوۃ مفروضہ مساجد جماعات میں اور جمعہ مسجد جامع میں ہونا چاہئے۔

باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس

حضرت امام بخاری کی عادت تم کو معلوم ہی ہے کہ جہاں کوئی قوی اختلاف ہوتا ہے وہاں کوئی حکم نہیں لگاتے اور جہاں اختلاف ہو مگر دلیل قوی ہو تو بناء الحکم کر دیتے ہیں جیسے باب وجوب الجماعة میں۔یہاں پر حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ جمعہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے امام بخاری نے ان پر رد فرمادیا حنابلہ کا استدلال ما کنا نقیل ولا نتغدی الا بعد الجمعة سے ہے غداء کہتے ہیں صبح کے کھانے کو اور قیلولہ کہتے ہیں نوم وقت الزوال کو۔لہذا معلوم ہوا کہ جمعہ پہلے ہی پڑھ لیتے تھے،ورنہ غداء و قیلولہ جمعہ کے بعد کیسے ہوتا۔ جمہور جوز وال کے بعد جمعہ کے قائل ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ تم نماز کو کیوں آگے بڑھا دیتے ہو۔قیلولہ اور غداء ہی کو اپنے وقت سے کیوں نہیں بڑھا دیتے،جسکا مطلب یہ ہوگا کہ ہم بعد الزوال جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھاتے تھے،اور پھر قیلولہ کرتے تھے،اس پر ان لوگوں نے

اشکال کر دیا کہ نتغدیٰ اور نقیل صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ غداء صبح کے کھانے کو کہتے ہیں اور قیلولہ نوم وقت الزوال کو۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جب ایک شئی کو دوسری شئی کی جگہ میں لیا جاتا ہے تو اس شئی ثانی پر اول کے نام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ سحری کھا رہے تھے، ایک صحابی گذرے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ھلم الی الغداء المبارک تو طعام بوقت السحر پر حضور اکرم ﷺ نے غداء کا اطلاق فرمادیا کیونکہ سحری کو غدا کی جگہ کھایا جاتا ہے، ایسے ہی یہاں پر بھی غداء اور قیلولہ کا اطلاق اسلئے کیا گیا کہ وہ کھانا اور سونا غدا اور قیلولہ کی جگہ ہوتا ہے۔ وکانو اذا راحوا الی الجمعة الخ . یہاں امام بخاری کا استدلال رواح کے لفظ سے ہے اسلئے کہ رواح سیر بعد الزوال کو کہتے ہیں کنا نبکر بالجمعة ، اگر تبکر سے مراد سویرے پڑھنا ہو تو یہ حنابلہ کی تائید ہوگی ، اور اگر سویرے جانے کے معنی میں ہو تو پھر جمہور کی تائید ہوگی۔

باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة

اس پر اتفاق(۱) ہے کہ اشتد اد کیوقت ابراد فی الظہر اولی ہے لقوله علیه السلام اذا اشتد الحر فابردوا بالظهر لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جمعہ میں ابراد ہے یا نہیں؟ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابراد فی الجمعہ کے بھی قائل ہیں، اسی لئے انہوں نے ابراد کی روایات ذکر فرمائی ہیں اور یہی ہمارے یہاں راجح قول ہے جو امام بخاری کا میلان ہے کہ جمعہ میں بھی ابراد ہے، اس لئے میں نے بارہا یہ کہا ہے کہ جو شخص مذاہب علماء سے خوب واقف ہو اور پھر وہ بخاری کے تراجم دیکھے تو اسکو احناف کی موافقت امام بخاری سے زیادہ ملے گی۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ ابراد نہ کرنا چاہئے ، علامہ عینی نے ہمارا مسلک جمہور کے موافق نقل فرمایا ہے، لیکن معلوم نہیں کہاں سے نقل کر دیا ہمارے یہاں تو راجح یہ ہے کہ ابراد ہونا چاہئے ، یعنی الجمعة. قیل ھو مدرج وقیل لیس فی بعض الروایات ھذا اللفظ.

باب المشی الی الجمعة

بعض علماء کی رائے ہے کہ بخاری کی غرض مشی بالاقدام الی الجمعة کی فضیلت بیان کرنی ہے، اور میری رائے ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ سے دو چیزیں ثابت فرمائی ہیں۔ ایک تو مشی بالاقدام کی فضیلت اور دوسرے سعی کے معنی کی تعیین اسلئے کہ قرآن پاک میں ہے۔ اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ ۔ اور حدیث پاک میں ہے۔ لاتاتوھا وانتم تسعون. تو یہاں دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک سے تو امر بالسعی معلوم ہوتا ہے اور حدیث سے نہی معلوم ہوتی ہے اس لئے حضرت امام بخاری نے دونوں میں جمع فرمادیا کہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ میں لفظ سعی دوڑنے کے معنی میں نہیں ہے تا کہ حدیث لاتاتوھا وانتم تسعون سے تعارض نہ ہو جاوے بلکہ اس کے معنی مشی الی الصلوة کے ہیں۔ وھو لا یخالف النھی عن السعی الی الصلوة. واللہ اعلم. یحرم البیع حینئذ. اس کا تعلق وذروا البیع سے ہے اس میں امام بخاری نے دو قول نقل فرمائے ہیں۔ ایک ابن عباس سے کہ یہ حکم صرف بیع کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا عطاء سے کہ بیع ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ سارے اعمال

---

(۱) کذا فی تقریر ۱۳۸۰ھ ایضا والمراد بالاتفاق الاتفاق فی الجملة فان الشافعیة ایضا اتفقت مسلک الجمهور فی القول با ستحباب الابراد عند وجود الشروط المعتبرة عندهم والله اعلم . ۱۲ محمد یونس غفرله

اسی حکم میں ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ اور جمہور کا مذہب ہے اذااذن المؤذن. حنابلہ کے یہاں اذان ثانی مراد ہے یہی امام مالک وشافعی کا قول ہے اور حنفیہ کے یہاں اذان اول مراد ہے۔ادر کنی ابو حبس بخاری کی روایت میں تو یہ ہے کہ یہ قصہ عبایۃ اور ابوعبس میں پیش آیا اور نسائی میں ہے کہ عبایۃ اور ان کے شاگرد یزید بن ابی مریم میں پیش آیا۔اب تعارض کی صورت میں بخاری کی روایت کو بخاری ہونے کی وجہ سے ترجیح ہوگی۔اور حافظ نے جمع کیا کہ ممکن ہے کہ دونوں کو پیش آیا ہو۔

باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعة

اس کا مشہور مطلب یہ ہے کہ جہاں دو آدمی بیٹھے ہوئے ہوں۔تو ان دونوں کے درمیان ہیں نہ بیٹھے،اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراداس سے نہی عن التخطی علی رقاب الناس ہے اس لئے کہ یہ تفریق بین رؤس الناس ہے ولکن المشہور ھو الاول وماقال الشیخ المحدث رحمہ اللہ محتمل ۔

باب لا یقیم الرجل اخاہ یوم الجمعة

یہ بھی مثل سابق کے آداب میں سے ہے زبان سے کہہ کرنہ اٹھاوے اور میرے نزدیک اپنی وجاہت ظاہری سے بھی کسی کو نہ اٹھاوے۔

باب الاذان یوم الجمعة

اصل اذان حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں خطبہ کے وقت ہوتی تھی۔بعد میں حضرت عثمان نے کثرت اشتغال ناس کیوجہ سے دوسری اذان بحضر الصحابہ جاری فرمائی اس کو اس باب سے ثابت فرمادیا اور اس اذان کو اذان اول اور اذان ثالث،دونوں کہا جاتا ہے اذان اول تو اس لئے کہ ادلا ہوتی ہے اور ثالث اس لئے کہ اسکو اذانین کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ میں بڑھایا گیا علی الزوراء مسجد نبوی کے سامنے ایک اونچی جگہ تھی۔

باب المؤذن الواحد یوم الجمعة

امام بخاری کی اس باب سے غرض کیا ہے؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں یہ آتا ہے کہ حضرت عثمان نے تیسری اذان زائد فرمائی۔اس سے بعض مغاربہ نے یہ سمجھ لیا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں دو اذان ہوا کرتی تھیں۔اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسری کا اضافہ فرمایا تو حضرت امام بخاری نے ان پر رد فرمادیا کہ مغاربہ کا یہ خیال غلط ہے کہ تین اذانیں ہوا کرتی تھیں بلکہ وہی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں۔جواب ہوتی ہیں تیسری تو تکبیر ہے،جس پر مجازاً اذان کا اطلاق کردیا گیا۔اور بعض علماء کی رائے ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے تین موذن تھے جو متوالیا اذان دیا کرتے تھے،تو حضرت امام بخاری نے اس پر بھی رد فرمادیا ۔

اور بعض علماء کی رائے ہے کہ امام بخاری نے اذان جوق پر رد فرمایا ہے۔

باب یجیب الامام علی المنبر الخ

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اذاخرج الامام فلاصلوۃ ولا کلام. اور صاحبین فرماتے ہیں خروج الامام مانع صلوۃ ہے اور کلام

الامام مانع کلام ہے اور یہی تقریبا بقیہ ائمہ کا مذہب ہے لہذا ان حضرات کے قول پر اذان خطبہ کا جواب امام ومقتدی کو دینا چاہیئے ۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک چونکہ خروج الامام مانع کلام ہے اس لئے جواب نہ دینا چاہیئے ۔ اور حضرت امام بخاری نے ترجمۃ یجیب الامام کا باندھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو جواب دینا چاہئے، مقتدی کو نہیں ۔ ہمارے یہاں مفتی بہ قول امام صاحب کا ہے اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ دل سے جواب دے مگر حضرت گنگوہی نے لامع میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام کو کلام کرنے کا حق ہے اور دوسرے کو نہیں ۔ یہاں بھی کہا ہے اور تحیۃ المسجد کے مسئلہ میں سلیک غطفانی کے قصے میں بھی مگر مجھے اپنی کتابوں میں یہ کہیں نہیں ملا، مگر میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ حضرت گنگوہی فقہ کے اندر امام ہیں حتی کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقہ میں حضرت گنگوہی کا مرتبہ شامی سے بڑھا ہوا ہے اسلیئے ان کا قول حجت ہے اسی کو دیکھ کر میں نے یہ کہا کہ امام بخاری کے نزدیک امام جواب دے سکتا ہے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری جمہور کے قول کی طرف مائل ہیں اور امام کی قید روایت کے پیش نظر لگادی ہو مگر قید لگانا کھٹکتا ہے ۔

وانا. یہیں آیا ہے جواب اذان کے باب میں صرف انا نہیں آیا ہے جمہور فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب ہے، وانا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانا اشھد ان محمدا رسول اللہ اور اس صورت میں قولوا مثل مایقول المؤذن کے موافق ہوجائے گا ۔ ابن حبان کے ترجمۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف انا پر جواب میں اقتصار کرنا جائز ہے مگر یہ جمہور کا مذہب نہیں ہے، لیکن ابن حبان ائمہ معتبرین میں سے ہیں ۔ اور ان کی صحیح معتبر ہے جیسے صحیح ابن خزیمہ اس لئے ممکن ہے کہ ان کا مذہب ہو ۔

باب الجلوس علی المنبر عندالتاذین

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری کی غرض اس باب سے بعض کوفیہ پر رد کرنا ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ امام منبر پر جاکر کھڑا رہے اور جب اذان خطبہ ہوجائے تو پھر خطبہ شروع کرے، اگر امام بخاری کی غرض اس سے احناف ہیں تو یہ نقل غلط ہے، بلکہ ہمارے یہاں تو جلوس مستحب ہے، اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ جلوس لاستماع الاذان ہے یا للاستراحت، دونوں قول ہمارے یہاں بھی ہیں ۔ جو للاستراحت کہتے ہیں ان کے یہاں جمعہ وعیدین میں کوئی فرق نہیں دونوں میں بیٹھے اور جو لوگ لاستماع الاذان کہتے ہیں ان کے یہاں جمعہ میں بیٹھے عیدین میں نہ بیٹھے یہی میرے اکابر کا بھی عمل رہا ہے ۔

باب التاذین عندالخطبة

صفحہ ستاسی (۸۷) پر ایک باب گذرا ہے باب کم بین الاذان والاقامۃ . وہاں میں نے یہ بیان کیا تھا کہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ اذان میں اتنا توقف کیا کرو کہ کھانے والا کھانے سے فارغ ہوجائے اور حاجت والا اپنی حاجت پوری کرلے، اور وہاں میں نے بیان کیا تھا کہ امام بخاری نے اسکی تائید فرمائی ہے، یہاں میری رائے ہے کہ امام بخاری اذان عندالخطبۃ کو اس سے مستثنی کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اذان خطبہ اور خطبہ میں فصل نہیں کرنا چاہئے ۔

باب الخطبة علی المنبر

منبر پر خطبہ دینا اولی ومستحب ہے امام بخاری کی غرض اس باب سے کیا ہے؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ خطبہ علی المنبر امیر المومنین کا

حق ہے اس لئے امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا لیکن اگر ایسا ہے تو روایت سے رد نہیں ہوتا کیونکہ روایت میں منبر پر خطبہ دینے والے رسول اللہ ﷺ ہیں جو سب کے آقا اور امیر ہیں۔ ہاں عموم لفظ ترجمہ سے استدلال ہو جائے گا۔ اور منبر بنانے والے کے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ اس کی وضع میں ۷ھ اور ۸ھ کے دو قول ہیں۔ اور منبر بنانے والے کا نام میمون ہے یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری جواز بتانا چاہتے ہوں اس لئے تخطی رقاب سے اسی لئے تو منع کیا گیا ہے کہ اس میں ایذاء مسلم اور اسکی تحقیر ہے اور منبر پر چڑھنے میں بظاہر حاضرین کی تحقیر ہے اسلئے اسکا جواز ثابت فرمادیا کہ یہ تو حدیث سے ثابت ہے، اور تعلیم کے باب میں داخل ہے اور تعلیم کی سہولت کیوجہ سے ارتفاع میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور ایک غرض یہ ہوسکتی ہے کہ ابواب الاستسقاء میں آرہا ہے کہ وہاں منبر نہ ہونا چاہئے تو یہاں بتادیا کہ جمعہ کا یہ حکم نہیں ہے، مری غلامک النجار. وفی روایة ان المراة عرضت علی النبی ﷺ والجمع بین الروایتین ان المراة عرضت اولا ثم قال لها النبی ﷺ متقاضیا . قد سماها سهلاای وقع النسیان من تلمیذسهل العشار ۔اس سے مراد دس ماہ کی وہ گابھن اونٹنی ہے، جو درد کی وجہ سے سے چیختی ہو۔

باب الخطبة قائما

خطبہ قائما عندالاحناف سنت ہے، اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی اور حنابلہ کے یہاں قیام شرط ہے لہذا اگر جالسا خطبہ دیا تو نماز جمعہ نہ ہوگی۔

باب استقبال الناس الامام اذاخطب

میں اس پر تین جگہ کلام کرونگا۔ ایک یہاں، دوسرے عیدین۔ اور تیسرے استسقاء میں امام بخاری نے تینوں مقامات پر یہی باب باندھا ہے، بس الفاظ میں کچھ تغیر وتبدل کردیا، جسکے متعلق شراح نے کوئی کلام نہیں کیا۔ یہاں شراح یہ فرماتے ہیں کہ استقبال الناس الامام ایک امر مستحب ہے لہذا استحباب کو بیان کررہے ہیں۔ اور میرے نزدیک امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ مالکیہ کے یہاں خطبہ میں امام کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھنا واجب ہے اور امام صاحب سے بھی منقول ہے کہ وہ خطبہ کے وقت امام کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے، متاخرین احناف نے جمہور کے موافق خطبہ کیوقت استقبال قبلہ کی اصطفاف کے لئے اجازت دی ہے، امام بخاری نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(۱)

باب من قال فی الخطبة بعد الثناء امابعد

یہ باب امام بخاری نے عیدین واستسقاء اور کسوف وغیرہ میں باندھا ہے، مگر اسکی اہمیت سمجھ میں نہیں آئی۔ یوں کہتے ہیں کہ یہ فصل الخطاب ہے مگر یہ بھی کوئی اہمیت کی بات نہیں بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے دعاؤں کے اندر اللھم انی احمدک حمدا لا نهایة له وغیرہ۔ جیسے الفاظ آئے ہیں۔ اور امابعد انتہاء کو چاہتا ہے لہذا امام بخاری نے اسکے جواز کی طرف اشارہ فرمادیا۔

---

(۱) باب استقبال الناس الخ ہماری ان مساجد میں تو صف بندی کے ساتھ ساتھ ہی استقبال بھی ہوجاتا ہے اسلئے میرے نزدیک اس مسئلہ کا تعلق مدینہ کی مسجد سے ہے کیونکہ وہاں محراب ومنبر دونوں فاصلہ پر ہیں درمیان میں چند صفیں ہیں۔ تو وہاں استقبال امام کی ضرورت ہے اگرچہ امام اس کے پیچھے ہے کیونکہ اعراض کرنا بظاہر امام سے تہاون ہے میرے حضرت جب مدینہ منورہ میں تھے تو اس پر عمل کیا کرتے تھے، (کذافی تقریرین)

غیر انہا ذکرت مایغلط علیه یعنی الفاظ تو مجھے یاد نہیں رہے البتہ مضمون یاد ہے ما احب ان لی بکلمة رسول اللّٰه ﷺ حمر النعم اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے جو کلمہ تعریفی ارشاد فرمایا۔ اس کے مقابلے میں لاکھوں اونٹ قربان اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب میں نے یہ سن لیا کہ بعض لوگوں کے قلوب میں جزع فزع ہے تو بھائی میں ہزاروں اونٹ قربان کردوں بہتر ہے اس سے کہ میں اس کلمہ کا مصداق بن جاؤں تابعہ یونس۔ حاصل یہ ہے کہ لفظ اما بعد میں موافقت کی ہے گو الفاظ روایت میں کمی بیشی ہو۔ وکان آخر مجلس جلسه میرے نزدیک یہ شنبہ کے دن ظہر کی نماز میں دیا جانیوالا خطبہ ہے۔ ان هذا الحی من الانصار یقلون اسلئے کہ مومنین تو بڑھتے رہیں گے کیونکہ لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہوں گے۔ اور انصار تو صرف انہیں انصاریوں کی اولاد ہوگی۔ (۱)

باب القعدة بين الخطبتين يوم الجمعة

جمہور کے نزدیک قعدہ مستقل مسنون ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، اور بعض شافعیہ فرماتے ہیں کہ مقصود خطبتین ہے لہٰذا اگر کھڑے کھڑے توقف کرلیا اور پھر دوسرا خطبہ شروع کردیا تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت امام بخاری اسی پر رد فرماتے ہیں۔ (۲)

باب الاستماع الى الخطبة

يجب الاستماع لماورد فى التنزيل العزيز واذاقرئى القران فاستمعواله وانصتوالعلكم ترحمون .

باب اذارای الامام رجلا الخ

ابواب المساجد میں اس پر کلام گذر چکا اور میں بتلا چکا ہوں کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ سلیک کیساتھ خاص ہے اور حنابلہ وشوافع کے یہاں کوئی خصوصیت نہیں، حنابلہ اوقات مکروہہ میں تو احناف کے ساتھ ہیں مگر امر عارض کیوجہ سے یہاں رکعتیں کے قائل ہیں حنابلہ وشافعیہ فرماتے ہیں کہ امام حکم کردے اور اگر حکم نہ کرے تو خود پڑھ لے حنفیہ اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت عثمان تشریف لے آئے، اور انہوں نے رکعتیں نہیں پڑھیں، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

باب رفع اليدين فى الخطبة

شراح فرماتے ہیں کہ ترجمہ کی غرض اس کے جواز کو بتلانا ہے اور جواز کے بتلانے کی ضرورت یہ پیش آئی کہ ابوداؤد میں ہے کہ

---

(۱) باب من قال في الخطبة بعد الثناء اما بعد. الانصار يقلون ويكثر الناس . مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انصار کی اولاد ہوگی، لیکن غیر مسلم اتنی کثرت سے اسلام لائیں گے کہ مسلمانوں اور انصار میں وہ نسبت نہ رہے گی جواب ہے چنانچہ آجکل ۸۰ کروڑ مسلمان ہیں اور انصار شاید چند لاکھ سے زائد بھی نہ ہوں اتنی بڑی تعداد کے باوجود مسلمان کتنے ذلیل ہیں (ن)

(۲) باب القعدة بين الخطبتين ۔ خطبہ کی حقیقت میں علماء وائمہ کا اختلاف ہے حضرت امام صاحب کے نزدیک مطلق ذکر اس کی حقیقت ہے، صاحبین کے نزدیک ذکر طویل ہونا چاہئیے ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک خطبہ پانچ اجزاء سے مرکب ہے۔ حمد۔ صلوۃ۔ تلاوت۔ تذکیر۔ (س)

بنوامیہ کا کوئی امیر کوفہ میں خطبہ دے رہا تھا اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر تقریر کر رہا تھا کہ ایک صحابی نے دیکھا تو فرمایا کہ قبح اللہ ھاتین الیدین مارایت رسول اللہ ﷺ شاھرا یدیہ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صرف انگلی اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ تو امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا مگر میرے نزدیک رد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابوداؤد کی روایت میں شاھرا یدیہ ہے جو متکبرین کا طریقہ ہے بخلاف بخاری کی روایت کے کہ اس میں یدین للدعاء مراد ہے نیز نفس رفع یدین پر صحابی نے نکیر نہیں فرمائی تھی بلکہ ہاتھ جھاڑنے پر نکیر فرمائی تھی جیسا کہ شاھرا یدیہ سے معلوم ہوتا ہے۔

باب الاستسقاء فی الخطبة

اس کا مستقل ذکر آگے آرہا ہے طلب بارش کے لئے من جملہ اور صورتوں کے ایک صورت یہ بھی ہے (۱)

باب الانصات یوم الجمعة

قرآن عزیز میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ. یہ آیت باتفاق مفسرین خطبہ میں نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا امر فرمایا ہے ایک استماع کا دوسرے انصات کا۔ استماع کان لگانے کو کہتے ہیں اور انصات خاموش رہنے کو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات استماع تو ہوتا ہے مگر مستمع درمیان استماع میں کچھ بول دیتا ہے گو اس کا کان متکلم کی طرف لگا ہوا ہو۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بولتا تو نہیں بلکہ خاموش رہتا ہے مگر استماع نہیں ہوتا اور کان نہیں لگاتا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کا حکم فرمایا ہے۔ یہ دونوں دو مستقل حکم ہیں اور امام بخاری نے دونوں پر مستقل باب باندھے ہیں مگر امام بخاری نے یہ کیا کہ استماع کا باب باندھ کر متصلا انصات کا باب نہیں باندھا حالانکہ دونوں قرآن پاک میں ایک دوسرے سے مقرون ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ شراح رحمہم اللہ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا ہے میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اولا استماع کا باب باندھ کر حضرت امام بخاری نے اشارہ فرمادیا کہ استماع قریب کے لئے ہے اور انصات کو اس سے دور ذکر کر کے بتلادیا کہ انصات بعید کے لئے ہے اور خاص طور سے باب اسلئے باندھا کہ کوئی یہ اشکال نہ کرے کہ جب ایک شخص دور ہے اور اس تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی تو پھر اس کو خاموش رہنے کی کیا ضرورت بلکہ ضرورت تو اس کو ہے جو قریب ہو تا کہ استماع کامل ہو تو اسکو بھی تنبیہ کردی کہ وہ بھی خاموش رہے۔

اب اس کے بعد یہ سنو! کہ انصات شافعیہ کے ہاں مستحب ہے اور یہ ان کا راجح مذہب ہے اور ان کا دوسرا قول اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے خواہ امام کی آواز آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔

والامام یخطب: یہ جملہ بڑھا کر امام بخاری نے ایک اور مسئلہ خلافیہ کی طرف اشارہ فرمادیا وہ یہ کہ اس میں اختلاف ہے کہ انصات کب واجب ہے امام کے کلام کے وقت واجب ہوتا ہے یا خروج امام سے واجب ہوتا ہے؟ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام اور صاحبین اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک خروج امام قاطع صلوۃ ہے کلام امام قاطع کلام ہے یعنی جس وقت

---

(۱) باب الاستسقاء فی الخطبة: چونکہ استسقاء کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ نماز کے بعد دعاء کی جائے، یہ اجماعا جائز ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کے خطبے میں دعاء کی جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ باقاعدہ جنگل میں جاکر نماز پڑھ کر دعاء مانگی جائے ان سب صورتوں میں سے دوسری صورت کو یہاں بیان کر رہے ہیں (س)

امام خطبہ دینے کے لئے نکلے اس وقت نماز شروع نہ کرے لیکن بات کرسکتا ہے کیونکہ امام نے اب تک خطبہ ہی شروع نہیں کیا لیکن جب وہ شروع کردے تو پھر فوراً خاموش ہوجائے صلوۃ او. کلام میں مابہ الفرق یہ ہے کہ صلوۃ ایک طویل کلام ہے بخلاف کلام کے کہ وہ ایک آن میں قطع ہوسکتا ہے لہٰذا نماز تو خروج کے بعد فوراً منع ہے لیکن کلام شروع فی الخطبہ کے بعد منع ہے امام بخاری نے الانصات کو والامام یخطب کے ساتھ مقید فرما کر جمہور کی تائید فرمائی ہے واذ قال لصاحبه انصت فقد لغا کیونکہ اس نے خود نص قرآنی وانصتوا کے خلاف کیا۔

باب الساعة التي في يوم الجمعة

جمعہ میں بڑی بابرکت اور بڑی ہی قیمتی ایک ساعت ہے مگر نہایت مختصر ہے چنانچہ خود حدیث پاک میں واشار بیده یقللها سے اس کی طرف اشارہ ہے اس میں بندہ جو بھی دعاء کرے وہ قبول ہوتی ہے لیلۃ القدر تو ساری رات ہوتی ہے اور یہ تھوڑی سی دیر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جو ضرورت کی چیزیں ہوں مثلاً ہوا پانی وغیرہ اس کو تو بالکل عام کر رکھا ہے اور جو ضرورت کی چیزیں نہ ہوں اس کو کمیاب فرمادیتے ہیں جیسے کیمیا کہ جلدی سے اس کو بنانے میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو چھپا رکھا ہے اسی طرح ساعت جمعہ کو بھی چھپا لیا اور چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں علماء کے بیالیس قول ہیں کہ وہ مبارک ساعۃ کون سی ہے اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ پچاس تک اقوال ہیں ان میں سے گیارہ مشہور ہیں جو اوجز میں منقول ہیں اور ان گیارہ میں سے دو قول زیادہ مشہور ہیں ایک شافعیہ کا دوسرا حنفیہ اور جمہور کا، شافعیہ فرماتے ہیں کہ وہ ساعۃ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لیکر اختتام صلوۃ جمعہ تک ہے۔ حنفیہ اور جمہور یہ فرماتے ہیں کہ وہ ساعۃ عصر کے بعد سے لیکر غروب شمس تک ہے ان ہی دونوں قولوں میں بہت سے اقوال آجاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہی دونوں وقتوں میں خاص خاص اجزاء کی بعض علماء نے تعیین کی ہے مثلاً ایک قول زوال سے بالکل متصل کا ہے دوسرا قول دونوں خطبوں کے درمیان کا ہے تیسرا قول خطبہ شروع ہونے کے بعد سے امام کے اللہ اکبر کہنے تک ہے چوتھا قول نماز شروع ہونے کے بعد سے سلام پھیرنے تک کا ہے یہ علماء شوافع کے اقوال ہیں اسی طرح دوسرے میں عصر کے بالکل متصل عصر سے لیکر اصفرار تک، اصفرار سے لیکر غروب تک اور عین غروب کے وقت۔

وهو قائم يصلي: اسی جملہ کی وجہ سے شوافع اس ساعت کو جمعہ کے اوقات صلوۃ میں کہتے ہیں لیکن احناف کے نزدیک وہ ساعت بعد عصر ہے اسلئے اشکال یہ ہے کہ بعد عصر تو کوئی نماز ہی نہیں ہوتی؟ اسکا جواب تو یہ ہے کہ جب یہ اشکال ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا کہ من جلس ینتظر الصلوۃ فهو في الصلوۃ.

باب اذا نفر الناس عن الامام في صلوة الجمعة

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ اقامت جمعہ کیلئے ہر امام کے نزدیک کچھ نہ کچھ شرائط ہیں، منجملہ ان شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ کتنے آدمی ہونے چاہئیں، تاکہ جمعہ قائم ہو، سب سے اہون ہمارا مذہب ہے یعنی تین آدمی کافی ہیں، لیکن وہ امام کے علاوہ ہوں، اور صاحبین کے نزدیک مع الامام تین آدمی کافی ہیں، اور امام مالک کے نزدیک امام کے علاوہ بارہ آدمی ہونگے۔ اور امام شافعی و امام احمد کے نزدیک امام کے ساتھ چالیس آدمی ہونا ضروری ہیں، اور ان حضرات کا استدلال ابوداؤد شریف کی اس روایت سے ہے، عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك وكان قائدا لابيه ان كعب بن مالك ماسمع النداء يوم الجمعة الاترحم لا سعد بن زرارة

فقلت لابی من هو قال هو الذی اقام بنا الجمعة فی هزم النبیت من حرة بنی بیاضة فی نقیع یقال له نقیع الخضمات قلت کم کنتم یومئذ قال اربعین ۔تعجب ہے کہ یہ لوگ اربعین کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں اسی طرح امام ابوداود نے جمعہ فی القری پر اس سے استدلال کیا ہے لیکن اگر ان سے یہ کہا جائے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا تو اس کو تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ اگر اس کو تو تسلیم کر لیں تو پھر جمعہ فی القری ثابت نہ ہوگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبا میں جمعہ نہیں پڑھا۔

اب یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز جمعہ شروع کرتے وقت تو بقدر شرط آدمی موجود تھے، لیکن پھر کسی عارض کی وجہ سے کم ہو گئے، اور چلے گئے، تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟

صاحبین فرماتے ہیں کہ اب جبکہ جمعہ شروع ہو گیا تو پھر اب کم ہونے میں کوئی حرج نہیں، یہی میلان امام بخاری کا بھی معلوم ہوتا ہے، اور حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ایک رکعت سے قبل چلے گئے تو جمعہ باطل ہو گیا، اب چاہے نوافل کے طور پڑھ لے اور چاہے نیت توڑ کر ظہر کی نماز ادا کرلے لیکن اگر ایک رکعت ہو جانے کے بعد گئے تو مضائقہ نہیں، اور امام مالک صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ایک رکعت ہو جانے کے بعد گئے ہیں تو نفل پوری کرلے، اور اگر ایک رکعت سے پہلے گئے ہیں توانقلب ظهرا، اور اسی پر امام بناء ظہر کرلے، شافعیہ وحنابلہ کہتے ہیں کہ ابتداء خطبہ سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک اس عدد کا ہونا ضروری ہے، اگر ایک عدد بھی کم ہو جائے تو جمعہ باطل ہو گیا، ما بقی الا اثنی عشر رجلا، اس سے مالکیہ استدلال فرماتے ہیں۔

باب الصلوة بعد الجمعة وقبلها

سنن بعدیہ پر علماء کا اتفاق ہے اگر چہ اعداد میں اختلاف ۔ہے کہ وہ دو ہیں یا چار یا چھ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دو ہیں، اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ چار رکعات ہیں، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ چھ رکعات ہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ چار رکعات پہلے اور دو رکعات بعد میں پڑھے اور امام مالک کے یہاں رواتب ہی نہیں البتہ سنت فجر کو وہ وتر سے آکد فرماتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ سنن قبلیہ کا انکار فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زوال ہوتے ہی اذان خطبہ شروع ہو جایا کرتی تھی، اور خطبہ کے بعد نماز شروع ہو جایا کرتی تھی، تو سنتیں پڑھا ہی نہیں کرتے تھے، لیکن ابن قیم کا یہ فرمانا مالکیہ کے خلاف ہے کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ ساعات کا شروع زوال سے ہوتا ہے اور جب زوال کے ساتھ ہی اذان ہوتی تھی تو وہ ساعات کس طرح ملیں گی۔

امام بخاری نے جو یہ باب باندھا ہے اسکے متعلق شراح فرماتے ہیں کہ یہ قیاس سے ثابت کر دیا کہ جمعہ ظہر کی جگہ پڑھا جاتا ہے، اور ظہر میں سنن قبلیہ اور بعدیہ ہیں تو جمعہ میں جیسے سنن بعدیہ ہیں اسی طرح قبلیہ بھی ہوں گی، اور حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے اصول میں سے یہ ہے کہ ترجمہ میں بسا اوقات وہ ایسی روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو ان کی شرط کے موافق نہ ہوں مگر مضمون صحیح ہو اور الفاظ شرط کے مطابق نہ ہوں، ابوداود شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جمعہ سے پہلے طویل سنتیں پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا فرمایا کرتے تھے،

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بخاری کے اصول میں یہ ہے کہ وہ جب ترجمہ میں متعدد چیزیں ذکر کریں اور روایت کسی ایک کی ذکر کریں، اور دوسرے جز کی ذکر نہ کریں تو یہ اسی بات کی دلیل ہوا کرتا ہے کہ جس کی روایت امام بخاری نے ذکر نہیں فرمائی، وہ ان کے نزدیک ثابت نہیں ۔لہٰذا امام بخاری نے یہاں اسی اصل کے موافق سنن قبلیہ کا انکار کیا ہے (۱)

---

(۱) باب الصلوة بعد الجمعة وقبلها ۔ترتیب کا تقاضہ یہ ہے کہ باب الصلوة قبل الجمعه وبعدها کہنا چاہیے تھا، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اور بعض علماء ظاہریہ کے نزدیک چونکہ جمعہ سے قبل سنن ونوافل ثابت نہیں ہیں، اسلئے امام بخاری نے اس کے عدم ثبوت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے بعد الجمعہ وقبلہا کہا ہے،

باب قول اللہ تعالی ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ ﴾

اس آیت کا بظاہر تقاضہ یہ ہے کہ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد انتشار تو ضروری ہے تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ یہ امر ایجابی نہیں ہے بلکہ اباحت کیلئے ہے۔ (۱)

باب القائلة بعد الجمعة

امام بخاری نے یہ باب ثم تکون القائله کیلئے ذکر فرمایا ہے ورنہ مضمون باب سابق میں آچکا اس سے امام بخاری نے براعۃ الاختتام کی طرف اشارہ فرمادیا اور موت یاد دلا دی کیونکہ مشہور ہے، النوم اخو الموت۔

---

(۱) باب قول اللہ عز وجل فاذا قضیت الصلوة الخ بعض علماء ظاہریہ نے وابتغوا من فضل اللہ کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد بیع وشراء واجب ہے، امام بخاری اس ترجمہ سے اور آئندہ آنے والے ترجمہ سے اس قول پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان روایات میں کہیں یہ مروی نہیں کہ ان لوگوں نے نماز کے بعد بیع وشراء کی ہو بلکہ صحابہ نے اپنے اپنے معمولات نقل کئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب صلوۃ الخوف

فقہاء اور محدثین رحمہم اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کے بعد عیدین کا ذکر کرتے ہیں اسلئے کہ یہ بھی عید ہے اور وہ بھی عید ہے اس میں بھی تجمل ہوتا ہے اس میں بھی تجمل ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کے خلاف جمعہ کے بعد صلوۃ الخوف کو ذکر فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ بھی فرض ہے اور صلوۃ الخوف بھی فرض ہے اور عیدین کی نماز سنت ہے اور جمعہ بدل ہے ظہر کا اور صلوۃ الخوف بھی بدل ہے صلوۃ الطمانیۃ والسکون کا اسلئے دونوں کو مقرون فرمادیا اور چونکہ جمعہ میں اختصار کما ہے کہ بجائے چار رکعات کے دو رکعات ہیں، بخلاف صلوۃ الخوف کے کہ اس میں رکعات زیادہ ہیں اسلئے جمعہ کو مقدم فرمادیا۔

صلوۃ الخوف کے متعلق او جز میں آٹھ ابحاث ذکر کی گئی ہیں مثلا یہ کہ مشروع ہے یا نہیں غزوہ خندق سے پہلے مشروع ہوئی یا بعد میں وغیرہ وغیرہ، نبی اکرم ﷺ سے چوبیس دفعہ صلوۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے، اور روایت میں ان کے سولہ طریقے ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے بخاری میں تو ایک یا دو ہی طریقے مذکور ہیں لیکن زیادہ تر یہ طرق ابوداود میں مذکور ہیں۔ ابوداود سے گیارہ صورتیں صاف ظاہر ہیں اور کچھ نسائی اور طبرانی کی روایات سے معلوم ہوتی ہیں، حضور اکرم ﷺ سے چار جگہ صلوۃ خوف پڑھنی ثابت ہے، ذی قرد اور عسفان ونجد، غزوہ طائف میں اور ایک ایک جگہ میں آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ پڑھیں جن کی تعداد چوبیس ہو جاتی ہے، لیکن ان کی کیفیات سولہ طرق سے مروی ہیں، جن میں سے صرف ایک بالاتفاق ناجائز ہے، اور ایک صورت مختلف فیہ ہے باقی سب معمول بہا ہیں جو بالاتفاق ناجائز ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں، **فرضت صلوة الحضر اربعا علی لسان محمد ﷺ وصلوة السفر ركعتين وصلوة الخوف ركعة** ، اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اختصار در اختصار ہو گیا۔ اور مختلف فیہ صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طائفہ کو دو رکعت پڑھادی اور پھر دوسرے طائفہ کو دو رکعات پڑھادی۔ یہ صورت امام شافعی کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وہ جواز اقتداء مفترض بالمتنفل کے قائل ہیں، اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اقتداء المفترض بالمتنفل لازم آتی ہے، اب رہ گئیں بائیس صورتیں یہ سب بالاتفاق جائز ہیں مگر باوجود اس اتفاق کے اولویت میں اختلاف ہے، احناف حضرت ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دیتے ہیں، ایک بات اور سنو! کہ حضرت ابن عمر کی روایت حضرت ابن مسعود کی روایت کے ہم معنی ہے، بس فرق یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت مجمل ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی مفصل ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طائفہ کو ایک رکعت پڑھادی اور دوسرا طائفہ دشمن کے سامنے رہا، جب پہلا طائفہ ایک رکعت سے فارغ ہو گیا، تو وہ دشمن کے مقابلہ میں چلا گیا اور دوسرا طائفہ آیا اسکو بھی ایک رکعت پڑھا کر نبی اکرم ﷺ نے سلام پھیر دیا، اور پھر بقیہ لوگوں نے اپنی نمازیں پوری کیں، اب یہ کہ کس طرح پوری کیں، اس کی کوئی تفصیل حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں نہیں ملتی۔ البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے کہ جب دوسرے طائفہ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت پڑھادی تو وہ دشمن کے مقابلے میں چلے گئے اور طائفہ اولی نے آکر اپنی نماز پوری کرلی اور یہ [illegible] ز پوری کر کے دشمن کے مقابلے میں چلے گئے اور دوسرے طائفہ نے آکر اپنی نماز پوری کرلی۔ بس ان دونوں روایتوں میں اجمال وتفصیل کا فرق ہے، احناف دونوں

روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، دیگر علماء نے ابن عمر اور ابن مسعود کی روایت کو دو شکل شمار کیا ہے، مگر ہمارے نزدیک دونوں ایک ہی ہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے قاسم بن محمد کی روایت کو اختیار فرمایا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں تفصیل ہے اگر دشمن قبلہ کی جانب میں ہو تو عسفان والی روایت کو اختیار کرتے ہیں اور اگر غیر قبلہ میں ہو تو یزید بن رومان کی روایت کو لیتے ہیں، امام احمد نے یزید بن رومان کی روایت کو اختیار کیا ہے قاسم اور یزید کی روایت میں فرق ہے کہ یزید کی روایت سے انتظار الامام ثابت ہوتا ہے اور قاسم کی روایت میں یہ ہے کہ فراغ کے بعد سلام پھیر دیا اور انتظار نہیں کیا۔ (۱)

باب صلوة الخوف وقول الله تعالى ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ الآية

شراح فرماتے ہیں کہ اسمیں اختلاف ہے کہ یہ آیت صلوۃ الخوف میں نازل ہوئی یا صلوۃ السفر میں احناف کے یہاں صلوۃ السفر میں ہے اور شافعیہ کے یہاں صلوۃ الخوف میں۔ امام بخاری نے جمہور کی تائید کی ہے، اور تعجب ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے تراجم میں بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ حالانکہ شوافع نے قصر فی السفر کے عدم وجوب پر لیس علیکم جناح الاية سے بھی استدلال کیا ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ دونوں کے یہاں دونوں قول ہیں امام بخاری نے اس باب میں حضرت ابن عمر کی روایت نقل کی ہے جو احناف کا مستدل ہے اگر میں کہوں کہ امام بخاری احناف کے ساتھ ہیں کیونکہ انہوں نے اور کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی تو میرا یہ کہنا صحیح ہوگا۔

باب صلوة الخوف رجالا وركبانا راجل قائم

شراح فرماتے ہیں کہ امام کی غرض یہ ہے کہ جب شدت خوف ہو جائے اس وقت سواری پر یا اقدام پر جس طرح ہو سکے پڑھنا جائز ہے اور میرے نزدیک یہ غرض نہیں بلکہ یہ باب صلوة الطالب والمطلوب میں آرہا ہے، لہذا میرے نزدیک امام کی غرض یہاں پر آیت کریمہ کی تفسیر کرنی ہے کیونکہ راجل قائم علی اقدامہ کے معنی میں آتا ہے اور سائر ماشی کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا الآیۃ میں رجال سے مراد مشاۃ ہیں تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ یہاں ماشی کے معنی میں نہیں بلکہ اسکے معنی یہاں قائم علی اقدامه کے ہیں۔

عن ابن عمر نحوا من قول مجاهد، اشکال یہ ہے کہ یہاں اسکا عکس ہونا چاہئے تھا۔ یعنی عن مجاهد نحوا من قول ابن عمر۔ کیونکہ مجاہد تابعی اور ابن عمر صحابی ہیں۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کا قول مجمل تھا، اور مجاہد کا مفصل، اور مجمل مفصل کی طرف محمول ہوتا ہے، اس لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ اذا اختلطو اقياما اس قیاما کے بارے میں حافظ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ تحریف ہے صحیح اذا اختلطو اقائما ہے مگر میرے نزدیک محرف ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ قیاما میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے

---

(۱) ابواب صلاة الخوف: ایک اختلاف اس مسئلہ میں یہ ہے کہ صلوۃ خوف اب بھی باقی ہے یا نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک اب مشروع نہیں۔ ... حضور اکرم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھی اس لئے کہ آپ کیساتھ ہر شخص نماز پڑھنے کی تمنا کرتا مگر اب یہ بات نہیں رہی لیکن جمہور علماء کے نزدیک اب بھی مشروع ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے بعد صحابہ کرام سے پڑھنا ثابت ہے، مختلف روایات میں اس نماز کا ذکر آیا ہے امام ابوداؤد نے بہت تفصیل سے اس کو ذکر فرمایا ہے،

کیونکہ امام بخاری کا ترجمہ اسی وقت ثابت ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے قیاما کا ترجمہ باندھا ہے۔

باب یحرس بعضهم بعضا فی صلوة الخوف

شراح فرماتے ہیں کہ ایک صورت صلوة الخوف کی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں گذری ہے، ایک اور صورت ذکر فرمارہے ہیں۔ اور بطور تفنن کے باب ذکر فرمادیا۔ تفنن کا مطلب یہ ہے کہ مقصد تو روایت نقل کرنا ہے لیکن بطور تنبیہ کے باب منعقد فرمادیا، اور میری رائے یہ ہے کہ نماز میں التفات اختلاس شیطان قرار دیا گیا ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ صلوۃ الخوف میں التفات کو اس سے مستثنی کررہے ہیں۔ کیونکہ اسکے اندر التفات کی ضرورت پیش آتی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اس وقت تو دشمن سے اور چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں وہ نماز میں مشغول دیکھ کر حملہ نہ کردیں،

باب الصلوة عند مناهضة الحصون الخ

ایک صلوة المسایفة کہلاتی ہے، یعنی جس وقت جانبین سے تلواریں چل رہی ہوں اس وقت نماز پڑھنا احناف فرماتے ہیں کہ مسایفۃ کے وقت نماز موخر کردی جائے گی۔ اور ائمہ ثلثہ فرماتے ہیں کہ چلتے پھرتے کر وفر کے ساتھ جس طرح ممکن ہو فرادی نماز ہوسکتی ہے، یہ اسی بحث کے تحت داخل ہے کہ صلوۃ الخوف غزوہ احزاب سے پہلے مشروع ہوئی یا بعد میں جو لوگ پہلے مشروع ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک نماز کو موخر کیا جائیگا کیونکہ غزوۂ احزاب میں نمازیں قضا ہوئیں اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بعد میں مشروع ہوئی ان کے نزدیک وقت پر پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہ ایسے ہی وقت کے لئے مشروع ہے، اور دوسری صلوة الطالب و المطلوب کہلاتی ہے، یہاں اس باب میں صلوة المسایفة کو بیان فرمایا ہے، اور اگلے باب میں صلوة الطالب والمطلوب کو۔ صلوا ایماء یہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے، فان لم یقدروا افلا یجز لهم التکبیر. یہ ان بعض تابعین پر رد ہے جو کہتے ہیں۔ کہ اگر اشارہ بھی نہ کرسکے تو ایک بار تکبیر کہدے یہ کافی ہے، وما یسرنی بتلک الصلوة الدنیا وما فیها اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میری جو نماز فوت ہوگئی اگر اس کے بدلہ میں دنیا و مافیہا بھی مل جائے تو اس سے مجھے خوشی نہ ہوگی، اس صورت میں تلک کا اشارہ صلوۃ فائتہ کی طرف ہوگا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز جو ہم نے پڑھی گو وقت پر نہیں پڑھی مگر اس کے مقابلے میں دنیا و مافیہا کی میرے نزدیک کوئی قدر نہیں، اور مجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہوئی، اس لئے کہ ہم نے اپنے لئے قضا نہیں کی بلکہ اللہ کے لئے کی ہے، اس صورت میں تلک کا اشارہ صلوۃ مقضیہ کی طرف ہوگا۔

باب صلوة الطالب والمطلوب راکبا وایماء

طالب حملہ کرنے والا اور مطلوب جس پر حملہ کیا جائے، ان سب میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ صلوۃ المطلوب صرف راکبا جائز ہے یا یہ کہئے کہ صلوۃ المطلوب راکبا تو بالاتفاق جائز ہے اس کے علاوہ احناف کے نزدیک جائز نہیں، اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک صلوۃ المطلوب ہر طرح جائز ہے اور صلوۃ الطالب راکبا اور ماشیا دونوں طرح جائز ہیں، لیکن ایک شرط کے ساتھ وہ یہ کہ اگر نماز پڑھنے میں مشغول ہوگا تو دشمن فوت ہوجائیگا۔ یا الٹ کر حملہ کردیگا۔ اور امام مالک کے نزدیک صلوۃ المطلوب راکبا اور ماشیا دونوں طرح سے جائز

ہیں، صلوۃ الطالب میں مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل اوجز المسالک میں دیکھ لی جائے۔

علی ظهر الدابة۔ حافظ فرماتے ہیں کہ مجھے تتبع اور تلاش کے باوجود یہ نہیں ملا کہ شرجیل بن السمط طالب تھا یا مطلوب بعض نے ان کو طالب میں ذکر کیا ہے اور بعض نے مطلوب میں اگر پورا قصہ ہوتا تو ہم بھی رائے قائم کرتے اگر مطلوب تھے تب تو احناف کے خلاف نہیں اور اگر طالب تھے تو احناف کے خلاف ہے، لا یصلین احد العصر اور مسلم شریف کی روایت میں لا یصلین احد الظهر ہے حافظ رحمہ اللہ نے بجائے اس کے کہ بخاری کی روایت کو اصول کے موافق راجح کہتے مسلم کی روایت کو راجح بتلایا، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جمع ممکن ہے اس طرح کہ جو ظہر کے وقت جانیوالے تھے انکو تو مسلم شریف کی روایت کے مطابق کہا جائے اور جو ظہر میں نہیں گئے انکے متعلق بخاری شریف کی روایت ہے بل تصلی لم یر حمنا ذلک حافظ فرماتے ہیں کہ یہ معلوم نہ ہوا کہ انہوں نے اتر کر نماز پڑھی یا سواری ہی پر پڑھ لی، اور چونکہ یہ روایت حافظ ابن حجر کے مذہب کے موافق ہے کیونکہ یہ لوگ طالب تھے اور دشمن کے فوت کا اندیشہ نہیں تھا اور دشمن کے حملے کا خوف تھا، اسلئے حافظ نے کہہ دیا کہ تصریح نہیں ملی کہ راکبا پڑھی یا اتر کر ورنہ چپکے سے چل دیتے مگر میں بھی سمجھ جاتا ہوں فلم لغیف اسلئے کہ ہر ایک نے اجتہاد کیا تھا۔ (۱)

باب التكبير والغسل بالصبح

بعض علماء کی رائے ہے کہ امام کی غرض یہ ہے کہ جہاد میں تکبیر بعد الصلوۃ کہنی چاہئے، اس صورت میں بتاخیر الباء الموحدہ من الکاف ہوگا۔ اور مقصود جہاد میں مصالح کیوجہ سے تکبیر کا جواز بیان کرنا ہے، اور کتاب الجہاد میں جو روایت آرہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ رفع الصوت کو جہاد میں پسند نہیں کرتے تھے، وہ اس وقت ہے کہ جب کہ رفع صوت بلا مصلحت ہو، اور بعض نے تکبیر پڑھا ہے، یعنی سویرے نماز پڑھے، اور غلس عطف تفسیری ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ان لوگوں پر رد فرمایا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میدان جنگ میں تاخیر سے نماز پڑھے اطمینان کے ساتھ، حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر اطمینان ہی نہ حاصل ہو تو اول وقت میں پڑھ لے، وهو الراجح عندی.

---

(۱) باب صلوة الطالب والمطلوب . واحتج الولید بقول النبی ﷺ الخ ۔ حضور اقدس ﷺ نے جب غزوہ احزاب سے فارغ ہو کر اپنے ہتھیار اتار دیئے، اور لوگوں نے غسل وغیرہ شروع کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا ارادہ ہے، انہوں نے عرض کیا کہ بنو قریظہ کا ارادہ ہے کہ یہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا مدینہ میں اس نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اور منافقانہ طریقہ سے دشمن کی مدد کی تھی اس پر حضور پاک ﷺ بھی تیار ہو گئے، اور اسی وقت اعلان فرمایا کہ لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة مسلم شریف کی روایت میں بجائے عصر کے ظہر وارد ہوا ہے، میرے والد صاحب کی توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صلوۃ فرمایا تھا جن لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی تھی، انہوں نے لفظ صلوۃ سے عصر مراد لیا اور جنہوں نے پڑھی نہیں انہوں نے اس سے ظہر مراد لی۔ بہر حال اس اعلان کے بعد صحابہ میں اس جملہ کے مطلب میں اختلاف ہو گیا بعض نے کہا کہ حضور ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ نماز اس جگہ پڑھی جائے، اور بعض نے کہا کہ اعلان کا مقصود تو یہ ہے کہ لوگ جلدی اس طرف چلیں لہذا اگر راستہ میں نماز پڑھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ بعض لوگوں نے راستہ ہی میں نماز پڑھی اور اس سے استدلال کیا گیا کہ طالب کے لئے راکبا نماز جائز ہے حافظ فرماتے ہیں کہ اس سے رکوب کے ساتھ نماز پڑھنے پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ رکوب کی تصریح نہیں ملی ممکن ہے کہ راستہ میں اتر کر پڑھ لی ہو۔ (س)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب العیدین

عید کہنے کی وجہ تم پڑھ چکے۔ چونکہ عوائد و نعماء الھیہ کی کثرت ہوتی ہے اس لئے اس کو عید کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تفاؤلا عید کہتے ہیں ۲ ھ میں اس کی مشروعیت ہوئی ہے عیدین کی نماز ہمارے یہاں واجب ہے اور شوافع و مالکیہ کے نزدیک سنت ہے اور حنابلہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور عیدین کا ذکر کتاب الجمعہ کے بعد کردینا واضح ہے۔

باب ماجاء فی العیدین والتجمل فیھما

میں اسکے متعلق باب یلبس احسن مایجد میں بیان کر چکا ہوں کہ امام نے سیاق ترجمہ بدل کر اشارہ فرمادیا کہ جمعہ میں تو نئے کپڑے ہونا ضروری نہیں صرف صاف ہونا کافی ہے لیکن اگر عیدین میں نئے بنالے تو کوئی حرج نہیں۔

باب الحراب والدرق یوم العید

حراب، حربۃ کی جمع ہے اسکے معنی برچھی ہے اور درق، درقۃ کی جمع ہے اس کے معنی ڈھال ہیں صفحہ ایک سو بتیس پر مایکرہ من حمل السلاح آرہا ہے شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ بیان جواز اور حالت خوف کے وقت ہے اور کراہت حالت خوف میں ہے اور میرے نزدیک یہ غرض نہیں ہے میں اپنی غرض آگے بیان کروں گا۔ فاضطجع علی الفراش وحولی وجھہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو اس کا جواز اور دوسرے اس کی عدم اولویت، کیونکہ حضور ﷺ نے چہرۂ مبارک پھیر رکھا تھا۔ (۱)

باب سنۃ العیدین لاھل الاسلام

یا تو سنت سے مراد مسنون ہے یعنی اہل اسلام کے لئے عیدین میں مسنون طریقہ کیا ہے؟ یا سنت کے معنی طریقہ ہے یعنی عیدین میں اہل اسلام کا طریقہ بیان کرنا ہے اگر معنی اول مراد لئے جائیں تو روایت اولیٰ موافق ترجمہ ہوگی لیکن دوسری روایت باب کے موافق نہ ہوگی اور اگر معنی ثانی مراد لیں تو روایت ثانیہ باب کے موافق ہے لیکن اولیٰ نہیں ہے لہٰذا کسی صورت میں دونوں روایات باب سے مناسبت نہیں رکھتیں اگر معنی ثانی یعنی مصدری مراد ہوں تو باب کی غرض سے ترمذی شریف کی اس روایت کی تائید مقصود ہوگی جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ کفار کے دو دن عید کے ہیں ایک یوم نیروز دوسرا مہرجان۔ تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کے لئے عید الفطر اور عید الاضحیٰ مقرر فرمائے۔

روایت ثانیہ تو بالکل ظاہر ہے کہ اس معنی کے موافق ہے اور روایت اولیٰ اور ثانیہ میں جوڑ اس طرح ہوگا کہ عید تو وہی معتبر ہے جس میں نماز بھی ہو اور اگر معنی اول مراد ہو تو ثانیہ کی تاویل یہ ہے کہ سرور بھی عید کے طریقوں میں سے ہے، اور ایک طریقہ جمع کا یہ ہوسکتا ہے کہ سنت کے دونوں معنی مراد ہوں عموم مشترک کے طور پر یا عموم مجاز کے طور پر۔

---

(۱) یہ غرض باب مایکرہ من حمل السلاح کے تحت آرہی ہے۔

یوم بعاث

یہ انصار کی ایک لڑائی ہے جو ایک سو بیس برس تک شعلہ زن رہی اس لڑائی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک قبیلہ کے کسی آدمی نے دوسرے قبیلہ کے کسی آدمی کی اونٹنی کا دودھ بلا اجازت نکال لیا تھا دوسرے نے اس دودھ نکالنے والے کی اونٹنی کا تھن کاٹ دیا بس اس طرح ایک دوسرے کی لڑائی شروع ہوگئی اور بھائی قاعدہ یہ ہے کہ

خدا شرے بر انگیزد ودراں خیرے نہاں باشد

اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں بڑے بڑے سردار سب ختم ہوگئے قتل کردیئے گئے جب ان کو نبی آخرالزماں ﷺ کی بعثت کا علم ہوا اور حضور ﷺ مبعوث ہوگئے اور انصار کا قبیلہ جلدی جلدی مسلمان ہونے لگا اور دوسری بات انصار کی کثرت سے اسلام کی یہ ہوئی کہ یہود وانصار میں اسلام سے پہلے کشاکشی تھی یہود کہا کرتے تھے کہ ہم نبی آخرالزماں کے ساتھ ہوکر تمہاری گوشمالی کریں گے لیکن جب انصار کو حضور ﷺ کی بعثت کی خبر ہوئی تو جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ فکثر اهل الاسلام.

فقال ابو بكر المنبر امير الشيطان :

یہاں اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ جائز تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکیر کیوں فرمائی اور اگر ناجائز تھا تو پھر حضور ﷺ نے کیوں گانے دیا؟ اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منع کرنے کے باوجود بھی باقی رکھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ گانا بجانا تھا ہی نہیں اس لئے کہ ان اشعار میں جنگی کارنامے تھے اسلئے حضور ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوچ کر کہ لوگ اس کو غلط بات کا ذریعہ بنالیں گے اور اس سے استدلال کریں گے منع فرمادیا بعض لوگوں نے اس سے قوالی کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ اسکے اندر بھی ناچ گانا ہوتا ہے لیکن یہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ گانا بچیوں کے ساتھ تھا اور بچوں کے آپس کے کھیل میں تسامح ہوتا ہے نیز جب محرم ومبیح میں تعارض ہوجائے تو محرم روایات کو ترجیح دیجاتی ہے نیز دوسری بعض روایات میں ان دونوں گانے والی باندیوں کے متعلق تصریح ہے کہ وہ لیستا بمغنیتین حقیقۃ گانے والیاں نہیں تھیں۔

باب الاكل يوم الفطر قبل الخروج

یہ مسئلہ ائمہ میں متفق علیہا ہے کہ عید الفطر کے روز نماز کے لئے جانے سے قبل کچھ کھجوریں کھانی مسنون ہیں اور یہ بھی مسنون ہے کہ طاق ہوں یعنی ایک یا تین یا پانچ۔ وغیرہ۔

باب الاكل يوم النحر

امام بخاری نے باب سابق (باب الاكل يوم الفطر) میں جو روایت ذکر فرمائی ہے وہ جمہور کے موافق ہے اور یہ باب الاكل يوم النحر ہے اس میں فقہاء کا قاطبۃ یہ مذہب ہے کہ عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے بلکہ نماز پڑھ کر اپنی قربانی میں سے کھائے لیکن امام بخاری نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اسمیں یہ ہے کہ ابوبردہ بن نیار نے عید الاضحیٰ سے پہلے ذبح کی اور کھایا، اس پر حضور ﷺ

نے فرمایا کہ قربانی نہیں ہوئی اس کے بدلہ انہوں نے دوسری قربانی کی۔اب امام بخاری کی غرض کیا ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری جمہور کے خلاف یہ فرمارہے ہیں کہ نماز عید سے پہلے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور ابو بردہ بن نیار کی روایت سے حضرت امام بخاری کا استدلال اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے کھانے پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ قربانی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ قربانی نہیں ہوئی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں اور استدلال **یوم یشتھی فیه اللحم** سے ہے اور طریق استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس دن میں گوشت کی خواہش ہوتی ہے اور گوشت عید کے دن قربانی کا ہی ہوتا ہے اور قربانی بعد الصلوۃ ہی ہوتی ہے اور حضرت ابو بردہ بن نیار نے جو ذبح فرمایا تھا وہ محض عدم علم کی وجہ سے ہوا تھا۔

فلاادری ابلغت الرخصة من سواه ام لا :

یہ کسی راوی کا مقولہ ہے حضرت انس یا ابن سیرین کا نہیں اور یہ تردد انہی راوی کو ہے ورنہ روایت میں تصریح ہے کہ یہ ان ہی صحابی کے ساتھ خاص ہے۔

ولن تجزی عن احد بعدک

یہ وہ تصریح آگئی۔

باب الخروج الی المصلی بغیر منبر

حضرت امام بخاری کی غرض ابوداؤد کی اس روایت پر رد کرنا ہے جس میں یہ ہے کہ مروان نے حکم دیا کہ منبر عیدگاہ میں لے جا کر نصب کیا جائے امام بخاری نے اس کی تردید فرمادی۔اور یہ بتادیا کہ حضور ﷺ عیدگاہ بغیر منبر کے تشریف لے گئے۔

فیقوم مقابل الناس :

اس سے امام بخاری نے منبر کے نہ ہونے پر استدلال فرمایا ہے کیونکہ اگر منبر ہوتا تو قیام مقابل الناس نہ ہوتا بلکہ اوپر قیام ہوتا۔

فان کان یرید ان یقطع بعثا قطعه :

اسلئے کہ لوگ مجتمع ہوتے تھے لہٰذا حضور اکرم ﷺ وہیں تشکیل فرماتے تھے۔

حتیٰ خرجت مع مروان الخ :

بنوامیہ کے زمانے میں مروان نے عیدین میں دو تغیر کئے،ایک تو یہ کہ عیدگاہ منبر لے گیا دوسرے یہ کہ عید کا خطبہ بعد میں ہوتا تھا اس کو نماز سے پہلے کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اتباع اور اہل بیت کو گالیاں دیا کرتا تھا اور مسلمان اس کو سننا نہیں چاہتے تھے اس لئے وہ چپکے چپکے وہاں سے اٹھ کر چلدیا کرتے تھے اور اس کا خطبہ نہیں سنتے تھے مروان نے جب دیکھا کہ جن کو سنانا اصل ہے وہی اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو اس نے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا کہ اب تو مجبور ہو کر نماز کے انتظار میں رکے رہیں گے اور ان کی لغویات سنیں گے۔

فقد ذھب ماتعلم :

یعنی اب وہ زمانہ نہیں رہا اب مصلحت یہی ہے کہ قبل الصلوۃ خطبہ دیا جائے۔

باب المشی والرکوب الی العید

امام بخاری کی غرض کیا ہے؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ترمذی شریف میں ہے کہ مشی علی الاقدام عید میں افضل ہے اس پر ردکرنا ہے اور رداس طرح فرمادیا کہ حدیث میں ہے کہ خرج یوم الفطر اور خروج عام ہے راکبا ہو یا ماشیا اور یہ اقرب ہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ امام بخاری کے اصول میں ہے کہ جب ترجمہ میں چند چیزیں ذکر فرمائیں اور کسی ایک کی روایت نہ ذکر فرمائیں تو وہ امام بخاری کے نزدیک ثابت نہیں یہاں امام بخاری نے رکوب کی کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی جو رکوب پر صراحۃ دلالت کرے لہٰذا وہ گویا امام کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس صورت میں ترمذی کی روایت کی تائید ہوگی اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے رکوب پر یتوکا علی ید بلال سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ ہاتھ پر ٹیک لگانا سواری ہے۔

بچے ایک کھیل کھیلا کرتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو بچے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور تیسرا بچہ اپنی ایک ٹانگ ان دونوں کے ہاتھ پر رکھتا ہے اور دونوں کے مونڈھے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر سب بچے چلتے ہیں اور اسکو باری دینا کہتے ہیں تو کیا عجب ہے کہ امام بخاری نے ایک فطری چیز سے استدلال فرمایا ہو۔

والصلوۃ قبل الخطبۃ بغیر اذان ولا اقامۃ :

یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ عیدین میں اذان اور اقامت نہیں ہے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں اختلاف تھا اور وہ اپنے زمانے میں اذان دلوایا کرتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان پر رد فرمایا ہے پھر بعد میں یہ دستور ختم ہوگیا اور عیدین میں اذان واقامت اس لئے نہیں ہوتی کہ یہ دونوں فرائض کے خلاف ہیں اور عیدین فرائض نہیں ہیں البتہ ایک اختلاف ہے کہ عیدین کے دن الصلوۃ جامعۃ کا اعلان کرسکتے ہیں یا نہیں شافعیہ کے نزدیک اعلان اولیٰ ہے اور شرح ترمذی میں عراقی نے واجب نقل کیا ہے۔

ملا علی قاری نے اس کے جواز پر اتفاق نقل کردیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے حنابلہ اس کو خلاف سنت لکھتے ہیں موفق نے مغنی میں اسی طرح نقل کیا ہے قاضی نے مالکیہ میں اسکو جائز لکھا ہے مگر مالکیہ کے یہاں مشہور یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اور بعض خلاف اولیٰ لکھتے ہیں اور مجھے اس مسئلے میں اپنی کتابوں میں کوئی تصریح نہیں ملی جو جائز کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بغیر اذان و لا اقامۃ میں داخل نہیں اور جو منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اپنے اطلاق کہ وجہ سے اس کو بھی شامل ہے۔

باب الخطبۃ بعد العید

یہ باب خاص طور سے اس لئے باندھا ہے بنوامیہ اپنے زمانے میں نماز عید سے پہلے جمعہ کی طرح خطبہ دیا کرتے تھے تو اس خوف سے کہ کہیں یہ طریقہ نہ بن جائے محدثین خاص طور سے اس پر رد کرنے کے لئے باب باندھتے ہیں تلقی المرأۃ خرصھا و سخابھا یہ روایت دلیل ہے جواز حلی للنساء کی یوم العید کے خطبہ کی روایات میں بہت سے زیوروں کا ذکر ملے گا۔

باب مایکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم

ایک ورق پہلے ایک باب گذرا ہے باب الحراب والدرق یوم العید اور وہاں میں نے کہا تھا کہ اگلے باب پر کلام کروں گا یعنی اس باب میں گذشتہ ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عید میں اہل سوڈان کو ہتھیاروں سے کھیلنے کی اجازت دی تھی اور اس باب

کا خلاصہ یہ ہے کہ حرم اور عید میں ہتھیار لے جانا مکروہ ہے دونوں میں تعارض ہو گیا شراح کی رائے یہ ہے کہ اول حالت امن پر محمول ہے اور یہ باب حالت خوف پر محمول ہے جبکہ بدامنی وغیرہ کا اندیشہ ہو لیکن میرے نزدیک یہ غرض نہیں بلکہ باب سابق کی غرض یہ ہے کہ عید کے دن اظہار سرور کے طور پر مسجد سے باہر کھیلنا مندوب ہے حضور ﷺ نے اجازت دی ہے اور اس باب کی غرض یہ ہے کہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے یا حرم میں مجمع کے وقت ہتھیار لے جانا بلاضرورت مکروہ ہے اب دونوں میں فرق ہو گیا وہاں تو یوم العید کا ذکر تھا اور یہاں **ذھاب الی المصلی وفی الحرم** کا ذکر ہے اور شراح نے امن وخوف سے فرق کیا ہے۔

کنت مع ابن عمر حین اصا به سنان الرمح الخ :

واقعہ یہ ہوا کہ جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شہید کر دیا تو مسلمانوں میں بڑا غم وغصہ پھیلا عبدالملک بڑا سمجھدار سمجھا جاتا تھا اس نے یہ سوچا کہ یہ مسلمان حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل پر جب اتنا بگڑے ہیں تو اگر ان کے امر دینی میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو یہ بالکل پھر جائیں گے لہٰذا اس نے حجاج کو لکھا کہ ایام حج میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھ کر ارکان حج ادا کرے کیونکہ اگر حج میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر یہ سارا مجمع بپھر جائے گا اور قابو میں نہیں آئے گا کیونکہ مسلمانوں کو شعائر اسلام میں گڑبڑ اور مداخلت کرنے سے جتنا غصہ آتا ہے اور کسی چیز سے نہیں آتا حجاج اس حکم کو کیسے ٹالتا امیر کا حکم تھا مگر اس کو غصہ بہت آیا اس اس نے ایک آدمی کو کہا کہ تو اپنا ایک نیزہ زہر میں بجھا کر رکھ اور جب ابن عمر گذریں تو ان کے مار دینا اس نے ایسا ہی کیا حضرت ابن عمر کے بدن میں اس کا زہر سرایت کر گیا اسی میں ان کا انتقال ہوا حجاج بھی دکھاوے کے طور پر ان کی عیادت کرنے آیا اور کہا کہ ایسا کس نے کیا اگر مجھ کو اسکا نام معلوم ہو جائے تو میں اس کی خبر لوں حضرت ابن عمر نے کچھ توریہ سے کام لے کر فرمایا کہ تو نے ہی تو کیا ہے کہنے لگا میں نے کیسے کیا ہے؟ اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا **حملت السلاح فی یوم لم یکن یحمل فیه وادخلت السلاح الحرم ولم یکن السلاح ید خل الحرم** یعنی تو نے اس دن میں ہتھیار لانے کی اجازت دی حالانکہ اس دن نہیں اٹھائے جاتے اور تو نے حرم میں ہتھیار داخل کئے حالانکہ حرم میں ہتھیار نہیں داخل کئے جاتے یہی جز امام بخاری کا مقصود ہے اور اسی سے امام بخاری کا استدلال ہے۔

(فائدہ) حجاج بڑا ظالم تھا یوں کہتے ہیں کہ جیسے خیرات میں امت محمد علی صاحبہا الف الف صلاۃ وتحیۃ سب سے بڑھی ہوئی ہے اسی طرح اگر ظلم کو دیکھا جائے تو ہمارا ایک حجاج کافی ہے اس کا مقولہ ابوداؤد میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر امیر کسی کو کہے کہ اس دروازے سے جاؤ اور وہ اس کے خلاف کرے تو مجھ کو اس کی گردن اڑا دینی جائز ہے۔

باب التبکیر للعید

تبکیر للعید کا مطلب یہ ہے کہ عیدین کی نماز اول وقت میں پڑھنی مستحب ہے مگر عید الفطر ذرا پہلے ہوگی۔ **ان کنا فرغنا فی هذه الساعة** تاخیر کرنے پر نکیر فرمائی کہ اب پڑھنے جا رہے ہو ہم تو حضور ﷺ کے زمانے میں اس وقت فارغ ہو جاتے تھے۔

باب فضل العمل فی ایام التشریق

ایام تشریق گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخیں ہیں اور ایام نحر دس، گیارہ، بارہ ہیں تو گویا دو تاریخیں مشترک ہیں گیارہ بارہ کی اور دو غیر مشترک ہیں یعنی دس اور تیرہ۔ دسویں تاریخ تو یوم النحر کی ہے یوم التشریق نہیں اور تیرہ یوم التشریق کی ہے یوم النحر کی نہیں، حضرت امام

بخاری کی غرض اس باب سے ایام تشریق کی فضیلت بیان کرنی ہے۔ وقال ابن عباس وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ الخ یہاں اذكروا الله یہ تسامح ہے اس لئے کہ قرآن پاک میں ليذكروا اسم الله الآية ہے ایسا کیوں ہوا کہ بجائے ليذكر کے اذكر فرمادیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سارے روات حفاظ نہیں ہوتے بعض اوقات حافظ کو بھی سہو ہو جاتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ کسی حافظ سے سہو ہوا ہو یا غیر حافظ سے غلطی ہوگئی ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مقصود آیت کی طرف اشارہ ہے تلاوت مقصود نہیں یہاں مقصود بالذات ایام معدودات ہیں کیونکہ اس کی تفسیر ایام تشریق ہے اس پر اشکال ہے کہ پھر ایام معلومات کو کیوں ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں جگہ ذکر کا امر وارد ہے تو ممکن ہے کہ کسی کو وہم ہو کہ دونوں ایک ہیں اس لئے اس وہم کو دفع کرنے کی وجہ سے تقابل کے طور پر دونوں کی تفسیر فرمادی اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک یوم النحر ایام تشریق میں سے ہے۔ لہذا ایام معلومات ایک دن کے اعتبار سے ایام تشریق میں داخل ہوگئے اس لئے اس کو یہاں ذکر فرمایا ورنہ ایام معلومات کا ذکر کرنا یہاں مناسب نہ تھا۔ کیونکہ باب سے ایام تشریق کی فضیلت بیان کرنی ہے نہ کہ ایام نحر کی۔

يخرجان الى السوق فى ايام العشر يكبران :

یہاں اشکال یہ ہے کہ ایام النحر کی تکبیر کا کیوں ذکر فرمایا۔ ایک جواب یہ ہے کہ چونکہ ایام عشر کا ذکر آ گیا تھا اس لئے ان کی تکبیرات کا ذکر فرمادیا اور دوسرا جواب وہی میرے والا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک کیونکہ یوم النحر یوم التشریق ہے لہذا اس ایک دن کے لحاظ سے یہ ایام تشریق کی تکبیر میں داخل ہو گیا۔

وكبر محمد بن على خلف النافلة :

یہ بعض شوافع، مالکیہ کا بھی مذہب ہے جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صرف فرائض کے بعد تکبیرات ہیں۔

ماالعمل فى ايام افضل منها فى هذه :

هذه کی تفسیر ابوداؤد میں ايام العشر یعنی عشرۂ ذی الحجہ کے ساتھ واقع ہے امام بخاری کے ترجمہ کی خاطر بہت سے شراح نے هذه کی تفسیر ایام تشریق سے کی ہے مگر محققین اس کا انکار فرماتے ہیں تفسیر وہی ہے جو حدیث میں آگئی۔

اب امام بخاری کا ترجمہ کسی اور طرح ثابت ہوگا میرے نزدیک اس کے ثبوت کا طریقہ یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک جو یوم عاشر ایام تشریق میں سے ہے اس لئے ایک دن کے اعتبار سے ترجمہ ثابت ہوگیا اور حافظ کے نزدیک مقایسہ سے ثابت ہے یعنی جب ایام عشر میں یہ فضیلت ہے تو ایام تشریق میں بھی ہوگی۔

باب التكبير ايام منىٰ

یہ تکبیرات تشریق کہلاتی ہیں اس میں ابتداء اور انتہا کے اعتبار سے بارہ قول ہیں جو اوجز المسالک میں مفصل مذکور ہیں راجح قول علماء کا یہ ہے کہ عرفہ کی صبح سے لے کر آخر ایام تشریق کی عصر تک یہ تکبیرات رہتی ہیں امام صاحب کے نزدیک یوم النحر کے عصر تک اسکا وقت ہے۔

باب الصلوۃ الی الحربۃ یو م العید

ابواب السترۃ میں صلوۃ الی الحربۃ اور صلوۃ الی العنزۃ کا باب گذر چکا ہے وہاں میں تخصیص کی وجہ بیان کر چکا ہوں اور یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ میرے والد صاحب کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بعض اقوام ہتھیار کی عبادت کرتی ہیں اسلئے خاص طور سے ذکر فرمایا جو غرض وہاں تھی وہ یہاں بھی ہوگی مزید برآں یہ کہ چونکہ حضور ﷺ کے زمانے میں کوئی عیدگاہ تو ہوتی نہیں تھی میدان میں نماز پڑھتے تھے تو عنزہ حربہ وغیرہ ساتھ لیجاتے تھے تاکہ اس کا سترہ بنالیں اگر کہیں عیدگاہ نہ بنی ہوئی ہو تو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ کوئی چیز ساتھ لے جائے تاکہ اس کو سترہ بنالے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے زمانے میں گنگوہ میں عیدگاہ نہیں تھی صرف ایک منبر بنا ہوا تھا، اب کا حال معلوم نہیں۔

باب حمل العنزۃ او الحربۃ الخ

یہ بدعات جو ہیں یہ بالکل بے اصل نہیں ہیں کسی نہ کسی درجہ میں ان کی اصل ہوتی ہیں جیسے تیجہ وغیرہ۔ لیکن یہ بات غور سے سنو تم جا کر یہ نقل مت کرنا کہ میں نے تیجہ کو جائز قرار دے دیا بلکہ جو کہہ رہا ہوں اس کو غور سے سنو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسمعو امنی واسمعونی ایسا نہ ہو کہ کوئی بات جا کر میری طرف سے وہ نقل کرو جس کو میں نے نہ کہا ہو۔ جیسا کہ ایک طالب علم نے مجھ سے یہ کہا کہ مولانا امیر احمد صاحب نے رؤیت باری تعالیٰ کو دنیا میں ان آنکھوں سے ہونا ممکن بتلایا ہے اور انہوں نے مجھ سے نقل کیا ہے جب میں نے یہ بات سنی تو تردید کردی کہ بالکل غلط ہے نہ میں ایسی بات کہہ سکتا ہوں اور نہ مولانا امیر صاحب۔ اور اس کی کاپی لے کر یہ مضمون اسی وقت کاٹ دیا کیونکہ یہاں تو خود حضور ﷺ ہی کی رؤیت میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کو دیکھا ہے یا نہیں پھر آحاد بشر کا کیا کہنا بہرحال رؤیت باری اس دنیا میں ان آنکھوں سے ممکن نہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بدعات بے اصل نہیں بلکہ کسی نہ کسی درجے میں ان کی اصل ہے مثلاً تیجہ ہے اس کی اصل یہ تھی کہ مرنے کے تیسرے دن کچھ اہل قرابت جمع ہو کر قرآن پاک پڑھتے تھے اور اس کا ثواب مردے کو بخشتے تھے لیکن اب یہ ہو گیا کہ خاص اس دن میں خصوصیت سمجھنے لگے اور اس کو واجب سمجھ لیا اور غیر واجب کو واجب سمجھ لینا یہ بدعت اور حرام اور مالیس من امرنا ھذا فھو رد کے تحت داخل ہو گیا اسی طرح عرس ہے اس کی اصل فی نفسہ جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں مگر اس میں قیود بڑھا کر اس کو حرام تک پہنچا دیا۔ عرس کے فی نفسہ اصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک شیخ بقید حیات رہتا ہے اس کے مریدین آتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے ہیں مگر جب شیخ کا انتقال ہو جاتا ہے تو پھر یہ پتہ نہیں رہتا کہ کون کہاں ہے کوئی کہیں ہوتا ہے اور کوئی کہیں اور جمع کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہی نہیں رہا جس کی وجہ سے اجتماع ہوتا ہے تو پہلے لوگوں نے یہ کیا کہ ایک دن مقرر کر لیا تاکہ اس مقررہ دن میں ایک دوسرے سے ملیں اور استفادہ واستشارہ کرلیں اور یہ شیخ کی موت کے دن سے اور اچھا دن اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ یہ دن نقش الحجر کی طرح رہتا ہے کیونکہ یہ بڑا جان کا صدمہ ہوتا ہے تو اس دن کو مقرر کر دیا تاکہ اس میں سب اکھٹے ہو جائیں اور کسی کو بلانے کی ضرورت نہ پڑے بخلاف اسکے کہ کوئی اور دن مقرر کرتے تو اس میں سب کو بلانا پڑتا اشتہار دینا ہوتا وقت مقرر کرنا پڑتا تو اصل مقصد اس اجتماع کا یہ تھا کہ ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کرلیں اور اس حد تک کوئی قباحت نہیں ہوتی لیکن بعد میں کیا کیا ہوا کہ نوبت حرام تک جا پہنچی، شیخ کی روح کو حاضر ناظر سمجھا جانے لگا اس اجتماع کو فرض عین کہنے لگے جو سب کچھ حرام ہے، تو خود ہی سوچ لو کہ اگر شیخ کی روح صالح ہے تو اعلیٰ علیین کو چھوڑ کر یہاں کیوں آنے لگی اور اگر ایسی ویسی

یعنی بری حالت میں ہے تو نا معلوم کہاں کہاں پھرتی ہوگی یہاں کیوں آنے لگی۔اب غرض باب کی طرف آؤ حضور ﷺ کے زمانہ حیات میں یہ طریقہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کہیں عید وغیرہ میں تشریف لے جاتے تو کوئی خادم حربہ وغیرہ ان مصالح کی وجہ سے لیتا جو میں ابھی بتلا چکا ہوں اور چونکہ وہ آپ کے ساتھ جاتا تھا تو اب امیر المومنین کے ساتھ باقاعدہ چوبدار آگے آگے برچھا لے کر چلنے لگا اسی واسطے یہاں دوسری حدیث میں فمن ثم اتخذها الا مراء آیا ہے اور میری ساری تقریر اسی پر ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ برچھے کی اصل تو کچھ اور تھی لیکن اسکو بنا کچھ اور لیا۔

باب خروج النساء والحیض الی المصلی

چونکہ حائض نماز نہیں پڑھتیں اسی طرح عورتیں دن میں مسجد میں نہیں جاتیں تو پھر عیدگاہ میں کیسے جائیں۔امام بخاری نے باب باندھ کر بتلا دیا کہ چونکہ اسمیں فوائد ہیں اظہار شوکت مسلمین ہے اس لئے جانا چاہئے۔

باب خروج الصبیان الی المصلی

ابن ماجہ کی روایت میں جنبوا صبیانکم مساجد کم آیا ہے اس سے مصلی کو مستثنی کر رہے ہیں۔

باب استقبال الامام الناس فی خطبة العید

شراح کی رائے یہ ہے کہ اس باب کی غرض اور باب یستقبل الامام القوم واستقبال الناس الامام کی غرض جو ابواب الجمعہ میں صفحہ ایک سو پچیس کے آخر میں گذرا ہے سب کی اغراض ایک ہی ہیں صرف تفنن کے لئے الفاظ بدل کر یہاں ذکر فرما دیا اور وہاں میں کلام کر چکا ہوں کہ شراح کی غرض کیا ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ ابواب الاستسقاء میں صفحہ ایک سو چالیس پر ایک باب آرہا ہے باب استقبال القبلة فی الخطبة۔تو حضرت امام بخاری خطبہ عید کو خطبہ استسقاء سے الگ کر رہے ہیں اور الگ کرنا اس وجہ سے ہے کہ دونوں میں مشابہت زیادہ ہے وہ بھی میدان میں ہوتا ہے اور یہ بھی میدان میں ہوتا ہے۔

قال النبی ﷺ مقابل الناس :

جب مقابل الناس کھڑے ہوئے تو استقبال الامام الناس ہو گیا۔

باب العلم الذی بالمصلی

یوں فرماتے ہیں کہ اگر عیدگاہ میں مسجد نہ ہو اور کسی قسم کی علامت وہاں مقرر کر دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر اشکال یہ ہے کہ جس روایت سے استدلال ہے اور اس میں علم کا ذکر ہے وہ علم حضور ﷺ کے زمانے میں کہاں تھا جو اسکے ذریعہ استدلال کیا جا رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ظاہر لفظ روایت سے استدلال فرمایا ہے اس تحقیق میں نہیں گئے کہ زمانہ نبوی میں تھا یا نہیں

ولو لا مکانی من الصغر ماشهدته :

اس کے دو مطلب ہیں اول یہ کہ اگر حضور ﷺ کے ساتھ میری قرابت نہ ہوتی تو میں اپنے صغر کی وجہ سے وہاں حاضر نہ ہو سکتا مگر یہاں پر یہ مطلب مراد لینا غلط ہے اور جس نے یہ مطلب بیان کیا غلطی کھائی بلکہ اسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر میں صغیر السن نہ ہوتا تو عورتوں کے مجمع میں نہ جا سکتا اس صورت میں حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما عورتوں کے مجمع میں جانے اور ان کے دیکھنے کی علت بیان کر رہے ہیں کہ میں اپنے صغیر السن ہونے کی وجہ سے وہاں گیا تھا اگر یہ جملہ فرنیتهن یهوین بایدیهن کے بعد ہوتا

تو یہ اشتباہ نہ رہتا۔

باب موعظة الامام النساء يوم العيد

شراح بخاری کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ عورتیں دور رہتی ہیں اس لئے اگر عورتیں امام کا خطبہ نہ سنیں تو امام عورتوں کے سامنے دوسرا خطبہ دے مگر میری رائے اس کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ امام بخاری نے خطبہ نہیں فرمایا ہے بلکہ موعظة کا ذکر فرمایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ امام کو چاہیے کہ عید کے دن مردوں سے فارغ ہو کر عورتوں کو نصیحت کیا کرے۔

يجلس من التجليس ،قالت امرأة واحدة .و كانت طويلة(۱)

باب اذالم يكن لها جلباب فى العيد

یعنی اہتمام کرے کہ اگر اپنے پاس جلباب نہ ہو تو اپنی ساتھی سے مانگ لے اور وہ اس کو اوڑھا دے۔

لتلبسها صاحبتها:

اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ عاریت پر دے دے دوسرے یہ کہ اجرت پر دیدے

باب اعتزال الحيض المصلى

حائضہ عورتوں کو عیدگاہ میں نہ جانا چاہیئے یا تو اس وجہ سے کہ عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے اور حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے یا اس وجہ سے کہ وہ نماز تو پڑھتی نہیں پھر صفوف میں انقطاع کیوں پیدا کرے یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔

باب النحر و الذبح يوم النحر بالمصلى

نحر اونٹ کا ہوتا ہے اور ذبح دوسرے جانوروں کا اور باب کی غرض یہ ہے کہ نحر الابل و ذبح غير الابل عیدگاہ میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرنا چاہیئے جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے اور اسی کی اولویت کے قائل ہیں اور اسکی بہت سی مصالح ہیں ایک تو شعار اسلام کا اظہار ہے دوسرے اس میں نفع فقراء ہے اس طور پر کہ جب عیدگاہ میں قربانی ہوگی تو ظاہر ہے کہ کوئی سارا گوشت تو لا نہیں سکتا لہذا جو بچے گا وہ فقراء کا ہوگا اور پھر راستے میں مانگنے والے مانگ لیں گے اور اگر گھر میں ذبح کرے گا تو پہلے ہی کواڑ اور زنجیر لگا لے گا مگر فی زمانہ خاص کر ہندوستان میں بعض مجبوریوں کی بناء پر گھر میں ذبح کرنے کو ترجیح ہے۔اب یہاں امام بخاری پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ باب میں نحر و ذبح دو چیزوں کا ذکر ہے اور روایات میں ينحر او يذبح شک کے ساتھ ہے پھر ترجمہ کیسے ثابت ہوا۔اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ او شک کے لئے نہیں تنویع کے لئے ہے یعنی اگر اونٹ ہوتا تو نحر فرماتے اور اگر غیر اونٹ ہوتا تو ذبح فرماتے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ

---

(۱) باب موعظة الامام النساء الخ : اس باب کے تحت حافظ نے لکھا ہے کہ اگر عید کی نماز میں مجمع کی زیادتی کی وجہ سے عورتوں کو خطبہ کی آواز نہ پہنچے تو امام کو چاہیے کہ عورتوں کو دوبارہ مستقل خطبہ دے میرے نزدیک خطبہ پر حضور ﷺ کے اس وعظ سے استدلال صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہاں مطلق وعظ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے انکو وعظ فرمایا یہ نہیں کہ جو خطبہ مردوں کو دیا وہی خطبہ دوبارہ عورتوں کو آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے دیا ورنہ تو لازم آئے گا کہ جن لوگوں کو دور بیٹھنے کی وجہ سے آواز نہ پہنچے ان کو بھی دوبارہ خطبہ دے۔(س)

صفحہ آٹھ سو اٹھاسی پر یہی روایت کتاب الاضاحی میں آرہی ہے اور وہاں او کے بجائے واؤ ہے لہٰذا وہ دلیل ہے اس بات کی کہ او بمعنی واؤ ہے۔

باب کلام الامام والنا س فی خطبة العید

فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ امام صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خطبہ میں کرسکتا ہے اسکے علاوہ کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کرسکتا اور امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ امام جس سے چاہے جو چاہے بات کرسکتا ہے اور اسی طرح اگر کوئی امام سے بات کرے تو کرسکتا ہے اور یہی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنی مختلف تقریرات میں ہمارا مذہب نقل فرمایا ہے مگر مجھ کو باوجود تحقیق وتفتیش کے کہیں کوئی روایت نہیں ملی مگر حضرت گنگوہی کو حضرت شاہ انور صاحب رحمہ اللہ علامہ شامی سے افقہ بتلاتے تھے اور خود حضرت علامہ شامی کو معاصر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کی بات ہم پر حجت نہیں ہے۔ فلیتدبر .

باب من خا لف الطریق اذا رجع یوم العید

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیس سے زیادہ مصالح مخالفة طریق فی یوم العید بیان فرمائی ہیں من جملہ ان کے اظہار شوکت المسلمین اور دونوں طرف کے لوگوں سے ملاقات اور دونوں راستوں کا شہادت دینا بھی ہے۔

تابعه یونس بن محمد عن فلیح عن سعید عن ابی هریرة رضی الله عنه وحدیث جابر اصح :

یہاں اس عبارت میں گڑبڑ ہے اور صحیح حاشیہ کا نسخہ ہے متن کے نسخہ میں متابعۃ ہی نہیں بنتی اصل عبارت یوں ہوگی: **تابعه یونس بن محمد عن فلیح وقال محمد ابن الصلت عن فلیح عن سعید عن ابی هریرة وحدیث جابر اصح** اب حدیث جابر اصح کہنا صحیح ہوا اس لئے کہ اسکا متابع موجود ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا کوئی متابع نہیں ہے

باب اذا افاته العید یصلی ر کعتین

یہاں پر دو مسلئے ہیں ایک یہ ہے کہ بعض کی نماز عید فوت ہوجائے اور جماعت میں شریک نہ ہوسکے، حضرت امام شافعی کے نزدیک صلوۃ العید مردوں وعورتوں آزاد وغلام سب کے حق میں ہے لہٰذا جو لوگ کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکیں وہ دوسرے دن پڑھیں اور عورتیں اپنے گھروں میں دو رکعت پڑھیں مرد جہراً تکبیر پڑھیں اور عورتیں سرا، یہی امام بخاری کا میلان معلوم ہوتا ہے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ نماز عید کے لئے نماز جمعہ کی طرح مخصوص شرائط ہیں اگر کوئی رہ جائے تو امام مالک کے نزدیک دو رکعت عید کی طرح سے تکبیرات کے ساتھ پڑھے اور امام احمد کے نزدیک دو یا چار رکعات پڑھے اور امام صاحب کے یہاں چار رکعات مثل ظہر کے پڑھے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر سب کی ہی نماز فوت ہوجائے اور پہلے دن نہ ہوسکے۔ اس مسئلے سے امام بخاری نے تعرض نہیں ہے اس سے امام ابوداؤد نے تعرض کیا ہے اور ترجمہ قائم کیا ہے باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومه یخرج من الغد . حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگلے دن قضاء کی جائے گی اس لئے کہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک اعرابی نے آکر شہادت دی کہ کل چاند دیکھا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل کو نماز عید پڑھیں۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کئی دن کے بعد چاند کا علم ہوا تب بھی قضاء ہے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ مطلقاً قضاء نہیں ہے

اور حنفیہ کے نزدیک عید الفطر کی قضاء اگلے دن کی جائے گی اس کے بعد نہیں دلیل حدیث ابوداؤد ہے جو ابھی ذکر کی گئی ہے اور بقرعید کی نماز بارہ تاریخ تک اسلئے کہ یہ صلوۃ الاضحیٰ کہلاتی ہے اور اضحیٰ یعنی قربانی بارہ تک ہوتی ہے تو نماز بھی بارہ تک ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک اگر بعد الزوال قبل المغرب ثبوت ہوا تو قضاء نہیں ہے اور اگلے دن کی رات میں بعد المغرب الی الصبح ہوا ہو تو دوسرے دن قضا کی جائیگی اس لئے کہ بعد الزوال قبل المغرب ثبوت ہوا تو چاند کل کا ہے اور نوافل کی قضاء نہیں اور اگر اگلے دن کی رات میں بعد الغروب ثبوت ہوا ہے تو اس دن کا چاند ہوگا اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھی جائے گی۔

باب الصلوۃ قبل العید و بعد ھا

عید کے دن حنابلہ کے یہاں قبل الصلوۃ نوافل مطلقا مکروہ ہیں اور امام مالک کے نزدیک گھر پر جائز ہیں اور مصلی میں مکروہ ہیں اور امام شافعی کے نزدیک صرف امام کے لئے مکروہ ہے اور مقتدی جہاں کہیں بھی ہو پڑھ سکتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک عیدگاہ میں قبل الصلوۃ و بعد الصلوۃ مطلقا مکروہ ہے اور گھر پر صلوۃ عید سے پہلے تو مکروہ ہے اور بعد میں پڑھ سکتا ہے۔

ابواب الوتر

وتر میں سترہ مسئلے مختلف فیہ ہیں جو بخاری میں آتے رہیں گے بیان کرتا رہوں گا سب سے اول مسئلہ حکم الوتر ہے ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے اور بقیہ ائمہ کے یہاں سنت ہے۔ امام بخاری نے ابواب الوتر کو ابواب التطوع ،ابواب التھجد سب سے الگ باندھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ نماز اور نوافل کی طرح نہیں بلکہ الگ نماز ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر امام بخاری باب الوتر علی الدابۃ منعقد نہ فرماتے تو میں کہہ دیتا کہ امام بخاری وجوب وتر کے قائل ہیں احناف جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ امام بخاری قول بالوجوب کے ساتھ جواز علی الدابۃ فی السفر کے قائل ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ماجاء فی الوتر

امام بخاری نے حکم الوتر کا کوئی باب نہیں باندھا البتہ عدد وتر کا باندھا ہے وتر احناف کے یہاں تین ہیں ایک سلام کے ساتھ اور مالکیہ کے یہاں ایک رکعت مستقل ہے مگر اس سے پہلے شفعہ ضروری ہے ورنہ کراہت ہوگی اور امام شافعی وامام احمد کے نزدیک وتر دو قسم کے ہیں ایک مفصول اور دوسرا موصول۔ مفصول تو یہی کہ صرف ایک رکعت پڑھے یا پہلے سے نوافل پڑھ رہا تھا اور اخیر میں ایک رکعت بالاستقلال پڑھے اور موصول کی تفصیل میں مختلف اقوال ہیں شافعیہ کے یہاں ادنی الکمال تین رکعات پھر پانچ، سات، نو، گیارہ ہیں اب ان شفعات میں یا تو ہر ہر شفعہ پر سلام پھیرے یا پڑھتا رہے اور اخیر میں سلام پھیرے اور حنابلہ کے یہاں اگر پانچ ہیں تو اخیر میں بیٹھے اور سات اور نو میں دو بار بیٹھے اور اخیر میں سلام پھیرے۔ اور تین اور گیارہ میں ہر شفعہ پر سلام پھیرے۔

حتی یامر ببعض حاجته :

اس سے مالکیہ نے استدلال کیا ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ ان کا فعل ہے۔ جب حسن بصری سے ان کا قول نقل کیا گیا تو انہوں نے فرمایا و کان ابوہ لایسلم و کان افقہ منه . ورائینا انا سایو ترون بثلث یہ تو ان جماعت صحابہ کا طور وطریقہ تھا اور آگے قاسم کی رائے ہے اب خود ہی فیصلہ کرلو ابن ابی شیبۃ نے حسن بصری سے نقل کیا ہے اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لایسلم الافی آخر ھن . فیسجد السجدۃ . یہ سجدہ یا تو صلوتیہ ہوتا تھا مگر بعض خاص اوقات میں خصوص تجلیات کی بناء پر اطاعت ہو جاتی تھی یا سجدہ صلوتیہ نہ تھا اس صورت میں سجدہ شکر ومناجات کے قائلین اس سے استدلال کرتے ہیں حنفیہ جو سجدہ مناجات کے قائل نہیں ہیں وہ اس تقریر پر یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ سجدہ تلاوت ہوتا تھا اور سجدہ تلاوت میں جتنی دیر تک چاہے دعائیں پڑھتا رہے۔ (۱)

باب ساعات الوتر

بعض علماء نے بیان فرمایا ہے اولا عادت شریفہ یہ تھی کہ رات کے جس حصے میں چاہتے پڑھتے تھے مگر پھر اخیر میں رات کے

---

(۱) باب ماجاء فی الوتر اگر تم میں سے کوئی اس اختلاف کی جزئیات دیکھنا چاہے تو اوجز کی کتاب الوتر میں دیکھ لے۔

باذنی یفتلھا: یہ کان مروڑنا یا تو تنبیہ کے لئے تھا یا نیند سے بیدار کرنے کے لئے۔

عبدالرحمٰن بن قاسم : یہ ابن محمد بن ابی بکر ہیں جو افقہ زمانہ تھے یہ فرماتے ہیں جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے صحابہ کو تین وتر ہی پڑھتے دیکھا۔ یعنی اکثریت تین وتر پڑھنے والوں کی تھی۔

فیسجد السجدۃ من ذلک : اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ سجدہ اتنا طویل ہوتا تھا کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے اس میں نماز کے سارے سجدے داخل ہوں گے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز کے بعد کا سجدہ شکر مراد ہے اس صورت میں کوئی سجدہ داخل نہ ہوگا۔

آخری حصہ میں پڑھنے لگے تھے وقد ورد وانتھی وترہ الی السحر ۔اس سے بظاہر ایہام ہوتا تھا کہ اور اوقات منسوخ ہو گئے اس لئے ساعات وتر کا باب باندھ کر تنبیہ فرما دی کہ صرف ایک ساعت نہیں بلکہ ساعات وہ اوقات ہیں۔ اوصانی النبی ﷺ بوتر قبل النوم. لا نہ کان یشتغل بالعلم وکان ذالک ایضا داب الصدیق وکان الاذان باذنیہ یہاں پر بعض نے اذان سے اقامت مراد لی ہے، یعنی اتنی عجلت فرماتے تھے گویا کہ اقامت ہو رہی ہے اور جلدی فرما رہے ہیں۔اور ممکن ہے کہ اذان حقیقی مراد ہو۔ اور مطلب یہ ہے کہ عین اذان کے ساتھ شروع فرماتے تھے۔

باب ایقا ظ النبی ﷺ اھلہ بالوتر

یہ بھی وتر کے واجب ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر واجب نہ تھے تو پھر وتر ہی کے لئے کیوں جگاتے تھے تہجد کے لئے کیوں نہیں جگاتے تھے؟

باب لیجعل آخر صلو تہ وترا

حدیث پاک اجعلو آخر صلوتکم باللیل وترا ہے، امام بخاری نے اس مین تھوڑا سا تغیر کر کے اپنا ترجمہ بنا دیا۔اس حدیث کی وجہ سے اسحٰق بن راھویہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر بالکل آخر میں ہونے چاہیئں اور اگر کسی نے اولا وتر پڑھے اور پھر رات کو جاگ کر تہجد کی نماز پڑھ لی تو وہ وتر باطل ہو گئے دوبارہ پڑھے امام ابوداؤد نے اس پر رد کرنے کے لئے نقض الوتر کا باب باندھا ہے اور لا وتران فی لیلۃ والی روایت ذکر فرمائی ہے۔جمہور کے نزدیک اجعلو ا کا امر استحباب کے لئے ہے۔ میرے والد صاحب نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے نقل فرما کر ایک اور توجیہ فرمائی ہے وہ یہ کہ ہم نے تسلیم کر لیا کہ امر ایجابی ہے مگر یہاں صلوۃ سے مراد نوافل نہیں ہیں بلکہ فرائض اللیل ہیں اور وہ مغرب وعشاء ہے تو اب مطلب یہ ہوگا کہ وتر کو عشاء کے بعد پڑھو یعنی وتر کا ابتدائی وقت بیان فرمایا کہ عشاء سے پہلے وتر نہ ہوں گے لہٰذا امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہی رہے گا اور حدیث بالکل صاف ہو جائے گی نیز یہ حدیث فقہاء کی اس مسئلہ میں دلیل بن گئی ہے۔اگر کسی وجہ سے عشاء کی نماز دہرائی جائے تو وتر بھی دہرائے جائیں گے۔

باب الوتر علی الدابۃ

یہ وہ باب ہے جسکی وجہ سے حافظ نے بخاری کے عدم القول بالوجوب کا تعلل فرمایا ہے کان یوتر علی البعیر یہ ابتداء پر محمول ہے اور ایجاب سے پہلے کا واقعہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں ان اللہ تعالیٰ امد کم صلوۃ وھی الوتر یہ الف ولام عہد کے لئے ہے اس سے وہی مراد ہے جو پہلے پڑھی جاتی تھی اور امداد وزیارت کے درجہ میں نہیں آئی تھی۔ (۱)

---

(۱) باب الوتر علی الدابۃ : اس باب کے متعلق حافظ فرماتے ہیں کہ یہ احناف کے خلاف ہے ورنہ تمام ابواب احناف کے موافق ہیں ہماری طرف سے اسکا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ باب ہمارے خلاف نہیں بلکہ ہمارے نزدیک بھی کی صورت میں دابہ پر وتر جائز ہیں۔دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ وتر کے وجوب سے قبل کا ہے۔ یہ باب ان لوگوں کے لئے موید ہے جو وتر کو سنت کہتے ہیں کیونکہ احناف کے یہاں وتر کو بغیر عذر کے دابہ پر ادا نہیں کیا جا سکتا، اور بہت ممکن ہے کہ امام بخاری وتر کو واجب مانتے ہوئے اسے دابہ پر ادا کرنے کے قائل ہوں کیونکہ امام بخاری کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جمیع جزئیات میں احناف کے ساتھ اتفاق کریں اور خود شوافع کے یہاں ایک واجب کو دابہ پر ادا کر سکتے ہیں وہ یہ کہ اگر راکب رکوب کی حالت میں سجدۂ تلاوت سنے تو وہ دابہ پر سجدہ کر سکتا ہے۔(کذا فی تقریرین)

باب الوتر فی السفر

ضحاک بن مخلد وغیرہ وتر فی السفر کے قائل نہیں، ان پر رد فرمارہے ہیں اور بقیہ ائمہ بالاتفاق قائل ہیں۔

باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ

امام بخاری نے قنوت کو ابواب الوتر میں ذکر فرمایا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری قنوت فی الوتر کے قائل ہیں جیسا کہ حنفیہ وحنابلہ فرماتے ہیں نہ کہ قنوت فی الفجر کے جیسا کہ شافعیہ و مالکیہ کی رائے ہے یہ اختلاف قنوت مستقل کا ہے یعنی فیما بین الائمہ اس میں اختلاف ہے کہ قنوت وتر مستقل ہیں یا قنوت فجر۔احناف وحنابلہ تو قنوت وتر کے مستقل ہونے کے قائل ہیں مالکیہ وشافعیہ قنوت فجر کے اور وتر میں مالکیہ کے قول کے موافق قنوت ہے ہی نہیں ہاں ان کے یہاں کی دوسری روایت اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ نصف آخر رمضان میں قنوت ہے تو اب جبکہ صرف وتر میں نصف ماہ قنوت ہے اور فجر میں پورے سال اور پھر امام بخاری نے قنوت کو ابواب الوتر میں ذکر فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ قنوت وتر کے قائل ہیں البتہ ایک حاشیہ کا نسخہ گذرا ہے مگر میں نے وہاں تنبیہ کردی کہ سوائے ایک روایت کے اور روایات اس کی مساعدت نہیں کرتیں۔

تو یہاں اب دو اختلاف ہو گئے ایک یہ کہ وتر میں قنوت ہے کہ نہیں احناف وحنابلہ کے نزدیک پورے سال ہے اور مالکیہ کے مشہور قول میں نہیں ہے اور مالکیہ کا دوسرا قول اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ نصف آخر رمضان میں ہے اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ فجر میں قنوت ہے یا نہیں مالکیہ وشافعیہ فرماتے ہیں کہ پورے سال ہے اور حنفیہ وحنابلہ فرماتے ہیں کہ فجر میں قنوت نہیں ہے۔الا اذا نزلت نازلة .

اور تیسرا اختلاف یہ ہے کہ قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع۔چاہے فجر کا قنوت ہو یا وتر کا شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک وتر وفجر سب میں قنوت بعد الرکوع ہے اور مالکیہ کے نزدیک سب قبل الرکوع ہیں اور حنفیہ کے نزدیک وتر کا قبل الرکوع ہے اور نازلہ کا بعد الرکوع اب جو بعض روایات میں قنوت قبل الرکوع ہے اور بعض میں قنوت بعد الرکوع ہے یہ حنفیہ کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں کسی تاویل یا جواب دینے کی ضرورت ہے کیونکہ جہاں قبل الرکوع آتا ہے وہ وتر پر محمول ہے اور جہاں بعد الرکوع آتا ہے وہ نازلہ پر محمول ہے امام بخاری نے اس باب کو وتر میں ذکر فرما کر یہ اشارہ فرمادیا کہ مستقل قنوت وتر میں ہے اور قبل الرکوع وبعد الرکوع سے اشارہ فرمادیا کہ اگر وتر میں ہو تو قبل الرکوع اور اگر نازلہ میں ہو تو بعد الرکوع۔

اور ایک چوتھا اختلاف الفاظ قنوت میں حنفیہ کے نزدیک سورة الحفد و الخلع افضل ہے اور شافعیہ کے یہاں اللهم اهدنی

لحدیث : اقنت النبی ﷺ فی الصبح الخ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس مدعا میں بالکل واضح ہے کہ قنوت فجر مستقل نہیں ہیں اور اسی طرح اس مدعا کو بھی روایت انس واضح کرتی ہے کہ قنوت فی النوازل بعد الرکوع ہوتا ہے۔اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت حنفیہ کے اس مسئلے میں بالکل موافق ہے کہ قنوت وتر مستقل ہے اور قبل الرکوع ہے اور قنوت بعد الرکوع مستقل نہیں ہے بلکہ وہ ایک ماہ صبح کی نماز میں حادثہ اور نازلہ کی بناء پر تھا اور جو لوگ اس روایت میں گڑبڑ بتلاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب حضرت انس سے مطلقا قنوت کے بارے میں سوال ہے اور روایت میں کسی قسم کی قید نہیں ہے تو اس سے

مراد قنوت دائمی ہوگا اور وہ وتر ہی کا ہے اور قبل الرکوع ہے اس لئے حضرت انس نے ان لوگوں کی تکذیب فرمائی جنہوں نے حضرت انس سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ قنوت بعد الرکوع ہے بلکہ یہ فرمایا کہ انما قنت رسول اللہ ﷺ بعد الرکوع شہرا . اور پہلی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ صبح کی نماز میں ایک ماہ بعد الرکوع تھا معلوم ہوا کہ یہاں اور کسی قنوت کے متعلق سوال ہے اور وہ سوائے وتر کے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ اراہ کان بعث قوما یقال لھم القراء زھاء سبعین رجلا . یہ سریہ حضور ﷺ نے ایک قوم کی درخواست پر ۴ھ میں بھیجا تھا یہ ستر قراء پر مشتمل تھا اور ان کو دھوکہ سے قتل کر دیا گیا حضور ﷺ نے ان کے لئے بددعاء کی اور ایک ماہ تک فجر کی نماز میں بعد الرکوع قنوت نازلہ پڑھی اور یہ ہی سب سے پہلا واقعہ ہے جب کہ قنوت نازلہ پڑھا گیا۔ کان القنوت فی المغرب والفجر. قنوت نازلہ ہمارے یہاں صرف فجر میں جائز ہے اور کسی نماز میں نہیں اور یہی اور ائمہ کا مذہب ہے مگر شوافع کہتے ہیں کہ شدت نوازل کے وقت پانچوں نمازوں میں پڑھنا جائز ہے اور بعض روایات میں جہریہ نمازوں میں قنوت نازلہ کا ذکر ہے اسی وجہ سے درمختار میں صلوۃ جہریہ میں لکھ دیا مگر سب منسوخ ہے صرف فجر کی نماز میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابواب الاستسقاء

باب الاستسقاء

استسقاء کے متعلق اوجز میں سات ابحاث لکھدی ہیں ان میں سے جو بخاری میں آتی رہیں گی ان کو بیان کرتا رہوں گا من جملہ ان ابحاث کے یہ بھی ہے کہ صلوۃ الاستسقاء مسنون ہے یا نہیں امام صاحب کا مذہب جو میرے نزدیک دلائل کے اعتبار سے قوی ہے (گویا ہمارے یہاں فتوی اس پر نہیں ہے بلکہ صاحبین کے قول پر ہے) وہ یہ کہ استسقاء میں کوئی نماز مسنون نہیں بلکہ اس کی حقیقت دعا ہے اور صاحبین وائمہ ثلاثہ کے نزدیک استسقاء میں صلوۃ مسنونہ ہے۔

اب میں نے جو یہ کہا ہے کہ امام صاحب کا مذہب دلائل کے اعتبار سے قوی معلوم ہوتا ہے وہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام صاحب نور اللہ مرقدہ کی نظر اول قرآن پر ہوتی ہے، اور قرآن میں ہے وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ،يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا تو ارسال ماء کو استغفار پر مرتب فرمایا ہے اور پھر روایات میں حضور ﷺ سے بکثرت استسقاء ثابت ہے جب کوئی آتا اور قلت مطر کی شکایت کرتا تو آپ ﷺ دعا فرماتے اور بارش ہو جاتی اور نماز کے ساتھ استسقاء صرف رمضان ۶ ھ میں ثابت ہے تو اب ساری روایات کو اصل قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اصل یہ ہے کہ استسقاء میں صلوۃ مسنونہ نہیں ہے یا اس واقعہ کو اصل قرار دیا جائے۔ لہٰذا امام صاحب فرماتے ہیں کہ اذا حزبہ الامر بادر الی الصلوۃ کے قبیلہ سے ہے جیسا کہ سنن کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ میں ایک بار اندھیرا ہوگیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تم ایسے وقت میں حضور ﷺ کے زمانے میں کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ذرا ہوا چلتی تھی تو سارے مسجد میں چلے جاتے تھے کہ قیامت آگئی اسی طور پر یہاں بھی حضور ﷺ نے نماز پڑھی مزید برآں یہ کہ حضور ﷺ سے غزوہ تبوک سے واپسی میں ۹ ھ میں استسقاء ثابت ہے اور اس میں یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اس میں نماز نہیں پڑھی تھی اور جیسا کہ قاعدہ ہے یوخذ بالاخر فالاخر من قول رسول اللہ ﷺ وفعلہ۔ تو پھر سرے سے نماز ہی نہ ہونی چاہیئے یہی وجہ ہے کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ امام صاحب کا مذہب دلائل کے اعتبار سے قوی ہے اور امام محمد سے تو منقول ہے کہ صلوۃ الاستسقاء میں صرف ایک ہی روایت ہے غالباً ان کا مطلب یہ ہے کہ ایک روایت ثابت ہے یا ان کو ایک ہی روایت پہنچی۔

باب دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلها سنین الخ

حضور ﷺ نے بددعا فرمائی جو قبول ہوگئی مگر سات سال پورے نہیں ہوئے بلکہ قحط جب شروع ہوگیا تو ابوسفیان آیا اور آپ ﷺ منت سماجت کی، حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور قحط دور ہوگیا۔ یہاں پر دو اشکال ہیں ایک ترجمۃ الباب پر اور دوسرا حدیث پر۔ حدیث کا اشکال تو حدیث پر آئے گا، باب پر اشکال یہ ہے کہ ذکر ابواب الاستسقاء ہو رہے ہیں اور استسقاء میں دعا ہوتی ہے نہ کہ بددعا تو امام نے بددعا کا باب کیوں باندھ دیا؟ اسکا جواب یہ ہے حضرت امام بخاری کے اصول میں استدلال بالضد ہے، وبضدها تتبین

الاشیاء یہ باب بھی اسی قبیل سے ہے اس طور پر کہ جب بد دعا کی جاسکتی ہے حالانکہ بظاہر کچھ رحمت کی شان کے خلاف ہے تو دعا بدرجہ اولیٰ ہوسکتی ہے اور بعض شراح فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ دیکھو جہاں قحط پڑا ہو تو فوراً باہر نکل کر دعا نہ کرنے لگے، بلکہ مقحوطین کے حال کا جائزہ لے اگر فسق فجور میں مبتلا ہوں تو بجائے دعا کے بد دعا کرے، حضور ﷺ نے بد دعا فرمائی ہے۔

اللھم انج سلمۃ بن ھشام میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ یہاں باب اور ترجمہ پر دو اشکال ہیں باب پر جو اشکال تھا گذر چکا ہے۔ اب روایت پر اشکال باقی ہے وہ یہ کہ شراح و مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ دو واقعے ہیں حضرت امام بخاری نے دونوں کو یکجا کر دیا۔ اللھم انج سلمۃ بن ھشام الخ یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے اور میری تحقیق کے موافق ۱ھ کا ہے اور اللھم اجعلھا علیھم سنین یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے امام بخاری نے قبل الہجرت و بعد الہجرت کو یکجا کر دیا شراح نے امام بخاری پر یہ اشکال کیا ہے، لامع الدراری میں اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اپنے استاذ سے اسی طرح سنا تھا، اسی لئے یک جا جمع کر دیا ورنہ امام بخاری کی شان سے بعید ہے کہ ان کو خبر نہ ہو کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں یا ایک واقعہ ہے اور میری رائے یہ ہے کہ یہ کئی قصے الگ الگ ہیں ایک مکہ کا ہجرت سے قبل کا ہے اور وہ یہ ہے جس میں یہ آتا ہے اللھم اجعلھا سنین الخ یہ آپ نے کفار مکہ پر بد دعا کی تھی جبکہ ابوجہل وغیرہ بیٹھے تھے اور حضور ﷺ تشریف لائے اور بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھنے لگے تو اشقی القوم نے سلا جزور لاکر حضور اکرم ﷺ کی پشت مبارک پر لاکر رکھ دیا۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ اور دوسرا واقعہ وہ ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، اور حضرت انس و حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات میں دونوں قصے الگ الگ ہیں ایک قصہ نہیں ہے اور شراح و مشائخ نے دونوں کو اشتراک فی الفاظ الدعاء کی وجہ سے ایک سمجھ لیا حالانکہ اشتراک فی اللفظ اشتراک فی القصہ کو مقتضی نہیں ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں خاص قبیلہ مضر کے متعلق ہے چنانچہ بعض روایات میں واھل المشرق یومئذ من مضر مخالفون لہ حینئذ آتا ہے اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں وفد عبد القیس کے آنے کا ذکر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ان ھذا الحی من کفار مضر بیننا و بینک لانستطیع الا فی الشھر الحرام اور یہ وفد ۸ھ میں آیا ہے تو اگر دونوں قصے ایک ہوں اور مکہ کا واقعہ ہو تو کفار مضر کے حائل ہونے کا کیا مطلب؟ بلکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ۴ھ کی ہے شراح فرماتے ہیں کہ مضر قریش کا قبیلہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خاص کے لئے بد دعاء کرنے سے عام کے لئے بد دعا کرنا لازم نہیں آتا اور تیسرا واقعہ ۶ھ کا ہے جس میں صلوٰۃ الاستسقاء پڑھی گئی اور چوتھا خطبہ جمعہ میں دعائے استسقاء کا واقعہ ہے وہ ۹ھ کا ہے جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر پیش آیا شراح نے پہلے دونوں کو جوڑا پھر امام بخاری پر اشکال کر دیا۔ فقد مضت الدخان والبطشۃ واللزام وآیۃ الروم یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ یہ گذر گئیں ان میں آیت الروم یعنی الم غلبت الروم الآیۃ تو متفق علیہ ہے کہ گذر چکی اور باقی تین میں جمہور مفسرین اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف ہے دخان سے مراد حقیقی دھواں نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو قحط کے زمانے میں قریش مکہ کو بھوک کی شدت کی وجہ سے محسوس ہوتا تھا اور جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ علامات قیامت

میں سے ہے کہ قیامت کے قریب ایک دھواں آئے گا جو منہ سے داخل ہو کر ناک سے نکلے گا اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰی میں جو بطشہ ہے اس سے مراد بدر کے روز اسر وقید کفار ہے اور وہ بھی گذر گیا اور جمہور کے نزدیک یہ قیامت میں ہوگا اور فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ہے اس سے مراد قید کفار ہے وہ بھی گذر چکی۔ اور جمہور کے نزدیک اس سے مراد کفار کو جہنم میں پکڑ کر ڈالنا ہے۔

باب سوال الناس الامام الاستسقاء الخ

یعنی ادب یہ ہے کہ اگر قحط آجائے تو لوگ امام یعنی امیر سے درخواست کریں تا کہ وہ استسقاء کا انتظام کردے اور لوگوں کو چاہیئے کہ امام کے ساتھ ہو کر دعا کریں۔ استسقاء بالعباس بعض لوگوں نے جو توسل بالمیت کے قائل نہیں اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کا وسیلہ نہیں لیا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ اختیار کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ توسل نہ کرنا حرمت کی دلیل نہیں ہے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو توسل کیا گیا وہ ان کے بوڑھے ہونے کی وجہ سے تھا اور حضور ﷺ کے چچا ہونے کی وجہ سے ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه: "ثمال الیتامی عصمة للارامل" یہ ابو طالب کے ایک طویل قصیدے کا ایک شعر ہے جس میں ستر اسی اشعار ہیں اس میں سے بعض حافظ ابن حجر نے نقل کئے ہیں اور بعض میں نے لامع کے حاشیہ میں نقل کئے ہیں اس میں اشکال ہے یہ ہے کہ واقعات استسقاء تو ابو طالب کی وفات کے بعد پیش آئے پھر انہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے ذریعہ سے بارش طلب کی جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ بحیرا راہب سے انہیں معلوم ہو گیا تھا اسکا ذکر انہوں نے اپنے شعر میں کر دیا اور میری رائے ہے کہ مورخین نے دو واقعات نقل کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں آپ کے ذریعہ استسقاء کا واقعہ پیش آچکا ہے ایک واقعہ سہیلی نے نقل کیا ہے کہ عبدالمطلب کے زمانے میں قحط سالی ہوئی تو انہوں نے استسقاء کیا اس وقت حضور ﷺ نوعمر تھے اور عبدالمطلب کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ کی برکات ظاہر ہوئیں اور دوسرا واقعہ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ ابو طالب کے زمانے میں قحط سالی ہوئی لوگوں نے ابو طالب سے آکر استسقاء کی درخواست کی ابو طالب حضور ﷺ کو ساتھ لے کر گئے اور آپ ﷺ کی برکت سے بارش ہوئی آپ ﷺ نے کعبہ کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر بارش کی دعا فرمائی ابو طالب نے اپنے اشعار میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

باب تحویل الرداء فی الاستسقاء

یعنی جو سنیت صلوۃ کے قائل ہیں وہ تحویل رداء کے بھی قائل ہیں مگر اس کے محل میں اختلاف ہے کہ پہلے خطبہ میں یا دونوں کے درمیان یا دونوں کے ختم کے بعد، امام صاحب چونکہ سنیت صلوۃ کے قائل نہیں ہیں اسی طرح تحویل کے بھی قائل نہیں ہیں فرماتے ہیں: انما فعله النبی ﷺ تفاولا ولسنا کهیئة النبی ﷺ. وکان ابن عیینة یقول هو صاحب الاذان ۔یعنی ابن عیینہ

فرماتے تھے کہ یہ روایت عبداللہ بن عبدربہ صاحب اذان کی ہے مگر یہ وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ عبداللہ بن زید ابن عاصم کی روایت ہے، اور صاحب اذان ابن عبدربہ کی روایت صحاح ستہ میں صرف ایک ہی ہے، جواذان کی ہے، شراح غیر صحاح میں ایک آدھ روایت اور بتلاتے ہیں۔ (۱)

باب انتقام الرب

اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جب ان کے محارم کا انتہاک کیا جاتا ہے تو وہ بلائیں مسلط فرماتے ہیں۔ منجملہ ان کے قحط ہے، احادیث میں خاص خاص گناہوں پر خاص خاص عذاب وارد ہیں۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ کوئی روایت اس باب میں امام بخاری نے ذکر نہیں کی شراح تو کہتے ہیں کہ کوئی روایت ان کی شرط کے موافق نہیں ملی مگر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے قصد البغرض تشحیذ اذہان ذکر نہیں فرما، ابھی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گذری ہے اس میں آیت پاک میں ''انا المنتقمون'' تک سارا ضابطہ بیان فرمادیا ہے میرے نزدیک بخاری نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (۲)

باب الاستسقاء فی المسجد الجامع

مطلب یہ ہے کہ استسقاء کے لئے باہر جانا جو باب خروج النبی ﷺ فی الاستسقاء سے ثابت کیا گیا ہے ضروری نہیں ہے۔

ان رجلا: میری تحقیق کے موافق یہ واقعہ ۹ھ کا ہے اور داخل ہونے والا خارجہ بن حصن ہے، عینیہ بن حصن فزاری کے بھائی ہیں۔

مارأينا الشمس سبتا: بفتح السین اور بکسر السین سبتا ضبط کیا گیا ہے، اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

هلكت الاموال: پہلے خشک سالی کی وجہ سے کہا تھا اور یہاں کثرت باراں کی وجہ سے۔ الاكام بمعنى التلال .

فقال ادری. يخالف مافی صحيح ابی عوانة انه قال هوهو فاما ان يقا ل بترجيح رواية البخاری او يقال نسی بعد مارواه ، فلما سئل بعد النسيان قال لا ادری والذی اخذ عنه قبل النسيان روی عنه كماروی له .

باب الاستسقاء فی خطبة الجمعة

یہاں سے تنبیہ کررہے ہیں کہ جمعہ کے خطبے میں دعا استسقاء ہوگی، تو پھر استقبال قبلہ نہ ہوگا جیسا کہ جنگل میں استقبال قبلہ ہوتا ہے۔

دار القضاء: بعض نے دار القضاء کا ترجمہ دار الامارۃ اور مقام فیصلہ سے کردیا یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کو دار القضاء اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دین میں فروخت کیا گیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ یہ مکان میرے دین کی ادائیگی میں فروخت کردیا جائے اور اگر کچھ دین رہ جائے تو بنوعدی سے مدد لی جائے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن اور

---

(۱) باب تحويل الرداء: حضور ﷺ سے چونکہ صرف ایک مرتبہ نماز ثابت ہے لہٰذا روایات میں تحویل رداء کی کیفیت میں جو اختلاف منقول ہے، اسکے اندر جمع کی ضرورت ہے بعض نے یہ کیفیت نقل کی کہ یمنی کو یسری پر اور یسری کو یمنی پر کرے اور بعض نے یہ کیفیت بیان کی کہ تقلیب کرے، میرے والد صاحب نے دونوں کے اندر اسطرح جمع فرمایا ہے کہ چادر کے نیچے کے دائیں کونے کو بائیں مونڈھے پر اور بائیں کونے کو دائیں مونڈھے پر کرے تو تقلیب بھی متحقق ہوجائے گی اور تحویل بھی۔

(۲) باب انتقام الرب الخ: امام بخاری نے یہاں کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی، میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر صفحہ پر حدثنا الحمیدی کے تحت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گذری ہے اس میں حضور ﷺ کے متعلق ہے، لما رای من الناس ادبار الخ تو اس سے معلوم ہوگیا کہ بارش نہ ہونے کا سبب انتقام ادبار ناس ہے۔ (س)

خاص قبیلہ تھا اور اگر کچھ رہ جائے تو قریش سے مدد لی جائے اس کے آگے اور کسی سے مدد نہ لی جائے۔

باب الاستسقاء علی المنبر

اس باب سے مالکیہ پر رد فرمایا مالکیہ منبر ہونے کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ خلاف تضرع ہے اور وہ وقت تضرع اور زاری کا ہوتا ہے، امام بخاری نے اس پر رد فرمادیا کہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

باب من اکتفی بصلوۃ الجمعۃ

یہی حنفیہ کہتے ہیں کہ صلوۃ استسقاء مستقل سنت نہیں ہے، اتفاقاً حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی اگر صلوۃ خمسہ یا جمعہ کے بعد دعا استسقاء کر لے تو مقصود حاصل ہو جائے گا لیکن شافعیہ وغیرہ سب کو کھینچ تان کر اصل صلوۃ الاستسقاء کو قرار دیتے ہیں اور صلوۃ جمعہ کے بعد استسقاء کو من باب الاکتفاء قرار دیتے ہیں۔

باب الدعا اذا تقطعت السبل بکثرۃ المطر

یعنی اگر کثرۃ مطر کی وجہ سے نقصان ہو رہا ہے تو بارش رکنے کی دعا کر سکتے ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ استسقاء کے لئے تو باہر جانا مستحب ہے مگر بارش کے رکنے کی دعا کے لئے باہر جانا مستحب نہیں ہے، مگر بھائی صرف جواز بیان کرنا ہے اور باب الدعاء اذا اکثر المطر حوالینا و لا علینا سے دعا کرنے کا طریقہ بیان فرمانا ہے۔(۱)

باب ماقیل ان النبی ﷺ لم یحول رداءہ

امام بخاری یوں فرماتے ہیں کہ تحویل رداء ضروری نہیں ہے۔

باب اذا استشفعوا الی الامام

پہلے یہ بیان کیا تھا کہ اگر قحط آجائے تو امام سے دعا استسقاء کی درخواست کریں اب اس باب سے یہ بتاتے ہیں کہ امام کو چاہیئے کہ ان کی درخواست قبول کر لے۔

باب اذا استشفع المشرکون بالمسلمین عند القحط

یعنی اگر مسلمانوں کو ضرورت نہیں ہے اور کفار دعا کی درخواست کریں تو کیا کرے؟ امام بخاری نے اس کا کوئی جواب ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ مختلف احتمالات ہیں، ایک یہ ہے کہ دعا کر دے، جیسا کہ حضور ﷺ نے کی تھی، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر اپنی بددعا سے یہ قحط آیا ہے تو دعا استسقاء کرے ورنہ نہیں۔

---

(۱) باب الدعا اذا تقطعت: اس باب کی غرض یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اگر بارش کی زیادتی کی وجہ سے راستے منقطع ہو جائیں تو بارش بند ہونے کی دعا نہ کرنی چاہیئے، کیونکہ بارش رحمت خداوندی ہے تو امام بخاری نے اس باب سے ان لوگوں پر رد فرمایا ہے، اس کے بعد دوسرا باب ہے، باب ماقیل ان النبی ﷺ لم یحول رداءہ یہ منعقد فرما کر بتلا دیا کہ احناف کے نزدیک جو تحویل رداء سنت نہیں ہے اس کی بھی اصل موجود ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے جب خطبہ جمعہ کے اندر استسقاء کی دعا فرمائی تو تحویل رداء نہیں کی تو اگر استسقاء کا جزء ہوتی تو حضور ﷺ تحویل فرماتے۔۔(س)

زاد اسباط : یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اور یہ بالاتفاق مکہ کی ہے، اس میں اسباط نے فدعا رسول اللہ ﷺ الخ بڑھا دیا اس پر شراح نے اور میرے حضرت نے اعتراض کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مکہ کی ہے اور کثرت مطر کی شکایت مدینہ کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے توجیہ فرمائی کہ ممکن ہے کہ دونوں جگہ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور میری رائے یہ ہے کہ زاد اسباط فدعا رسول اللہ ﷺ فسقوا الغیث یہ پہلا واقعہ ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے متعلق ہے مکے کا ہے اور فاطبقت علیھم سبعا الخ یہ مدینہ کا ہے اسباط نے تبعاً واستطراداً اس کو ذکر فرما دیا۔(۱)

باب الدعا اذا اکثر المطر حوالینا ولا علینا

یعنی کثرت باراں کے وقت دعا کرنی جائز ہے اور یہ الفاظ اولیٰ ہیں۔(۲)

باب الدعا فی الاستسقاء قائما

چونکہ دعا میں تضرع ہے اس لئے آداب میں سے یہ ہے کہ قائما ہو۔

باب الجھر بالقراء ة فی الاستسقاء

مسئلہ متفق علیہا ہے۔

اخرج النبی ﷺ یستسقی الخ یہ روایت اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ اس پر اجماع ہے کہ صلوۃ الاستسقاء میں خطبہ نماز کے بعد ہوگا اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہوگا اب توجیہ اس کی یہ ہے کہ روایت میں قلب واقع ہو گیا یا یہ کہا جائے کہ ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے۔

باب کیف حول النبی ﷺ ظھرہ الی الناس

میری رائے یہ ہے کہ اگر ترجمہ یوں ہوتا "کیف حول النبی ﷺ ردائہ" تو امام بخاری کی شان کے زیادہ لائق ہوتا کیونکہ تحویل رداء کی کیفیت میں اختلاف ہے، لیکن چونکہ امام بخاری نے حول ظھرہ کا باب باندھا ہے اس لئے ہم انشاء اللہ اختلاف تو

---

(۱) باب اذا استشفع المشرکون بالمسلمین: امام بخاری نے باب باندھ کر کوئی حکم نہیں لگایا، اب علماء کی رائے اس میں مختلف ہے بعض نے کہا کہ چونکہ حضور ﷺ نے ابوسفیان کے کہنے سے دعا فرمائی لہٰذا جائز ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں تو حضور ﷺ نے اس وجہ سے دعا کر دی کہ آپ ہی کی بددعا سے بارش رکی تھی نیز پہلے گذر چکا کہ لوگوں کی حالت دیکھنے کے بعد استسقاء کی دعا کرنی چاہئے کہ وہ لوگ خدا کی رحمت کے اہل ہیں یا نہیں؟ یہ بھی دلیل ہے کہ مشرکین کے واسطے دعا نہ کرنی چاہئے۔

(۲) باب الدعا الخ :شراح کے نزدیک اس باب سے قبل جو باب الدعا اذا تقطعت گذرا ہے اس سے الفاظ دعا مراد ہیں اور یہاں نفس دعا مراد ہے اور میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ ہے کہ دعا کا ادب بیان کیا جا رہا ہے کہ حضور ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ سے دعا کرنی چاہئے کہ نہایت جامع الفاظ ہیں اور حکمت سے پر بھی ہیں۔(ن)

پیدا کر ہی دیں گے اس لئے کہ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک اختلاف ہی اختلاف ہے۔اور اختلاف یہ ہے کہ اس میں علماء مختلف ہیں کہ دعا کس وقت کرے یہ تو ضرور ہے کہ مستقبل قبلہ ہوگی مگر اسکا محل اور وقت کیا ہے؟ آیا خطبتین کے درمیان میں ہے یا خطبہ ثانیہ کے شروع میں یا درمیان یا آخر میں اس صورت میں کیف متی کے معنی میں ہوگا۔(۱)

باب صلوة الاستسقاء ركعتين

مطلب یہ ہے کہ دو رکعت سے زیادہ نہیں ہے اس لئے کہ زیادتی ثابت نہیں ہے۔

باب الاستسقاء في المصلى

غرض باب کی یہ ہے کہ استسقاء کی نماز اگر عید گاہ میں پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور جس طرح مسجد جامع میں جائز ہے عید گاہ میں بھی جائز ہے اور جو روایت میں واقعہ ہے یہ ٦ھ کا ہے۔''جعل اليمين على الشمال'' کیفیت قلب رداء میں روایات مختلف ہیں ایک تو یہی کہ ''جعل اليمين على الشمال'' ہے۔اور دوسری روایت میں چادر کا نیچے سے اوپر کردینا ہے،دونوں روایات میں علماء نے جمع فرمایا ہے۔

باب استقبال القبلة في الاستسقاء

میں بتلا چکا ہوں استسقاء میں خطبہ میں استقبال قبلہ ہوگا۔

قال ابو عبدالله عبدالله ابن زيد هذا مازني والاول كوفي الخ :چونکہ باپ کے نام میں یا اور عدم یا کا فرق ہے بقیہ نام متحد ہے اس لئے ممکن تھا کہ کسی کو وہم ہو جائے کہ دونوں ایک ہی ہیں تو امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ یہ مازنی اور اول کوفی ہیں۔

باب رفع الناس ايديهم مع الاما م الخ

اس باب کی غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ استسقاء میں صرف امام دعا کے وقت رفع یدین کرے گا اور بقیہ حضرات ویسے ہی بغیر ہاتھ اٹھائے آمین کہیں گے۔جمہور کے نزدیک امام و مقتدی رفع یدین کریں گے امام بخاری کی رائے بھی یہی ہے۔اتــى رجـل اعـرابي من اهل البدو میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے میں نے اول کتاب میں ذکر کیا ہے کہ میرے نزدیک چار واقعے ہیں ایک تو مکہ مکرمہ کا دوسرا ۴ھ کا،تیسرا ٦ھ کا،جس میں نماز پڑھی اور چوتھا ۹ھ کا غزوۂ تبوک سے واپسی میں اور شراح کے کلام میں بعض جگہ ان میں تخلیط واقع ہوگئی ہے۔

باب رفع الامام يده في الاستسقاء

پہلے باب میں امام بخاری رفـع الـنـاس ايديهم مع الامام فرما چکے ہیں جس سے امام کا رفع ثابت ہوگیا اب یہ باب مکرر ہوگیا

---

(۱)باب كيف حول النبي ﷺ :یہ کیف کے ساتھ ساتواں باب ہے اور میرے نزدیک یہ لفظ کیفیت ثابت کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کیفیت کے اختلاف کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو یہاں بھی یہ اختلاف ہے کہ یہ تحویل کس وقت ہوگی امام احمد کے نزدیک خطبہ کے بعد اور امام شافعی کے نزدیک پہلے خطبے کے درمیان اور بعض علماء کے نزدیک دونوں خطبوں کے درمیان ہوگی۔(كذا في تقريرين،مولوی احسان لاهوری)

شراح فرماتے ہیں کہ اول استطر اداتھا اور یہ استقلالا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یہی تھا تو اولا امام بخاری کواس کی شرافت کی وجہ سے استقلالا ذکر کرنا چاہیئے تھا، اور پھر استطر ادا بھی ذکر فرمادیتے، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ باب سابق کی غرض تو وہ ہے جو میں بیان کر چکا اور اس باب سے کیفیت رفع ثابت کرنا ہے، اور وہ اس طرح پر کہ رفع میں مبالغہ کرے حتی کہ بیاض ابطین ظاہر ہو جائیں یعنی مطر کے وقت یہ دعا کرنی چاہیئے ۔"وقال ابن عباس کصیب المطر" چونکہ لفظ صیب خود حدیث پاک میں آرہا ہےاس لئے امام بخاری کا ذہن آیت کریمہ" او کصیب من السماء" کی طرف منتقل ہوگیااوراس کی تفسیر فرمادی کہ اس کے معنی بارش کے ہیں نیز مطر کا لفظ آیا تھا اور صیب کے معنی بھی مطر کے ہیں اسلئے آیت کی طرف ذہن منتقل ہوااوراس کی تفسیر فرمادی۔

وقال غیرہ صاب واصاب یصوب :امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ صیب اجوف واوی ہے اجوف یائی نہیں ہے اور یا تعلیل کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ صاب یصوب سے مشتق ہے، اب حضرت امام بخاری پر یہاں ایک اشکال کیا گیا کہ امام نے صاب اور اصاب دونوں کا مضارع یصوب لکھا۔ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اصاب کا مضارع یصوب نہیں بلکہ یصیب آتا ہے، مدافعین عن البخاری جواب دیتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض صرف یہ ہے کہ صاب و اصاب ہر دو ایک معنی میں ہیں، اصاب کے مضارع کو ذکر نہیں فرمایا۔ اللّٰھم صیبا نافعا :نافع اس وجہ سے فرمایا کہ بعض اوقات بارش ضرر کا سبب ہو جاتی ہے، اس لئے مقید فرمادیا نافع ہو ضار نہ ہو۔

باب تمطر فی المطر الخ

حضرت امام بخاری کے اصول مطردہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ امام بخاری بعض اوقات اپنے ترجمہ سے کسی ایسی روایت کی تائید فرماتے ہیں کہ جس کا مضمون تو صحیح ہوتا ہے مگر روایت شرط کے مطابق نہیں ہوتی اور بعض تردید فرماتے ہیں جب کہ مضمون بھی امام کے نزدیک صحیح نہ ہو روایت کی شرط کے موافق نہ ہونے کے ساتھ، یہاں مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے چادر اتاردی ہلکی پھلکی پھوار پڑ رہی تھی اور بارش کو اپنے اوپر لینے لگے اور فرمایا حدیث عھد بربہ، چونکہ وہ روایت امام بخاری کی شرط کے مطابق نہ تھی مگر مضمون صحیح تھا اس لئے امام نے اس کی تائید فرمائی اور تائید اسطرح کردی کہ حضور ﷺ پر بارش ہو رہی تھی مگر حضور ﷺ ہٹے نہیں۔ (۱)

باب اذا ھبت الریح

حاصل یہ ہے کہ چونکہ ریح شدیدہ عذاب الٰہی کا پیش خیمہ ہے اس لئے ایسے وقت ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہیے۔

(۱) باب من تمطر الخ : تمطر سے مراد قام ہے اس حدیث کی بناء پر بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ موسم کی سب سے پہلی بارش میں غسل کرنا چاہیئے۔(ن)

باب قول النبی ﷺ نصرت بالصبا

شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ وہ صبا کا استثناء فرما رہے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ پر خوف اس وقت طاری ہوتا تھا جب کہ دبور ہو صبا کے وقت خوف نہیں ہوتا تھا۔

باب ماقیل فی الزلازل والآیات

چونکہ زلازل کا وقوع شدت ہوا میں اکثر ہوا کرتا ہے اس لئے زلازل کو بھی اس میں ذکر فرمادیا اب یہ کہ زلازل وغیرہ میں استقاء کی طرح نماز ہے یا نہیں؟ حنابلہ کے یہاں ہے، اور جمہور کے نزدیک نہیں، البتہ چونکہ یہ علامات قیامت میں سے ہے اس لئے تضرع کرنا چاہیئے اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہونا چاہئے۔

ویتقارب الزمان: تقارب زمان کے کئی مطلب ہیں اکثر کی رائے یہ ہے کہ برکت جاتی رہے گی، ایسے طور پر دن ورات گذریں گے کہ کچھ پتہ نہ چلے گا کہ رات کب آئی اور دن کب ختم ہوا اور اسی معنی کے قریب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ لذات وشہوات میں اتنا غلو ہوگا کہ کچھ پتہ نہ چلے گا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شئی میں انہماک ہوتا ہے تو وقت کا پتہ نہیں چلتا کہ کب گذرا اور کتنی دیر میں گذرا، نہ اہل معاصی کو نہ اہل طاعات کو۔ اور تیسرا مطلب بعض نے یہ لکھا ہے کہ کثرت مصائب کی وجہ سے دن ورات کا پتہ نہ چلے گا مگر اشکال یہ ہے کہ مصیبت کے وقت تو ایک گھڑی کاٹنا بھی مشکل ہوتا ہے اور پہاڑ سا معلوم ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کثرت مصائب کی وجہ سے حواس میں تعطل ہو جائے گا اور پتہ ہی نہ ہوگا کہ کب رات آئی اور کب دن ختم ہوا۔ او العکس نیز ایک مطلب اور بھی بتلایا گیا ہے کہ دن ورات میں مساوات فی المقدار ہو جائے گی، مگر یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ کتاب الرؤیا والی حدیث میں مراد لیا جائیگا کیونکہ مساوات کے وقت خواب صحیح ہوتا ہے اور اس رؤیا والی کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ قرب قیامت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت میں خواب سچے ہونے لگیں گے۔

باب لایدری متٰی یجیئ المطر الخ

یعنی بارش کے متعلق یہ یقین یہ کرنا چاہیے کہ فلاں وقت ہوگی جیسا کہ ماہرین فلکیات کر دیتے ہیں، یہ صرف اٹکل پچو ہے۔ سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور رہے قرائن تو بسا اوقات اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے اسی طرح بقیہ پانچ چیزیں جن کا ذکر حدیث میں ہے، ان کا بھی علم یقینی صرف اللہ کو ہے۔

تمت

﴿حصہ سوم ختم شد﴾

تحفۃ القاری

لحلّ مافی صحیح البخاری

طالباتِ صحیح بخاری کے نصاب میں شامل
"کتاب الجہاد والسیر" کی مستند اُردو شرح

تالیف:
محمد یوسف مدنی
خادم الحدیث النبوی
بالجامعۃ معہد الخلیل الاسلامی

تقریظ:
حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

خصوصیات:

معرّب متن، سلیس ترجمہ، الفاظِ مشکلہ کی توضیح
نفسِ حدیث کے حل پر خصوصی توجہ، تراجمِ بخاری پر پُرمغز کلام
ضروری متعلقہ مسائل وفوائد کی وضاحت